تاریخ ہندوستان

سلطنت اسلامیہ کا بیان

جلد اوّل

جس میں مضامین بہ تفصیل ذیل ہیں

(۱) التماس
(۲) مقدمہ
(۳) عرب کے زمانۂ جاہلیت کا بیان
(۴) ایک سو اٹھارہ خاندان سلاطین اسلامیہ کا مختصر بیان جنہوں نے دنیا میں سلطنت کی
(۵) ملک سندھ پر اہل عرب کی حملہ آوری اور فتحیابی کی تاریخ یہانتک خلفائے عباسیہ کی حکومت سے اس کا انقطاع ہوا۔
(۶) خاندان غزنوی کی تاریخ
(۷) خاندان غوری اور غلام بادشاہوں کی تاریخ

مصنفہ
خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی مرحوم

بار سوم
باہتمام محمد مقتدیٰ خان شروانی
[illegible]

فہرست کتب موجودہ بکڈپو

تاریخ ہندوستان ۔ مصنفہ خان بہادر مولوی محمد ذکاءاللہ صاحب شمس العلما مرحوم دہلوی۔ یعنی مسلمانوں کے عہد سلطنت کی تاریخ ۱۰ جلدوں میں جس میں سے **جلد اول** کتاب ہذا ہے **قیمت** عمہ

جلد دوم ۔ جس کے مضامین یہ ہیں۔ (۱) خاندان خلجیہ کی تاریخ (۲) خاندان تغلق کی تاریخ (۳) سلاطین سادات اور لودہی کی تاریخ یہ جلد آجکل زیر طبع ہے **قیمت** عہ

جلد سوم ۔ (۱) بابر نامہ (۲) شگرف نامۂ ہمایوں (۳) رزم نامۂ شیرشاہی (۴، ۵) **قیمت** عہ

جلد چہارم ۔ اسکے دو حصے ہیں۔ حصۂ اول میں (۱) تاریخ سندھ (۲) تاریخ کشمیر (۳) تاریخ گجرات۔ (۴) تاریخ مالوہ (۵) تاریخ خاندیس (۶) تاریخ سلاطین بنگال۔ (۷) تاریخ سلاطین جونپور۔ حصۂ دوم میں (۱) تاریخ سلاطین بہمنیہ دکن (۲) تاریخ سلاطین عادل شاہیہ بیجاپور (۳) تاریخ سلاطین نظام شاہیہ گولکنڈہ۔ (۴) تاریخ سلاطین عمادیہ ملک برار (۵) تاریخ سلاطین برید شاہیہ ملک بیدر (۶) ضمیمۂ تاریخ دکن و پرتگیزوں کی تاریخ (۷) تاریخ دکن کا ریویو **قیمت** عام

جلد پنجم ۔ اقبال نامۂ اکبری جسمیں شہنشاہ اکبر کا حال تمام و کمال لکھا ہے **قیمت** سے

جلد ششم ۔ کارنامۂ جہانگیری جسمیں شہنشاہ جہانگیر کا کل حال لکھا ہے **قیمت** عہ

جلد ہفتم ۔ ظفر نامۂ شاہجہان جسمیں شہنشاہ شاہجہان کا حال از اول تا آخر مندرج ہے **قیمت** عہ

جلد ہشتم ۔ بادشاہ نامۂ عالمگیر یعنی شہنشاہ عالمگیر کا حال اول سے آخر تک درج ہے **قیمت** عہ

جلد نہم و دہم ۔ زوال سلطنت تیموریہ۔ عالمگیر کے عہد سے آخر بادشاہ بہادر شاہ تک۔ اور تمام مسلمانوں کی سلطنتیں ایشیا میں کہاں کہاں ہیں اور بالفعل ان کا کیا حال ہے۔ ہندوستان اور ہندو کو مسلمانوں کی سلطنت سے فائدہ پہنچا یا نقصان، دہلی میں پایۂ تخت کا بدلنا، اور اسکی عمارات کی مفصل کیفیت

قیمت ہر دو جلد یعنی نہم و دہم عمہ

کل تاریخ کی قیمت چودہ روپیہ چار آنہ ہوئی۔ مگر ہر حصہ بجائے خود تاریخ ہے کچھ اور حصوں پر موقوف نہیں ہے اگر علاوہ کوئی خرید یگا تو بتفصیل بالا اسکے ہاتھ بیچے جائینگے۔ یکمشت دس حصوں کے خریدار کو انکی قیمت بلا جلد للعہ مع جلد ۱۱ معہ محصولڈاک

بقیہ کیلئے ملاحظہ ہو صفحہ (ج)

التماس

میں خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ میری تاریخ ایسی مقبول خاص و عام ہوئی کہ اسکی جلد اوّل کی طبع ثانی کی ضرورت ہوئی۔ مقدمہ میں اسکے کچھ کمی و بیشی کی ہے باقی تاریخ میں کچھ تغیر و تبدل نہیں کیا۔

فہرست مضامین مقدمہ تاریخ

فہرست مضامین باب اوّل زمانہ جاہلیت کا حال عرب کا صفحہ ۱۵ سے ۸۵ تک

فہرست مضامین باب دوم صفحہ ۸۶ سے ۱۶۳ تک

ملک سندھ پر اہل عرب کی حملہ آوری اور قبضیابی صفحہ ۹۷ سے ۱۸۲ تک

خلفاء خاندان امویہ یعنی بنی امیہ کی خلافت سنہ ۴۱ - ۱۳۲ھ صفحہ ۱۸۲ سے ۲۳۴ تک

خاندان عباسیہ صفحہ ۲۳۴ سے ۲۳۹ تک

متفرقات صفحہ ۲۳۹ سے ۲۴۷ تک

باب چہارم - خاندان غزنویہ ۲۴۷ سے ۴۰۷ تک

فصل دوم۔ خاندان غزنویہ

ذکر سلطنت ابو الفتح قطب الملت شہاب الدولہ امیر مودود بن سلطان مسعود صفحہ ۳۲۰ سے ۳۴۵ تک

فصل سوم۔ خاندان غوری۔ صفحہ ۳۴۵ سے ۳۷۱ تک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ تاریخ

ارباب لغت نے لفظ تاریخ کی تحقیق میں اور اشتقاق میں بہت صفحے سیاہ کئے ہیں۔ انہیں سے چند سطریں بقدر ضرورت نقل کیجاتی ہیں۔ مدالقاموس میں لکھا ہے کہ تاریخ کے لفظ کا مادہ عبری یارخ ہے جس کے معنی چاند کے ہیں یا کالدی مادہ یرخ ہے جسکے معنے مہینے کے ہیں اس تحقیق میں طول زیادہ ہے جس کی نقل سے کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہے۔ لسان العرب میں لکھا ہے کہ ارخ سے تاریخ مشتق ہے اور ارخ کے معنی ہیں گائے کے بچے کے جو ابھی پیدا ہوا ہو اسلئے ہر واقع کو جو نو پیدا ہو تاریخ کہتے ہیں۔ تاج العروس شرح قاموس میں لکھا ہے تاخیر کے مقلوب ہونے سے تاریخ بنا ہے اور تاخیر کے معنے ہیں اولین وقت کو آخرین وقت کے ساتھ نسبت دینے کے اور ہر چیز کی وقت کی تاریخ اس کی انتہا اور اسکا وہ وقت ہے جس پر وقوع اس کا ختم ہوتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ فلانی تاریخ قوم خود است یعنی خاندان کی شرافت اس پر ختم ہوتی ہے۔ زمانہ معین کے ساتھ سوانح کے پابند کرنے کو فارسی زبان میں ماہ و روز کہتے ہیں مفاتیح العلوم خوارزمی میں لکھا ہے کہ اہل عرب نے ماہ روز کو معرب بنا کر ماروخ پھر مورخ بنایا اور اسکو باب تفعیل کا اسم فاعل سمجھ کر مصدر تاریخ بنا لیا۔ بعض ارخ کو مادہ ٹھیرا کر یہ کہتے ہیں کہ باب تفعیل کی خاصیت دور کرنے کی بھی ہے اس لئے سانحہ کے وقت کی نادانی دور کرنے کے معنی کو تاریخ کہتے ہیں عرف میں تاریخ ایک روز معین ہوتا ہے کہ پچھلے زمانہ کو اس سے نسبت دیتے ہیں اور اسی سے شروع کرتے ہیں۔ یہ روز وہ ہوتا ہے کہ جس میں کوئی سانحہ عظیم واقع ہوا ہو جیسے کسی مذہب کا پیدا ہونا۔ کسی بادشاہ کا اورنگ نشین ہونا۔ طوفان کا اٹھنا یا زلزلہ عظیم کا آنا۔ غرض تاریخ کے معنے تعریف الوقت یا توقیت الشئے یعنی کسی چیز کے

وقت مقرر کرتے ہیں۔ پس جو حالات و اخبار بقید وقت لکھے جاتے ہیں اُس کو تاریخ کہتے ہیں۔

یہ امر تحقیق ہے کہ تاریخ اپنی نوزادگی میں نہ قوت ایسی رکھتی تھی نہ اس پاس اسباب ایسے کافی جمع تھے کہ وہ کاغذی پیرہن پہن کر اپنی صورت حرفوں میں دکھاتی یعنی لکھنے میں آتی۔ مدتوں تک واقعات کا علم فقط حافظہ میں محفوظ رہا یا وحشیانہ رموز و علامات میں یاد رہا۔ علم ادب نے اپنی تصویر پہلی نظم کے مرقعہ میں دکھائی جو علم موسیقی یا مطربی سے اتحاد رکھتا تھا۔ جب علم ادب کی سحر تھی یعنی آغاز۔ تو جس ذہین ادیب کو کچھ کہنا ہوتا تو وہ مطرب بنکر اُس کو الاپتا۔ اسکے الفاظ ہوا میں پرواز کر کے دور دور جاتے اور عوام میں اس پرواز کے برقرار رہنے کے لئے نہ قلم کی نہ کسی اور آلہ تحریر کی احتیاج تھی۔ نثر پر نظم سقدم تھی اور اس نظم میں کیا واقعات نزم ہوتے یا گیت و بھجن ہوتے۔ اگرچہ اس میں تاریخی عناصر موجود ہوتے تھے مگر شاذ و نادر پاک صاف ہوتے تھے۔ پہلے زمانہ کے لوگوں میں وہ باتیں پسند ہوتی تھیں جنہیں قوت متخیلہ نے کام کیا ہو۔ وہ حواس اور مشاہدہ کے کاموں کو پسند نہیں کرتے تھے اسی لئے اُن کو قصّے کہانیاں زٹل قافئے زیادہ بہ نسبت نفس الامری واقعات کے مرغوب خاطر تھے۔ اگر ہم ان وحشیانہ گیتوں کو جو ہر جگہ فن تحریر کی ایجاد سے پہلے مروج تھے تاریخی واقعات خیال کریں تو بڑی غلطی ہے۔ ان مطربانہ نغموں کی بنا سچ پر نہ تھی بلکہ سچ یہ ہے کہ اُن پر بالکل سچ کی پرچھائیں بھی نہیں پڑی تھی۔ اگرچہ بظاہر یہ امر آسان معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت میں اس سے زیادہ مشکل کوئی امر نہیں ہے کہ واقعات تاریخی کی تحقیق و تنقیح و تنقید کر کے اُنکی اصل حقیقت دریافت کریں کوئی قدرتی و جبلی قوت انسان میں اُن کے دریافت کرنے کی عطا نہیں ہوئی۔ کسی نسل و قوم انسانی کو یہ قوت حاصل ہی نہیں ہوئی جب تک کہ اسکی عقل و دانش و فرزانگی و زیرکی میں پختگی نہ آئی ہو اب یہ قوت تربیت و تعلیم و تہذیب انسانی کا نتیجہ ہے۔ مختلف قوموں میں ایسی نظم نے جو تاریخ سے قرابت قریبہ رکھتی ہے ایک عجیب و غریب خوبی پہلے اس سے پیدا کی ہے کہ کوئی ذلیل سے ذلیل تاریخ بھی ان کے پاس ہو۔ ہندوستان میں ہندوؤں کو رامائن اور مہابھارت پر فخر و ناز ہے مگر تاریخی علم ان پاس موجود نہیں

یونان میں ہومر شاعر پہلے ہیرو ڈوٹس مؤرخ سے موجود ہے۔ انگلستان میں شیکسپیئر شاعر پہلے اس سے موجود ہے کہ کوئی مؤرخ وہاں پیدا ہو۔ غرض مؤرخوں سے پہلے شعرا پیدا ہوتے ہیں۔ جھوٹے قصوں فسانوں و قافیہ سنجیوں کی زنجیروں سے قدیمی قوموں کا پاؤں نہایت آہستہ آہستہ بتدریج نکلا ہے اور مصالح تاریخی جو قوانین قدرت کے موافق ہو حاصل ہوا ہے دنیا میں تاریخ نویسی چین و جاپان نے سب سے اول شروع کی ہے اور اُن کا تاریخی علم ادب بہت وسیع ہے اور قوموں نے بھی تاریخ نویسی کو شروع کیا ہے۔ مگر ہم کو صرف اپنی قوم کے تاریخی علم ادب بیان کرنے کی ضرورت ہے اس لئے ہم فقط اہل عرب کی تاریخ نویسی کو ذکر کرتے ہیں اور باقی سب کو ترک کرتے ہیں۔

عربی زبان میں آنحضرتؐ کے زمانہ سے پہلے کسی زمانہ کی کوئی تاریخ تصنیف نہیں ہوئی عربی زبان میں تاریخ کا موضوع اوّل آنحضرتؐ کی ذات مبارک اور اُنکے اقوال و افعال و غزوات ہیں اور موضوع دوم اُنکے اصحابؓ و تابعین کے جہادات۔ اُن کی وفات کے بعد سو برس کے قریب اگرچہ تاریخ تحریر کی صورت میں نہیں آئی زبانی نسلاً بعد نسل چلی گئی۔ مگر یہ زبانی کارخانہ ایسے عظیم الشان کاموں کی تاریخ کا متحمل کیسے ہو سکتا تھا۔ مہمات عظیم کا وہ متواتر تار بندھا کہ ناچار تاریخی علم ادب کو تحریر میں لانا پڑا۔ جب وہ تحریر میں آیا تو اُس نے وسعت ہی نہیں پائی بلکہ اُسکی قدر و قیمت بڑھتی گئی۔ چنانچہ اس زمانہ میں یورپ کے محقق منصف مؤرخ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تہذیب کی تاریخ عام کے مصنف اتنے ہی اپنی تصنیف میں ناقص رہتے ہیں جتنے کہ وہ اہل عرب کی تاریخوں سے جاہل و لاعلم ہوتے ہیں۔ علماء و فضلاء کا کوئی گروہ ہو جس کی قوت کیا مفید علم تاریخ کا سرمایہ بڑھاتا ہوگا۔ وہ وہی ہوگا جو مسلمانوں کے عربی مؤرخوں کی تصنیفات سے مستفید و مستفیض ہوتا ہے۔ اس زمانہ کی تمام اقوام مہذب و تعلیم یافتہ کے لئے یہ علمی خزانہ تواریخ عرب کا ایک بے بہا سرمایہ ہے جس کے بغیر تاریخ کی تکمیل کی تحصیل نہیں ہو سکتی۔

مسلمانوں کی تاریخ میں سب سے اوّل جناب رسالتمآبؐ کے اقوال و افعال اور اُنکے غزوات اور اُنکے اصحاب کے تابعین کے جہادات تحریر میں آئے۔ اقوام عرب کے انساب کے قلمبند کرنے میں توجہ کیگئی۔ احادیث مذہبی کے سوا احکام ملکی اور واقعات میں سلسلہ روایات جاری ہوا

اور اسمیں طریقہ اسناد شروع ہوا۔ ہر روایت کے لئے راوی کا مستند و معتمد ہونا لازمی ٹھیرا
بغیر اسکے وہ روایت ہی ردی سمجھی جاتی تھی۔ جب ان روایات کا مجموعہ جمع ہوا تو اسمیں ایک ہی
مضمون کی روایات متعدد ہوتی تھیں کسی مؤرخ نے اختصار کیلئے ان روایات کے راویوں کے سلسلے کو
جدا کیا اور روایات مکررہ کو دور کیا۔ اور باقی روایات کی ایک تاریخ بنا دی سب سے اول جس نے
مسلمانوں کے جہادات کی روایات کو جمع کیا ہے ابن اسحق تھا۔ اسی نے اسلام کی تاریخ اول
لکھی ہے ابن ہشام نے اضافہ کیا۔ بعد ازاں اور بڑے بڑے نامور مؤرخوں نے تاریخیں تصنیف
کیں جیسے کہ ابوالفرج ابن الاثیر و واقدی و طبری و مسعودی و قتیبہ ہیں۔ ان سب پر بلکہ ساری
دنیا کے مؤرخوں پر ابن خلدون تاریخ میں سبقت لیگیا اس علم میں جس اعلیٰ درجہ پر وہ پہونچا
نہ اس سے پہلے کوئی مؤرخ پہونچا نہ اسکے بعد کوئی تین سو برس تک پہونچا۔ ہم نے آگے ابن خلدون
کا حال لکھا ہے اُسے پڑھو۔ غرض مسلمانوں کو اپنی تاریخ کا علم عزیز رہا ہے اور اسکی تدوین میں
ہمیشہ توجہ کی اور وہ تاریخی علم ادب تدوین کیا جو متقدمین کے علم تاریخ پر سبقت لے گیا جس طرح
انھوں نے اس علم پر توجہ کی اسکی نظیر پہلے زمانہ میں دنیا میں موجود نہیں گو اس زمانہ میں ہر شخص کو
یہ ماننا پڑے گا کہ آجکل تاریخ کا فن اپنی معراج پر پہونچ گیا ہے اور یورپ کے بعض مؤرخوں
کے محققوں کے سامنے مسلمانوں کی تحقیقات سابقہ پھیکی پڑگئی ہیں اسکا آگے بیان آئیگا۔
اب ہم چند مؤرخوں کی تاریخوں سے ایسے مضامین ترجمہ کرکے لکھتے ہیں جنسے معلوم ہو کہ فن تاریخ
کی تعریف اور اُس کے اصول اور اُس کے مطالعہ کے فوائد اور اُس کی تالیف و تصنیف کیلئے
شرائط اور مؤرخ کے فرائض کیا کیا بیان کئے گئے ہیں۔

آدمی کو آدمی کا دل پڑھ سکتا ہے سننے اور دیکھنے سے دل قوی اور ضعیف ہوتا ہے جبتک
وہ دنیا میں نیک و بد کو دیکھتا اور سنتا نہیں تو وہ یہی نہیں جانتا کہ شادی اور غم کیا ہوتے ہیں پس
اس سے معلوم ہوا کہ دل کے دیدبان و جاسوس چشم و گوش ہیں۔ یہ خود دیکھکر اور سنکر مطلع کرتے
ہیں کہ انسان اس سے مستفید ہو۔ دل کو جو علم اس طرح حاصل ہوتا ہے اُس کو وہ خرد کے سامنے
رکھتا ہے جو حاکم عادل ہے تاکہ باطل سے حق جدا ہو جائے اور جو اُسکے لئے بکار آمد ہو اُسے
اختیار کرے اور جو بکار آمد نہو اُس سے انکار کرے اسلئے آدمی کے پیچھے یہ حرص لگی ہوئی ہے

کہ زمانہ کے اخبار اور احوال ہیں خواہ وہ گذشتہ ہوں یا آیندہ ان باتوں کو جانے کہ جو اس سے محجوب ہوں اور جن کو اُس نے نہ دیکھا ہو نہ سُنا ہو۔ گذشتہ اخبار اور احوال کو آدمی رنج و محنت و مشقت اُٹھا کر یوں دریافت کر سکتا ہے کہ دنیا میں چکر لگائے اور صحیح احوال درست اخبار دریافت کرے مگر آیندہ کے حال دریافت کرنے کی راہ بند ہے۔ وہ غیب محض ہے۔ اگر آدمی کو وہ معلوم ہوتا تو سراپا نیک ہی ہوتا بدی کو اپنے پاس تک نہیں آنے دیتا۔ کوئی غیب کا معلم سوائے خدا کے نہیں ہو سکتا۔ ہر چند ایسا ہو مگر خردمند بھی دنیا کے احوال دریافت کرنے میں جستجو کرتے ہیں اور اُسکے گرد پھرتے ہیں اور بہت تاریخ و کتاب بناتے ہیں (غرض یہ ہے کہ گذشتہ اخبار کی تاریخ سے آیندہ کے حال کے بتلانے میں کوشش کرتے ہیں) اور معاملات میں بات کو بیچ کہتے ہیں۔ اگر اسکو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ ٹھیک یا بد چشم لگانے پر قادر ہیں۔ اخبار گذشتہ کی صرف دو قسمیں ہیں کوئی تیسری قسم نہیں اوّل کسی سے سُنا ہو دوم کتاب میں پڑھا ہو۔ اب ان دونوں میں شرط یہ ہے کہ کہنے والا راست گو ہو اور جو کچھ وہ کہے اسپر عقل بھی گواہی دیتی ہو کہ خبر درست ہے اور جو اسکو لاتے ہیں اُن تفتیش نہیں ہو سکتی۔ بزرگوں کا قول ہے کہ جب تک کسی بات کو رائے مستقیم تسلیم نہ کرے وہ تصدیق کے قابل نہیں ہوتی۔ یہی حال کتاب کا ہے کہ جو کچھ اُس میں پڑھا جائے اُسکو خرد رد نہ کرے اور سننے والا اُس کو باور کرے۔ اور خردمند اُسکی تعریف کرے۔ اکثر عام آدمی باطل ممتنع کو صحیح جانتے ہیں جیسے کہ دیو و پری کوہ و غول بیابان و دریا کے اخبارات جنکے اوپر احمقوں کا ہنگامہ ہوتا ہے اور پاگل جمع ہوتے ہیں ایک ادنیٰ سے بیان کرتا ہے کہ میں نے دریا میں ایک جزیرہ دیکھا جس میں پانچ سو آدمی فروکش ہوئے۔ ہمنے اپنی روٹیاں اور دیگیں پکائیں جب آگ تیز ہوئی تو اُسکی تپش کا اثر زمین پر ہوا تو زمین غائب ہو گئی غور کر کے دیکھا تو وہ مچھلی تھی۔ اس پہاڑ پر بیٹھے یہ خبریں دوان دیکھیں کہ ایک بڑھیا نے جادو سے ایک آدمی کو گدھا بنا دیا۔ ایک دوسری بڑھیا نے اس گدھے کے کان پر روغن مل کر آدمی بنا دیا۔ اسی طرح کی اور خرافات جنکا بات کرنا دانوں کو سلاتی ہیں اور رات کو اُن کے سامنے بار بار بیان کیجاتی ہیں۔ وہ لوگ بھی جو کچھ ان نادر باتوں کے خواستگار ہوتے ہیں وہ ان داستان سرایوں کو دانا جانتے ہیں اُن میں بہت ہی تھوڑے آدمی ایسے ہیں جو نیک درست کو قبول کرتے ہیں اور نادرست (جھوٹ) کو رد کرتے ہیں۔ میں نے جو کچھ تاریخ میں لکھا کہ

وہ میرا معائنہ ہے یا کسی مرد ثقہ کا استماع ہے۔

بیہقی نے تمام بیان میں یہ ایک بات خوب لکھی ہے کہ خردمند مؤرخ ایسا مزاج شناس زمانہ ہوسکتا ہے کہ آیندہ زمانہ کے نیک و بد پر حکم لگا سکتا ہے۔

علم تفسیر و حدیث و فقہ و طریقت مشائخ کے سوا میں نے کسی علم و عمل میں ایسے منافع نہیں دیکھے جیسے کہ علم تاریخ میں انبیا و خلفا و سلاطین و بزرگانِ دین و وقت کے آثار و اخبار جاننے کا نام علم تاریخ ہے علم تاریخ سے شغل رکھنا بھی انھیں کے ساتھ مخصوص ہے جو دین و دولت کی بزرگی اور کمالات میں خلائق میں مشہور ہوں۔ کمینے پاجیوں اور ذلیل بازاریوں کو علم تاریخ سے کچھ مناسبت نہیں ہے اور نہ ان کا یہ پیشہ و حرفہ ہے اُن کو علم تاریخ سے نہ کچھ منفعت ہوتی ہے نہ کہیں وہ ان کے کام آتی ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ علم تاریخ میں تو دین و دولت کے بزرگوں کے اوصاف کے اخبار اور محامد و مناقب و مآثر بیان ہوتے ہیں۔ اراذل مفلسوں و کم اصل بازاریوں کے رذائل کا بیان نہیں ہوتا کہ وہ جنسیت کے سبب رذالوں کے رذائل اوصاف سے مانوس ہوں۔ اُن کو علم تاریخ پر رغبت نہیں کرنی چاہیے۔ اسلئے کہ علم کا جاننا اُنکے حق میں مضر ہے نہ نافع۔ علم تاریخ کی بڑی عزت یہی ہے کہ رذالوں اور سفلوں و کم اصلوں کو اس کی طرف میل و رغبت نہیں ہوتی اور نہ اُنکے معاملات کی سفالت میں اور اخلاق کی رذالت میں کام آتا ہے۔ بزرگوں کی بزرگی کا ذکر کرنا اُنکی زبان سے بھلا نہیں معلوم ہوتا اراذل جس علم و جس عمل میں مشغول ہوتے ہیں انہیں منفعت سے بے بہرہ نہیں رہتے الا علم تاریخ میں مگر وہ لوگ جو نسبتاً و حسباً کریم و کریم زادے و بزرگ زادے ہوتے ہیں اور ان کی نسل میں بزرگی و بزرگ زادگی کا شرف ہوتا ہے ان کو علم تاریخ کا جاننا ضرور ہے وہ علم تاریخ کے استماع بغیر جی نہیں سکتے۔ بزرگ و بزرگ زادوں اور عالی نسب زادوں کے نزدیک مؤرخ جان سے زیادہ عزیز ہوتا ہے اور مؤرخوں کی تحریر و تقریر کے ذریعہ سے دین و دولت کے بزرگوں کو حیات ابدی حاصل ہوتی ہے اسلئے وہ انکی خاک پاک کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناتے ہیں۔ علم تاریخ کی نفاستیں بزرگانِ دین و دولت نے بہت بیان کی ہیں۔ اوّل نفاست علم تاریخ میں یہ ہے کہ کتب سماوی کہ کلام اللہ ہے وہ زیادہ تر انبیا کے آثار معاملات سے اور اخبار سلاطین سے اور انکی جباری و قہاری سے کہ عالم و آدم میں بھرا ہوا ہے اور علم تاریخ اسی علم کا نام ہے کہ سرمایۂ اعتبار اولا الابصار جو دوسری

نفاست علم تاریخ کی یہ ہے کہ علم حدیث کہ بالکل قال رسول اللہ وفعل رسول اللہ ہے اور علم تفسیر کے
بعد علوم میں انفع و انفس ہے اور روایت کی تعریف وتنقید اور ورود احادیث کے ماجرا ومعاملات
غزا اور جہاد حضرت مصطفیٰ اور احادیث کے ایام ناسخ ومنسوخ کی تقدیم وتاخیر علم تاریخ سے متعلق
ہے اور یہ تعلق ایسا ہے کہ ائمہ حدیث کہتے ہیں کہ علم الحدیث وعلم التاریخ توامان ہیں اگر محدث
مورخ نہو تو وہ معاملات حضرت مصطفیٰ ومعاملات صحابہ سے کہ اصل میں روات احادیث ہیں
کچھ علم وخبر نہ رکھے گا مخلص صحابہ کی اور صحابہ کے ملتزموں کی کیفیت اخلاص و غیر مخلص صحابہ
وغیر ملتزمان صحابہ کا حال اُسپر روشن نہوگا جب مورخ محدث نہیں ہونگے معاملات مذکور پرجن
نہونگے وہ کسی حدیث کی روایت نہیں کرسکے گا اور قرن نبوت اور قرن صحابہ میں جو احوال اور
اخبار گذرے ہیں اور اُنکی شرح وتفصیل جو سلف وخلف کے باطنوں کو اطمینان اور دلوں کو تسکین
دیتے ہیں یہ سب علم تاریخ سے روشن ہوتے ہیں سوم نفاست علم تاریخ عقل وشعور کی زیادتی
کا واسطہ اور درستی رائے اور تدبیر کا وسیلہ ہوتا ہے تاریخ دان اور شخصوں کے مطالعہ سے
صاحب تجربہ اور اوروں پر حوادث کے واقع ہونے سے اہل حزم ہوتا ہے۔ ارسطاطالیس اور
بزرجمہر نے کہا ہے کہ علم تاریخ کا جاننا رائے صواب کا موید ومعین ہوتا ہے اسلئے کہ اہل سلف کا
ظلم خلف کی صحت رائے کے لئے شاہد عدل ہوتا ہے۔ چوتھی نفاست یہ ہے کہ علم تاریخ کے جاننے
سے واقعات زمینی وحوادث جدیدہ سے سلاطین وملوک و وزرا اور اکابر کے دلوں کو قرار وصبر ہوتا
ہے اور اگر جانداروں کو حوادث فلکی سے صعوبت سخت پیش آئے تو اُس کی کشایش سے اُمید
منقطع نہیں ہوتی۔ اور امراض ملکی کے دفع کیلئے جو دوا پہلے لوگ کرگئے ہیں ان سے حال کے
امراض ملکی کی دوا معلوم ہوتی ہے۔ حوادث ظنی ووقائع وہمی کہ اُسکے بعد آتے ہیں اُن سے قبلمیں
احتراز ہوتا ہے۔ علم تاریخ کے جاننے سے حوادث کی نشانیاں قبل از وقوع روشن ہوجاتی ہیں یہ منفعت
انفع المنافع اور انفس المتابع ہے۔ پنجم نفاست انبیا سے جو حوادث اور وقائع میں رضا وصبر اختیار
کیا اُسکے جاننے سے علم تاریخ کے جاننے والے کو صبر ہوتا ہے اور جب یہ معلوم ہوتا ہے انبیاء جو
جو آدم کی اولاد میں سب سے بہتر ہیں طرح طرح کی بلائیں پڑی ہیں تو اسلام کے مومنوں کا دل
حوادث اور مصائب کے وقوع سے نہیں گھبراتا۔ ششم نفاست یہ ہے کہ علم تاریخ سے عادل

نیکوکاروں کے خصائل اور اُنکے درجات دلنشین ہوتے ہیں اور جباروں و قہاروں کا تمرد و گمراہی
اور اُن کی ہلاکت و دبا خلفاً و سلفاً سلاطین اور وزرا و ملوک اسلام کو معلوم ہوتی ہیں امور جہانداری
ہیں نیکوکاری کے ثواب اور بدکرداری کے نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔ بہ فتح نفاست علم تاریخ کی
بنا صدق پر رکھی ہے۔ علم تاریخ کی تالیف انھیں اکابر و بزرگوں و بزرگ زادوں سے مخصوص
ہے جو عدالت و حریت و راستی و دوستی سے منسوب ہیں۔ علم تاریخ کیا ہے خیر و شر و عدل
ظلم و استحقاق و غیر استحقاق و محاسن و مقابح و طاعات و معاصی و فضائل و رذائل سلف کا نقل
کرنا ہے تاکہ پچھلے پڑھنے والے اس سے عبرت پکڑیں اور جہانداری کے منافع و مضار۔ اور
جہانبانی کی نیکوکاری و بدکرداری دریافت کریں اور دل سے اس نیکوکاری کا اتباع کریں
اور بدکرداری سے پرہیز کریں اگر نعوذ باللہ کذاب مفتری دروغ کو کام میں لائیں اور نفس خبیث
و باطن خدا کی تلقین سے بزرگان سلف کی ناشایستہ حکایتیں بنائیں اور اس کو کتابت میں
لائیں اور اپنے بہتان کو رنگین عبارتوں میں رواج دیں اور جھوٹ کو سچ بنا کے لکھیں تو یہ دنیا
اور آخرت کے گناہ سے نہ خوف کرنا اور قیامت کے دن جواب دینے سے ہراس نکرنا ہی غیبت
سے (جو صرف زبان سے ہوتی ہے) نیکوں کو بد کہنا اور لکھنا زیادہ تر صعب ہے اور بدوں کو نیک
کہنا اور لکھنا سب بدکاریوں کا سر ہے جب اخبار تواریخ بے سند ہوں اور وہ معاملات سلاطین
و اکابر کے اعلام کرتے ہوں تو مولف تاریخ اہل اعتبار سے چاہیئے کہ ہو صدق و عدالت میں
مشہور و مذکور کہ اسکے بے سند لکھنے پر پڑھنے والوں کا اعتقاد راسخ ہو اور معتبروں میں اس کا اعتبار
ہو معتبروں کا اطمینان خاطر اسی معتبر کی تحریر پہ ہوتا ہے کہ جس کی امانت و دیانت میں شبہ و
شک نہو۔ تاریخ نویسی کے لئے یہ شرط لازمی ہے کہ جس بادشاہ یا بزرگ کے فضائل و خیرات
و عدل و احسان لکھے اُسکے مقابح و رذائل کبھی مستور نہ رکھے اور مداہنت کے طریقہ کو تاریخ کے
لکھنے میں معمول نہ کرے اگر مصلحت دیکھے تو صریح ورنہ رمز و کنایہ و استعارہ میں زیرکوں اور
عاقلوں کو اُنسے آگاہ کرے۔ اور اگر کسی خوف و ہراس کے سبب ہم عہد و ہم عصر کی بُرائیاں
نہ لکھ سکے تو اس میں وہ معذور ہے لیکن جو گذشتہ لوگ ہیں اُن کا حال سچ سچ لکھے اگر مورخ
کو کسی عصر و عہد میں کسی بادشاہ یا وزیر یا کسی بزرگ سے کوئی تنگی پہونچی ہو یا اس نے اُسپر

نوازش کی ہو تو تاریخ کی تالیف کے وقت لطف و قہر و نوازش و شفقت پر اُس کی نظر نہو تاکہ اُس کا
نتیجہ یہ ہو کہ راستی کے برخلاف کسی فضیلت و رذیلت کو جو حقیقت میں نہو اور معاملہ اور ماجرے
کو جو واقع نہوں اُن کو نہ لکھے بلکہ مورخ کو دیناً و اعتقاداً و صدقاً و مذہباً راست و درست لکھنا منظور
نظر ہو اور قیامت کے جواب کا خوف اُس کو ہو مورخ پر واجب و لازم ہے کہ کذابوں و مداحوں
و مبالغہ کرنے والوں اور شاعروں اور دروغ زنوں اور سخن آرایوں کے طرق و طرایق سے
بالکل احتراز کرے - یہ لوگ خرمہرہ کو لعل و یاقوت کہتے ہیں اور اپنی طمع کے سبب سنگریزہ کا
نام جواہر گرانمایہ رکھتے ہیں - جو اُن کے احسن نوشتے اور اختراع ہوتے ہیں وہ اکذب ہوتے
ہیں - مورخ جو لکھتا ہے اُس پر اور لوگ اعتقاد کرتے ہیں - اگر وہ دروغ ہوگا تو وہ زبان زدہ ہوگا
اور نوشتہ اُسکا خدا اور اُس کے درمیان حجت ہوگا اور کل قیامت کو مولف کذاب سخت ترین عذاب
و عقاب میں مبتلا ہوگا - تمام علموں میں علم تاریخ نفیس و نافع ہے - اور تاریخ کا تالیف کرنا بڑا کام ہے
اور اس علم کے منافع اس شخص کے حق میں بھی ساری ہوتے ہیں جس کے آثر و محامد صحائف روزگار
پر باقی رہتے ہیں - اور مورخ کے بہت سے حق اُن لوگوں کے ذمے پر ثابت ہوتے ہیں جن کے اخبار
و آثار کو لکھتا ہے اور اُنکے مآثر کو زمانہ میں پھیلاتا ہے - اگر وہ زندہ ہیں تو اُنکے مآثر کا نشر اُن کی
محبت و نیک گوئی و نیک خواہی کا سبب ہوتا ہے اور اُنکی دوستی آشنا و بیگانہ کے دل میں منقش
ہوتی ہے اور اگر وہ مردہ ہیں تو اُن کا ذکر آثر حیات ثانی ہوتی ہے اور وہ مستحق علیہ الرحمۃ کے
ہوتے ہیں اور جو تاریخ سنتے و پڑھتے ہیں - اُن پر مورخ کے حقوق ہوتے ہیں اسلئے کہ اُسکی تحریر
کے سبب سے پڑھنے والوں اور سننے والوں کو منافع حاصل ہوتے ہیں -

فائدہ اول - بنی آدم کو معرفت اشیا عقل و حس کے ذریعے سے میسر ہوتی ہے - اور تمام
محسوسات میں بعض مشاہدات اور بعض مسموعات ہوتے ہیں - عقلمندوں پر ظاہر ہے کہ عالم کا کما ینبغی
عقل کے طریق سے نہیں معلوم کر سکتے - اور یہ بھی محال ہے کہ افراد بشری میں سے شخص واحد
بقائے عالم کی مدت تک اہل عالم کے واقعات اور حالات کو مشاہدہ کرے اور اُن کے تیر و
شر پر معائنہ کے طریق سے واقف ہو - پس عالم اور اہل عالم اور اُن کے اوضاع و اطوار کا
طریق پہچاننے کا علم تاریخ میں تامل کرنا ہے اور اُس کی بنا مسموعات پر ہوتی ہے جیسا کہ غالبا

کوئی اور علم متکفل نہیں ہے۔

فائدہ دوم۔ علم تاریخ سے خوشی و بشاشت حاصل ہوتی ہے اور آئینہ خاطر سے رنج و ملال کا زنگ چھل جاتا ہے۔ صاحب خرد جانتا ہے کہ حواس انسانی میں سمع و بصر کا مرتبہ بڑا ہے جیسے صور حسنہ کے ملاحظہ سے حسِ بصر محظوظ ہوتی ہے اور ملول نہیں ہوتی ایسے ہی حسِ سمع بھی اخبار و آثار کے سننے سے ملول نہیں ہوتی بلکہ ہر لحظہ اُس کی بہجت و مسرت کو بڑھاتی ہے اس لئے کہ انسان کی جبلت میں اخبار و استخبار مرکوز ہے اور بنی آدم کی طبایع میں وہ پیدائشی ہے امثال میں یہ لکھا ہے لا یشبع العین من نظر ولا السمع من خبر ولا الارض من مطر (آنکھ دیکھنے سے اور کان سننے سے اور زمین مینہ سے سیر نہیں ہوتی)

فائدہ سوم۔ علم تاریخ جس میں باوجودیکہ بہت سے فائدے ہیں سہل المأخذ ہے اور اُسکے حاصل کرنے میں زیادہ کلفت اور مشقت نہیں پڑتی اور وہ حفظ پر مبنی ہے۔ پس جو شخص گذشتہ واقعات کی محافظت کرے گا اور اُس کے مطالعہ میں مشغول ہوگا وہ اپنے آمال و امانی کے حاصل کرنے میں تتبع اوقات میں صرف کریگا اور جلد اپنے مطالب و مقصود پر فائز ہوگا۔

فائدہ چہارم۔ جس شخص کو اس فن میں تجربہ حاصل ہوگا اور اقوال مختلفہ پر اطلاع ہوگی وہ ثقات کی روایات کے موافق سچی باتوں کا مختار ہوگا اور انکی مخالف باتوں کو مردود کاذب جانے گا اس سے اُسکو حق و باطل میں اختیار کرنے کا شرف حاصل ہوگا۔

فائدہ پنجم۔ عاقلوں کا قول ہے کہ فضائل انسانی میں تجربہ بھی ہے اور تجربہ ہی کیواسطے سے اہل عالم کی رائے کامل ہوتی ہے اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ عقل کے مراتب ہیں اور ہر مرتبہ پر ایک مناسب لفظ کا اطلاق کرتے ہیں ان میں ایک عقل تجاربی ہے اور حکیموں نے تجربہ کے تین درجے مقرر کئے ہیں اوّل یہ کہ کوئی شخص کسی ایسے امر کو اختیار کرے کہ جس کا نفع و ضرر اسی پر عائد ہو۔ دوم یہ کہ دوسرے آدمی کو کسی واقعہ میں مشاہدہ کرے کہ نیک و بد اُس کا صاحب واقعہ پر راجع ہو۔ سوم یہ کہ احوال متقدمین پر اطلاع پیدا کرے اور اُنکی نحوستوں و سعادتوں و عطایا و بلایا کے اسباب کو طریق سمع سے معلوم کرے اس سے زیادہ ان تین درجوں میں سے کوئی درجہ مؤکد نہیں ہے کہ کوئی شخص خود صاحب واقعہ ہو اخبار سلف کی

نقل موثوق بہ ہوتی ہے اور اس میں کوئی شے تامل سے پہچانی جاتی ہے اور تاول سے دفع کیجاتی ہے بہ درجہ مرتبہ اول کا آب و مناب وجاری مجرا ہے۔ ضرور ہے کہ کسی طائفہ کی حزم و کارروائی کی حکایت کہی جائے جس سے مطالب و انواع کامرانی پر فائز ہونا مرتب ہوا ہے اور اسکا حسن عاقبت بیان کیا جائے تو صاحب خرد سعادت مند اسکی پیروی کرتا ہے اور ہوشمند اسکا اقتدا کرتا ہے کہ عاقبت بخیر و خاتمہ بخوبی ہو اور ایسی ہی اگر قوم کی ضعف رائے اور سستی تدبیر او غفلت و نادانی گذارش کیجائے اور اُس کے انجام کی سختی اور اختتام کا قاعدہ بیان ہو تو ہوشیار بحکم فاعتبروا یا اولی الابصار سے عبرت پکڑتا ہے۔

فائدہ ششم۔ علم تاریخ کے مثال کو واقعہ میں کہ واقع ہوتا ہے عقلائے عالم کے ساتھ مشورت حاصل ہوتی ہے اور اس قسم کی مشاورت ابناء عصر کے ساتھ ظاہر ہے۔ پہلے بزرگوں کو جو وقائع پیش آئے ہیں انھوں نے اپنے خاص مصالحے کو مرعی رکھا ہے اور اس موجود زمانہ کے اہل مشورت اپنے سے غیر کے منافع پر نظر نہیں رکھتے ہیں اور آدمی اپنے صواب حال پر زیادہ بہ نسبت دوسرے کے حال کے ہمت لگاتے ہیں اور اپنے امور کے حفظ میں بہ نسبت امور غیر کے حفظ کے زیادہ امین ہوتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ مشورہ بزرگان سابقہ سے بہ نسبت مشاورت حال کے زیادہ اولیٰ و انفع ہے۔ جب کسی پر کوئی واقعہ ہوتا ہے اور وہ اُس کے کشف کے طریقہ کو اس علم سے استکشاف کرتا ہے تو کل علماء کی عقل کا نتیجہ اس کے سامنے ہوتا ہے اس واسطے لشکر حوادث اُس کے فکر کے خزانوں کو نہیں تاراج کرتے اور اسلاف کے عقول کے پانی سے رنجوں کا غبار لوح خاطر سے دھل جاتا ہے اور جو چراغ اوروں نے روشن کیا ہے اُسکی روشنی میں بغیر محنت و رنج کے وہ اپنی مہمات کا سرانجام کرتا ہے اور حیرت و سختی کے جنگل میں مارا مارا نہیں پھرتا۔ اس مضمون کا موید یہ کلمہ ہے۔ السعید من وعظ لغیرہ (سعید وہ جو غیر سے نصیحت لیتا ہے)۔

فائدہ ہفتم۔ علم تاریخ شعور و زیادتی عقل کا سبب و ازدیاد فضل کا وسیلہ ہے اور صحت رائے اور تدبیر کا واسطہ ہوتا ہے۔ اسلئے بزرجمہر نے کہا کہ علم تاریخ رائے صواب کا معین و موید ہے۔ اسواسطے کہ احوال سلف علم خلف کی صحت رائے میں شاہد عدل و گواہ فضل ہے۔

قائدہ ہشتم۔ اس فن کے علم کی بدولت اصحاب اقتدار و اختیار کے ضمائر ہولناک و مشکل حادثوں کے وقوع میں مطمئن اور برقرار رہتے ہیں۔ اگر ناگاہ مقتضیات فلکی سے کوئی صعوبت رونما ہوتی ہے تو فتح و کشائش کی امید منقطع نہیں ہوتی اسواسطے کہ زمانہ سابقہ میں بہت دفعہ ایسا ہوا ہے کہ واقعہ عظیم اور داہیہ کبرے واقع ہوئے اور وہ محض کردگار کی عنایت سے سہل طور پر سر سے ٹل گئے

ہزار نقش برآرد زمانہ و نہ بود — یکے چنانکہ در آئینہ تصور ماست

قائدہ نہم۔ جو شخص کہ اخبار اور تواریخ پر مطلع ہوتا ہے وہ صبر و رضا کے مرتبوں سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ یہ دونوں اصفیا و اتقیا کے اشرف مراتب ہیں اسلئے کہ جس وقت حوادث روزگار میں تعمق و تامل کیا جائے کہ ذوات کرام رسل و انبیاء علیہم السلام پر صدہا طرح کی بلائیں نازل ہوئیں اور انھوں نے تحمل کرکے مصابرت کا طریقہ کس خوبی سے اختیار کیا۔ اسلئے جب کوئی داہیہ عظمی رونما ہو تو صبر و رضا کو اختیار کرے اس میں شک نہیں جو ان دو فضیلتوں کا التزام کرے وہ دارین کی سعادت سے مستفید ہوگا اور متزلین کی شقاوت سے محروس۔

قائدہ دہم۔ فی الحقیقت اس میں فائدے ہیں مگر ارباب تاریخ نے ان سب فائدوں کے مجموع کا نام ایک فائدہ رکھا ہے وہ یہ ہے کہ یہ فن شریف غرائب انقلابات و عجائب تحویلات کا مخبر ہے جب ان پر سلاطین باداد و دین اور ارکان دولت و اعیان ملت کو علم ہوتا ہے تو وہ حضرت مالک الملک کی قدرت قاہرہ پر زیادہ مطلع ہوتے ہیں۔ پہلے لوگوں کے تغیرات حالات جو مذکور ہوتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمت و نقمت و راحت و محنت کو چنداں بقا نہیں ہے اقبال سے مغرور اور ادبار سے ملول نہیں ہونا چاہیئے اور جب عادلوں کی سعادت و شرف درجات سے وہ اطلاع پاتے ہیں اور متمردوں کی پریشانی و گمراہی پر آگاہ ہوتے ہیں اور امور جہانداری میں نیکوکاری کے ثمرات اور بدکاری کے نتائج اصحاب قدرت پر ظاہر ہوتے ہیں تو جو بادشاہ جہانگیری کی ابتدا میں طریقہ قہاری اور شیوۂ جباری ظاہر کرتے ہیں تو وہ سیرت مذمومہ کہ اہل ضلالت کی خصلت ہوتی ہے اس سے عدول کرتے ہیں اور مہالک اشرار سے سعادت پاکر ممالک ابرار میں آتے ہیں جس سے انکے لیے عقبےٰ میں منزل اعلیٰ مہیا ہوتی ہے۔

ارباب فرمان سے زیادہ کوئی طائفہ اس علم کا محتاج نہیں ہے اسکی وجہ اول یہ ہے کہ عالم کی

مصالح کلیہ انہیں کی رائے و زوبیہ پر مفوض ہیں اور خیر و شر جو واقع ہوتے ہیں وہ اُن کے اجرا اور
دفع پر مامور اور مکلف ہیں اُن کو حوادث اور وقایع ملکی و مکائد حروب و تدبیر اصحاب رائے کی معرفت
سے چارہ نہیں ہے۔ یہ سب حالات اسی فن سے معلوم ہوتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جب وہ
اس فن میں تامل فرمائینگے۔ اور پہلے بادشاہوں و حاکموں کے جریان امور اُنکے کان تک پہونچیں گے
تو وہ محاسن اخلاق و عدل رافت اور رعیت پروری اور بقائے مملکت کے جو اسباب ہیں ان میں
کوشش کرینگے اور محنت و آفت و زوال منصب و حکومت کے جو اسباب ہیں اُنسے اجتناب و احتراز
واجب و لازم جانینگے خاصکر وہ بلند ہمت دولتمند جب پہلے لوگوں کی خوش اخلاقی میں تامل کرینگے
تو اُنکو رشک پیدا ہوگا اور وہ یہ چاہینگے کہ قوم سابق پر نیکنامی میں ہم فایق ہو جائیں۔ سوم وجہ یہ ہے
کہ حکام و امرا ہمیشہ مصالح ملک کے حفظ میں مبتلا رہتے ہیں اور اُن کے افکار مہمات میں استغراق
سے ملول رہتے ہیں تو اس طائفہ رفیع المکان کو حکایات و تواریخ کے سننے سے استراحت و آسایش
ہوگی۔ اوقات شاست و ملالت میں نشاط خاطر کے دافع الم کے لئے کوئی علم ملائم تر تاریخ سے زیادہ
نہیں ہے۔ اگر اس فن کی شرافت اور فضیلت اثبات پر کوئی جاہل یہ اعتراض کرے کہ اکثر تواریخ
میں مفتریات اور موضوعات اور واہی تباہی بے سر و پا مضامین پہلے لوگ لکھ گئے ہیں وہ اعتماد
کے لایق نہیں۔ جہاں صدق و کذب و صواب و خطا مخلوط ہوں اُن میں تمیز کرنا دشوار ہے اُنسے
کوئی فائدہ مرتب نہیں ہوتا تو یہ شبہ اس طرح دفع ہوتا ہے کہ اہل سلف اکابر خلف سے اس علم کی
بنا راستی و صدق پر رکھی ہے یہ محال ہے کہ فضلا روزگار اور عقلا و اخیار افترا اور کذب کو اپنا
شعار بنائیں اور مفتریات و موضوعات کی نقل پر جرأت کریں جو کچھ ان سے حد تواتر پر پہونچا ہے البتہ
وہ خلل و زلل سے محفوظ ہے اور اگر کسی کذاب و مفتری نے نفس خبیث کے سکھانے سے اکابر
سلف کے معاملات ناموجہ اور نقلیں گھڑ کر دفتروں کے صفحوں پر منقش کی ہیں۔ ان علموں کے
نقادوں نے بیشک اس تالیف بے توصیف و ترکیب بے ترتیب کو لعن طعن کا ہدف بنایا
ہے اور انھوں نے مفتریوں اور کذابوں کے افترا اور بہتان کو خلقت پر ظاہر کیا ہے اور بتلا
دیا ہے کہ فلاں شخص کی تالیف سراسر حشو اور اُسکی تصنیف سراسر قابل نسخ و محو ہے۔ ارباب
عقل پر ظاہر ہے کہ تالیف و تصنیف کرنا ایک امر خطیر و کار بزرگ ہے خاصکر تاریخ کا جمع کرنا اور

ترتیب دینا۔ اسلئے کہ اس فن کی کتابیں ذوی الاقتدار بادشاہوں اور عالیمقدار امرا و اکابر واشراف وعلما و فضلا اطراف کی نظر ہی سے گذرتی ہیں اور بازاری آدمی اور اہل حرفہ بھی جو سفید و سیاہ میں فرق نہیں کر سکتے اس علم کی کتب کے سننے و پڑھنے کی طرف رغبت کرتے ہیں اور مصنف بیچارہ من صنف فقد استہدف تھوڑی تقصیر پر خلافت کے تیر ملامت کا نشانہ بنتا ہے۔ پس اگر تحریر تاریخ کے لیے چند شرایط لکھی جائیں تو مورخ پر شاید منصف مزاج نہ طعن کریں اور اسکی باتوں کو خوشی سے سنیں۔

شرط اول۔ تاریخ نویس کو چاہیے کہ سالم العقیدت و پاک مذہب ہو۔ بعض بدمذہب خوارج و روافض نے اصحاب و تابعین کے قصص ناپسندیدہ گھڑ لیے ہیں اور مشہور و مہجور و مردود و مقبول باتیں اپنی تالیف میں لکھی ہیں اور اس طرح آدمیوں کو فریب دیا ہے جب کسی کو انکی اصل کید و خداع پر اطلاع نہیں ہوگی تو وہ یہ گمان کریگا کہ اس جماعت نے مشکات نبوت و مصباح رسالت روایات تفتیش کی ہیں تو اس اعتقاد فاسد سے وہ ضلالت و گمراہی میں پڑے گا۔

شرط دوم۔ مورخ جو کچھ لکھے وہ بیان واقعہ ہو کل حالات کو قید کتابت میں لائے یعنی جیسے کہ اکابر و اعیان کے فضائل و خیرات و عدل و انصاف تحریر کیے ہیں ایسے ہی مقابح و رذائل انکے ذکر کرے اور کسی بات کو چھپائے نہیں اگر مصلحت جانے تو قسم دوم کو تصریح کے ساتھ بیان کرے ورنہ رمز و کنایہ و اشارہ کے طریقہ کو اختیار کرے۔ العاقل تکفیہ الاشارۃ۔

شرط سوم۔ مدح و ذم میں افراط و تفریط سے احتراز واجب جانے اور خوشامد نہ کرے۔ اگر اپنے جلب منفعت و رفع مضرت کے سبب سے چارہ نہو تو مضمون کلمہ خیر الامور اوسطہا کو نہ چھوڑے بیشک جب اسکی نظر صدق معاملہ و صحت وقایع پر ہوگی تو اسکے مطالب و مآرب حاصل ہونگے۔

شرط چہارم۔ تاریخ نویس حشو و تکلفات کو نہ اختیار کرے۔ اور ایسی کوشش کرے کہ کلمات وافی و تقریرات شافی سے سیاق کلام مونس ہو۔ حکایات و روایات کے صفحوں پر تصریحات لطیف کے نقش ہوں۔ عبارات سلیس و پاک قریب الفہم اختیار کرے کہ رکاکت کلمات اور رذالت الفاظ و لغات نازلہ و عبارات سافلہ سے خالی ہوں تاکہ خواص و عوام جنکی عقول و افہام متفاوت ہوتی ہیں حظ وافر سے محظوظ ہوں اور اسکی تالیف لوگوں کی نظروں میں محمود

وپسندیدہ ہوں اور کسی کو رد و عیب نمائی کی مجال نہو۔ یہ شیوہ کچھ فن تاریخ سے ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ کل فنون سے جو لغات مختلفہ میں تالیف ہوتے ہیں۔

شرط پنجم۔ مؤلف تاریخ امانت و دیانت میں معروف ہو صدق گفتار و حسن رفتار میں مشہور اسلیے کہ اخبار تواریخ عموماً اور قصص یا سلاطین خصوصاً اکثر سند نہیں رکھتے کہ جسکے سبب سے اعتماد کلی اسپر کیا جاسے اور شرح وقائع میں جھوٹ سے امین ہو۔ جب مؤرخ متدین و امین ہوگا۔ اسکے کمالات و فضائل کے طالبوں کو اطمینان قلبی حاصل ہوگا کہ ایسا شخص دین کو دنیا کی غرض سے نہیں بیچیگا اور کذب بہتان بنانے سے وبال عاقبت و سوء خاتمت اسے اچھا نہیں معلوم ہوگا وہ روایات و حکایات دلپذیر کی تنقیح میں کمال اہتمام کریگا اور مشوق کتب و سطور صحائف کو نقل سے زیب و زینت دیگا اور تغیر و تبدل سے احتراز کریگا تاکہ اسکے آثار آخر زمان تک قایم رہیں۔

مسلمانوں میں ابن خلدون بڑا نامور مؤرخ گذرا ہے جسکا لوہا اس زمانہ میں اہل یورپ مانتے ہیں روبرٹ فلنٹ ایک نامور فاضل عالم مورخ اپنی فلوسوفی اوف ہسٹری کے صفحہ ۱۵۷ میں تحریر فرماتے ہیں سب سے اول جس شخص نے علم تاریخ کو سائنس یعنی علوم حکمیہ میں سے ایک علم قرار دیا وہ ابن خلدون تھا۔ گو اس باب میں کہ وہ علم تاریخ کو سائنس قرار دینے کا موجد تھا۔ ارباب الرائے کے آرا میں اختلاف ہو مگر انصاف دوست راستی منش اسکے مقدمہ کو مطالعہ کرکے یہی کہیگا کہ اس ایجاد کا سہرہ ابن خلدون کے سر پہ بندھا ہے اور یہ اعزاز اسی کو سب سے پہلے حاصل ہوا ہے۔

ابن خلدون نے اپنا حال آپ لکھا ہے اسکو نہایت مختصر کرکے ہم بھی لکھتے ہیں

سنہ ۱۳۳۲ء میں طیونس میں ابن خلدون پیدا ہوا۔ وہ حضرموت کے کسی قبیلہ عرب کی نسل میں سے تھا۔ کئی صدیوں سے سپین میں اسکے باپ دادا سلاطین کے عمدہ عہدوں پر ممتاز تھے۔ جب بنی امیہ کا خاندان تباہ ہوا تو شمالی افریقہ میں جاکر اس کے آبا و اجداد آباد ہوئے۔ ابن خلدون کی تربیت و تعلیم نہایت شایستگی کے ساتھ ہوئی۔ ایام طفلی سے علم کا شوق اس کا دامنگیر تھا نوجوانی میں انکو علوم مختلفہ کے درس دینے کی اسناد مل گئیں۔ علم تفسیر و حدیث و فقہ و فلسفہ و صرف و نحو و منطق و اصول فقہ و زمانہ جاہلیت کے علم ادب میں اس کو استعداد کامل ہوگئی۔ گو زمانے کے عالمانہ

زیست بسر کرنے کی فرصت کم دی مگر اُس کے دل میں ہمیشہ علوم کے شوق اور علم ادب کے عشق کی آتش شعلہ افروز رہی ۔ بیس برس کی عمر میں وہ امور ملکی میں مصروف ہوا اور طیونس کے سلطان ابن اسحٰق دوم کی ملازمت میں اُس نے اعتبار اور اقتدار پیدا کیا ۔ دو برس بعد وہ فیض کے سلطان ابو عنان کے پاس چلا گیا اور وہاں اُس نے سلطان کے مزاج میں ایسا دخل پیدا کیا کہ اُس کے اقران کو اس قدر حسد پیدا ہوا کہ اُنھوں نے سازش کر کے اُسکو معزول کرایا اور قیدخانہ میں ڈلوایا ۔ ۱۳۵۹ء میں جب ابو عنان کو اجل آئی تو ابو مسلم نے اُس کو قید سے نکالا اور اپنا مقرب بنایا ۔ مگر پھر اُس پر ارکان سلطنت کو حسد پیدا ہوا ۔ اور جب ابو مسلم کا انتقال ہوا اور اُس کے وزیر عمر سلے جسکے ہاتھ میں سلطنت کا اختیار بالکل تھا ابن خلدون کی نہ بنی تو وہ اُس سے ناراض ہو کر اسپین میں چلا آیا ۔ یہاں اُسکا حد سے زیادہ اعزاز و احترام ہوا ۔ افریقہ میں وہ ابن الاحمر کی خدمت نمایاں بجا لایا ۔ سال آیندہ میں وہ اُسکی طرف سے سفیر بنکر سویل میں پیڈری کرویل بادشاہ کیسل کی خدمت میں گیا جس نے اُسکی بڑی آؤبھگت کی ۔ ۱۳۶۵ء میں وہ افریقہ میں آیا ۔ یہاں اس کا ایک قدیمی دوست ابن عبداللہ تھا جس نے قسطنطنیہ کو فتح کر لیا تھا ۔ اُسکا وزیر اعظم وہ ہو گیا ۔ مگر ابن عبداللہ قسطنطنیہ کے سلطان عبدالعباس سے لڑ کر ایک جنگ میں مارا گیا تو ان بادشاہوں کی جنگ آزمائیوں میں ابن خلدون کے کئی برس زندگی کے بڑی تلخی میں کٹے ۔ اس کا گذرہ اس طرح سے ہوتا تھا کہ آزاد زبردست قوموں کے سردار اُسکے ساتھ سلوک کرتے تھے ۔ ۱۳۷۰ء سے ۱۳۷۴ء تک وہ سلطان مراکو کی خدمت میں رہا اور اُس کی طرف سے عرب کی اقوام کیساتھ صلح کے عہد و پیمان کی گفتگو کرتا رہا ۔ دوبارہ پھر اسپین میں آیا ۔ مگر یہاں وہ زبردستی مراجعت پر مجبور کیا گیا ۔ اب وہ ملکی کاموں سے دست بردار ہوا اور چار برس تک خلوت گزین رہا اور مطالعہ علمی کے سوا کچھ اور کام نہیں کیا اور اس خلوت میں اپنی تاریخ کا مقدمہ تصنیف کیا اور عرب و بربر کی تاریخ کی تحریر کا آغاز کیا ۔ اس تاریخ کی تصنیف کے واسطے اُسکو بڑے بڑے کتب خانوں کی ضرورت پڑی اسلئے وہ ۱۳۷۸ء میں طیونس گیا ۔ سلطان عبدالعباس نے اُسپر نہایت عنایت اور اُسکی تعظیم و تکریم کی اور اہل شہر اور طلبہ نے اُسکے آنے کو ایک نعمت غیر مترقبہ جانا اور اُس سے اپنے جوش و محبت کا اظہار نہایت شوق سے کیا اور اُسکو جانے نہ دیا اور اپنی تعلیم و تدریس کے لئے اُسے روک لیا ۔

مگر مفتی عرفہ اور اُسکے ساتھ اور امرا ابن خلدون کی جان کے دشمن بنے اور ایسی عداوت اُس کے ساتھ کی کہ اُسکو وہاں رہنا دشوار کر دیا۔ اُس نے بربر کی تاریخ ختم کر کے مکہ معظمہ کا قصد کیا۔ حج کی اجازت لیکر اکتوبر ۱۳۸۲ء کو جہاز میں سوار ہو کر مصر کی طرف چلا۔ نومبر میں اسکندریہ میں اُترا اور ایک مہینہ یہاں قیام کیا۔ پھر قاہرہ میں آیا۔ اب اُسکی ناموری اور شہرت ایسی ہو گئی تھی کہ اسکا نام یہاں اُس سے پہلے آگیا تھا۔ اس سال یہاں سے کوئی کارواں مکہ نہیں جاتا تھا اس لئے حج کو وہ نہ جا سکا اور سلطان برقوق کے کہنے سے اُس نے عہدہ مدرسی قبول کر لیا بعد ازاں عہدہ قضا پر اُسکی ترقی ہوئی۔ مگر اُسکی عدالت میں ایسا تشدد تھا اور شریعت کے خلاف کاموں کی مخالفت میں ایسا سخت گیر تھا کہ اُسکے سبب سے اُسکے دشمن بہت ہو گئے اس زمانہ میں ایک حادثہ عظیم اسپر یہ نازل ہوا کہ مراکو سے مصر کو اُسکا سارا کنبہ جہاز میں سوار آتا تھا کہ جہاز تباہ ہوا اور اُسکے سب اہل و عیال بحر فنا میں غرق ہوئے جسپر اُسنے یہ کہا کہ ایک ہی صدمہ میں میری مسرت و دولت و اولاد برباد ہو گئی۔ اس رنج والم سے وہ ایسا شکستہ خاطر ہوا کہ سوا عبادت الٰہی کے اُسکے دل کو چین کسی اور کام میں نہیں ہوتا تھا ۱۳۸۷ء میں وہ مکہ معظمہ گیا۔ وہاں سے قاہرہ میں آیا۔ ایک مدت تک مطالعہ اور درس علمی میں مصروف رہا۔ اپنے حالات کے بیان میں ۱۳۹۴ء تک ایک کتاب لکھی ۱۴۰۰ء میں وہ شام میں گیا۔ یہاں فرج سلطان مصر اور صاحب قران امیر تیمور کی لڑائی ٹھن رہی تھی۔ وہ بھی اس لڑائی میں شریک ہوا۔ اور دمشق میں محصور ہوا۔ مگر پھر اپنے تئیں امیر تیمور کے حوالے کیا۔ امیر نے اپنی شاہانہ عنایت اور سخاوت سے سرفراز کیا۔ ابن خلدون نے بھی امور ملکی میں امیر کو اپنی لیاقت کے کمال دکھانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی۔ امیر اُسکے علم کا ایسا قدر شناس ہوا کہ اُسکو اپنے ہمراہ لیجانے کا ارادہ کیا۔ یہ ترک بادشاہ اس مورخ کے لیجانے سے خوش ہوتا مگر اس عربی مدبر کی زبان اغوا آمیز اُسکے ارادہ کی مانع ہوئی۔ ابن خلدون قاہرہ کو پھر آیا اور یہاں قاضی القضاۃ کا عہدہ پایا۔ چوہتر برس کی عمر میں ۱۴۰۶ء میں اُسکو موت نے نہ چھوڑا۔ اُس کی تصنیفات سے چھوٹی چھوٹی کتابیں بہت ہیں مگر وہ نایاب ہیں فقط اُس کی تصنیف سے تاریخ مشہور ہے جس نے اُسکے نام کو حیات دوامی دی ہے۔ ابن خلدون کا نہایت مختصر حال ہم نے اسلئے لکھا کہ جس سے تم کو معلوم ہو کہ وہ بھی ایک عجیب و غریب آدمی تھا اُس کی سوانح عمری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

کیسی کیسی حالتوں میں رہا۔ کہیں سازشوں کے خارستان میں ایسا پھنسا کہ جب تک اپنے پہلووں کو زخمی نہ کرے نکل ہی نہیں سکتا تھا۔ روز بروز اُس کے پھنسانے کے لئے سازشیں ہوتی تھیں شخصی حکومت کی بلائیں اُسکے سرپر آتی تھیں۔ یہ اسی کا کام تھا کہ ادھر گرتا تھا اُدھر پھر سنبھلکر اُٹھتا تھا اوج و حضیض دونوں کے تماشے دکھیتا تھا۔ ابتداء عمر سے آخر عمر تک اُس کو ایسے سوانح پیش آئے جس نے اُس کو سب طرح سے انقلابات دنیا کے دکھائے۔ کبھی وہ قیدخانہ میں گیا کبھی معزول ہوا کبھی با اقتدار و با اختیار ایسا ہوا کہ سب کے دل میں اسکا خوف پیدا ہوا کبھی تحسین و آفرین کا آوازہ اُسکا بلند ہوا۔ وہ صاحب فطرت مدبر تھا اور کامل ندیم مستشار مورخ منقرر فصیح و بلیغ مختلف قسم کے کاموں کے لئے نہایت لائق کارکن و کارفرما۔ بڑا زمانہ ساز تھا۔ اس زمانہ میں جو مسلمانوں کے علوم و فنون تھے اُن میں سے ہر علم کا عالم اور ہر فن کا ماہر تھا۔ وہ علم میں اور ملکی امور میں شہرت حاصل کرنے میں اولو العزم تھا۔ سازشوں میں شریک ہونے سے بھی اس کو انکار نہ تھا مگر اس میں کوئی بدعادت نہ تھی۔ یہ نیک تھا دسچا مسلمان تھا۔ اس زمانہ میں جو علوم فلسفیہ کا رواج تھا اور وہ اپنی معراج پر تھے اُنکو وہ باطل اس سبب سے بتاتا تھا کہ اُنسے مذہب کو مضرت پہونچتی تھی ان علوم فلسفیہ میں تو اُس نے کوئی اپنا علم بلند نہیں کیا۔ مگر اس نے علم تاریخ کو ایسا شرف دیا کہ علوم حکمیہ سے بھی اُسکو بڑھا دیا۔ اب اُسکے مقدمہ کے چند فقرے جس کو جناب نواب محسن الملک محسن الدولہ منیر نواز جنگ بہادر مولوی سید مہدی علیصاحب نے مقدمہ تاریخ ابن خلدون کے ریویو میں ترجمہ کرکے لکھے ہیں نقل کرتا ہوں اور اس پر کچھ حاشیہ چڑھاتا ہوں۔

اس نامور عالم متبحر نے اول فن تاریخ کی فضیلت اور فوائد کو بیان کیا ہے پھر اُن سببوں کو بیان کیا ہے جو اس فن کو واہی اور غلط اور غیر مفید کر دیتے ہیں چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ فن تاریخ بظاہر تو نہایت آسان ہے اور اُسکا سمجھنا ہر خاص و عام و عالم و جاہل کو یکساں۔ کیونکہ پچھلے زمانہ کی باتیں اور گذشتہ واقعات کی خبریں اس سے معلوم ہوتی ہیں۔ لیکن درحقیقت اس کے لئے نہایت غور اور فکر درکار ہے تاکہ ان واقعات کے اسباب دریافت ہوں مثلاً فلاں واقعہ کیونکر ہوا اور اُس کے شروع ہونے کے اسباب کیونکر ظاہر اور پیدا ہوئے اور انجام اس کا کیا ہوا۔ اور کیوں۔ پس درحقیقت فن تاریخ کو ایک عمدہ فن فنون حکمت سمجھنا چاہیئے۔ اگرچہ بڑے لائق

مسلمان مؤرخوں نے تاریخ اور اخبار کو اچھی طرح جمع کیا مگر بعد اُن کے جو مورخ پیدا ہوئے اُنھوں نے تاریخ کو لغو و باطل و وہمیات سے خلط ملط کردیا۔ اور بہت سی باتیں بیہودہ اسمیں ملا دیں اور اکثر ضعیف اور بنائی ہوئی روایتیں داخل کردیں اور بہت لوگوں نے جو بعد اُن کے ہوئے اُنھوں نے نادانوں کی پیروی کی اور اُنھیں پوچ و لچر روایتوں اور واہی تباہی کہانیوں کو جیسا سُنا تھا ہم تک پہونچا دیا۔ نہ واقعات کے اسباب پر غور کیا اور نہ ان حالات کی تصدیق اور تنقیح پر توجہ کی نہ بیہودہ باتوں کو سچے واقعات سے جدا کیا اور نہ لغو روایتوں سے تاریخ کو پاک اسلئے تاریخ ایسا فن رہگیا جس میں تحقیق کم ہے اور تنقیح تھوڑی۔ اور غلطیاں اور اوہام بہت۔ گو کہ تقلید انسان کے رگ و پے میں سمائی ہوئی ہے اور ایک دوسرے کی پیروی کا عادی ہورہا ہے اور جہالت آدمی کو گھیرے ہوئے ہے مگر حق ہمیشہ حق ہے جس پر کوئی غالب نہیں ہوسکتا اور باطل ہمیشہ باطل ہے کہ ذراسی غور و فکر سے اس کا بطلان ظاہر ہوسکتا ہے اور ناقل فی نفسہ ناقل ہے جو بلا تمیز صحت و غلطی کے نقل کرسکتا ہے اور غور و تامل اور سمجھ بوجھ وہ چیز ہے جو صحت غلطی کو اور خطا اور صواب کو جدا کرسکتی ہے اور علم وہ شئے ہے جس سے ہر بات کی اصلیت اور ہر چیز کی حقیقت کھل جاتی ہے۔

اسکے بعد ایک جداگانہ فصل میں اس محقق نے ان باتوں کا بیان کیا ہے جو مورخ کے لئے صحیح تاریخ لکھنے کے واسطے ضرور ہیں اور ان غلطیوں اور اوہام کا بطور مثال کے تذکرہ کیا ہے جنکو بڑے بڑے مورخین اور مفسرین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے پھر ان سببوں کی تشریح کی ہے جو باعث ایسی غلطیوں اور اوہام کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ جو شخص دینی و دنیاوی باتوں کی تحقیق چاہتا ہے اُسے فن تاریخ سے واقف ہونا ضرور ہے۔ لیکن اس فن میں چند باتوں کا لحاظ رکھنا واجبات سے ہے۔ اول ماخذ کا دریافت کرنا۔ دوسرے اس پر غور و تامل کرنا اور اسکی تصدیق و تنقیح میں ثابت قدم رہنا۔ یہی دو باتیں انسان کو حق پر پہونچاتی ہیں اور لغزشوں اور غلطیوں سے اس کو بچاتی ہیں اگر ایسا نہ کیا جائے اور فقط نقل روایت پر اعتماد کرلیا جائے اور عادت اور سیاست اور دنیا کی طبیعت (نیچر) اور انسان کی سوسائٹی (تمدن) کے مستحکم اصول پیش نظر نہ رکھے جاویں اور غائب کو حاضر اور گذشتہ کو حال پر قیاس نہ کیا

جائے تو کچھ شک نہیں ہے کہ انسان لغزش سے کبھی نہیں بچیگا۔ اور قدم اسکا راہ راست
سے ضرور ڈگمگا جائیگا۔ اور اکثر مورخین اور مفسرین اور ائمہ نقل سے واقعات وروایات کے
بیان کرنے میں یہی غلطی ہوئی کہ انھوں نے محض نقل پر بھروسہ کرلیا اور اسکے عیب و ثواب
پر نظر نہ کی۔ نہ انکو اصول اور قواعد سے جانچا۔ اور نہ نظائر و شواہد پر قیاس کیا نہ حکمت و عقل
کی کسوٹی پر کسا نہ خود موجودات کے طبائع (نیچر) سے واقف ہوئے۔ نہ غور و تامل اور سمجھ بوجھ
کو ان باتوں کی تحقیق میں دخل دیا۔ اسلئے وہ حق سے بہک گئے اور وہم و غلطی کے جنگل میں جا پڑے
خصوصاً اعداد کے بیان میں اور مال اور لشکر کے شمار میں تو انھوں نے ایسا مبالغہ کیا ہے کہ
بادی النظر میں جھوٹ اور غلط معلوم ہوتا ہے۔ یہ لکھکر محقق موصوف نے چند مثالیں اس قسم
کے مبالغہ کی لکھی ہیں اور محض نیچر اور عقل کی مخالفت سے انکو باطل ٹھہرایا ہے منجملہ ان واہی
تباہی خبروں کے جنکو محقق موصوف نے بطور مثال کے لکھا ہے ایک وہ خبر ہے جو بہ نسبت تبابعہ
بادشاہان یمن اور جزیرہ عرب کے مؤرخین تسلیم کرتے چلے آتے ہیں کہ وہ یمن سے براہ مغرب
افریقہ اور بربر تک اور مشرق کی طرف سے ترک و تبت کے شہروں پر حملہ کرتے تھے۔ اور افریقس
بن قیس اسکا بڑا اور پہلا بادشاہ تھا جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یا کچھ دنوں آگے
پہلے افریقہ پر حملہ کیا اور اسیطرح چند اور بادشاہوں کا احوال اور ان چڑھائیوں اور لڑائیوں
کے حالات مسعودی وغیرہ نے لکھے ہیں۔ ان سب کی نسبت محقق نے بڑی ہنسی اڑائی ہے
اور ان لکھنے والوں کو بڑا احمق بنایا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ یہ سب چیزیں قصہ گویوں کی بنائی
ہوئی کہانیوں کی طرح ہیں اور صحت و سچائی سے بہت دور ہیں مثلاً جو ذکر بادشاہوں تبابعہ
کے حملوں کا اور انکی چڑھائیوں کی راہوں کا بیان کیا گیا ہے وہ محض غلط ہے اس لئے کہ
وہ لوگ جو عرب کے جزیرہ میں رہتے تھے اور دارالقرار انکا صنعاء یمن تھا اور عرب کے جزیرہ
کے تین طرف سمندر ہے جنوب کی طرف بحر ہند اور مشرق سے بصرہ تک فارس اور مغرب کیطرف
بحر سویس یہ امر جغرافیہ کے نقشہ سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے پس جو کوئی یمن سے مغرب کو
جائیگا وہ سوا سویس کے کوئی دوسری راہ نہیں پاسکتا اور فاصلہ بحر سویس اور بحر شام
کا دور وزہ راہ سے زیادہ نہیں ہے۔ پس عادتاً غیر ممکن ہے کہ اس راہ سے کوئی بادشاہ

اتنا بڑا لشکر لیکر نکلے اور سوئیس پر جو مصر کے علاقہ میں ہے قابض ہو اور یہ بات بھی معلوم ہو ان صوبوں پر عمالقہ اور شام پر کنعانی اور مصر میں قبطی بادشاہ تھے اور پھر مصر کی حکومت عمالقہ کے ہاتھ میں اور شام کی بنی اسرائیل کے قبضہ میں آئی اور کبھی ان بادشاہوں کی تاریخ سے پتہ اس بات کا نہیں چلتا کہ تابعہ ان میں سے کسی سے لڑے یا ان کے کسی صوبہ پر قابض ہوئے ہوں۔ بہرحال بہت سی اور معقول دلیلیں ہیں جن سے ان واقعات کا جو مؤرخین نے بیان کیا ہے غلط ہونا ثابت ہوتا ہے ان پرانی کہانیوں کی غلطی اور بناوٹ بیان کرکے محقق موصوف مفسرین پر متوجہ ہوتا ہے اور ان بزرگواروں نے جن کہانیوں کو قرآن کی تفسیر میں بھر دیا ہے اور جس کا بداثر دین اسلام پر پہنچا ہے۔ ان کہانیوں کا واہی تباہی ہونا بیان کرتا ہے۔ ان بیہودہ روایتوں کی تمثیل ارم و دیوار قہقہہ اور صحرا سجلماسہ و مدینۃ النحاس کہانیوں کو لکھا ہے کہ قصہ گویوں نے بنا لیا ہے اور طبائع عالم کے نہ جاننے سے عالموں نے ایسی لغو روایتوں کو قبول کر لیا ہے اور اسی قسم کی وہ روایت ہے جو حبشیوں کے سیاہ رنگ ہونے کی نسبت بیان کیجاتی ہے کہ وہ حام بن نوح کی اولاد ہیں اور نوح کی بددعا سے حام کی اولاد کا رنگ کالا ہو گیا۔ حالانکہ توریت میں اتنا ہی لکھا ہے کہ نوح نے دعا کی کہ اُس کی اولاد اپنے بھائیوں کی غلام ہو۔ لیکن پھر لوگوں نے رنگ کی سیاہی بھی اُس میں بڑھا دی لیکن یہ محض طبائع کائنات کی ناواقفیت کا سبب ہے اگر وہ ہوا کے مزاج اور حرارت کی تاثیرات پر واقف ہوتے تو ایسا غلط خیال نہ کرتے۔

محقق موصوف نے ایک فصل میں جہاں حکومت اور دولت کے ضعف و قوۃ کے اسباب بیان کئے ہیں۔ وہاں بڑی بڑی عمارتوں اور دنیا کی عجیب چیزوں کو جو اس وقت موجود ہیں مثل شہر شال مغرب و اہرام مصر کو بیان کرکے لکھا ہے کہ یہ بڑی بڑی عمارتیں صرف قوم کے دولتمند اور صاحب قوۃ ہونے سے بنیں مگر مؤرخوں نے طبائع عالم کی ناواقفیت سے ان عظیم الشان عمارتوں کے بنانے والوں کے جسم اور قد و قامت کو بھی ایسا ہی بڑا اور عجیب سمجھکر اُنکے لئے ایک روایت گھڑ لی اور عاد و ثمود و عمالقہ و کنعانیوں کے جسموں کو ایسا بیان کیا جسکے سننے سے حیرت ہوتی ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عوج بن عنق ایک شخص قبیلہ عمالقہ سے تھا جس سے بنی اسرائیل لڑے تھے وہ ایسا طویل القامت تھا کہ سمندر کی تہ سے مچھلی پکڑ لاتا

اور آفتاب پر رکھ کر بھون لیتا۔ ان بزرگوں نے اپنے اس جہل پر جو انسان کی حقیقت کی نسبت تھا اس جہل کو مستزاد کیا جو وہ کواکب کے حالات سے رکھتے تھے آفتاب کی گرمی کو اُس کے قرب و بعد پر منحصر جانا اور یہ نہ سمجھے کہ آفتاب فی نفسہ نہ سرد ہے نہ گرم اسکے خطوط شعاعی جب سیدھے پڑتے ہیں تو صرف اُس ہوا کو گرم کرتے ہیں جو سطح ارض سے ملی ہوئی ہے اور جتنا بعد زمین سے ہوتا جاتا ہے اُتنی ہی گرمی کم ہوتی ہے۔

اس مقام پر ابن خلدون نے اوروں کی غلطیاں بتلانے میں خود غلطی کی ہے کہ آفتاب کو لکھا ہے کہ فی نفسہ نہ سرد ہے نہ گرم ہے۔ ہم یہ بیان کرتے ہیں کہ محقق کیوں اس مغالطہ میں پڑا۔ اور ثابت کرتے ہیں کہ آفتاب نہایت گرم ہے۔ جاڑے کے دن میں جس مکان میں انگیٹھی دہک رہی ہو ہم اُس کے اندر چلے جائیں تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے اور جتنے ہم انگیٹھی سے قریب جائیں گے اُتنے ہی ہم زیادہ گرم ہو جائیں گے۔ مکان کے کنارہ پر ایک لڑکا سردی کے مارے اکڑ جاتا ہے اور انگیٹھی کے قریب بیٹھنے والوں کو ذرا سردی نہیں معلوم ہوتی۔ اگر آفتاب سے جس بُعد پر اب ہم ہیں اس سے زیادہ قریب ہو جائیں تو درجہ حرارت اتنا بڑھ جائیگا کہ ہم گرمی کے مارے جھلس جائیں گے اور اگر اس سے زیادہ بعید ہو جائیں تو سردی کے مارے اکڑ کر رہجائینگے غرض زمین جس فاصلے پر آفتاب سے ہے اور جتنی حرارت آفتاب سے یہاں پہونچتی ہے وہ ہماری آسایش کے لئے کافی و مناسب ہے۔

آفتاب کی حرارت کا تماشا یوں دیکھ سکتے ہو کہ ایک آتشی شیشہ کو آفتاب کے سامنے رکھو تو اُسکے فوکس یعنی نقطۂ آتشی پر کاغذ جلنے لگے گا اور بارود اُڑ جائے گی اور دیاسلائی روشن ہو جائیگی اگر ایک گز چوڑا آتشی شیشہ بناؤ اور اُس کو سورج کے سامنے رکھو تو ایسی تعجب خیز حرارت پیدا ہوگی کہ آتشی شیشہ کے نقطۂ آتشی پر فولاد پگھل جائے گا اور وہ چیزیں جنکو گرم سے گرم بھٹی نہیں پگھلا سکتی وہ اُسکو پگھلا دے گا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آفتاب کے درجہ حرارت کی برابر کسی طرح سے ہم زمین پر درجہ حرارت نہیں پیدا کر سکتے۔ اب ہم نے جو اوپر بیان کیا ہے کہ ہم جتنے آفتاب کے قریب جائینگے اُتنا ہی درجہ حرارت کم ہوتا جائے گا۔ اُس کو ہر ایک شخص یہ کہ سکتا ہے کہ خلاف واقع ہے اور ہمارا بیان بالکل غلط ہے۔ جب ہم کسی پہاڑ پر چڑھتے ہیں تو ظاہر

ہے کہ پائے کوہ کی نسبت سر کوہ پر ہم آفتاب سے قریب ہو جاتے ہیں تو آپ کے قاعدہ کے
موافق چاہیئے تھا کہ ہم سر کوہ پر زیادہ گرم بہ نسبت پائے کوہ کے ہوتے۔ مگر اسکے برعکس ہم سر کوہ پر
زیادہ سردی بہ نسبت پائے کوہ کے پاتے ہیں۔ تم نہیں دیکھتے کہ پہاڑونکی بلند چوٹیاں جو آفتاب سے
بہ نسبت زمین کے زیادہ قریب ہیں برف سے ڈھکی رہتی ہیں اور وہاں ایسی سردی ہوتی ہے جسکے
متحمل نہیں ہو سکتے اس سے ثابت ہوا کہ ہمارا یہ بیان کہ ہم آفتاب کے جتنا قریب جاتے ہیں اتنی ہی
زیادہ گرمی پاتے ہیں غلط ثابت ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ ابن خلدون نے یہ خیال کیا کہ آفتاب نہ گرم ہے
نہ سرد ہے مگر اس میں مغالطہ یہ ہے کہ پہاڑوں کی چوٹیوں کے ٹھنڈے ہونے کا ایک اور سبب ہے تم
جانتے ہو کہ ہماری زندگی کا مدار ہوا کے دم لینے پر ہے خواہ ہم خشکی و تری میں کہیں جائیں ہوا کو موجود
پائیں گے میدان میں جو اوپر چڑھتے ہیں ہوا ہی اُن کو اوپر لیجاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہوا
کئی میل تک ہمارے سر پر پھیلی ہوئی ہے گو وہ لطیف و رقیق بلندی کے موافق ہوتی جاتی ہے یعنی
جتنی بلندی زیادہ ہوتی جاتی ہے اتنی ہی اُسکی لطافت زیادہ ہوتی ہے۔

ہوا فقط ہمارے دم لینے ہی کے کام نہیں آتی بلکہ وہ ایک اور طرح سے بھی ہماری خدمتگذار ہے
وہ زمین کا غلاف یا لحاف ہے جو زمین کو گرم رکھتا ہے۔ ہوا کو یوں سمجھو کہ وہ ایک انبار لحافوں کا ہے جو اوپر
تلے رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ہوائی لحاف زمین سے اس حرارت کو جو اسکو آفتاب سے حاصل ہوتی ہے واپس
نہیں جانے دیتے اس سبب سے یہ ہمارا کرہ آبادی کے قابل ہے۔ فقط آفتاب کی حرارت ہی کے
سبب سے ہماری آسایش نہیں ہے بلکہ ان ہوائی لحافوں کے سبب سے بھی جو اس حرارت کے محافظ ہیں جو
اس کو آفتاب سے حاصل ہوتی ہے۔ اب اگر ان لحافوں کو اُتار ڈالیں تو ہم بیچین ہو جائینگے گو آفتاب
ایسا ہی تاباں رہے جیسا کہ پہلے تھا۔ اگر ان راحت رساں لحافوں کو دُور کر دیں تو ہمکو ایسی تکلیف
پہنچے گی جیسی کہ آفتاب کی روشنی معدوم ہونے سے۔ اب اگر دوپہر کو کوئی شخص پہاڑ کی بلندی پر
جاتا ہے تو وہ آفتاب سے قریب ہو جاتا ہے اور آفتاب کی حرارت سے مستفید ہوتا ہے مگر وہ اسقدر کم
ہوتی ہے کہ محسوس نہیں ہوتی۔ اگر آدمی کوہ ہمالیہ کی اونچی سے اونچی چوٹی پر بھی چڑھے تو ۱/۴ کروڑویں حصہ
کی برابر بہ نسبت پہلے کے زیادہ قریب ہوگا اور اس قربت سے جو حرارت میں افزایش ہوگی
وہ بالکل غیر محسوس ہوگی۔ برخلاف اسکے پہاڑ پر چڑھنے سے وہ ہوا کے طبقات زمین سے اوپر

چلا گیا۔ اس پر ہیچ ہے کہ وہ سطح بالا میں ابھی نصف حد تک بھی نہیں پہنچا اور اپنے سر کے اوپر اس سے بہت دور جا سکتا ہے۔ مگر کرۂ ہوائی کے طبقات بالا ایسے لطیف ہیں کہ ان کے لحاف کچھ حقیقت نہیں رکھتے۔ پس پہاڑ پر چڑھ جانے سے وہ لحاف جو ہم کو گرم رکھتے تھے وہ اتر جاتے ہیں اس سبب سے ہم کو سردی محسوس ہونے لگتی ہے آفتاب کی قربت ہم میں وہ حرارت نہیں پیدا کرتی جو ان لحافوں کے اتر جانے سے حرارت ہم سے چھن جاتی ہے یہ سبب ہے کہ بلندی پر چڑھنے سے سردی محسوس ہوتی ہے ورنہ آفتاب کے گرم ہونے میں کچھ شبہ نہیں اور اس کو یہ کہنا کہ وہ سرد ہے نہ گرم ہے بالکل غلطی ہے۔ (از مولف)

اب اس محقق نے اس طرح آگے بیان کیا ہے کہ عوج بن عنق کو ہم عہد بنی اسرائیل کا لکھا ہے اور بنی اسرائیل کا جسم اور انکا قد و قامت ایسا ہی تھا جیسا کہ ہمارا ہے اور بیت المقدس کے دروازے اگرچہ وہ بعد خراب ہو جانے کے پھر بنے ہیں مگر ان کی شکل اور انکا طول و عرض قریب قریب سابق کے ہے اس زمانہ کے لوگوں کے قد و قامت پر شاہد ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ بہت تفاوت اور بڑا فرق ہم لوگوں کے قد و قامت سے نہ تھا تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص بنی اسرائیل کا ہم عہد ایسا طویل القامت ہو یہ بات طبیعت اور فطرت کے برخلاف ہے مگر سبب اس غلطی کا یہ ہوا کہ جب مورخوں نے ان عمارتوں کو بہت لمبا اور چوڑا پایا تو وہ اسکے اسباب کے دریافت پر متوجہ ہوئے اور قومی دولت اور قوت پر خیال نہیں کیا بلکہ بنانے والوں کے جسموں اور ان کے قد و قامت کو ایسا بیان کیا جس سے ایسی عمارتوں کا بنانا ممکن ہو اور مسعودی نے ایک اور غلطی کی ہے اور فلاسفہ کیطرف منسوب کیا ہے حالانکہ سوائے متکلم کے کوئی اسکا مستند نہیں ہے یعنی از روئے قانون فطرت کے اگلے جسموں اور عمروں کا بڑا ہونا ثابت کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ انکی قوت از روئے مقتضائے طبیعت کے کامل اور زیادہ تھی اسلئے عمر اور جسم میں بڑے ہوتے تھے جیسے جیسے زمانہ بڑھتا گیا وہ قوت گھٹتی گئی اور مادہ کم ہوتا گیا اور اسیطرح آئندہ روز بروز کمی ہوتی جاوے گی حالانکہ یہ محض ایک غلط اور پوچ رائے ہے کبھی کوئی فلسفی ایسی حماقت کی بات نہ کہیگا نہ اس پر کوئی دلیل ہے نہ یہ مسئلہ قانون فطرت کا ہے بلکہ بالکل مشاہدہ کے برخلاف ہے کیونکہ ہم اگلوں کے گھروں اور ان کے دروازوں اور انکی راہوں کو انکی بنائی ہوئی عمارتوں میں جو اب تک

یادگار اور موجود ہیں دیکھتے ہیں اس کو قریب اپنے زمانہ کے پاتے ہیں اور باوجودیکہ زمانہ بہت گذرا ہمارے جسموں اور عمروں میں کچھ زیادہ کمی نہیں ہوئی جس سے ہم خیال کریں کہ زمانہ کے گذرنے سے عمر اور جسم میں کمی ہوتی ہے بہرحال یہ سب غلط خیال اور بیہودہ اقوال علم فطرت کی ناواقفیت کے نتیجے ہیں اسلئے ایسے اخبار کے جانچنے میں سب سے اول علم فطرت کی موافقت اور مخالفت کے اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

اس قسم کی بہت سی باتیں لکھکر آخر محقق موصوف لکھتا ہے کہ کہاں تک میں اسے طول دوں کیونکہ ایسی باتوں اور ایسی رایوں میں بڑے بڑے مورخین اور علماء مشہورین کے پاؤں ڈگمگا گئے ہیں اور وہ بے تحقیق و تنقیح اس قسم کی باتوں کو مانتے چلے آئے ہیں اور سب لوگ غور و فکر نکرنے اور عقل و قیاس کو دخل نہ دینے سے بے بحث و تکرار اُن کو تسلیم کرتے رہے ہیں چنانچہ اگر کتابیں ایسی ہی باتوں سے بھری ہوئی ہیں یہانتک کہ اس خرابی نے فن تاریخ کو بالکل واہی اور پوچ کر دیا اور غلط و صحیح باتوں کی اس درجہ آمیزش ہوگئی کہ اسکا دیکھنے والا دلدل اور کیچڑ میں پھنس جاتا ہے یعنی صحت اور غلطی کی تمیز نہیں کر سکتا اور اسواسطے اس علم کی کچھ وقعت نہ رہی پس اب مورخ کو ضرورت اسکی ہے کہ وہ حکومت کے قاعدوں اور موجودات کی طبیعتوں اور قوموں اور ملکوں کی مختلف حالتوں اور اگلوں کے اخلاق اور عادتوں اور رسموں اور مذہبوں اور ایسی ہی تمام باتوں کا اصلی علم حاصل کرے پھر اپنے زمانہ کی موجودہ حالتوں کو ان سے ملاوے اور اس پر پچھلی باتوں کا قیاس کرے اور جو اختلاف اس میں پایا جاوے اُس کے وجوہ اور اسباب پر غور کرے اور سلطنتوں اور حکومتوں اور مذہبوں کے پیدا ہونے اور اُنکے ترقی و قوت پانے کی علتوں کو بنظر تامل دیکھے اور اُس کے بانیوں اور پھیلانے والوں کے حالات تحقیق کرے تاکہ ہر واقعہ اور ہر حادثہ کا اصلی سبب معلوم ہو جاوے مگر ہمیشہ اُسکا لحاظ رکھنا چاہیئے کہ جو چیز سُنے یا جس بات کا علم حاصل کرے اُس کے سنتے ہی کچھ نہ جانے بلکہ قواعد اور اصول کا امتحان کرے اگر اُن کے موافق پاوے قبول کرے ورنہ اُس پر خط رد کھینچے۔

اسکے بعد محقق موصوف تاریخ کی حقیقت یہ بتاتا ہے کہ وہ خبر ہے اجتماع انسانی کی جس سے عالم آباد ہوتا ہے اور اس آبادی کی طبیعت کو وہ اس طرح بتاتی ہے کہ توحش و تانس عصبیات

اور بعض بشر کے بعض بشر پر تغلبات کی اصناف کو بیان کرتی ہے اور اس سے جو ملک و دول اور اُن کے مراتب پیدا ہوتے ہیں اور بشر کے اعمال و مساعی جو وہ کسب معاش و علوم و صنائع ہیں اور جو تمام چیزوں میں جو اس آبادی کے سبب سے پیدا ہوتے ہیں کرتا ہے پھر وہ جھوٹ اور غلطی کے اسباب بتاتا ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ان سببوں میں سے ایک سبب رائے اور مذہب ہے کیونکہ جب انسان کا نفس اعتدال کی حالت پر ہوتا ہے تو خبر کو تحقیق کر کے سچ کو جھوٹ سے جدا کر سکتا ہے لیکن اگر پہلے سے کسی رائے یا کسی مذہب کا معتقد اور اس طرف مائل ہو تو مقتضا طبیعت یہ ہے کہ وہ ان چیزوں کے سنتے ہی قبول کر لیتا ہے جو اس کی رائے اور مذہب کے موافق ہوتی ہوں وہ اعتقاد اور میلان اُس کی بصیرت کی آنکھ کا پردہ ہو جاتا ہے اور تحقیق و تنقید سے باز رکھتا ہے اسلئے جھوٹی بات کے قبول کر لینے اور پھر اُسکی نقل کرنے کی مصیبت میں پڑ جاتا ہے اور دوسرا سبب راویوں کا اعتماد ہے یعنی نقل و روایت کرنے والوں کو سچا سمجھکر ان پر بھروسہ کرنا اور اُن کی خبر کو لائق تنقیح نہ سمجھنا اور تیسرا سبب مقصود و مراد سے غفلت کرنا ہے چنانچہ کثیر نقل کرنے والے اور راوی ایسے ہیں کہ جو مقصود و مراد پر غور نہیں کرتے بلکہ جو کچھ اُنھوں نے دیکھا یا سنا اور جیسا کہ وہ اپنے گمان میں غلط سلط سمجھے اُسے نقل کر دیا اور مقصود پر خیال نہ رکھنے سے سچ کا جھوٹ ہو گیا یعنے بات تو کچھ تھی اور راوی کچھ سمجھے اور اپنی ہی سمجھ کے موافق روایت کرنے لگے۔ اور چوتھا سبب خوش اعتقادی اور حسن ظن ہے اور اس کا اصلی باعث نقل و روایت کرنے والوں پر اعتماد اور بھروسہ کر لینا ہے اور پانچواں سبب حقیقت و اصلیت کی تحقیق نہ کرنی اور فریب و دغا اور تصنع کی باتوں کو نادانی سے مان لینا ہے چنانچہ اکثر نقل و روایت کرنے والوں نے جیسا دیکھا ویسا نقل کر دیا۔ مگر اُنھوں نے اصلیت پر نظر نہ کی کہ وہ بات حقیقت میں ویسی نہ تھی بلکہ فی نفسہ اسکی اصلیت اور کچھ تھی۔ اور چھٹا سبب خوشامد اور چاپلوسی ہے ان سب سببوں سے بڑھ کر تاریخی واقعات میں جھوٹ کے رواج پانے کا بڑا سبب طبائع موجودات (نیچر) کی ناواقفیت ہے کیونکہ دنیا میں جو چیز موجود ہے اور آیندہ ہوتی جاتی ہے اسکی کوئی خاص طبیعت ضرور ہے جو اُسکی ذات اور اُسکی حالتوں سے مخصوص ہے جس میں کسی طرح کا فرق نہیں ہو سکتا اسلئے کہ نیچر کا بدلنا یا قانون قدرت کے

خلاف کچھ ہونا غیر ممکن ہے) پس اگر سننے والا موجودات کی طبیعتوں اور انکے خواص اور مقتضیات سے واقف ہوگا تو ضرور اخبار کے نتائج میں پتا لگا لیا کرے گا اور جب وہ کسی چیز کو مخالف اُسکے پائیگا فوراً غلط سمجھے گا۔ اور جب سننے والے کو ان باتوں کا علم ہی نہ ہوگا وہ غیر ممکن اور محال چیزوں کو قبول کر لے گا۔ اور ان چیزوں کی نقل و روایت میں اُسے کچھ پس و پیش نہ ہوگا جیسا کہ مسعودی نے سکندر کی خبر لکھی ہے کہ جب دریا کے جانور اسکندریہ کے بنانے سے اُس کے مانع ہوئے تو اُس نے ایک لکڑی کا تابوت بنایا اُس کے اندر شیشہ کا صندوق رکھا اور آپ خود بیٹھا اور سمندر کی تہ تک غوطہ لگایا وہاں ان شیطانی جانوروں کی تصویریں بنائیں اور انکی صورتیں تانبے پیتل سے بنا کر بنیاد کے محاذی رکھدیں پس ان تصویروں کو دیکھکر دریائی جانور بھاگ گئے۔ غرضکہ مسعودی نے ایک بے معنی اور بیہودہ خرافات کہانی کو صرف اپنی بے علمی کے سبب سے مان لیا۔ اگر قطع نظر اور باتوں کے جو بادی النظر میں اس حکایت کے پوچ اور بیہودہ ہونے پر شاہد ہیں۔ اگر صرف اس بات کا علم ہوتا کہ جو ذی حیات صندوق میں بند ہوکر غوطہ لگائے گا اور دیر تک پانی میں نیچے رہے گا تو بسبب تنفس طبعی اُس کا جینا محال ہے تو کبھی اس حکایت کو نقل نہ کرتا۔ اس حکایت کے بعد اور چند کہانیاں مسعودی وغیرہ کی اس محقق نے نقل کر کے اُس پر افسوس کیا ہے۔ اور کسی کو عقل کے برخلاف اور کسی کو نیچر کے مخالف اور کسی کو واقع کے برعکس پا کر غلط اور باطل اور خرافات بتایا ہے۔ اور آخر پر اُس نے صاف یہ لکھا ہے کہ اگر موجودات اور مخلوقات اور دنیا کی آبادی وغیرہ باتوں کا علم ان مؤرخوں کو ہوتا تو کبھی ایسی کہانیاں کتابوں میں لکھی نہ جاتیں۔

ایک حکیمانہ اور محققانہ اصول اس نامور مؤرخ نے اخبارات کی تحقیق میں لکھا ہے کہ عالم کی طبیعت یعنی نیچر کا جاننا اخبارات کی تنقیح کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے اور راویوں کی تعدیل پر مقدم ہے پس ہم جس خبر کو سنیں پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ ہم سوچیں کہ یہ خبر فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں اگر معلوم ہو کہ اسکا ہونا محال ہے یعنی ہو ہی نہیں سکتی تو کچھ فائدہ نہیں کہ ہم راویوں کی تعدیل و تجریح کریں کیونکہ اہل دانش نے یہ اصول ٹھہرا لیا ہے کہ وہ خبر ماننے ہی کے لائق نہیں ہے جو فی نفسہ محال ہو اسمیں ایسی تاویل کرنی نامناسب ہے جسے عقل قبول نہ کرے۔ پس راوی کی جرح و تعدیل

کی ضرورت کیا ہے - ہاں راویوں کی تعدیل وتجریح کی شرعی چیزوں کی صحت کے لیئے
ضرورت ہے بلکہ بڑی خبریں شریعت کی وہ ہیں جو احکام اور عملیات سے متعلق ہیں جن میں
اوامر و نواہی کا اور شارع کے احکام کا بیان ہے - ایسی خبروں کی تصدیق کے لیئے ظن کافی
ہے اور صحت ظن کے لئے راویوں کی عدالت اور ضبط بس ہے لیکن وہ خبریں جو واقعات سے
متعلق ہیں اُن کی تصدیق کے لئے مطابقت بہت ضرور ہے اور اس لئے ہم پر واجب ہے کہ
اوّل سب سے یہ دیکھیں کہ اس کا واقع ہونا فی نفسہ ممکن ہے یا نہیں اور یہ دیکھنا راویوں کی تعدیل سے
زیادہ ضرور ہے اور مقدم ہے کیونکہ احکام کے لئے فقط خبر کافی ہے اور واقعات کیلئے مطابقت
واقع سے بھی ضرور ہے پس اخبار اور واقعات کے جھوٹ سچ میں تمیز کرنے کا اصل اصول امکان
اور استحالہ ہے پس اگر ہم انسان کے مجمع اور دنیا کی آبادی اور موجودات کی طبیعت اور اُسکے
عوارض ذاتی پر نظر کر کے کسی خبر کو محال سمجھیں اُسے جھوٹا جانیں ورنہ اُسکی تصدیق کے لیئے راویوں
کے حالات دریافت کریں اگر ہم اس اصل اصول پر جس کی صحت میں ذرا شک نہیں ہی خبروں کی
جانچ کریں تو ضرور ہم غلط خبروں کے قبول کرنے سے محفوظ رہیں گے اور جو حکایتیں یا روایتیں
مورخین لکھ گئے ہیں اُنکی صحت اور غلطی اس اصول پر لحاظ رکھنے سے سمجھ سکیں گے -

جو کیفیت اخبار کی اس محقق نے بیان کی اور جو اصول اُسکی تنقید کے قرار دیئے کون ہے کہ
اس سے انکار کرے گا - اگرچہ ہر زمانہ میں محققین اہل اسلام نے اسطرف توجہ کی ہے اور اخبار اور
تاریخ کی درستی میں کوشش - اور ابتک اُنکی نیک کوششوں کے آثار بھی باقی ہیں مگر ایسا زمانہ اسلام
کی تاریخ میں نہیں ملتا جس میں پوری کامیابی ہوئی ہو اور عموماً صحیح تاریخ نے رواج پایا ہو
بلکہ بدنصیبی سے اور علوم حکمیہ کی ترقی نہ پانے سے محققین کی کوشش کا پورا اثر نہ ہوا اور متعصبین
فقہا نے جہانتک ہو سکا اُنکی کتابوں اور تحریروں کو شائع نہ ہونے دیا چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ
فقہ اور سیر کی صدہا کتابیں مسلمانوں کے پاس موجود ہیں مگر محققین اہل اسلام کی عمدہ اور مفید
تحقیقات کا کچھ نشان نہیں اور بغیر یورپ کے محققین کی اعانت کے ہم اُنکی کتابوں اور تحریروں
سے واقف نہیں ہو سکتے - لیکن یہ بات تعجب کی نہیں ہے کیونکہ اگر گرفتاران زنجیر تقلید ایسی محققانہ
تحریروں کو آزادی سے شایع و مشتہر ہونے دیتے تو اُنکا عنکبوتی کارخانہ قایم نہ رہتا اور تقلید

کی غلامی سے مسلمان کبھی کے آزاد ہو جاتے مگر جو زمانہ گذر گیا اُس میں اخبار اور تاریخ کی غلطی یا غیر معتبر ہونے نے بہت نقصان اسلام کو نہیں پہونچایا سوا اس کے کہ اور قوموں کے نامور مورخوں کی طرح اُنھوں نے قدیم زمانہ کی تاریخ لکھنے اور واقعات تاریخی کی تنقیح میں نام نہیں پایا دین و مذہب پر اسکا اثر نہیں پہونچا اسلئے کہ اسوقت عموماً مذہب اور خیال اور علم اور مذاق سبکا ایک تھا اور ایک ہی طریقہ سے مذہب کی حمایت اور اسلام کی اشاعت جاری تھی پس ہر ایک غلط اور غیر صحیح خبر جس میں کوئی حیرت اور بوالعجبی پائی جاتی یا جس سے کوئی بات عزت اور شان کی پیدا ہوتی بے عذر مان لی جاتی اور عوام الناس تو اُسے معجزہ یا کرامت یا خرق عادت سمجھ کر فوراً ایمان لے آتے گو وہ خبر از روے اصول عقل اور فطرۃ کے کیسی ہی محال اور غیر ممکن ہوتی لیکن اسکی تنقیح اور تنقید نہ کی جاتی کیونکہ جاہل فقیہوں کے پاس ہر محال اور غیر ممکن الوقوع واقعہ کے انکار کے لئے اُنکے غلط خیال میں خدا کا کلام موجود تھا۔ جو بات عقل میں نہ آتی سادگی سے ایمان لے آتے اور کہدیتے کہ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ مَا لَیْسَ ذٰلِکَ مِنَ اللّٰہِ بِبَعِیْدٍ مگر یہ زمانہ جو چل رہا ہے اس میں اخبار اور تاریخ سے غفلت کرنا اور بے تحقیق و تنقیح کے انکو مان لینا مسلمانوں کے لئے مضر ہے بلکہ اسکا اثر مذہب اسلام پر پہونچتا ہے کیونکہ اسوقت مختلف مذہب اور مختلف خیال اور مختلف مذاق والوں سے اسکا مقابلہ ہے اور ہر مذہب اور ہر خیال اور ہر مذاق کو علم اور عقل اور حکمت سے مدد اور اعانت پہونچتی ہے۔ پس اس سے نازک زمانہ میں اگر ہم مسلمان غلط اور غیر صحیح اخبار سے جو علم اور عقل اور حکمت سے مخالف ہوں اپنے مذہب کی حمایت اور دوسرے کا مقابلہ کریں تو ظاہر ہے کہ اسکا نتیجہ کیا ہوگا۔ (یہاں نقل ریویو کی ختم ہوئی)

ابن خلدون نے جو تاریخ کے باب میں اصول تنقیح و تنقید و اغلاط سے بچنے کے اور طبائع عالم کے جاننے کے بیان کئے ہیں اُن کی اہل یورپ بھی تعریف کرتے ہیں۔ مگر اُس کی تاریخ میں عیب بتاتے ہیں کہ وہ مشرقی زبانوں کے سوا اہل یورپ کی زبان کوئی نہیں جانتا اسلئے وہ اُن کی تاریخ سے ناواقف تھا جو حالات اُس نے اُنکے لکھے ہیں اُن میں غلطیاں ہیں دوزی ڈی سلین اور امری اس کی تاریخ کو ایک تاریخی کتاب تسلیم کرتے ہیں مگر چند عیوب اسمیں بتاتے ہیں۔ تاریخ کی طرز صاف نہیں تاریک ہے۔ بے پروائی سے لکھی ہے۔ وقت کے

اعتبار سے تاریخی بیانات غلط ملط ہیں اور وہ اپنی رفتار میں فضول استدلال سے رک جاتے ہیں تقسیم مضامین ایسی ہے جس میں بیانات مکرر آتے ہیں۔ جن استناد اور استشہاد پر واقعات کو بیان کیا ہے اُن کو صحیح صحیح نہیں بیان کیا ہے۔

ان اعتراضات کی وقعت اُس شخص کے دل میں ذرا بھی نہیں پیدا ہوتی جس نے ابن خلدون کی اصل کتاب کو پڑھا ہو۔ یورپ کے مصنف محقق مورخ اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ابن خلدون علم تاریخ کے اصول ایجاد کرنے میں سب پر سبقت لے گیا مگر اپنے ہی اصول کے موافق وہ اپنی تاریخ تالیف نہ کر سکا۔

اب تک میں نے علم تاریخ کے معانی و مقاصد و مفاد اور مورخ کے فرائض مشرقی خیالات کے موافق بیان کئے ہیں اب میں ان ہی باتوں کو مغربی خیالات کے موافق بیان کرتا ہوں۔ انگریزی لفظ ہسٹری ہے۔ جس کا ترجمہ اُردو زبان میں تاریخ کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ گو اصل انگریزی لفظ کے معنے کا حق پورا نہیں ادا کرتا لیکن پھر بھی تاریخ کا لفظ قریب المعنی اصل انگریزی کا ہے۔ انگریزی ہسٹری کے حقیقی معنے واقعات کے بیان کے ہیں لیکن ۴۸۴ء قبل از مسیح ایک نامی گرامی مورخ یونانی ہیرو ڈوٹس گذرا ہے جو قدیمی مورخوں کا باپ کہلاتا ہے اس نے اس لفظ کے معنے جو اب تک چلے جاتے ہیں یہ مقرر کئے ہیں کہ جب بڑے بڑے اجتماع انسانی ہوتے ہیں جنکے اثر کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرت میں تعلقات تمدنی مذہبی اخلاقی تجارتی سیاسی علمی پیدا ہوتے ہیں ان کے بیان کرنے کو علم تاریخ کہتے ہیں جن میں ان باتوں کا ذکر توضیح و تفصیل سے کیا جاتا ہے کہ انسان کے مدنی الطبع ہونے کے سبب سے جو برادرانہ رشتہ مندی پیدا ہوتی ہے اور جو اس کے ارتکاب فعل کے اسباب ہوتے ہیں اور اُن سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں۔

لارڈ بیکن انگلستان میں بڑا نامور حکیم و عالم متبحر بے مثل گذرا ہے وہ شاعری اور فلسفہ پر علم تاریخ کی فضیلت کو اس طرح بیان کرتا ہے کہ انسان کی قواے عقلیہ تین ہیں۔ حافظہ متخیلہ فہم۔ آخر دو قواء بغیر اول کے معطل و بیکار ہیں اسلئے وہ دونوں اول کے محکوم و تابع ہیں پس علم تاریخ جو حافظے سے متعلق ہے افضل ہے شاعری سے جو قوت متخیلہ سے متعلق ہے

اور فلسفہ سے اعلیٰ ہے جو قوت فہم سے متعلق ہے۔

انیسویں صدی میں جرمن میں ہیگل بڑا نامور مورخ و حکیم ہوا ہے وہ علم تاریخ کو ان تین قسموں میں منقسم کرتا ہے۔

اوّل قسم۔ جن واقعات کو دیکھیں یا اوروں سے سنیں انکو من وعن لکھ دیں انہیں دخل در معقولات نہ کرکے بے کم و کاست لکھدیں کچھ کم و بیش نکریں اس کو خالص تاریخ کہتے ہیں۔

دوم قسم۔ اول قسم کی تاریخ کے مصالح و مادہ سے مورخ اس تحقیق و تنقیح میں اپنی ساری ذہانت و استعداد کو صرف کرتا ہے کہ تاریخ کے لحاظ سے کون سے واقعات صحیح ہیں اور کون سے غلط ہیں۔ اور صحیح اور غلط ہونے کے وجوہ اور دلائل کیا ہیں اور غلط واقعات کو لوگوں نے کیوں صحیح مان لیا ہے۔

سوم قسم۔ تاریخی واقعات کے مقدمات کو مرتب کرکے اسکے نتائج استخراج کرتے ہیں اور کل واقعات کو ایک سلسلہ میں مسلسل کرکے ان کو واحد بناتے ہیں۔ اور اس میں اسباب و نتائج و علت و معلول سے بحث کرتے ہیں (اسکو سائنس کی صورت میں ڈھالتے ہیں)

انیسویں صدی میں انگلستان میں بکل صاحب بڑا علم تاریخ کا عالم متبحر ہوا ہے۔ وہ تاریخ کی تعریف یہ کرتا ہے انسان کے حالات میں جو تغیرات نیچر کرتا ہے اور نیچر میں جو تصرفات انسان کرتا ہے ان تغیرات اور تصرفات کو علم تاریخ بیان کرتا ہے وہ مافوق الفطرت واقعات کو غلط بے بنیاد جانتا ہے اور ان کو اپنے سے خارج رکھتا ہے جیسے کہ قدیمی تاریخیں بھری پڑی ہیں۔

انیسویں صدی میں انگلینڈ میں کارلائل صاحب فن تاریخ کے ماہر کامل گذرے ہیں۔ وہ تاریخ و مورخ کی نسبت جو تحریر فرماتے ہیں اسکا مختصر بیان یہ ہے کہ آج جو تم ہری کو پلیں نکلی ہوئی اور پھول کھلے ہوئے اور ہرے بھرے درخت پھولے پھلے ہوئے دیکھتے ہو ان کے نیچے بن کے بن پہلے سالوں اور دنوں کے دبے ہوئے پڑے ہیں انہیں جن درختوں کی چھوٹی عمریں ایک برس کے اندر تھیں وہ تو بہت جلد گل سڑکر ملکر بے اعضا قالب میں جون بدلکر آگئے اور جن درختوں کی بڑی عمریں ایک یا تین ہزار سال کی تھیں (جیسے کہ ابلوس کے درخت کی) ان کا حال بھی بہت دیر میں یہی ہو گیا۔ انسان کی تاریخ کی ابتداؤں سے ان سب درختوں کو اپنی بقا اور فنا کی

ہیگل جرمن حکیم کے نزدیک علم تاریخ کی تین قسمیں

بکل صاحب کی تعریف علم تاریخ کی

کارلائل صاحب کا قول تاریخ کی نسبت

منزلوں میں زیادہ نیچا عمیق پاؤگے - تم خیال کرو کہ یہ ہمارے حروف تہجی ہماری بولی کہاں پیدا ہوئی - ہمارا اپکا نا جسکے سبب سے ہم جیتے ہیں - ہماری سماری جسکی وجہ سے ہم مکان میں رہتے ہیں کہاں پیدا ہوئیں! اس دن کے واقعات کی ریشہ دار جڑیں کان سوئیں اور ٹریسی جس مدہول کینن اور ٹپ ٹول کی خاک میں پاؤگے اور انکی بیج کلان تھیں اپنے باوا آدم کے اور امائی کے کوئلہ کی چنگاری میں دیکھوگے نہ میں کوئی کامل تاریخ موجود نہیں نہ کوئی کامل تاریخ خیال میں آنے کے قابل ہے - تمام گذشتہ صدیاں فنا اور ابتر ہو کر فاموش گونگی ہو گئیں - سترھویں صدی بھی اپنی آنکھیں دکھا رہی ہے کہ میں بھی یہی کرونگی - تو اریخ ایسی ہی کامل ہوتی ہیں جیسا کہ مورخ عاقل ہوتا ہے جس کو خدا آنکھ اور عقل عطا کرتا ہے کل زمانہ گذشتہ سے جو قابل یاد یا ناقابل یاد ہے زمانہ حال کی پتّی دار کلیاں نکلتی ہیں بس یہی فن تاریخ ہے کہ یہ تمیز کیجائے کہ کون سے غنچے اپنی سطح کے اوپر شگفتہ ہیں اور ہمارے لئے شاخیں نکالتے ہیں اور کون سے ایسے ہیں کہ دیرتک سطح کے اوپر نہیں آئینگی لیکن صحیح سلامت اپنی صورتیں زمین کے اندر ہی بنایا کرینگی - اور کبھی اپنے برگ و بار سے انسان کو متمتع نہیں کرینگی - اول کا حال سنکر ہم مسرور ہوتے ہیں اور دوسری کا حال سنکر رنجور - ان دوسری باتوں کے بیان کرنیکو خود نما کوڑھ مغز بھلا جانتے ہیں - عاقلانہ یاد اور دانشمندانہ فراموشی پر تاریخ کا مدار ہے یا د بغیر فراموشی کے ناممکن ہو جب یہ دونوں یاد اور فراموشی فرزانگی کے ساتھ ہوتی ہیں اور مورخ بھی پاک نفس راست باز و موزوں طبع ہوتا ہے تو زمانہ حال کی الیاڈ بن جاتی ہے (الیاڈ روزگار گذشتہ کی یادگار نظم میں ایک نامور کتاب ہے) اگر یاد سفیہانہ اور فراموشی احمقانہ ہے اور مورخ کی عقل پر بیہوشی اور دروغ کا پردہ پڑا ہوا ہے تو بالکل ایک کتاب بنتی ہے جس میں بالکل تاریکی ہوتی ہے مورخ کی بڑی غلطی ہے کہ وہ اپنی روٹی کمانے کے لئے خوشامد و چاپلوسی تاریخ مطلق کو بنائے اسکو چاہیئے کہ وہ کسی سے خوف نکرے بیدھڑک سوائے سچ کے کچھ اور نہ لکھے نہ دوستونکی تعریف کرے نہ دشمنونکی ہجو - دونوں کو برابر جانے اپنی باتوں میں ثابت قدم رہے ہوگا یا کلیتہً تاریخیں جو لکھی جاتی ہیں انکے اظہارات اور بیانات زیادہ دھوکہ دینے والے اور اکثر انکم ناقص و ناتمام بہت بُری طرح سے ہوتے اور نہایت متزلزل و پر خلل ڈھل چل کے زمانوں کے

رہنے والوں کی اصلی حالتوں کے نقشوں کو جس مبالغہ سے وہ رقم کرتے ہیں اس سے زیادہ کوئی مبالغہ
نہیں ہو سکتا۔ عام واقعات عظیمہ جنکو خاصکر تاریخ لکھتی ہے اُنکا اثر بلا واسطہ بہت ہی کم خلقت پر ہوتا ہے
وہ اُن لوگوں کے لیے جو کسیقدر ان واقعات سے تعلق رکھتے ہیں کوئی بڑی کار برآری و خوشی و رنج نہیں
پیدا کرتیں نہایت بُرے وقتوں میں جنمیں چاروں طرف ایک آفت برپا ہوتی ہے آپس میں جنگ و جدل ہوتی
ہے اور انقلابات سلطنت پیدا ہوتے ہیں اور ظلم و ستم برپا ہوتے ہیں تو بہت سے آدمی اس وقت کے
بڑے حصہ میں اپنی عشق بازی اور دولت کی کمائی میں مصروف ہوتے ہیں وہ جلسوں اور دوستوں کی
صحبتوں میں اپنا وقت تفریح و تفنن میں گذارتے ہیں اپنے پیشوں کے کام کرتے ہیں دنیوی پیش قدمی
لیے یا اپنے ذاتی تشخص و ترفع کے لیے تدابیر اسطرح کرتے ہیں جیسے کہ عام امن و امان و چین چان کے زمانہ
میں کرتے تھے۔ جیسے کہ ایک زمانہ میں دربار داری کرتے تھے اور رقص و سرود کے جلسوں میں شریک ہوتے
تھے ایسے ہی دوسرے زمانہ میں تقسیم پیا ہوتے ہیں وہ شادی بیاہ رچاتے ہیں اور تقریبات کی خوشیاں مناتے
ہیں بن سنور کر بال کے جلسوں اور گھوڑ دوڑ میں جاتے ہیں وہ اپنے مطالعوں میں اور یہی کھانوں کے چوچلے
میں مصروف ہوتے ہیں تھوڑی دیر بعد دل بھر کر کھانے کھاتے ہیں خوب نیندیں بھر کر سوتے ہیں
اپنی پود کو چھدرا کر کے لگاتے ہیں۔ نوکروں کو گھرکیاں جھڑکیاں زور شور سے دیتے ہیں۔ خوش خوش اپنے
بچوں سے بکواس کرتے ہیں گویا کہ یہ معاصرین بڑا اصلاح تاریخ کی غمناک فکر و غور کے لیے پیش ہی نہیں
کرتے تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ زندگی کی نیچے کی رو میں چُپ چاپ اپنی عمیق و مستقل راہوں میں اپنی ابدی
سوتوں میں چلی جاتی ہیں اِسکی سطح پر جو طوفانات خلل اندازی کر رہے ہیں اُن کا اثر اُن پر کچھ
نہیں ہوتا یا تھوڑا سا کچھ اضطراب پیدا ہوتا ہے لیکن ہر ملکی تاریخ پر زمانہ کا امتداد ہوتا ہے تو دور
کے طلبہ کو اُس کی سرگذشتیں یہ معلوم ہوتی ہیں کہ متواتر مصائب و آفات کی بہتم تیز گھنگھور
گھٹا چھائی ہوئی اندھیرا کر رہی ہے۔ بہت سے آدمی جوان غمناک زمانہ کے کاموں میں موجود تھے
اِنھیں پاؤ گے کہ وہ خوشی و آرام کے اوسط سے محظوظ و مسرور تھے اور اپنے زمانہ کے واقعات کے
صدموں کا اثر بہت ہی کم بہ نسبت اُن لوگوں کے تھا جو سوائے اسکے کچھ اور نہیں جانتے تھے کہ اِن
واردات کا وقوع ہوا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ تاریخیں ناقص اس سبب سے ہوتی ہیں کہ وہ جب ان زمانوں کے
کہ آفات برپا ہوتی ہیں مصائب کی داستانیں تحریر کرتے ہیں اور مسرت و خوشی کے جو کا باعث کو

فروگذاشت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے حالات نہیں لکھتے جو اپنی بے فکری کے سبب سے اس زمانہ سے خبر بھی نہیں ہوئے۔

انیسویں صدی میں فروڈ صاحب جو علم تاریخ کے کامل محقق ہیں وہ تاریخ کے مخالفین کو اس طرح دکھلاتے ہیں کہ اور زمانوں کے حالات کا صحیح صحیح تخمینہ کرنا اور جانچنا دیکھنا مشکل ہی نہیں ہے بلکہ ناممکن ہے جو حالات ہماری آنکھوں کے سامنے گذرتے ہیں وہ بھی ایک دھندلے آئینہ میں ہم کو دکھائی دیتے ہیں صاف سے صاف چیز جو ہمارے سامنے آتی ہے اسکی تصویر بھی جبتک ہمارے دماغ میں منقش نہیں ہوتی کہ سمجھ اور عقل دونوں اپنی طرف سے اس میں کچھ اضافہ نہیں کرتے تاریخی تحقیقاتوں میں نہایت تعلیم یافتہ صاحب فکر ناخواندہ جاہل پر فوقیت رکھتا ہے مگر نہایت محدود۔ مورخ جتنا علم تاریخ زیادہ جانتے ہیں اتنے ہی اس میں کم سوا رکھتے ہیں۔ نہایت احتیاط سے جو تحقیقاتیں کیجاتی ہیں وہ منفرج راہوں پر چلتے ہیں اور جتنے وہ اپنی راہ میں دور جاتی ہیں اتنا ہی انمیں فصل و دوری زیادہ ہوتی جاتی ہے اور وہ ایک دوسرے سے جدا ہوتی جاتی ہیں۔ ڈیوڈ ہیوم کی نگاہ میں سیکسن بادشاہوں کی تاریخ چیلوں اور کوؤں کی لڑائیاں تھیں فاڈ نیو میں انگلینڈ کے اس زمانہ کے تنزل کی گردن پر چھری اس طرح پھیرتا ہے کہ وہ سامنے والوں کو اس زمانہ میں بتاتا ہے اور انگلینڈ کے بہادروں سوکون فیروں کو لکھتا ہے جو انگلینڈ کے محلوں میں تعلیم پاتے تھے کہ گنہگاروں کے گناہ معاف کرکے بہشت میں داخل کریں اس ایک ہی زمانہ کے ان دونوں خیالوں کے درمیان کیا زمین و آسمان کا فرق ہے کونسی بات مشترک ان دونوں میں ہے کہ جس سے طالب العلم ایک خیال سے دوسرے خیال میں گذر سکیگا اور اسکی توضیح کے لیے ایک اور بڑی مثال یہ ہے کہ مسٹر مکولی کو انگلینڈ کی تاریخ سترھویں صدی سے پہلے کچھ دلچسپ معلوم دیتی تھی اور لارڈ جان رسل کے نزدیک ریفورمیشن سولھویں صدی کی اصلاح مذہبی پہلی صدیوں کی جہالتوں اور حماقتوں سے پیدا ہوئی تھی مسٹر ہیلم بھی اسی کے مشابہ نتیجہ اعتدال کے ساتھ نرم الفاظ میں بیان کرتے ہیں مسٹر کارلائل نے بھی اس مضمون کو ان ہی کی قابلیت اور استعداد سے مطالعہ کیا انکے نزدیک انگلش کریکٹر کا تنزل جب ہی سے شروع ہوا ہے کہ علم ادب کی ترقی ہوئی ہے۔ بہادروں اور شجاعوں کی نسلیں تنزل پذیر ہوئیں اور تقریروں اور اسپیچوں کے زمانہ کے آگے کارہائے نمایاں کے زمانہ نے سر جھکایا۔

زمانہ ماضیہ کی تاریخوں میں یعنی غیر ملکوں کے معاملات کے تعلق سے بھی آدمی کے اوضاع و اطوار کا

بیان ہوتا ہے انکے افعال اور اعمال تحریر ہوتے ہیں۔ انکے مطالعے سے ہم کو مفید مسرت اور تفریح ہوتی ہے ان سے ہم اتنا سیکھ سکتے ہیں اور دنیا کو جان سکتے ہیں جتنا ہم زمانہ حال کے آدمیوں میں تجسس و تحقیق سے جان سکتے ہیں۔ ہم انھیں مشاہدہ کر سکتے ہیں ہم امتحان کر سکتے ہیں ہم جسکو چاہیں الزام لگا سکتے ہیں بغیر اس کے کہ ہم کسیکو رنجیدہ کریں یا خود خطرہ میں پڑیں بیشمار کتابیں ہیں جن میں بڑے بڑے بزرگ دانشمندوں نے اپنے دل و دماغ کو کھول کر رکھا ہے اور اپنے خیالات عظیم کو ظاہر کیا ہے ہمکو چاہیے کہ انکی پیروی کرنے میں اپنے تئیں کافی مشغول کریں۔ ممنون ہو کر اپنے فرصت کے وقت کو انکے مطالعہ میں صرف کریں اور پھر اپنے کاموں کو دیکھیں اور اپنے مزاجوں اور خوؤں کا مطالعہ کریں اپنے اصول و مقاصد کا امتحان کریں اپنے خیالات کردار و گفتار پر غور کریں خود شناسی یعنی اپنے تئیں سمجھنے میں کامل کوشش کریں ان کاموں کے کرنے کا ہم استحقاق رکھتے ہیں اور انسے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

تاریخ کا کوئی حصہ ایسا نافع و مفید نہیں جیسا یہ حصہ جسمیں یہ باتیں بیان کیجاتی ہیں جنکی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی روحانی ترقی کا۔ انسان کی عقل کے بتدریج نشو و نما پانے کا۔ سائنسوں کے متواتر آگے قدم بڑھانے کا۔ علم و فضل میں جو سوچنے والے کے لیے روشنی و تاریکی میں ہیر پھیروں کے ہونیکا۔ عقل کے عالم میں انقلابات کے پیدا ہونیکا جنگ پیکار و یورش جو بادشاہوں کا کام ہے بیان کیجاتی ہے مفید و نفیس فنون سے غفلت نہیں کیجاتی جنکے پاس مملکتیں حکومت کرنے کیلئے ہیں انکو اپنی آنکھوں کو بھی بڑھانا چاہیئے۔

والٹیر ایک عالم متبحر فرانس میں گذرا ہے جو اہل یورپ کا تاریخ نویسی میں معلم اول ہے وہ ارشاد کرتا ہے کہ کورٹ (دربار شاہی) اور کیمپ (لشکر آرائی) پر تاریخ کے مضامین مقصور نہیں ہونی چاہیے جو مورخ زمانۂ ماضی کا مطالعہ کرتے ہیں انپر یہ فرض ہے کہ وہ تحقیق کریں کہ جس زمانہ کی تاریخ وہ لکھ رہے ہیں اس میں عام خلقت کی حالت و معاشرت کیا تھی۔

یورپ کے محقق مورخ اس باب میں بڑی دقیقہ سنجی اور موشگافی کر کے تحریریں کرتے ہیں مگر جتنا جتنا فوائد انکا کم ہوتا ہے جو مورخین اسکے بتلانے میں اپنی اعلی درجہ کی ذہانت خرچ کر کے نتائج نکالتے ہیں وہ ایسے مخالف متضاد ہوتے ہیں کہ اصول علم کے موافق ان میں سے کسی کا تسلیم کرنا مشکل ہوتا ہے اسکا حال ہم نے اوپر فریڈ صاحب کی تاریخ کے مخالف رخوں سے دکھانے میں کیا ہے کہ نتیجے محض ہوتے ہیں اتنے ہی انکے قیاسات ہوتے ہیں جو آپس میں متحد نہیں ہوتے۔

مشرقی اور مغربی تاریخیں

مشرقی زبانوں میں جو تاریخیں ہمارے پاس موجود ہیں وہ ان زمانوں کی تصنیفات ہیں کہ جس میں مشرقی تاریخی مذاق زمانہ حال کے مغربی تاریخی مذاق سے جداگانہ تھا۔ زمانہ حال میں مغربی محقق جن باتوں کو تاریخ کی روح و رواں جانتے ہیں اُن ہی باتوں کو مشرقی مورخ ناپاک مردہ جانتا ہی اور اُسکے چھونے سے بھاگتا ہی۔ آجکل مورخ عام طرز معاشرت اور تمدن خلقت کے اندازہ کرنے کی جستجو میں لگا ہوکر ہیں اور اُس کے لکھنے پر فخر و ناز کرتے ہیں۔ مشرقی مورخ ادنیٰ معمولی باتیں سمجھکر اُنکی تحریر کو اپنی تصنیفات کی کسر شان جانتا ہی۔ پولیٹکل معاملات اپنے رخوں کو ہمیشہ بدل کر دکھایا کرتے ہیں اب اُنکا رُخ کچھ ہی اور پہلے کچھ اور تھا۔ ایشیائی اور فرنگستانی طرز حکومت میں زمین آسمان کا فرق ہی ایشیا کا بادشاہ مخدوم اور رعیت خادم تھی اور اب فرنگستان میں بادشاہ خادم اور رعیت مخدوم ہیں دونوں ایشیا اور فرنگستان اپنے مخدوموں کا ذکر کرتے ہیں ایک بادشاہ کے حالات کو تفصیل و بسط سے لکھتا ہی۔ دوسرا رعایا کے حالات کو۔ مسلمانوں نے جو تاریخیں اپنے مشرقی مذاق کے موافق لکھی ہیں انکو مغربی مذاق کے پیمانہ سے ناپ کر پایہ اعتبار سے ساقط کرنا ستم ہی یہ کہنا کہ ان تاریخوں پر فرنگستانی تاریخ کی جامع و مانع تعریف صادق نہیں آتی اسلیے انکو تاریخ کہنا ہی غلط ہی بڑی نادانی و تعصب کی بات ہی۔

بعض محقق مورخ یہ کہتے ہیں کہ تاریخ کی تعریف جامع و مانع الفاظ میں بتا دینی تو بہت آسان ہی لیکن اسکے موافق تاریخ کا لکھنا نہایت مشکل ہی یورپ میں ہزاروں تاریخ لکھی جاتی ہیں مگر انمیں شاید دو چار ہی ایسی ہونگی کہ جنپر تاریخ کی تعریف جامع و مانع جو بیان کیجاتی ہی صادق آتی ہو۔

مشرقی تاریخوں پر مغربی محقق زمانہ حال کے مبالغہ کا اعتراض کرتے ہیں لیکن یہ اعتراض وہ مشرقی زبان سے لاعلم ہونیکے سبب کرتے ہیں جو مشرقی زبان داں ہوگا وہ کسی واقعہ کے مبالغہ آمیز بیان سے سمجھ جائے گا کہ اصل سانحہ کیا ہی جیسے فوٹوگرافر کسی شخص کے دونوں چھوٹے بڑے فوٹو سے شخص کی صورت کی صحیح تشخیص کرلیتا ہی ایسا ہی مشرقی انشا پرداز خواہ بیان کیسا ہی مبالغہ آمیز ہو اُسسے اصل بیان کو سمجھ جاتا ہی کیونکہ وہ مبالغہ کی رموز سے واقف ہوتا ہی کہ وہ کتنا گھٹا بڑھا کر اصل حال کو بیان کرتا ہی اب اس کے برخلاف یورپ کی تاریخوں پر غلط بیانی کا اعتراض ہوتا ہی کہ وہ اصل حال کو ایسا مسخ کرکے کچھ کا کچھ بیان کرتے ہیں کہ اصل حال کا اُسسے پتہ ہی نہیں لگ سکتا۔ مبالغہ سے اتنی برائیاں نہیں پیدا ہوتیں جتنی غلط بیانی سے۔ انسان کو یہ شوق ہی کہ وہ پرانی برائیوں کو دیکھکے نئی برائیاں پیدا کرتا ہی اور ان

نئی برائیوں کو بھلائیاں جانتا ہی۔

مل صاحب مورخ ہند کا یہ قول بالکل صحیح ہی کہ شرقی زبانوں کے ساتھ مبالغہ جیسی خصوصیت رکھتا ہے ایسے ہی یورپ کی زبانوں سے غلط بیانی۔ زمانہ حال میں تاریخ کی چھان بین اسطرح کیجاتی ہی کہ مورخ جس زمانہ کی تاریخ لکھتا ہی وہ اُس زمانہ کی تاریخیں جمع کرکے انکا آپس میں مقابلہ کرتا ہی اور مورخوں کی قابلیتوں اور استعدادوں کو جانچتا ہی کہ ان میں اُن تاریخوں کی تحریر کی اہلیت تھی یا نہ تھی اور انکو تاریخی واقعات کے معلوم کرنے کے اسباب حاصل تھے یا نہ تھے۔ اُنھوں نے واقعات کو مذہب کے تعصب کے سبب سے یا کسی فریق کی طرفداری کی وجہ سے تو تاریخ میں انکو مندرج نہیں کیا۔ پھر ان سب باتوں کی جانچ پرتال کرنے کے بعد وہ اپنی غالب رائے قائم کرتے ہیں۔ پھر ان تاریخوں کے مطالعہ کے سوا اس زمانہ کے قوانین و آئین سرکاری دفتروں کے کاغذات و نوشتہ جات اہل دربار کے اخلاق و احکامات اور عدالت کے فیصلجات دیکھتے ہیں۔ غرض اس زمانہ کی کوئی تحریر جو خبر دیتی ہی اُسکا مطالعہ کرتے ہیں۔ مذہبی مباحثوں و مناظروں سے نتائج نکالتے ہیں۔ مقامات جنگ کو خود دیکھنے چلے جاتے ہیں اُنکے نقشے کھینچتے ہیں۔ کسی مینار یا دیوار یا محراب پر کوئی کتابہ دیکھتے ہیں یا زمین کے اندر سے کوئی پرانا پتھر نکل آتا ہی تو اُسکو پڑھتے ہیں اگر وہ کٹا کٹا یا ہوتا ہی تو اُسکو اور بھی غور سے مطالعہ کرتے ہیں۔ پھر خاص زمانہ کی تہذیب و تمدن طرز معاشرت اخلاقی حالات کی تفتیش کرکے اُسکا صحیح صحیح اندازہ اپنے نزدیک کرتے ہیں اس زمانہ کے شاعروں کی اور قصہ طرازوں کی تصانیف سے سیاحوں کے سیاحت ناموں سے واقعات کی خوب تحقیق کرتے ہیں جس قوم کے حالات ان وسائل سے نہیں دستیاب ہوتے اور امتداد زمانہ کے سبب سے اُنکے حالات بالکل تاریکی میں چھپ گئے ہیں تو اس قوم کی زبان خط و خال عادات اطوار مذہبی افسانوں کا مقابلہ اور قوموں سے کرکے اور کوئی مشابہت دریافت کرکے اُسکے حالات دریافت کرتے ہیں اور اسپر اپنے قیاسات دوڑاتے ہیں۔ موجودہ کہنہ و فرسودہ عمارات کو دیکھکر بنانیوالے کی تہذیب اور اُسکے انتظام سلطنت اُسکی عظمت پر قیاس کرتے ہیں۔ زمانہ گذشتہ کی تاریخوں میں جو عجائبات و غرائبات و فالیں و شگون و ٹوٹکے کثرت سے لکھے ہیں اُنکو نہیں مانتے اور ایسے یہ سمجھتے ہیں کہ اس زمانہ کے آدمیوں کی عقلوں اور خیالات کا حال ایسا ہی تھا جیسا کہ اطفال کا اور غیر مہذب و ناتعلیم یافتہ آدمیوں سریع الاعتقادوں کے میلانوں کا ہوتا ہی۔ وہ ان عجائبات کا یقین اسلیے نہیں کرتے کہ اُنکی مثالیں اس زمانہ میں وقوع میں نہیں آتیں۔ انسان ان باتوں کا جو اسپر عمل کرتے ہیں یقین نہیں کرتا جنکی نقلیں اپنے زمانہ میں نہیں دیکھتا۔

زمانہ حال کے مورخ یقین کرتے ہیں کہ جب تک فن تحریر ایجاد نہیں ہوا کسی صحیح علم کا پیدا ہونا ناممکن تھا۔ قدیمی مورخ راویوں و روایات و اعتقادات کے بیان کرنے میں حافظہ و قوت متخیلہ و خوش عقیدگی کو کام میں لاتے تھے۔

تاریخ اور مذہب

تاریخ کے بڑے حصہ میں مذہبی اختلافات اپنے پاؤں پھیلاتے ہیں۔ حامیان دین کے ساتھ لڑائی کے لیے بڑا ہتھیار تاریخ ہوتا ہے ایک عیسائی گروہ کے نزدیک ریفورمیشن (سولھویں صدی میں اصلاح مذہبی) علم و پارسائی و عصمت آبی سے وحشی پنے و توہمات باطلہ کو لاکر خارج کرتا تھا دوسرے عیسائی فرقے کے نزدیک ہی ریفورمیشن مربیانہ و مجانہ و فیاضانہ حکومت پر حملہ کرکے بدنظمی و غیرآئینی و ابتری و پریشانی پھیلاتی تھی۔ ایک ہی واقعیتیں متضاد جانبوں سے دیکھی جاتی ہیں۔

یورپ میں ریفورمیشن کے سبب پرانے معتقدات و قدیمی قوانین سیاسیہ کا تنزل ہوگیا وہ خیالی حقائق جنھوں نے تاریخ کو افسانہ بنایا تھا بالکل اصلاح کی سخت تحریکات سے مٹ مٹا گئے مگر ہوا کیا کہ ایک جھوٹ نے دوسرے جھوٹ سے جگہ چھین لی جو پہلے سے برا تھا اپنے ملک میں دیکھو ایک گروہ جو اصلاح تمدن و معاشرت کا دعویٰ کرتا ہے کہ ہم سب پرانی برائیوں کو دور کرتے ہیں دوسرا گروہ انکا مخالف کہتا ہے کہ تم پرانی بھلائیوں کو دور کرکے نئی برائیوں کو پیدا کرتے ہو۔

تاریخ کا سائنس بن سکنا

ایک خاص فرقہ عالم محققین کا ہے جو تاریخ کو سائنس بنانا چاہتے ہیں لیکن اہل سائنس جو درحقیقت سائنس جانتے ہیں انکے نزدیک جبتک تاریخی واقعیتیں تکمیل کی حد کو نہ پہنچیں اور انکا اصلی حال منکشف نہو تاریخ کسی طرح سائنس نہیں بن سکتی تاریخی واقعیتوں کی مختلف بیانی کو دیکھو پہلے زمانہ میں کیا اور اس زمانہ میں ایسی رائیں جنکا ہیں جنمیں تعصب و طرفداری نہو۔ واقعیتوں کے جو حصے لکھے جاتے ہیں وہ واقعیتیں نہیں ہوتیں غالباً یہ ہوتا ہے کہ مصنف واقعیتوں کے جانچنے اور دیکھنے سے پہلے نتائج نکالتا ہے اور پہلے سے جو اسکی رائیں قائم ہوتی ہیں انکو وہ صحیح یقین کرتا ہے اور انہی کو وہ سوچتا اور دیکھتا ہے جب واقعیتوں کی یہ صورت ہو جنکے صحیح ہونے پر سائنس کی بنیاد رکھی جاتی ہے تو تاریخ کیسے سائنس بن سکتی ہے۔

تاریخ اور اغلاط

شہادت انسانی و تاریکی کے چھانٹنے والے جیسا ان وطن و مذہب قوم و مدبران ملکی و سیاسیان ہی نہیں ہوئے بلکہ ان سب سے زیادہ حکما ہوئے ہیں جنکے بہت سے فریق اس زمانہ میں ہوئے ہیں جنکی تفصیل کا محل یہ نہیں ہے ہر فرقہ حکما تاریخی واقعیتوں کو اپنی ہی طرف کھینچتا ہے مسٹر بکل اسوقت جو عالم متبحر اور مدبر کامل ہے اسکا یہ یقین ہے کہ انسان کے سب سے اول مربیان (آدم و حوا) کو اچھے اخلاق اور اسرار بہ دعائی کا علم بذریعہ الہام الٰہی کے حاصل تھا۔ اب حکیمانہ اعتراض اسپر یہ ہوتا ہے کہ جب آدم و حوا کو علم کامل حاصل تھا

توانکی زبان بھی کامل ہوگی کیونکہ خیالات تو دونیں الفاظ ہی جاتے ہیں اب اس کے برخلاف قوموں کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہی کہ زبان کی ترقی و تکمیل بتدریج مثل اور علوم وفنون کے ہوتی ہی ابتدا سے ابتک توہمات باطلہ۔ شجاع پرستی۔ قوانین طبیعات کی جہالت۔ مذہبی وسیاسی تعصبات ایسے چلے آتے ہیں کہ واقعیتوں کی صورت بگاڑ بگاڑ کر ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ اگر سطح آب بالکل ہموار ہو تو اُس میں چیزوں کے عکسوں کو ہو بہو دیکھ سکتے ہیں لیکن جو سطح آب پر نسیم خواہ کیسی ہی ضعیف موجیں اُٹھا رہی ہو تو ہم اُسمیں ستاروں اور بدر کے عکس ہی کو دیکھ سکتے ہیں لیکن انسے ہمارے ذہن میں اُنکی اصلی تصویریں نہیں آسکتی ہیں

تاریخ سائنس کی شاخ ہے یا علم ادب کی

بعض محققین کہتے ہیں کہ سائنس سے تاریخ کو کسی قسم کا تعلق نہیں ہی نہ کسی سائنس کی ترقی کا اثر اسپر پڑ سکتا ہی واقعات عظیمہ کے بیانات سے انسان بالطبع محظوظ و مستفید ہوتا ہی اور تواریخ میں یہی مضمون ہوتا پس شاعری کی طرح تاریخ بھی انسان کی طبیعت کو خوش کرتی ہی اسلیے وہ بھی علم ادب کی شاخ ہی سائنس کی شاخ نہیں۔ مؤرخ کو ادیب کی طرح خوش بیان و فصیح و بلیغ ہونا ضرور ہی خوش بیان ہونے سے زیادہ راست گفتار ہونا ضرور ہی اگر مؤرخ سے راستبازی و صدق بیانی مستثنی کر دیجائے تو محض ادیب ہونیسے وہ محض افسانہ طراز یا شاعر رہ جائیگا جسکے سبب سے اُسکی تاریخ پایہ اعتبار سے ساقط ہو جائیگی جس میں قصہ طرازی و قافیہ سنجی ہیں اُسکا قافیہ تنگ اس سبب ہوگا کہ افسانہ سرا اور شاعر کیطرح مضامین کے ایجاد میں آزاد نہ ہوگا بلکہ واقعیتوں کے بیان کی قید میں جکڑا ہوا۔ تاریخ میں جبتک سائنس کی چاشنی نہو اُس میں لطف نہیں ہوتا اسی لیے پہلے زمانہ کی تاریخوں کے مطالعہ میں ایسا مزہ نہیں آتا جیسا کہ زمانہ حال کی تاریخوں میں۔

علم تاریخ کے فوائد وغیرہ

علم تاریخ خواہ علم ادب کی شاخ ہو یا سائنس کی بہرحال اس سے فائدے حاصل ہوتے ہیں کہ بیکن کا قول ہے کہ تاریخیں آدمیوں کو عاقل بناتی ہیں انکے دل اپنے ملک کی محبت سے جتنے مؤثر ہوتے ہیں اتنی ہی اُنکی دلی تمنا ہمیشہ یہ ہوتی ہی کہ وہ معتبر اور مستند حالات ان باتوں کے زیادہ جانیں کہ اُنکے ملک کی اصل حقیقت کیا اُنکی تہذیب کی ترقی کیونکر ہوئی ہی وہ موجودہ حالتیں کیا ہیں جو ہمکو قوموں کی ہنر ان میں ترقی کے سبب ہماری اور تنزل کے سبب انکا کر رہی ہیں۔ وہ مؤرخ انسان کا بڑا محسن ہی جو یہ کام کرتا ہی کہ ان باتوں کا صحیح صحیح سراغ لگاتا ہی کہ کسطرح کسی ملک نے بتدریج ابتدائی وحشت و تاریکی و بت پرستی سے نکلکر علوم وفنون و مذہب کی نفاست و لطافت پر ترقی کی ہو یہ کام ایسا مشکل ہی کہ شاید کسی نے اختیار کیا ہو اور اس کوشش میں چند ہی آدمی کامیاب ہوئے ہوں۔ سکیلاس صاحب کہتے ہیں کہ انسان کی مختصر زندگی کی تاریخ اصلاح کرتی ہی۔

گرے صاحب کہتے ہیں کہ تاریخ کے بڑے صفحے زمانہ کی غنیمت سے دولتمند ہوتے ہیں۔

فلر صاحب کہتے ہیں کہ علم تاریخ جوان کو بغیر محنت و مشقت کے تجربہ آموزی کرکے ایسا پیر بناتا ہے کہ جس کی چہرے پر نہ جھریاں پڑتی ہیں نہ بال سفید ہوتے ہیں۔

پیلی صاحب کہتے ہیں کہ علم تاریخ کیا ہے؟ ایک رجسٹر لوگوں کی کامیابیوں اور مایوسیوں کا ہے جو اپنے اقتدار اور اختیار حاصل کرنے کے لیے جنگ و پیکار کرتے ہیں۔

ہم کو یہ قول سر ہنری لارنس کا یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر انگریز فرشتہ بھی بنکر تاریخ ہند و مسلمانوں کے عہد سلطنت ہند کی لکھیگا تو اُس کی عیب نمائی بغیر نہیں رہیگا۔

سر ہنری ایلیٹ صاحب جن کا نام نامی و اسم گرامی ہندوستان میں مشہور و معروف ہے انھوں نے ان تاریخوں کے جمع کرنے میں بڑا اہتمام کیا جن میں ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ کا بیان تھا پھر ان تاریخوں میں سے بعض تاریخوں کا اول سے آخر تک اور اکثر میں سے بعض حصوں کا خود ترجمہ کیا یا اپنے دوستوں اور منشیوں سے انگریزی زبان میں ترجمہ کرایا اور بہت تحقیق و تدقیق سے ان پر نوٹ اور ضمیمے خود لکھے گو ان کی زندگی میں یہ مسودات مرتب ہو کر مطبوع نہیں ہوئے مگر بعد ان کی وفات کے پروفیسر جان ڈوسن صاحب نے ان مسودات کو مرتب کرکے ایک تاریخ آٹھ جلدوں میں جس کے پانچہزار صفحے ہیں تالیف کرکے شایع کی اس کا نام انگریزی زبان میں جو ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ہندوستان کی تاریخ مسلمانوں کے عہد سلطنت کی جو ہندوستان کے خود مورخوں نے بیان کی ہے جس کو سر اینچ ایم ایلیٹ کے سی بی کے مسودات سے پروفیسر جان ڈوسن ایم آر ایس مرتب کی۔ صاحب موصوف دیباچہ میں اپنی رائے مسلمانوں کی تاریخوں اور مورخوں کے باب میں یہ تحریر فرماتے ہیں جو اُن کی قومی رائے کا آئینہ ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نے ان تاریخوں کو ان کی ذاتی خوبی کے سبب سے ان کی فہرست مرتب نہیں کی میرے نزدیک توفی الحقیقت ان تاریخوں کا نام تاریخ رکھنا ہی غلط ہے ان میں خالی سرگزشتوں کے بیان کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ ان میں خشک نامہ نگاری ہے مگر واقعات کے بیان میں سنہ تاریخ کی قید کا ضرور خیال رکھا گیا ہے۔ ان میں فلسفیانہ طریق پر واقعات کے باہمی تعلقات کی سلسلہ بندی نہیں۔ اسباب و نتایج پر غور نہیں کی گئی۔ ایسے ایسے خیالات اور مشورے نہیں بیان ہوئے جو ذلیل و حقیر طفلانہ نہوں۔ علی العموم ایشیائی سلطنتوں میں سازشیں و سرکشیاں و فتنہ پردازی و قتل و برادرکشی مسلسل چلی جاتی ہیں۔ ہندوستان بھی ان آفتوں میں مبتلا تھا مستثنیٰ نہ تھا ان کی نسبت کوئی ایسی رائے ان میں نہیں بیان ہوئی کہ وہ کچھ فہم کے لیے ان بلاؤں کو رفع کی۔

ان انگلستانی مورخوں نے ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ کی کس نگاہ سے تاریخ لکھی ہیں۔

یہ بری صورتین کچھہ دیر کیلیے قدیم شاہان مغلیہ کے حالات مین نظر سے چھپ جاتی ہین تو انکی جگہہ دلچسپ شکلین پیدا ہوتی ہین شاہان سلف کے بادشاہانہ شان و شوکت و سطوت و ہیبت دربار کے آئین و آداب و امرا و ارکین سلطنت کو خطابونکا عطا ہونا خلعت مین جواہر و تلوارین طبل و نشان۔ ہاتھی گھوڑون کا ملنا۔

اگر والٹیئر کی اس مصنوعی تعریف مان لی جاوے کہ تاریخ وہ فلسفہ ہے جو مثالون سے تعلیم کرتا ہے تو کوئی ہندوستانی مورخ مورخ نہین ہے چند ہی ایسے مورخ ہونگے جو اعلے پایہ پر پہونچے ہون اچھی مثالون اور بری مثالونکا بڑا ذخیرہ جمع ہے مگر انہین بھی اصلی راستی کو وقائع نگار کے مذہب اپنی پہلی رائے کے اعتقاد و منصب و خاندان کے اثر نے تاریکی مین پہنچا دیا ہے انہین اس حکمت یا فلسفہ کا نشان تک نہین جس سے ایسے نتیجے مرتب ہون جو ہمکو زمانہ قدیم کے تجربون اور سبقون سے فائدے پہونچائین اور ملکی معاملات کی پیدا ہونیسے اور انکے نتائج سے آیندہ کیلیے ہمکو عمدہ صلاح بتلائین۔ ایسی حکمت کی تلاش انمین عبث ہے۔ ہندوستانی وقائع نگارونکی تحریر مین خانگی تاریخ کا پتہ تک نہین یہی حال ابن خلدون کے سوا تمام مسلمان مورخون کا ہے۔ ان مورخون نے سوسائٹی پر یعنی رسوم روزمرہ پر انکے تسلیم شدہ اعتبارات پر سوسائٹی کے ضروری اجزا اور باہمی تعلقات پر۔ انکے مقررہ فرقون پر انکے عام قانون و اصولون پر۔ انکے خانگی امور پر۔ انکے میل جول کی عادتون پر کبھی غور نہین کیا۔ تجارت۔ زراعت اندرونی پولیس اور مقامی عدالتونکے بیان مین بھی کوتاہی کی ہے اور امرا و وزرا و سلاطین و شاہانہ اختیارون کے بیان مین یہی گوارا نہ ہوا کہ کوئی امر واقعی لطیفہ۔ تقریر۔ رائے ایسی مندرج کرتے کہ جس سے عوام الناس اور ادنے درجہ کے آدمیون کے حالات معلوم ہوتے۔

ان وجوہ سے ان تصانیف کی نسبت کہا جا سکتا ہے کہ تاریخ کیلیے جو ضروری باتین انہین تھین وہ ناقص ہین۔ ڈاکٹر آرنولڈ کا قول یہ ہے کہ تاریخ کا مقصد اعظم وہ شے ہے جو مہذب انسان کی اندرونی زندگی کو بہت قریب سے مس کرے۔ اندرونی زندگی سے مطلب سوشل و پولیٹکل اور مذہبی اصول و قوانین کی تبدیلیان ہین۔ تاریخی تحقیقات کا مقصود یہی ہے۔ ہندوستانی تاریخون مین بہت ہی کم وہ شے پائی جاتی ہے جو ہمکو سطح سے گذر کر تہ تک پہونچاسکے اور ایک خود مختار سلطنت کے عمل کو اس کے سخت اور خونی قوانین کو اور ان نتیجونکو دیکھنے دے جو قوم کے جسم عظیم پر ان مضر آثار اور ذریعے سے پیدا ہوتے ہین۔

اب بھی اگر ہم ہندوستان کے مسلمانونکی ریاستونکی طرف توجہ کرین اور انکے فرمانرواؤن کی روش اور طریق کا امتحان کرین اور انکی رعایا کے حالات دریافت کرین جو انکے زیر حکومت ہے۔ تقریباً مشابہ تعلقات

وحالات مین گزشتہ وحال کے زمانون مین ایک مساوات دیکھ سکتے ہین ہم دیکھتے ہین کہ بادشاہ اور وہ
بادشاہ کہ جنکو ہمنے بادشاہ بنایا ہی کاہلی اور بدکاری مین ایسے ڈوبے ہوئی ہین کہ بڑے بڑے ظالمونکی بدکاریونکی انکو
خبر ہوتی ہین بس ایسے حاکمونکے عہد مین اگر شیشہ عدالت اٹ جائے تو کیا عجب ہے یہ حال تھا کہ جبر و تعدی بغیر
مالگذاری وصول نہین ہوتا۔ دیہات جلائے جاتے ہین۔ دہقانونکے ہاتھ کاٹے جاتے ہین یا وہ فروخت کئے
جاتے ہین عمال رعایا کے حق مین قزاق اور لٹیرے سمجھے جاتے ہین۔ نہ انکو امن مین رکھتے ہین نہ انکی حفاظت کرتے
ہین دیانتدار رشوت خور سے اور خواجہ سرا ریاست کے مال اڑا اڑا کر مزے اڑاتے ہین اور غریبونکو ظالمونکے ہاتھ سے بچنے
کا کوئی چارہ نہین مفرور انکی تذلیل و تحقیر مین کوئی بات اٹھا نہین رکھتے۔ وہ بیچارے کوئی اسکا چارہ نہین جانتے
جب ہم اپنی آنکھونسے یہ صورتین ان ملکون مین دیکھتے ہون جہان برٹش گورنمنٹ کی حکومت کا ہاتھ اونچا ہو اور وہ اسکے خوف
سے فائدہ اٹھا سکتے ہون اسکی مداخلت کا خوف ایسا لگا ہوا ہو جو انکی بدعہدی ترقی کو روک سکتا ہو تو ایسے زمانہ مین
اس قسم کی کوئی روک نہو تو ان ہندوستانی والیان ملک اور بھی اپنی رعایا کی بہبودی و عافیت کی طرف کیا کچھ
کم توجہ کی ہوگی۔ اگر ان مصنفین سلف کی تصانیف ہی مشہور ہوتین ہم سمجھتے ہین کہ بادشاہونکا حال صحیح صحیح لکھا ہو
اور انکے ساتھ ہمدردی کرکے خوشامد نکی ہوتی تو بالفعل ہمکو ایسے گواہونکی شہادت رہنی چاہیئے جو ہندوستانی نہ ہون انکی تاریخ
گواہی دینے سے ناخوش ہوتے ہین باوجود ان باتونکے یہی دریافت ہوتا ہی کہ عوام الناس ذلت و خوار ہین بہت ظالم
مفلس سے ہوگئے۔ اس خلاصہ مین جو مختصر عبارتین نقل ہوئی ہین انمین چند ایسی جھلکین بھی نظر آتی ہین کہ مسلمانونسے
جھگڑا کرتے ہین ہندو قتل کئے جاتے تھے انکو بازارون مین یا انکے جلوس نکالنے کی پوجا پاٹ اشنان کرنے کی ممانعت
عام تھی اور مذہبی تعصبات یہ تھی بتون کا توڑنا مندرونکا مسمار کرنا۔ اور جبراً بیاہ کرنا قتل کئے لیئے انعام مقرر کرنا مال
وجائداد کا قرق کرنا قتل ہونا قتل عام ہونا۔ تہوارونکا دائم المخمر و عیاش ہونا جوان حکمونکو جاری کرنے غرض سبب
یہ ہرگز نہین کہ جیسے ہماری اپنی تقدیر مین کچھ افزائش ناجائز نہین ہوتی یہ نہایت افسوس کی بات ہو کہ معمولی
روز مرہ کے واقعات کی طرز ان مصنفونکی تحریر مین موجود ہین نہ ظلم و بدی سے نفرت نہ نیکی سے رغبت تھی انکی ان
حالتون یا انکا ذکر کرنا ہی تا ہی۔ اور قومون نے بھی ظلم برپا کئے ہین۔ مگر انکے ظلمون کی نسبت کوئی ایسا کوئی
ایسا شخص ہوا ہی جسنے غصہ و نفرت سے ان ظلمونکو بیان کیا ہو جو ان کتابون میری انڈکس فہرستون مین بادی تعریف
کو عہد یا فاتح کہین یا بیش بہا لکھا ہی تو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ پرستاری کچھ فقط بیان واقعات کی نسبت کا
لکھے ہین وہ عیب جو اوپر بیان ہوئی ہین وہ خفا اس بات کی امید دلاتی ہین کہ ان تعریف کو الفاظ کا زور لیتے

گھٹ جاتا ہی اسوقت یہ عیوب اور بہی قابل افسوس ہوتے ہین جب تاریخ کا مصنف کوئی ہندو ہوتا ہی ہندو سے یہ توقع ہوسکتی تہی کہ ہم ولی تاریخ وراحت کی امیدون و آرزوؤن و اعتقادون خوفون خواہشون کو دریافت کر لیتے جو ایک محکوم قوم کو اس زمانہ مین ہوتین لیکن شامت سے وہ دوسرے شاہد و حکم کی مطابق لکھتا ہی اور حملہ کو محنت کیتہ غلامانہ اسطرح تحریر کرتا ہی کہ جس سے ایک ظالم مسلمان مورخ سے کی خوشامد کیجاتی ہندو واقعہ نگار کی طرز تحریر مین ہمکو ایسی بناوٹ ہوتی ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ غیرونکا لباس اسپر ٹہیک نہین آیا۔ کوئی بات ایسی نہین لکھتا جس سے اسکا مذہب یا قوم دریافت ہوسکے ہندو اسکے نزدیک کافر ہوتا ہی اور مسلمان دین حق کا پیرو۔ پیرون اور ولیونکی نسبت اسطرح کی خوشامد لکھتا ہی کہ جس سے وہ پکا مسلمان معلوم ہو۔ ہندو کو مرنے پر وہ فی النار و السقر لکھتا ہی اور مسلمان کی وفات پر اسکو جام شہادت پلاتا ہی۔ اپنے فاتحین کی زبان سے رنگین فقرے کے فقرے اور عبارتین کی عبارتین اسکو ازبر ہوتی ہین وہ لکھتا ہی کہ اسلام کی روشنی دنیا پر اپنا نور پہیلا رہی ہی۔ محرم الحرام کو پاک اور قرآن کو صحیفہ نورانی لکھتا ہی۔ اپنی تصنیف کی ابتدا بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرتا ہی۔ اسکے بعد حمد الہی اور نعت رسول و منقبت آل رسول تحریر کرتا ہی۔ اور پہر مسلمانون کی عقاید نسخہ کو لکھتا ہی ایک ہندو مصنف جسکا اس کتاب مین بیان ہی لکہتا ہی کہ وہ اپنی ضعیفی مین جنازہ کے سرہانے اور قبر کے کنارہ پر کہڑا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا ہوگا کہ بہت دن نہ گذرنے پاوینگے کہ جنازہ کی جگہ ارتہی اور لب گور کی جگہ لب گنگ ہوگا جہان جلا کر اسکی خاکستر کو دریا مین پہینک دینگے۔ اسکے بعد کو زمانہ مین بہی جب خوشامد کی ضرورت نرہی تہی ان غلامانہ عقول مین سے ایک بہی ایسا نہین ملتا جو اپنے ملک کی تاریخ کو دل لگا کر لکھتا اور اپنے ان خیالات و جذبات اور مسرتون کو ہمارے سامنے پیش کرتا جو ایک مدت کی مظلوم قوم اپنے پہلے آقاؤنکے ظلم سے نجات پاکر ظاہر کرسکتی ہی ان غلامون مین ایک بہی ایسا نہین جو دل کی قدرتی زبان سے بغیر خوشامد اور چاپلوسی کے ان باتونکو اظہار کرتا۔

مگر ان تصانیف کی اصلی قیمت بہت کم ہوتی اگر ان سے وہ باتین دریافت ہوتی ہین جو ایسے شخص کے لیے قابل غور ہین جو جسکی ہاتہ سے انکا امتحان کرتا ہی۔ ان سے جہالت کی تاریکیان دور ہوجاتی ہین جو ہندوستان کے علم پر چہائی ہوئی ہین اور ثابت ہوگا کہ مسلمانون کے عہد کی تاریخ کی احتیاج کہ وہ لکہی جائے ہنوز باقی ہے ان تاریخون سے ہماری ہندوستانی رعایا پر وہ فوائد زیادہ منکشف ہونگے جو ہماری سلطنت کی عدالت اور ترقی نے پیدا کیے ہین اگر ان سے انہون نے ہدایت پائی تو ان بیباک باتون سے ہمکو نجات ملیگی جو ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ کی نسبت وہ لوگ اکثر کہتے ہین جو ایک طرح پر جاہل نہین ہین وہ ہمسے

لوگ جو اسوقت اپنی کارنامون کی شان و شوکت مین شہرۂ آفاق ہین جنکو بعض مسلسل فتوحات مین ناموری حاصل ہی جب ان کے حالات پر سے خوشامد کا پردہ اٹھا دیا جائیگا اور بلاغت کا لباس اتار کر انکو برہنہ کر دیا جائیگا تو وہ بھی صورتین ظاہر ہونگے اور ادھیڑ نے کر کے کھلائی جائینگے تو غالباً دنیا انپر لعنت بھیجیگی پھر ان یادہ گوئیون کے منہ سے جو ہماری گورنمنٹ مین بڑے سے بڑے رتبہ کی آزادی ورائے سے بہت زیادہ اپنے خیال اختیار رکھتے ہین جو کبھی پہلے کسی محکوم قوم کو دئے گئی ہون قومی ہمدردی اور موجودہ زمانہ کی خرابحالت کی نسبت لغو بیانیان ختم ہی جائینگی۔ اگر یہ بیان ان تاریخون سے ایک جلد ہی دیکھ لینگے جو یہان بیان ہوئی ہین تو ان قومی ہمدردون اور حامیون اور مربیون کو معلوم ہو جائیگا کہ اس تاریک زمانہ مین جسکیلئے وہ آہین بھر رہے ہین اگر انکے خیالات کا ایک لفظ بھی زبان سے نکلتا تو بجائے سکوت اور تحقیر کے جلتے سیسہ اور سولی کی سزا سے انکو تنبیہ کیا جاتا۔ فقط جوڈال یوسف ولیم صاحب جنہون نے ہندوستان کی تاریخون کے لکھنے مین بڑی تحقیق و تدقیق کی وہ اپنی سوچی رائین مسلمانون کی تاریخون کی نسبت لکھتے ہین۔

مسلمانون کے عہد مین مورخون نے جو واقعی تاریخین لکھی ہین انمین زیادہ تر راستی اور درستی اور سچائی پائی جاتی ہی بعض وقت وہ ان بدکار بادشاہون کی بھی تعریف کرتے ہین جو پکے مسلمان نہی سوا اس کے یہ مورخ معتمد و متدین بھی تھی علماء انکو اپنی حد سے پرے نکلنے نہین دیتے تھے۔ دار السلطنت مین علماء و فضلاء مفتیون فقیہون و قاضیونکا ایک مجمع رہتا تھا۔ شریعت اسلام پر سلطنت کو چلانا انکا کام تھا۔ ایشیا کی شخصی سلطنت مین یہی گروہ تھا جو اپنی آزادانہ آواز نکال سکتا تھا۔ اگر مسلمانون کے عہد سلطنت کی مورخ راستی کے بجائے چاپلوسی اور خوشامد کرتے تھی تو یہ گروہ انکی تحقیر و تذلیل کے درپے ہو جاتا تھا جس سے وہ پایہ اعتبار سے ساقط ہو جاتے تھی۔ پھر ہندوستان مین پبلک اوپنین یعنی عام رائے معدوم ہو گئی۔ خوشامد و دروغ کا نام تاریخ ہو گیا جسسے بڑھکر ابو الفضل اور خافی خان جیسے خوشامدی مورخ پیدا ہو گئے۔

دنیا مین ہر چیز کو دو نگاہون سے دیکھنے والے دیکھتے ہین ایک کریٹکل آئی یعنے نکتہ چینی اور بدنمائی و عیب بینی کی نگاہ سے۔ دوسری فیورایبل آئی سے یعنے مشفقانہ نگاہ سے انسان کو اپنا نفس ایسا عزیز ہے کہ جو باتین اس کا اپنی نفس سے متعلق ہوتی ہین انکو مشفقانہ نگاہ سے دیکھتا ہی اور غیر وں کی باتونکو بدبینی کی نگاہ سے ایک ہی چیز دو نگاہون کے دیکھنے سے بد و نیک نظر آتی ہین۔ کریٹکل آئی سے دیکھنا نہایت فائدہ مند اور نیک کام ہی ایک بڑے بزرگ مسلمان کا قول ہی کہ علم مین اول قدم شبہ ہی یعنی کریٹیسزم مگر سطح دیکھنے کی شرائط

ایسی سخت ہین کہ وہ شاذ و نادر ہی کسی مین پائی جاتی ہین جیسا انسان کا نفس تعدیل کی حالت مین ہوتا ہے
تو وہ خبر کو تحقیق کرکے سچ کو جہوٹ سے جدا کر سکتا ہے۔ مگر خود رائی تعصب یا ہی۔ رقابت۔ خود پسندی۔ خود نمائی
کے اثر نفس مین تعدیل نہین پیدا ہونے دیتے۔ یورپ مین مورخونکا دائرہ فراخ ہے جس تحقیق و تدقیق سے وہ
تاریخونکو لکہتے ہین اسکو مین آگے بیان کرونگا۔ انہون نے اس علم کو معراج پر پہونچا دیا۔ تاریخ مین وہ دقایق
علمیہ داخل کئے ہین جنکا دنیا مین پہلے سان گمان ہی نہتا۔ ان مورخون مین متعصب۔ نیک نہاد۔ پاک دل
ظاہر شناس۔ دقیق النظر۔ درست عزیمت و نیک نیت ہوتے ہین اور انکے درجے متفاوت اعلیٰ متوسط ادنیٰ ہوتے
ہین۔ مگر بعض اسباب ایسے جمع ہوگئے کہ یہ سارے طائفے ہندوستان مین مسلمانونکی عملداری کے باب مین
یہ ایک ہی سمان باندہتے ہین جسمین ایک ہی راگ بے سرا گاتے ہین کہ ہمین خیر اتفاقی اور شر مدامی و معمولی
و استمراری تہا اور اسکو وہ اپنی بڑی راست بیانی جانتے ہین جیسا کہ ہمنے اوپر بیان کیا انگریزی مسلمانون کی
تاریخون اور مورخون کو بموقعت گنتے ہین۔ وہ سلطنت مغلیہ کی تاریخ کا استفادہ استشہاد ان نوشتون سے
کرتے ہین جو فرنگستان کی مختلف قومون کے سیاحون نے یہان آنکر یہانکے حالات مین لکہے ہین انکی بیانات
مین ایسی مطابقت و موافقت وہ دیکہتے ہین کہ انمین جہوٹ کا احتمال کسیطرح نہین کرتے ان سیاحون کی
تفصیل یہ ہے کہ (۱) ولیم ہاکنس ہے جو ایک انگریزی بحری کپتان تہا وہ آگرہ دو تین برس سنہ ۱۶۰۹ سے سنہ ۱۶۱۱ء
تک رہا وہ جہانگیر کے عہد مین آیا تہا۔ اگرچہ وہ کوئی بڑا لیاقت مند انگریز نہین تہا مگر اس نے لوونٹ مین
ترکی زبان سیکہی تہی اس سے وہ جہانگیر سے جو اپنی چغتائی زبان بول سکتا تہا ہم کلام ہوتا تہا اسلئے وہ بادشاہ
کو عزیز تہا (۲) سر طامس رو ایک عالی خاندان انگریز تہا۔ اس زمانہ کی انگلستان کے مدبرون مین شمار ہوتا
تہا جیمس اول نے اسکو نائٹ کا خطاب دیا اور اپنا ایلچی بنا کر جہانگیر کے پاس بہیجا وہ سنہ ۱۶۱۶ء سے سنہ ۱۶۱۸ء تک
یہان ہندوستان مین رہا اسکا سفرنامہ لکہا ہوا ہے جس سے بہت سے حالات انگریزی تاریخون مین بڑے اعتبار سے
نقل کئے جاتے ہین (۳) سر طامس ہربرٹ ایک اشراف انگریز تہا جس نے سنہ ۱۶۲۶ء سے سنہ ۱۶۲۸ء کے قریب
ہندوستان مین سیاحت کی (۴) جان البرٹ دی مین دلسیلو ایک نوجوان اشراف تہا جسنے ڈیوک ہولسٹن کے دربار
مین تربیت پائی تہی آتے ہندوستان مین سنہ ۱۶۳۸ء سے سنہ ۱۶۳۹ء تک سیاحت کی (۵) فرین سس برنیر ایک فرانسیسی طبیب
تہا جو ہندوستان مین سنہ ۱۶۵۶ء سے سنہ ۱۶۶۸ء تک سکونت پذیر ہوا۔ وہ دہلی مین بادشاہ کے دربار مین رہتا تہا۔ اور
ہندوستان مین کشمیر سے گل گنڈہ تک سیر کی اسکا سفرنامہ انگریزی اور اردو دونون مین چہپا ہے۔

(۶) جان بپٹسٹ ٹاورنیر اورنگزیب اور شاہجہان کے ایام سلطنت میں دو تین دفعہ ہندوستان میں آیا تھا
وہ ایک ہوشیار جوہری تھا (۷) مونسیر وی تھی وی نوٹ اُسنے اورنگزیب کی ابتدا سلطنت میں ہندوستان
میں سفر کیا وہ ایک فرانسیسی شراف تھا (۸) منوچی یہ ایک وینیشیا کا طبیب تھا سنہ ۱۶۴۹ء کے قریب ہندوستان میں آیا اور
یہاں ۴۸ برس کے قریب وہ رہا جب یورپ میں اس نے مراجعت کی تو وہ اپنے ساتھ ایک کتاب پرتگیزی زبان میں اپنی
تصنیف سے لایا جسمیں ہندوستان کے حالات کچھہ اپنے مشاہدات سے کچھہ فارسی کتابوں سے اخذ کرکے لکھے تھے اور اُس کتاب
کو اسنے ہندوستان کے سلاطین و امرا کی تصاویر سے آراستہ کی تھی جو بادشاہی مصوروں کو بہت اُجرت دیکر رنگین کرایا تھا یہ کتاب
معلوم نہیں کہ کسطرح سے فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے کسی ملازم کے ہاتھہ آئی اُس نے فادر کیٹ رو ایک جی سوٹ پریسٹ
کو دکھائی اُس نے اپنے کیتھولک مذہب کی سعی و کوشش میں کامیابی دیکھکر اپنے مطلب کا سمجھکر اسکو فرانسیسی زبان میں
ترجمہ کیا اور اسمیں اپنی طرف سے دخل و معقولات دیا اور اسکا ترجمہ انگریزی میں سنہ ۱۷۰۶ء میں ہوا اور لندن میں چھپا ہندوستان
کی سلطنت کے بیان کی کوئی اور تاریخ اس سے زیادہ معتمد اور مستند نہیں سمجھی جاتی - غرض اہل یورپ کا خیال یہہ ہے کہ ہندوستان
کی سلطنت مغلیہ کی تاریخ کی تصویر انہیں فرنگیوں کی تحریر میں صحیح صحیح کھنچی ہوئی ہے اور باقی خیر - سفرنامہ بھی اگرچہ
تاریخی سلسلہ کا ایک دلچسپ حصہ ہوتا ہے لیکن جتنا دلچسپ ہے اتنا ہی غلطیوں کے احتمالات سے گھرا ہوا ہے - اس
تہذیب و شائستگی کے زمانہ میں جو ہندوستان میں یورپ کے خاصکر انگلستان کے سیاح آتے ہیں ریلوں میں سفر کرکے
اور اپنے دوست انگریزوں کے گھر اُترکر اور ہندوستانیوں سے بلکہ یہانکے حالات سے سو کوس دور رہکر انگلستان
لیجاتے ہیں اور وہاں جاکر انکو جو اخباروں اور رسالوں میں چھپواتے ہیں تو اکثر باتیں یہانکی انگلو انڈین کے خلاف
رائے شائع کرتے ہیں تو پھر انگریزی اخبارات اعتراضات کی بوچھاڑ مارتے ہیں اور انکی غلطیاں بتلاتے ہیں اور
انکو کم علم کہتے ہیں سفرنامہ لکھنے والونکو بڑی غلطی جزئیات سے کلیات قائم کرلینے میں پڑتی ہے سفر میں انسان کو
جن اشخاص سے سابقہ پڑتا ہے وہ اُن کے اخلاق - عادات خیالات سے تمام قوم کی نسبت عام رائے قائم کرلیتا ہے
حالانکہ ممکن ہے کہ وہ امور اُنہی چند اشخاص کیساتھہ مخصوص ہوں مثلاً ایک ممبر پارلیمنٹ کا انگلینڈ سے ہندوستان میں
آیا اور کسی کانگریس کے کسی لائق ممبر سے ملاقات ہوئی تو وہ برٹش گورنمنٹ کے عیوب کو اُس کے ذہن نشین کریگا
پس یہ اس ایک ممبر کی رائے سنکر یہ قاعدہ کلیہ بنا لیگا کہ سارے ہندوستانی برٹش گورنمنٹ کی نسبت ایسا ہی خیال رکھتے
ہیں انسان بالطبع عام نتیجہ نکالنے کا شوق رکھتا ہے مگر یہہ بھی انکو گمان ہے کہ بہت سی جزئیات کو دیکھکر استقرا سے قاعدہ کلیہ
بنائے غرض نہ وہ واقعہ کے اسباب کی جستجو کرتا ہے نہ اسمیں اپنا وقت صرف کرتا ہے نہ اسکو اس قدر فرصت ملتی ہے

ایک اور بڑا سبب غلطی کا یہ بھی ہوتا ہے کہ جب مسافر کسی ملک کا سفر کرتا ہے اُس کی نسبت پہلے سے خیالات مخالف یا موافق اس کے ذہن میں جمع ہوتے ہوتے ہیں پس جو باتیں اُسکے خیالات کے موافق ہوتی ہیں انکو جلد قبول کر لیتا ہے اسکو اجمالی کیفیت ایسی ذہن میں حاصل ہوتی ہے کہ وہ استنباط و نتائج کیلئے کافی ہو۔ وہ بے صبری سے نتائج کو قایم کرتا ہے اور ہر واقعہ کیلئے قیاسات قایم کرتا ہے اور اُس کے دل میں جو بری سنی ہوئی یعنی دل میں پہلے سے جو حسن ظن یا سوء ظن موجود ہوتا ہے اور وہ اپنا اثر اُسکے دل میں چپکے چپکے کرتا ہے کہ اُسکو خبر نہیں ہوتی دل میں جو پہلے سے حسن ظن یا سوء ظن ہوتا ہے اُسکے لئے کئی سبب ہوتے ہیں۔ اول تعصب مذہبی ہے خواہ آدمی کیسا ہی وسیع المشرب و فیاض دل ہو لیکن بچپن سے جس قسم کے خیالات میں پرورش پائی ہے اور جو خیالات ابتدا ہی سے اسکو گھیرے ہوئے ہیں اور جو اسکی تعلیم نے جو چیزیں اسکے اُسکے ذہن میں جمع کیا ہے۔ کانوں میں ہر طرف سے جو آوازیں آئی ہیں اور بہت سی اور چیزیں ہیں سب کا مقابلہ بے تعصبی انسان نہیں کر سکتی گو اسوقت یورپ میں تعصب مذہبی ضعیف ہو گیا ہے اور یہ طریقہ برا سمجھا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف خیالات مذہبی رنگ کے تعصب میں صاف صاف کہے جائیں مگر ایک دانشمندانہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اسلامی حکومتوں اسلامی قوموں، اسلامی معاشرت کے عیوب تاریخی پیرایہ میں ظاہر کئے جاتے ہیں اور علم ادب کی تصنیفات میں انکو ایسا جذب کر دیا ہے کہ تخیل کیسا ہی ہو ان کو جدا نہیں کر سکتی۔ اگرچہ یہ طریقہ کل اسلامی سلطنتوں کی نسبت برتا جاتا ہے مگر خاصکر زیادہ تر مسلمانوں کی ہندوستان کی سلطنت کی نسبت اس میں بہت سے اغراض بھی شامل ہوتے ہیں مسلمانوں کے عیب کا ہونا انکو بھی ایسے پیرایہ سے بیان کرتے ہیں جو وہ خود غرضی سے مجبول ہوتے ہیں اہل یورپ جیسا کہ اور علوم میں کمال پہونچایا ہے اسبات میں بھی کمال حاصل کیا ہے کہ وہ اور قوموں کی تاریخ کو اپنی سوا ایسی طرح تصویر کھینچتے ہیں قلم کا زور دکھاتے ہیں جس میں کوئی حسن نظر نہ آئے۔ ہندی سلطنت کی خوبیوں کے بتلانے کیلئے یہ ایک لازمی امر ہو گیا ہے کہ مسلمانوں کی سلطنت کے عیب بتائے جائیں۔ اس اپنے بیان کی توضیح کیلئے میں چند صفحے سر جان الیٹ کی دیباچے کے ترجمہ کرتا ہوں اگر ہمارے زمانہ کا کوئی پڑھا لکھا یہ خواہش رکھتا ہے کہ شاہان مغلیہ کی عالیشان عمارتوں کا حال بیان کرے تو وہ اپنے کام میں قاصر خاطر ہو جائیگا جب وہ دیکھیگا کہ سوائے محلات و مساجد و مقبروں کے کوئی چیز ایسی نہیں جس کی تحسین سزاوار ہو۔ اسکو معلوم ہوگا کہ اگر شہنشاہان دہلی کی فہرست میں سے تین نام نکال دئے جائیں تو ایک بادشاہ بھی ایسا نہ ہوگا جس نے اپنی رعایا کی خوشی و آرام کی فکر کبھی کی ہو سوا چند سرایوں اور پلوں کے جو صرف اپنی سڑکوں پر تھے جہاں سے شاہی لشکر کا گذر ہوتا تھا کوئی اُن کے نشان ایسے نہ پائیگا جس میں خود غرضی کے اصول نہ شامل ہوں۔ شاہان مغلیہ کی بہت سی عمارات کی حمایت و نیابت سے انکار نہیں لیکن ذاتی عظمت شاہی اور خود بینی اُن کی تعمیر کا سبب ہوئی اور سوا

ان چند عمارات کے جو اوپر بیان ہوئیں کوئی تعمیر ایسی نہیں کہ جو رفاہ عام کا کام دیتی ہو۔ اس حاکم کے دل میں لالہ رخ کی فرضی چمک سے شاعرانہ خیالات پیدا ہوئے ہوں اور ذہن میں جہانگیر کی شاہراہ کی تصویر پیش نظر آتی ہو جو ایک دار الخلافہ سے دوسری دار الخلافہ تک جاتی تھی اور جس پر ابتدا سے انتہا تک شاندار درختوں کا سایہ تھا اور تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر سرائے اور تالاب تھے لیکن شاہ جہانگیر کی فیاضی کا درجہ اسکی نظر میں کم ہو جائیگا جب یہ دریافت ہوگا کہ شیر شاہ نے جہانگیر سے پہلے ایسا ہی کیا تھا اور شیر شاہ سے پہلے کسی اور بادشاہ نے بھی ایسا شاہراہ بنایا تھا اور یہ خیال بھی خلاف عقل ہوگا کہ اس بڑی شاہراہ کا اب کوئی نشان سوائے اسکے کہ کہیں کوئی فرسنگ کا منارا ٹوٹا پھوٹا کھڑا ہو باقی نہیں اور اس سرسبز درختی کو جو فی الحقیقت کوئی بڑا کام نہ تھا میں بڑے بادشاہوں کی دولت اور قدرت بھی اس قابل نہوئی کہ اسکو اپنی یادگار بنا سکتی جب یہ شخص پڑھتا ہی کہ فیروز شاہ و علی مردان خان کی نہروں نے ملک کو قطع کر رکھا تھا تو اسکے ساتھ ہی اسکو دریافت ہوگا کہ اگر یہ نہریں کبھی جاری بھی ہوئیں تو صرف شاہی محلوں اور شکارگاہوں میں آبرسانی کیلئے ہوئیں تھیں اور جب یہ نقل کریگا کہ تیمور کے مورخوں میں سے کسی نے بھی ان نہروں کا ذکر نہیں کیا جو مقامی حالات کو ہمیشہ مفصل لکھا کرتے تھے اور یہ کہ بابر شاہ نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ ہندوستان کے صوبوں میں کوئی نہر نہیں ہے حالانکہ ان دونوں فاتحین کو اگر ان نہروں میں پانی ہوگا تو عبور کرنا پڑا ہوگا تو ایسی صورت میں اسکو شبہہ ہوگا کہ آیا یہ نہریں کبھی جاری بھی ہوئیں تھیں یا فقط کھود کر چھوڑ دی گئی تھیں۔ علی مردان خان کی تعریف اس امر کی بہت ہے کہ نہر بنائی وہ اور بھی کم ہونی چاہئے کیونکہ یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ علی مردان خان کی نہریں عوام الناس کے فائدہ کے لئے تعمیر نہیں ہوئیں بلکہ انکی وجہ یہ تھی کہ علی مردان خان نے جو دولت خیانت سے جمع کی تھی اسکو فضول خرچ کر کے اپنی شان اس لئے دکھائی کہ جس بادشاہ کی امانت میں خیانت کی تھی اس سے وہ روپیہ چھپ سکے جب وہ پڑھتا ہے کہ ان بادشاہوں میں سے بعض کے عہد میں جان و مال کی اس قدر سلامتی تھی کہ ہر مسافر کو اختیار تھا جہاں چاہے چلا جاتا اور یہ کہ سونے کی تھیلیاں سڑک پر ڈالدی جائیں تو کوئی ہاتھ تک نہ لگائے تو اسکو اس بات کے یقین کرنے میں شبہہ پیدا ہوگا۔ اسکے ساتھ یہ بھی تحقیق ہوتا ہے کہ اس عہد حکومت میں جو سب سے زیادہ پر زور تھا اور ملک کی اندرونی سلامتی ایسی تھی کہ جسکی نظیر پہلے نہ تھی۔ ایک قافلہ شہر امین چند ہفتہ تک اسلئے ٹھیرا رہا کہ اسے آدمی جمع ہوئے تھے کہ محفوظ ہو کر دہلی تک جا سکیں۔ آگرہ کی فصیل ایسی بودی تھی کہ شہر کے باہر کے لٹیروں سے پناہ نہ تھی چور رات دن لوٹ مار

کیا کرتے تھے۔ فیروز شیر کے شکار کھیلنے کی جگہ تھی۔ کڑہ اور کالپی میں ہاتھی کثرت سے موجود تھے شہروں اور قصبوں کا اجڑنا جس کو بعض معترضین نے ہماری پولیسی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ ہماری حکومت سے پہلے ہی شروع ہو گیا تھا جسنے بقول برنیر کے اس ملک کو ایسا پایا کہ ملک برباد تھا۔ شہر جلے پڑے تھے جبکہ غیروں کی اولاد فصیلیں بنانے اور اُن کے بادشاہ حکم دینے آئے۔

اگر ہم دوسری نسبت سے عام امور پر غور کریں اور فرنگستانی اور ایشیائی سلطنتوں کے اوصاف کا مقابلہ کریں تو دریافت ہوگا کہ ان ہندوستانی تاریخوں کے پڑھنے سے بہت سے مفید سبق حاصل ہوتے ہیں جو ہمارے دلوں میں اپنے ملک یعنی انگلستان اور اُسکے واجب التعظیم اصولوں و قوانین کی عزت اور قدر پیدا کر دیتے ہیں۔

جب ہم ایک خود مختار ظالم سلطنت کے برباد کرنیوالے اثر اور ایک مطلق العنان بادشاہ کی اندھے پن کو دیکھتے ہیں تو ہم میں ایک باقاعدہ حکومت کی عزت کو جانچنے کی پوری قدرت پیدا ہوتی ہے جب ان مصیبتوں کو دیکھتے ہیں جو موجودہ اور آیندہ نسلوں پر تخت کی منازعات میں پیش آتی ہیں تو ہمکو اس اصول وراثت کی قیمت معلوم ہوتی ہے جسکے قواعد منضبط ہوتے ہیں اور جنمیں کبھی کوئی جھگڑا یا تبدیلی پیدا نہیں ہو سکتی ہندوستان میں جسقدر مصائب ہیں کسی ملک میں نہیں کسی ملک میں وراثت کے اسقدر جھگڑے اور تخت کے مدعی اتنے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ اکبر کی موت سے لیکر انگریزوں کی فتح دہلی تک جو زمانہ دو سو برس کا ہے صرف ایک تخت نشینی ایسی ہوئی کہ جسپر جھگڑا نہ ہوا ہو اور اس مستثنے مثال کی وجہ یہ تھی کہ وہ تخت ہی کسی قابل نہ رہا تھا کہ تخت نشینی کا فساد اٹھتا۔ کیونکہ اسکا زمانہ وہ برا وقت تھا جبکہ بادشاہ ہونگی تباہیاں لوگوں کو یاد تھیں اور ابدالی دشمنی میں سب کو گمان تھا کہ کوئی اور حملہ ہونیوالا ہے۔ آج تجربہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ برائے نام بھی تخت شاہی بغیر ورثا کے جھگڑوں کے نہیں رہتا۔ اسکا فیصلہ ہی نہیں ہوتا۔ اگر دربار انگلستان کی مرضی اور برٹش گورنمنٹ کی خوشی تنازع پیدا ہونے سے پہلے کسی ایک شخص کے حق میں فیصلہ نکردے اور باقی ورثا کے دلمیں وہ امیدیں نہ پیدا ہونے دے جسکی وجہ سے ہمیشہ شاہی خاندان کے لوگوں کی جانیں اس جاہ و منصب کی قربان گاہ میں خون ہوتی ہیں۔

تخت کی وراثت کا قاعدہ مقررہ نہونیکا سبب تھا کہ سلطنت میں ہمیشہ شور و شغب اور ترقی کے رستے مسدود ہو گئے۔ یہ ہوتا تھا کہ زندہ بادشاہ کی لئے کا کوئی شخص اسکا وارث و جانشین ہوگا۔ خود مختار سلطنتوں میں اگرچہ مطلق العنان بادشاہ کی مرضی قانون کا حکم رکھتی تھی لیکن مرنے کے بعد وہ مرضی اور حکم کسی بہادر یا شاطر رقیب کی دشمنی اور دشمن شمشیر کی چمک کے ساتھ کچھ نہیں چلنے دیتی تھی۔ بیٹے کے جانشین ہونے

اصول کی مقبولیت کی بہت وجوہ موجود ہین اسی اصول اور قانون سے جانشینی کے جھگڑون مین اور زیادہ ترقی ہوتی ہے کیونکہ بادشاہ ہونا اس قاعدہ پر مبنی نہین ہے۔ خاصکر ایسے ملک مین جہان کثرت سے بیویان کرنیکی رسم موجود ہو۔ بڑا بیٹا وہ ہوتا ہی جو سب سے زیادہ دربار سے غیر حاضر رہتا ہی جس کے ساتھ گھر والونکو پہلے ہی ہمدردی جاچکتی ہے۔ اسکا کسی صوبہ کی گورنمنٹ پر حاکم ہونیکا اثر ایسا ہوتا ہی کہ موجودہ بادشاہ کے دل مین بہت سے وہم اور خطرے پیدا کرتا ہی تو ایسے بیٹے کے حقوق کسی جوان ملکہ کے خوش کرنیکے لئے فوراً تلف کئے جاتے ہین جو چاہتی ہی کہ اپنے بیٹے کو صاحب تاج و تخت دیکھے جب سوسائٹی کی یہ حالت ہوتی ہی تو شہزادے جانشینی کی رقابت مین پرورش پاتے ہین یا آوارہ گردون اور قزاقون کیطرح اٹھائے جاتے ہین۔ ملک کے امرا ایک یا شہزادہ کے طرفدار ہوجاتے ہین اور کسی اصول یا حق کو برقرار رکھنے کی غرض سے نہین بلکہ اسلئے کہ سب سے پہلے اپنے شہزادہ کی تخت نشینی سے نفع اٹھائینگے اور بادشاہ کے ہان اپنا ذاتی رسوخ پیدا ہوگا اور پھر بڑھتے بڑھتے خود تخت پر بیٹھنے کی کوشش کرینگے رعایا اسطرح سے بے پرواہ ہوتی ہی کہ کون تخت حاصل کرے البتہ نتیجہ کو اضطراب سے دیکھتی رہتی ہے تاکہ جب تخت نشینی کا فیصلہ ہوجائے تو تھوڑے دن امن و راحت کی زندگی بسر ہو کر پھر نئے جھگڑون سے آئین مین خلل پڑے مختصر یہ کہ تمام جہان مین قواعد ملکی آئینی شورش کم یا زیادہ عام استحکام اور استقامت سے سوا اثر پذیر نہین ہوتے ہین جو مسلسل فسادات کی جوشون کے لازمی نتیجے ہین ان امورون کے غور کرنے مین بہت سی کیفیتون پر فکر کرتے ہین۔ ان کتابون کے مستفید پڑھنے والے خود نظر آتے جائینگے۔ وہ جھگڑے اور بہت سے اکثر شاہان گزشتہ کی نسبت دلمین رہتے تھے رفع ہوجائینگے اور پڑھنے والے پر ظاہر ہوگا کہ وجوہ ہماری اصول یا سبب اور خراب رسوم کے جو ہمکو اس ملک مین ہمیشہ رہنے کیلئے گھر بنانے نہین دیتا اور باوجود اسکے کہ ہمکو ذاتی نفع لیا ملک کی ترقی سے نہین۔ باوجود اس امر کے کہ بہت سے عیوب بیرونی حکومت کے ابھی باقی ہونگے جہان تک رنگ، مذہب، رسوم۔ قوانین ایسے ہین جو رعایا اور بادشاہ کو باہم ہمدردی سے محروم رکھتے ہین۔ باوجود ان تمام حالتون کے پچھلے نصف صدی مین رعایا کو وہ عمدہ اور حقیقی نفع پہنچا یا ہی کہ ہم سے پہلے بادشاہون نے اس سے دس گنے وقت مین بھی اپنی رعایا کو ایسے ملک مین نہین پہنچایا جسکو انہون نے خود اپنا وطن قرار دے لیا ہمارا زمانہ ایسی پیشینگوئی کرسکتا ہی کہ آیندہ کے لئے پڑھنے والونکو امید ہوسکتی ہی کہ اس کامیابی کے جوش مین جو اسوقت تک ہمکو ہماری کوششون مین ہوئی ہی ہم آیندہ بھی مستقل کوششونکا خیال رکھکے اپنے مقدور کوشش مین ہندوستان کی حکومت کی تھی پورا کرین گے۔

سائنس اور فلوسوفی اور آرٹ کے اصطلاحی معانی

ہم آگے لکھینگے کہ علم تاریخ سائنس یا فلوسوفی ہوسکتا ہی یا نہین - اس فقرہ مین دو انگریزی لفظ سائنس اور فلوسوفی کے موجود ہین جن کے ہم معانی الفاظ مجھے اپنی زبان مین نہین معلوم اسلئے مین انہین کو استعمال کرونگا اسلئے انکے اصطلاحی معانی جو ذرا دقیق ہین بیان کرتا ہون سائنس کے معنی یہ ہین کہ حقائق محققہ کا علم جو دلایل عقلیہ پر مبنی ہو - وہ علم عرفی یا ادنیٰ علم کو بدلایل بتا کے اعلےٰ درجہ کا بتاتا ہی وہ علل کے عمل کو مفصل بتاتا ہی اور یہ دکھلاتا ہی کہ واقعات کو کس طرح قوانین یا قواعد بتالتے ہین سائنس بہت سے مظاہرات فطرت و منظرات قدرت کے نظم و ترتیب و قاعدوں کو بیان کرتا ہے اور موجودات عالم کے اسرار کو نہایت تحقیق و تدقیق سے منکشف کرتا ہی - سائنس اور فلوسوفی ہم معنی ہین مگر آسانی کیلئے ان مین یہ تمیز کر لی ہی کہ سائنس کو مادیات سے متعلق کر دیا ہی اور فلوسوفی کو عقلیات سے تاریخ کی فلوسوفی کے معنی یہ ہین کہ واقعات اور اُن کے اسباب و نتایج کے درمیان تعلقات کو بتلائین سائنس یا فلوسوفی کے لئے بکار آمد ہونا بھی ضرور ہی اُس سائنس مین انسان ترقی کرتا ہی کہ جس سے اُسکا کام نکلتا ہی - اُسکو منفعت ہوتی ہی اس منفعت ہی کا خیال طبیعت کو اسکا شوق اور اُس کی طرف توجہ دلاتا ہی اور اُس کی تحصیل کیطرف ہمت پیدا ہوتا ہی جہان سائنس یا فلوسوفی سے انسان کی مطلب براری موقوف ہوئی اُس لئے اس سے ہاتھ اٹھایا - سائنس کے ساتھ ایک لفظ آرٹ کا بھی بولا جاتا ہی - یہ دونون فن کی تحقیق کرلتے ہین سائنس کی تحقیقات علمیہ ہوتی ہی اور آرٹ کی تحقیقات عملیہ کسی چیز کی پیدایش کیواسطے سائنس حقایق کا اجتماع کرتا ہی اور آرٹ عمل کی ہدایت کرتا ہی اور اُسکے قواعد کا مجموعہ بناتا ہی - سائنس مین یہ بحث ہوتی ہی کہ یہ ہی اور یہ نہین ہی یہ واقع ہوتا ہی یہ نہین واقع ہوتا - آرٹ مین یہ بحث ہوتی ہی کہ یہ کرو اور اس سے بچو - سائنس مظاہرات عالم کے قوانین کو منکشف کرتا ہی اور آرٹ ایک اثر کے پیدا کرنیکے لئے اسباب جمع کرتا ہی اور علت غائی بتاتا ہی - خلاصہ یہ ہی کہ سائنس معارف یقینیہ و علوم تحقیقیہ کا نام ہی اور آرٹ اعمال یقینیہ و تحقیقیہ کا نام ہی آرٹ کے معانی ہمنے اس لئے بیان کئے ہین کہ کہین ہم اُسکو بھی اپنی تاریخ مین کام مین لائینگے -

[illegible]

دنیا مین سیف قاطع ہمیشہ بڑے بڑے کام کرتی ہی - پہلے زمانہ مین صرف پرائی دولت کو اپنا بنانے کا ذریعہ صرف تلوار ہی تھی - مگر زمانہ حال مین اور بہت سی چیزین تہذیب نے ایسی ایسی ایجاد کر لی ہین کہ وہ پرائی دولت کو اپنا بنا لیتی ہین اور تلوار کی جگہ کام دیتی ہین مگر پہلے زمانہ مین شمشیر و تیغ زنون ہی کا درجہ سب سے زیادہ اعلیٰ سمجھا جاتا تھا اس لئے قدیم مورخون نے انہین کے حالات پر تاریخ کا خاتمہ کیا تاریخ

کے ہزاروں صفحے لڑائیوں کے بیان میں اور اسکے متعلقات کے ڈگروں سے بہر دیئے جن مورخوں نے ایسی تاریخونکو
لکہا انہوں نے اپنے زمانہ میں کامیابی حاصل کی اور اس زمانہ میں جو تاریخ کا اصلی مقصد تہا وہ حاصل ہوا لیکن
زمانہ میں ہمیشہ انقلاب ہوتا رہتا ہی کوئی بات ایسی اپنی اصلی قیمت نہین رکہتی وہی باتین جو اور زمانہ مین سرمایۂ فخر
و ناز گنی جاتی تہین وہی دوسرے زمانہ مین ہنسی کے قابل ہوگئین۔ اس زمانہ مین جیسے پہلے تاریخون کے عیب جتائے
جاتے ہین کہ انمین یہ نہین وہ نہین جو ہی وہ کیا خاک ہی۔ کون کہہ سکتا ہی کہ آئندہ ایسا زمانہ ترقی کا آئے کہ اس
زمانہ کی تاریخونکی خاک اسطرح اڑائی جائے جیسی کہ ہم قدیمی تاریخونکی اڑا رہے ہین۔ ہمارے نزدیک قدیمی مورخونکی
کوشش وسعی وعرقریزی و دقیقہ سنجی پر نکتہ چینی عیب بینی مناسب نہین۔ ہر چیز کو اسکے زمانہ کے موافق دیکہنا چاہیئے
کہ اسمین کونسی چیزین قدر و قیمت رکہتی نہین۔ زمانہ حال مین تاریخ کیواسطے سامان عظیم الشان تیار ہوگیا ہی
فرنگستان اور بڑے بڑے ملکون کے حالات اور واقعات نہایت احتیاط سے جمع کئے گئے ہین۔ جن پہلوؤن
پر وہ مبنی ہین انکی بہی بخوبی تحقیقات ہوئی مذہب کی تاریخ پر بہی بخوبی توجہ ہوئی ہی۔ علوم و فنون اور علم ادب
اور مفید ایجادون اور آخر کار انسان کی آسایش اور آرام کے طریقون پر بہت کچھ محنت ہوئی ہی زمانہ قدیم کے
حالات دریافت کئے ہین پرانی باتون کی تحقیقات کی قدیم شہرونکی جگہونکو کہود کر دریافت کیا قدیمی سکے نکالے
ہین اور انکو پڑہا ہی۔ پرانے کتبے ڈہونڈہ ڈہونڈہ کر نکالے ہین انکے حروف بہی پڑہکر درست کئے ہین جو زبانین
کہ حروف مین نہین تحریر ہوتی نہین بلکہ چیزونکی شکلون مین لکہی جاتی تہین انکے معنونکو دریافت کیا اور انکے مطلب
کو نکالا۔ جو زبانین کہ مدت سے فراموش ہوگئی تہین انکو بہی نئے سر سے یاد کیا۔ انسان کی بول چال کے
استحالی قواعد اور اصول دریافت کئے اور اسکے ذریعہ سے انسان کی ابتدائی نقل مکانی کے ایسے زمانے دریافت
کئے جو بالکل نامعلوم تہے علم انتظام مدن مدون ہوا جسکی بدولت دولت کی کمی و بیشی کے اسباب دریافت کئے
ملکونکے اور وہانکے رہنے والون کے حالات بڑی بڑی محنتون سے جمع کئے انکے نقشے بنائے۔ انسان کے دنیوی
کامون اور اخلاقی باتونکا بہت کچہ حال دریافت کیا مثلاً مختلف قسم کے جرمونکی تعداد اور ایک کی نسبت
بمقابل دوسرے کے اور اسپر جو اثر کہ زمانہ اور تعلیم کا عورت مرد ہونے کی سبب سے ہوا اسکا اندازہ اور جو باتین اسکے
متعلق ہین وہ سب دریافت کی گئین۔ اسی کے ساتہ جغرافیہ طبعی بہی قدم بقدم چلتا ہی۔ آب و ہوا کے حالات
کے رجسٹر طیار ہوئے۔ پہاڑونکی پیمایش ہوئی۔ دریا ناپے گئے اور انکے منبع دریافت ہوئے ہر قسم کی قدرتی
پیداوار اور انکی مخفی تاثیرین معلوم کین۔ ہر قسم کی خوراک کی جو انسان کی زندگی کو ضرور ہے علم کیمیا

زمانہ حال میں تاریخ کا سامان

اسکے ذریعہ سے تفتیش کی اُس کے اجزا شمار ہوئے اور تولے گئے اور جو نسبت اُنہیں اور انسان کے جسم میں ہے
اُسکی بھی تحقیقات کیگئی علیٰ ہذا القیاس انسان کے متعلق جو باتیں ہیں اُنکی ہر قسم کی تحقیقات ہوئی یہانتک
کہ مہذب و شایستہ قوموں میں مرنے اور شادی کرنے پیدا ہونے اور پیشہ کرنے اور کاموں میں مشغول رہنے کا اور اجرت
کی کمی بیشی کا اور جو اشیا کہ زندگی کے لیئے ضروری ہیں اُنکی قیمت کا اندازہ کیا یہ سب واقعات اور اس قسم کے
اور بہت سے حالات جمع کیے گئے ہیں اُنکو درستی سے مرتب کیا ہے اور اب سب کام میں لانیکے لایق ہیں اُنکے ساتھ
اور بھی مفید باتیں شامل ہیں کیونکہ صرف بڑی بڑی قوموں ہی کے افعال و خاصیتیں لکھی نہیں گئیں بلکہ سیاحوں
نے تمام دنیا میں جہانتک معلوم ہوئی ہے سفر کیا ہے اُسکے تمام حصوں کی سیر کی ہے اور مختلف قوموں کو دیکھا ہے
اُنکے حالات دریافت کیے ہیں اب ہم اُنکے ذریعہ سے تہذیب و شایستگی کے ہر درجہ کا اور ہر جگہ کا مقابلہ کر سکتے
ہیں جبکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اپنے ہمجنسونکے حالات دریافت کرنیکا شوق کبھی کم نہیں ہوتا بلکہ زیادہ ہوتا جاتا ہے تو ہم یہ
بھی دیکھتے ہیں کہ اس شوق کے پورا کرنے کے وسیلے روز بروز اُسکے ساتھ زیادہ ہوتے جاتے ہیں جو باتیں دریافت ہوئی
ہیں وہ سب جمع و محفوظ ہیں جب ہم ان سب کو یکجا کرتے ہیں تب ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ جن چیزوں سے ہم واقف ہوئے
ہیں وہ کسقدر مفید ہیں اور اُنکی مدد سے انسان کی کسقدر ترقی کا حال معلوم ہوتا ہے مگر جب یہ بات بیان کرنی
چاہیں کہ سب باتوں سے کیا کام لیا گیا تو ساری یہ صورت بدل جاتی ہے انسانکی تاریخ میں بہت بڑا نقص یہ ہے کہ گو
تاریخ کے علیحدہ علیحدہ جزونکی نہایت قابلیت سے تحقیقات ہوئی ہے لیکن کسی نے ان سب اجزا کو ملا کر ان سے ایک
عام نتیجہ نکالنے کی کوشش نہیں کی اور نہ اس طریقہ کو دریافت کیا جسکے ذریعہ سے ان تمام جزونکی آپس کی نسبت
معلوم ہو یہ بات سب کے نزدیک مسلم ہے کہ بڑی بڑی باتوں کی تحقیقات کیلئے جزئیات کا استقرا کرکے کلیہ نکالتے
ہیں اور خاص خاص باتوں سے عام قاعدہ نکالنے میں بڑی بڑی کوششیں کیجاتی ہیں تاکہ وہ قاعدے دریافت ہوں
جنکی رو سے وہ خاص خاص باتیں وقوع میں آتی ہیں مگر مورخوں میں یہ طریقہ عام نہیں ہے ان کے دل میں ایک عجیب
خیال ہے کہ وہ اپنا کام صرف اسیقدر سمجھتے ہیں کہ واقعات کو اور گذرے ہوئے حالات کو بیان کردیں اور کہیں کہیں
اخلاق اور انتظام مدن کی کچھ کچھ باتیں جنسے کچھ فائدہ متصور ہو لکھدیں ایسے مصنفوں کا جو خیال کی سستی سے
یا قدرتی نا قابلیت سے اعلے درجہ کی تصنیف کی قابلیت نہیں رکھتے یہ طریقہ ہے کہ چند سال تھوڑی سی کتابیں
پڑھ لیں اور تاریخ لکھنے کی قابلیت بہم پہنچائی پھر بڑی بڑی قوموں کی تاریخیں لکھنے لگے ان کی تاریخیں
ان مضمونوں کے لیے سند ہو گئیں —

اس محدود اور تنگ طریقہ کے سبب ایسے نتیجے پیدا ہوئے جن سے ہماری علم کی ترقی کو بہت نقصان پہونچا اس طریقہ کے سبب سے مورخوں نے ایسی وسیع ابتدائی تعلیم کو ضروری نہیں سمجھا جسکے ذریعہ سے اس علم کی تمام قدرتی باتیں بالکل انکی گرفت میں آجاویں اور اس طریقہ کے سبب سے نتیجہ ہوا کہ ایک مورخ تو علم انتظام مدن اور علم معاشرت سے ناواقف ہے دوسرا آئین و قانون کچھ نہیں جانتا کوئی مذہبی معاملات اور تبدیل رائے کی حالات سے محض ناواقف ہے کوئی فلسفہ مدنی کو نہیں جانتا۔ کوئی علم طبعی سے آگاہ نہیں ہے حالانکہ یہ سب علوم نہایت ضروری ہیں اسلئے کہ وہ خاص خاص باتیں جنسے انسان کی مزاج اور اسکے اطوار پر اثر ہوتا ہے انہیں علوم سے پیدا ہوتی ہیں اگرچہ ان علموں میں سے ایک شخص کسی علم کو سیکھتا ہے دوسرا کسی علم کو۔ مگر غرض اسکی کہ وہ سب علوم ایک شخص میں ملائے جائیں متفرق ہو جاتی ہیں اور وجود مدد کہ مشابہت اور مماثلت کی ایک شخص میں ان سب علوم کی جمع ہونے سے حاصل ہو سکتی تھی وہ ضائع ہو جاتی ہے اور اسی سبب سے کسی شخص نے ان سب علوم کو باہم میں ملانیکی کوشش نہیں کی حالانکہ وہ سب تاریخ کے اجزا ہیں۔ ہاں البتہ اٹھارہویں صدی کے شروع سے چند عاقل پیدا ہوئے جنہوں نے تاریخ کے اس نقص پر افسوس کیا اور حتے الوسع اسکی اصلاح کی کوشش کی مگر ایسی مثالیں نہایت کم ہیں یہانتک کہ یورپ کے تمام علم ادب میں اصل کتابیں تین چار سے زیادہ نہیں ہیں جنمیں انسان کی تاریخ کی تحقیقات ان عمدہ اور عام طریقوں پر کیگئی ہو جنسے وہ کامیابی ہوئی ہے جو اور سائنسوں کی شاخوں میں سولھویں صدی کے بعد سے اور خصوصاً آخری صدی سے مورخوں میں خیال کی وسعت کے نشان اور اپنی تصنیفات میں ایسے مضمونوں کے شامل کرنیکا شوق پایا جاتا ہے جنکو انسے پہلے وہ چھوتے بھی نہ تھے اس سے ایک عمدہ بات پیدا ہوئی ہے اور ایک قسم کے واقعات جمع ہونے سے قاعدہ کلیہ نکالنے کا خیال پیدا ہوا جسکا نشان یورپ کے قدیم علم ادب میں نہیں پایا جاتا اس بات سے بہت بڑا فائدہ ہوا کیونکہ مورخوں کے خیال نے وسعت پائی اور غور کرنے کی عادت پڑی جو اصلی واقفیت کے لئے ضرور ہے کیونکہ بغیر اسکے کوئی سائنس نہیں بن سکتا۔

اس زمانہ میں اگرچہ بہ نسبت زمانہ سابق کے تاریخ کے آثار زیادہ طمانیت کے لائق موجود ہیں مگر سوا چند مثالوں کے وہ سب ابتک آثار ہی آثار ہیں۔ ابتک ان اصولوں کے دریافت کرنے میں جنکا اثر قوموں کی قسمت اور انکے چال چلن پر ہوتا ہے بہت کم کوشش ہوئی ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ انسان کے اعلیٰ خیالات کی اب بھی تاریخ بہت ہی ناقابل ہے اور وہ ایسی ہی بے ترتیب صورت میں ہے جیسے کہ اس مضمون کی صورت ہوتی ہے جسکے قاعدے معلوم نہیں ہوتے اور جنکی جڑ قائم نہیں ہوتی۔ ہمارے پاس تاریخ کا اسقدر سامان موجود ہے

کہ اگر اسپر زیادہ کوشش کیجائے توجسطرح کہ علوم طبعی کی مختلف شاخین تجربہ ہوئین اسیطرح انسان کی تاریخ
بھی تجربہ ہوسکتی ہی نیچر کی اکثر باتین جو ظاہرا بالکل بے قاعدہ معلوم ہوتی ہین اور کبھی یکسان نہین ہوتی سمجھ
مین آگئی ہین اور یہ بات ثابت ہوگئی ہی کہ وہ بھی قواعد معینہ و مستمرہ کے بموجب ہوتی ہین قابل لوگون نے
نہایت تامل و غور سے طبعی واقعات پر اس غرض سے توجہ کی ہی کہ ان کے قاعدے معلوم ہون اور اسی غور و
تامل کا یہ نتیجہ حاصل ہوا ہی پس اگر انسان کے واقعات کو بھی بطور مذکور دیکھین تو بیشک ایسے ہی نتیجے حاصل ہونگے او
یہ بات کہدینی کہ تاریخ کے واقعات کا کلیا قاعدہ نہین نکل سکتا ایک امر بے تحقیقات کو بلا تحقیقات کے تسلیم کر لینا ہی
اس قسم کے لوگ صرف ایسی ہی بات کو تسلیم کرتے ہین جسکو وہ ثابت نہین کر سکتے بلکہ ایسی باتونکو ہی مان لیتے ہین
جو علم کی موجودہ حالت مین نہایت غیر ممکن ہین جو کوئی شخص اخیر دو صدی کے حالات سے واقف ہوگا وہ ضرور
جانتا ہوگا کہ ہر ایک پشت مین کسی ایسے واقعہ کا باقاعدہ ہونا ثابت ہوجاتا ہی اور اسکی نسبت پیشینگوئی ہوسکتی ہی
جسکو پہلی پشت کے لوگ بے قاعدہ اور ناقابل پیشین گوئی سمجھتے تھے پس تہذیب شایستگی کی جو ترقی پائی جاتی
ہی جسکا یقینی مقصود یہ ہوتا جاتا ہی کہ سب باتین باقاعدہ اور مرتب ہوتی ہین پس ان باتون سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہی
کہ اگر کسی قسم کے واقعات کا قاعدہ دریافت نہین ہوا ہی تو ہمکو یہ نہ کہنا چاہئے کہ یہ بے قاعدہ ہین بلکہ پہلے کے
تجربہ کو لحاظ کرکے یہ تسلیم کرنا چاہئے کہ جو بات اسوقت سمجھ مین نہین آتی ممکن ہی کہ آیندہ زمانہ مین سمجھ مین آجاوے
ایسے نتیجے ہین جو ترتیب نکالنے کی امید اس درجہ تک ہوتی ہی کہ اکثر نامور عالمونکو بعوض امید کے یقین ہوتا ہی
اور اگر یہ امید موجودہ مورخون مین نہ پائی جاوے تو اسکا سبب یہی سمجھنا چاہئے کہ وہ لوگ نیچر کے محققونکی نسبت کم
لیاقت رکھتے ہین اور مستقیم یہ بھی سبب ہوسکتا ہی کہ معاشرت کی باتین جو تاریخ سے علاقہ رکھتی ہین زیادہ پیچیدہ ہوتی ہین
یہی سبب ہین جو موجب ہوئے ابتک علم تاریخ کو ایک علم ہونے نہیں دیا نہایت مشہور اور نامور مورخ علم طبعی جاننے
والے کے مقابلہ مین کچھ بھی درجہ نہین رکھتا ہی کسی ایسے شخص نے تاریخ کی طرف توجہ نہین کی جو ذہن و عقل مین
مثل کیپلر اور نیوٹن کے و دیگر محققون کے ہوئے اگرچہ موجودات کے حالات بھی نہایت پیچیدہ ہین مگر جو مورخ فلسفہ کے
طور پر تاریخ لکھتا ہی اسکو نیچر کی تحقیقات کرنے والے کی نسبت زیادہ مشکلات پیش آتی ہین کیونکہ اسکے تجربہ کی
وہ غلطیان ہوسکتی ہین جو تعصب اور جوش سے پیدا ہوتی ہین اور سامان تجربہ کا جو تحقیقات کو آنکے دیکھے
ہم دنیا مین نہایت پیچیدہ مسائل کو حل کر لیتے ہین وہ سب سامان اسرار ہے جسکے کام مین نہین آسکتے —
پس اس بات کا کچھ تعجب نہین کہ انسان کے افعال کا علم بہ نسبت نیچر کے علم کے سمجھنے کی حالت مین

بیشک ان دونون علمونکی ترقی مین اتنا بڑا فرق ہی کہ علم طبیعی کی ایسی باتونکو جو ابتک ثابت بھی نہین ہوئین
لوگ تسلیم کر لیتے ہین کہ ضرور باقاعدہ ہونگی اور انکی نسبت پیشینگوئی بھی کرتے ہین مگر تاریخی واقعات کا باقاعدہ
ہونا کوئی تسلیم نہین کرتا بلکہ اس سے انکار کرتے ہین اس سبب جو شخص کہ علم تاریخ کو مثل دیگر علوم کے ترقی دینا
چاہتا ہی اسکو ابتدا ہی مین ایک بڑی مشکل پیش آتی ہی کہ اس سے کہا جاتا ہی کہ انسان کے معاملات مین کچھ اسرار
ہین اور وہ اسرار خداساز ہین کہ ہماری عقل اور ہماری تحقیقات ان تک نہین پہونچ سکتی اور انسان کے آیندہ کی
حالات ہمیشہ پوشیدہ رہین گے ۔ اسکے جواب مین صرف اسقدر کہنا کافی ہی کہ ایسا کہنا صرف تحکماً تسلیم کرنا ہی کیونکہ اسکا
ثبوت کچھہ نہین ہی اور اس مشہور حقیقت کی مخالف ہی کہ جہان علم بڑھتا جاتا ہی وہان قاعدہ اور سلسلہ مین بھی زیادہ
یقین ہوجاتا ہی اور اس قاعدہ کے بموجب یکسان حالت مین ایک سے نتیجے پیدا ہوتے ہین بہتر ہی کہ ہم اس عقدہ کے
حل کرنے مین زیادہ غور کرین اور اس بات کو دیکھین کہ لوگونکی جو یہ عام رائے ہی کہ تاریخ کبھی سائینس یا فلوسوفی
کے درجہ پر نہین پہونچ سکتا اسکو سائنس کہنا ایسا ہی جیسے کہ یہ کہنا کہ آواز مین رنگ ہی اور اربعہ متناسبہ کا طول
و عرض ہی انکی بنیاد درست ہی یا نہین جب ہم اسکا خیال کرتے ہین تو ہمارے دل مین ایک بڑا سوال پیدا ہوتا
ہی جو اسکی جڑ ہی کہ آیا انسان کے افعال اور انسان کی باہمی معاشرت کا کام کسی قانون معین کے تابع ہین
یا اتفاقیہ ہین اور ایسی باتون کے نتیجے ہین جو انسان کی سمجھ مین نہین آتے ہین ان امور کی بحث مین چند مفید
باتین پیدا ہوتی ہین کیونکہ جو سوال کیا گیا ہی اسکے متعلق دو مسئلے ہین جنکے ذریعہ سے تہذیب کے مختلف درجے
ظاہر ہوتے ہین ۔ پہلا مسئلہ یہہ ہی کہ تمام امور اتفاقیہ واقع ہوتے ہین اس مسئلہ کے بموجب گویا ہر ایک امر علیحدہ اور
تنہا واقع ہوتا ہی اور کسی امر اتفاقیہ کا نتیجہ سمجھا جاتا ہی ۔ ایسا خیال بالکل ایک جاہل اور وحشی شخص کو ہوتا ہے
اور پھر جون جون تجربہ بڑھتا ہی اور جس سے معلوم ہوتا ہی کہ سب باتین باقاعدہ ایک دوسرے کے بعد ہوتی ہین
تو یہ خیال مضمحل ہوجاتا ہی مثلاً وحشی قومین جنکین تہذیب کا اثر کچھہ بھی نہین معلوم ہوتا اور جو صرف شکار پر اپنی
زندگی بسر کرتے ہین انکو بلاشک یہ خیال ہو سکتا ہی کہ ہماری ضروری خوراک کا ملنا صرف کسی امر اتفاقی کا
نتیجہ ہی جو بیان نہین ہو سکتا چنانچہ شکار کبھی ملتا ہی اور کبھی نہین ملتا کبھی افراط سے ملتا ہی اور کبھی نہایت
کم اور اسی سبب انکو کبھی شبہہ بھی اس بات کا نہین ہوتا کہ اسکے انتظام مین ترتیب بھی ہے اور نہ انکے
دل مین ان تمام اصولون کا وجود سما سکتا ہی جنکی رو سے تمام واقعات وقوع مین آتے ہین اور جن اصولون
کے علم سے ہم انہین باتون کی آیندہ حالات کی نسبت پیشینگوئی کر سکتے ہین مگر جب یہی قومین کچھہ ترقی کرکے

کسانوں کی حالت میں آجاتی ہیں تو وہ پہلے پہل ایسی خوراکیں کھاتے ہیں جن کا ملنا بلکہ اس کا پیدا کرنا بھی وہ اپنے ہی فعل کا نتیجہ دیکھتی ہیں یعنی جو کچھ بوتے ہیں وہی کاٹتے ہیں ان کی ضرورتوں کے ضروری سامان زیادہ تر اُن کے اختیار میں ہوجاتے ہیں اور انھیں کے محنت کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ وہ بیج زمین میں بوتے ہیں اُس سے درخت پیدا ہوتے ہیں وہ پھولتا ہے پھلتا ہے بالیں نکلتی ہیں جب وہ پختہ ہوجاتی ہیں تو اُن سے وہی غلہ پیدا ہوتا ہے جو بویا تھا اور اس کو اس بیج سے بھی جو بویا تھا کچھ مناسبت ہوتی ہے ان باتوں سے اُنکو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ اس میں کوئی تدبیر اور حکمت ہے یہ نتیجہ ہمیشہ یکساں ہوتا ہے اب اُن کو آئندہ کے لئے کو یقین ہو مگر ایک قسم کا اعتبار اور بھروسہ بڑھ جاتا ہے اور یہ اعتبار اُس سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جو اُن کو اپنی اس پہلی اور غیر معین حالت میں تھا۔ اسی سے اُن کو ایک دھندلا سا خیال اس بات کا پیدا ہوتا ہے کہ واقعات میں کچھ تسلسل اور استحکام ہے اور کچھ وہ باتیں سمجھ میں آنے لگتی ہیں جن کو آخر ذریعہ کا قانون کہتے ہیں۔ اس بڑی ترقی کے ہر ایک قدم پر اُس کا خیال صاف ہوتا جاتا ہے جس قدر اُن کی تحقیقات بڑھتی ہے اور تجربہ زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے اُسی قدر اُن کو قاعدہ و سلسلہ اور واقعات میں باہم موافقت ملتی جاتی ہے جس کے وجود کا اُن کو پہلے شبہ بھی نہ تھا اُس کے ظاہر ہونے سے وہ مسئلہ واقعات کے اتفاقیہ ہونے کا جو شروع میں اُن کے دل میں بیٹھا ہوا تھا بودا ہوتا جاتا ہے تھوڑی سی اور ترقی کے بعد استدلال کا شوق دل میں پیدا ہوتا ہے اور ان میں سے بعض لوگ اپنی تحقیقات سے قاعدہ کلیہ نکالتے ہیں اور اگلی رائے سے نفرت کرنے لگتے ہیں اور یہ یقین کرتے ہیں کہ ہر ایک پچھلا واقعہ اپنے پہلے واقعہ سے تعلق رکھتا ہے اور پہلے کا واقعہ اپنے سے پہلے واقعہ سے۔ اسی طرح ساری دنیا ایک زنجیرہ ہے اور ہر ایک آدمی ایک سلسلہ میں اپنا کام کرتا ہے پر وہ اس بات کا یقین نہیں کرسکتے کہ وہ کام کیا ہوگا۔

غرض ڈیڑھ سو برس سے اس باب میں کوشش ہورہی ہے کہ تاریخ کو کسی طرح سائنس بنائیں اور اس میں یہ بتائیں کہ انسانیت کا بروئے کار ظاہر ہونا اور انسان کے خیالات اور تصورات میں ترقیوں کا ہونا بموجب قوانین کے کس طرح ہوا پہلے مورخ فقط واقعات بیرونی کے ہوتے تھے اب مورخ اندرونی خیالات کے ہوتے ہیں اور تاریخ میں یہ بتاتے ہیں کہ بیرونی واقعات اندرونی خیالات پر اور اندرونی خیالات بیرونی واقعات پر اپنا کیا اثر دکھاتے ہیں۔ تاریخ کا سامان ایسا جمع کرلیا ہے کہ جیسے کسی اور سائنس میں غور سے استقرا کرکے کلیات کا حکم لگاتے ہیں اسی طرح تاریخ کے جزئیات سے کلیات استنباط کرتے ہیں

اور اس کو کوئی سائنس بتاتا ہے کوئی فلسفہ۔ گو ابھی یہ مقصد پورا نہیں حاصل ہوا مگر آخر کو کامیابی کی شکل نظر آتی ہے
پروفیسر سیلی ایک بے نظیر مورخ انگلستان کے ہیں اُن کے اس لکچر سے جو انھوں نے انگریزوں کی تاریخ
کے میلان پر دیا ہے یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں اوّل تاریخ کو اس طرح پڑھنا چاہیے کہ کوئی عملی فائدہ ہو۔
دوم تاریخ میں وہ باتیں بیان ہونی چاہئیں جو سٹیٹ پر عمل کریں باقی تہذیب یا رسومی لیجسلیشن کی
داستانیں جن کا بیان استعارات اور تشبیہات میں زبان کی فصاحت کو چمکاتا ہے "تاریخ" میں کوئی درجہ
عظیم نہیں رکھتا۔ سوم تواریخ جو قدیم مورخوں نے لکھی ہیں وہ بمقتضائے زمانہ لکھی ہیں۔

مورخ کے کیا اغراض ہونے چاہئیں

کارلائل کا قول ہے کہ تمام تاریخ ایک زبان انجیل ہے غیر واضح اور پیچیدہ طریقوں سے
وہ الٰہی صورتوں کو اس دنیا پر منکشف کرتی ہے۔ کسی قوم کی سوانح عمری یا تاریخ تو ایک طرف ایک شخص
مفرد تک کے حالات زندگی میں خدا کا ایک پیغام پوشیدہ ہوتا ہے جو سننے اور دیکھنے والے کانوں کے لئے
نازل ہوتا ہے۔ پس حقیقی مقصد مورخ کا یہ ہونا چاہیے کہ اس پیغام کو ہر انسان کی تہذیب اور ہر قوم کے
تنزل کے لئے صاف صاف بیان کر دے اور اس سے بھی بڑھکر یہ کام کرے کہ اس پردہ کو اٹھا دے
جس کے پیچھے دنیا کے بڑے بڑے لوگوں کی شخصیت پوشیدہ ہے اس لئے سچا مورخ نوع انسان کے حق میں سب سے
زیادہ نفع پہنچانے والا ہے۔ تاریخ کو محض واقعہ نگاری سے جو بقید وقت و زمانہ ہو کسی قدر زیادہ ہونا
چاہیئے۔ مورخ کو فقط واقعہ نویس نہونا چاہیئے۔ حقیقی مورخ کا یہ کام اور مقصد ہونا چاہیئے کہ وہ ایک
قوم کی پوری تاریخ کو جو ایک حصہ وقت میں گذری ہو امتحان کرے۔ اس تاریخ میں کثرت سے واقعات
ملینگے جن میں سے بہت سے غیر متعلق ہونگے اور ان کو مورخ کے مقاصد سے کوئی واسطہ نہوگا۔ بجز ایسی
حالت کے جبکہ صرف اتفاقی قرب اور عارضی تعلقات سے وہ واقعات متعلقہ نظر آوینگے۔ اس امتحان واقعات
کے بعد اسکو ایسے واقعات منتخب کرنا چاہیے جو کسی قوم کی زندگی کو اچھی طرح سمجھنے میں ضروری ہوں
اور مورخ اُن واقعات کو نظر انداز کرے جو اس کے مضمون سے کوئی منطقی تعلق نہ رکھتے ہونگے۔ مورخ
صرف صاحب فکر فلسفی اور انشا پرداز ہی نہونا چاہیے بلکہ اس کو تمیز اور تفریق دکھلانے والا مورخ اور
آیندہ کا حال بتلانے والا بھی ہونا لازم ہے سچے طور پر کسی قوم کی تاریخ لکھنے میں مورخ کے ذہن میں

اس قوم کے زمانہ ماضی کی صحیح تصویر اور اُس سرزمین کا نقشہ ہونا چاہیئے جس پر اُس قوم کے بڑے لوگ اور سوسائٹی کے حالات ظاہر ہوئے ہیں۔ علم جغرافیہ اور انسان کی مختلف نسلوں کا علم اور مذاہب مختلفہ بین منتر کہ اعتقادات کا علم اور واقعات کو علمی طریق پر مشاہدہ کرنیکی مشق ہیں مورخ کو ماہر ہونا چاہیئے اسکو فقط ان باتوں کا مطالعہ کرنا ہی لازم نہیں ہے کہ لشکر کہاں کہاں پہونچے۔ پارلیمنٹ اور عدالتوں نے کیا کیا بڑے بڑے قومی سرداروں نے قوم کے معاملات میں کہانتک دخل دیا۔ بلکہ مورخ کو اُن خاموش اور مخفی اسباب کا دیکھنا اور سمجھنا بھی ہے جو عوام الناس کے کثیر انبوہ کی زندگی میں عمل کر رہے ہیں۔ یہ اسباب وہ ہیں جو بسا اوقات زیادہ وقعت اور زیادہ دور پہونچنے والے نتائج رکھتے ہیں بہ نسبت اُن باتوں کے جو اپنی چمک دمک اور تماشہ میں تصور اور نظر پر جلد اثر کرتی ہیں۔ ہم کو شوق ہے کہ لوگوں کو اُنکے بے تکلف لباس میں دیکھیں۔ اُن کے دلی خیالات اور اُنکی روزمرہ کی زندگی کے واقعات کو معلوم کریں کیونکہ کوئی مورخ پبلک کے مذاق پر پوری قدرت نہیں رکھ سکتا جبتک کہ وہ اس عام مذاق کو پورا نہ کرے۔ اسلئے یہ بھی ایک مقصد مورخ کا ہونا چاہیئے۔ مورخ کو چاہیئے کہ سطح کے نیچے دیکھے اور ان اصولوں کو ڈھونڈ کر نکالے جن پر انسان کی ملکی زندگی اور اُسکے کام قائم ہیں اور اشیا کے اسباب دریافت کرے خاصکر اُن اخلاقی اصولوں کو معلوم کرے جو انتظام معاملات ملکی میں شامل ہیں۔ اور تمیز کرے ایسی باتوں میں جو فضول ہیں اور جو حقیقی تعلق ترقی واقعات سے رکھتے ہیں۔ مورخ کو چاہیئے کہ فوراً کسی قوم یا شخص یا زمانہ محدود کی خصوصیت اور خصلت کو پہچان لے اور اس قابل ہو کہ صحت کے ساتھ جھوٹی اور اصلی بزرگی کو جو قوم کے رہنماؤں میں ہو تمیز کرے اور فرق سمجھ لے۔ ان باتوں اور قدرتی قوتوں میں جو کسی قوم میں پیدا ہیں اور جو زمانہ کے موجودہ بڑے لوگوں میں ظاہر ہوتی ہیں اور اس ظاہرا بزرگی میں جو کسی شخص پر اتفاق سے ڈالدی جاتی ہے جیساکہ شاعر نے سچ کہا ہے بعض پیدا ہوتے ہیں بڑے۔ بعض بڑائی حاصل کرتے ہیں۔ بعض پر بڑائی ڈالدی جاتی ہے۔

انگلینڈ کے ایک حکیم یگانہ و فرزانہ کی رائے میں انگلستان میں علم تاریخ جو معمولاً طلبا کو مدارس میں سکھایا جاتا ہے محض بیکار اور ہیچکارہ ہے مدرسوں میں جو بڑی بڑی تاریخیں درس میں جاری ہیں اُنمیں کمتر ملکی معاملات صحیح اصول پر بالتصریح بیان کئے جاتے ہیں ان میں اکثر طلبہ یہ باتیں پڑھتے ہیں فلاں فلاں آدمیوں نے اپنے اقتدار و تسلط کے حاصل کرنے کے لئے دنگے فساد کئے۔ میدان جنگ میں وہ فوجیں لائے اور خوب جم کر لڑے۔ اُن کے سپہ سالاروں اور ان کے ماتحت افسروں کے ناموں کی تفصیل ہوتی ہے۔ سواروں اور پیادوں اور توپوں کا

بیان ہوتا ہے کہ طرفین میں سے ہر ایک کے پاس کتنی کتنی تھیں۔ پھر سپاہیوں کا میدان جنگ میں ترتیب و صف آرائیوں کا بیان ہوتا ہے۔ پھر لڑائی میں آپس کے داؤں پیچوں کا ذکر ہوتا ہے کہ کس نے کس طرح حملہ کیا اور اپنے دشمن کو پس پا کیا۔ ہر روز طرفین کو کیا فائدے نقصان ہوئے۔ فلاں سوار نے میدان جنگ میں جان دی۔ کس رجمنٹ کا کوئی حصہ بالکل ضائع ہو گیا۔ آخر کو نتیجہ کا بیان ہوتا ہے کہ کون فتحیاب ہوا مقتولوں و مجروحوں و قیدیوں کی تعداد بتلائی جاتی ہے ان باتوں میں سے ایک بات بھی ایسی نہیں کہ تمدنی حیثیت سے اخلاق میں طلبہ کو فائدہ دیتی ہو۔ ان میں کوئی ملکی معاملات کا صحیح اصول ایسا نہیں بیان کیا جاتا کہ جس سے کوئی تمدنی استفادہ ہو اگر طلبہ نے دنیا کی اُن پندرہ لڑائیوں کا جنہوں نے دنیا میں کارہائے عظیمہ کا فیصلہ کیا ہے اور اور لڑائیوں کا حال بر زبان کر لیا تو پارلیمنٹ کے آیندہ انتخاب کے وقت وہ اپنی رائے کی وقعت کیا دکھا سکتے ہیں۔ طلبہ کہتے ہیں کہ یہ واقعات دلچسپ ہیں بلاشبہ یہ واقعات بالکل یا بالجزو جھوٹے بناوٹی نہوں مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ واقعات قدر و منزلت کے مستحق ہیں اکثر اوقات بے کار چیزوں کو مصنوعی اور فاسد راؤں کی بدولت ظاہری قدر و منزلت حاصل ہو جاتی ہے۔ اگر کسی شخص کے دماغ میں گل لالہ کا سودا ہو گا یا ہوا ہو تو اس کی برابر زر وزن میں دیا جاوے تو وہ قبول نہیں کرے گا۔

بعض آدمی مشہور شہیدوں کی لاشوں یا اُن کی کسی اور چیز کو گراں قیمت پر خرید کرتے ہیں اور بطور تبرک کے رکھتے ہیں۔ غرض جیسے کسی شخص کو کسی چیز کا ذوق شوق ہوتا ہے وہ اُس سے اپنی تفریح طبع کا فائدہ اٹھا کے محظوظ و مسرور ہوتا ہے ایسے تاریخ کی بعض قسم کے واقعات کا مذاق بعض آدمیوں کو ہوتا ہے وہ اُن کے لئے مفید ہو مگر فی نفسہ اُن کی اصلی قدر و منزلت کا یہ ثبوت نہیں ہے اب اُن کی نسبت یہ سوال کرنا چاہیئے کہ وہ کس کام آتے ہیں۔ واقعات کا اصلی معیار تو یہ ہے کہ ان سے کام کیا نکلتا ہے۔ اگر کوئی شخص تم کو اطلاع دے کہ تمہارے ہمسایہ میں بلی نے بچے دیئے ہیں۔ اگرچہ یہ بھی ایک واقعہ ہے مگر تم اس کی اطلاع کو فضول اور مہمل اس لئے کہو گے کہ ایسے واقعہ کا اثر تمہاری زندگی کے افعال پر مطلق نہیں ہو سکتا۔

تاریخی واقعات کا اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ کارگر اور بکار آمد ہوں ... اصول قائم کرنے میں غیر منضبط و بے ربط واقعات کچھ کام نہیں آتے مگر ان ان کو تفصیل و تنقیح ...

مگر اس دھوکہ میں نہ آؤ کہ یہ واقعات مفید ہیں۔

اکثر تاریخ کی کتابوں میں وہ علم چھوڑ دیا جاتا ہے جس کو اصل حقیقت میں تاریخ کہتے ہیں۔ زمانۂ حال میں بعض مورخوں نے اپنی کتابوں میں ایسے واقعات لکھنے شروع کئے ہیں کہ حقیقت میں با وقعت اور سودمند ہیں۔ ایک زمانہ میں بادشاہ ہی ہمہ چیز ہوتا تھا اور رعیت کوئی چیز نہ ہوتی تھی۔ پس قدیمی تاریخیں بادشاہی کے کارہائے نمایاں کے بیانوں کا مجمع و مآب ہوتا تھا۔ اور اس میں قومی زندگی کی تصویر کا تیرہ و تاریک رخ نمودار ہوتا تھا جو پردہ کے اندر ہی رہتا تھا۔ لیکن اس زمانہ میں برعکس حال ہے کہ والیان ملک کی بہبودی کی نسبت قومی بہبودی پر اور سوسائٹی کی بہبودی کے واقعات پر مورخین زیادہ متوجہ ہوئے ہیں پس جس بات کا جاننا ناگزیر ہے وہ قوم کی خصوصیات اور عادات اور اوضاع و اطوار کی تاریخ ہیں۔ ہم کو ان تمام واقعات کا جاننا ضرور ہے جو اس امر کے سمجھنے میں اعانت کرتے ہیں کہ قوم نے کس طرح ترقی کی اور کس طور سے قوم بن گئی۔ بیشک ان واقعات کے ضمن میں ہم کو قوم کی فرماں روائی کا حال بھی معلوم کرنا چاہئے اور اس میں حتی الامکان اراکین سلطنت کے باب میں گپیں اور بے سروپا باتیں کم ہونی چاہئیں۔ اور زیادہ تر بیان ان باتوں کا ہونا چاہئے کہ سلطنت کی بنیاد کیونکر جمی اس کے اصول و طریقے و تعصبات کیا تھے۔ عمال اور اہلکار کیا کیا شرارتیں کرتے تھے رشوت ستانیاں کیونکر کرتے تھے اور اس بیان میں سنٹرل (مرکزی) گورنمنٹ نے حقیقت حال اور اور اقبال کے سوائے اس کی لوکل گورنمنٹوں کا اور اس کے چھوٹے چھوٹے فروع کا بیان بھی ہونا پھر اس کے ساتھ چرچ (کلیسا) کی حکومت کا نظم و نسق اور ان کے دستوروں کا بیان بھی ہونا چاہئے۔ مذہبی رسوم و خیالات و عقائد کا ذکر ہونا چاہئے۔ یہ رسوم اور خیالات صرف وہی نہ بیان ہوں جو برائے نام لوگ مانتے ہوں بلکہ وہ بھی جن سے لوگ درحقیقت عقیدت رکھتے ہوں اور ان پر عمل کرتے ہوں۔ اس بات سے مطلع کرنا چاہئے۔ سوسائٹی کے آداب و القاب و طرز خطاب و سلام سے وہ اقتدار کیا ظاہر ہوتا ہے جو ایک گروہ دوسرے گروہ پر رکھتا تھا۔ ان کے سوا وہ دستور بتانے چاہئیں جو عوام الناس کے اندرونی اور بیرونی طرز معاشرت میں رونما ہوتے تھے۔ زن و شوہر اولاد و والدین کی باہم رشتہ مندیوں میں کیا دستور برتے جاتے تھے۔ مشاہیر کی کون کون سی کہانیاں مشہور تھیں۔ کون سے معمولی منتر و ٹوٹکے مروج تھے۔ توہمات مذہبی کیا کیا تھے

صنعت و حرفت کا نقشہ کھینچنا چاہیئے جس سے یہ معلوم ہو کہ محنت کی تقسیم کس قدر کی گئی تھی۔ تجارت کا
انتظام بتانا چاہیئے کہ اس شے کے واسطے کون کون سی ذاتیں و جماعتیں مخصوص تھیں اور آمد و رفت کے
وسائل کیا کیا تھے داد و ستد میں روپیہ کا چلن و بیوہار کس طرح ہوتا تھا۔ دستکاری کے فنون
کا بیان بحیثیت فن اور مصنوعات کے صنعت و نوعیت کا بیان کرنا چاہیئے۔ ان کے سوائے قوم
کے مختلف درجوں کی عقل و ذہانت کی تصویر اتارنی چاہیئے اس میں سوائے اس بیان کے کہ
کس قسم کی اور کتنی تعلیم دی جاتی تھی یہ ذکر بھی کرنا چاہیئے کہ سائنس کی کس قدر ترقی ہوئی تھی
اور لوگوں کے خیالات کا رجحان کس جانب تھا۔ یہ بھی بیان کرنا ضروری ہے کہ فن تعمیر۔ سنگ تراشی
مصوری۔ لباس۔ موسیقی۔ شاعری۔ افسانہ طرازی کی تربیت جو علم ساخت سے تعلق رکھتے
ہیں ہوتی تھی۔ لوگوں کی روزمرہ معاشرت۔ ان کی خوراک۔ مکان تفریح طبع کے اشغال کا
بیان بھی قلم انداز نہ ہونا چاہیئے۔ اور ان سب بیانات کے سلسلہ میں لوگوں کے قوانین۔ عادات
ضرب الامثال اور افعال سے کل جماعتوں کے جو خیال اور عملی آداب اور اخلاق ظاہر ہوں ان کو
بھی دکھانا چاہیئے۔ پھر ان واقعات کو اس خوش اسلوبی سے جمع کرنا چاہیئے کہ وہ بحیثیت مجموعی
اس طرح سمجھ میں آئیں کہ وہ ایک کل کے پرزے ہیں جن کو قدرت نے ایک دوسرے کے
ساتھ جوڑ اور آراستہ کر دیا ہے اور پھر ان کا مختصر بیان اس صحت و صفائی سے ہو کہ لوگ
ان کی باہمی مناسبت کا جلدی سراغ لگالیں کہ ان میں کون کون سے واقعات تمدنی لازم و
ملزوم ہیں۔ پھر از منۂ آیندہ کے واقعات کا مرقع اس طرح کھینچنا چاہیئے کہ جس سے صاف ظاہر
ہو جائے۔ ہر ایک اعتقاد۔ آئین رسم و رواج اور انتظام میں کس طرح تغیر و تبدل ہوگا اور
پہلے پیکر افعال کی مناسبت ترقی کر کے پچھلے پیکر افعال کی صورت کیونکر بنائیگی۔ زمانہ سلف کے
متعلق بھی معلومات اس قسم کی ہیں جو شہر کے باشندے کے لئے چال چلن کی ہدایت کر سکتی ہیں یا
خلاصہ یہ ہے کہ اسی تاریخ کی عملی قدر و منزلت ہے کہ جس میں علم معاشرت و تمدن کو بہ توضیح و تفصیل
بیان کیا ہو اور مورخ کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ قوموں کی سوانح عمری اس طرح بیان کرے کہ
ان کی تمدنی معاشرت کے باہمی مقابلہ کا سامان بہم پہونچ سکے تاکہ آیندہ زمانہ کے لئے ان
قطعی قوانین کا تصفیہ ہو جاوے جن کے مطابق تمدنی واقعات پیش آتے ہیں۔ اگر بالفرض ایسی

معلومات کا ذخیرہ تاریخ میں جمع بھی ہو جاوے تو جب تک اس کی کنجی ہمارے پاس نہ ہو تو وہ
نسبتاً کم مفید ہوتا ہے۔ اس کی کنجی صرف سائنس ہے۔ اگر بیالوجی (علم طبیعات) اور سائی
کالوجی (علم نفس ناطقہ) کے اصول عائد نہوں تو امور معاشرت کی معقول تشریح ناممکن ہے
جیسے فطرت انسانی کے تھوڑے بہت نتیجے اناڑی آدمی بھی جانتے ہیں ایسے ہی تمدن کے
وہ آسان آسان واقعات کو بھی جان سکتے ہیں۔ جیسے کہ طلب و رسد کے باہمی تعلق کو علم المعاشرت
کی نہایت ابتدائی باتیں بھی جب نہیں سمجھ میں آسکتیں کہ کسی قدر یہ علم نہو کہ عموماً لوگوں کے
خیال و احساس و فعل کس طرح عمل کرتے ہیں۔ تو علم المعاشرت کا وسیع علم اس وقت تک
حاصل ہی نہیں ہو سکتا کہ انسان اور اس کے کل جسمانی اور عقلی قوتوں کا کافی علم نہو۔ اگر مجرد
عقلی حیثیت سے غور کی جاوے تو یہ نتیجہ بالکل بدیہی ہے افراد کے مجموعی کا نام قوم ہے۔ قوم
میں جو کچھ ہوتا ہے وہ افراد کے شترک سے ہوتا ہے اس وجہ سے قومی امور کا عقدہ صرف
افراد کے افعال سے حل ہوتا ہے لیکن افراد کے افعال ان کی فطرت کے قوانین پر منحصر ہیں۔
جب تک یہ قوانین سمجھ میں نہ آئیں تو ان کے افعال سمجھ میں نہیں آسکتے۔ جب یہ قوانین سلیس
عبارت میں بیان کئے جائیں تو یہ ثابت ہوگا کہ وہ عموماً جسم اور نفس ناطقہ کے قوانین کا حاصل
ہے پس اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علم معاشرت کی توضیح و تشریح کے لئے بیالوجی اور سائی کالوجی نہایت
ضروری ہیں۔ ان نتائج کا بیان زیادہ سلیس یہ ہے کہ زندگی کے واقعات کل سوسائٹی کے واقعات
ہیں ضرور ہے کہ قوانین زندگی کے موافق زندگی کے نہایت پیچیدہ مظاہر ظاہر ہوں۔ اور یہ ایسے
اسی وقت سمجھ میں آسکتے ہیں کہ زندگی کے قوانین سمجھ میں آئیں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ تاریخ کا
مدار سائنس پر ہے۔

ایک انگریزی لفظ آئی ڈیل اور دوسرا لفظ اس کے مقابل پریکٹی کل ہے پہلے لفظ کے معنی
ایک چیز کی تکمیل کے خیال کے ہیں جو کبھی پورا عمل میں نہ آسکے۔ دوسرے لفظ کے معنی عملی کے ہیں
جو عمل میں آسکے۔ کارلائل اور ہربرٹ سپنسر نے علم تاریخ کی تعریف اور مورخین کے فرائض جو بیان
کئے ہیں وہ زیادہ آئی ڈیل اور کمتر پریکٹی کل ہیں خود ان کے بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یورپ میں
تاریخیں اور مورخ ناقص زیادہ تر ہیں اور کامل شاذ و نادر (النادر کالمعدوم) پس جب یورپ

ہیں تواریخ اور مورخین کا یہ حال ہو تو ہندوستان میں ان کی آئی ڈیل تواریخ و مورخین کا موجود
ہونا کیسا دشوار ہے۔ ہمارے بزرگان سلف نے تاریخیں اپنے زمانہ کے مذاق کے موافق لکھی ہیں
اور وہ اب تک ہمارے مذاق کے موافق چلی جاتی ہیں ہم ان سے وہی فائدے اٹھا سکتے ہیں
جو اہل یورپ اپنی تواریخ سے۔ جو کچھ میں نے مشرقی مورخین کے اقوال تواریخ و مورخین کے باب
میں چیدہ چیدہ بیان کئے ہیں ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ علم تاریخ معرفت ہے احوال اقوام کی۔
ان کے بلدان کی۔ ان کے رسوم و عادات و انساب کی۔ صنائع اشخاص کی۔ نتیج آدمیوں کی۔ حدوث
امر کی جو شائع نظور بلت سے وحالات آثار علویہ سے اور حوادث سفلیہ سے ہو۔ الیٰ غیر ذالک۔ علم
تاریخ کا موضوع ہے احوال اشخاص ماضیہ انبیا و اولیا علما و حکما و ملوک و شعرا وغیرہم۔ علم تاریخ کی
غرض احوال ماضیہ پر مطلع ہونا۔ علم تاریخ کا فائدہ احوال ماضیہ سے عبرت پکڑنی اور نصیحت لینی اور
ملکہ تجارب حاصل کرنا جو موقوف اُن نقلیات زمانہ پر ہو جن کے سبب سے ان افعال کی نقل سے احتراز
ہو جن سے مضرتیں پہونچیں اور ان نظائر کی نقل کی طرف جلب ہو جن سے منافع ہوں۔ فقط

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جس طور سے سورج کو دھوپ سے اور چاند کو چاندنی سے اور اصل کو فرع سے جدا نہیں کر سکتے اسیطرح عرب کو کسی سلطنت اسلامیہ سے علیحدہ نہیں کر سکتے جب عرب اسلام کا مبدء ہی اور اُسکے عروج اور اقبال کا ماخذ ہی تو ہر سلطنت اسلامیہ کی ابتدا اُسی سے ہوگی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ہند کی تاریخ سلطنت اسلامیہ تحریر کریں اور عرب کو اسکی بسم اللہ نہ بنائیں۔ اول دو باب عرب کے حال میں لکھے ہیں۔ پہلے باب میں زمانہ جاہلیت یعنی قبل از اسلام کا حال لکھا ہی۔ دوسرے باب میں یہ لکھا ہی کہ اہل عرب کی کل سلطنت دنیا کے کن کن ملکوں میں قایم ہوئی اور پھر اُسکے حصے کس طرح منقسم ہوئے اور وہ عرب کی حکومت سے آزاد ہو کر خود مختار ہوئے اور انمیں خلفا اور سلاطین کے کن کن خاندانوں نے سلطنت کی اور انکی شاخیں کہاں کہاں پھیلیں جس طرح اس تمہید میں سلطنت اسلامیہ کی بہار کو دکھلایا ہی اسیطرح خاتمہ میں اُسکی خزاں کی سیر دکھائی ہی کہ اس زمانہ میں اسلامی سلطنتوں کا زوال کیسا آگیا ہی اور آیندہ آتا جاتا ہی اور اب مسلمانوں کی کہاں کہاں فرمانروائی ہی اور کیا اُن کا حال ہی اور وہ کن کشمکشوں اور مخمصوں میں مبتلا ہی۔ یہ تمہید و خاتمہ نہایت مختصر و مجمل لکھے ہیں مگر ہند کی سلطنت اسلامیہ کا حال از ابتدا تا انتہا بہت مفصل لکھا ہی۔

باب اوّل

زمانہ جاہلیت یعنی قبل از اسلام حال عرب کا

(قبل از اسلام اہل عرب خدا اور رسول اور شریعت سے جاہل تھے اسلئے قبل از اسلام اہل عرب پر جو زمانہ گذرا ہی اُسکو زمانہ جاہلیت کہتے ہیں) ہندوستان سے ملک عرب وسعت میں کچھ تھوڑا ہی کم ہوگا۔ اُسکی شکل بھی ہندوستان سے ملتی جلتی ہی اُسکو بھی مثلث نما بتلاتے ہیں اور اُسکا ایک زاویہ قائمہ باب المندب ٹھہراتے ہیں مگر حقیقت میں نہ ہندوستان کی نہ عرب کی صورت مثلث نما ہی۔ ہمارا ہندوستان تو ایسی ہیکل کی شکل ہے جس کا سر کٹا ہوا اور پیٹا پیچھی سے بائیں طرف جھک کر ملا ہوا ہو۔ اور عرب ایک بے قاعدہ متوازی الاضلاع کی شکل کا ہی۔ ایران

کیطرف جو اس کا عمان کا حصّہ ہی اسے دور کر دو تو باقی حصّہ خاصہ مستطیل بنجاتا ہی۔

عرب ایک جزیرہ نما ہی یعنی جسکے تین طرف پانی ہی اور ایک طرف خشکی۔ مشرق میں اسکے خلیج فارس اور بحر عمان۔ جنوب میں بحر عرب۔ مغرب میں بحر قلزم یا بحر احمر۔ شمال میں ملک شام۔ اسکو یہ ملک گھیرے ہوئے ہیں ایران مصر یا شام مصر افریقہ اور حبش ۱۲ ۴۰ اور ۳۴ ۵ شمالی بلد اور ۳۲ ۴۰ و ۶۰ شرقی طول بلد کے درمیان واقع ہی۔ اسکے رقبہ کا تخمینہ ۱۰۲۷۹۳۸ مربع میل کیا گیا ہی۔ عرض سے طول دوگنا ہی۔ زیادہ سے زیادہ طول ۱۵ سو میل ہی۔ تخمیناً پانچ یا ایک کروڑ آدمیوں کی آبادی اسمیں بتاتے ہیں۔ اس جزیرہ نما عرب کو جزیرۃ العرب بھی کہتے ہیں۔

عرب کی وجہ تسمیہ میں بہت کچھ محققین نے خامہ فرسائی کی ہی مگر کوئی امر متفق نہیں ہوا۔ عربا کے معنی عبرانی زبان میں ہموار بیابان کے ہیں۔ لغت عرب میں عرب ایک خاص قوم کا نام ہی جو عجم نہو۔ عوابہ کے معنی گندم گون کے ہیں۔ غرض ایسی وجوہ بیان کرکے عرب کی وجہ تسمیہ بیان کیجاتی ہی۔

اس ملک میں بیابانوں ریگستانوں و کوہستانوں کی عجیب بہار ہی۔ تاتار کے بیابانوں میں تو کہیں کہیں دست قدرت نے ایک بلند درخت اور سبز جھاڑی بوٹی لگا دی ہی جب انمیں تھکا ماندہ مسافر منزل پہنچا ہوتا ہی تو ان نباتات کے سایہ کو بہت غنیمت جانتا ہی اور وہ انسے متمتع ہوتا ہی۔ مگر ملک عرب کے بیابان تو وہ ہموار ریگستان میدان ہیں کہ جنمیں پہاڑ ننگے کھڑے ہیں اور ان پہاڑوں پر بھی کہیں سبزہ زار نہیں۔ پھر ان صحراؤں میں نہ درختوں کا سایہ ہی نہ کوئی اور پناہ کی جگہ ہے آفتاب کی شعاعیں سیدھی اور تیز پڑتی ہیں جو خط استوا کے اقالیم میں پڑا کرتی ہیں۔ بھلا ایسے مقام میں نسیم کا نشان کہاں اسکی جگہ پچھم و دکن کیطرف سے بادصرصر کے طوفان آتے ہیں جو مہلک بخارات اپنے ہمراہ لاتے ہیں۔ ریگستانوں کو نچلا بیٹھنے نہیں دیتے۔ انمیں سمندر کا سا تلاطم مچاتے ہیں۔ ریگ کے تودے کے تودے ادھر سے ادھر ایسے لہراتے ہیں کہ جیسے بحر میں طوفان کے اندر پانی کی لہریں لہراتی ہیں انکے اندر بگولوں میں قافلے کے قافلے غائب ہوجاتے ہیں۔ فوجیں کی فوجیں دبکر دفن ہوجاتی ہیں پانی وہاں ایسا نایاب ہی کہ جسکے لیئے انسان بیتاب رہتا ہی جب ملجاتا ہی تو اُسکے پینے پلانے اور فائدہ اُٹھانے پر ایک فساد برپا ہوجاتا ہی۔ پانی کیساتھ آگ کی بھی قلت ہی۔ لکڑی کا کال رہتا ہی۔ آگ کا سلگانا اور اس کو دیر تک قائم رکھنا بڑے ہنر اور سلیقہ کا کام گنا جاتا ہی۔ عرب کی سرزمین ایسے دریاؤں سے خالی ہی کہ جنمیں جہاز رانی ہوسکے اور وہ زمین کو سرسبز و شاداب کریں۔ اور قرب و جوار کے ملکوں کے اندر ملک کی پیداوار کو لیجانے کے لئے وہ راہیں بنائی جائیں زمین وہاں کی ہمیشہ تپتی رہتی ہی اسلئے ایسی پیاسی رہتی ہی کہ جو پہاڑوں سے نال اور ندیوں پانی کی بہکر آتی ہیں انکو نوش جان کرکے ایسے ہضم کرجاتی ہی کہ ڈکار بھی نہیں لیتی۔ کھجور کے جھنڈ اور ببولوں کے درخت نہایت

(مہ)

پہاڑوں کی چٹانوں میں اپنی جڑیں جمانے ہیں۔ رات کی اوس اُن کو پال پوس کر بڑا کرتی ہے۔ مینھ گاہی گاہی برستا ہے تو مینھ کا پانی حوضوں اور نالیوں میں بھر لیا جاتا ہے۔ ریگستان میں کنوؤں اور چشموں کا پانا گویا جنگل میں ایک مخفی گنج دولت کا پانا سمجھا جاتا تھا۔ حاجی جو مکہ کو حج کرنے جاتے تھے اُن کو بڑی کڑی منزلیں خشک و گرم میدانوں میں طے کرنی پڑتی تھیں جب ان کو شور زمین کا آب رواں تلخ و بدمزہ پینا پڑتا تھا تو انکی طبیعت کو نہایت ناگوار ہوتا تھا۔ قاہرہ سے مکہ تک پندرہ منزلیں ہوتی تھیں جنہیں گیارہ منزلوں میں ملتا تھا۔ غرض ملک عرب کے اکثر حصوں کی آب وہوا کا یہ حال تھا گو بعض مقامات ان میں سے مستثنیٰ بھی تھے۔

قاعدہ ہے کہ جہاں محنت مشقت تکلیف مصیبت کی کثرت ہوتی ہے وہاں تھوڑے سے آرام کی بھی نہایت قدر ہوتی ہے اور جہاں کچھ بھی آرام ملتا ہے وہ بہت آرام سمجھا جاتا ہے۔ جب ملک عرب کا یہ حال تھا کہ اسکی آب وہوا روح پرور کمتر اور صرصر کا طوفان سر پر اکثر۔ اُدھر ہوا آتش فشاں ہوتی تھی اِدھر پانی اپنا پتا نہ بتاتا تھا۔ لکڑیاں جلانے کیلئے سوکھا جواب دیتی تھیں۔ آتش آب نمک (سراب) جان لینے کیلئے بلاتے تھے کانٹے دار ٹیلے چلنے کو سدراہ ہوتے تھے۔ سبز کھیتی اور سایہ دار درخت شاذ و نادر ہوتے تھے۔ جہاں یہ تکلیفیں ہوں۔ وہاں کے باشندے ایسے مقامات کی قدر حد سے زیادہ کیوں نہ کریں اور وہاں سکونت کیوں نہ اختیار کریں جہاں سایہ دار درختوں کے جھنڈ ہوں چراگاہ و سبزہ موجود ہوں۔ برسات کا پانی یا کوئی چشمہ وہاں وال ہو پس اہل عرب ایسے مقامات کی تلاش میں رہتے تھے جہاں وہ ان کو ملگئے وہاں انکے قبیلے کے قبیلے چلے جاتے تھے اپنے دنبے بکریوں کے گلے اور اونٹوں اور گھوڑوں کو ساتھ لے آتے تھے اور ان کو چرا کر تازہ دم و توانا کرتے تھے اور خرما اور انگور کی زراعت سے اپنی محنت کا ثمرہ پاتے تھے۔ ملک عرب میں جو سرزمین مرتفع بحر ہند کے ساحل پر واقع ہے وہ سارے ملک میں ممتاز و سرفراز اس بات میں تھی کہ وہاں پانی اور لکڑی کی افراط تھی۔ ہوا میں اعتدال رہتا تھا۔ میوے میٹھے بامزہ ہوتے تھے جانوروں اور انسانوں کی وہاں کثرت تھی۔ زمین کی شادابی اور زرخیزی کاشتکار کو پکار پکار کے بلاتی تھی کہ یہاں آؤ اور مجھ میں زراعت کرکے اپنی ریاضت کا ثمرہ پاؤ اور اسکا مزہ اٹھاؤ۔ یہاں زراعت کا سامان یہ تھا تجارت کیصورت یہ تھی کہ قہوہ نافہ اور لوبان معطرہ ساری دنیا کے تاجروں کو ہر زمانہ میں اپنی طرف رغبت دلاتا رہا ہے۔ تاجر ہمیشہ اس کی طرف بطیب خاطر التفات کرتے رہے ہیں۔ ساری عبادتگاہوں کو لوبان معطر کرتا تھا پھر ایسی عمدہ چیز پر کیوں نہ تاجر دوڑتے آئیں۔ یہاں کے مسالح کا خوشبودار ہونا ضرب المثل کے طور پر دور دور مشہور تھا۔ کتب مقدسہ میں انکا ذکر بہت آتا ہے شعروں میں انکی تشبیہات موجود ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے کہ ان خوشبوؤں سے سمندر سے دور ہو کر اپنی موجوں کو کوسوں تک تقسیم کرتے ہیں۔ ملک عرب میں بقول اسکے تمام اور حصوں سے ایسا جدا ہے کہ اگر ہم اس کو فردوس عرب کہیں تو بجا ہے۔ شاعروں نے تو اپنے

خیالات اور تصورات کی رنگ آمیزی سے اسکو فردوس بنا کر دیا کہ ؎ اگر فردوس بر روی زمین ست ہمین ست و ہمین ست و ہمین ست۔ اس خطہ کو خدا تعالی نے عجیب عجیب نعمتیں اور اپنے ید قدرت سے عجیب عجیب صنعت کے کام ایسے کیئے ہیں عیش عشرت و عصمت ایسے راگ ہیں کہ جنکے سُر کبھی نہیں ملتے۔ مگر یہاں ان کو ملا دیا ہے۔ زمین کا پیٹ زر و جواہر سے بھر دیا۔ بحر و بر کی ہوائے معطر یہاں سے ایسی اُٹھائی کہ قوت شامہ کو عطر آگیں کرتی تھی۔

یونانیوں اور رومیوں کو خوب معلوم تھا کہ ملک عرب کا ایک حصہ سنگلاخ و کوہستان ہے۔ دوسرا بیابان و ریگستان تیسرا حصہ سرسبز و شادمان۔ انہوں نے اسیطرح ملک عرب کی تقسیم تین حصوں میں کردی۔ بطلیموس نے اپنے جغرافیہ میں عرب کے یہ تین حصے کیئے۔ عرب الحجر۔ عرب الوادی۔ عرب المعمور۔ مگر اس تقسیم کو اہل عرب نہیں مانتے وہ صحیح بھی نہیں ہے۔ اہل عرب نے اپنے ملک کی تقسیم و تحدید خود نہیں کی۔ تعجب ہے کہ جس ملک کے باشندوں کی زبان ایک ہو اور وہ خود بھی ایک ہوں وہ اپنی سرزمین کی تقسیم قدیم کی نشانیاں اور علامتیں ذرا بھی نہ مقرر کریں۔ عربی جغرافیوں میں ملک عرب کی تقسیم ان پانچ حصوں میں لکھی ہے۔ تہامہ۔ حجاز۔ نجد۔ عروض۔ یمن۔ یمن کا نام یورپ کے ملکوں میں فیلکس رکھا گیا ہے۔

کچھ پہلے زمانہ میں عرب کی ماند و بود کی یہ کیفیت تھی کہ خلیج فارس اور بحر ہند اور بحر قلزم کے کنارہ پر مچھلی کا شکار کر کے اپنے پیٹ کو پالتے تھے۔ مچھلیوں کے آسرے پر جیتے تھے۔ ساحل بحر پر اس شکار کی تلاش میں خوار پھرتے تھے۔ شکار کا ہاتھ آنا کچھ شکاری کے اختیار میں تو ہوتا نہیں۔ کبھی اتنا ہاتھ آگیا کہ پیٹ بھر گیا اور بچ رہا۔ کبھی اتنا بھی نہ ہاتھ آیا کہ پورا پڑتا یہ ابتدائی ماہی خوری کی حالت ایسی ذلیل و خوار تھی کہ اسکو تمدن انسانی کہنا ننگ نوع بشر ہے۔ ان وحشی انسانوں میں گو مردم خوری نہ تھی مگر نہ ان کو کوئی فن آتا تھا نہ کوئی قانون دائمی جاری تھا۔ عقل و زبان کے پیرایہ سے بھی معرا تھے۔ انکی اور بہائم کی حالت ایسی یکساں تھی کہ ان میں تمیز کرنا بھی دشوار تھا۔ معلوم نہیں کہ ان مچھلیوں کے صیادوں نے انکو ساحل بحر کے تنگ قیدخانہ میں کب تک قید رکھا۔ اور انکو ایسا اپنی زمین میں دبا رکھا کہ نہ ابھرنے کی اجازت دی نہ آگے چلنے کی اتنے قرن انکے بہائم صفتی میں گذر گئے جسکو اب زمانہ یاد نہیں رکھتا۔ بیابان بھی ان وحشیوں کے پاس ایسے نہ تھے کہ ان کے شکار سے مدت تک گذارہ ہو سکتا۔ قاعدہ ہے کہ بیابان میں جب ہی تک شکاریوں کا گذارہ ہو سکتا ہے کہ پیٹ بھر کر شکار انہیں ملے پس جب ان بیابانوں میں بھی انکا گذارہ مشکل ہوا تو بہت زمانہ اسپر گذر چکا ہے کہ انہوں نے اپنے تئیں اس پستی سے ابھارا انہوں نے چرواہے ہونیکا پیشہ اختیار کیا۔ یہ پیشہ بڑا میمون اور وافر ہے سارے ریگستانی بیابانوں کے اقوام خانہ بدوش اسی پیشہ سے اپنی اوقات بسر کرتی تھیں۔ زمانہ حال میں بدوؤں کی صورت و بشرہ انکے بزرگوں کے پیشہ شبانی کی شہادت دیتا ہے۔ وہ حضرت موسیٰ اور آنحضرت علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں ایک ہی طرح رہتے تھے۔ وہی انکے

چھڑی کے خیمے بدؤوں کے خرگاہیں رہنے کیلئے تھیں دُنبوں اور بکریوں کے گلے اور اونٹ اپنے قبیلے کے ساتھ لیئے پھرتے تھے جہاں پانی کا
چشمہ اور جانوروں کا چارہ اور اپنا گذارہ دیکھا وہیں ڈیرے ڈالدیئے تنبو تان لیئے آسمان کے تلے بسیرا لینے لگے۔

قاعدہ ہے کہ جب سودمند اور بکارآمد جانور انسان کے قابو اور بس میں آجاتے ہیں تو انسان کی محنت کرنے اور دولت
بڑھانے میں وہ بڑے ممد و معاون ہوتے ہیں۔ پس ان عرب کے چرواہوں کو گھوڑا جو ایک وفادار دوست کا کام دیتا تھا۔ اور اونٹ
جو جفاکش غلام کی سی خدمت کرتا تھا ایسے بس میں آگئے کہ انکی باگ و نکیل کو ہاتھ میں لیکر جہاں چاہیں انکو لیئے پھریں اور
جو خدمت چاہیں انسے لیں علم حیوانات کے جو عالم ہیں انکی یہ رائے ہے کہ گھوڑے نے سب سے پہلے ملک عرب میں جنم لیا ہے۔ اس
شریف نجیب جانور کے لیئے قدرت نے یہیں کی آب و ہوا کو پیدا کیا تھا گو اسکے قد و قامت کو وہ چنداں بلند نہیں کرتی مگر
تیزی و چستی و چالاکی شتاب روی وہ پیدا کرتی ہے کہ جسکا جواب دنیا میں نہیں۔

اسپانیہ۔ انگلستان کے گھوڑوں کی نسل میں جو خوبیاں پیدا ہوئی ہیں وہ ان عربی گھوڑوں ہی کے تناسل کا طفیل اسپ
ہے۔ شریف و نجیب گھوڑوں کی نسل کا باقی رکھنا بدؤوں کا ایمان ہے۔ اور جسطرح انسان اپنی شرافت کو ایسا یاد نہیں رکھتا جیسا
بدو ان گھوڑوں کی نسل کی نجابت کو یاد رکھتا ہے وہ نر کو فروخت کر ڈالتا ہے مگر مادہ کو جان کے برابر رکھتا ہے مشکل سے اسے
جدا کرتا ہے جب کوئی نجیب گھوڑی بچھیرا دیتی ہے تو اسکی خوشی کی مبارک سلامت آپس میں شادی کی سی ہوتی ہے۔ بدو اپنے
خیموں میں گھوڑوں کی تعلیم و تربیت اپنی اولاد کیطرح کرتے ہیں۔ اور انسے محبت بھی اپنی اولاد سے کم نہیں کرتے اسی سبب سے
گھوڑوں کو انسے موانست کی عادت ہو جاتی ہے۔ وہ راہوار اور سرپٹ دوڑنے کے مشاق ہوتے ہیں۔ سوار مہمیز اور تازیانہ
کے متواتر مارنے سے انکے حواس کو کند نہیں کرتا بلکہ ان دو چیزوں کو اسوقت کیلیئے اٹھا رکھتا ہے کہ اس کو خود بھاگنا
ہوتا ہے یا کسی کے تعاقب میں جانا ہوتا ہے۔ ایسے وقتوں میں جب تازیانہ کا ہاتھ لگاتا اور ایڑ مارتا ہے تو گھوڑوں کو بادپا
بنا دیتا ہے اگر کہیں سوار اسکا پیٹھ سے جدا ہو کر گر جاتا ہے تو وہ گھوڑا اس اپنے دوست کے انتظار میں کھڑا ہو جاتا ہے جب وہ
اپنے ہوش و حواس ٹھیک کر کے پھر سوار ہوتا ہے تو وہ آگے قدم اٹھاتا ہے۔

عرب اور افریقہ کو خدا نے بڑا شرف دیا ہے کہ انہیں اونٹ کو پیدا کیا ہے۔ یہ جانور کیا صابر حلیم ہے کیسی گرمی کی شدت اونٹ
تشنگی گرسنگی کا متحمل ہوتا ہے۔ کئی کئی روز تک بے آب و دانہ و چارہ کے کڑی کڑی منزلیں طے کرتا جاتا ہے۔ ع بیچارہ
خار میخورد و بار میکشد۔ اسکے پانچویں اوجھ میں ایک بڑا کیسہ ہوتا ہے وہ تازہ پانی سے بھرا رکھتا ہے۔ اونٹ کے جسم کی ساخت ایسی
ہی ہے کہ گویا اسپر عبارت کندہ ہے کہ لے انسان اپنا خدمتگذار بنا لے وہ اطاعت کیلیئے سیطرح حاضر ہے۔ اونچی نسل کا
اونٹ ساڑھے بارہ من بوجھ پیٹھ پر لاد لیجاتا ہے۔ اور سانڈنی سبک اندام اور چالاک گھوڑ دوڑ کے تیز گھوڑوں

سے آگے نکل جاتی ہے۔ اونٹ اگر ان ملکوں میں نہوتا تو وہاں کے باشندوں کا رشتہ معیشت ہی ٹوٹ جاتا۔ دودھ اسکا بکثرت ہوتا ہے اور مقوی بھی ہوتا ہے۔ وہی اہل عرب کی سب سے زیادہ عمدہ غذا تھی۔ اسکے بچہ کا ملایم گوشت گائے کے بچھڑے کے گوشت سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ پیشاب اسکا بیش بہا نمک کی کان ہوتا ہے۔ مینگنیاں اسکی جلانے کے کام میں آتی ہیں لمبی پشم اسکی ہر سال گرتی ہے اور اندر سے نرم بھی ہے اسکو عورتیں نرم کر اور کات کر اور بنکر لباس اور خیمے اور اسباب گھر کی بناتی ہیں۔ غرض اس پشم کو عربوں کے خانمان آباد کرنے میں بڑا دخل ہے۔ اگر مینہ کے برسنے سے کہیں کہیں جنگل میں نباتات کا نمونہ ہو جاتا تھا تو انکو بدو کھا لیتے۔ موسم گرما کی شدت حرارت اور موسم سرما کی قلت حرارت میں ساحل بحر یا یمن کے پہاڑ یا دریائے فرات کے قریب صحرا میں وہ اپنے خیموں کو لیجاتے تھے۔ اکثر وہ رود نیل کے کنارہ پر اور شام اور فلسطین کے مواضع میں بڑے بڑے خطرے اٹھا کر وہاں رہنے کی اجازت بالجبر حاصل کرتے تھے۔ ایک خانہ بدوش بدو کو بعض اوقات غارتگری یا تجارت اپنی محنت کا ثمرہ ملجاتا تھا مگر پھر بھی اسطرح زندگی بسر کرنا سخت جفاکشی کا خطرناک تھا۔ بدوؤں کا وہ امیر متکبر جو ہزار سوار میدان جنگ میں لیجا سکتا تھا وہ عیش و آرام نہیں پاتا تھا جو ادنی امیر فرنگستان کا پاتا ہے۔

عرب کے قبائل کیا تو خانہ بدوش پڑے پھرتے تھے یا بہت سے مجتمع ہو کر قصبات اور دیہات آباد کرتے تھے اور تجارت و فلاحت کے کاموں کو کرتے تھے۔ مویشی کی پرورش میں سخت محنت اٹھاتے تھے۔ اور اپنے وقت کا ایک حصہ اس میں صرف کرتے تھے۔ صلح و جنگ کے وقت وہ اپنے ریگستانی بھائیوں کے ساتھ شریک ہو جاتے تھے یوں بدوؤں میں آپس میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری تھا۔ جنوب یا یمن و دین ہمسایہ کی قوموں کیساتھ ہوتا تھا انسے بعض حاجتیں بھی روا ہو جاتی تھیں علوم و فنون کی الف بے تے کا بھی کوئی سبق پڑھ لیتے تھے۔ ابوالفدا نے عرب میں بیالیس شہر شمار کئے تھے ان میں نہایت قدیمی اور آباد ملک یمن اندوزمین میں واقع تھے۔

عرب کے شہر اور بازار وغیرہ

شہر صنعا کے برج عالیشان اور عمارت کے حوض تعجب خیز اور حیرت افزا حمیر کے بادشاہوں کے بنائے تھے۔ جو صنائع معماری کو آراستہ تھی۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ نے ان دونوں شہروں کے زیب و زینت کے آفتاب کو کسوف لگا دیا۔ یہ کیوں نہوتا وہ بادشاہوں کے بنائے ہوئے یہ نبیوں کے بنائے تھے۔ کہاں بادشاہ کہاں نبی۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ مکہ معظمہ و مدینہ منورہ میں (۲۷۰) میل کا فاصلہ ہے۔ اور دونوں شہر بحر قلزم کے نزدیک ہیں۔ ان مقدس شہروں میں سے یونانیوں نے مکہ کا نام البیار رکھا تھا جسکے معنی اس شہر کی عظمت و شوکت کو ظاہر کرتے تھے۔ یہ شہر اپنے عروج کے زمانہ میں بھی مانند پیداوار سے خالی تھا۔ یہ شہر ایسی جگہ آباد ہے جہاں کوئی توقع سود اور بہبودی کی نہیں ہو سکتی۔ بانیان شہر نے کوئی مبارک شگون سوچا اور اپنی مصلحت سمجھ کر اسکی بنیاد ڈالی ہوگی اسمیں مٹی اور پتھر کے مکانات دو میل طویل اور ایک میل چوڑی

جگہیں بنے ہوئے تھے۔ یہ جگہ ایسی دامن کوہ میں واقع تھی کہ جن پر نباتات نے اگنے کی قسم کھائی تھی۔ زمین پتھریلا پانی کھاری یہاں تک کہ آب متبرکہ چاہ زمزم بھی شیرینی سے خالی تھا۔ سبزہ چراگاہ شہر سے دور فاصلہ پر۔ طائف یہاں سے ستر میل کے فاصلہ پر تھا جہاں کے انگور یہاں بکنے آتے تھے۔ اس شہر کی حکمران قوم قریش تھی جو اور قوموں میں ممتاز اور نامور تھی۔ کل عرب میں انکی شجاعت کی دھوم تھی۔ قوم قریش کے پاس یہاں کی زمین ایسی تھی بعض تھی کہ خواہ اسکے بونے جوتنے میں کوئی جان ہی کیوں نہ کھپاوے لیکن وہ ایک دانہ بھی اسکو نہ دیوے۔ مگر یہاں اپنے اقامت گزینوں کو تجارت سے فائدہ پہنچاتی تھی۔

جدہ کا بندرگاہ اس سے چالیس ۴۰ میل فاصلہ پر تھا۔ اسکے توسط سے ملک حبش کیساتھ سلسلہ آمد و رفت بآسانی جاری تھا۔ افریقہ کا مال عرب میں ہوکر حیرہ۔ کنعت۔ جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ کنعت کو ضلع بحرین میں خالدیہ کے جلائے دھلوں کے سنگ کے کتل سے بنایا تھا۔ پھر یہاں سے قریش خلیج فارس کے موتیوں کو لیکر بغداد میں سفر کرکے دریائے فرات کے دہانہ تک لیجاتے کہ یمن اور شام کے وسط میں واقع تھا۔ ہر ایک سے ایک مہینہ کے سفر کا فاصلہ رکھتا تھا۔ ملک یمن اسکے جانب جنوب میں اور ملک شام اسکے جانب شمال میں واقع تھا۔ اسکے کاروان گرمیوں میں ملک یمن میں اور جاڑوں میں ملک شام میں قیام کرتے تھے۔ ان موسموں یا عین وقت پر کاروانوں کے پہنچنے سے ہندوستان کی جہازات کو طول طویل اور خطرناک سفر بحر قلزم کا نہ طے کرنا پڑتا تھا۔ صنعا اور مارب کے بازاروں اور عدن اور عمان کی بندرگاہوں میں قیمتی اور خوشبودار مصالحہ کی کھیپیں قریش لادکر لاتے تھے۔ اور بصرہ اور دمشق کے میلوں میں سے اناج اور صنعت کاری کی چیزیں خرید کے لیجاتے تھے۔

غرض اس مفید تجارت کی بدولت مکے کے کوچہ و بازار مال و متاع سے معمور رہتے تھی۔ وہاں کے امرا اور شرفا کو جیسے کہ سپہ گری کے پیشہ سے موانست تھی ایسے ہی تجارت سے بھی الفت تھی۔

منجملہ عجائبات روزگار کے یہ بات بھی تھی کہ اہل عرب ہمیشہ آزاد رہے کوئی غیر قوم انپر فرمانروا نہیں ہوئی۔ اس بات پر انکو خود بھی بڑا ناز اور افتخار تھا۔ اور غیر قومیں انکی اس بات کی مدح خواں ہیں۔

عربوں کی آزادی

اس آزادی کے سبب ارباب الرائے مختلف بتاتے ہیں۔ بعض عیسائی عالم اسکو کتاب پیدائش کے ۱۶ باب کے ۱۱ و ۱۲ آیت کی پیشینگوئی سے منسوب کرتے ہیں اور اس سے مذہب کی صداقت دکھلاتے ہیں۔ آیتیں یہ ہیں کہ خداوند کے فرشتے نے اس سے کہا کہ تو حاملہ ہے اور ایک بیٹا جنیگی اسکا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خداوند کریم نے تیرا دکھ سن لیا وہ وحشی آدمی ہوگا۔ اسکا ہاتھ سب کے اوپر سب کے ہاتھ اس کے برخلاف ہوں گے اور وہ اپنے سب بھائیوں کے سامنے بود و باش کریگا) اول تو اس آیت کے معنی بہت سے ہوسکتے ہیں۔ دوسرے وہ آزادی عرب کی مصداق اس

سے پیچھے بھی نہیں ہو سکتی کہ سلطنت میں کبھی اہل حبش اور اہل فارس یا اور سلاطین مصر کے حملوں کی لکد کوب میں رہی ہو کہ دو ایک
کے متبرک شہروں نے جو بطور صدیہ (تاتاری ظالم) کی اطاعت میں سر جھکایا۔ رومیوں کی سلطنت کا تو عرب ایک صوبہ
تھا جس میں وہ خاص و بیانہ شامل تھا جس میں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی نسل نے اپنے بھائیوں کو دفن کیا
ہے۔ غرض یہ طریقہ استدلال جیسا نامعقول ہے ویسا ہی فضول ہے۔ تم اسکو خوب یاد رکھو کہ یہ اوپر جو ستثنٰی صورتیں بیان
ہوئی ہیں وہ چند روزہ عارضی تھیں یا کسی خاص مقام سے مخصوص تھیں ورنہ عرب کی کل قوموں نے بڑے بڑے صاحب
جلال اور شان و شکوہ بادشاہوں کے غاشیہ اطاعت کو اپنے کندھے پر نہیں رکھا نہ کندھا کبھی جوئے کے نیچے دھرا
ہزاروں برس آزاد رہے ہیں۔ فراعنہ مصر اور شاہان شام کی سعی انکی فتح میں بیجا صاصل رہی کیخسرو ایرانی اور اسکندر یونانی
سے بیچارہ روم کی سلطنت کا علم ساری دنیا میں بلند ہوا مگر یہ سرزمین محفوظ رہی۔ طارس۔ پمپی۔ ٹریجن وغیرہ کی فوجیں
سرحد کے بیٹھ رہیں مگر ملک عرب کو زیر نگیں نہ کر سکیں۔ گو حال میں سلطان روم اس پر حکومت برائے نام رکھتا ہے اپنے انتظام کا سایہ بھی
ڈالتا ہے۔ مگر ان کو چھیڑنے سے ڈرتا ہے۔ ان پر حملہ آوری بے سود جانتا ہے۔ مگر ان سے دوستی کی التجا کرتے ہوئے بھی
انکی شان میں خفت آتا ہے۔ خود لمبے یہ ملک ہی ایسا بنا ہے اور اس کے باشندوں کے خصائل اور طرز روش کو ایسا رکھا
ہے کہ وہ انکی آزادی کی بڑی معاون ہیں۔ آنحضرتؐ کے عہد سے قرنوں پہلے انکی بیباکانہ جرأت و ہمت و شجاعت
ہمسایہ کی قوموں نے خوب آزما لیا تھا۔ کبھی وہ انپر چڑھ کر آئے کبھی یہ ان پر چڑھ کر گئے دونوں نے لڑائیوں میں اپنی
قوتوں اور زوروں کو تول لیا تھا۔ انکا پیشہ چرواہوں کا ایسا تھا کہ اس میں خود بخود دماوانت سپاہیانہ چستی و چالاکی
سختی کی برداشت کرنی۔ جفاکشی کی عادتیں فی اصل ہوجاتی تھیں۔ بھیڑوں کے گلوں کی اور اونٹوں کی قطاروں کی نگہبانی
اپنی عورتوں کے سپرد کرتے تھے۔ اور جو مرد ان کا رہتے تھے وہ اپنے کسی امیر کے علم کے نیچے گھوڑوں پر سوار ہو کر میدان
کارزار میں تیر چلانے کو برچھی اور تلوار مارنے کو تیار رہتے تھے۔ انکو اپنی قدیمی آزادی ایسی دل پسند تھی کہ وہ اسکا وظیفہ
ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اور اپنی اولاد کو یاد کرایا کرتے تھے۔ یہ دونوں باتیں انکی آزادی مدام کی کفیل تھیں۔ انکی اولاد
خوب سمجھے ہوئے تھی کہ ہماری اصالت اور نجابت کا ثبوت یہی ہے کہ ہم آزادی کو جو باپ دادا سے ارث میں پہنچی ہے قائم
و ثابت رکھیں وہ اسلئے اپنی آزادی کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ جب کوئی غیر دشمن ان پر حملہ آور ہوتا تھا تو وہ اپنے سارے
باہمی جھگڑے و فساد ترک کر کے رکھ چھوڑتے تھے اور سب متفق ہو کر دشمن کے پیچھے پیچھے جھاڑ کر پڑتے تھے۔
جب انکی ترکوں سے آخر معرکہ آرائیاں ہوئیں ہیں تو اس میں ملکہ کے ایک کارواں کو اسی ہزار افواج ترک نے حملہ
کر کے غارت و تباہ کیا تھا جب اہل عرب دشمنوں سے جنگ کے لئے آگے قدم بڑھاتے تھے تو فتح و ظفر ان کے آگے

اور پیچھے بھی دست بستہ کھڑی ہوئی تھی جب دشمنوں کے آگے سے پیچھے ہٹتے تھے تو اُسکے ہاتھ سے سلامت جانیکا یقین ساتھ ہوتا تھا۔ انکے تعاقب میں ظفر مند دشمن کی سعی کچھ کام نکرتی تھی۔ انکی رانوں کے تلے وہ خوش عنان تیز رفتار گھوڑے اور اونٹ ہوتے تھے کہ آٹھ دس روز میں چار پانچ سو میل اُنکو ایسا اُڑا لیجاتے تھے اور اُنکو ریگ سوزاں کے گوشوں میں اُتار دیتے تھے کہ دشمن انکی گرد کو بھی نہ پہنچتا تھا۔ اگر وہ انکے پیچھے جاتا تو اُدھر انکے پتہ لگانے میں حیران رہتا اُدھر پانی کی تلاش میں پیاسا مرتا۔ کھانیکو خاک نہ ملتا۔ یہ بھوک و پیاس پھر اسپر سفر کی درماندگی اُسکو موت کا لقمہ بنا لیتی اور اُنکو آزاد کا آزاد رہنے دیتی۔ یہ بدوؤں کے ہتیار اور اُنکے ریگستان صرف انھیں کی آزادی کے پشت و پناہ نہ تھے بلکہ عربستان اور یعنی ملک یمن کے دشمنوں کے لیے بھی سدّراہ تھے جہاں کے باشندے زمین کی رطوبت اور آب و ہوا کے باعث سے کمزور ہو جاتے تھے اور جنگ و پیکار سے پرکنار رہتے تھے۔ اغسطوس قیصر روم نے جب یمن پر حملہ کیا تو اسکی فوج بڑی بیماری اور درماندگی سے تباہ ہوگئی۔ صرف فوج بحری کی امداد سے اُسے فتح کیا۔ جب آنحضرتؐ کا علم متبرک یہاں قائم ہوا تو ملک یمن سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔ مگر پھر بھی حمیر کے خاندان کے سات شخص پہاڑوں میں حکمرانی کرتے تھے۔ کسریٰ نے جو حاکم اپنی طرف سے یہاں خسرو کو کرکے بھیجا تھا وہ اپنے ملک لبید کو اور اپنے بدنصیب آقا کو بھول گیا تھا۔

جسٹی نی ان بادشاہ روم کے عہد کے مورخوں نے ان خود مختار آزاد عربونکے حال کو بخوبی بتفصیل بیان کیا ہے کہ وہ مشرقی معرکہ آرائیوں میں کہ نہایت عرصہ دراز تک قائم رہیں کسی اپنی مصلحت سے یا خود غرضی سے یا میلان طبع سے کسی فریق ہوکر لڑنے والونکے ساتھ شریک و رفیق ہو گئے تھے۔ بنی غسان کو اجازت ہو گئی تھی کہ وہ ملک شام میں خیمہ زن ہوں حیرہ کے شاہزادوں کو حکم تھا کہ وہ بابل کے ویران شدہ کھنڈروں سے جنوبی جانب میں چالیس میل پر ایک شہر بسالیں یہ عرب میدان جنگ میں نہایت تیزی و چالاکی و دلیری و دلاوری سے کام دیتے تھے۔ مگر اپنی دوستی نیلام کرتے تھے جسنے زیادہ قیمت دی اُسکے یار و مددگار ہوگئے۔ انکی وفاداری کا کچھ سر پاؤں نتھا۔ عداوت میں تلوّن تھا۔ ان خانہ بدوش قوموں کو چھیڑ کر بھڑکا دینا بہت آسان تھا مگر انسے ہتیار لینا بہت دشوار تھا۔ روزمرہ کی لڑائیوں سے وہ فارسیوں اور رومیوں کو کمزور جانتے اور حقیر و ذلیل سمجھتے تھے۔

یونانی اور رومی ان اقوام عرب کو جو مکہ سے دریائے فرات تک آباد ہیں غلط ملط کرکے سارسین کا خطاب دیتے تھے۔ یہ وہ مسلمانوں کا نام ہے کہ کسی زمانہ میں عیسائیوں کے منہ سے نہ نکلتا تھا کہ اُنکے دل میں ہول نہ اُٹھ کھڑا ہوتا تھا۔ اور عداوت و نفرت طبیعت میں نہ پیدا ہوتی تھی۔

اب اس نام کی وجہ محققین نے مختلف طور پر بیان کی ہے۔ کوئی تو تمسخر کی راہ سے یہ بتاتا تھا کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ سارہ سے مشتق ہے۔ بعض اسکو سارقیہ سے جو ایک گاؤں کا نام ہے مشتق بتلاتے ہیں بعض سارق

وجہ تسمیہ سارسین

سے مشتق کہتے ہیں بعض شرق سے۔ اس آخر اشتقاق میں خوبی اوروں کی نسبت کچھ ہے۔ ان سب کی تردید یوں ہوتی ہے کہ یہ خطاب جو اہل عرب کو دیا ہے وہ غیر قوموں نے دیا ہے جو عربی زبان سے محض ناآشنا تھیں پھر وجہ تسمیہ میں عربیت کو کیسے دخل ہو سکتا ہے۔ کوئی غیر قوم جو خطاب دیگی تو اپنی زبان میں نہ اپنے سے غیر زبان میں۔

اگر ایک قوم کسی غیر قوم کی محکوم نہ ہو اور خود فرمانروا ہو مگر اسکو اپنے بھائیوں اور قوم کے ہاتھ سے جور و ستم اُٹھانے پڑیں اور اپنے ہی بادشاہوں اور افسروں کے جور و جفا سہنے پڑیں تو اسکو اپنی آزادی پر ناز کرنا نازیبا و نامناسب ہے۔ وہ حقیقت میں آزاد نہیں ہے۔ مگر اہل عرب اس قسم کے آزاد نہ تھے۔ بلکہ ہر فرد انکا خود سر و آزاد تھا ہر عرب تمدن و اجتماع کے فائدوں سے بقدر بہرہ مند ہوتا تھا۔ اور جو طبیعت بشر میں قدرتی استحقاق آزادی کے رکھے گئے ہیں۔ اُنکو وہ کبھی اپنے ہاتھ سے نہ دیتا تھا جو خاندان اپنی قوم پر اعتراض کرتا یا دولتمند ہو جاتا یا دین و مذہب کا حامی ہو جاتا وہ اپنے ہمسروں میں ممتاز و سرفراز ہوتا تھا ایسے برگزیدہ خاندان سے امیر و شیخ نسلاً بعد نسلٍ منتخب ہو کر مقرر کیا جاتا۔ اہل عرب کے ہاں امارت کا عہدہ عظیم الشان میں دقتیں و پیچیدگیاں نہ تھیں۔ سیدھے سادھے کام اس میں ہوتے تھے۔ اگرچہ امیر و شیخ ہونیکا قاعدہ غیر منضبط اور اوروں کی مرضی پر منحصر تھا اور اسکا کچھ ٹھکانا نہ تھا۔ مگر یہ ضرور تھا کہ امیر کے رشتہ داروں میں سے کوئی نہایت لائق متین متحمل عمر رسیدہ تجربہ کار شخص ایسا منتخب ہوتا تھا کہ اُسمیں یہ قابلیت ہوتی تھی کہ وہ اپنے صوابدید و رائے سے معاملات نزاع کو قطع کر دیتا تھا اور خود اپنی ذات سے وہ چال چلن رکھتا تھا کہ اوروں کو شجاعت و دلاوری کے کاموں پر ہمت بندھواتا تھا۔ مردانگی کی راہ میں رہنما ہوتا تھا یہانتک اس قاعدہ کی پابندی تھی کہ اگر کوئی عورت جری اور عقیلہ ہوتی تھی تو وہ عہدہ امارت پر ممتاز ہوتی تھی چنانچہ زنوبیہ کے باشندوں پر ایک عورت صاحب فراست اور شجاعت حکمران تھی جب کبھی قبیلے عرب کے تھوڑے عرصہ کیلیے متفق ہوتے تھے تو اُنکا اجتماع سپاہ کی صورت دکھاتا تھا۔ اگر اس اجتماع کا زیادہ جماؤ ہوتا تو وہ ایک قوم معلوم ہوتی تھی جس امیر الامرا کے علم کے نیچے وہ جمع ہوتی تھی قوم کی نظروں میں وہ بادشاہ دکھائی دیتا تھا۔ عزت شاہانہ کا وہ مستحق سمجھا جاتا تھا۔

اہل عرب ہمیشہ امیروں اور شیخوں کی حلیمانہ و مربیانہ حکومت کے عادی تھے۔ اگر کوئی انمیں سے اپنے اختیار اور اقتدار کی حد سے قدم رکھتا تو اسکو تنہا بے پناہ چھوڑ کر سب الگ ہو جاتے تھے پھر کبھی اسکے پاس بھی نہیں پھٹکتے تھے یہی سزا امیر کو اپنی حد سے باہر قدم نکالنے کی ہو جاتی تھی۔ یہاں کے لوگ آزاد منش تھے۔ کوئی احاطہ ایسا بنا ہوا نہ تھا کہ انکو گھیرے رکھتا۔ کوئی ایسی بھاری بیڑی اُنکے پاؤں میں نہ تھی کہ اُنکو بھاگنے نہ دیتی۔ صحرا کے فراخ میدان کے میدان اُنکی جولانیوں اور دوڑ کیلیے خالی پڑے تھے۔ جدھر دلمیں آئی مُنہ اُٹھایا چلے گئے۔ ملک خدا تنگ نیست پائے مرا لنگ نیست۔ ہاں جو زنجیر ان وارستہ مزاجوں کو پابستہ کرتی تھی۔ وہ آپس کا اخلاص یا وفا اور ربط رہا تھا۔ انکی آپس کی رضا و رغبت قبیلوں کو

یکجا جمع کرتی تھی ورنہ کوئی اور بندش ان کو ایک جگہ باندھ کر نہیں رکھ سکتی تھی۔

یمن کے نرم دل باشندوں نے بادشاہ کی شان و شوکت کو تسلیم کر کے غاشیۂ اطاعت دوش پر رکھا اور بادشاہ کی شان کے حامی دل و جان سے ہو گئے۔ اگر بادشاہ کا ایسا حال ہو جاتا کہ محل سے باہر نکلنے میں اسکو جان کا خوف و خطر ہوتا تھا تو سلطنت کے تمام مہمات عظیم و امورات و احکامات اہم کا اختیار امرا و وزرا اور ارکین سلطنت کے ہاتھ میں آجاتا تھا۔ ایسا ہی سلطنت جمہوری نے اپنا رنگ مکہ و مدینہ میں جو ناف ایشیا میں ہیں دکھایا۔ آنحضرت کے جد امجد اور انکے خاندان کے اکابر اپنے ملک کے کاروبار اور غیر ملکوں کے معاملات میں گویا دشاہانہ اختیار رکھتے تھے اور بادشاہ معلوم ہوتے تھے مگر انکی حکومت دیانت و دانائی کے زور سے تھی انکے اختیارات ذوی القربیٰ میں وراثتاً تقسیم ہوتے تھے۔ چنانچہ عصائے شاہی بڑوں سے چھوٹوں میں قوم قریش میں مستقل ہو گیا تھا۔

قاعدہ ہی کہ انسان اطاعت یا تو مجبوری سے اختیار کرتا ہی یا فہمائش سے جو ایسی فصاحت و بلاغت سے کیجائے کہ وہ دل و جان سے اسکو برغبت قبول کرے۔ اہل عرب نے اس زمانہ میں فصاحت و بلاغت میں وہ غضب کی قدرت و شہرت حاصل کی تھی کہ انکا ایک فصیح بیان اپنی قدرت تقریر سے ہزاروں کے دل تسخیر کر لیتا تھا۔ اور وہ اکیلا ایک جماعت کثیر سے جو کام چاہتا تھا کرا لیتا تھا۔ ان کے کلام کی تاثیر عوام کی آزادی پر شہادت دیتی ہی کہ انکے دلوں پر اثر اطاعت کا نہوتا تھا بلکہ کلام کا جس کو وہ کوئی ارادہ کرنے سے رک جاتے تھے یا اسپر جھک جاتے تھے۔ عرب کی آزادی اور یونان اور روم کی آزادی میں بڑا فرق یہ ہی کہ عرب کی سلطنت جمہوری سیدھی سادی تھی اور یونان و روم کی سلطنت جمہوری پیچ در پیچ تھی تصنع اور تکلف سے وہ بھری ہوئی تھی انمیں ہر رکن اختیارات ملکی و مالی کلیۃً رکھتا تھا۔ یہاں اپنی سیدھی سادی حالت میں ساری قوم عرب آزاد تھی۔ ہر شخص ان میں سے کسی آقا کی کبھی اطاعت سے نفرت دلی رکھتا تھا۔ اسکا سینہ شجاعت و صبر و حلم و استقلال و ہمت و جرأت کا مخزن تھا۔ آزادی کا شوق اسکا خود بخود سکھاتا تھا کہ وہ اپنے نفس کو اپنے بس میں رکھے اور اپنے اختیار کو سنبھالے رہے۔

عرب کے نزدیک عزت کیلئے مرجانا کوئی بات نہ تھی۔ اپنے ننگ و ناموس کیلئے جان کھونیکو وہ تیار تھا۔ اور آزادی رکھنے کیلئے ساری تکالیف و مصائب اٹھانیکو گوارا کرتا تھا یہاں تک کہ مرنے کا بھی خوف ایسے موقعوں پر نہیں کرتا تھا اسکے بشرہ سے نہایت سنجیدگی علو ہمتی ٹپکی پڑتی تھی اسکی گفتار اختصار کیساتھ متانت و فصاحت سے آہستہ آہستہ ہوتی تھی وہ کبھی اتفاق سے کسی بات پر خندہ کرتا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ اپنی ڈاڑھی پر ایک ادا و انداز کے ساتھ ہاتھ پھیرتا تھا۔ ڈاڑھی انسان کی جوانی اور مردی کی نشانی ہی۔ ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے میں یہ رمز تھی کہ وہ اپنی

جوانی و بزرگی کو ڈاڑھی سے بتلاتا ہے۔ اس ریش ہی کے لحاظ سے وہ اپنے ہمسروں کے ساتھ طفلانہ سفلوں کی سی بات نہیں کرتا تھا۔ وہ اپنے بزرگوں سے باتیں کرنے میں کبھی نہیں جھجکتا تھا۔ اُنکے رعب میں نہیں آتا تھا۔ زمانہ جاہلیت کی آزادی کا اثر اسلام کی ابتدا میں قایم رہا۔ خلفاء اولین نے اپنی رعایا کو بیباکانہ گفتگو سے نہیں روکا۔ انکے ساتھ وہ اس طرح باتیں کرتے تھے جیسے کہ آپس میں متعارف دوست بے تکلف باتیں کیا کرتے ہیں۔ وہ دینی امور کی ہدایت کرتے تھے۔ کوئی غرور و شان شاہانہ اپنی رعایا کو نہیں دکھاتے تھے۔ ہاں جب اسلام کا دار السلطنت دریای دجلہ کے کنارہ پر بغداد میں منتقل ہوا تو خلفائے عباسیہ نے ایران اور روم کے بادشاہوں کی تقلید کر کے اپنے درباروں کی شان و شوکت کو ایسا بنایا کہ جس سے بادشاہ کی نخوت عیاں ہو ورنہ پہلے خلفاء کو ان باتوں کی طرف ذرا بھی خیال نہ تھا۔

اقوام اور انسانوں کے حالات پر غور و خوض کر لینے سے ہمکو وہ وجوہ اور اسباب معلوم ہو سکتے ہیں جن سے کہ انمیں نفاق و وفاق پیدا ہوتا ہے اور مؤانست انسانی میں کمی و بیشی ہوتی ہے اور معاشرت بدلتی رہتی ہے۔ اہل عرب اور انسانوں سے الگ تھلگ رہتے تھے غیروں کے ساتھ نہ پیوند رکھتے تھے نہ رشتہ۔ اس سبب سے یہ امر انکی عادت میں داخل ہو گیا کہ وہ دشمن و اجنبی آدمی میں تمیز نہیں کرتے تھے۔ ان دونوں کو دیکھنے سے انکے دل میں تصور ایسے پیدا ہوتے تھے جو آپس میں ملتے جلتے تھے انھوں نے اپنی لوٹ مار اور غارتگری کے مباح ہونے کے لئے ایک مسئلہ مذہبی بنا رکھا تھا جس کی اصل یہ عقیدہ انکا چلا جاتا تھا کہ وہ حضرت اسمٰعیل کے گھر سے اپنی ماں ہاجرہ سمیت اپنی سوتیلی ماں حضرت سارہ کے رشک و حسد کے سبب نکالے گئے تو انکو خداوند تعالیٰ نے یہ ملک عرب ایک وادی غیر ذی زرع ہو عنایت کیا اور اجازت دی کہ جو کچھ اس سے حاصل ہو سکے حاصل کر لیں پس اپنے تئیں اس کم پیداوار کی زمین ملنے کو اور اولاد حضرت اسحٰق اور اپنے بنی نوع الانسان کو زیادہ پیداوار کی زمین ملنے کو یہ سمجھتے تھے کہ ہم ناحق اپنی ارث سے محروم کئے گئے ہیں اسلئے ہم جو اولاد اسحٰق یا اور غیروں کو لوٹتے ہیں تو اپنی وراثت کا حصہ لیتے ہیں کچھ دغابازی اور سینہ زوری نہیں کرتے ہیں اسی وجہ سے وہ اپنی چوری کا نام چوری نہیں رکھتے تھے بلکہ اسکو تحصیل ملکی کہتے تھے جب کوئی عرب کسی آدمی کو لوٹتا تھا تو یہ نہیں کہتا تھا کہ میں نے آج یہ لوٹا بلکہ یہ کہیگا کہ میں نے یہ نفع کمایا۔ یہی سبب ہے کہ وہ غیروں کے لوٹنے میں تو دست درازی کرتے تھے مگر انکے خود سارے قبیلے اور گھر کھلے پڑے رہتے تھے وہ کبھی آپس میں ایک دوسرے کی چیز نہیں چرا لیتے تھے۔

اہل عرب کو جیسی تجارت کی عادت تھی ایسے ہی چوری و غارتگری کی طرف رغبت تھی۔ ریگستان میں جو کاروان جاتے تھے جب تک وہ فدیہ نہ دیتے تھے بدوؤں کے ہاتھ سے بچتے نہ تھے وہ انکو لوٹ لیتے تھے۔ حضرت ایوب کے زمانہ سے اہل عرب کے ہمسایہ ہمیشہ انکی غارتگری کے شکار رہے۔ اگر بدو دور سے دیکھتا تھا کہ مسافر اکیلا چلا آتا ہے تو وہ اسپر لپک کر جھپٹتا تھا اور اسکو ڈانٹ کر کہتا تھا کہ کپڑے اتار کر رکھدے کیونکہ تیری چچی (یعنی اوسکی زوجہ) ننگی بیٹھی ہے۔ اگر مسافر نے چپ چاپ کپڑا ن

(جاری)

دبا کر کپڑے اُتار کر رکھدیے تو خیر گذری پھر اُس پر شفقت و مہربانی کی نظر ہے۔ اور اگر مسافر نے اُسکے کہنے کو نہ سُنا کہ کیا
کہتا ہے برسرِ مقابلہ ہوا تو پھر یہاں کیا تھا سینہ میں شعلۂ غضب نے آگ لگا دی اور اپنی حفاظتِ نفس کے لئے مشروع طور
پر اپنے خون کا کفارہ اس بیچارہ مسافر کی خونریزی کو سمجھنے لگا۔ ایک چور یا دو چار ملکر چوری کریں تو وہ چور اُنکے نام سے
بدنام ہوتے تھے۔ لیکن اگر گروہوں کا مجمع چوری کرے تو وہ جائز سمجھا جاتا تھا اور اسکا نام معزز و مشروع محاربہ رکھا
جاتا تھا۔ پس آدمیوں کے طبائع یوں نوعِ بشر کی مخالفت پر کمربستہ ہوں انہیں وحشیانہ اشتعال کا اس سے پیدا ہو جاتی
ہو کر انتقام و قتل و غارتگری کی اجازت انکی اپنی قوم کیطرف سے بھی فرنگستان کے نظم و نسق میں صلح و جنگ کا استحقاق
صرف چند معزز فرمانرواؤں پر محصور ہوتا ہے اور استحقاق کے موافق عمل کرنیکا اختیار نفس الامر میں اور بھی کمتر فرمانرواؤں
پر محصور ہوتا ہے۔ مگر ملک عرب میں ہر عرب فرمانروا تھا جسکی خطا کی کوئی پرسش نہ تھی اپنے ہموطنوں کو چاہے جلا کر مار ڈالے
اور اپنے تئیں اس کام میں بیگناہ اور نام آور جانے۔ اتفاق قومی انہیں فقط زبان اور اطوار میں ایک پریشان طور پر
تھا۔ ہر فرقہ میں ایک رئیس برائے نام حکومت رکھتا تھا۔ اسکو بہت اختیار اور اقتدار نہیں حاصل ہوتا تھا جب معاملات
ملکی میں نفاق پیدا ہو جاتا تھا۔ تو آپس میں سخت عداوت ہو جاتی تھی۔ جو جھگڑے و فساد چلک کر مٹ بھی جاتے تھے اُنکا نظم و نثر
میں پڑھا جاتا تا مخاصمین کی اولاد کے باب میں کینہ و انتقام کی بجھی ہوئی آگ کو سلگا دیتا تھا۔ ہر شخص اپنے امورِ خانگی
میں اور ہر ایک خاندان اپنے معاملات کے فیصلہ کرنے میں منصف یا منتقم ہوتا تھا۔ ہر فرد کو اپنے ننگ و ناموس کا ایسا نازک خیال ہوتا
تھا کہ وہ اپنے ہتک کو ایسا گراں سمجھتا تھا کہ اپنے بھاری نقصان کو اسکا پاسنگ بھی نہیں سمجھتا تھا۔ عرب کے فسادوں میں
یہ عزت کا خیال اپنا زہر اُگلا کرتا تھا انکے عیش کو تلخ بنا دیتا تھا۔ اگر انکی عورتوں یا ڈاڑھی کی نسبت کوئی گستاخی کا
کلمہ کسی کی زبان سے ذرا بھی نکل گیا تو وہ بہت چڑ جاتے تھے۔ اگر ایک نے دوسرے کی نسبت تحقیر کا لفظ کہدیا یا اور کوئی
حرکت بیہودہ اُسکے ساتھ کر بیٹھا تو اُسکا عوض و انتقام تلوار سے ہی لیا جاتا تھا۔ وہ اپنے انتقام لینے میں استقلال اور
صبر کے ساتھ کرتے تھے کہ مہینوں اور برسوں کمین لگائے انتظار میں بیٹھے رہتے تھے کہ کب موقع ہاتھ آئیگا کہ انتقام لیکر اپنے
دلکو ٹھنڈا کریں۔ ہر زمانہ میں وحشیوں میں یہ قاعدہ رہا ہے کہ قتل کے بدلے میں تاوان و خونبہا لیتے تھے۔ عرب میں یہ دستور
تھا کہ مقتول کے وارث یا دیت لیں یا اپنے ہاتھ سے قاتل سے قصاص لیں۔ اسکے سوا ایک عجیب صفائی اُنکے کینہ میں
یہ تھی کہ وہ قاتل کے سر لینے سے انکار کرتے تھے اور اسکے عوض میں یہ چاہتے تھے کہ قاتل جس قبیلہ کا ہو اسکے سب سے
بڑے سردار کا سر اُڑائیں تو ہماری ناموری ہے کہ اپنے ادنیٰ آدمی کی عوض میں دشمن کے اعلیٰ افسر کا سر اُڑایا یا عوض
وہ جرم کے عوض ایک بیگناہ کا خون سر پر لیتے تھے۔ پس اگر قاتل کے گروہ میں انکا یہ نامی گرامی آدمی مارا گیا

تو پھر طرفِ ثانی انتقام کے درپے ہوا۔ اس طرح دو آدمیوں کے لڑنے مرنے پر قبیلے کے قبیلے کٹ مرتے تھے۔ اُنکے ہاں کسی شخص کا خون ہو جانا ایک ایسا قرض تھا کہ جسکی اصل اور سود ہمیشہ جمع ہی ہوا کرتے تھے اور کبھی ادا نہ ہوتے تھے۔ طرفین کے دلوں میں روز بروز کینہ و پرخاش بڑھتا جاتا تھا۔ دونوں کی خوف و خطر میں بسر ہوتی تھی بعض اوقات نصف صدی گذر جاتی تھی کہ اس انتقام کا حساب کتاب بیباق ہوتا تھا۔

بعض مسائل اور قوانین عرب کے باب میں اُنکے ہاں ایسے تھے کہ ایسی خونخوار قوم میں بھی جو رحم و عدالت سے معرا تھی اعتدال پیدا کر دیتے تھے۔ ان مسائل کا منشا جو شائستہ تھا یہ ہوتا تھا کہ ہر خانہ جنگی میں طرفین عمر میں قوت میں تعداد میں تا بحدِ ممکن درجہ مساوات رکھیں اسلئے ہر سال میں دو یا چار مہینے ایسے مقرر کر رکھے تھے کہ اُنکے اندر قتل ممنوع تھا۔ کہ نہ آپس میں لڑنے کے لئے نہ غیروں سے جنگ کرنیکے واسطے تلواریں میان سے باہر کرنی چاہئیں پس تھوڑے دنوں تک جنگ و پیکار سے باز رہنا اُنکی جنگ و جدل کی عادتوں اور ملک کی بدنظمیوں کو خوب عیاں کرتا ہے۔

کوئی روایت کرتا ہے کہ اس زمانہ میں سترہ سو لڑائیاں ہوئیں۔ کوئی بارہ سو بتلاتا ہے۔ ان بیباک اور بے قید عربوں کی معرکہ آرائیاں و خونریزیاں بڑی مشہور ہیں۔ انہیں سے دو ہم نقل کرتے ہیں۔ ایک حرب بسوس دوسری حرب داحس۔ حرب بسوس بنی بکر اور بنی تغلب کے درمیان ہوئی اسکا سبب یہ تھا کہ کلیب ایک بڑا مشہور امیر عرب تھا۔ اسنے حکم دے رکھا تھا کہ میرے چراگاہ میں کوئی اونٹ نہ چرنے پائے۔ ایک شخص قوم جرم کا جساس کی پھوپھی بسوس نامی کے اُترا تھا اسکے ناقہ کا نام سراب تھا وہ چرتے ہوئے کلیب کی چراگاہ میں چلی گئی۔ کلیب نے اسپر تیر چلا دئے اور پھر اسکے تھن کاٹ لئے۔ یہ اونٹنی لہولہان اپنے مالک کے پاس بڑبڑاتی ہوئی آئی بسوس نے اسکو لہو میں لتھڑا ہوا دیکھا وہ اسکو پیار کرنے لگی اور کہنے لگی کہ ہائے افسوس کیا میرے مہمان کو تکلیف ہوئی۔ جساس نے جو اپنی پھوپھی کو غمگین پایا تو تمام قوم کو جمع کرکے کلیب پر جا گیرا وہ اپنے احاطہ میں پھر رہا تھا کہ جساس نے اسکے ایک نیزہ ایسا مارا کہ وہ مر گیا پس اتنی بات پہ آتش جنگ برسوں تک مشتعل رہی جس کے شراروں میں ستر ہزار جانیں خاکستر ہو جائیں۔ حالی

وہ بکر و تغلب کی باہم لڑائی تھی اک آگ ہر سو عرب میں لگائی	صدی جسمیں آدھی اُنھوں نے گنوائی نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ	قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی کرشمہ اک اُنکی جہالت کا تھا وہ

جنگ داحس کا حال یہ ہے کہ عرب کا امیر قیس تھا اسکے پاس دو گھوڑے داحس اور غبرا نامی تھے حذیفہ بن بدر کے گھوڑوں کے ساتھ دوڑ ہوئی اور دو سو چھوٹوں کی شرط بدی گئی۔ حذیفہ نے پہلے سے ایک آدمی ان گھوڑوں کی راہ میں بٹھا دیا تھا اور اس سے کہہ دیا تھا کہ اگر قیس کا گھوڑا داحس کے آگے نکلے تو اُسکو روک دینا۔ اس نے روکا مگر وہ نہ رکا

اشہر حرم کی تعظیم

زمانہ جاہلیت کی لڑائیاں

تو اُس نے ایک ضرب شدید اسکی تھوتھنی میں لگائی جس سے وہ رُک گیا۔ مگر دوسرا گھوڑا غبرا نہ رُکا اور حذیفہ کے گھوڑوں سے آگے نکل گیا۔ قیس بازی جیت گیا مگر حذیفہ اسپر جھگڑنے لگا کہ دوبارہ پھر گھوڑوں کو دوڑاؤ۔ اس بات پر بنی قیس بنی بدر میں کینہ پیدا ہوا۔ چالیس برس تک خونریزی کا ہنگامہ برپا رہا۔ قبیلے کے قبیلے کٹ گئے۔ ہزار ہا تن بے سر ہو گئے یہ جنگ ضرب المثل ہے۔ غرض ایسے ہی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ مسدس حالی

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا | کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا | لب جو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا | یونہیں روز ہوتی تھی تکرار اُن میں | یونہیں چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں

گو اہل عرب لوٹ مار میں نہایت سخت اور بے رحم انتقام لینے میں درشت تھے مگر تجارت اور علم ادب کی ملائم تاثیر دونے انکی درشتی اور سختی میں اعتدال پیدا کر دیا تھا۔ ملک عرب ایک جزیرہ نما ہے۔ اسکے گرد قدیم زمانہ کی نہایت مہذب قومیں آباد تھیں۔ تاجر انسان کا خیر خواہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے چنانچہ ان مہذب قوموں کے کارواں ہر سال وہاں جاتے تھے اور علم اور اخلاق کے بیج عرب کے شہروں میں کیا بلکہ بیابان کے خیموں میں بو جاتے تھے۔ اہل عرب کا نسب خواہ کچھ ہی ہو مگر انکی ابتدائی زبان کا درخت عبرانی۔ شامی۔ خالدیہ کی زبانوں کی نسل سے پیدا ہوا ہے۔ اگرچہ عرب کی طبیعت کی آزادی اور خود سری نے ایک ہی زبان کے قواعد کا پابند نہیں رکھا۔ انکے قبیلوں کی زبانوں میں کچھ نہ کچھ فرق رہا۔ مگر پھر ایک قوم اپنی گفتار خاص کے بعد مکہ کے خالص اور فصیح زبان کو ترجیح دیتی تھی۔ عرب میں اور نیز یونان میں فصاحت بیان کا کمال نسبت اطوار کی تہذیب و شائستگی کے بہت بڑھا ہوا تھا۔ ایک نے علم قوم کے فقط حافظہ میں وہ بڑی کتاب لغت کی ودیعت تھی جسکے اندر شہد کے اسی مختلف نام۔ سانپ کے دو سو۔ شیر کے پانسو۔ تلوار کے ہزار نام تھے۔

یمن میں حمیر کا خاندان سلطنت کرتا تھا۔ انکی عمارتوں میں کتابے خط سند میں کندہ ہوئے ہیں۔ مگر یہ خط الیسا متروک الاستعمال ہو گیا ہے کہ اب اسکو کوئی پڑھ نہیں سکتا۔ مگر خط کوفی جس سے خط نسخ نکلا ہے دریائے فرات کے کناروں پر ایجاد ہوا تھا اور اس نو ایجاد خط کی تعلیم ایک شخص نے اہل مکہ کو کی تھی اہل عرب کو فصاحت کلام کی استعداد خداداد تھی۔ وہ صرف و نحو عروض قوافی۔ بدیع۔ بیان معانی کے علوم سے محض ناآشنا تھے۔ فصاحت انکا جوہر ذاتی تھا کہ اشراف خاندانوں کے بچے لطیف زبان طوطی ہزار داستان کیطرح اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتے تھے۔ فکر سخن میں طبیعت انکی نہایت رسا اور صفائے خیالات میں بلند فہم مستحکم۔ ذہن نکتہ سنج۔ انکے کلام میں وہ تاثیر تھی کہ جب وہ اپنی رجز خوانی پر آتے تو ہزاروں سامعین کے دلوں کو اپنی مٹھی میں لیتے تھے جدھر چاہتے تھے پھیر لیتے تھے۔ وہ اپنی فصاحت سے شجاعت کو جوش و خروش میں لاکر مخالفوں کے جی چھوٹ جاتے۔ جب اپنے کشتوں کی لاش پر نوحہ کرتے تو سننے والوں کے آنسو نکل پڑتے۔ وہ علم الانساب۔ علم الانوار۔ علم التواریخ۔ علم تعبیر رویا رکھتے تھے۔

جب کوئی شاعر ہونہار اپنی قابلیت کو دکھاتا تو اسکی خود قوم اور اقوام ستایش میں اسکی سرگرم ہوتیں کہ دور دور اسکی شہرت ہو جاتی۔ اسکی دعوت کا سامان کیا جاتا تھا جسمیں عورتیں ڈھولک بجاتیں اور بڑی دھوم دھام مچاتیں۔ اور اپنی آوازوں کے سُروں کو ملا کر اپنے بیٹوں اور خاوندوں کے سامنے یہ گاتیں کہ ہماری قوم کیا خوش اقبال ہے کہ اسمیں یہ ایک نوجوان بہادر پیدا ہوا جو ہمارے تمام حقوق کی حمایت کریگا اور ہمارا نقیب ہے کہ اپنی آواز سے ہماری نیکنامی کا آوازہ بلند کریگا اور ہمارے نام کو شہرت عام اور بقائے دوام بخشے گا۔ عکاظ جبل عرفات کے پیچھے مکہ کے پاس ایک مقام تھا جسمیں میلا ہر سال ہوا کرتا تھا صدہا کوس سے لوگ اسمیں آتے تھے۔ اور ان اقوام کے آدمی بھی آتے تھے جو آپسمیں دشمنی رکھتے تھے۔ یہ میلا گویا ایک اجتماع قومی تھا جس سے ان وحشی قوموں میں مونست پیدا ہوتی تھی اور تہذیب پھیلتی تھی۔ وحشی صحرائیوں میں اس مل بیٹھنے سے انسانیت آتی تھی بیس روز تک یہ میلا رہتا تھا۔ اسمیں فقط ہزاروں کا لین دین اور انگوروں ہی کا مبادلہ نہیں ہوتا تھا بلکہ زیادہ تر فصاحت و شاعری کا بازار گرم ہوتا تھا اس بازار میں تمام اسباب میں جوہر سخن کے برابر کوئی چیز قیمت نہیں رکھتی تھی۔ صرافان جوہر سخن اسمیں جمع ہوتے تھے سخن کے کھوٹے کھرے کو پرکھتے تھے۔ ایک میدان میں سب جمع ہو کر خوش اسلوبی کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے ایک شاعر کھڑا ہوتا تھا اور اپنے شعر اور پڑھتا تھا۔ شاعر اپنی طبع آزمائیاں کرتے تھے۔ ایک دوسرے پر سبقت لیجانے میں سعی کرتے تھے۔ اپنی برتری کی دلیلیں پیش کرتے تھے اسپر جھگڑا کرنے کو بھی تیار ہوتے تھے۔ پس جو کوئی اس میدان میں سبقت لیجاتا اسکی تحسین و آفرین کا آوازہ بلند ہو جاتا۔ اسکے قصائد با عبارت نثر صاحب امارت اور شاہزادے امیرزادے تبرک کیطرح لیجاتے تھے۔ اونٹوں و بکریوں کی جھلیوں پر۔ ابریشمی کپڑوں پر۔ سنہری حرفوں میں لکھکر کعبہ کی دیواروں پر آویزاں کرتے تھے انکو مذہبہ یا معلقہ کہتے تھے۔ چنانچہ سبعہ معلقہ ان میں سے ابتک موجود ہیں افسوس ہے کہ سوائے ان سات کے کوئی اور معلقہ باقی نہیں رہا۔ ان اشعار میں شجاعت۔ دل کی امنگیں۔ خونریزی۔ شرافت نسب قافت یا وفا و اتحاد فرحت مقام۔ دریاؤں کی روانی۔ جنگلوں کی ویرانی۔ پہاڑوں کی وحشت ناکی جنگلوں کی سرسبزی۔ حیوانات کی خوبی اونٹ گھوڑوں کی تعریف عشق معشوق کی تعریف ہجر کی اداسی۔ وصل کی مسرت۔ اور اس قسم کے مضامین ہوا کرتے تھے۔ خلاصہ ہے کہ یہ شاعر اخلاق کے معلم اور اپنے زمانہ کے مورخ تھے وہ عرب کی خوبیوں اور نیکیوں کا آوازہ دلوں میں دلنشین کرتے تھے۔

سخاوت و شجاعت میں ایسا پیوند ہے کہ وہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ اس رشتہ بندی ہی پر انکے اشعار کا مدار تھا۔ سب سے زیادہ یہی مضمون دلپسند تھا۔ سخاوت۔ مہمان نوازی۔ بہادری شجاعت انکا تمام کلام مرصع ہے گو بدیع و معانی و بیان سے معرا ہے۔ جب وہ کسی مبتذل قوم کی ہجو کرکے خاکہ اڑاتے تھے تو اسکو سخت طعن سے یہی کہتے تھے کہ مردوں کو دینا اور عورتوں کو لڑکا کرنا نہیں آتا۔ وہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا خوان نوال اہل عرب کے مضمون میں نظر آتا تھا

سخاوت

وہی تند خو بدو جو بیابان مین کسی شخص کی جان کا خواہان ہوتا اگر وہ بغیر تحیت اسکی بات پر اعتماد کرکے اسکے خیمہ
مین آجاتا تہا پہر اس سے معانقہ کرتا تہا محبت کیساتھ اسکی تعظیم و تکریم کرتا تہا۔ مہمان بناتا تہا وہ اپنی دولت فلاس مین
شریک حال کرتا تھا۔ وہ بقدر اسکی حاجت کے اپنے گہر مین رکہتا تہا۔ پہر اسکا شکریہ ادا کرتا تہا و عائین دیکر رخصت کرتا تہا
کبہی اس کے ساتھ کوئی عطیہ بہی کر دیتا تہا سخاوت انہین ایسی تہی کہ محتاج ہہا ئیون اور دوستونکی ساتھ وہ دست کشادہ و
دست دل کشادہ رکہتے تہے شجاعت کا حال یہ تہا کہ انکے ساتھ کوئی شرط حزم و احتیاط و تجربہ کی نہین لگاتے تہے کہ جس سے انکا
احاطہ تنگ ہو جاتا انکے بہادرانہ کام مدح و ستایش عام کے قابل جیسا ہی شمار ہوتے تہے کہ وہ اس تنگ احاطہ سے باہر ہوتے تہے
اہل عرب کی ساری خوبیونکا حال اگر کوئی دیکہنا چاہے تو وہ حاتم طائی کی خصائل مین دیکہ لے اس سخی کا نام ایسا ہے کہ اسکو
جاہل سے لیکر عالم تک ہندوستان کے سب جانتے ہین وہ قبیلہ بنی طی کا شریر تہا۔ وہ اہل عرب کی تمام نیکیونکا آئینہ تہا۔ جوان مرد۔
بہادر۔ فیاض۔ دریا دل۔ شاعر فصیح بیان جنگ و پیکار مین کامگار و کامران۔ مہمان نواز ایسا کہ چالیس شتر جس کے
ہان عزت مین قربان ہوتے تہے۔ ایکدفعہ اس نے اپنی جانی دشمن کی منت سماجت کرنے پر تمام مال و متاع و قیدی و
غلام اسکے واپس کر دئے ۔ سنہ ۔ مین اسنے وفات پائی۔ عرب کی آزادی کا اقتضا قوانین عدالت کی پابندی
انکو نفرت دلاتا تہا۔ انہین جو جبلی عادت سخاوت شجاعت رحم تہا۔ اس سے وہ مستفید ہوتے تہے۔ اسلیے وہ اپنا فخر
اور جوہر ذاتی سمجہتے تہے۔ قوانین و آئین کی پابندی سے جو خوبیان پیدا ہوتی ہین وہ انکی نزدیک ذلیل و حقیر تہین۔
بدوون کے دل سخی اور قلب جری۔ انکے لغت فصیح۔ زبان بلیغ۔ نسب صحیح۔ حسب شریف۔ انکی زبان سے کلام ایسا روان
نکلتا تہا جیسے تیر کمان سے۔ وہ دلوں پر اثر کرتا تہا نسیم بہار اور آب شیرین سے زیادہ لطف دیتا تہا وہ بہوکونکو مصیبت مین
کہانا کہلاتے تہے میدان جنگ مین زبردستونسے لڑنے مرنے کو طیار ہوتے تہے۔ یہ انکو گوارا تہا کہ کوئی غیر انکا دل کہا جائے
اور اپنا تابع بنائے اور ان کی عزت کا خواہان ہو۔ وہ اپنی ہمسایہ کے ایسے حامی ہوتے تہے کہ اسکو تکلیف نہین پہنچنے دیتے
تہے۔ گہر کی عورتونپر کسی کی نظر بد نہین پڑنے دیتے تہے۔ امیر و ان شریفونکو ذلیل نہین ہونے دیتے تہے۔
اہل عرب جو اجرام فلکی یعنی چاند سورج ستارون کی پرستش کرتے تہے وہ صابئین کہلاتے تہے۔ عبرانی زبان
مین صابی کے معنے ستارے کے ہین یہ اجرام فلکی کی پرستش انسان کے توہمی مذہب کا اختراع اول ہے۔ یہ مذہب اور
مذاہب باطلہ مین زیادہ خوشنما معلوم ہوتا ہے ان اجرام فلکی کا نور جو ساری زمین اور آسمان پر چمکتا ہے وہ ذات
الہی کے نور کی تصویر آنکہون کے سامنے رکہدیتا ہے انکی تعداد اور ابعاد عظیم و جلالی دونون کی نظر مین ایک قدرت
غیر متناہی کا تصور باندہ دیتی ہین۔ ان نورانی مجسم کرون مین کبہی زوال و تنزل کے آثار نمایان نہین ہوتے

اس لیے انکا ازلی و ابدی ہونا انکی ذات ہی سے خود عیان ہوتا ہے۔ انکی حرکتین ایسے انضباط و قواعد کے ساتھ ہوتی ہین کہ ان مین حرکت آزادی اور عقل انسانی و حیوانی کے موجود ہونیکا خیال بھی پیدا ہوتا ہے۔ تاثیرات کواکب خواہ وہ خیالی ہون یا اصلی ہون اعتقاد باطل کی تقویت اسلیے کرتی ہین کہ وہ زمین کے باشندونکی خبرگیری اور انکے کامونکا انتظام و انصرام کرتی ہین۔ علم ہیئات کی بنا بابل مین پڑی۔ مگر اہل عرب کی استادی اس علم مین انکے صحرائی مطلع آسمانی اور بیابانون کی کف دستی نے پیدا کی۔ انکے راتون سفر مین بھی ستارہ ہی رہنمائی کرتے تھے بدوون کو انکے نام اور ترتیب منازل معلوم تھے اور انکا تفحص و تجسس انکی عادات مین داخل تھا انھون نے اپنے تجربہ و مشاہدہ سے دور قمر کو اٹھائیس منازل مین تقسیم کیا تھا۔ اور ان ستارونکے اقترانون کو نہایت سعد سمجھتے تھے کہ جنمین بارش ہوتی تھی اور انکی خشک لبین کی پیاس بجھتی تھی یہ تاثیرات اجرام فلکی تو جسمانی تھین وہ صرف مادیات مین محسوس ہوتی تھین۔ یہہ ستارہ پرست انواء منازل ستارون و نجمین کا بہت اعتقاد رکھتے تھے بہت کام انکے انواء پر مقرر تھے وہ کوئی حرکت و جنبش بھی نکرتے جب تک وہ موافق نوء کے نہوتی اور کہا کرتے تھے کہ اب کی دفعہ فلانی نوء کے سبب ہمارے ملک مین مینہ برسا۔

ان کے مذہب مین روحانی مسائل کی بھی ضرورت تھی سو وہ تناسخ ارواح اور حشرات اجسام کے قائل تھے مردہ کی قبر پر ایک اونٹ مردہ کیلیے باندہ دیتے تھے کہ وہ دوسرے جنم مین اسکی خدمت کرے۔ مردون کی روحون کی حشرات کیجاتی تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بقائے روح کے مرنے کے بعد قائل تھے اور یہہ سمجھتے تھے کہ اسکو علم ہوتا ہے اور قدرت رکھتی ہے۔ بتفصیل یہ بتلانا نہایت مشکل کام ہے کہ انکے دیوتا کون کون سے تھے اور کن کن مقامون سے مخصوص تھے کون کونسے کوکب کی وہ پرستش کرتے تھے۔ عناصر کی عبادت کیونکر کرتے تھے انکی تذکیر و تانیث کیونکر مانتے تھے یعنی کیونکر دیوتا اور دیبی مقرر کرلیتے تھے۔ ان کے کیا اخلاقی القاب تھے کیا کیا انکے صفات بیان کیے جاتے تھے۔

انہین چند مشہور باتین لکھتے ہین کہ اہل عرب مین ہر فرقہ و قبیلہ اور خود مختار جتھا اپنی رسوم عبادت اور اپنے معبود کو جیسا چاہتا بدل ڈالتا تھا۔ مگر ہان کل قوم کا اسمین اتفاق تھا کہ کعبہ کی چوگرد والے اُس کو کبھی نہین اپنے بتون کے آگے ہمیشہ سر جھکایا۔ اور وہ انکی زبان کی عظمت کا اعتقاد رکھا۔ ملل و نحل مین شہرستانی کہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت مین اہل عرب کے کئی فرقے تھے ایک فرقہ خدا تعالی کا بالکل منکر تھا اسکا یہ مقولہ تھا کہ یہ شے اپنی طبیعت سے زندہ ہوجاتی ہے اور دہر یا زمانہ اسکو مار ڈالتا ہے اور پھر وہ زندہ نہین ہوتی۔ دوسرا فرقہ خالق کا اقرار کرتا تھا مگر مر کر پھر زندہ ہونے سے انکار کرتا تھا۔ ایک فرقہ بتونکو پوجتا تھا اور ہر قبیلہ کے ساتھ

ایک بت مخصوص تھا۔ اور وہ ایک جگہ قایم تھا ہبل سب بتون مین معزز و معظم بت تھا وہ کعبہ مین تھا اور اساف
نائلہ صفا والمروا مین لات قبیلہ ثقیف کا طائف مین قریش کا اور بنی کنانہ کا بت عزیٰ تھا اُس اور
خزرج کا منات بعض فرشتون کو سجدہ کرتے تھے اور بعض جنون کو پوجتے تھے۔

کعبہ کی قدامت مین کسیکو کلام نہین۔ اسکا ذکر حضرت عیسیٰ کے زمانہ سے پیشتر کی تاریخون مین موجود ہے
ایک بڑا قدیمی یونانی مورخ بحیرۂ احمر کے ساحل کے ذکر مین لکھتا ہی کہ ثمود و صابئین کے درمیان ایک مشہور معبد ہے
جسکو سب اہل عرب مقدس سمجھتے ہین۔ اول ہی اول حمیر کے ایک دیندار بادشاہ نے جو سات برس پہلی ہجرت
سے تھا کتان یا ریشم کا پردہ کعبہ پر چڑھایا تھا جس کی نقل اب تک سلطان روم کرتا ہی۔ کہ خانہ کعبہ کے پردہ کو ہر
سال بدلتا رہتا ہی۔ وحشیون کی پرستش کے لیے تو ایک خیمہ یا غار کوہ کافی تھا مگر کعبہ انکے واسطے پتھر اور چکنی مٹی کی
عمارت بنائی تھی۔ اس عمارت کی اصلی سادگی اب تک موجود ہی اسمین مشرقی بادشاہون نے اپنے اقتدار اور ہنرمندی کو
زیادہ نہین خرچ کیا۔ کعبہ کے چارون کونو پر ایک ایوان تھا۔ اسمین خانہ کعبہ مربع ۲۴ ہاتھ لمبا اور ۲۳ ہاتھ چوڑا
اور ۲۷ ہاتھ بلند تھا۔ ایک دروازہ اور ایک کھڑکی روشنی کے واسطے تھی۔ دوہری چھت ستونو پر قایم تھی اسمین
ایک پرنالہ مینہ کے واسطے پانی کے نکالنے کے لیے تھا۔ چاہ زمزم پر ایک گنبج بنا ہوا تھا کہ اسمین کوئی ناپاک چیز اوسکے
سے نہ آن پڑے۔ قریش کا قبیلہ قدیم سے مکہ مین رہتا تھا اور معزز شمار ہوتا تھا۔ قریش مکہ کی آبادی و بہبودی کی
کوشش کرتے تھے۔ تجارت کا انتظام کرتے تھے۔ بنی ہاشم کا خاندان بڑا نامی اور بزرگ تھا وہ کعبہ کا متولی تھا ہر سال
کے آخر مہینہ مین یہان لوگ حج (حج کے معنی قصد کے ہین اور سال کے بھی ہین۔ اسواسطے خواہ اس خیال سے کہ یہان
آنے سے قصد عبادت کا ہوتا تھا یا سال بسال یہان مجمع ہوتا تھا اس سفر کا نام حج ہو گیا تھا) کو آتے تھے
مناسک مراسم حج جو اس زمانہ جاہلیت مین تھے وہ اسلام کے زمانہ تک بھی قایم رہے ہر ایک قبیلہ نے اپنا اپنا
بت جدا خانہ کعبہ مین رکھا تھا اسلئے خانہ کعبہ مین تین سو ساٹھ بت تھے جسمین بعض آدمیون کے بعض ہاتھی بعض شیر کے اور
بعض ہرن وغیرہ کی شکل کے تھے ان سب مین ہبل ممتاز تھا۔ سرخ پتھر کا وہ بنا ہوا تھا وہ اہل شام کی صنعت کی یادگار
تھی وحشیانہ زمانہ مین اہل عرب ایک کھڑا پتھر عبادت کیواسطے رکھ لیتے تھے یا کسی تھان مین بتون و قربانگاہ کو بنا لیتے تھے۔

دنیا مین جاپان سے لیکر پیرو تک قربانیونکا عام رواج ہی قربانی کرنیوالے اپنے دیوتاؤن کی پرستش اور
بندگی اسمین سمجھتے ہین کہ جو چیز ہمکو سب سے زیادہ عزیز ہو اسکو ذبح کرکے قربان کر ڈالین سب سے زیادہ عزیز انسان
اپنی جان ہی وہ بھی اسپر قربان کرنی بڑی عبادت سمجھی جاتی ہی بعض تو اسلئے ایسے ہین کہ اپنے انسانون کی قربانیان

ہوتی ہین یہ رسم عرب مین بھی بہت مدت تک جاری رہی کہ ایک لڑکے کی قربانی کعبہ مین بتون پر چڑہاتے تھے۔ باپ کا اپنے بیٹے کو قربان کرنے کے لئے ہاتھ پکڑ کر بتخانہ مین لیجانا تعجب نہین جوش اور دیوانگی کی نشانی ہے یہ کام وہی کرتے تھے کہ بڑے بہادر اور جری و متقدس مشرک ہوتے تھے چنانچہ آنحضرت کے دادا نے بھی منت مانی تھی کہ مین اپنے بیٹے کو قربان کرونگا۔ مگر آنحضرت کے والد پیدا ہوئے تو انہون نے اس قربانی کی عوض کفارہ مین اونٹ دئے زمانہ جاہلیت مین اہل عرب کو بھی مثل یہود کے سور کے گوشت کہانے سے پرہیز تھا۔ اولاد کا ختنہ بھی وہ کراتے تھے۔ ماں بیٹی سے نکاح نہین کرتے تھے۔ اور سگی بہنون سے بیاہ کرنیکو برا جانتے تھے جو شخص اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیتا تھا اسکو بہت ہی برا جانتے تھے۔ افلاس کے سبب رسم دخترکشی رائج تھی۔

عرب آزاد ملک تھا ہمسایہ کی سلطنتون مین فتوحات اور ظلم کے سبب سے ہل چل پڑی تھی تو ستم رسیدہ آزادہ لوگ یہان چلے آتے تھے جہان جانتے تھے کہ جو ہم چاہینگے اپنے خیالات کہینگے اور جو اپنا پیشہ ہو وہ کرینگے صابی یہودیون عیسائیون مجوسیون کا مذہب بالکل خلیج فارس سے بحر احمر تک خارج ہو چکا تھا۔ بہت قدیم زمانہ مین صابئین کا مذہب خالدیہ والون کے نجومیون کے علم سے اور عبرانیہ والون کی تلوار سے ایشیا مین پہیلا تھا۔ وہ ہزار برس کے عرصہ مین اپنے مشاہدات اور تجربون سے بابل کے نجومیون اور پیرو مرشدون نے نظام و تدبیرات الہی اور فطرت کی قوانین انہون نے دریافت کئے وہ سات دیوتاؤن اور فرشتون کی عبادت کرتے تھے۔ ان دیوتاؤن کو کہتے تھے کہ وہ سبعہ سیارہ کو اپنے مدار مین چلاتے ہین وہ اپنا اثر زمین پر ایسا کرتے ہین کہ جسکا مقابلہ کسی سے نہین ہوسکتا سبعہ سیارہ کی صفات کو اور بارہ برجون اور چوبیس اشکال شمالی و جنوبی کو تصاویر سے تعبیر کر کے انکا نام طلسمات اور ہیاکل رکھا تھا۔ صابئین دن مین تین دفعہ نماز پڑھتے تھے۔ حیرہ مین ایک ہیکل قمر تھی وہان حج کو جاتے تھے۔ انکا مذہب ایسا لچکدار تھا کہ کچھ آپ سیکھتا تھا اور کچھ اورونکو سکھاتا تھا۔ آفرینش عالم کا طوفان نوح کے مانتے ہین وہ اپنے تئین قدیمی یہودیونکا سا مذہب کہتے تھے حضرت آدم اور حضرت شیث اور حضرت یونس کے صحف کو مانتے تھے جنکو وہ مخفی رکھتے تھے پھر وہ عیسائیون کے عقائد کی بھی چاشنی اپنے مذہب مین ملائی تھی۔ بابل کی قربانگاہ مین مجوسیون نے تہ و بالا کر دی تہین صابئین کو جو نقصان انکے ہاتھ سے پہونچے تھے اسکا عوض سکندر اعظم نے خوب لیا تھا ایران پانسو برس تک غیر قوموں کی حکومت کے جوئے کو اٹھاتا رہا اور داویلا کرتا رہا۔ الغرض وحشت کے مذہب والے صابئین بھی وہان سے بھاگ کر آزادانہ زیست بسر کرنیکے لئے عرب مین چلے گئے تھے۔

عرب میں صابئین

آنحضرت کی وفات سے سات سو برس پہلے یہودیون نے عرب مین سکونت اختیار کی تھی طیطوس اور ہیڈرین کا

لڑائیون کے سبب سے ارض مقدس سے بہت سے یہودی ملک عرب مین جا بسے تھے۔ یہ جلا وطن جفاکش آزادی اور قدرت کو چاہتے تھے۔ انہون نے اپنے معابد و شہر و قلعے جنگلون مین بنا لئے تھے۔ اور غیر قومین جو یہودی ہو گئی تھین وہ بنی اسرائیل کے ساتھ خلط ملط ہو گئین۔ انمین ظاہری نشانی ختنہ کی ایک ہی تھی۔

عیسائی مشنری اپنے کام مین مستعد اور نہایت کامیاب تھے۔ کیتھولک مذہب کی حکمرانی تھی جن عیسائی گروہونکو انہون نے دبا یا تھا وہ رومیو کی سلطنت کی حد سے پرے نکل گئے تھے۔ انکی انجیل و عقاید رومن کیتھولک سے نہ تھے۔ انہون نے یمن مین اپنے کلیسا قایم کئے اور آزاد ہو گئے۔ غرض یون عرب جو اپنے مذہب مین آزاد تھا اسکے ساتھ یہ یہودی عیسائی مجوسی۔ اور صابئین بھی شریک ہو گئے۔ یہ جو اجنبی قومین یہان آکر آباد ہوئین ان سب کے فاضلونکا اس مسئلہ پر اتفاق تھا کہ خدا ایک ہے۔ زمین اور آسمان سب اسکے محکوم ہین اس نے انسانون مین اپنا الہام بذریعہ فرشتون و پیغمبرون کے بھیجا ہے اور اسنے اپنے فضل و کرم اور عدل سے معجزات خرق عادات ظاہر کیا ہے عرب کے مہذب خاص لوگ خدا کو ایک مانتے تھے۔ مگر اسکی عبادت مین بڑی غفلت کرتے تھے بتونکی عبادت کی عادت انکو تھی گو انکا اعتقاد یہ بھی ہو اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی عہد عتیق و عہد جدید عربی زبان مین ترجمہ ہو گئے تھے انجیل طفولیت جو آجکل عیسائیونکے مذہب سے خارج سمجھی جاتی ہے اسکا رواج تھا۔ یہودیون کو اہل عرب اپنی قوم کا (اپ دادا) سمجھتے تھے۔ وہ حضرت اسمعیل کی ولادت اور انکے وعدون کی تعریف کرتے تھے حضرت ابراہیم کے مذہب کا ادب و تعظیم کرتے تھے۔ اپنے تئین اور یہودیونکو ایک باپ کی اولاد جانتے تھے۔ مذہب کا ہونا اعتقاد رکھتے تھے

معلوم نہین کہ کس زمانہ سے سارا جزیرہ عرب کلیجی روحانی کیفیات سے محض نا آشنا تھا۔ یہودیت و نصرانیت و فلسفہ کا اثر ملک عرب پر ایسا اوپری اوپری خفیف نا پایدار تھا جیسے کہ کسی آب ایستادہ پر لہرون کا اثر ہوتا ہے کہ وہ اسکی سطح بالا کو تو متحرک کرتی ہین مگر تہ مین انکا کچھ اثر نہین ہوتا وہ جیسی و حرکت رہتی ہے۔ کل عرب توہمات باطلہ مین گرفتار۔ بدکاری مین ڈوبا ہوا۔ خدا کے کارساز پر ایمان نہین رکھتا تھا۔ بجز جنّی ارواح کے توہمات باطلہ ایمان۔ انہین کی رضا و خوشی پر دل و جان سے فدا انکی ناخوشی سے ہراسان نہ قیامت کا نہ اعمال کی سزا و جزا کا قایل۔ غرض جب یہ حالت ملک عرب کی تھی۔ مسدس حالی

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت	بڑھا جانب بوقبیس ابر رحمت
ادا خاک بطحا نے کی وہ ودیعت	چلے آتے تھے جسکی دیتے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا	دعائے خلیل و نوید مسیحا

باب دوم

دنیا مین اہل عرب کی سلطنت کن کن ملکون مین قایم ہوئی پہر کل سلطنت کن کن حصون مین منقسم ہوئی اور پہران حصون مین ہر ایک کتنے حصون مین تقسیم در تقسیم ہوئے اور ہر ہر حصہ مین کون کون سے دودمان خلفاء نے حکومت کی اور کہان کہان انکے شجرے پہیلے اور کن کن خاندانون کے بادشاہ ہوئے۔

یاد رکہنا چاہئے کہ ہم نے سنہ ہجری و عیسائی اوپر تلے جو لکھے ہین انمین اوپر ہجری اور نیچے عیسوی سن ہین

خلفاء

(۱) خلفائے راشدین (۲) خلفائے بنی اُمیہ (۳) خلفائے عباسیہ

فصل اول خلفاء راشدین بنی اُمیہ و عباسیہ

آنحضرتؐ کی وفات ۱۱ھ / ۶۳۲ء مین ہوئی اور حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے۔ بعد انکے جانشین بالترتیب حضرت عمرؓ و حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ ہوئے۔ ان خلفائے راشدین مین سے کسیکی اولاد مین سلسلۂ خلافت نہین چلا۔ حضرت علیؓ کے بعد جناب امام حسنؓ چہہ مہینے تک پہر نام خلیفہ رہے پہر خلافت اُنہون نے خود امیر معاویہ کو سپرد کردی ۴۱ھ / ۶۶۱ء مین امیر معاویہ خلیفہ ہوا۔ وہ آنحضرتؐ کی قوم قریش مین امیہ کے خاندان مین سے تہا اس لئے اس خاندان کا نام بنی امیہ یا اموبہ ہے اُس خاندان مین سلسلۂ خلافت قایم ہوا اور اُس مین چودہ خلیفہ متواتر ہوئے انکا دار الخلافہ دمشق تہا۔ ۱۳۲ھ / ۷۵۰ء مین سوائے سپین کے کہین اور اس خاندان کی خلافت نہین قایم رہی آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے خاندان نے اس بنی امیہ کے خاندان کو معزول کیا اور اپنے خاندان مین سلسلہ خلافت کو جاری کیا اور بغداد کی ۱۴۵ھ / ۷۶۲ء مین بنا ڈالی اور اسکو اپنا دار الخلافہ بنایا۔ اس خاندان کو ۶۵۶ھ / ۱۲۵۸ء مین ہولاکو خان (ہلاکو خان) نے معزول کیا مصر مین قاہرہ کے اندر یہ خاندان عباسیہ برائے نام خلیفہ کا لقب عظیم رکہتا تہا اور اُسکی دعا و برکت اور عظمت مانی جاتی تہی مگر عثمانی سلطان سلیم اول نے یہ لقب بہی اپنے سلاطین قسطنطنیہ کے لئے چہین لیا۔ اب سلطان روم مسند خلافت عظمیٰ پر جلوہ افروز ہوتا ہے جس وقت حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے تہے تو اہل عرب کی سلطنت نے اپنا قدم ملک عرب سے باہر نہین نکالا تہا مگر خلفائے راشدین کے عہد خلافت مین ملک پر ملک فتح ہوتے گئے اور قلیل مین سلطنت عرب کو وہ وسعت حاصل ہوگئی جسکی نظیر دنیا کی تاریخ مین کمتر ملیگی متواتر فتوح ۱۲ھ / ۶۳۳ء مین عراق عرب پر قبضہ ہوا اور شہر حیرہ پر تسلط ہوا ۱۳ھ / ۶۳۴ء مین یرموک کی لڑائی سے شام مین سلطنت اسلامیہ کو راہ ملی۔

سنہ ۱۴ھ (۶۳۵ء) میں دمشق فتح ہوا سنہ ۱۵ھ (۶۳۶ء) میں اسی سال انطاکیہ اور اورشلیم تسخیر ہوا۔ اور سنہ ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں فتح قیصریہ سے
شام بالکل مطیع ہوا اسی اثنا میں سنہ ۱۴ھ (۶۳۵ء) میں جنگ قادسیہ اور فتح مدائن سنہ ۱۶ھ (۶۳۷ء) میں عراق عرب
عجم پر بالکل تسلط ہوا اور بصرہ و کوفہ کی بنیاد قائم ہوئی سنہ ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں سلطنت پر خوزستان و تستر کا اور اضافہ ہوا
سنہ ۲۱ھ (۶۴۲ء) میں نہاوند کی لڑائی نے ایران کے خاندان ساسانیہ کو بالکل ستیاناس ملا کے خاک میں ملا دیا اور سارا
ایران مسلمان ہو گیا سنہ ۳۱ھ (۶۵۱ء) میں ہرات پر اسلام کا ڈنکا بجا اور وہاں سے پھر سارے افغانستان میں سندھ تک اسلام کے
اعلام ظفر قائم ہوئے اور سندھ میں انکی سلطنت کی بنیاد پڑی سنہ ۵۴ھ (۶۷۴ء) میں بخارا پر اور دو برس بعد سمرقند پر تصرف
ہوا۔ ماوراء النہر کئی دفعہ کی تاخت و تاراج کے بعد سنہ ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں بالکل مطیع ہو گیا غرض عرب سے باہر جب ملکوں کے فتح کرنے کے
لیے اہل اسلام نے قدم نکالا تو پچیس برس کے عرصہ میں اپنی کشورکشائی کو مشرق میں حد غایت کو پہونچایا۔ مگر مغرب میں
ملک گیری میں کچھ توقف ہوا سنہ ۲۰ھ (۶۴۰ء) میں مصر تسخیر کیا سنہ ۲۶ھ (۶۴۷ء) میں بربر تاخت و تاراج کو رومیوں کے کارتھیج تک پہونچایا۔ بربر کے
جفاکش وحشی باشندوں کو زیر کرنا ایسا آسان کام نہ تھا جیسا کہ ایران یونان و شام و مصر کے عیش دوست باشندوں کو
محکوم بنانا سنہ ۵۰ھ (۶۷۰ء) میں قیروان کی بنیاد قائم ہوئی اور وہ افریقہ کا دارالسلطنت مقرر ہوا سنہ ۷۴ھ (۶۹۳ء) میں کارتھیج تسخیر ہوا
عرب کی لشکرکشی بحر اطلانٹک تک پہونچی تسخیر سے وہ سنہ ۹۱ھ (۷۱۰ء) میں اندلس (اسپین) میں داخل ہوئی سنہ ۹۳ھ (۷۱۲ء) میں ژولی کی
لڑائی سے یہ گوتھ کی سلطنت سپین اہل عرب کے ہاتھ آئی سنہ ۱۱۳ھ (۷۳۱ء) میں وہ طورس پر فتح حاصل کر کے جنوبی فرانس پر
قابض ہو گئے اور برگنڈی اور ڈفنی کو تاخت و تاراج کیا غرض خلفاء عرب نے ایک صدی میں مغرب کی طرف وسعت عظیم
میں اپنی سلطنت کو قائم کر لیا شمال میں یونانیوں کے پاس صرف اناٹولیا تو باقی رہا وہ خلفا کے قبضہ میں کبھی نہیں آیا
مگر مسلمانوں نے آرمینیا کو فتح کیا سنہ ۳۱ھ میں ارض روم پر پہونچے سنہ ۲۸ھ (۶۴۹ء) میں جزیرہ قبرس (سائپرس) کو
فتح کیا سنہ ۴۸ھ (۶۶۸ء) سے قسطنطنیہ کو محاصرہ کئی دفعہ کیا۔

پس اس طرح خلفائے عرب کی سلطنت کو یہ وسعت حاصل ہوئی کہ بحر اٹلانٹک سے سندھ تک اور بحر کیسپین (خزر) سے
رود نیل کے کناروں تک پھیل گئی جب سلطنت کو یہ وسعت عظیم حاصل ہو تو ایک بادشاہ کا یہ کام نہ تھا کہ وہ سب کو یکجا جمع
رکھکر بادشاہی کرتا ضرور تھا کہ وہ حصوں میں جدا جدا منقسم ہو جائے اول اندلس (سپین) نے عرب کی خلافت کو
کنارہ کشی کی عبدالرحمن جو معزول خاندان بنی امیہ کا ایک رکن تھا وہ سنہ ۱۳۸ھ (۷۵۵ء) میں بالکل اندلس کا خودمختار
آزاد سلطان تسلیم کیا گیا اور اس نے خاندان عباسیہ سے کچھ اپنا تعلق نہیں رکھا اس کے بعد ادریس جو حضرت علی کی
کی اولاد میں سے تھا اور اسلئے وہ خاندان بنی امیہ اور خاندان عباسیہ دونوں کا مخالف تھا مراکش دھرا کے خاندان

طوبیہ کی آزادانہ سلطنت قایم کی اور ۱۷۲ھ (۷۸۸ء) تدغا کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ باقی شمالی افریقہ کا ایک حصہ بھی
خلافت سے نکل گیا یعنی خاندان اغلبیہ کو غلبہ ہوا اور ۱۸۴ھ (۸۰۰ء) میں قیروان کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ آیندہ صدی
میں مصر اور شام دونوں خلافت کی فرمانبری سے نکلکر خود مختار فرمانروا ہو گئے ۲۶۴ھ (۸۷۷ء) میں طولون آزاد بادشاہ ہوا
یہ سچ ہے کہ خاندان طولون کی حکومت کے بعد ۳۰ برس تک خاندان عباسیہ کی طرف سے پھر یہاں حاکم مقرر ہونے لگے تھے
مگر ۳۲۳ھ (۹۳۴ء) میں اخشیدیہ خاندان نے اپنی سلطنت جدا جمائی۔ بعد اسکے دریائے فرات کے مغرب میں کسی ملک نے سوا ملکی میں
خلفاء بغداد کی اطاعت نہیں کی۔ مگر دینی اطاعت کو نہیں چھوڑا خطبوں میں اور سکوں میں ان خلفاء بغداد کا نام ہوتا
تھا۔ مگر سپین اور مراکش میں نہ سکہ پر انکا نام تھا نہ خطبہ میں انکا نام پڑھا جاتا تھا۔

مشرق میں بھی خاندان عباسیہ کی حکومت سے ملک آزاد ہوتے جاتے تھے ۲۰۴ھ (۸۱۹ء) میں خلیفہ مامون رشید نامور سپہ سالار
طاہر ذوالیمینین جب مشرق میں نائب خلیفہ مقرر ہوا تو اُس نے خلیفہ سے سرتابی کی اور خود مختار ہو گیا اسکے بعد اور خاندان
سفاریہ سامانیہ وغیرہ پیدا ہوئے اور جدا جدا اپنی سلطنت کرنے لگے۔ خلفا کی دینی بزرگی کو یہ سب خاندان تسلیم
کرتے تھے مگر مشرقی اضلاع ایران اور ماوراء النہر کی ساری دولت اور حکومت کو اپنے قبضۂ اقتدار میں کئے تھے تیسری
صدی کے وسط سے دولت عباسیہ میں ترکی سپاہ کا بڑا غلبہ ہوتا جاتا تھا۔ باقی ملک بھی خاندان بنی بویہ کے قبضہ
میں آ گئے ۳۳۴ھ (۹۴۵ء) میں بغداد بھی انہیں کے پاس تھا۔ اس سن سے خلفاء عرب کی سلطنت کسی ملک میں باقی نہ رہی مگر انکا
شاہانہ دربار موقوف ہوا تھا اور ۶۵۶ھ (۱۲۵۸ء) میں مغلوں نے اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ ایک اتفاق تھا کہ خلیفہ ناصر نے اپنے محل کی دیواروں تک
بھی حکومت کی اور عراق عجمی (کالڈیا) پر حکمرانی کی۔ دولت عباسیہ کے بعد سلاطین و خلفاے خاندانوں کا حال جدا جدا لکھتے ہیں۔

فصل دوم اسپین

۴ خلفاء بنی امیہ (قرطبہ) چھوٹے خاندان ۵ حمودیہ (مالقا) ۶ حمودیہ (الجی سی رس) ۷ عبادیہ (اشبیلیہ)
۸ زاریہ (غرناطہ) ۹ جواہریہ (قرطبہ) ۱۰ ذوالنونیہ (طلیطلہ تولودو) ۱۱ عامریہ (بلنسیہ) ۱۲
توجیبیہ اور ہودیہ (زاراگوزہ) ۱۳ شاہان دینیہ (المرابطین) الموحد ۱۴ قصریہ (غرناطہ)

مسلمانوں نے سپین کو ۹۱-۹۳ھ (۷۱۰-۷۱۲ء) میں فتح کیا تھا اور ۱۳۸ھ (۷۵۵ء) تک دوسرے ملکوں کی طرح اسپین بھی خلفاء بنی امیہ
اپنی طرف سے حاکم مقرر کرتے رہے۔ خاندان بنی امیہ کے چند ارکان جو خاندان عباسیہ کے قتل عام سے بھاگ کر بچ آئے
تھے ان میں عبدالرحمن بنی امیہ کے دسویں خلیفہ ہشام کا پوتا بھی تھا چند روز تک وہ پریشان پڑا پھرا پھر اُس نے
اندلس (سپین) میں دیکھا کہ قوم بربر اور عرب کے قبائل حسد و بغض کے سبب آپس میں بادشاہی کے لئے مخالفت

کر رہے ہیں۔ اسکو یہ موقع ایسا اچھا ملا کہ اُس نے اپنے تئیں سپین کا بادشاہ بنا لیا ۱۳۸ھ (۷۵۶ء) میں سپین کے بڑے بڑے مسلمانوں نے اسکی اطاعت کرلی اور لشکر عباسیہ نے جو اُسپر حملہ کیا اُسکو شکست اس نے دیدی۔ اس فتح سے اسکے خاندان کی سپین کی فرمانروائی جم گئی اور اُسکے جانشینوں نے قرطبہ (کوردوا) کو اپنا دارالسلطنت بنایا اور شمال کے عیسائیوں کو اور بہت سی اپنی رعایا کے دنگہ و فساد و بغاوت و سرکشی کو دبایا۔ ڈھائی سو برس تک ٹکر و فر سے سلطنت کی۔ اول اول انھوں نے امیر و سلطان کے لقب پر قناعت کی لیکن عبدالرحمٰن ثالث کے عہد میں ۳۱۷ھ (۹۲۹ء) میں خلیفہ کا خطاب اپنا رکھا۔ اس خاندان میں سب سے بڑا زبردست سلطان عبدالرحمٰن سوم ہوا ہے اس نے فقط اپنی ہی رعایا پر زبردست حکومت نہیں کی بلکہ عیسائی بادشاہوں کو اُس نے روکا۔ اور افریقہ کے حملوں سے اپنے ملک کو محفوظ رکھا۔ بحر مڈی ٹرینین (بحر شام) پر اسکی بحری قوت بڑی شان و شوکت کی تھی۔ جہازوں کے بڑے بڑے جنگی بیڑے اس بحر میں اسکے رہتے تھے۔ اُسکی موت کے بعد خلیفہ بنی امیہ نے کوئی بڑا کام نہیں کیا مگر اسکے وزیر المنصور نے سلطنت میں اتحاد رکھا۔

پانچویں صدی میں سپین میں مسلمانوں کے جھگڑے ایسے شروع ہوئے کہ طوائف الملوکی ہوگئی چھوٹی چھوٹی ریاستیں خود مختار ہوگئیں۔ سپین میں خاندان بنی امیہ نے ۱۳۸-۴۲۲ھ (۷۵۶-۱۰۳۱ء) تک سلطنت کی۔ قرطبہ انکا دارالسلطنت تھا۔ پھر طوائف الملوکی میں خاندان حمودیہ نے ۴۳۱-۴۵۶ھ (۱۰۳۹-۱۰۵۸ء) الجی سی رس میں سلطنت کی خاندان عبادیہ نے اشبیلیہ (سی ول لی) میں ۴۱۴-۴۸۴ھ (۱۰۲۳-۱۰۹۱ء) تک سلطنت کی۔ اور خاندان زبریہ نے قرطبہ میں ۴۰۳-۴۸۳ھ (۱۰۱۲-۱۰۹۰ء) تک فرمانروائی کی اور غرناطہ میں ۴۲۲-۴۶۱ھ (۱۰۳۱-۱۰۶۸ء) تک خاندان جوہریہ نے بادشاہت کی۔ تولیدو میں ۴۲۶-۴۷۸ھ (۱۰۳۴-۱۰۸۵ء) تک خاندان ذوالنونیہ نے سلطنت کی۔ بلنیشیہ (ویلن شیا) میں ۴۱۲-۴۷۸ھ (۱۰۲۱-۱۰۸۵ء) تک خاندان عبادیہ نے حکومت کی ۴۷۹ھ (۱۰۸۶ء) میں خاندان عبادیہ نے ایکدفعہ الفنسو لیون سے لڑنے کے لیئے خاندان المرابطین کو بلایا تھا۔ دوبارہ ۴۸۳ھ (۱۰۹۰ء) میں اُنکو پھر بلایا تو انھوں نے سپین کا ملک جتنا مسلمانوں کے پاس تھا اُسے فتح کرلیا۔ اور اپنی افریقہ کی سلطنت کا ایک صوبہ اُسکو بنالیا۔ اور اُس خاندان کا قائم مقام خاندان الموحد ہوا انھوں نے سپین کو اپنی سلطنت کا ایک صوبہ ہی قرار دیا۔ ان دو حملوں اور خاندان الموحد کے درمیان بلنشیہ (وے لی نی شیا) اور مورشیا کی ریاستوں اور خاندانوں کی خود مختار ریاستیں قائم ہوگئیں۔

عیسائیوں سے بہت لڑائیوں کے بعد شہر غرناطہ سے مسلمانوں کو فردی نند اور ایزی بلا کے حملوں نے نکال دیا اور ۱۴۹۲ء میں مسلمانوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا۔

فصل سوم شمالی افریقہ

۱۵- ادریسیہ (مراکش) ۱۶- اغلبیہ (ٹیونس) خاندان بنی فاطمہ (مصر کو دیکھو) ۱۷- زیریہ (ٹیونس)

۱۸- حمادیہ (الجیریا) ۱۹- المرابطہ (مراکش- الجیریا- سپین) ۲۰- الموحد (شمالی افریقہ- سپین) ۲۱- زیانیہ (مراکش) ۲۲- زیانیہ (الجیریا) ۲۳- حفصیہ (ٹیونس) ۲۴- شرفیہ (مراکش)

افریقہ کے صحرائے عظیم اور بحیرۂ روم کے درمیان ایک حصہ زمین قابل آبادی ہے وہ ہمیشہ سے شام کی اولاد کی دایہ رہا ہے۔ یہودیوں کے ہاں جس پیغمبر کی بے قدری اپنے وطن میں ہوئی وہ یہاں ضرور آتا۔ اور یہاں کے لوگ اسکو سر پر بٹھاتے۔ اور اسپر ایمان دل و جان سے لاتے۔ یہاں کے باشندوں کے سرشت میں پیغمبروں کا معتقد ہو جانا داخل تھا۔ خاندان عباسیہ کیلئے یہ مشکل تھا کہ وہ ایسے دور دست ملک میں جسکے باشندے جنگجو و تند خو ہوں اپنی خلافت کو قایم رکھتے اور اسکی رعایا کی بغاوت کے دبانیکے لئے لشکر عظیم رکھتے اور طرح طرح محنت و مشقت اٹھاتے اور زر کثیر خرچ کرتے۔ اسلئے المرابطہ اور الموحد خاندانوں نے خاندان علویہ کی سلطنت جمائی جنہیں خاندان ادریسیہ اور خاندان فاطمیہ نے رونق پائی۔ شمالی افریقہ کو اہل عرب نے بڑی مشکل سے ۲۲ھ-۹۲ھ ۶۴۳-۷۱۱ء میں فتح کیا تھا۔ خلفاء عرب جو اپنے نائب یہاں مقرر کرتے تھے انکی کامیابی و کارروائی میں یہاں کی رعایا کبھی کبھی خلل ڈالتی تھی جبتک یزید بن حاتم جو ہر دلعزیز بڑا جوانمرد تھا قیروان میں خلفاء عباسیہ کیطرف سے فرمانروا رہا۔ بربر کی رعایا کو سرکشی کا حوصلہ نہ ہوا لیکن جب اس نے ۱۷۰ھ ۷۸۷ء میں وفات پائی تو شمالی افریقہ میں بدنظمی پھیل گئی اور طوائف الملوکی ہو گئی اور خود وہیں کے رہنے والوں میں ایسے خاندان پیدا ہو گئے جنھوں نے اپنی خود مختار سلطنت قائم کر لی ۱۸۴ھ ۸۰۰ء میں حد مصر کی مغرب میں خاندان عباسیہ کی حکومت کسی طرح کی باقی نہیں رہی۔

۱۷۲ – ۳۷۵ – ۱۵ خاندان سادات ادریسیہ (مراکش) ۷۸۸ – ۹۸۵

۱۶۹ھ ۷۸۵ء میں مدینہ میں حضرت علی کے خاندان اور اور مسلمانوں میں ہنگامہ عظیم برپا ہوا۔ اس ہنگامہ میں ادریس بن عبد اللہ بن حسن بن حسن بن علی بن ابوطالب بھی شریک تھا۔ جب یہ ہنگامہ فرو ہوا تو ادریس مصر میں بھاگ گیا اور مراکش کو چلا گیا اور یہاں خاندان علویہ کی سلطنت کی ضلع سبتہ کے قریب بنیاد قائم کی اسکے سکون میں تدغا و ولیلہ کے شہروں کے نام ہیں یہ سلطنت اپنی غایت وسعت پر ۲۲۵ھ ۸۴۰ء میں پہونچی اور بتدریج اسکا تنزل ہوا اور ۳۷۵ھ ۹۸۵ء میں اس خاندان کا خاتمہ ہو گیا۔

۱۸۴ – ۲۹۶ – ۱۶ خاندان اغلبیہ (ٹیونس) ۸۰۰ – ۹۰۹

خلیفہ ہارون رشید نے کل ضلاع افریقہ میں یزید کو حاکم اعلیٰ مقرر کیا تھا جو ٹیونس میں رہتا تھا۔ اسنے خاندان ادریسیہ کو جو مغرب میں فاصلہ بعید پر حکمرانی کرتا تھا کچھ ستایا نہیں۔ ابراہیم بن اغلب جو زاب میں حاکم تھا۔ اسکا خاندان

بالکل آزاد تھا۔ اغلبیہ خاندان نے بہت ہی کم خلفاء کا نام اپنے سکوں اور خطبوں میں درج کیا اور نہ اُنکی دینی و روحانی بزرگی کو تسلیم کیا صرف خشکی ہی میں وہ نہایت مہذب و شائستہ و جید حاکم نہ تھے بلکہ وہ بحری طاقت بھی رکھتے تھے۔ مڈی ٹرینین (بحر شام) میں اُنکے بڑے بڑے بیڑے جہازوں کا اٹلی۔ فرانس کورسیکا۔ سارڈی نیا کو ساحل بحر پر تاخت و تاراج کرتے تھے۔ انھوں نے جزیرہ سسلی کو ۲۱۲ھ ۸۲۷ء سے ۲۶۴ھ ۸۷۸ء میں فتح کر لیا۔ وہ جبتک مسلمانوں کے قبضہ میں ناکہ نورمن نے اُسے فتح کیا۔ جبتک افریقہ میں خاندان اغلبیہ کی حکومت رہی اہل عرب کی بحری قوت نہایت زبردست بحر مڈی ٹرینین میں رہی سمندر و نہیں اور قومیں اُنکے جہازوں کے ناموں سے کانپتی تھیں سوا جزیرہ سسلی کے انھوں نے مالٹا اور سارڈی نیا کو بھی فتح کر لیا اور روم کی حدود پر بھی حملہ کیا۔ مگر آخر زمانہ میں اس خاندان میں سلاطین نالائق ہونے لگے اور مغرب میں ادریسیہ شیعوں کے غلبے نے بھی مسلمانوں کے فرقوں میں فساد کھڑے کئے اسلئے ۲۹۶ھ میں خاندان بنی فاطمہ کی فتح کیلئے دروازہ کھل گیا۔ خاندان اغلبیہ کا جانشین خاندان بنی فاطمہ ہوا۔ اس خاندان کا تعلق زیادہ تر مصر کی خاندان سے ہے ایک زمانہ میں اُنکی سلطنت میں کل شمالی افریقہ کا کنارہ مصر سے لیکر بحر اطلانٹک تک داخل تھا۔ اور جزیرہ سسلی اور سارڈی نیا بھی ان میں شامل تھے۔ مگر جب ۳۶۲ھ ۹۷۳ء میں انکا دارالسلطنت قاہرہ میں منتقل ہوا تو بہت سی باتوں سے اس سلطنت کا دباؤ اُٹھ گیا اور مغربی اضلاع میں اسکی حکومت کا زور بہت ضعیف ہو گیا۔ افریقہ میں جو نائب سلطان یوسف بلگ کین تھا اور سنہاج و بربر میں جو حاکم تھے ان سب نے اپنے تئیں خود مختار بنا لیا۔ اور خاندان زیریہ اور خاندان حمادیہ نے اپنے خاندانوں کی سلطنت کو قائم کر لیا۔ خاندان حمادیہ تو الجیریا میں بوجایا میں حکومت کرتا تھا اور خاندان زیریہ کی حکومت ضلع ٹیونس سے کچھ آگے تھی۔ مغرب میں فاصلہ دراز پر مراکش میں مختلف قومیں بربر تک لبا وغیرہ آزاد ہو گئیں اور ادریسیہ سلطنت کی قائم مقام بنگئیں مگر ان خاندانوں کو سلاطین کا درجہ نہیں حاصل ہوا۔ انکو خاندان المرابط نے محکوم کر لیا اور الجیریا میں خاندان حمادیہ کی مملکت کا حصہ اس نے دبا لیا۔ مگر حماد و زیریہ کی دارالسلطنتوں میں حکمرانی الموحدین کی قسمت میں لکھی تھی۔

۳۶۲ - ۵۴۳	۱۷ خاندان	زیریہ (ٹیونس)	۹۷۲ - ۱۱۴۸
۳۹۸ - ۵۴۷	۱۸ خاندان	حمادیہ (الجیریا)	۱۰۰۷ - ۱۱۵۲
۴۴۸ - ۵۵۱	۱۹ دولت المرابطین یا	(ملثمین)	۱۰۵۶ - ۱۱۴۷

قبائل حمیر میں سے ملثمین بھی ہیں یمن سے حضرت ابوبکرؓ کے پاس وہ آئے تھے۔ شام و مصر کی طرف بھیجے گئے پھر مصر کیطرف موسیٰ بن نصیر کے ہمراہ گئے اور بعد ازاں طارق کیساتھ طنجہ تک پہنچے اُن کو تنہائی اور آزادی پسند تھی اسلئے انھوں نے بربر کی سکونت اختیار کر لی ۴۴۸ھ میں انھیں سے ایک شخص جو قبیلہ جدالہ کا قیروان سے اپنے ساتھ فقیہ عبداللہ

بن یاسین کو اس ارادہ سے لایا کہ یہاں دین اسلام کی وہ تعلیم کرے۔ چنانچہ یہ فقیہ قبیلہ لمتونہ میں آیا اور شریعت اسلام کی
پابندی کی تاکید کی تو انھوں نے کہا کہ بھائی سنو۔ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ تو قریب العقل ہیں انکو بیشک مان لینگے مگر یہ جو تم
کہتے ہو کہ جو کوئی کسیکو مار ڈالے وہ مارا جاوے اور جو چوری کرے اُسکے ہاتھ کاٹے جائیں اور جو کوئی زنا کرے وہ رجم
کیا جائے یہ باتیں ہمسے نہیں ہوسکینگی تم دونوں ہمارے پاس سے چلے جاؤ۔ جوہر و عبداللہ بن یاسین اور قبائل پاس گئے جنمیں سے
اکثر نے شریعت اسلام کی پیروی کو مان لیا اور بعض نے انکار کیا۔ پھر عبداللہ نے ان قبائل کو جہاد کیلئے کہا۔ انھوں نے
کہا کہ آپ ہمارے امیر المرابطین بنئے مگر عبداللہ نے نہیں مانا اور نہ جوہر نے اُسے قبول کیا۔ مگر ان دونوں نے ملکر ابوبکر
بن عمر کو امیر المسلمین بنایا۔ اُسکے پاس بہت سے قبائل جمع ہوگئے اُسنے اُن کو خطاب المرابطین کا دیا جسکے معنی ایسے سپاہیونکے
ہیں جو دشمنونکی سرحد میں گھوڑے چلائیں یا باندھیں۔ ان مرابطین کا لقب ملثمین بھی اسواسطے ہے کہ اُنھوں نے حکومت
مستقلہ کے بعد اپنی عورتوں کیلئے وہاں بند بنائے تھے کہ انکی تمیز اور غیر قوموں سے رہے اور وہ ان عورتوں کو مردانہ لباس پہنا
کے اور وہاں بند لگا کے میدان جنگ میں لیگئے تھے جس سے دشمنوں نے دھوکا کھایا کہ ان عورتوں کو دشمن سپاہی سمجھے اور
لشکر کی تعداد کو زیادہ ان دہان بند عورتوں کے سبب سے تخمینہ کیا اسلئے مرابطین فتحیاب ہوئے اور انھوں نے یہ خیال کر کے کہ ہمکو
لثام یعنی دہان بند کی برکت سے یہ فتح نصیب ہوئی ہے اپنا لقب ملثمین رکھا۔

چھٹی صدی کے وسط میں سپین میں عیسائیوں نے فتح حاصل کیں اور اہل جنیوا اور پی سان نے مسلمانوں سے کورسیکا
اور سارڈینیا چھین لیا۔ جنوبی اٹلی میں نورمن نے اپنی بہادری اور دلیری دکھائی اس سبب سے بحر مڈی ٹرینین میں مسلمانونکی
قوت ضعیف ہوگئی۔ فقط مصر میں دولت بنی فاطمہ شان اسلام کو دکھا رہی تھی۔ ٹیونس میں خاندان زیریہ میں
یہ قوت نہیں تھی کہ وہ ان بغاوتوں کو جو انکی حدود سلطنت میں ہوتی تھی انکو بھی دبا سکیں۔ زیریہ۔ حمادیہ۔ فاطمیہ
خاندانوں میں باہم رقابت و عداوت ایسی تھی کہ وہ سب ملکر اپنی قوت متفقہ کو ان عیسائیوں کے مقابل میں کام میں نہیں
لاسکتے تھے۔ مگر قوم بربر میں فقیہ عبداللہ نے اسلامیہ قوت و حمیت و غیرت کو پھر زندہ کردیا۔ اسنے اسلام کی شان و شکوہ کے
لئے قبائل بربر کو جہاد پر آمادہ کیا۔ اور المرابطین انکا نام رکھا۔ اسکے علم کے نیچے لمتونہ بربر کیساتھ قبائل عظیم سمو جمع ہوگئے
جن سے اُسکے پاس جمعیت کثیر ہوگئی۔ اور ابوبکر اور عبداللہ بن یاسین امیر المسلمین ہوگئے اور پھر وہ اہل سوس سے لڑے اور پھر
مرابطین نے سجلماسہ و اغمات فتح کرلیا۔ اور ابوبکر یہاں کا بادشاہ ہوا تو اُسنے اپنے چچازاد بھائی یوسف بن تاشفین لمتونی کو یہاں
حاکم مقرر کیا۔ یہ یوسف بن تاشفین بڑا پکا دیندار تھا عقلمند و ذہین جری بہادر بڑی بلا کا تھا سنہ ۴۶۵ھ میں ابوبکر کے مرنے
کے بعد یہاں کا بادشاہ وہی ہوگیا اور اُسکا لقب امیر المسلمین رکھا گیا۔ وہ مغرب کی طرف گیا۔ اور چند قلعے اُسنے فتح کئے۔ پھر

سنہ ۴۶۴ھ میں مراکش کیطرف گیا یہاں زمین بنجر ہموار غیر آباد پڑی تھی۔ یہاں ایک شہر مراکش اُسنے آباد کیا جسکو اب مراکو کہتے ہیں اور اُسکو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ پندرہ برس کے عرصہ میں اُسنے اپنے قرب و جوار کے شہروں فیض، مکنیسا، سبتہ، طنجہ، سلے، مغربی مراکش کو اپنی حکومت میں لیلیا۔ ان فتوح سے یوسف بن تاشفین کی شجاعت و سپہ سالاری و لشکر آرائی اور ملک داری کی بڑی شہرت ہوگئی تھی۔ اور مرابطین کے سبب سے اسکا لشکر بھی بڑی شان و شوکت کا ہوگیا اس کو سپین میں عبادیہ سلاطین نے اپنی اعانت کیلئے بلایا اُسوقت اُنپر یہ مصیبت آرہی تھی کہ الفنسو ششم اور بڑے بڑے جری اور بہادر عیسائی سرداروں نے اُنکو گھیر رکھا تھا اور یوسف نے جاکر ۲۳۔ اکتوبر سنہ ۱۰۸۶ء کو زل لاکا کے میدان میں عیسائیوں کو شکست دیکر اُنکا کچومر نکالدیا۔ اندلس کی حفاظت کیواسطے وہ تین ہزار بربری سپاہی چھوڑ کر خود افریقہ میں چلا آیا۔ لیکن سنہ ۱۰۹۰ء میں سی ول لی (سلی) کے بادشاہ نے پھر اس سے امداد کی التجا کی کہ وہ عیسائیوں کو انکے یہاں سے نکالے اسدفعہ اس نے سپین کا ملک جتنا مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اسکو سلطنت افریقہ کیساتھ الحاق کرلیا اور اُسکو ایک صوبہ اپنی سلطنت کا بنادیا باستثناء تولی دو کے جو عیسائیوں کے پاس رہا اور (زراگوسا) جو ہودیہ کے پاس رہا۔ المرابطین کی فتح مستقل نہ تھی۔ ان کے جوانمرد جفاکش سپاہی بھی اندلس میں رہکر کمزور ہوگئے۔ اور عیسائیوں کی مستقل پیشقدمی کی اچھی طرح سدراہ نہو سکی۔ ان کو جو طاقت صحرائی ٹریننگ میں حاصل ہوئی تھی اور اسمیں ضعف آگیا تھا اُسکے بحال کرنیکا ارادہ نہیں کیا اور فقط اسی پر قناعت کی کہ الجیریا۔ ٹیونس۔ تری پولی مسلمانوں کے پاس رہے۔ اس خاندان مرابطین کا ایک ہی صدی کے اندر خاتمہ ہوگیا۔ انھوں نے بہادرانہ و دلیرانہ چڑھائی تمام شمالی افریقہ اور جنوبی سپین میں کی اور کسی اپنے رقیب کے گھر کو سلامت نہ چھوڑا۔

۵۲۴ – ۶۶۷ھ – الموحدین (تمام شمالی افریقہ) ۱۱۳۰ – ۱۲۶۹ء

فرقہ الموحدین کا پیشوا ابو عبداللہ محمد بن تومرت ہے۔ وہ بربر کے قبیلہ مصمودا میں جبل سوس کا باشندہ تھا وہ بڑا صالح اور علم شریعت و حدیث نبوی و اصول فقہ سے ماہر تھا۔ لسان عرب و مغرب میں بڑا فصیح تھا اور شدید الانکار ایسا کہ جس شخص کو شرع امر اللہ کے خلاف کام کرتے دیکھتا اُسکو بغیر اظہار کئے نہیں رہتا۔ اسکو اسی میں لذت آتی تھی کہ بہت لوگ اسکو اذیت پہنچائیں۔ وہ دنیا کے اسباب میں سے سوا عصا و پھٹے پرانے کپڑوں کے نہیں رکھتا تھا اُسکے زہد کی نوبت جنون تک پہنچ گئی تھی اُسنے اپنا نام مہدی رکھا تھا سنہ ۵۲۴ھ ۱۱۳۰ء کو وہ مرگیا اور فرقہ الموحدین کی امارت اپنے دوست اور امیر جیش عبدالمومن کو سپرد کرگیا سنہ ۵۳۴ھ ۱۱۴۰ء میں عبدالمومن کی فتوح کا دور شروع ہوا اُسنے المرابطین کے لشکر کو بالکل تباہ کرکے اوران تلمسان۔ فاس۔ سلا۔ سبتہ۔ اور اغمت۔ ان سبکو دو برس کے عرصہ میں فتح کیا۔ اور سنہ ۵۴۱ھ ۱۱۴۶ء میں مراکش کا گیارہ مہینے محاصرہ کرکے فتح کیا اور خاندان المرابطین کا خاتمہ کردیا سنہ ۵۴۲ھ ۱۱۴۷ء میں اسنے سپین میں سپاہ بھیجی اور پانچ سال کے عرصہ میں

سپین کے اکثر بلاد کو فتح کر لیا اور اپنا لقب امیر المومنین رکھا۔ اور مراکش و سپین پر قبضہ کیا اور اسنے مشرق کیطرف فتح و ظفر حاصل کی ۵۴۷ھ ۱۱۵۲ء میں الجیریا میں سے حمادیہ خاندان کی سلطنت کو خارج کیا۔ طوس میں جو خاندان زیریہ کے جانشین نورمن ہو رہے تھے انکو باہر نکال کر ترپولی کی تسخیر کرنے سے اسکی سلطنت میں سرحد مصر سے بحر اطلانٹک تک کل ساحل اور اسلامی سپین آگیا۔ اسکے جانشینوں کو یہ خطرۂ عظیم پیش آیا کہ عیسائی جہادیوں نے ۶۳۲ھ ۱۲۳۵ء میں مسلمانوں کو بڑی شکست دی جس سے الموحد کا خاندان سپین کے جزیرہ نما سے خارج ہو گیا۔ غرناطہ میں جو نصریہ مسلمان تھے انہوں نے عیسائیوں کا سخت مقابلہ کیا اور جبتک انکا دار القرار فتح ہوا انھوں نے مقابلہ سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔ مگر آخر کار فردی نند اور ازبی بلا نے مسلمانوں کو ملک سپین سے ۸۹۷ھ ۱۴۹۲ء میں بالکل خارج کر دیا جس وقت مسلمانوں کے ہاتھ سے ملک سپین نکل گیا افریقہ میں خاندان الموحدین کی سلطنت میں تنزل آگیا۔ صلاح الدین نے ترپولی کو انسے ۶۲۳ھ ۱۲۲۶ء میں چھین لیا۔ اور ٹیونس میں جو انکی طرف سے نائب خاندان حفصیہ کے رہتے تھے انھوں نے بھی اطاعت سے کنارہ کشی کی اور اپنی خود مختار سلطنت ۶۲۵ھ ۱۲۲۸ء میں بنائی اور الجیریا کے مغرب میں تلمسان میں بھی خاندان زیانیہ نے یہی طریقہ اختیار کیا اور ۶۳۳ھ ۱۲۳۵ء میں ایک جدا اپنی حکومت بنائی مراکش کے تخت کے لئے بھی بہت سے مدعی کھڑے ہوئے۔ کوہستانی قوموں مرینیہ نے خاندان الموحدین کی دار السلطنت مراکش کو فتح کر کے ۶۶۸ھ ۱۲۶۹ء میں اس خاندان کا خاتمہ کر دیا۔

۶۲۵ - ۹۴۱ھ ۲۱ حفصیہ (ٹیونس) ۱۲۲۸ - ۱۵۳۴ء

الموحدین نے ٹیونس میں اپنی طرف سے اول اول اپنا نائب حفص کو بنایا اور یہ نیابت نسلاً بعد نسلٍ اس خاندان میں چلی آئی۔ پھر یہ خاندان خود مختار اور آزاد ہو گیا۔ اس خاندان نے تین سو برس تک ٹیونس میں نہایت عدل و انصاف و فرزانگی سے حکمرانی کی۔ اہل اٹلی کے ساتھ دوستانہ تجارت کا بازار گرم رکھا۔ مگر امیر البحر خیر الدین بربروسا نے ۱۵۳۴ء میں ٹیونس کو سلطان عثمان کے نام سے فتح کر لیا۔ شہنشاہ چارلس پنجم نے حفصیہ بادشاہ کو پھر ۱۵۳۵ء میں ٹیونس میں بحال کیا اور ٹیونس کے اندر گولیتا کے قلعہ میں سپین کی سپاہ رکھی۔ اس صوبہ کی حکومت اکثر بحری لٹیروں کے ہاتھ میں رہی جنھوں نے ٹیونس کو دوبارہ ۱۵۶۸ء میں لیلیا اور گولیتا کو ۱۵۷۴ء میں۔ اسکے بعد وہ سلطنت عثمانیہ کا ۱۸۸۱ء میں ٹیونس عملاً فرانس کے قبضہ میں آگیا ۱۵۱۰ء میں جو ٹیونس کی مملکت میں سے اہل سپین نے ترپولی کو کتر لیا تھا ۱۵۵۱ء سلطنت عثمانیہ پر اسکا اضافہ ہو گیا۔

۶۳۳ - ۷۹۶ھ ۲۲ خاندان زیانیہ الجیریا ۱۲۳۵ - ۱۳۹۳ء

دولت الموحدین کیطرف سے الجیریا میں خاندان زیانیہ کا جو نائب رہتا تھا اسنے بھی اپنا ہمسایہ حفصیہ کا

طریقہ اختیار کیا کہ آقاؤں کو ضعیف دیکھکر خود مختار اور ذی اقتدار ہو گیا انکا دارالسلطنت تلمسان تھا ۱۲
میں مراکش مرینیہ نے زیانیہ حکومت کا گلا گھونٹ کر بے جان کر دیا۔

بحری قوت اور سلطنت عثمانیہ

سولھویں صدی سے اس صدی تک شمالی افریقہ کے اضلاع الجیریا۔ ٹیونس۔ ٹری پولی سلطنت عثمانیہ
انکو سہی بحری قوت نے سلطنت میں داخل کیا تھا۔ اس سے پہلے سپین نے ساحل افریقہ پر اپنے بڑے مستحکم مقامات بنا
مگر خیرالدین امیرالبحر سلطنت عثمانیہ نے اہل سپین سے اکثر مقامات چھین لے اور ٹیونس کو دولت حفصیہ سے چھین لیا
سنہ ۱۵۱۶ء میں صوبہ الجیریا اور سنہ ۱۵۷۴ء میں ٹیونس اور سنہ ۱۵۵۱ء ٹری پولی سلطنت عثمانیہ میں داخل ہوئے۔ الج
قسطنطنیہ کیطرف سے ۲۲ پاشا مقرر ہوئے اور پھر سنہ ۱۶۷۱ء میں الجیریا کے خود سر اور پیادہ سپاہی اپنے میں سے حاکم مقرر کر
جنکا لقب ڈے انھوں نے رکھا تھا (اسی سے دایہ مشتق ہے) جس سے پاشاؤں کی حکومت کو زوال آگیا۔ پھر ۱۸۱۰ء
دو عہدوں کا کام دینے لگا۔ سنہ ۱۸۳۰ء میں فرانسیسیوں نے الجیریا پر قبضہ کر لیا۔ ٹیونس میں سلطان روم کیطرف سے مقرر
سنہ ۱۷۰۵ء تک وہ حکومت کرتے رہے۔ پھر ترکی کی سپاہ نے اپنے میں سے انہیں حاکم مقرر کرنا شروع کیا جنکا لقب انھوں
نے رکھا تھا اسکو سنہ ۱۸۸۱ء میں فرانسیسیوں نے لیلیا۔ ٹری پولی میں ابتک سلطان روم کیطرف سے پاشا مقرر ہوتے ہیں
افریقہ کے صوبوں میں صرف مراکش میں کبھی عیسائیوں کا تسلط نہیں ہوا۔ اگرچہ ساحل پر اہل سپین نے بہت مستحکم
بنا رکھے ہیں اور سبتہ ان کے پاس ہے۔ انگریزوں نے تنجیر کو ایکدفعہ لیلیا تھا مگر اسکو اپنی غفلت سے کھو دیا۔

۵۹۱ - ۸۷۵ھ مرینیہ - مراکش ۱۱۹۵ - ۱۴۷۰ء

مرینیہ کا خاندان سنہ ۵۹۱ھ (۱۱۹۵ء) سے مراکش کے مرتفع زمینوں پر حکومت کرتا تھا مگر سنہ ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) تک انکو یہ حوصلہ نہیں
وہ الموحدین کی دارالسلطنت پر دست درازی کرکے قبضہ کر لیتے۔ مگر اس سنہ میں انھوں نے اسپر قبضہ کرکے ۶۹۴ھ (۱۲۹۴ء) میں
کا ملک زیانیہ سے چھین کر شامل کر لیا۔ انکو اپنے ہی خاندان کے شعبے وطاس نے برباد کر دیا اور خود انکا قائم مقام ہو

۹۵۱ - ۱۳۱۱ھ ۲۴ شریف (مراکش) ۱۵۴۴ - ۱۸۹۳ء

شریف سے مراد یہاں سید ہے۔ اہل مراکش اپنے تئیں حسنی سید بتاتے ہیں سنہ ۱۵۱۵ء میں یہ شریف ترودنت میں قوی
اور مراکش اور فاس کو انھوں نے بہت جلد اپنے قبضہ میں کر لیا تھا۔ مگر انکی سلطنت کا آغاز ۹۵۱ھ (۱۵۴۴ء) سے شروع ہوا
خاندان کے دو شعبے ہیں ایک حسنی شریف اور دوسرا فلالی شریف۔ چھ برس تک ان دونوں میں لڑائی جھگڑا رہا انکی سلطنت
تو وہی رہا جو آج تک ہیں۔ مگر ان حریفوں اور رقیبوں میں سے ایک شریف فاس میں اور دوسرا شریف

مقابل ہیں۔ مراکش میں رہتا تھا۔ یہ شریف اپنے تئیں خلیفہ اور امیر المومنین کے لقب کا مستحق سمجھتے ہیں۔

فصل چہارم ۔ مصر و شام

۲۵ طولونیہ ۲۶ اخشیدیہ ۔ ۲۷ فاطمیہ ۔ ۲۸ ایوبیہ ۔ ۲۹ مملوک ۔ عثمان لی ۳۰ خدیو

مسلمانوں کے عہد سلطنت میں مصر و شام اکثر ایک سلطنت میں شامل رہے ہیں۔ شام کو ۱۴ھ–۱۷ھ / ۶۳۵–۶۳۸ء میں اور مصر کو ۲۱ھ / ۶۴۲ء میں اہل عرب نے فتح کیا تھا۔ مصر میں آغاز فتح سے ۲۵۴ھ / ۸۶۸ء تک ۹۸ حاکم اپنی طرف سے خلفاء بنی امیہ اور خلفاء عباسیہ نے مقرر کیے۔ مگر ۲۵۴ھ / ۸۶۸ء میں احمد بن طولون ایسا حاکم مقرر ہوا کہ اس نے اپنی ایک آزاد سلطنت جمائی اور ۳۷ برس تک اسکے خاندان میں وہ چلی۔ اس خاندان کی سلطنت کے ختم ہونے کے کچھ عرصہ کے بعد اخشیدیہ خاندان کی سلطنت قایم ہوئی جسکے بعد زمانہ متوسط میں خلفاء فاطمیہ نے سلطنت بڑی شان و شوکت سے کی۔ اس آخر سلطنت کے زمانہ میں ملک شام میں آزادانہ سلطنت مرداسیہ۔ بوریہ۔ زنگیہ خاندانوں نے کی۔ مگر سلطان صلاح الدین نے پھر ان کو مصر کی سلطنت میں داخل کرلیا۔ سلطان صلاح الدین خاندان ایوبیہ کا بانی ہے۔ یہی صورت ان دونوں ملکوں کی اس زمانہ تک رہی کہ دونوں سلطنت عثمانیہ کے جداجدا صوبے بنگئے۔ سنہ ۱۸۳۱ء میں ابراہیم پاشا نے جو محمد علی کا بڑا بیٹا تھا ملک شام کو سلطنت مصر میں شامل کرلیا۔ یورپ کی سلطنتوں نے ۱۸۴۱ء میں پھر سلطان روم کو اسے دلادیا اب وہ ترکی ولایت ہے یعنے ترکوں کی سلطنت میں ہے۔

۲۵۴–۲۹۲ھ ۲۵ دولت طولونیہ ۸۶۸–۹۰۵ء

طولون ایک ترکی غلام تھا جسکو بخارا کے امیر نے خلیفہ مامون کو تحفتہً بھیجا تھا۔ دارالسلطنت بغداد و سرمن رائے میں وہ بڑے درجہ پر پہنچ گیا۔ اسکے مرنے کے بعد ۲۴۰ھ میں اسکا بیٹا احمد اپنے باپ کے منصب پر مقرر ہوا اور ۲۵۴ھ / ۸۶۸ء میں مصر میں نائب مقرر ہوا اور یہاں وہ عملاً خود مختار ہوگیا۔ ۲۶۴ھ / ۸۷۷ء میں اسنے ملک شام کو بھی اپنی سلطنت میں داخل کرلیا۔ سلطنت اس خاندان میں ۲۹۲ھ / ۹۰۵ء تک قائم رہی اور پھر اسکا خاتمہ ہوگیا۔ قسطاط اور قاہرہ کے درمیان اس خاندان کا دارالسلطنت قطائع تھا۔ وہ دولتمندی اور عیش و عشرت میں بڑا نامور تھا اور بڑی بڑی عمارات عالیشان اسنے بنائیں۔

۳۲۳–۳۵۸ھ ۲۶ دولت اخشیدیہ ۹۳۵–۹۶۹ء

بعد خاندان طولونیہ کے کچھ عرصہ تک مصر و شام میں پھر خلفاء عباسیہ بغداد کیطرف سے حاکم مقرر ہونے لگے تھے مگر انکی حکومت غیر مستقل غیروں کی مرضی پر موقوف رہی۔ محمد اخشید نے اپنے خاندان کی سلطنت جمائی جیحون کے پرے فرغانہ کے حاکم کا لقب اخشید تھا۔ محمد اخشید فرغانہ کے امیر طغج کا بیٹا تھا جو خلیفہ بغداد کیطرف سے وہاں مقرر تھا۔ طغج دمشق کا حاکم مقرر ہوا مگر ذلیل و خوار ہوکر وہ قیدخانہ میں مرگیا۔ محمد کی خوش نصیبی سے باپ کی بدنصیبی کا معاوضہ ہوگیا۔ مقتدر باللہ خلیفہ بغداد نے ۳۱۶ھ میں پہلے

اسکو رملہ کا حاکم مقرر کیا اور راضی خلیفہ بغداد نے اسکو ۳۲۳ھ میں دمشق کا حاکم مقرر کیا اور ۲۳ رمضان ۳۲۳ھ کو وہ مصر کا حاکم مقرر ہوا ۳۲۷ھ/۹۳۸ء میں اُسنے اپنا لقب اخشید رکھا ۳۳۰ھ میں اُسنے ملک شام کو اپنی سلطنت میں داخل کر لیا۔ اور آئندہ سال اُس مکہ مدینہ کو بھی اُس پر اضافہ کیا۔

۲۹۷–۵۶۷ھ ۔ ۲۷ دولت بنی فاطمہ ۔ ۹۰۹ – ۱۱۷۱ء

۲۹۷ھ/۹۰۹ء میں خلفائے سادات کی افریقہ میں ابتدائی ہوئی اور انکی سلطنت کا خاتمہ ۵۶۷ھ/۱۱۷۱ء میں ہوا۔ اول خلیفہ سادات ابو محمد عبیداللہ ہوا۔ دولت ادریسیہ نے اس دولت سادات بنی فاطمہ کے لئے سلطنت کا دروازہ کھول دیا تھا۔ بہت سے شیعی داعی پیدا ہو گئے تھے۔ جو شیعہ مذہب کی طرف قبائل بربر کی دعوت کرتے تھے۔ اب ایک نیا پیشوا عبیداللہ پیدا ہوا جس نے اپنا لقب المہدی رکھا اور خلافت اور امیر المومنین ہونے کا دعویٰ کیا ۲۹۷ھ/۹۰۹ء میں اُس نے دولت اغلبیہ کی بقیہ کو باقی نہ رکھا اور شمالی افریقہ کا باستثنائے مراکش دار السلطنت ادریسیہ خود مالک ہو گیا اور ۳۰۳ھ میں موضع مہدیہ جو تیونس کے قریب تھا بڑا شہر بنایا اور اُس کو اپنی دار السلطنت مقرر کیا۔ نصف صدی کے بعد انہوں نے مصر اور شام کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا ان کے سپہ سالار جوہر نے ۳۵۸ھ/۹۶۹ء میں خاندان اخشیدیہ کے ایک طفل خورد سال سے مصر چھینا اور قاہرہ کی بنیاد رکھی اور اُسکی فصیل نہایت مضبوط بنائی اور جنوبی شام کو بھی اسی سنہ میں فتح کر لیا ۳۸۱ھ/۹۹۱ء حلب بھی سلطنت میں داخل ہو گیا اب اس سلطنت کی وسعت صحرائے شام اور [illegible] سے لیکر مراکش تک ہو گئی۔ یہ اس سلطنت نے بڑی غلطی کی کہ قیروان اور مہدیہ سے دار السلطنت کو قاہرہ میں منتقل کیا جس کا بیان ہم پہلے کر چکے ہیں کہ جس کے سبب سے مغربی اضلاع اُس کی حکومت سے نکل گئے۔ نورمن نے ۱۰۷۱ء میں سسلی ۱۰۹۰ء میں مالٹا کو ۱۱۲۷ء ترپولی کو ۱۱۴۸ء میں مہدیہ اور قیروان کو اُن سے چھین لیا۔ مگر بنی فاطمہ کے خلفاء کی سلطنت مدتوں تک مصر و شام میں بڑی شان و شوکت کی رہی اور اس میں تنزل نہیں آیا اور تمام ممالک مڈی ٹرینین میں ان کی دولت تجارت عظیم الشان جاری رہی ۵۶۷ھ/۱۱۷۱ء میں صلاح الدین نے اس سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔

۵۶۴–۶۴۸ھ ۔ ۲۸ دولت ایوبیہ مصر و شام ۔ ۱۱۶۹ – ۱۲۵۰ء

دولت ایوبیہ کی ابتدا ۵۶۴ھ کی ماہ ربیع الاول سے ہوئی۔

شادی کے دو بیٹے شیرکوہ اور ایوب تھے۔ شہر دوین کا وہ رہنے والا تھا۔ ابن اثیر لکھتا ہے کہ اصل ان دونوں کی اکراد سے یعنی وہ کردستان کے رہنے والے تھے وہ رووابہ میں رہتے تھے عراق میں چلے آئے تھے۔ ایوب بڑا شیرکوہ سے تھا وہ بہروز سلجوقی کوتوال کے پاس رہا کرتا تھا اس کوتوال نے اس کو شہر تکریت کا محافظ مقرر کر دیا تھا۔ پھر دونوں بھائی عماد الدین زنگی کی خدمت میں رہنے لگے۔ عماد الدین نے شہر بعلبک کا محافظ ایوب کو مقرر کر دیا اور شیرکوہ کو

دمشق کا بڑا سردار ہوگیا۔ شیرکوہ عماد الدین کے مرنے کے بعد اسکے بیٹے نورالدین کے پاس رہنے لگا۔ اسنے شہر حمص اور رحبہ عطا کئے اور اسکی شجاعت دیکھکر اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کیا۔ عاضد الدین خلیفہ مصر فرنگیوں اور شاور کے ہاتھ سے تنگ تھا اس نے نورالدین سے امداد کی التجا کی۔ نورالدین نے شیرکوہ اور صلاح الدین کو بھیجا۔ انہوں نے ملک مصر کے فساد اور جھگڑوں کا فیصلہ کر دیا۔ عاضد الدین نے شیرکوہ کو اپنا وزیر مقرر کیا اور اسکو وہ اختیارات دیئے جو پہلے کسی خلیفہ نے وزیر کو نہیں دیئے تھے۔ جب شیرکوہ ۵۶۴ھ/۱۱۶۹ء میں اس دنیا سے رخصت ہوا تو اپنے چچا کی جگہ صلاح الدین مقرر ہوا۔ اور عاضد الدین نے سارا ملک اسکو سپرد کر دیا۔ اسطرح اس سنہ میں وہ مصر کا بالکل مالک ہوگیا۔ گو خلیفہ بنی فاطمہ عاضد تین برس تک زندہ رہا ۵۶۷ھ/۱۱۷۱ء کے اول مہینے میں قاہرہ میں خلیفہ عباسیہ مستضی کا نام بجائے عاضد کے خطبہ میں پڑھا گیا۔ اس پر کچھ فساد نہیں ہوا۔ اور مصر کی حکومت شیعہ خلفاء سے پھر اہل سنت خلفاء کے ہاتھ میں آگئی۔ حجاز کے مقدس شہروں میں اکثر سلاطین مصر کا قبضہ رہتا تھا۔ ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء میں صلاح الدین نے اپنے بھائی توران شاہ کو یمن کا حاکم مقرر کیا۔ ۵۶۹ھ/۱۱۷۴ء میں ترپولی کو رومیوں سے صلاح الدین نے چھین لیا۔ اسی سال میں نورالدین نے وفات پائی۔ شام کی حالت ابتر دیکھکر ۵۷۰ھ میں دمشق میں صلاح الدین داخل ہوا اور تمام ملک شام کو دبا لیا۔ ۵۷۱ھ میں باوجود فرنگیوں کی مخالفت کے اسنے اپنی سلطنت کو دریائے فرات تک پھیلا دیا۔ جب نورالدین کے بیٹے صالح کا انتقال ہوا تو ۵۷۸ھ میں موصل پر قبضہ کر لیا اور ۵۷۹ھ میں عراق عرب کے بہت سے امیروں کو اپنا خراج گزار اور تابع بنا لیا۔ اب دریائے فرات سے لیکر دریائے نیل تک سوائے ان گرجوں کے جو عیسائی جہادیوں کے پاس تھیں وہ فرمان روائی کرتا تھا۔ جنگ حطین ماہ جولائی ۱۱۸۷ء کو ہوئی تھی جسکے سبب سے اورشلیم سے عیسائی سلطنت اٹھ گئی۔ اور تین مہینے بیت المقدس پر صلاح الدین کا تسلط ہوگیا اور کوئی قلعہ عیسائیوں کے پاس سوائے ٹائر کے باقی نہیں رہا۔ اہل یورپ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو جہاد کیلئے تیسری دفعہ آمادہ ہوگئے اور انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اور فلپ آگسٹس شاہ فرانس دونوں ۱۱۹۰ء میں بیت المقدس کی طرف چلے اور ۱۱۹۱ء میں عکہ کے محاصرہ میں دونوں شریک ہوگئے ڈیڑھ برس تک جہاد جاری رہا اور ۱۱۹۲ء میں تین برس کیلئے صلح ہوگئی جس سے اس لڑائی سے کوئی فائدہ عیسائی جہادیوں کو نہیں ہوا۔ سلطان صلاح الدین ۲۷ صفر ۵۸۹ھ/۱۱۹۳ء میں بارہ روز بیمار رہا اور پھر اس دنیا سے سفر کیا۔ وہ تکریت میں ۵۳۲ھ میں پیدا ہوا تھا عمر اسکی ۵۷ برس کی تھی ۲۴ برس تک ملک مصر پر حکومت کی اور ۱۹ برس شام میں۔ سلطان کے مرنے کے بعد اسکے بھائیوں بھتیجوں نے اس وسیع سلطنت کے حصے کرکے تقسیم کر لیا۔ اس خاندان میں اسکے بھائی سیف الدین عادل نے بڑا نام پایا۔ اور بتدریج بڑے اعلیٰ درجہ پر پہونچا۔ ابتدا میں سلطان صلاح الدین کے بیٹے اسطرح فرمانروا مقرر ہوئے کہ

افضل دمشق میں۔ عزیز قاہرہ میں ظاہر حلب میں ۵۹۲ھ (۱۱۹۶ء) میں افضل کی جگہ دمشق میں عادل مقرر ہوا اور عزیز کے جانشین منصور کی جگہ بھی ۵۹۶ھ (۱۱۹۹ء) قاہرہ کے اندر عادل مقرر ہوا۔ حلب ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) تک سلطان کی اولاد کے قبضہ میں رہا۔ عادل نے مصر اور شام کے بڑے حصے میں ۵۹۲-۵۹۶ھ کے اندر سلطنت حاصل کرلی اور ۵۹۷ھ (۱۲۰۰ء) میں اپنے بیٹوں میں سے ایک بیٹے کو عراق عربی کا حاکم مقرر کیا۔ غرض دولت ایوبیہ میں عادل بڑا اقبال مند ہوا اور بڑے کروفر کے ساتھ سلطنت کی ۶۱۵ھ (۱۲۱۸ء) میں اسنے انتقال کیا۔ اسکی اولاد مختلف ملکوں میں سلطنت کرتی رہی اور اسکی شاخیں مصر۔ دمشق عراق عربی میں حکمراں رہیں۔ یہ سب عادل کی اولاد میں سے تھیں۔ مگر حماہ اور ابھی سا یمن میں خاندان ایوبیہ کی اور شاخوں کی اولاد فرمانروا رہی۔

۶۴۸ھ (۱۲۵۰ء) میں مصر میں عادلی ایوبیہ کی شاخ غیلم سلطنت کرتی تھی اور اکثر ملک شام بھی انکے تحت حکومت رہتا تھا اسنے بحری مملوک (غلاموں) کو سلطنت کی راہ دکھادی۔ دمشق میں جو اس خاندان کی شاخ سلطنت کرتی تھی وہ شام کی سلطنت کیلئے ان شاخوں سے لڑتی تھی جو مصر و حلب میں حکومت کرتی تھیں۔ ان دونوں کو تاتار کے چنگیز خاں نے ۶۵۸ھ (۱۲۶۰ء) میں ٹھکانے لگادیا اور برباد کردیا۔ یہی حال عادل کے جانشینوں کا عراق عرب میں ۶۴۳ھ (۱۲۴۵ء) میں اسنے کیا۔ مملوک نے ان سے ۶۶۱ھ (۱۲۶۲ء) میں امی سا کو چھین لیا۔ ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) کے شروع میں عرب میں دولت ایوبیہ کی جگہ دولت رسولیہ قائم ہوئی۔ مگر حماہ میں سلطان صلاح الدین کے خاندان کی ایک شاخ ۷۴۲ھ (۱۳۴۱ء) تک سلطنت کرتی رہی۔ گو کبھی اس میں خلل آگیا ابو الفدا نے ان سب کا حال مفصل لکھا ہے + ۶۵۰-۹۲۲ھ ۲۹ مملوک سلاطین ۱۲۵۲-۱۵۱۷ء

مملوک جسکے معنی غلام کے ہیں اسکا اطلاق اکثر سفید رنگ کے غلام پر کیا جاتا تھا مصر کے مملوک سلاطین ترکی اور سرکشی غلام تھے سلطان صالح ایوبیہ کو ان غلاموں کا بڑا شوق تھا اس لئے انکو خاص اپنی ذات کی محافظ سپاہ میں بھرتی کیا تھا۔ ایک عورت درۃ الشجر دولت سلاطین مملوک کی بانی ہوئی ہے وہ ملک صالح کی بیوی تھی جسکے مرنیکے بعد اسنے اپنے خاوند کے غلام بعز ایبک ترکمانی سے نکاح کیا اور اس کو اس سبب کہ اسنے بدرالدین لولو حاکم موصل کی بیٹی سے نکاح کرنیکا ارادہ کیا تھا حمام میں مار ڈالا۔ ملک مصر میں اسکا خطبہ پڑھا گیا۔ مگر اسکے ساتھ برائے نام خاندان ایوبیہ میں سے موسیٰ ابن یوسف شریک تھا درۃ الشجر سے سلطنت کا سلسلہ غلاموں کے خاندان میں یعنی مملوک میں چلا۔ ان غلاموں کے خاندان کے شعبے تھے ایک بحریہ (دریائی) اور دوسرا برجی (قلعہ) کہلاتا تھا۔ ان دونوں شاخوں نے شروع سولھویں صدی تک سلطنت کی۔ اگرچہ ان سلاطین کی سلطنت تھوڑے تھوڑے دنوں رہی اور بہت ملکی جھگڑے اور فساد ہوتے رہے اور سلاطین قتل ہوتے رہے مگر ان کی سلطنت کا نظم ونسق بخوبی قائم رہا کچھ خلل نہیں پڑا۔ قاہرہ زبان حال

پکار رہا ہے کہ اُن کو کیسا عمارات کا شوق اور علوم و فنون کا ذوق تھا۔ انہوں نے اپنے جوہر شجاعت کو عیسائی جہادیوں کو اور تاتاریوں کے مقابلہ میں دکھایا۔ تیرھویں صدی میں تاتاریوں نے ایشیا کو اپنے تاخت و تاراج سے پامال کر دیا تھا اور مصر کو بھی دھمکایا تھا۔ مگر سلاطین مملوک کا وہ بال بیکا نہ کر سکے۔

۶۴۵ – ۷۹۲ھ	ا	بحری مملوک	۱۲۵۰ – ۱۳۹۰
۷۸۴ – ۹۹۲	ب	برجی مملوک	۱۳۸۰ – ۱۵۱۷
۱۲۲۰ – ۱۳۱۱	۳۰	خدیو مصر	۱۸۰۵ – ۱۸۹۳

سنہ ۹۲۲ھ (۱۵۱۷) میں سلطان روم سلیم اول نے مصر کو فتح کر لیا تھا اس زمانہ سے تین سو برس تک ملک مصر سلطنت روم کا ایک صوبہ رہا۔ سلطان روم کی طرف سے یہاں پاشا مقرر ہو کے قسطنطنیہ سے آتے تھے۔ مگر ان پاشاؤں کے اختیارات میں مملوک بیگے کونسل کے مقرر ہونے سے کمی آ گئی تھی۔ سنہ ۱۷۹۸ء میں مصر میں نپولین کے آنے سے جو انتظام سلطنت مصر کا تھا اسکا خاتمہ ہو گیا تھا لیکن ابو بکر اور اسکندریہ میں جو انگلستان کو فتوحات حاصل ہوئیں تو اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۰۱ء میں فرانسیسیوں کو مصر چھوڑنا پڑا اور پھر پرانے لڑائی جھگڑے قائم ہوئے سنہ ۱۸۰۵ء میں مصر کی سپاہ ترکی میں محمد علی البانین رجمنٹ کا افسر تھا اُسنے بہت سے مملوک سرداروں کو قتل کر ڈالا اور آپ قاہرہ کا مالک بن بیٹھا۔ ایک ایسا قتل عام ہوا اسلیے ملک مصر میں برائے نام سلطان روم کی سلطنت باقی رہ گئی اصل میں سلطنت محمد علی کے خاندان میں تھی۔ سنہ ۱۸۶۶ء میں اس خاندان کے چوتھے فرمانروا مصر نے اپنا خطاب خدیو اختیار کیا۔ سنہ ۱۸۳۱ء ملک شام بھی اس سلطنت میں داخل ہو گیا تھا مگر انگلستان کے دباؤ سے پھر وہ سنہ ۱۸۴۰ء میں سلطان روم کو واپس مل گیا۔ سوڈان پر بڑی ناکام چڑھائیاں ہوئیں مگر جنرل گارڈن کی وفات کے بعد سنہ ۱۸۸۵ء میں سوڈان مصر کی ماتحتی سے نکل گیا۔ مصر کی جنوبی سرحد رود نیل کے دوسرے آبشار تک ہے اور جب سے عربی پاشا کی بغاوت کو انگریزوں نے فرو کیا ہے مصر کا نظم و نسق سلطنت انگلشیہ کی صلاح سے ہوتا ہے۔

فصل پنجم یمن

۳۳ زیادیہ (زبید) ۳۴ یعفوریہ (شاو جند) ۳۵ نجاحیہ (زبید) ۳۶ صلیحیہ (صنعا) ۳۷ ہمدانیہ (زبید) ۳۸ زوریہ (عدن) دولت ایوبیہ میں سے ۳۹ رسولیہ (یمن) ۴۰ طاہریہ (یمن) ۴۱ ائمہ رسد (سعدا) ۴۲ ائمہ صنعا

یمن

یمن میں ایک حاکم اور اسکا نائب مکہ یا مدینہ میں خلفا مقرر کیا کرتے تھے۔ انکے سوا اور آبادیاں تھیں۔ انہیں شیخ

اپنے اپنے قبیلہ کا انتظام کرتے تھے۔ تیسری صدی میں جب شمالی افریقہ میں دولت ادریسیہ، دولت اغلبیہ آزاد و خود مختار
ہوگئیں تو ان کی دیکھا دیکھی یمن بھی ایک جدا خود مختار آزاد سلطنت ہوگئی جس زمانہ میں دولت عباسیہ کے دست راست کو
خراسان طاہر قطع کر رہا تھا محمد زیاد نے بھی تہامہ میں ایک شہر زبید تعمیر کرا کے اپنی جدا سلطنت جمائی۔ اگرچہ کبھی کبھی خلفاء
کی طرف سے بھی یمن میں حاکم مقرر ہوتے رہے۔

۲۰۴ - ۴۰۹ھ ۳۳ دولت زیادیہ (زبید) ۸۱۹ - ۱۰۱۸ء

محمد آل زیاد سے تھا۔ وہ فضل بن سہیل ذو الریاستین کے پاس رہتا تھا جب یمن میں خلیفہ مامون کے عہد میں خلل پڑا تو فضل کی
سفارش کر کے محمد ابن زیاد کو یمن میں امیر مقرر کرا دیا ۲۰۳ھ میں تہامہ کو فتح کر لیا ۲۱۲ھ میں اس نے شہر زبید کی بنا ڈالی
اور اسکی فصیل بنائی جعفر اپنے غلام کو بہت سے تحفہ تحائف دیکر خلیفہ مامون پاس بھیجا اور مامون کی پاس سے ۲۰۶ھ میں جعفر
مع لشکر دو ہزار سوار کے یمن میں آیا تو ابن زیاد کی حکومت کو استواری ہوئی اور ولایت یمن کا مالک ہوگیا جعفر اسکا
غلام بڑا دانشمند و دلاور تھا اسکے سبب سے ابن زیاد کی سلطنت کو بڑی ترقی و رونق ہوئی۔ دو سو چار برس تک اس خاندان میں
حکومت برقرار رہی ۲۰۴ھ میں اسکا آغاز اور ۴۰۹ھ میں اسکا انجام ہوا جب سلطنت کا تنزل شروع ہوا تو ملک کے مختلف حصوں
میں نئے نئے خاندان خود مختار مطلق العنان حاکم بن بیٹھے۔ اور دولت زیاد کے غلاموں کے غلاموں میں سلطنت تقسیم ہوئی صنعاء و
جند میں یعفری نے اپنی حکومت قائم کی سلیمان بن طرف نے یمن کے مغربی اطراف میں بہت کچھ حصہ ملک کا دبا لیا اور شہر کو
اپنا دار السلطنت بنا لیا ۲۹۲ھ میں قرمطی علی بن فضل نے زبید کو خوب لوٹا۔ دولت زیاد کے آخر بادشاہ ابراہیم کے زمانہ
میں غلاموں کے ہاتھ سلطنت کے کل اختیارات تھے۔ نجاح حبشی نے جو مرجان کا غلام تھا ملک پر قبضہ کر لیا اور زبید میں
۴۱۲ھ / ۱۰۲۱ء سے دولت نجاحیہ کا دور شروع ہوا۔

۲۴۴ - ۳۴۵ھ ۳۴ یعفوریہ صنعا اور جند - ۸۶۱ - ۹۵۶ء

۴۱۲ - ۵۵۴ھ ۳۵ دولت نجاحیہ (زبید) ۱۰۲۱ - ۱۱۵۸ء

نجاح نے ۴۵۲ھ / ۱۰۶۰ء تک سلطنت کی اور پھر اس دنیا سے سفر کیا ۴۵۲ھ میں زبید کو صلیحی نے فتح کر لیا مگر نجاح کے بیٹے نے پھر اسپر
قبضہ کیا۔ غرض نجاح و صلیح کی خاندان میں دو دو ہاتھ ہمیشہ ہوتے رہے آخر کو نجاح کے خاندان کا خاتمہ صلیح کی خاندان نے کر دیا۔

۴۲۹ - ۴۹۵ھ ۳۶ دولت صلیحیہ صنعا - ۱۰۳۷ - ۱۱۰۱ء

تمام ملک یمن میں علی بن محمد بن علی صلیحی کا قبضہ و تصرف ہوگیا علی الصلیحی کا باپ قاضی محمد کا مذہب سنی تھا اور بلی
حراز کے سب آدمی اسکے مطیع و معتقد تھے اسکے بیٹے علی نے عامر بن عبد اللہ رواحی سے تعلیم شیعہ مذہب کی پائی اور اس کا

قائم مقام ہوا۔ اور شیعہ مذہب کی دعوت لوگوں کو کرتا رہا ۴۲۹ھ/۱۰۳۷ء میں وہ اس کام کو چھوڑ کر مسار میں جا کر خود مختار اور آزاد ہو گیا۔ نجاح کے مرنے کے بعد ۴۵۲ھ/۱۰۶۰ء میں زبید کو اور ۴۵۵ھ/۱۰۶۳ء میں کل یمن کو فتح کر لیا اور ۴۵۵-۴۵۶ھ میں مکہ پر قبضہ کیا اور صنعا کو اپنا دار السلطنت بنایا ۴۷۳ھ/۱۰۸۰ء میں انتقال کیا مرتے تک زبید اسکے قبضہ میں رہا مگر پھر نکل گیا ۴۷۵ھ میں اسکے بیٹے مکرم احمد نے پھر اسپر قبضہ کیا مگر پھر ۴۷۹ھ میں اسکے ہاتھ تلے سے وہ نکل گیا۔ پھر اسنے ۴۸۱ھ/۱۰۸۸ء میں اسے فتح کیا مگر فتح ہوتے ہی پھر اسکے ہاتھ سے ایسا گیا کہ پھر ہاتھ نہ آیا ۴۸۰ھ میں مکرم نے اپنی دار الحکومت کو مخلاف جعفر میں ذو جبلہ میں بدلا تھا۔

۴۹۲-۵۶۹ھ ۳۷ دولت ہمدانیہ صنعا - ۱۰۹۸-۱۱۷۴ء

یمن کی عربوں میں حاشد اور بکیل کی قبائل بڑے مشہور و معروف تھے اور صنعا و سعدا کے قریب رہتے تھے انکی بہت سی شاخیں بنو ہمدان بنیں۔ خاندان صلیحیہ کے بعد خاندان ایوبیہ کے حملوں تک پون صدی تک بنو ہمدان میں سے ہی صنعا کے حاکم ہوتے رہے۔

۵۵۴-۵۶۹ھ ۳۸ دولت مہدیہ - زبید - ۱۱۵۹-۱۱۷۳ء

علی بن مہدی نے بنی نجاح کی ریاست کو دور کر کے ۵۵۴ھ میں اپنی ریاست جمائی۔ علی بن مہدی قبیلہ حمیر میں تھا اور عنبرہ میں رہتا تھا جو زبید کے محاذات میں سے ہے اسکا باپ مہدی مرد صالح عزلت نشین تھا۔ اسکا بیٹا بھی اپنے باپ کے طریقہ پر چلا۔ اول حاجی ہوا۔ پھر واعظ بنا وہ بہت حسین و فصیح عالم تھا۔ کچھ غیب کی باتیں بھی بتایا کرتا تھا۔ غرض دلوں کے تسخیر کرنیکے سب گر اسے یاد تھے جب ایک جم غفیر اسکا معتقد اور مطیع ہو گیا تو ۵۴۱ھ میں پہاڑوں میں چلا گیا اور وہاں ایک قلعہ میں جسکا نام الشرف ہے گیا یہاں کے باشندوں نے جو قبیلہ خولان کے تھے اسکی اطاعت کی غرض ان لوگوں کا نام مہاجرین رکھا تھا جو تہامہ سے اسکے ساتھ گئے تھے اور قبیلہ خولان کا نام انصار رکھا۔ غرض آنحضرت کی نقل اتاری۔ پھر مہاجرین اور انصار کے امام الگ الگ مقرر کر لئے اور اماموں کا شیخ الاسلام لقب دیا۔ اور رات دن لوٹنے کا شیوہ اختیار کیا۔ اسکی لوٹ سے سوداگروں کی راہیں بند ہو گئیں۔ کاروان اور قافلے ویران و تباہ ہو گئے۔ بعد ازاں زبید کا محاصرہ کئے رہا جبتک کہ فاتک بن محمد نے جو آخر بادشاہ ملوک بنی نجاح میں سے تھا مقتول ہوا۔ بعد اسکے قتل ہونیکے اسکے غلام علی بن مہدی سے خوب لڑتے رہے مگر آخر کار علی بن مہدی کو فتح ہوئی۔ چنانچہ بروز جمعہ ۱۴ تاریخ ماہ رجب ۵۵۴ھ میں دار الملک زبید پر اسکا قبضہ ہوا۔ دو مہینے ۱۴ روز سلطنت کی پھر ماہ شوال میں وفات پائی۔ اسکی اولاد تہامہ اور بعض اور اضلاع پر قابض رہی جبتک خاندان ایوبیہ نے اسکو برباد کیا۔

۴۷۶-۵۶۹ھ ۳۹ دولت زریعیہ - عدن - ۱۰۸۳-۱۱۷۳ء

۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء میں مکرم صلیحی نے عباس اور مسعود دونوں کو عدن میں حاکم اپنی طرف سے مقرر کیا تھا۔ یہاں کئی

سلوں تک پیشتر کی انتظام چلا۔ ابو مسعود اور ابو غرانے بادشاہ صنعا کی اطاعت سے سرتابی کر کے آزادی حاصل کی مگر وہ آزادی کو ہمیشہ سنبھال نہ سکے یمن میں صلیحیہ کے اس خاندان کی عظمت بھی مانی جاتی ہے۔ دولت ایوبیہ نے اسے بھی برباد کیا۔

۵۶۹ – ۶۲۵ھ ایوبیہ یمن ۱۱۷۳ – ۱۲۲۸ء

عرب کے زمانہ متوسط کی تاریخ میں ایوبیہ کی فتح ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۳ء میں واقعہ عظیم سمجھا جاتا ہے۔ سلطان صلاح الدین کے رشتہ داروں نے یمن کے تمام خاندانوں کا خاتمہ کیا اور اسکو بالکل تاخت و تاراج کیا اور جس شان و شکوہ سے سلطنت مصر، شام، عراق عرب میں کی تھی ایسی ہی یہاں کی صنعا سے ہمدانیوں کو زبید سے مہدیہ کو عدن سے زوریہ کو توران شاہ بن ایوب نے خارج کر دیا۔ اور نصف صدی تک (۵۶۹ – ۶۲۵) تک یمن اسی خاندان کے قبضہ میں رہا جو مصر و شام میں حکومت کرتا تھا۔

۶۲۶ – ۸۵۸ھ ۱۰م رسولیہ یمن۔ ۱۲۲۹ – ۱۴۵۴ء

ملک مسعود بن کامل جب حج کو گیا ہے تو اپنے دار وغہ علی بن رسول کو یمن میں اپنا نائب مقرر کیا تھا وہ اولاد اور اُنکی حکومت تک نائب رہا۔ علی بن رسول کے چند بھائی بطور اول کے مصر میں لاکر اس خیال سے رکھے گئے تھے کہ وہ کوئی تغلب و خیانت یمن میں نہ کرنے پائے جب اس کا انتقال ہوا تو عمر بن علی اپنے باپ کی جگہ مقرر ہوا جب اس کے چچاؤں نے چند ایلچی اسکے معزول کرنیکے لئے اس کے بھیجے کہ وہ خود یمن کی نیابت کے خواہاں تھے تو اُسنے ایلچیوں کو قید کیا اور یمن میں مطلق العنان ہو کر سلطنت کرنے لگا حضر موت سے مکہ تک دو سو برس اس خاندان نے سلطنت کی۔

۸۵۰ – ۹۲۳ھ ۱۴م طاہریہ یمن – ۱۴۴۵ – ۱۵۱۷ء

جب خاندان رسولیہ تباہ ہوا تو یمن میں بنی طاہر اسکا جانشین ہوا۔ اور جبتک اسنے سلطنت کی کہ مصر کے سلاطین مملوک میں سے آخر سلطان قانصوہ غوری نے ملک عرب کو فتح کیا۔ پھر ۹۲۳ھ مطابق ۱۵۱۷ء میں عثمانلی ترک نے فتح کر لیا۔ مگر ۱۰۴۵ھ ۱۶۳۵ء میں اس کو چھوڑ دیا اور وہیں کے اماموں کو حکومت دیدی۔

۲۸۸ – ۷۰۰ھ – ۴۲ – ائمہ رستہ – سعدا – ۹۰۱ – ۱۳۰۰ء

شیعوں میں ائمہ زیدیہ کا ایک فرقہ ہے جسکو قاسم رسّی کے پوتے ہادی یحییٰ نے اوّل یمن میں سعدا کے اندر قائم کیا تھا خلیفہ ماموں کے عہد میں قاسم رسّی ایک ضعیف الاعتقاد و صحیح المذہب تھا۔ یہ فرقہ زیدیہ اماموں کا ابتک قائم ہے گو کہیں کہیں ان کے سلسلہ میں شکستگی آگئی ہے۔

۱۰۰۰ھ – ۴۳ – ائمہ صنعا – ۱۵۹۱ء

ائمہ مذکورہ بالا اپنا صدر مقام سعدا میں رکھتے تھے مگر انکے جانشین اکثر صنعا میں بھی ہوتے تھے۔ عثمانلی ترک

کا اخراج جبتک کہ ۱۰۴۳ھ ۱۶۳۳ء میں نہیں ہوا یمن میں اماموں کا مستقل دار الحکومت صنعا نہیں ہوا۔ جو امام یہاں حکومت کرتا ہے اسکو امام صنعا کہتے ہیں۔ وہ حقیقت میں انہیں اماموں کی نسل میں سے ہیں جو سعدا میں رہتے تھے۔ ہادی یحییٰ کے بڑے پوتے یوسف داعی کی اولاد میں قاسم منصور تھا جس نے ائمہ صنعا کی بنا ڈالی۔ ہادی یحییٰ ائمہ سعد کا بانی تھا۔

فصل ششم۔ شام و عراق۔ عرب (زمانہ اہل عرب)

(۴۴) حمدانیہ (موصل حلب) (۴۵) مرداسیہ حلب (۴۶) عقیلیہ (موصل وغیرہ) (۴۷) مروانیہ (دیار بکر) (۴۸) مزیدیہ (حلہ)

ایشیا میں دول اسلامیہ کی تقسیم اسطرح ہے۔ اول شام اور عراق عرب کی دول اسلامیہ عرب قبل از حملہ سلجوقی ترک دوم دول ایران و ماوراء النہر قبل از سلجوق۔ سوم دولت سلجوقیہ اور اُس کی شاخیں۔ چہارم ان امراء کی دول جنہوں نے سلجوق کی ملازمت میں کارہائے عظیم کئے تھے۔ اور وہ دولت سلجوقیہ کے تنزل اور مغلوں کے حملوں کے درمیان قائم ہوئیں۔ پنجم دولت سلجوقیہ کے قائمقام خصوصاً عثمان لی۔ ششم چنگیز خاں کی دولت مغلیہ اور اُسکی شاخیں۔ ہفتم دولت مغلیہ کے تنزل کی حالت میں جو ایران میں دول قائم ہوئیں۔ ہشتم دولت تیموریہ ماوراء النہر میں جو قدیمی مغلوں کی سلطنت کے زوال سے پیدا ہوئی۔ نہم دول ہندوستان جنمیں افغانستان بھی شامل ہے۔ اس ترتیب میں جغرافیہ کے جو ترقی مغرب سے مشرق کو ہوئی ہے وہ قائم رہتی ہے۔ ان دول کا بیان اسطرح کرینگے۔ شام و عراق عرب کا بیان جبتک کہ سلجوقیوں کا حملہ ہوا۔ ایران اور ماوراء النہر کا سلجوق اور انکے امراء سلجوقیہ کے قائمقام جو مغرب میں پھیلے۔ ایک نئی دولت مغلیہ کا پیدا ہونا جسنے کل دول کو سوا دولت عثمانیہ کے غارت کردیا۔ مغلوں کی دولت کا تنزل اسکے قائمقام شاہان ایران جو مختلف خاندان کے تھے اور وہ ابتک قائم ہیں شمال اور مشرق میں دولت تیموریہ کی جدا ایک شاخ کا قائم ہونا ماوراء النہر میں دولت تیموریہ کا قائمقام ازبک کا ہونا جو ابتک موجود ہیں۔ مشرق میں دول اسلامیہ ہندوستان میں اور افغانستان میں دولت غزنویہ کا قائم ہونا دولت اسلامیہ ہند کی بجائے برٹش گورنمنٹ کا قائم ہونا۔

۴۴۔ دولت حمدانیہ (موصل و حلب وغیرہ) ۳۱۷ - ۳۹۴ھ ۹۲۹ - ۱۰۰۳ء

خاندان حمدانیہ عرب کے قبیلہ تغلب التغلبی کی نسل سے تھا۔ وہ موصل کے قریب رہتا تھا۔ حمدان بن حمدون ۲۶۰ھ ۸۷۳ء سے اس کے معاملات ملکی میں بہت دخل دیتا تھا۔ ۲۸۱ھ ۸۹۴ء میں محمد بن حمدان نے ماردین پر قبضہ کرلیا۔ مگر خلیفہ المعتضد باللہ نے ۲۹۲ھ ۹۰۴ء اسے نکالدیا۔ ابوالہیجا عبداللہ بن حمدان کو موصل اور اسکے محالات کا حاکم مقرر کیا۔ اسوقت سے معاملات ملکی میں خاندان حمدانیہ کو زیادہ اقتدار حاصل ہوا۔ ۳۰۷ھ ۹۱۹ء میں دیار ربیعہ کا حاکم ابراہیم بن حمدان مقرر ہوا اور ۳۰۹ھ ۹۲۱ء میں داؤد اسکا بھائی جانشین اسکا ہوا اور ۳۱۲ھ ۹۲۴ء میں سعید بن حمدان نہاوند میں حاکم مقرر ہوا اور اس خاندان کے

بعض اور ارکان نے بھی اسیطرح کے اعلی عہدے پائے۔ عبداللہ نے اپنے بیٹے حسن کو موصل میں اپنا نائب بنایا جب عبداللہ ابو الہیجا بغداد میں مارا گیا تو موصل میں اسکا بیٹا حسن باپ کی جگہ مقرر ہوا۔ ابو العلا بن حمدان اسکا چچا اس امر کا ذمہ لیکر کہ میں اپنے بھتیجے کے قبضہ سے مال نکالکر خلیفہ کے دربار میں بھیجونگا۔ موصل گیا مگر وہاں بھتیجے کے ہاتھ سے مارا گیا جب یہ خبر خلیفہ مکتفی باللہ کو پہونچی تو اس نے وزیر ابن مقلہ کو لشکر دیکر موصل بھیجا۔ حسن بھاگ کر کہیں چھپ گیا۔ ابن مقلہ موصل میں ۳۱۳ھ - ۹۱۹ع تک رہا اور پھر بغداد میں چلا آیا تو حسن نے خلیفہ کو عرضی بھیجی اور مال مذکور کے دینے کا ضامن ہوا خلیفہ نے اس کا قصور معاف کردیا۔ ان سالوں کے سوا وہ دیار ربیعہ اور دیار بکر و موصل میں فرمانروائی جبتک کرتا رہا کہ اسکے بیٹے ابو تغلب نے اسے معزول کیا۔ خلیفہ مکتفی باللہ نے ۳۳۰ھ ۹۴۱ع میں اس کو ناصر الدولہ کا اور اسکے بھائی علی کو سیف الدولہ کا خطاب دیا۔ سیف الدولہ نے اول واسط پر حکمرانی کی پھر ۳۳۳ھ ۹۴۴ع میں احمد بن سعید الکلابی صاحب الاخشید سے حلب لیا اور یونانیوں کیساتھ رزم آرائی میں بڑا نام پیدا کیا۔ خاندان حمدانیہ شیعہ تھا۔ اور سیف الدولہ دولت بنی فاطمہ کی اطاعت کرتا تھا جب ان دونوں بھائیوں کا انتقال ہوگیا تو دولت حمدانیہ میں زوال آگیا۔ دولت بنی فاطمہ نے سیف الدولہ کے پوتے سے اسکی سلطنت جو شام میں تھی چھین لی اور ۳۶۷ھ میں ابو تغلب سے عراق عرب کی سلطنت دولت بویہ نے لے لی اسکے بھائیوں حسین اور ابو طاہر نے تو موصل کو پھر لے لیا تھا اسپر قبضہ چندروز رہا اور پھر وہ چھن گیا۔ ناصر الدولہ کے حالات میں کئی دفعہ انقلاب ہوا۔ اسکو اپنے بھائی سیف الدولہ سے نہایت محبت تھی جب وہ مرگیا تو اسکے غم میں وہ سیئ الاخلاق اور ضعیف العقل ہوگیا کہ اولاد کے نزدیک بھی اسکی حرمت باقی نرہی۔ اسکے بیٹے ابو تغلب فضل اللہ الملقب بعدۃ الدولہ المعروف بالغضنفر نے باپ کو قلعہ زردشت میں قید کیا جہاں وہ جمعہ کے دن ۲۴ جمادی الاولی ۳۵۶ھ کو مرگیا۔

۴۱۴ - ۴۷۲ھ دولت مرداسیہ حلب - ۱۰۲۳ - ۱۰۷۹ع

قبیلہ بنو کلب میں اسد الدولہ ابو علی صالح بن مرداس تھا۔ اسنے بدوؤں کو ساتھ لیکر ۴۱۴ھ ۱۰۲۳ع سے بغاوت اختیار کرکے شہر حلب صالح کے حوالہ کیا۔ وہ یہاں فرمانروائی کرتا رہا۔ مصریوں کیساتھ لڑا اور اسمیں ۴۲۰ھ ۱۰۲۹ع میں مارا گیا۔ اس کا بیٹا شبل الدولہ نصر اسکا جانشین ہوا مگر اسکو بھی سپاہ بنی فاطمہ نے ۴۲۹ھ ۱۰۳۸ع میں مار ڈالا۔ اسپر پانچ برس نہ گذرنے پائے تھے کہ معز الدولہ ثمال حاکم رحبہ نے مصریوں سے حلب کو دوبارہ لے لیا۔ ۴۴۹ھ ۱۰۵۷ع میں ثمال نے پھر مصریوں کو حلب دیدیا۔ رحبہ پر اسکا بھائی عطیہ قبضہ رکھتا تھا۔ ۴۵۲ھ ۱۰۶۰ع میں بنی فاطمہ کی جو تازہ ہی عملداری ہوئی تھی اسکا رشید الدولہ بن شبل الدولہ نے حلب کو فتح کرکے خاتمہ کردیا۔ معز الدولہ اسکے چچا نے اسکو یہاں سے خارج کردیا مگر وہ ۴۵۴ھ میں مرگیا اور حلب میں فرمانروائی کی وصیت اپنے بھائی کیلئے کرگیا۔ رشید الدولہ اسی سال میں حلب پر پھر مستولی ہوگیا۔ اور عطیہ نے

رقہ پر قبضہ کیا یہاں سے عقیل مسلم بن قریش نے ۴۶۳ھ/۱۰۷۱ء میں اسے نکال دیا۔ رشید الدولہ کے بعد اسکا بیٹا جلال الدولہ تخت نشین ہوا اور یونانیوں سے اس نے منبج چھین لیا۔ حلب اسکے بھائی شبیب کے پاس جبتک رہا کہ ۴۷۲ھ/۱۰۷۹ء میں عقیل بن سلیم نے فتح کر لیا۔

۳۸۶ - ۴۸۹ھ - ۴۶ دولت عقیلیہ (موصل وغیرہ) ۹۹۶ - ۱۰۹۶ء

بنو قبائل ہووازن میں جو بنو کعب کے پانچ قبائل تھے انہیں سے بنو عقیل بھی ایک تھا اور جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا تو انکی شاخیں شام، عراق، شمالی افریقہ اور اندلس میں پھیلیں۔ دولت عباسیہ کے ابتدا میں ملک عراق قبیلہ بنو عقیل سے خوب معمور تھا۔ انکی ایک شاخ بصرہ کے قریب بطیحہ میں چلی گئی (بطیحہ کے معنی عربی میں دلدل کے ہیں) بنو خفاجہ نے خاندان معروف کے ماتحت صدیوں تک کاروانوں کو لوٹنے کیلیے صحرا عراق میں اقامت اختیار کی۔ ۳۲۵ھ میں بنو عبادہ نے بنو منتفق کے ساتھ شریک ہو کر کوفہ۔ واسط۔ بصرہ کے درمیانی ملک میں رہنا شروع کیا تو موصل میں عقیلیہ امرا کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ چوتھی صدی میں شام اور عراق کے بنو عقیلیہ دولت حمدانیہ عرب کی جو بڑی شان و شکوہ کی تھی خراجگذار تھی مگر جب اس دولت کا زوال آیا تو بنو عقیلیہ نے اپنی خودمختار آزاد سلطنت قائم کر لی۔ ۳۸۰ھ/۹۹۰ء میں دولت حمدانیہ کے آخر خلیفہ نے ابو جواد محمد کو نصیبین اور بلد کے شہر عطا کیے جس نے موصل کا اور اضافہ کیا مگر دولت بویہ نے اسکو ۳۸۱ھ میں خارج کر دیا اسکے بھائی مقلد کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی کہ ۳۸۶ھ/۹۹۶ء میں موصل کو اس نے لے لیا۔ کوفہ، قصر، جامعین سلطان بہار الدولہ بویہ نے اس شرط سے اسکو دیئے کہ وہ خراج دیا کرے اور انہیں بالفعل انبار۔ دابن و قوفہ کا اور اضافہ ہوا مسلم بن قریش کے عہد میں سلطنت عقیلیہ موصل سے لیکر بغداد کے قریب حلب تک تھی۔ مگر اسکے مرتے ہی سلطنت پر زوال و وبال آ گیا۔ موصل جو اسکی دار السلطنت تھا اسکو قوام الدولہ کربوقا نے ۴۸۹ھ/۱۰۹۶ء میں فتح کر لیا اور وہ دولت سلجوقیہ میں شامل ہوگیا جب عراق میں بنو عقیل کی سلطنت یوں بگڑ گئی تو پھر عزبین جاکر اپنی قدیمی زمینوں میں خیمہ زن ہوگئے۔

۳۸۰ - ۴۸۹ھ - ۴۷ دولت مروانیہ (دیار بکر) ۹۹۰ - ۱۰۹۶ء

۳۸۰ھ/۹۹۰ء میں جب حسن کیفہ کا حاکم باد مر گیا تو اسکا بھانجا ابو علی بن مروان جانشین ہوا وہ خاندان کرد سے تھا۔ اسکی مملکت میں دیار بکر کے ایسے بڑے بڑے شہر شامل تھے جیسے کہ آمد، ارزن، میافارقین اور کیفہ۔ اسکے جانشین مصر کے خلفاء بنی فاطمہ کے تابع تھے اس اطاعت کے عوض میں خلفاء نے انکو حلب کی حکومت دیدی تھی وہ گویا خلیفہ کی طرف سے معزول حمدانی افسروں کے قائمقام چند عرصہ تک رہے مروانیہ دولت بویہ کی بھی اطاعت کرتے تھے۔ مگر جب انہیں سلجوقیوں نے

حملہ کیا تو انکا خاتمہ ہو گیا۔

۴۸- مزیدیہ حلہ - ۴۰۳-۵۴۵ھ - ۱۰۱۲-۱۱۵۰ء

بنو اسد کے قبائل میں سے بنو مزید بھی تھے۔ وہ عرب کو چھوڑ کر صحرا قادسیہ میں دریا ٹگرس کے بائیں کنارہ کی طرف پھیل گئے۔ چوتھی نسل میں ۴۹۵ھ/۱۱۰۱ء میں صدقہ نے اپنی دار السلطنت حلہ بجائے جامعین کی بنائی۔ اس شہر کی عمارات کی خوشنمائی اور اسکے صناعوں کی کاریگری مدتوں تک ضرب المثل رہی۔ عرب کی تاریخ میں صدقہ بھی بڑے بڑے مشہور شجاعوں میں شمار ہوتا ہے۔ شاعر اسکی بہت تعریف کرتے ہیں اور تاریخ میں بھی اسکے بڑے بڑے کارنامے لکھے جاتے ہیں۔ اسکے مرنے کے بعد ہی اس خاندان کا تنزل ہو گیا۔ ۵۵۸ھ/۱۱۶۲ء میں خلیفہ مستنجد باللہ نے عراق میں قبائل بنو اسد پر حملہ کیا اور چار ہزار آدمی انمیں کے مار ڈالے۔ ملک فرات سے انکا نام و نشان مٹا دیا۔ بطیحہ کے بنو منتفق انکے ملک پر متصرف ہوئے مگر اسے زنگیوں نے چھین لیا۔

فصل ہفتم - ایران و ماوراء النہر (زمانہ ایرانی)

(۴۹) دلفیہ (کردستان) (۵۰) ساجیہ (آذربائیجان) (۵۱) علویہ (طبرستان) (۵۲) طاہریہ (خراسان) (۵۳) صفاریہ (فارس)
(۵۴) سامانیہ (ماوراء النہر و فارس) (۵۵) ایلک خاں (ترکستان) (۵۶) زیاریہ (جرجان) (۵۷) حسنویہ (کردستان)
(۵۸) جنوبی فارس و عراق (۵۹) کاکوائیہ (کردستان)

زمانہ ایرانی

فارس اور ماوراء النہر میں جن خاندانوں نے سلجوقیوں کے حملہ تک سلطنت کی ہے وہ زمانہ ایرانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ مامون الرشید کی ماں کنیزک ایرانی تھی۔ اس خلیفہ نے خراسان میں ایرانی سپاہ بھرتی کر کے اپنے بھائی امین کو معزول کیا تھا۔ اسکی تدبیر مملکت یہ تھی کہ ایرانیوں سے جہاں تک ممکن ہو اتحاد و وداد پیدا کیا جائے پس اسکا نتیجہ یہ تھا کہ انتظام ملکی میں جتنا اہل ایران کا رعب و داب زیادہ ہوتا جاتا تھا اتنا قدیمی اہل عرب کا اثر کم ہوتا جاتا جس سے سلطنت میں ضعف آتا جاتا تھا۔ صوبوں اضلاع میں اعلیٰ عہدے اور حاکم اعلیٰ سپہ سالار ایرانی مقرر ہوتے تھے اور انکی خود مختاری اور آزادی اتنی بڑھ گئی تھی جس سے سلطنت معرض خطر میں آگئی تھی۔ ایرانیوں کو نہ خود مامون رشید نہ اسکے جانشین دبا سکے اور بہت سی دول ایرانی برائے نام خلیفوں کو مانتے تھے۔ اہل ایران کا حال عجم میں بعینہ ایسا ہو گیا تھا جیسا کہ قبائل عرب کا حال عراق میں تھا کہ شکستہ حال خلافت کے خلاف وہ فرمانروائی کرتے تھے۔ بعض خاندان جیسے کہ خاندان بویہ ہے وہ اہل سنت وجماعت نہ تھے بلکہ شیعہ تھے۔ ہمیشہ سے اہل ایران کو جیسا کہ آجکل شیعہ مذہب پسند ہے ویسا ہی ہمیشہ سے پسند رہا ہے۔ اگرچہ یہ عہد ایرانی کہلاتا ہے مگر یہ نہیں کہ سارے خاندان شیعہ ایرانی ہی ہوں۔ مثلاً ابو دلف کا خاندان عرب تھا۔ خاندان حسنویہ کرد تھا۔ ایلک خاں کا خاندان ترک تھا۔ مگر اکثر خاندان ایرانی الاصل تھے۔

۲۱۰ - ۲۸۵ھ - ۴۹ دولت دلفیہ کردستان - ۸۲۵ - ۸۹۸ء

ابو دلف عجلی کو خلیفہ امین نے ہمدان میں حاکم مقرر کیا اسکے بعد عبدالعزیز اس کا بیٹا جانشین ہوا اور اسکے بیٹے عمر بن عبدالعزیز نے ۲۸۱ھ میں اپنی مملکت میں اصفہان و نہاوند کو زیادہ کیا اور اسکے بعد یہاں خلفہ کیطرف سے حاکم مقرر ہوتے رہے

۲۶۶ - ۳۱۸ھ - ۵۰ دولت ساجیہ - آذر بائجان - ۸۷۹ - ۹۳۰ء

کوفہ اور اہواز کا حاکم ابو الساج دیوداد تھا ۲۶۶ھ میں وہ مر گیا اسکے مرنیکے وقت اسکا بیٹا محمد حجاز میں حاکم تھا۔ وہاں سے ۲۷۶ھ میں انبار میں بدل گیا تھا اور ۲۸۰ھ میں پھر یہاں سے آذربائجان میں آگیا تھا اُسنے آرمینیا کو اپنی مملکت میں اور بڑھایا۔ جب وہ مر گیا تو اُسکا بھائی یوسف جو ۲۸۸ھ میں والی مکہ تھا آذربائجان اور آرمینیا کا حاکم مقرر ہوا اُسنے اُسکے بیٹے دیوداد کو ریاست سے معزول کر دیا۔ یوسف نے ۳۰۲ھ میں رے پر حملہ کیا آئندہ سال میں خلیفہ نے اسے قید کیا مگر پھر وہ ۳۱۰ھ میں اپنے پہلے عہدے پر بحال کیا گیا اور اُسنے ۳۱۵ھ میں تاک رے کو اپنی مملکت میں الحاق کیا اور قرلیوں سے لڑائی شروع کی ۳۱۹ھ میں آذربائجان کی حکمرانی مفلح کو جو یوسف کا ایک آزاد غلام تھا سپرد ہوئی۔

۲۵۰ - ۳۱۶ھ ۵۱ علویہ (طبرستان) ۸۶۴ - ۹۲۸ء

ہمنے اوپر ذکر کیا ہے کہ ائمہ علویہ یا زیدیہ کی ایک شاخ یمن میں سعدا کے اندر حکمران تھے۔ اس خاندان کے اور ممبر جو حسنی یا حسینی سید تھے مدتوں تک وہ استحقاق امامت کا یا خلافت کا ان اضلاع میں رکھتے تھے جو بحر کیسپین (خزر) کے جنوب میں واقع ہیں جیسے دیلم۔ طبرستان۔ گیلان ۲۵۰ھ میں طبرستان پر خاندان علویہ نے قبضہ کر لیا اور اپنا سکہ چلایا اور اس ضلع پر چونسٹھ برس تک کرتے رہے دولت سامانیہ نے اُنکو غارت کیا اس واقعہ کے بعد بھی کئی ایک رقیب علویہ خاندان کے گیلان و دیلم میں سلطنت قائم کی اور انہیں سے ابو فضل جعفر طاہر فلاح نے اپنا سکہ شاہانہ چلایا۔

۲۰۵ - ۲۵۹ھ - ۵۲ طاہریہ (خراسان) - ۸۲۰ - ۸۷۲ء

خلیفہ مامون رشید کا بڑا نامور سپہ سالار طاہر ذو الیمینین تھا۔ اسکی ماں ایرانی کنیزک تھی خلیفہ کیطرف سے ۲۰۵ھ میں وہ خراسان کی حکومت پر مقرر ہوا۔ یہاں وہ خود اور اُسکا گھرانا عملاً تو آزاد تھا مگر اپنی حکومت کے لئے خلفا سے سند حکومت حاصل کرتا تھا اور اپنے تئیں اس کا ماتحت جانتا تھا۔ اُسنے اپنی حکومت کو خراسان کی حد سے نہیں بڑھایا۔ نصف صدی کے بعد یعقوب بن لیث صفاریہ کے حملہ سے وہ بالکل مغلوب ہو گیا۔

۲۵۴ - ۲۹۰ھ ۵۳ صفاریہ (فارس) ۸۶۷ - ۹۰۳ء

یعقوب بن لیث صفار ردوئیں ساز اسکا اقبال وہ چمکا کہ یا تو اوباشوں کے مجمع کا سرغنہ تھا یا سجستان (سیستان) پر قابض

پر حکمرانی کرنے لگا۔ ۲۵۵ھ / ۸۶۹ء سے کچھ دنوں پہلے وہ اس عہدۂ عظیم پر خلیفہ معتمد باللہ کی عنایت سے کامیاب ہوا۔ اسی سنہ میں اُس نے ہرات کو اپنی مملکت میں الحاق کیا۔ اور فارس کو تسخیر کر لیا جسمیں اسکا دارالسلطنت شیراز بھی داخل تھا۔ پھر اُس پر بلخ طخارستان کا اضافہ کیا اور دولت طاہریہ سے خراسان کو ۲۵۹ھ / ۸۷۳ء میں چھین لیا۔ طبرستان پر لشکرکشی کی اور حسن زید علوی کو شکست دی اور خلیفہ معتمد باللہ سے کھلی بغاوت اختیار کی شیراز اور اہواز میں ہوتا ہوا بغداد پہونچا مگر خلیفہ کے بھائی موفق باللہ نے اُسے شکست دی اور ۲۶۵ھ / ۸۷۸ء میں وہ مرگیا اسکا بھائی عمر اسکا جانشین ہوا اور خراسان و فارس کردستان سیستان کا حاکم مستقل مقرر ہوا۔ مگر خلیفہ کو عمر پر اعتبار نہ ہوا۔ اُس نے اسمٰعیل سامانی کو اُکسا کر ۲۸۷ھ / ۹۰۰ء میں اُسپر حملہ کرایا۔ عمر کو شکست ہوئی اور قید ہوا۔ اسکا بڑا پوتا طاہر سیستان میں اسکا جانشین ہوا۔ فارس میں وہ اپنے خاندان کی سلطنت پر جمانا چاہتا تھا مگر اس نے ۲۹۶ھ / ۹۰۸ء میں وہ قید ہوا اسی خاندان کے دو اور ممبروں نے اپنی گئی ہوئی سلطنت بحال کرنے میں کوشش کی مگر اُنکی سعی رائگاں گئی ۲۹۶ھ میں سامانیوں کو خلیفہ نے سیستان عطا کیا مگر سو برس تک خاندان صفاریہ اس صوبہ کی سلطنت کے مدعی رہے اور کئی ایک انہیں سے کامیاب ہو کر فرمانروا رہے۔

۲۶۸ - ۳۸۹ھ - دولت سامانیہ (ماوراءالنہر اور ایران) ۸۷۴ - ۹۹۹ء

سامان ایک ایرانی امیر بلخ کا تھا۔ اپنا مذہب زردشتی ترک کر کے مسلمان ہوا تھا۔ خراسان کا حاکم اسد بن عبداللہ اسکی امداد کرتا تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے کا نام اسد اپنے محسن کے نام پر رکھا تھا۔ اسد کے چار بیٹے تھے۔ نوح۔ احمد۔ یحییٰ الیاس جنہوں نے خلیفہ مامون رشید کی خدمت میں کارہائے نمایاں کئے اور اعلیٰ عہدوں پر وہ سرفراز اور ممتاز ہوئے۔ اور ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء میں خلیفہ نے ان پر یہ عنایت کی کہ نوح کو سمرقند میں۔ احمد کو فرغانہ میں۔ یحییٰ کو شاش میں اور الیاس کو ہرات میں حاکم مقرر کیا۔ احمد اپنے بھائیوں میں زیادہ سرفراز ہوا وہ اپنے بھائی نوح کا سمرقند میں جانشین ہوا اور کاشغر کو اپنی سلطنت میں ملا لیا۔ اسکے بیٹے اسمٰعیل نے ۲۹۰ھ / ۹۰۳ء میں خراسان دولت صفاریہ سے چھین لیا اور محمد بن زید علوی حاکم طبرستان کو شکست دی اور اپنی حکومت میں تمام وہ ملک کر لئے جو صحرائے ایران اور خلیج فارس کے درمیان اور ہندوستان کی حدود سے بغداد تک پھیلے ہوئے تھے۔ ماوراءالنہر میں اسکی حکومت نہایت استوار و مستقل قائم ہوئی اور اسمیں بخارا اور سمرقند تہذیب و شائستگی و علوم و فنون کے مرکز بنے اور وہاں وہ عالم کامل پیدا ہوئے کہ اسلامی دنیا میں اُنکی شہرت ہو گئی۔ خراسان اور سیستان کی سرکشیوں سے اور خاندان بویہ کی قوت بڑھنے سے اس دولت سامانیہ کا تنزل شروع ہوا۔ نصف صدی کے بعد اُنکی حکومت ماوراءالنہر اور خراسان سے کچھ ہی پرے باقی رہی اور اصل سلطنت کی قوت ترک غلاموں کے ہاتھ میں تھی جو اسکے دربار میں بہت بھرے ہوئے تھے اور بڑا رسوخ رکھتے تھے۔ انہیں سے

ایک الپتگین تھا جس نے دولت غزنویہ کو قائم کیا اور ۳۸۴ھ/۹۹۴ء میں قائمقام دولت سامانیہ کا اس ملک میں جو دریائے جیحوں کے جنوب میں تھا۔ اس دریا کے شمال میں سلطنت سامانیہ کو ایلک خاں ترکستانی نے کمزور کیا تھا وہ ترکی قوموں کی فرغانہ سے لیکر سرحد چین تک پیشوائی کرتا تھا اسنے ماوراء النہر پر حملہ کیا اور ۳۸۰ھ/۹۹۰ء میں بخارا پر قبضہ کیا اور ۳۸۹ھ/۹۹۹ء میں دولت سامانیہ کو بالکل ستیاناس کر دیا۔ اگرچہ ابراہیم منتصر ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء تک سلطنت کے لئے لڑائی جھگڑے کرتا رہا۔

۳۲۰ - ۵۶۰ھ - ۵۵ - ایلک خاں (ترکستان) ۹۳۲ - ۱۱۶۵ء

فرغانہ کے مشرق میں جو قبائل ترک مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے چوتھی صدی میں اپنی سلطنت قائم کی جس کا دار الخلافہ کاشغر تھا۔ دولت سامانیہ سے جب ماوراء النہر چھین لیا تو ۳۸۹ھ/۹۹۹ء میں ایلک خاں قبائل ترک پر حکمرانی کرنے لگا۔ یہ قبائل ترک بخارا سے بحر کیسپین (خزر) سے چین کی حدود تک خانہ بدوش بادیہ گرد رہتے تھے۔ انہوں نے دریائے جیحوں کے جنوبی اضلاع کے فتح کرنے میں ۳۹۸ھ/۱۰۰۸ء میں محمود غزنوی سے شکست پائی۔ اس وقت سے ایلک خاں ماوراء النہر کاشغر مشرقی تاتار سے آگے نہیں بڑھے۔ انکی حکومت میں بہت سے قبائل ترک نے ماوراء النہر میں اقامت اختیار کی اور بعد ازاں وہ ایران میں پھیل گئے جن میں سے سلجوق کی قوم ترکمان نہایت مشہور اور نامور ہوئی۔ ان خاندانوں کی سلطنت کی تاریخ بڑی بے ربط لکھی گئی ہے اس پر کچھ اعتبار نہیں ہو سکتا۔

۳۱۶ - ۴۳۴ھ - ۵۶ دولت زیادیہ (جرجان) ۹۲۸ - ۱۰۴۲ء

بحر کیسپین (خزر) کے جنوبی کنارہ پر خلفا کی سلطنت بخوبی کبھی نہیں ہوئی۔ اکثر حضرت علی کے پیروان اضلاع میں اپنی حکومت جماتے رہے جیسا کہ خلفا کی حکومت کا یہاں حال تھا ایسا ہی دولت سامانیہ کی سلطنت کا رہا۔ مرداویج بن زیاد جو خاندانی امیرزادہ تھا اسنے طبرستان اور جرجان میں اپنے تئیں خود مختار حکمران بنایا اور ۳۱۶ - ۳۱۹ھ کے درمیان اصفہان اور ہمدان کو بھی دبا لیا اور اپنی حکومت کو عراق کی سرحد پر حلوان تک پہنچایا۔ وہ خاندان بویہ کا مربی تھا علی بن بویہ کو سب سے اعلیٰ درجہ عہدہ کرج کی حکومت کا دیا۔ مرداویج اپنے تئیں دولت عباسیہ کا ماتحت سمجھتا تھا۔ اسکا بھائی وشمگیر اسکا جانشین ہوا۔ وہ بھی خاندان سامانیہ کی اطاعت برائے نام کرتا تھا۔ ۳۳۲ھ/۹۴۳ء میں جب خاندان بویہ بلند ہوا تو دولت زیادیہ کی حکومت صرف جرجان اور طبرستان میں رہ گئی اور عمید الدولہ ابو یوسف قابوس کو اٹھارہ سال کے لیے (۳۷۱ - ۳۸۹ھ) کے درمیان جلاوطن کیا جب وطن میں اسنے مراجعت کی تو اسنے گیلان کو اور ان اضلاع میں پہلے اسکی سلطنت تھی تسخیر کر لیا۔ اسمیں اسکی اولاد جبتک جانشین ہوتی رہی کہ خاندان نے یہ اضلاع اس سے چھین لئے

۳۴۸ - ۴۰۶ھ - ۵۷ حسن ویہ (کردستان) ۹۵۹ - ۱۰۱۵ء

قبائل قریش کا حسن ویہ بن حسین برزکانی بڑا امیر تھا۔ چوتھی صدی میں اُسنے نسل مروانیہ کے والا پاگی پر اپنے تیئں پہنچا پایا تھا۔ اور اس صدی کے وسط سے پیشتر اُس نے کردستان پر قبضہ کر لیا جسمیں یہ مشہور شہر بھی داخل تھے دینیاور ہمدان۔ نہاوند۔ قلعہ سرماج وغیرہ۔ اسکی قوت وہ زبردست تھی کہ دولت بویہ اس سے کچھ نہیں بولی اسکے مرنیکے بعد عضد الدولہ بویہ نے اسکی مملکت کو اپنے ملک میں شامل کر کے اُسکے بیٹے بدر بن حسنویہ کو اسکی قلمرو میں حکمران مقرر کیا۔ بدر نے اپنے خاندان کی شان و شکوہ کو اور بڑھایا اور خلیفہ نے اُسکو لقب ناصر الدولہ کا عنایت فرمایا۔ اسکا پوتا طاہر ۴۰۵ھ ۱۰۱۴ء میں اسکا جانشین مقرر ہوا۔ ایک ہی برس حکمرانی کرنے پایا تھا کہ شمس الدولہ نے اُسے نکالدیا اور پھر اسکو قتل کر ڈالا۔

۳۲۰ - ۴۴۷ھ - ۵۸ بویہ (جنوبی ایران و عراق) - ۹۳۲ - ۱۰۵۵ء

قدیمی خاندان شاہی ایران کی نسل میں بویہ تھا اور دیلم کے ایک کوہستانی قبیلہ جنگجو کا امیر تھا۔ اور اپنے اہل وطن کی نسل اکثر لڑائیوں میں شریک رہتا تھا اور پھر کیسپین (بحر خزر) کے اضلاع پر دست درازیاں کرتا رہا اپنے ہموطنوں کیطرح اُسنے بھی دولت سامانیہ کی خدمات سے کنارہ کشی کر کے مرداویج زیاریہ کی خدمات ۳۱۱ھ ۹۲۳ء میں اختیار کی تھی اور اُسکے بڑے بیٹے علی (عماد الدولہ) کو مرداویج نے کرج کی حکومت سپرد کی تھی۔ علی نے اہل دیلم اور گیلان کو سپاہ میں بھرتی کیا اور اُنکی مدد سے اپنی عملداری کو جنوب کیطرف بڑھایا اور کچھ مدت تک اصفہان پر قابض رہا اور ۳۲۰ھ ۹۳۲ء ارجان پر اور ۳۲۱ھ میں نوبندجان پر قبضہ کیا اور اسکے بھائی حسن (رکن الدولہ) نے کازرون سے عرب کی فوج کو نکالدیا۔ یہ دونوں بھائی مشرق کی طرف آگے بڑھے چلے گئے اور تیسرے اپنے بھائی احمد (معز الدولہ) کو شریک کر لیا اور ۳۲۲ھ میں شیراز پر قبضہ کیا۔ خلیفہ کو زبردستی انھیں اپنا نائب اضلاع میں ماننا پڑا۔ کرمان سے معز الدولہ مغرب کیطرف آگے بڑھا اور اضلاع اہواز یا خوزستان کو مطیع کر لیا اور ۳۳۴ھ ۹۴۵ء میں بغداد میں داخل ہوا تو خلیفہ مستکفی نے فقط ان تینوں بھائیوں کو خطاب عماد الدولہ۔ رکن الدولہ و معز الدولہ ہی کے نہیں عنایت کئے بلکہ معز الدولہ کو امیر الامرا کا خطاب عطا کیا جو اُس کے خاندان میں مدت تک قائم رہا گو انہوں نے سلطان کا لقب اپنا نہیں اختیار کیا اور اپنے سکوں میں امیر اور ملک کا خطاب جاری کیا۔ مگر اُنکی حکومت مطلق العنان بغداد میں تھی اور خلفا ان کے ہاتھ کی کٹ پتلی تھے۔ اس خاندان کا رجحان شیعیت کیطرف تھا اگرچہ وہ خلفائے بغداد کی ظاہری تعظیم و تکریم و ادب بہت کرتے تھے پھر اس خاندان نے ایران اور عراق کو آپسمیں تقسیم کر لیا۔ اس تقسیم میں کچھ افراط تفریط ہوئی اور یہ وسیع دولت بویہ ٹکڑے ہو کر دولت غزنویہ دولت کاکویہ و دولت سلجوق میں مل گئی۔

۳۹۸ - ۴۴۳ھ - ۵۹ کاکویہ (کردستان) ۱۰۰۷ - ۱۰۵۱ء

محمد بن دشمنزار معروف بہ ابن کاکویہ جو چچیرا بھائی مجد الدولہ بویہ کا تھا جو ہمدان حکمرانی کرتا تھا ۴۱۴ھ ۱۰۲۳ء میں سماء الدولہ کو اسنے معزول کرکے اسکی قلمرو کو اپنی مملکت میں ملا لیا تھا ۳۹۸ھ ۱۰۰۷ء میں اصفہان کو پہلے ہی لے لیا تھا۔ اس خاندان کی سلطنت اصفہان۔ ہمدان۔ یزد۔ نہاوند وغیرہ میں رہی جبتک کہ ۴۴۳ھ ۱۰۵۱ء میں طغرل بیگ سلجوقی نے ان کو فتح سے مغلوب کیا۔

فصل ہشتم۔ سلجوق

۶۰ (ا) سلجوق اعظم (ایران) (ب) سلجوق کرمان (ت) سلجوق شام (ث) سلجوق عراق (ج) سلجوق روم

(۶۰ ا) دولت دانشمندیہ (کیپ پڈوشیہ)

۴۲۹ - ۷۰۰ھ - ۶۰ سلجوق (مغربی ایشیا) ۱۰۳۷ - ۱۳۰۰ء

مسلمانوں کی تاریخ میں وہ زمانہ بھی مشہور ہے جسمیں ترکی سلجوق نے اسلام اختیار کیا۔ جب انکا اقبال چمکا ہے تو خلافت کا ادبار آچکا تھا۔ وہ سلطنت عظیم الشان جسمیں ایک مسلمان خلیفہ حکومت کرتا تھا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوکر مختلف خاندانوں میں تقسیم ہوچکی تھی جنمیں سوائے بنی فاطمہ (شیعہ) کے ملک مصر میں کوئی شاہانہ حکومت نہیں رکھتا۔ اسپین۔ افریقیہ جنمیں صوبہ مصر داخل تھا مدت سے خلفاء بغداد کی سلطنت سے خارج ہوگئے تھے۔ شمالی شام اور عراق عرب جنگجو قبائل ہو گئے الگ میں تھے جنمیں سے بعض نے اپنے خاندان میں سلطنت قائم کرلی تھی۔ ایران بہت سے بویہ شاہزادوں میں منقسم تھا۔ جو شیعہ ہونیکے سبب سے خلفائے بغداد کی جنکا حال کاٹھ کی پتلی کا سا ہوگیا تھا اطاعت نہیں کرتے تھے۔ یہ شاہزادے آپس میں ایک دوسرے پر حملہ آوری کیلئے تلے بیٹھے رہتے تھے آپس میں کٹے مرتے تھے اور اسطرح ایک دوسرے کو ضعیف کرتے تھے۔ اس آپس کی پھوٹ نے زوال پذیر سلطنت کی بہت سے صوبوں اور اضلاع کو جدا کردیا تھا جب سلطنت اسلامیہ ایسی علیل ہورہی تھی تو اسکی شفا کے واسطے خداتعالیٰ نے ترکوں کو دوا بنادیا جنہوں نے اسمیں پھر جان ڈالدی۔ ترکوں کی خانہ بدوش صحرا نورد قوموں میں وہ خرابیاں نہیں پیدا ہوئی تھیں جو شہر کی سکونت سے پیدا ہوتی ہیں۔ وہ مہذب تھے انہوں نے نہایت طیب خاطر سے اسلام قبول کیا اور مردہ سلطنت اسلامیہ کو اپنے تازہ اسلام سے زندہ کردیا۔ انہوں نے ایران۔ عراق۔ شام۔ ایشیائے کوچک میں جو خاندان سلطنت کررہے تھے سب کو معزول کردیا اور انہوں نے ایشیا میں افغانستان کی مغربی سرحد سے بحر مڈیٹیرین تک ایسی سلطنت اسلامیہ قائم کردی جسمیں ایک سلطان واحد سلطنت کرے۔ مسلمانوں کا عزم جو مردہ ہو چلا تھا انکو ایسا زندہ کیا کہ اسنے بائی زین ٹین کی دولت کو جو قریب آئی جاتی تھی پرے دھکیل دیا۔ اور وہ بہادر جوانمرد و شجاع مسلمان پیدا کرئیے جو میدان جنگ سے کبھی منہ موڑنا جانتے ہی نہ تھے۔ عیسائیوں کے جہاد میں انہوں نے بڑی دلاوری اور دلیری دکھائی۔ غرض تاریخ سلطنت اسلامیہ کے تاج کا ایک گوہر بے بہا قوم سلجوقی کی ہے۔ سلجوق بن تکاک ایک ترکمانی امیر

تھا اور ترکستان کے امیروں کے ہاں صاحب منصب تھا۔ اُسکی اولاد کو سلجوقی یا سلجوق کہتے ہیں۔ کرغیز کی غیر مزروعہ زمینوں سے سلجوق نے مع اپنے قبائل کے چند ضلع بخارا میں نقل مکان کیا اور اُسکے تمام گروہ نے یہاں آنکر بڑے شوق و گرمجوشی سے اسلام قبول کیا۔ وہ خود اور اُسکے بیٹے پوتے ان لڑائیوں میں شریک ہوتے جو دولت سامانیہ اور ایلک خانان اور محمود غزنوی میں ہوتی تھیں۔ انہیں سے دو بھائی طغرل بیگ و چغر بیگ آخر کو ایسے قوی صاحب طاقت ہوگئے کہ انہوں نے اپنی جنگجو قوم ترکمان کو ہمراہ لیکر خراسان پر حملہ کیا اور لشکر غزنویہ پر کئی دفعہ فتح پائی اور بڑے بڑے شہر انہوں نے تسخیر کر لئے ۴۲۹ھ ۱۰۳۷ء میں چغر بیگ داؤد شہنشاہ کے نام کا خطبہ مرو کی مسجد میں نماز میں پڑھا گیا۔ اسیطرح سے اسکے بھائی طغرل بیگ کا خطبہ نیشاپور میں پڑھا گیا۔ بلخ۔ جرجان۔ طبرستان۔ خوارزم کو جلدی سے انہوں نے اپنی قلمرو میں داخل کرلیا اور (۴۳۳ھ) میں جبال ہمدان۔ دینا ور۔ حلوان۔ رے۔ اصفہان فتح ہوگئے اور سنہ ۴۴۷ھ ۱۰۵۵ء میں طغرل بیگ بغداد میں داخل ہوا اور اس دار الخلافت میں اپنا لقب سلطان مشتہر کیا۔ اور ترکی قومیں بھی انکے ساتھ شامل ہوگئیں جس سے اسکی سپاہ کی جمعیت کثیر ہوگئی اور کل مغربی ایشیا حدود افغانستان سے لیکر یونانیوں کی سلطنت ایشیائے کوچک کی حد تک اور مصر کی بنی فاطمہ کی سلطنت یہ سب ملکر ایک سلطنت سلجوقیہ سنہ ۴۵۵ھ ۱۰۶۳ء سے نکلی۔ کل اس وسیع سلطنت پر طغرل بیگ الپ ارسلان ملک شاہ نے نہایت عدل و انصاف و شان و شکوہ و حشمت سے سلطنت کی مگر ملک شاہ کے انتقال پر کئی فساد آپسمیں کھڑے ہوئے اور برک یارق اور محمد میں آپسمیں لڑائی جھگڑے ہوئے جس سے سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوکر خاندان سلجوق میں منقسم ہوئی اور ان حصوں میں وہ آزادانہ خود مختار سلطنت کرتے رہے اور سلجوق کے خاندان کے آخر سلطان سنجر کی اطاعت برائے نام کرتے رہے۔ اس سلطان کی سلطنت کی حدود خراسان میں محصور تھی اور اُس نے سنہ ۵۵۲ھ ۱۱۵۷ء میں وفات پائی۔ اس خاندان کی شاخہائے عظیم یہ ہیں۔ سلجوقیان کرمان۔ سلجوقیان عراق سلجوقیان شام۔ سلجوقیان روم یا ایشیائے کوچک اور باقی اور چھوٹی چھوٹی شاخیں اسکی آذربائجان۔ طخارستان اور اور اضلاع میں حکومت کرتی تھیں۔ مشرق میں سلطنت سلجوقیہ کا خاتمہ خوارزم شاہ کے حملہ سے پہلے ہوگیا تھا۔ آذربائجان۔ فارس۔ ماوراء النہر۔ دیار بکر میں سلاطین سلجوقیہ کے افسروں اتابک نے اپنے اپنے خاندانوں کی سلطنتیں جمائیں۔ مگر روم میں سلطنت سلجوقیوں کی سنہ ۷۰۰ھ تک باقی رہی۔ اسکو اس سنہ میں عثمانلی ترکوں نے ختم کیا۔

۴۹۰—۵۶۰ھ - ۱ دولت دانشمندیہ (سیواس۔ قیصریہ۔ ملطیہ) ۱۰۹۷—۱۱۶۵ء

ایشیائے مائنر میں جس وقت سلجوقی ترک اپنی سلطنت بڑھا رہے تھے تو ایک اور ترکی امیر گمشتگین بن دانشمند نے سلطنت کپاڈوشیا کے شہروں سیواس۔ قیصریہ۔ ملطیہ میں قائم کی اور ملطیہ کے قریب اسنے فرنگیوں کو سخت شکست

دی۔ اسکے جانشینوں نے عیسائی جہاد میں بڑا نام پیدا کیا مگر جلدی سے یہ سلطنت سلجوقیوں کی بڑی سلطنت میں شامل ہو گئی

فصل نہم۔ اتابک (سلجوقی افسر)

(۶۱) بوریہ (اتابک دمشق) ۶۲۔ (زنگی (موصل) (ب) حلب (ت) سنجار (ث) جزیرہ (۶۳) بگ تگینہ (اربلا) (۶۴) ۲ اور توقد (کیفہ) (ب) دین (۶۵) شاہان آرمینیا (۶۶) اتابک (آذربائیجان) (۶۷) سلغاریہ اتابک (فارس) (۶۸) ہزار سپہ اتابک (لرستان) (۶۹) شاہان خوارزم (۷۰) قتلغ خانان۔

سلجوقیوں کی سلطنت ایک جنگی قوت تھی۔ اور سپاہ جس پر اسکی بقا کا مدار تھا اسکے تمام افسر ترکی غلام تھے اس خاندان کی یہ رسم تھی کہ وہ عہدے جنمیں اعتماد وفا کی ضرورت ہوتی تھی سوا غلاموں کے کسی آزاد آدمی کو نہیں دیتے تھے اور دور دور کے صوبوں میں حاکم انہیں غلاموں میں سے مقرر کرتے تھے۔ غرض انہیں زرخرید غلاموں کی وفاداری پر اعتبار ہوتا تھا جو دربار میں سلاطین اور امرا کے پاس تربیت تعلیم یافتہ ہوتے تھے۔ ہر سلجوق سلطان پاس مملوک ہوتے اور اکثر وہ دشت قبچاق سے منگا کے خریدے جاتے اور انہیں میں سے سپاہ اور دربار میں اعلیٰ عہدوں پر سرافراز اور ممتاز ہوتے۔ ان غلاموں نے اپنے آقاؤں کی نہایت سخت خدمتگزاری کر کے اپنے تئیں آزاد کیا۔ اس انتظام کا لازمی نتیجہ آخر کو یہ ہوا کہ بوڑھے مالکوں کی جانشین جوانمرد مملوک ہو گئے جب سلاطین سلجوقیہ ضعیف ہو جاتے اور انکی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے۔ تو مملوک جو انکے واسطے سخت لڑائیاں لڑتے تھے انکی نو عمر والوں کے اتابک مقرر ہوئے رشیدی میں لکھا ہے کہ اتابک بکسر ہائے موحدہ و کاف فارسی مرکب ہے لفظ ابا سے کہ بمعنی پدر ہے اور لفظ بگ مخفف بیگ سے جسکے معنی امیر کے ہیں پس اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایسا امیر جو بجائے پدر ہو پس اتابک ان کی محافظت کرتے اور نیابت کا کام دیتے اور جلدی سے اپنے کام کو بادشاہی سے بدل لیتے اسطرح سے طغتگین جو سلجوق تتوش کا مملوک تھا اسکے نو عمر بیٹے دقاق کا اتابک مقرر ہوا اور اسکے مرنے پر خود بالکل سلطنت کا مالک بن گیا اور دمشق میں فرمانروائی کرنے لگا۔ عماد الدین زنگی سلجوقی سلطان سوم ملکشاہ کے مملوک کا بیٹا تھا۔ اسنے موصل اور حلب وغیرہ میں اتابک کی سلطنت قائم کی عراق کا سلجوقی سلطان مسعود تھا اسکا ایک غلام قبچاقی تھا جسنے آذربائجان میں اتابک کی سلطنت جمائی۔ سلطان ملکشاہ کا ساقی انوشتگین تھا جو شاہان خوارزم کا باپ دادا تھا اور توق اور سلغریہ سلجوقی افسر تھے جو دولت دیاربکر اور فارس کے بانی ہوئے اور بگ تگین ہزار سپہ اور قتلغ خان سلجوقی غلاموں کے افسر تھے چھٹی صدی میں کل سلطنت سلجوقیہ انہیں لشکر کے افسروں کے ہاتھ میں تھی جنہوں نے جدا جدا اپنے خاندان کے جتھوں میں سلطنت کو قائم کیا۔

۴۹۷ - ۵۴۹ھ - ۶۱ بوریہ اتابک دمشق - ۱۱۰۳ - ۱۱۵۴ء

سلجوق کی سپاہ کے افسروں میں ایک اعلیٰ درجہ کا عہدہ دار طغتگین تھا اور نوعمر سلجوق شاہزادوں کی نیابت میں سلطنت کے کاروبار کرتا تھا۔ آخر کو اسنے اُنکے اختیارات کو غصب کر لیا۔ وہ سلطان تتش کا آزاد غلام تھا اور ۴۸۸ھ (۱۰۹۵ء) میں اُسکے بیٹے دقاق کا اتابک دمشق میں ہوا جس کے بعد وہ خود جانشین ہوا۔

۵۲۱ - ۶۴۸ھ - ۶۲ زنگی شام و عراق کے اتابک - ۱۱۲۷ - ۱۲۵۰ء

ملک شاہ کا ترکی غلام اق سنقر تھا اور اسکا حاجب بھی تھا اور ۴۸۷ھ (۱۰۹۴-۱۰۹۵ء) نائب تتش کا حلب میں رہا تھا اُسنے بغاوت اس سے کی اور مارا گیا۔ ۵۲۱ھ (۱۱۲۷ء) میں اسکی جگہ اسکا بیٹا اعماد الدین زنگی عراق کا جسمیں بغداد بھی شامل تھا حاکم مقرر ہوا۔ اُسی سال میں اسنے موصل۔ سنجار۔ جزیرہ۔ حران کو اور ۵۲۲ھ میں حلب کو اور شام کے اور شہروں میں اپنی عملداری کر لی۔ اسنے جہادوں میں جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ہوئے اپنی ذاتی شجاعت کو دکھایا۔ اور حقیقت میں سلطان صلاح الدین کا وہ داہنا ہاتھ تھا جب وہ عالم جاودانی کو رخصت ہوا تو اُسکی سلطنت اُسکے بیٹوں میں اسطرح تقسیم ہوئی کہ نور الدین محمود کو شام ملا اور سیف الدین غازی کو موصل اور عراق نور الدین نے بھی جہادوں میں بڑے بڑے کام کئے تھے جسکے سبب سے اسکا نام ابتک مشہور ہے۔ شام کی سلطنت کی شاخ تو دوسری نسل میں بالکل مردہ ہوگئی مگر اسکا ایک نیا شعبہ سنجار میں قائم ہوا اور ایک اور اُسکی چوتھی شاخ جزیرہ میں ہوئی ۶۱۸ھ (۱۲۲۱ء) میں خاندان سنجر کی تمام دولت ایوبیہ ہوئی اور باقی سلطنت لولو کی قبضہ اختیار میں آئی اور وہ آخر موصلی زنگی بادشاہ کا غلام اور وزیر تھا آخر کو کل سلطنت مغلوں کی سلطنت میں داخل ہوگئی۔

۵۳۹ - ۶۳۰ھ - ۶۳ بکتگین اتابک اربیلا وغیرہ - ۱۱۴۴ - ۱۲۳۲ء

اعماد الدین زنگی کے ترکی افسروں میں ایک زین الدین علی کوچک بن بکتگین تھا ۵۳۹ھ (۱۱۴۴ء) میں اسنے اپنا نائب موصل میں اسکو مقرر کیا اور ۵۴۴ھ (۱۱۴۹ء) میں پہلے سنجار اور پھر حران۔ تکریت۔ اربل (اربیلا) وغیرہ اسنے اپنے ماتحت کر لئے ۵۶۳ھ (۱۱۶۷ء) میں اربل میں زین الدین کا انتقال ہوگیا تو اسکا بڑا بیٹا مظفر الدین کوک بری حران میں بھاگ گیا اور چھوٹے بیٹے زین الدین یوسف کو اربل ہاتھ لگ گیا اور اسکا اتالیق امیر مجاہد الدین قائمقام بنا۔ جب یوسف کا انتقال ہوا تو ۵۸۶ھ (۱۱۹۰ء) میں سلطان صلاح الدین نے جس کا شام و عراق پر بڑا اختیار و اقتدار تھا مظفر الدین کوک بری کو اسکے بھائی کا جانشین اربل۔ شہرزور میں مقرر کیا اور حران روہا (اڈیسا) سمیساط کو اسکے بھتیجے تقی الدین عمر کو حوالہ کیا۔ کوک بری نے ۶۳۰ھ (۱۲۳۲ء) میں وفات پائی۔ لاولد تھا وصیت کر گیا کہ اربل خلفائے عباسیہ لے لیں۔

۴۹۵ - ۶۱۲ھ - ۶۴ - ارتقیہ (دیاربکر) ۱۱۰۱ - ۱۲۱۳ء

ارتق بن اکسب اس خاندان کا بانی اول تھا وہ افواج سلجوقی میں ایک ترکمانی افسر تھا اور جب

فتح ہوگیا تو تُتش سلجوقی سلطان دمشق کیطرف سے وہ اورشلیم کا حاکم مقرر ہوا۔ اُسکے دونوں بیٹوں سکمان اور ایل غازی نے عیسائی شاہزادوں بیلیشائن (فلسطین) کیساتھ لڑنے میں بڑا نام پیدا کیا تھا وہ سنہ ۴۸۴ھ/۱۰۹۱ء میں اپنے باپ کے جانشین ہوئے مگر جب سنہ ۴۸۹ھ/۱۰۹۶ء میں کو اس شہر دولت بنی فاطمہ نے لے لیا تو سکمان رُوہا (ایڈیسہ) کو اور ایل غازی عراق کو چلا گیا پھر سنہ ۴۹۵ھ میں سلجوق سلطان محمد نے ایل غازی کو بغداد میں اور سکمان کو حصن کیفا کا حاکم دیار بکر میں مقرر کیا اور دو برس بعد اسپر ماردین کا اور اضافہ کیا سنہ ۴۹۸ھ/۱۱۰۵ء میں ماردین کو اُسکے بھائی ایل غازی پاس منتقل کردیا۔ اب اس خاندان ارتوقیہ کے دو شعبے ہوگئے ایک کیفا میں دوسرا ماردین میں ایل غازی جو خاندان ماردین کا بانی تھا اُسنے سنہ ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء میں حلب پر قبضہ کرلیا۔ اور دیار بکر میں میافارقین بیلدون اور جوسی لن سی جو سکمان کے کارزار عظیم ہوئے اسلئے کیفا شعبہ اس خاندان کا آشتی امن کی تاریکی میں منقسم ہوا اور جب سلطان صلاح الدین کی طاقت نے اسے دھمکایا تو جلدی سے اُسکی اطاعت قبول کرلی جسکے صلہ میں سنہ ۵۷۹ھ/۱۱۸۳ء میں شہر زند کا اُسکی ریاست پر اضافہ ہوگیا۔ وہ سنہ ۶۲۹ھ/۱۲۳۱ء تک حکمران رہا مگر اس سنہ میں سلطان کامل ایوبیہ نے اُسکو غارت کردیا۔ مگر اسکی ایک چھوٹی سی شاخ دیار بکر میں خرت پرت میں سنہ ۵۲۱ھ/۱۱۲۷ء سے سنہ ۶۲۰ھ/۱۲۲۳ء تک حکومت کرتی رہی۔ ایل خان غازی جو دولت ماردین کا بانی تھا اسنے سنہ ۵۱۱ھ/۱۱۱۷ء میں حلب پر قبضہ کیا۔ اور سنہ ۵۱۵ھ/۱۱۲۱ء میں دیار بکر میں میافارقین کی حکومت سلطان محمود نے اسے دیدی عیسائیوں کے جہاد میں وہ بڑا جری دلاور شجاع لڑنیوالا تھا کہ جسکے نام سے عیسائی جہادی کانپتے تھے۔ اسکی اولاد میں ماردین اور میافارقین کی حکومت سنہ ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء تک جاری رہی۔ میافارقین میں حکومت سنہ ۵۸۰ھ تک قائم رہی اور ماردین میں حکومت جبتک قائم رہی کہ وہ تیمور کی مطیع ہوئی۔ اور قرا قیونلی نے سنہ ۸۱۱ھ/۱۴۰۸ء میں اسکو مٹا دیا۔ مگر ماردین کے امرا کا جب سے زوال شروع ہوا کہ دولت ایوبیہ کو عروج کی شام و عراق میں ابتدا ہوئی سنہ ۵۱۷ھ/۱۱۲۳ء میں ارتوقیہ امیر بلک بن بہرام نے حلب کو تسخیر کرلیا۔ اسنے سنہ ۴۹۵ھ میں آنا کو اور سنہ ۵۱۵ھ میں خرت پرت کو فتح کرلیا۔ اور عیسائیوں کے جہاد میں بڑا نام سپہ سالاری میں پیدا کیا۔

۴۹۳ - ۶۰۴ھ - ۵۔ شاہان آرمینیا - ۱۱۰۰ - ۱۲۰۷ء

آذربائجان میں مرند کا حاکم سلجوقی قطب الدین اسمٰعیل تھا اسکا غلام سکمان قطبی تھا قطبی آقا کے نام کے سبب سے نام قطبی تھا سنہ ۴۹۳ھ/۱۱۰۰ء میں آرمینیا میں شہر خلاط کو دولت مروانیہ سے چھین لیا۔ اسکی اولاد اور غلام کہ ہمیں جبتک حکمرانی کرتے رہے کہ سنہ ۶۰۴ھ میں دولت ایوبیہ نے اسے فتح کیا۔

۵۳۱ - ۶۲۲ھ - ۶۶ - اتابک (آذربائجان) ۱۱۳۶ - ۱۲۲۵ء

ایل دی گز ایک ترکی غلام دشت قبچاق کا رہنے والا تھا وہ عراق کے سلجوق سلطان مسعود کے بہت منہ

پڑھا اور اسکے دربار میں اقبال اسکا خوب چمکا۔ وہ آذربائجان کا حاکم مقرر ہوا اور سلطان کی بیوہ سالی اسکے ساتھ حکومت میں شریک ہوگئی۔ اسکا بیٹا محمد حقیقت میں عراق کی سلجوقی سلطنت کا فرمانروا اور اس صوبہ پر حکمرانی کرتا تھا۔ محمد کا بھائی قزل ارسلان جو آذربائجان میں اسکا نائب تھا وہ اسکا جانشین مقرر ہوا اور امیر الامرا کا خطاب ملا۔ مگر جیسے وہ بادشاہی کا دعوی کرنے لگا تو قتل کیا گیا۔ اسکے دو بھتیجوں نے پھر اپنی عالی ہمتی میں اعتدال پیدا کیا۔

۵۴۳ - ۶۸۶ھ - ۶۷ سلغریہ (اتابک فارس) ۱۱۴۸ - ۱۲۸۷ء

ایک ترکانی گروہ کا سردار سلغر تھا۔ وہ خراسان میں آگیا تھا کچھ زمانہ اپنا تاخت و تاراج میں بسر کیا۔ پھر سلجوق طغرل بیگ سے جاکر یارانہ جوڑا۔ اسکی اولاد میں سے سنقر بن مودود ۵۴۳ھ ۱۱۴۸ء میں صوبہ فارس کا مالک بن بیٹھا اور اس خاندان کی سلطنت ایسی جمائی کہ ڈیڑھ سو برس تک وہ اپنی جگہ سے نہ ہلی۔ اتابک سعد خراجگذار شاہ خوارزم کا ہوا جسکو اسنے استخر اور اسکو زان حوالہ کئے پھر اسکی جگہ اتابک ابوبکر نے اگدائی خان مغل کی اطاعت اختیار کی اور اس کو قتلغ خان کا خطاب ملا پھر سلاطین مغلیہ کے اتابک ایران باجگذار اور تابع رہے اور انہیں سے آخر ملکہ ابش زوجہ منکو تیمور بن ہولاکو کی ہوئی۔ حضرت شیخ سعدی نے اسی اتابک ابوبکر کا ذکر اپنی تصنیفات میں کیا ہے۔

۵۴۳ - ۷۴۰ھ - ۶۸ دولت ہزار اسپیہ - اتابک لرستان - ۱۱۴۸ - ۱۳۳۹ء

اس خاندان کی دولت کا بانی اول ابو طاہر تھا۔ اسکو ۵۴۳ھ ۱۱۴۸ء میں سلغری اتابک نے لرستان بزرگ کے فتح کرنیکے لئے بھیجا تھا۔ اصل ملک مغل اباگانے صوبہ خوزستان کا اپنی عطا سے اور اضافہ کردیا تھا۔ اتابک افراسیاب اول نے اصفہان کو اغوان کے مرنے پر تسخیر کرلیا مگر اسکو بہت جلد اس حرکت پر سزا دی گئی۔ یہ چھوٹا سا خاندان تقریباً ۷۴۰ھ ۱۳۳۹ء تک حکمرانی کرتا رہا انکا دار الحکومت ایدج تھا۔ لکھا ہے کہ یوسف شاہ ثانی نے شوستر خوزا۔ بصرہ میں اپنی عملداری کرلی تھی۔ اس خاندان کا ایک اور چھوٹا سا شعبہ ہے جو لرستان کوچک پر چھٹی صدی سے دسویں صدی تک حکومت کرتا رہا۔

۴۷۰ - ۶۲۸ھ - ۶۹ شاہان خوارزم - ۱۰۷۷ - ۱۲۳۱ء

بلگاتگین غزنوی کا ایک ترکی غلام انوشتگین تھا جو اقبال کی یاوری سے سلطان ملک شاہ سلجوقی کا آبدار ہوگیا اور اسکو سلطان نے خوارزم (خیوا) کا حاکم مقرر کیا۔ اور پھر اسکا بیٹا جانشین ہوا جس کا لقب خوارزم شاہ ہوا۔ اس خاندان میں اتسز اول شخص تھا جس نے اپنی علو ہمت آزادی کیلئے دکھائی تھی ۵۳۳ھ ۱۱۳۸ء میں اسنے سرکشی کی جس کے سبب سے سلطان سنجر نے اسکو خوارزم سے معزول کیا مگر تھوڑے دنوں بعد اتسز نے مراجعت کی اور پھر شاہان خوارزم کو شاہانہ قوت حاصل ہوگئی اتسز نے اپنی حکومت دریائے جیحون کے کنارہ تک سندا تک پھیلائی

جلد ۱

میں بادشاہ تولوتش نے۔ خراسان رے۔ اصفہان کو اس سلطنت پر اضافہ کیا اور ۶۱۱ھ ۱۲۱۴ء میں اسکے نامور بیٹے علاء الدین محمد نے غوریوں سے خراسان میں بعد ایک سخت جنگ کے ایران کے ایک بڑے حصہ کو فتح کرلیا۔ بخارا اور سمرقند تسخیر کیا۔ قراختلے کے گورخان کے ملک پر حملہ کرکے اسکی دارالسلطنت اترار کو فتح کرلیا ۶۱۱ھ ۱۲۱۴ء میں وہ افغانستان میں داخل ہوا اور غزنین کو فتح کرلیا۔ شیعہ مذہب کو اختیار کرکے اسکا یہ عزم بلند ہوا کہ دولت عباسیہ کا خاتمہ کردے۔ مگر اسکی سلطنت کی شمالی سرحد پر چنگیز خانی مغلوں کے حملوں نے اسکے سارے ارادوں کو پست کردیا۔ ان بیشمار خونخوار دشمنوں کے گروہوں کے سامنے وہ بھاگتا پھرا اور بالآخر ساتھ خاتمہ اسکی زندگی کا جزیرہ بحر کیسپین (بحر خضر) میں ۶۱۷ھ ۱۲۲۰ء میں ہوا اسکے تین بیٹے تھے وہ کچھ دنوں اضلاع ایران میں پریشان پڑے پھرے اور انہیں سے جلال الدین ہندوستان میں بھی دو برس رہا ۶۲۲ھ - ۶۲۸ھ تک وہ خوارزم کے فتح کرنیکی تدبیریں کرتا رہا اور ادھر ادھر یورشیں کرتا رہا مگر آخر کو ۶۲۸ھ ۱۲۳۱ء میں مغلوں نے اسے بالکل خارج کردیا۔ ایک زمانہ میں خوارزم شاہ کی سلطنت سلجوق کی سلطنت کے ہم پلہ تھی۔ مگر اس وسعت سلطنت کو بارہ برس سے زیادہ قرار نہیں رہا۔

۶۱۹ - ۷۰۳ھ ۷۰ خانان قتلغ - کرمان - ۱۲۲۲ - ۱۳۰۳ء

جب چنگیز خاں نے خوارزم شاہ کی سلطنت میں ہل چل ڈالکر پامال کیا ہے اور انہیں طوائف الملوکی و بدنظمی نے پاؤں جمائے ہیں تو براق حاجب باشندہ قراختلے کا تھا۔ اور علاء الدین خوارزم شاہ کے ہاں ایک افسر تھا۔ اسنے ۶۱۹ھ ۱۲۲۲ء میں کرمان میں اپنی عملداری کرلی۔ اور مغل اوگدائی خاں نے اسکو حاکم مستقل مقرر کردیا۔ اور اسکو قتلغ خان کا خطاب دیا۔ اس خاندان کی حکومت فقط کرمان ہی میں محدود رہی اور وہ ایران کے مغل بادشاہوں کی اطاعت وفاداری کے ساتھ کرتی رہی۔ اس خاندان میں جو آخر امیر تھا اسکی بیٹی فارس کے بادشاہ مظفر شاہ کو بیاہی گئی۔

فصل دہم۔ مغربی ایشیا میں سلجوقیوں کے جانشین

امرائے ایشیائی کوچک (ایشیائے کوچک)

(۷۱) کراسی (میسیا) (۷۲) حمید (پسی دیا) (۷۳) کرمیان (فریجیا) (۷۴) تکا (لائی سیا) (۷۵) صاروخان (لیدیا) (۷۶) آئی دین (لیدیا) (۷۷) منتشا (کیریا) (۷۸) قزل احمدلی (پیفلے گونیا) (۷۹) قرامان (لائی کے اونیا) (۸۰) عثمان لی سلاطین ترکی۔

مغرب میں سلاطین سلجوقی کے جانشین

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ کس طرح اتابگ اور افسران سلجوقی نے اپنی اپنی سلطنتیں ایران۔ شام کے صوبوں میں

قائم کیں مگر وہ اپنے دول کو مستقل اور قوی نہ کرسکے اور ساتویں صدی میں مغلوں کے مطیع ہوگئے مگر سلطنت سلجوقیہ
کا ایک حصہ ایسا تھا کہ وہاں مغلوں کی سلطنت کا مستقل نقشہ نہ جم سکا اور وہاں دولت سلجوقیہ سے بڑھ کر دولت
عثمان لی ترک پیدا ہوئی پہلے اس سے کہ مسلمانوں کی تاریخ کے اس حصہ کا بیان کریں جو سلطنت مغلیہ سے تعلق رکھتی ہے
ہم ان امیروں کا ذکر کرتے ہیں جو مغرب میں دولت سلجوقیہ کے جانشین ہوئے۔ ساتویں صدی کے نصف آخر میں روم
کے باشندے ایشیا کے ایران سلجوقی شاہان مغلیہ ایران کے تابع ہوگئے۔ جو انہوں نے اپنی طرف سے حاکم مقرر کر کے حکمرانی
کرتے تھے۔ مگر اس دور دراز صوبے پر مغلوں کی سلطنت کا قبضہ و تسلط کم تھا اور دیرپا نہ تھا جو سلجوقی ضعیف پیر تھے
وہ انکی اطاعت کرتے تھے مگر جو انکی اولاد نوجوان ہوئی وہ ایران کی حکومت شخصیہ کو مانتی نہ تھی۔ شاہان ایران
نے بھی ان کی آزادی کے روکنے میں بہت کوشش نہیں کی۔ مملکت روم جو سلجوقیوں کے پاس تھی دس ریاستوں میں
تقسیم ہوگئی۔ کراسی کا خاندان می سیا میں۔ صاروخان اور ائی دین کا گھرانا لیدیا میں اور منتشا کے شاہزادے کیریا
میں تکا کے شاہزادے لائی سیا میں۔ ہمید یم ق لیا میں۔ حمید کا خاندان پی سی دیا۔ اور ائی سوریائی میں کرمیان
فریجیا میں۔ قزل احمد لی کا خاندان سے فلے گونیا میں اور عثمان کا خاندان فریجیا ایک ٹی ٹس میں قرمان لائی
کے اونیان میں عثمان لی کا خاندان کا وہ ستارہ اقبال چمکا کہ یہ تمام ریاستیں اسکی تابع ہوگئیں۔ گیا انکی ریاست
سب سے چھوٹی تھی یا سب سے بڑی ہوگئی ۷۳۶ھ ۱۳۳۶ء میں عثمان لی ریاست میں کراسی شامل ہوئی ۷۸۴ھ ۱۳۸۲ء میں ریاست
حمید جہیز میں آئی اور ۷۹۲ھ ۱۳۹۰ء میں بایزید نے کرمیان تکا۔ صاروخان۔ آئی دین۔ منتشا کو ایک ہی جنگ میں تسخیر
کرلیا۔ اور قرامان قزل احمد لی کو ۷۹۴-۷۹۷ھ میں فتح کر کے اپنی لشکر آرائی کو پورا کیا۔ چودھویں عیسائی صدی کے
آخر میں ایک سو برس کے اندر عثمان اول کے بڑے پوتے نے اپنی رقیب سلطنتوں کو مطیع کرلیا ۸۰۴ھ ۱۴۰۲ء میں
انگورا کی لڑائی ہوئی جس میں بایزید کو شکست ہوئی اور تیمور نے اسے قید کیا۔ اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایشیا میں عثمان لی
کی قوت تاتاریوں کے ہاتھ سے بالکل برباد ہوجائیگی۔ ان ریاستوں میں سوا کراسی یا حمید کے تیمور نے سب کو
بحال کردیا۔ اور چوتھائی صدی کیلئے انہیں از سر نو جان پڑگئی اور وہ زندہ رہیں۔ مگر دولت عثمان لی اس صدمہ
عظیم کو اٹھا کر جو سنبھلی اور آہستہ اپنے تئیں بحال کیا تو ۸۲۶-۸۲۹ھ ۱۴۲۳-۱۴۲۶ء میں پانچ ریاستیں جو اس عرصہ میں اپنی اصلی
حالت میں آگئی تھیں ان کو پھر دوبارہ مراد ثانی امورث نے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا ۸۷۲ھ ۱۴۶۸ء میں قرمان
میں دوسری فتح حاصل کی اور محمد ثانی کے زیر دست لائے میں عثمان سلطنت عثمانیہ جب آئی تو تمام وہ اضلاع
جو دس امیروں کی حکومت مانتے تھے اب دولت عثمانیہ کے مطیع ہوگئے اور آجتک چلے جاتے ہیں۔ اب آگے

۲

اور حال بیان ہوتا ہے۔

۶۹۹ - ۱۳۱۱ھ - ۸۰ عثمان لی یا عثمانی سلاطین ترکی - ۱۲۹۹ - ۱۸۹۳ء

قوم اوغوز کا ایک چھوٹا سا جز کہ عثمان لی یا عثمانی ترک تھے۔ خراسان میں جب مغل آباد ہوئے تو انہوں نے عثمانی ترکوں کو مغرب کی طرف نکالدیا۔ اور ساتویں صدی میں ایشیا کوچک میں جاکر وہ پناہ گزین ہوئے۔ چونکہ سلجوقی بادشاہوں کے جنگ و پیکار میں وہ مددگار رہتے تھے اس لئے انکو یہ اجازت سلجوقی بادشاہوں نے دیدی کہ وہ اس ضلع میں اپنی مویشی چرایا کریں جس کا نام قدیمی زمانہ میں فرائی جیا ای پکٹی ٹس تھا اور وہ قوم بائی زین ٹاین کی تھی نیا کے کنارے پر تھا۔ ان ترکوں کے آباد ہونیسے اب اسکو سلطان اونی کہتے ہیں اور انکا صدر مقام سگت (تھی نی شین) تھا۔ یہاں عثمان نے اپنے خاندان کی وہ سلطنت باشان و شوکت عظیم الشان قائم کی کہ اس خاندان کے ۳۵ سلطان ہو چکے ہیں۔ اور یہ بانی خاندان ۱۲۵۸ء ۶۵۶ھ میں پیدا ہوا تھا اس نے بائی زین ٹاین کی حد کو پیچھے ہٹا دیا اور اسکے بیٹے اورخان نے بروسا اور نائی سے کو تسخیر کرلیا۔ اور اپنے ہمسایہ کی ریاست کراسی کو اپنی سلطنت میں داخل کرلیا اور ایک سپاہ جرار قہار ینی چری (سپاہ نو) تیار کی جو کئی صدیوں تک افواج عثمانیہ کی گل سر سبد رہی ۱۳۵۸ء ۷۵۹ھ میں یہ ترک دریائے ہیلس پونٹ سے اترے اور انہوں نے گیلی پولی میں قلعہ بنا کے سپاہ کی چھاونی ڈالی۔ یورپ میں بائی زین ٹاین کی سلطنت کو فتح کرنا شروع کیا۔ ایڈری انوپل فلیپو پولس کو چند سال بعد انہوں نے فتح کرلیا ۱۳۶۳ء میں مری ٹزا کی اور ۱۳۸۹ء میں کوسووو کی اور ۱۳۹۴ء نکوپولس کی فتوح سے بلقان کے جزیرہ نما پر سوا قسطنطنیہ کے ضلع کے قبضہ ہوگیا اور ترکوں نے یورپ کے سارے شہسواروں کے دانت کھٹے کردیئے لیکن مشرقی سلطنت کا دارالسلطنت ترکوں کے ہاتھ سے اس سبب بچا رہا کہ انکی توجہ تیمور کے ساتھ لڑنیکی طرف مصروف ہوئی۔ اور ۱۴۰۲ء ۸۰۴ھ میں بایزید کو بڑی شکست فاش انگورا کے میدان میں ہوئی

تھوڑی دیر کیلئے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب سلطنت ترکی کی تمام ہوئی۔ انکی سلطنت جو دریائے ڈینیوب اور فرات تک پھیلی ہوئی تھی وہ اس صدمہ عظیم سے بالکل غارت و تباہ ہو گئی مگر محمد اول نے وہ دانشمندانہ انتظام درست کیا کہ پھر سلطنت کا بحال ہونا ایک اعجاز معلوم ہوتا ہے۔ ایسا امن و امان قائم کیا کہ سلطنت کو ایسا استقلال حاصل ہوگیا کہ مراد ثانی نے اپنی سلطنت کو ہن یاڈی وائٹ نائٹ آف ولیچیا کے حملوں سے محفوظ رکھا اور ۱۴۴۴ء میں ورنا میں فتح عظیم اور فیصلہ کرنیوالی حاصل کی اور عیسائی جہادیوں کے لشکر عظیم کو ہزیمت دی۔ ان عیسائیوں نے عہدنامہ کو توڑا تھا اسلئے انکو سخت سزا دی۔ اس فتح نمایاں نے ترکوں کو شمالی حملوں سے محفوظ کردیا دوسر

برس تک مظفر و منصور رہے ۱۴۵۳ء میں محمد ثانی نے قسطنطنیہ کو فتح کرلیا۔ رہی سہی بازنطائن کی سلطنت کو نیست و نابود کردیا ۱۴۷۵ء میں کریمیا کو اپنی سلطنت میں شامل کرلیا ایجی این کے جزائر عثمان کی سرزمین ہنگری اور اٹلی میں قلعہ اوٹ رین ٹو پر ترکوں کا پھریرا لہراتا تھا آٹھ سال کے عرصہ میں سلیم اول نے شاہ ایران کو شکست دی اور ترکی سلطنت پر کردستان اور دیار بکر کا اضافہ کیا ۱۵۱۷ء میں شام مصر عرب کو فتح کرلیا اور صرف مکہ معظمہ و مدینہ منورہ ہی کو تسخیر نہیں کیا بلکہ خلیفہ کے لقب عظیم کو حاصل کیا۔ اسوقت تک یہ لقب قاہرہ میں برائے نام خاندان عباسیہ میں چلا جاتا تھا۔ اب وہ سلطان ترکی کو حاصل ہوگیا اور اس لقب کے سبب جو مسلمانوں میں تعظیم و تکریم ہوتی ہے وہ سلطان ترکی کی ہونے لگی۔

سلطان سلیمان اعظم کی فتوح عظیم نے سلطان سلیم کی فتوح کو بھی مات کردیا ۱۵۲۲ء میں اس نے رہوڈس کے نائٹوں کو بحری کمینگاہوں سے نکال دیا جہاں انکے جہاز غارتگری کیلئے لگے رہتے تھے۔ شمال میں اس نے بلگریڈ کو فتح کیا اور ۱۵۲۶ء میں ہنگری والوں کو بالکل ہی پیس ڈالا میدان موہاکس میں انکے بادشاہ لوئیس دوم کو اور اسکی بیس ہزار سپاہ کو قتل کیا۔ ہنگری ڈیڑھ سو برس تک ترکی سلطنت کا ایک صوبہ رہا ۱۵۲۹ء میں سلطان سلیمان نے ویانا کا محاصرہ کیا۔ اگرچہ اسکو وہ بالکل مطیع نہیں کرسکا مگر آرچ ڈیوک فرڈینینڈ کو اسنے خراجگذار بنایا۔ سلطان سلیمان اعظم کی عظمت اس سبب سے نہیں ہے کہ اس نے بہت سا ملک یورپ میں فتح کیا بلکہ ایسے زمانہ میں فتح کیا کہ بڑے بڑے فرمانروا یورپ میں ایسے موجود تھے جیسے کہ چارلس اول۔ فرینسس اول۔ الیزبتھ۔ لیو دہم اور ایسے ایسے جہازران موجود تھے جیسے کہ کولمبس۔ کورٹس۔ سے لیٹ۔ چارلس کے عین زمانہ اقبال میں اسنے ہنگری کو اپنی عملداری میں داخل کرلیا اور ویانا کا محاصرہ کیا۔ اور اس زمانہ جہازرانی میں کہ امیر البحر ڈوریا ڈریک کی بڑی دھاک تھی اس نے سپین کے کنارہ تک سمندر کو چھان ڈالا اور اسکے امیر البحروں۔ بربروسا پیالی اور ڈراگٹ کے خوف سے تمام ساحل بحر مڈیٹرینین پر لوگ لرزاں رہتے تھے۔ اسنے بربری کی ریاستوں سے اہل سپین کو نکال دیا ۱۵۳۸ء میں بڑی جنگ بحری پری ویزا میں یورپ کو اور شہنشاہ کو شکست دی۔ سلطان سلیمان کی سلطنت دریائے ڈینیوب کے کنارہ پر بوڈاپیسٹ سے لیکر اسوان تک جو دریائے نیل کے آبشار پر ہے اور دریائے فرات سے جبل طارق تک۔ سلطان سلیمان اعظم کے زمانہ میں سلطنت عثمانیہ اپنے معراج پر پہونچی بعد ازاں اسکے صعود سے تنزل شروع ہوا ۱۵۷۱ء میں آسٹریا کے ڈون جان نے لے پین ٹو میں ترکی ایسی شکست دی کہ اسکی بحری قوت پر صدمہ عظیم ایسا پہونچا کہ پھر وہ نہ پنپی۔ گو ۱۵۷۱ء میں ترکوں نے جزیرہ سائپرس دبالیا

فتح کرلیا اور ۱۵۹۶ء میں کیرین زس کرسیدانہیں آسٹریا والونکو شکست دی مگر ترکی کی جو عظمت و شوکت و سطوت اہل یورپ کے
دلونمیں بیٹھی ہوئی تھی وہ باقی نہیں رہی سلطان مراد چہارم نے ۱۶۳۸ء میں اپنی ایشیائی سلطنت میں بغداد کا اضافہ کیا
اور ۱۶۴۵ء میں اہل وی نیشیا سے کینڈیا اور دیگر جزیرے لے لیے۔ مگر یورپ میں انکو شکستیں ہوئیں ۱۶۶۴ء میں سینٹ
گوتھرڈ میں ۱۶۷۴ء میں چوک زم میں ۱۶۷۵ء میں لیمبرگ میں جان سوبیسکی کے ہاتھ سے ۱۶۸۳ء میں وئینا کی محاصرہ میں ان
شکستوں کا عروج تھا۔ جہا کرکے شکست کے بعد ۱۶۸۶ء میں ہنگری بالکل ہاتھ سے نکل گیا اور بوس نیا۔ گریس (یونان)
پر اہل آسٹریا اور اہل وی نیشیا نے کئی حملے کیے ۱۶۹۷ء میں زنٹا کی لڑائی میں شاہزادہ یوجین نے صدمہ عظیم ترکونکو پہنچایا اور ۱۶۹۹ء
میں صلحنامہ کارلووٹز اور ۱۷۱۸ء کی پاس سرووٹز کی عہد نامہ نے ہنگری۔ پوڈولیا اور ٹرین سال وے نیا میں ترکونکا
تسلط کچھ باقی نہیں رکھا۔ ۱۷۶۸ء تک ترکی کی سلطنت کی حدود تقریباً بدستور قائم رہیں ۱۷۷۴ء سے روسیوں نے ترکوں پر
دست درازی کرنا اور انکی ملکونکا دبانا شروع کیا۔ اوک زیے کوو۔ ازوو کو ترکوں سے انھوں نے لے لیا۔ ۱۷۸۳ء میں کریمیا دبا لیا اور
دریائے ڈینوب کی ملکو نمبر کئی حملے کیے۔ ترکی پر خود یہ آفت آ رہی تھی کہ اسکی سپاہ جانی چیری بغاوت کر رہی تھی۔ آخر زمانہ کے
سلاطین میں سلطان محمود ثانی منتظم تھا۔ اسنے ۱۸۲۶ء میں جانی چیری کے سارے باغی سپاہیونکو اڑا دیا۔ مگر سلطنت عثمانیہ
کے جو ٹکڑے ہو رہے تھے اسکو وہ نہ بچا سکا۔ افریقہ میں مصر کو اس صدی کے اول چوتھائی میں محمد علی نے ترکی سلطنت
سے عملاً آزاد کر لیا۔ ۱۸۸۲ء میں برٹش گورنمنٹ کے تسلط نے مصر میں رہا سہا بھی ترکی کا تعلق اس سے کم کر دیا ہے جو سلطان
ترکی کی طرف سے الجیریا اور ٹیونس میں حاکم مقرر ہوتے تھے انکی حکومت سے سبب الجیریا ۱۷۱۰ء میں اور ٹیونس ۱۱۱۷ھ میں (۱۷۰۵ء)
آدھے خود مختار ہوگئے اور فرانس نے ۱۸۳۰ء میں الجیریا پر اور ٹیونس پر ۱۸۸۱ء میں قبضہ کر لیا۔ افریقہ میں صرف طرابلس (ٹریپولی)
باقی ہے جسمیں سلطان روم کی طرف سے حاکم مقرر ہوتا ہے جب سلطان مراد چہارم نے بغداد کو ایران سے چھین کر اپنی ایشیائی
سلطنت میں ملا یا ہے۔ ترکی سلطنت کا بہت کم نقصان ایشیا میں ہوا ہے ۱۸۷۸ء برلن کے عہد نامہ کے موافق فقط قرص
اور باطوم روس نے لے لیا اور سائی پرس (قبرس) میں برطانیہ اعظم سلطان کی طرف سے سلطنت کرتی ہے۔

ترکی کی سلطنت کا نقصان عظیم یورپ میں ہوا ہے۔ ۱۸۶۶ء میں ریاستہا ڈینیوب سے ریاست رومینیا سے اور ۱۸۶۷ء
میں سرویا سے ترکی سپاہ کی چھاؤنی قلعے سے اٹھی ۱۸۵۴ء و ۱۸۵۵ء میں جو روسیونکا ارادہ عظیم کریمیا کی لڑائی میں ہوا تھا اور
انگلستان اور فرانس نے اسے روکا تھا ۱۸۷۷ء میں پھر اسکا اعادہ ہوا۔ مگر یورپ کی سلطنتہائے عظیم نے اس ارادہ کو
پورا ہونے دیا کہ اسکے پورا ہونے سے روس کی سلطنت اور یورپ کی سلطنتوں پر غالب ہو جاتی۔ گو اسنے روس کو تو
ملک تھوڑا ہی سا ہاتھ لگا۔ مگر یورپ میں ترکی کی سلطنت کے ٹکڑے ہونے شروع ہوگئے۔ رومینیا میں اور سرویا میں جدا

سلطنت قائم ہوئی مونٹی نیگر یا آزاد و خود مختار ہوئی۔ گریس کو تھسلی ملا۔ بوسینیا۔ ہرزی گوئنا و کو آسٹریا کو سپرد ہوئے۔ اب ۱۸۸۵ء میں ایک نئی باجگزار ریاست مشرقی رومیلیا قائم ہوئی جس کے سبب سے کوہ بالکن کے شمال میں ترکی سلطنت باقی نہیں رہی۔ صرف اس کے جنوب میں ایک قطعہ ملک یورپ میں سلطان روم کے پاس رہ گیا ہے کیا یہ تنگی ہے یا وہ فراخی تھی کہ سلطان سلیمان اعظم کے عہد میں دنیا کے دروازہ پر ڈنکا اس کا بجتا تھا۔

فصل یازدہم

(۸۱) مغل کے خاقان اعظم (۸۲) ایران کے مغل بادشاہ (۸۳) قپچاق کے سیر اوردا
(۸۴) قرم (کریمیا) کے خانان (۸۵) خانان چغتائی۔

مغل یا موغل

قاعدہ ہے کہ جب کوئی قوم اعلیٰ درجہ کی نامور ہوتی ہے تو جس زمانہ کا حال اسکا نہیں معلوم ہوتا ہے اسکی بابت بہت قصے کہانیاں گھڑے جاتے ہیں مغلوں کا ستارہ اقبال کا طلوع چنگیز خاں سے ہوا اور جب ہی سے مغلوں کی تاریخ کا آغاز سمجھنا چاہیے اس زمانہ سے پہلے انکے حالات کی افسانے بے سروپا ہیں کہ ترک بزرگترین فرزند حضرت یافث کا تھا حضرت عصمت قباب حجاب قدسی نقاب النقوا خواب راحت میں تھیں کہ ایک نور شگرف اپنر نازل ہوا و حضرت مریم بنت عمران کی طرح وہ حاملہ ہوگئی اور قصہ جناب سیت حکایات مریم اگر شنوی + بالقو نیا ہمچنان بگروی۔ اصل حال فقط اتنا تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ دشت (جسکو چینی شاموکہتے ہیں) شمالی ملکوں میں مغلوں کے جرگے خانہ بدوش بادیہ گرد رہتے تھے۔ پانی اور چراگاہوں کی تلاش میں پھرتے تھے شکار میں اور چارپایوں کے پالنے میں زندگی بسر کرتے تھے۔ گوشت اور ترش دودھ کھاتے تھے۔ اور ہمسایہ قوموں (ختن) سے یا ترکوں اور چینیوں سے جنگ کے وہ دوست تھی۔ کھالوں اور جانوروں کا مبادلہ کرتے تھے اور اس سے نفع کماتے تھے غیر ملکوں میں دسویں صدی تک کوئی مغلوں کا نام ہی نہیں جانتا تھا مغلوں کا بادشاہ سوغی چی جن تھا اسکا سپہ سالار یسوگائے بہادر تھا۔ بادشاہ نے اس سپہ سالار کو تاتار پر لشکرکشی کے لئے بھیجا۔ وہ تاتار پر غالب آیا۔ اور موضع دیلون بلدق میں ذیقعدہ سنہ ۵۴۹ھ میں اسکی حاملہ بیوی اولون کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام باپ نے تموچین رکھا سنہ ۵۶۲ھ میں باپ نے انتقال کیا تو تموچین کی عمر تیرہ سال کی تھی۔ بادشاہ سوغوچین نے جو مدار ملک و سلطنت و گیر و دار لشکر و سپاہ کا تھا چند روز میں راہ دو فنا میں کوچ کیا۔ اس کا بڑا بیٹا قراچار نویان صغرسن تھا یسوگئے اگرچہ دولت مغلیہ کی عظمت کا بانی مبانی نہ تھا مگر اس میں شک نہیں کہ وہ اسکا بڑا معین و مددگار تھا۔ شاید یہ اول اسی کے خیال میں آیا تھا کہ مغلوں کی گردن سے چینیوں کی اطاعت کا جوا اتار پھینکے اور مطلق العنان اور آزاد ہو جائے۔ گو اسکو سلطنت حاصل نہ تھی مگر بھی چالیس ہزار خیمے (خانوار) اسکو اپنا سردار مانتے تھے

غرض یہ ساری ثروت تموچین کو باپ کے ورثہ میں ہاتھ لگی مگر اسی ثروت کو بیٹے نے بیس برس کے عرصہ میں سلطنت عظیم الشان بنا دیا کہ دنیا نے کبھی دیکھی نہ تھی طفل سیزدہ سالہ تموچین اپنے باپ کی جگہ اونن کے کنارہ کے قبائل بادیہ گرد پر حکومت کرتا تھا۔ اسکو ایشیا کا سکندر اعظم کہتے ہیں اسکی پوری تاریخ لکھنا ہمارا مطلب نہیں ہے بلکہ اسکا مختصر حال جو مسلمانوں کی تاریخ سے تعلق رکھتا ہے لکھتے ہیں۔ قوم نیرون نے تموچین سے روگردانی کی اور قوم تاجوت سے ارتباط کیا۔ اس سے تموچین کو بہت سی تکلیف اٹھانی پڑی اور بہت سی بلاؤں میں مبتلا ہوا مگر ان خطروں سے اسنے نجات پائی۔ قوم جاموقہ۔ تاجوت و قنقرات جلائر وغیرہ سے لڑائیاں لڑا جب اسکی عمر تیس برس سے آگے بڑھی تو وہ اپنے ایل والوس کا سردار ہوگیا۔ بعض فرمانروایان ترکستان کی مخالفت کے سبب سے چالیس برس کی عمر میں وہ قراچار نویان کی رہنمونی سے اونگ خان حاکم قوم کریت پاس گیا یہ حاکم اسکے باپ یسوگا سے بہادر سے سابقہ محبت رکھتا تھا وہاں جا کر کارہائے پسندیدہ بجا لایا۔ قرب منزلت وعلو مرتبت کو اس حد پر پہونچایا کہ امرا عظام و یگانوں کو اسپر حسد ہوا جاموقہ کہ جاجرات کا سردار تھا اسنے سنگو پسر اونگ خان کو اپنے ساتھ متفق کیا اور تموچین کے حق میں نیشزنی کی اونگ خان کو اسکی طرف خیال فاسد ہوا۔ تموچین اندیشہ مند ہوا مگر اپنی درست تدبیروں سے اس مہلکہ سے اسنے نجات پائی۔ دو دفعہ محاربات عظیم اس سے ہوئے جنمیں تموچین کو فتح ہوئی۔ انچاس سال یا پچاس سال کی عمر میں سنہ ۵۹۹ھ کو وہ دولت سلطنت وجہانداری پر کامران ہوا جب اسکو فرمانروائی و جہانبانی پر تین سال گذرے تو اسنے کورلتائی یعنی مجلس عظیم ضیافت عام میں کل قبائل مغل کے سردارونکو بلایا اور اس تب تنگری نے جو مبشران عالم غیب و مژدہ رسانان درگاہ کبریا میں سے تھا اپنے الہام ربانی سے تموچین کو خطاب چنگیز خان دیا چنگیز قاآن سے مخاطب کیا جسکے معنی شاہ شاہان ہیں۔ روز بروز اسکا نجم اقبال فروزاں تر اور سال بسال برق دولت اسکی سوزاں تر ہوتی جاتی تھی۔ تمام خطای و ختن و چین و ماچین و دشت قبچاق و سقسین و بلغار و آس و روس آلان وغیرہ پر وہ مسرور ہوگیا سنہ ۶۱۵ھ میں ماوراءالنہر کی جانب اسنے محمد خوارزم شاہ کے مغلوب کرنیکا قصد کیا اپنے قہر و ظلم سے اس دیار کے آدمیونکی جان باقی نہیں رکھی جب ماوراءالنہر سے فارغ ہوا تو آب آمویہ سے عبور کیا۔ بلخ کیجانب عنان کشورکشائی پھیری۔ تولی خان اسکا بیٹا لشکر گراں کیساتھ ولایت خراسان کیطرف روانہ کیا۔ خود ممالک ایران و توران تسخیر کرکے بلخ سے طالقان پر آیا۔ یہاں سے سلطان جلال الدین منکبرنی کے دفع کرنے پر متوجہ ہوا اور سنہ ۶۲۲ھ میں اسکو شکست ہزیمت دی پھر یہاں سے ماوراءالنہر میں مراجعت کی اور چہارم صفر سنہ ۶۲۴ھ چونسٹھ برس کی عمر میں ولایت تنقوت میں سفر آخرت کیا۔ اسکے چار بیٹے تھے۔ جوجی۔ جغتائی۔ اگدائی یا اکتائی۔ تولی یا تولو۔ بزم و شکار کی ترتیب جوجی خان سے متعلق تھی سیاسات کا کرنا کہ ممالک رانی کا نظام اس سے مربوط ہے جغتائی خان کے سپرد تھا۔ تدبیرات جہانبانی و ترتیب امور ملکی

اوگدائی خاں سے مخصوص تھیں۔ سرانجام مہام سپاہ و محافظت اردو تولی خاں سے متعلق تھیں۔ جو ملک اسنے خود اور اسکے بیٹوں نے فتح کئے تھے وہ بیلوسی (بحر زرد) سے جیحون تک اور وہ سرزمینیں اور قومیں اس میں داخل تھیں جو چینیوں تنکوت یا تنقوت۔ افغان ایران کے ماتحت تھیں۔

امرا مغل میں یہ دستور تھا کہ جن قبائل پران کو حکومت ہوتی تھی انکو بطور التمغا کے اپنے بیٹوں میں تقسیم کرتے تھے اور چنگیز خاں کی سلطنت جو بیٹوں میں تقسیم ہوئی۔ اسمیں قبائل کی تقسیم ملک کی تقسیم سے زیادہ تر عمل میں آئی۔ چنگیز خاں نے ہر ایک بیٹے کو خاص قبائل مغل آل تمغا میں دیئے مگر انکے خیمے لگانیکی زمینوں کی حدیں اچھی طرح متعین نہیں کیں اور اپنا قائمقام سریر خانی پر اوگدائی خاں کو مقرر کیا۔ اب اول خاقانوں کا ذکر جو سب پر فائق تھے کرتے ہیں۔ اور پھر آگے اس ترتیب سے حالات لکھیں گے۔

(اول) خاندان اگدائی خاں جسنے اقوام زنگوریا۔ خاقانوں پر جبتک حکومت کی کہ تولی خاں نے اس کا خاتمہ کیا۔

(دوم) خاندان تولی خاں جسنے اپنی قوموں مغلستان۔ خاقانوں پر بعد اوگدائی خاں کے خاندان کے حکومت جبتک کی کہ منچو نے اسپر غلبہ پایا۔

(سوم) تولی خاں کے خاندانوں کا شعبہ ہولاگو خاں (ہلاکو خاں) اور اسکے جانشینوں ایران کے ایل خانوں کا۔

(چہارم) خاندان جوجی خاں جسنے قبائل ترکی خانیت خفچاق پر حکومت کی۔ خانان سیرا اردا و آق اوردا جس کا ضمیمہ خانیت استراخان اور اسکے شعبے خانیت کزن۔ کزی موف و قرم تھے اور آخر خانان خیوا و بخارا ہوئے۔

(پنجم) خاندان چغتائی خاں جس نے ماوراء النہر پر سلطنت کی۔

۶۰۳ - ۳۴۳ھ - ۸۱ خانان اعظم - ۱۰۲۶ - ۳۴ ۶۱۲

(۱) خاندان اوگدائی خاں۔ التمغا۔ زنگوریا۔ اعظم خاقانان۔

اوگدائی کی رعایا نے زنگوریا کے اندر یا قریب خیمہ زنی کی جگہ فقط التمغا زنگوریا لکھنا اس بات کے بتانے کو لئے آسان ہے کہ اوگدائی خاں کی رعایا کا مقام خیمہ زنی کہاں تھا۔ چنگیز خاں کی وثیقت نامہ یا وصیت نامہ کے بموجب اوگدائی خاں کو علاوہ التمغا زنگوریا کے خانی بھی ملی تھی۔ یہ چنگیز خاں کی تعظیم و ادب کی بڑی دلیل ہے کہ اس دولت مغلیہ کے بانی کے احکام کا پاس و لحاظ بعد اسکی موت کی اتنا تھا کہ باوجودیکہ اوگدائی خاں اسکے بیٹوں میں سب سے بڑا تھا نہ لیاقت و قابلیت میں زیادہ تھا۔ مگر تمام قبائل مغلیہ کے امرا اور خاندان اور جاگیرداروں نے اسکی شاہنشاہی کو قبول کر لیا کہ ۱۲۲۹ء میں کیورل تائی (ضیافت عظیم) میں اسکی خانی و خاقانی کو تسلیم کر لیا۔ اوگدائی خاں کی سلطنت

میں بھی مغلوں کی فتوح عظیمہ کا سلسلہ جاری رہا اور بہلا ہی سا دور دوران اسکا رہا۔ چین کی نصف شمالی سلطنت یعنی کین پر چنگیز خاں کی زندگی میں مغلوں کا کچھ تسلط ہوا تھا۔ مگر اب ۱۲۳۴ء میں بالکل تابع ہوگئی۔ اور نصف جنوبی یعنی سنگ کی سلطنت مغلوں کے حملوں کا مقابلہ قوبلے خاں کے زمانہ تک کرتی رہی ۱۲۷۹ء میں کوریا مغلوں کی سلطنت میں شامل ہوا۔ شجاع جوانمرد جلال الدین جو خوارزم شاہ محمد کا بیٹا تھا۔ وہ اپنے باپ کی ساری سلطنت عظیم الشان میں مغلوں کے ہاتھ سے مارا مارا پڑا پھرا۔ اور مغلوں نے اور کہیں اسکو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ جبتک کہ اس بدنصیب کی ساری سلطنت پر تسلط نہ کر لیا۔

ایک مہم عظیم یورپ پر یہ ہوئی کہ جوجی خاں کے بیٹے باتو خاں نے مغلوں کو موسکو اور نووگورود میں داخل کیا۔ ہنگری میں ہنگامہ برپا کیا۔ کراکو کو جلا دیا۔ لیسنہ کا محاصرہ کیا۔ یورپ کی خیر مغلوں کے ہاتھ سے اس سبب ہوگئی کہ اوگدائی خاں کا انتقال ہوا جس کے سبب سارے خاندان کو کیورل تائی کی مجلس عام کیلئے جانا پڑا۔ اور گرینڈ ڈیوک آسٹریا نے لیگنٹز میں مغلوں کو شکست بھی دی۔ اس عرصہ میں اعلی وزیر یلوچیت سائی نے امور سلطنت کا نظم و نسق بہت عمدگی سے کیا۔ مستانہ روشی مغلوں کی عادت میں داخل ہوگئی یہ بلا اوگدائی خاں کے پیچھے بھی لگ گئی تھی۔ مگر اس وزیر نے اسکی اس غفلت کا معاوضہ اپنی ہوشیاری سے کیا کہ ہر صوبہ و ضلع میں امن و امان رعایا پروری عدل گستری کے ساتھ قائم رکھا۔

اوگدائی خاں ذیقعدہ ۶۳۹ھ میں مرا تھا۔ کئی برس تک اسکے بعد کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ اسکی بیوی ترکینہ نیابت سلطانی کا کام کرتی تھی اور منتظر تھی کہ کب اسکا بڑا بیٹا کیوک خاں یا گیوک خاں یورپ کی مہم سے مراجعت کرے۔ یورپ میں کیوک خاں نے ہنگری کی فتح کرنے میں اپنے چچیرے بھائی باتو خاں کیساتھ بڑی ناموری اور شہرت شجاعت اور دلیری میں حاصل کی تھی ۱۲۴۶ء میں قراقرم یا کراکورم میں ایک کیورل تائی کی مجلس میں وہ خاقان مقرر ہوا اور اس مجلس میں سب امرا مغل شریک ہوئے مگر جوجی خاں کے بیٹے نہیں آئے انہوں نے یہ عذر کیا کہ ہمکو یہ جانشینی پسند نہیں ہے۔ کیوک خاں نے جو اسکی ماں کے عہد میں کچھ بدنظمی ملک سیاہ میں پھیلی تھی اسکو دور کیا اور سپاہ کو چین و ایران میں سلطنت بڑھانے کیلئے بھیجا۔

خاندان اوگدائی خاں میں فقط کیوک خاں ہی سریر خاقانی پر جلوہ افروز ہوا۔ جب وہ ۱۲۴۸ء میں مر گیا تو کوئی اسکے بیٹوں اور خاندان میں سے جانشین نہیں ہوا بلکہ تولی خاں کے خاندان میں سلطنت منتقل ہوگئی۔ اس نئے خاندان کے اول خاقان منگو خاں کے معزول کرنیکا ارادہ اوگدائی خاں کے خاندان میں سے کسی نے نہیں کیا۔ مگر جب منگو خاں مر گیا اور اسکی جانشینی کیلئے قبلے خاں منتخب ہوا اور چین میں ایک بے قاعدہ مجلس کیورل تائی میں وہ خاقان مقرر ہوا تو اوگدائی خاں کے خاندان نے بغاوت اختیار کی اور ایک ہنگامہ کا بازار گرم کیا۔ اوگدائی خاں کا پوتا قیدو خاں اکتالیس برس تک ایران شرقی

میں حامیان خاندان تولی خاں سے نہیں لڑا اور خفچاق میں جو جو دوست خاندان تولی خاں کے تھے انسے مغرب میں پندرہ لڑائیاں لڑا۔ مگر یہ جنگ برابر والوں میں تھی جب قیدو خاں نے ۱۳۰۱ء میں قید حیات سے رہائی پائی تو خاندان اوگدائی خاں خاندان تولی خاں کا مطیع ہو گیا۔ اس خاندان کے جو قبائل دوست تھے وہ ماوراءالنہر اور خفچاق کے قبائل میں پراگندہ ہو کر مل گئے اور انکے امیر گمنامی کی حالت میں چغتائی خاں کی عملداری میں زندگی بسر کرنے لگے۔ بدنظمی کی حالت میں خاندان اوگدائی خاں میں سے ایک دو بار ماوراءالنہر کی تخت سلطنت میں بادشاہ ہو گئے اور تیمور نے پھر اس دودمان کی شمع کو روشن کرنا چاہا اور امیر سیورغاتمس کو اور اسکے بیٹے محمود کو چغتائی معزول بادشاہوں کی جگہ تخت سلطنت پر بٹھایا مگر خاندان ایسا مردہ ہو گیا تھا کہ اسمیں جان نہیں پڑ سکتی تھی۔ اس تخت نشینی سے وہ اصل خاقان نہیں بن سکتے تھے۔ یہ تخت نشینی ایک جھوٹ موٹ کا تماشا تیمور نے دکھایا تھا۔

۱۲۴۸-۱۳۷۰
دوم۔ خاندان تولی خاں الخفا مغولستان۔ خاقان ۱۲۴۸ء سے ۱۳۴۴ء تک تین عہد۔ (۱) یوان خاندان چین میں سکا (۲) قراقورم میں گھٹیا راج ۱۲۴۷-۱۳۴۴ء (۳) قبائل کا تقسیم ہونا اور انکا منچو کا بتدریج مطیع ہونا ۱۵۴۳-۱۶۳۴ء تولی خاں کا بیٹا منگو خاں بڑا سپہ سالار اور صاحب جلادت و شجاعت تھا جنگ کے سارے اصول اور کاموں سے خوب ماہر تھا سوا اسکے قبائل مغلیہ جو مغلوں کی سپاہ چنگیز خانی کی جان تھی وہ تولیخاں کی الخفا تھی۔ ان دونوں باتوں نے ملکر منگو خاں کو خاقان ۱۲۵۱ء میں بنایا اور ۱۲۵۵ء میں پیغام اجل اسکے پاس آیا۔ مگر اس مختصر عرصہ میں دو عظیم انقلابوں کی افتاد پڑی ایک یہ کہ منگو خاں نے تبت گوبی کے شمال میں اپنا قدیمی دارالسلطنت قراقورم رکھتا تھا اور اپنے بھائی قبلے خاں کو جنوبی اضلاع میں حاکم مقرر کر رکھا تھا۔ ایس یہ ابتدا تھی کہ قراقورم سے پایتخت بیں دارالسلطنت تبدیل ہو جاوے۔ دوم یہ کہ ایران ہولاگو خاں (ہلاکو خاں) کو حاکم مقرر کیا جس نے ایران میں اپنے خاندان کی سلطنت جمائی اور وہ قاعدہ جو ہمیشہ ایرانی حاکموں کے تقرر کا بدلتا رہتا تھا موقوف کیا اور ایرانی چنگیز خاں کے خاندان میں سے بادشاہوں کا سلسلہ قائم ہوا۔ جیسا کہ سلطنت مغلیہ کے اور صوبوں میں تھا۔

۱۲۵۷ء میں منگو خاں نے انتقال کیا جسکا اوپر ذکر ہوا ہے اور ادھر منگو کے بھائی ارک بوکا نے ادھر قبلے خاں نے اپنے گھر مغلستان کی سلطنت کا دعویٰ کیا۔ چین کی سپاہ نے قبلے خاں کے خاقان کے ہونیکی سلامی اتاری۔ قراقورم میں مجلس کورل تائی نے ارک بوکا کو خاقانی کیلئے انتخاب کیا اور مغرب میں قبائل اوگدائی اور چغتائی نے قیدو خاں کو خطاب خاقان دیا۔ خفچاق میں جوجو خان نے خاقانی کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ وہ خاندان تولیخاں کا حامی تھا۔ ان سب میں قبلے خاں کا پلہ بھاری رہا اور وہی خاقان ہوا۔ اور تمام جھگڑوں و فسادوں کو اس نے پاک صاف کر دیا۔ ارک بوکا کو جلد شکست دیدی۔ قیدو خاں کو دور دور پھینکتا رہا اور جبتک جیتا رہا کہ قبلے خاں کو موت آگئی۔

اب چنگیز خاں کی نسل کے خاقان چینی ہو گئے اور وہ چینی کہلانے لگے۔ ۱۲۸۰ء میں چین کی جنوبی مملکت بھی

...تک کو بالکل انہوں نے فتح کرلیا۔ اور اسطرح کل ملک کی ایک سلطنت بنالی جسمیں اسکے سوا کوئی فرمانروائی نہیں کرتا تھا
...نے اپنا دار الحکومت خان بلغ (کام بلوک) یعنی خان کا شہر بنایا جسکو اب پیکنگ کہتے ہیں اور پرانا دار السلطنت
...اقورم ایک صوبہ کا مرکز ان تینوں عہدوں میں رہا کہ جسمیں قبلے خاں کی اولاد کی تاریخ منقسم ہوتی ہے۔ اول عہد میں صدی
...ہے کہ جو چین کی سلطنت مغلیہ کے آغاز اور حملہ آوروں کے دفع کرنے میں دسویں جانشین تغان تیمور تک گزری یعنی ۱۳۶۸ء تک
...ن کی تاریخ میں ان مغلوں کے خاقان کو یوان کا خاندان کہتے ہیں۔ اس خاندان کی والاشکوہی کے تنزل کے اسباب
...ان کو جاتے ہیں کہ دربار کو اسراف اور عیش و عشرت و آرام طلبی و تن آسانی۔ لاما گروہ کی تعظیم و تکریم اور انکی مواسات تھا
...مفلسی بیماری۔ وبائیں۔ قحط۔ زلزلے اور ایسی ہی اور بلائیں سلطنت کے در و دیوار بہت کمزور کرتے ہوں گے۔ آخر کو چو یوان چنگ نے خاندان
...کو قائم کرکے سنہ ۱۳۵۵ء میں پیکنگ کو لے لیا اور دو سال میں چین نے مغلوں کے ہاتھ سے فراغت پائی۔ پھر تاریخ میں انکی خاقانی
...اقبالمندی کے زمانہ کا ذکر نہیں ہوا۔ دوسرا عہد اسوقت سے شروع ہوتا ہے کہ چین سے مغلوں کی سلطنت خارج ہوئی اور
...دونوں پھر دیان خان کے زمانہ سنہ ۱۳۸۸ء میں وہ اپنی بجلی کی چمک سے گر گئی۔ اس عہد کو مغلوں کا گھٹیا راج کہتے ہیں کہ وہ
...ان مزروعہ زمینوں میں مقید تھی جہاں سے وہ دریا کرولون اور اونن کے پار اتر کر دشت گوبی کے شمال میں خیمہ زنی کی زمینوں کو
...حج کرنے گئی تھے۔ منگ کی سپاہ نے مغلوں کو بوئر کی جھیل پر جالیا اور انکو بالکل شکست دی اور اسی ہزار آدمی قید
اور ڈیڑھ لاکھ مویشی پکڑ لیے اور بہت سا مال اسباب انکا لوٹا۔ پس اس شکست سے خاقانوں کا دم نکل گیا اور فقط انکی بزرگی
نام ہی میں باقی رہی اور وہ بالکل تابع منگ کے شاہنشاہ کے ہوگئے۔ منگ کے شاہنشاہ ہی پیکنگ میں قبائل مغلیہ کے حاکم
اپنے حکم سے مقرر کرتے اور انکو سند حکومت دیتے۔ پندرہ صدی میں ایک اور آفت ابتدائی۔ کچھ مدت کیلئے بہت سے قبائل یوائی رٹ کی
رعیت بنگئے۔ مگر اسی صدی کے آخر میں دیان خان نے جو تغان تیمور کا جانشین میں چودھواں تھا اُس نے متفرق قبائل کو یکجا جمع کیا اور
انکو بالترتیب جماعتوں میں تقسیم کیا۔ تیسرا عہد تاریخی یہ ہے کہ قبائل جو تقسیم ہو کر جدا جدا ہوگئے تھے انکے معاملات ملکی میں فساد و عناد کا
اور آپس کی نااتفاقی اور عناد کا نتیجہ یہ تھا کہ وہ یکے بعد دیگرے منچو کی قوت کے محکوم ہوگئے۔ چین میں جب منگ کا ستارہ اقبال
غروب ہوا تو منچو کا اقبال چمکنا شروع ہوا تھا اندرونی جنگ آزمایاں خاندانوں کا اختلاف اور عام نااتفاقی سے خاقان کی
بادشاہی برائے نام رہ گئی تھی اسکا نام بھی باقی نہیں رہا سنہ ۱۶۳۴ء کے قبلے خاں کی اولاد فقط چین کی رعیت ہوگئی۔

مغلان ایران ۶۵۴ - ۷۵۰ ھ ۔ ۱۲۵۶ - ۱۳۴۹ ء

منگو خان نے اپنے خاقانی کے عہد میں تولی خاں کی اولاد میں سے ہولاگو خاں (ہلاکو خاں) کے گھرانے میں ایران کی
بادشاہت دیدی جنکو ایل خانان یعنی خانان اضلاع کہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ خاقان معظم کے مطیع ہیں۔ ایل خانا...

ہمیشہ خاقانونکی اطاعت کا زبانی اقرار کرتے رہے ہیں۔ ہلاکو خاں جب ایران میں حاکم مقرر ہوا تو اُسکو اپنی فرمانروائی
قائم کرنے میں کوئی دقت نہیں واقع ہوئی۔ عالی ہمت اولوالعزم خوارزم شاہ نے جسکو چنگیز خاں نے شکست دی تھی،
ایران کے بہترین حصوں کو فتح کرکے اور اُنکو ایران کے فتح کرنیکا رستہ بتا دیا تھا۔ اور کوئی قوی مقابلہ کرنیوالا باقی نہیں چھوڑا
تھا اُس نے جو سلطنت ایران کو شکست کرکے پارہ پارہ کیا تھا اور ان پارونکو جو شاہزادگان اپنی سعی و کوشش سے جوڑ رہے تھے ان سبکو
ہلاکو خاں نے اپنے آگے سے اُڑا دیا۔ وہ بغداد میں آیا اور خلیفہ مستعصم باللہ کو جو خلفاء عباسیہ میں سے تھا نہایت ظلم سے قتل کیا۔ اور
پھر وہ آگے بے مزاحمت بڑھتا چلا گیا۔ مگر شام کے بہادر ملوک مصر نے کامیابی کیساتھ اپنے قریب اُسکو روکا۔ اب ہلاکو خاں ممالک ایران
اور ایشیا مائنر کا مالک جیحون سے لیکر بحر قلزم تک ہو گیا۔ اسکی سلطنت کی حدود شمال میں برابر چغتائی و جوجی کی سلطنتوں سے اور جنوب
میں سلاطین مصر سے ملی ہوئی تھیں۔ ان حدود کے اندر اُسکے خاندان نے سو سال تک سلطنت کی اور عملاً وہ مطلق العنان اور خودمختار
رہی۔ دور دراز کے فاصلہ پر برائے نام چین کے خاقان کی اطاعت کا اقرار کرتی رہی۔ کبھی کبھی کچھ جانشینی کے لئے جھگڑا
ہو جاتا تھا ورنہ ملک میں ہر طرح سے امن و امان رہتا تھا رعایا سکھ چین سے رہتی تھی۔ اور ان ایلخانان نے علوم و فنون و
علم ادب کی وہ قدر شناسی کی کہ جس سے اُنکی وہ ترقی ہوئی کہ کبھی شاہان ایران کے زمانہ میں نہیں ہوئی۔ ہم پہلے بیان
کیا ہے کہ دولت خلفاء و دولت سلجوقیہ و دولت ملوک مصر کا زوال کن سببوں سے آیا۔ انہیں سببوں سے ابوسعید کے زمانہ میں
اس دولت ایلخانیہ پر تباہی و بربادی آئی کہ امراء وزراء سپہ سالار جو آپس میں قرابت رکھتے تھے وہ ملک کے نظم و نسق میں زیادہ
دخیل ہوگئے لگے آپس کے رشک و حسد و عداوت و مخالفت سے اول دولت ایلخانیہ کو خوف و خطر میں ڈالا۔ جب ابوسعید کا
انتقال ہوا تو پھر سلطنت ایران کا تخت ایسا ہو گیا کہ اُس پر رقیب امراء وزراء جسکو چاہیں بٹھائیں اور کٹ پتلیوں کی طرح
نچائیں۔ ایران کے ٹکڑے دو خاندانوں نے کئے۔ ایک امیر چوپان نے جو غزن خاں اور اُسکے جانشینوں کا بڑا سپہ سالار
جنرل تھا۔ دوسرا امیر حسین جلایر تھا جسکو ایلکانین بھی کہتے ہیں۔ ان میں چوپان کا بیٹا امیر حسین کوچک تھا اور جلایر کا
بیٹا امیر شیخ حسین بزرگ تھا۔ ابوسعید کے مرنے کے بعد ارپا خاں جو ہلاکو خاں کی اولاد میں سے تھا بلکہ اس کے بھائی
ارک بوکا کی اولاد میں سے تھا وہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ مگر اسی سال ۷۳۶ھ میں موسے نے اُسکو معزول کیا جسکا سلسلہ
نسب بیدو خاں تک پہنچتا ہے جو چھٹا ایلخاں تھا۔ شیخ حسین بزرگ کے طرفداروں نے موسی کو بھی بہت جلد تخت سے اتار دیا
اب حسین بزرگ کا رقیب خاندان چوپان تھا جس نے اس تخت نشینی کا دعوی ابوسعید کی بہن ساتی بیگم کی طرف سے کیا۔
اور اُسکو بادشاہ بنا دیا۔ اس بیگم کی پہلی شادی چوپان خاں سے ہوئی تھی پھر ارپا خاں سے اور آخر کو سلیمان خاں نے اسکی
بہتری کو مٹا دیا آخر بادشاہ نوشیرواں تھا جسکی سلطنت میں فساد برپا ہے۔ آخر کو ایران میں جلایر کی قوت و قدرت

وسطوت سب سے زیادہ ہوگئی اور ہلاکو خاں کا خاندان بالکل ختم ہوگیا۔ جالیر، مظفر، سربدار یہ وغیرہ نے ملک میں جب تک بڑی ہل چل مچائی کہ تیمور یہاں آیا اور اُس نے ان سب پر جھاڑو پھیر دی۔

۶۲۱ – ۹۰۷ھ – ۸۲ – خانان سیرا اوردا (خیمہ زریں) ۱۲۲۴ – ۱۵۰۲ء

چنگیز خاں کے سب سے بڑے بیٹے جوچی خاں کے حصہ میں قدیمی سلطنت قراختہ کے قبائل آئے تھے۔ یہ قبائل دریا سیحون کے شمال میں رہتے تھے۔ جوچی خاں (توشی خان) اپنے باپ کے سامنے مر گیا تھا اور اُسکے بیٹے بہت تھے انہیں سے بڑے بیٹے اوردا خاں کو جانشین کر دیا تھا۔ مگر جوچی خاں کے سب سے چھوٹے بیٹے باتو خاں نے یورپ کے مشہور حملے میں بڑا نام پیدا کیا تھا اور اُسنے اپنے خاندان کے اقتدار کو مغرب میں بہت بڑھایا تھا اور اپنے تئیں اُس نے ترکی خانیت خفچاق کا بادشاہ بنایا۔ باتو خاں کے ملک کے شمال میں جسکا بھائی توقا تیمور ضلع بلگیر یا بزرگ کا دریاے وولگا کے اوپر حکومت کرتا تھا اور جوچی خاں کا چوتھا بیٹا شیبان خاں خیمہ زردہ سرزمینوں پر حکومت کرتا تھا جنکو اردا خاں کے انتہا کے شمال میں کرغیز کزکس کہتے ہیں۔ پانچواں بیٹا بتول خاں بیجنگ کو جسکو پچھلے زمانہ میں نوگایس کہتے تھے یورال اور یمبا میں یہ کل قبائل تھوڑی یا بہت اطاعت خاندان باتو کی کرتے تھے اگرچہ وہ قبائل کوچک تھی اسنے بڑی بزرگی حاصل کی تھی اور اس نے دریاے وولگا کے اوپر سلطنت جوجیہ کا پایہ تخت سرائی کو بنایا۔ ان اقوام کو اس سبب سے کہ ان کا خان بادشاہانہ خیمہ زریں لگاتا تھا سیرا اوردا یعنی زریں خیمہ کہتے ہیں۔ یہ بھی کہنا ضرور چاہیے کہ جو خاندان حکومت رکھتا تھا اُس کی سپاہ کا عطر ولب لباب نسل مغلیہ ہوتی تھی۔ جوچی خاں کے حصہ میں جو قبائل آئے تھے انہیں سے زیادہ تر وہ مفتوحہ ترک یا ترکمان تھے جنکو مغلوب کیا تھا۔

جوچی خاں کے کنبے کے خانان سیرا اوردا (زریں خیمہ) کے مختلف خاندان یہ ہیں۔

(ا) خاندان باتو خاں – سیرا اوردا کے خانان معظم جو مغربی خفچاق میں سنہ ۱۲۲۴ – ۱۳۵۹ء تک قبائل قوق اوردا (نیلے خیمہ) پر حکومت کرتے رہے۔

(ب) خاندان اوردا (اوردا خاندانی لقب سے مشرقی خفچاق پر سنہ ۱۲۲۶ – ۱۴۲۸ء تک قبائل آق اوردا (خیمہ سفید) پر حکومت کرتا رہا مغربی خفچاق میں قبائل سیرا اوردا کے بعد باتو خاں کا خاندان سنہ ۱۳۷۸ – ۱۵۰۲ء میں کرتا رہا اور بعد تنزل کے استرخان کے خانان سنہ ۱۴۶۶ – ۱۴۵۰ء تک وہ رہے۔

(ت) خاندان توقا تیمور شمالی خفچاق میں بلگیر یا میں خانان رہے۔ مغربی خفچاق میں اُنھوں نے خانان قبائل سیرا اوردا پیدا کرنے آخر کو اور خانان کزن سنہ ۱۴۵۰ – ۱۶۸۸ء میں اور خانان قرم سنہ ۱۴۲۰ – ۱۷۸۳ء میں پیدا کئے۔

(ث) خاندان شیبان سنہ ۱۲۴۴-۱۲۵۹ء میں ازبک یا کرغیز کی غیر مزروعہ سرزمینوں میں سکونت کرتے تھے انھوں نے سنہ ۱۵۰۰-۱۵۶۲ء میں نقل مکان کرکے اپنے تئیں خیوا اور بخارا کا خانان بنایا۔

(ا) باتو خاں کا خاندان۔ سیر اوردا کے خانان معظم۔ التمغا مغرب میں خفچاق کے قبائل آق اوردا سنہ ۱۲۴۲-۱۳۵۱ء مغرب کی خانیت معظم میں باتو خاں کے خاندان کی حکومت بڑی کروفر سے ہوئی۔ چونکہ وہ روسیوں کی ترقی و نشوونما سے علاقہ رکھتی ہے اسلئے وہ تاریخ میں بڑی عظمت و وقعت رکھتی ہے۔ وہ روسی امرا و شاہزادوں کی خداوند نعمت تھی۔ ان سے خراج لیتی تھی۔ انکی لڑکیوں کی مالک تھی۔ مگر خفچاق کے خانان معظم کی تقدیر میں یہ تھا کہ وہ جنکے حاکم تھے انکے محکوم بنیں۔ جنکو وہ غلامی میں رکھتے تھے انکی غلامی میں رہیں۔ مگر پہلے اس سے کہ اس تنزل کی نوبت پہونچی۔ باتو خاں کا خاندان مٹ چکا تھا اُسکے بھائیوں کی اولاد اُسکی قائم مقام ہوگئی تھی۔ جبتک باتو خاں کی اولاد کے ہاتھ میں عنان حکومت رہی وہ بڑی باقبال اور با اختیار و اقتدار رہی۔ اس خاندان میں سے دس خانان معظم نے فرمانروائی کی۔ جانی بیگ آخر فرمانروا تھا سنہ ۱۳۵۷ء میں اسکے مرنے کے بعد بدنظمی پھیلی۔ جانی بیگ کا بیٹا بردی بیگ اسکا جانشین ہوا۔ دو برس تک فرمانروا رہا۔ جانی بیگ کے بیٹے ہونے کا دعوی دو خانوں نے کیا اور وہ ایک ہی سال میں جانشین ہوئے۔ پھر بعد اسکے بیس برس تک سلطنت کے مدعی اور رقیب آپس میں لڑتے رہے۔

جب باتو خاں کے خاندان کا خاتمہ ہوگیا تو جوجی خان کے گھرانے کی پانچ شاخیں سیر اوردا کی خانیت کے دعوی کیلئے کھڑی ہوئیں اور انھوں نے اپنی سلطنتیں اسطرح جمائیں توقا تیمور کی بہت سی اولاد نے تو ولگا پار بزرگ کے شمال اور جنوب اور قرم میں۔ باتو خاں کے دوسرے جانشین اور اسکے بھائی براکا (براق خاں) کی اولاد نے جنوب میں کوہ قاف کے پاس تیریک کمانیں خیمے لگائے۔ براق خاں کے سبب سے قبائل سیر اوردا نے اپنی بڑی ہتک پیدا کی تھی۔ اوردا کے کنبے کے سردار ولی اور قبائل آق اوردا نے خانیت معظم کے مشرق میں اپنا سکہ جمایا شیبان خاں کی سربراہی میں قبائل ازبک نے مشرق میں بھی اور زیادہ تر شمال میں حکمرانی کی اور بحر خزر کے پچھمی شمالی کنارہ پر قبائل نوگائی نے اپنے مویشی چرائے ان رقیب خاندانوں میں سے پندرہ خانوں نے حکومت کی اور سنہ ۱۳۷۸ء میں قبائل سیر اوردا کے خاندان کی حکومت اوردا کے خاندان میں توق تمش کے ہاتھ میں آگئی۔

(ب) خاندان اوردا۔ التمغا قبائل آق اوردا مشرق خفچاق میں سنہ ۱۲۲۶-۱۴۲۸ء قبائل سیر اوردا مغربی خفچاق میں سنہ ۱۳۷۸-۱۵۰۲ء خان استرخان سنہ ۱۴۶۶-۱۵۵۴ء مشرقی خفچاق میں دریا جیحون کے پیچھے کے ملک اور اولوغ کوہستان کوچک تاغ شامل تھے۔ اور انکی سرحدیں مغرب میں باتو خاں کے قوق اوردا سے اور شمال میں شیبان ازبک سے

مشرق میں چغتائی خانیت تھی۔ جنوب میں دشت قزل قم اور الگزنڈر دوسکی کے سلسلہ کوہ سے ملی ہوئی تھیں قبائل سیر اوردا (ضمیمہ زیریں) دو حصوں میں منقسم تھے ایک قبائل آق اوردا یعنی سفید اوردا اور دوسرے قبائل کوک (فوق) اوردا یعنی نیلگوں اوردا کہلاتے تھے اور ایک خیالی بات ان قبائل کے ذہن میں تھی کہ سفید رنگ کو برتری نیلے رنگ پر ہے اسلئے فوق اوردا کا نام اس نیلے رنگ پر رکھا گیا تھا کہ وہ آق اوردا (سفید) کے تابع تھیں۔

جوجی خاں کی اولاد میں سب سے زیادہ شجاع اور قوی و صاحب جلادت باتوخاں تھا۔ مگر باپ کی انتھا میں اوردا خاں جانشین ہوا اور خاندان کی سرداری اسکے ارثیوں میں ہمیشہ رہی۔ یہ انتھا دریائے جیحوں کے پاس تھی۔ وہ سیر اوردا کے بائیں حصے پر حکومت کرتا تھا جسکو آق اوردا کہتے ہیں۔ بحر خزر کی دور کی غیر مزروعہ زمینوں میں وہ رہتا تھا آق اوردا نے ڈون۔ دولگا پر اپنے بھائی فوق اوردا کو مطیع کر لیا۔ اسکے سردار کوچی خاں نے بلاد غزنہ و بامیان پر قبضہ کر لیا اس خاندان میں کار اروس خاں ایسا ہوا کہ جس نے تیمور کی سپاہ کو کئی دفعہ شکست دیدی۔ تیمور نے جوجی خاں کی قبائل اقوام پر توق تامش خاں کو حاکم مقرر کر دیا جسکے باپ کو اروس خاں نے قتل کیا تھا خود اسکو جلاوطن کیا تھا۔ اروس خاں نے کئی دفعہ توق تامش کے حملہ کو دفع کر دیا۔ مگر جب اروس خاں مر گیا اور اسکا بیٹا توق تا کیا کچھ دنوں باپ کا جانشین رہا۔ پھر توق تامش خاں نے اروس خاں کے دوسرے بیٹے تیمور ملک سے آق اوردا کی حکومت چھین لی۔

قبائل سیر اوردا کی تاریخ میں توق تامش آخری فرمانروا ہے جسنے قبائل آق اوردا کا تخت سلطنت چھین لیا توقپچاق کی مغرب میں گیا اور سرائے کے بادشاہ ممائی خاں کو شکست دیدی۔ اس فتح نے ۱۳۷۸ء میں قبائل آق اوردا میں جو تفریق ہو رہی تھی اسکو مٹا دیا۔ اور اسنے مشرقی اور مغربی قپچاق کو ملا کر ایک کر دیا۔ مگر اوردا خاندان کے چراگاہ زمینیں شیبا خاں کی اولاد کے قبضہ میں آگئی تھیں انکو سیر اوردا نے توق تامش سے چھین لیں اسپر توق تامش نے ایک بڑی لشکر کشی کی اور کی دار السلطنت عظیم ماسکو کو ۱۳۸۲ء میں غارت اور تباہ اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا قپچاق کی سلطنت کا اس فتح عظیم سے چمکنا ایسا تھا جیسا کہ چراغ بجھنے کے وقت اپنی روشنی دکھاتا ہے۔ توق تامش خاں کی یہ بد اقبالی تھی کہ اسنے اپنے محسن تیمور سے جسکی بدولت یہ فتح نصیب ہوئی تھی سرتابی کی۔ بھلا تیمور کے آگے کسکی تاب تھی کہ وہ سرتابی کرے اور بسر لے سے بچے۔ تیمور اعظم نے دو دفعہ اسپر لشکر کشی کی۔ ایک لڑائی ۱۸ر جون ۱۳۹۱ء کو ارتوپا میں اور دوسری لڑائی تیرک میں ۱۳۹۵ء میں ہوئی ان دونوں لڑائیوں میں توق تامش کی سپاہ کا بھرکس نکال دیا اور وہ خود جلاوطن ہوا جب تیمور یہاں سے چلا گیا تو سرائے میں پھر وہ آیا۔ مگر اسکو اروس خاں کے بیٹے تیمور قتلغ نے نکال دیا اور ۱۴۰۶ء میں مر گیا یہاں کی سلطنت خستہ حال قپچاق کے تین دعویدار پیدا ہوئے ایک اروس خاں کا کنبہ جسکے حامی قوم نوگائے سردار

ایدوکو خاں ہوا۔ دوم قپچاق کے بادشاہ کرتوق تامش خاں کے بیٹے۔ سوم شیبان کے کنبے کے بعض نوجوان۔ انہیں آپس میں جھگڑے فساد ہوتے رہے۔ انمیں جو ایک غالب حاکم ہوا پھر وہی مغلوب محکوم ہوا۔ یہ سالگ ہوتے ہی جنوب میں قبائل سیراوردا کی حکومت کا زوال آیا۔ سنہ ۹۰۸ھ/۱۵۰۲ء میں روس نے اسکو اپنا محکوم بنالیا۔ آگے اسکی تاریخ میں کچھ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا ذکر آتا ہے۔ اوردا خاں کے کنبے میں سے کوچک محمد کے پوتے قاسم خاں نے سنہ ۱۴۶۶ء میں ایک چھوٹی سی ریاست استرخاں کی قایم کرلی تھی جسکو روسیوں نے سنہ ۱۵۵۶ء میں اپنے قبضے میں کرلیا۔

۸۳۳ – ۱۱۹۷ھ – ۸۴ – قرم یا کریمیا کے خانان – ۱۴۳۰ – ۱۷۸۳ء

(ب) خاندان توکا تیمور۔ التمغا۔ بلگیر یا بزرگ بعد ازاں قرم اور کافہ کبھی کبھی قبائل سیراوردا کے خانات آخر کو قزن۔ کزی موف۔ قرم کے خانان۔ جوجی خاں کا سب سے چھوٹا بیٹا توکا تیمور تھا۔ اور قبائل سیراوردا میں قبائل توق اوردا اس سے متعلق تھے اور غالباً اسکی اپنی خیمہ زنی کی زمین دولگا کے حصہ بالا میں تھی جس میں بلگیر یا بزرگ شامل تھی۔ اس شعبے کے اصلی مقامات ٹھیک ٹھیک نہیں معلوم باتو خاں کے خاندان میں منگو تیمور نے توکا تیمور کے بیٹے یورنگ تیمور کو قرم اور کافہ دیے اسطرح سے باتو خاں کی خانیت کے شمال اور جنوب میں اس خاندان کی ریاست کی بنا پڑی۔ باتو خاں کے خاندان کی جانشینی میں وہ دخل دینے لگا۔ رقیب خاندانوں کے تین خانان جو غالباً توکا تیمور کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے انکا بیان اوپر ہو کر دیا ہے تیمور کے حملوں کے بعد جب قبائل سیراوردا کا زوال ہوا ہے تو اس خاندان کی شاخ سرسبز و بار آور ہوئی اس خاندان میں اولغ محمد نے براق خاں کی موت کے بعد خانیت معظم پر قبضہ کرنیکی کوشش کی اور سنہ ۱۴۲۳ء میں اپنی موروثی بلگیر یا بزرگ پر قابض ہوا اور اپنے باپ دادا کی حکومت کو دوبارہ زندہ کرلیا۔ اس نے شہر قزن اسکا نام رکھا۔ مگر وہ روسیوں کو جنکی سلطنت روز بروز بڑھتی جاتی تھی کانٹے کیطرح دل میں کھٹکتی تھی سنہ ۱۵۱۸ء میں جب محمد امین خان کا انتقال ہوا اسکی موت کے ساتھ ہی قزن کی باقی سلطنت کی اولاد کا خاتمہ ہوگیا۔ انکی جگہ سلیمان خان کزی موف قرم۔ استرخان کی فرمانروائی کرتے رہے مگر آخر کو روسیوں نے اس حکومت کا قبضہ کیا اور روسیوں کی طرف سے بھی مسلمان خانان مقرر ہوتے رہے موقوف ہوئے اور سنہ ۱۵۵۲ء میں قزن میں روسی گورنر مقرر ہوا۔

جب اولغ محمد کو اسکے بیٹے محمود نے مار ڈالا تو اسکے دو بیٹے بھاگ کر روسیوں کے پاس سنہ ۱۴۴۶ء میں گئے اور روسی افواج میں انہوں نے خدمات بزرگ کیں انمیں سے قاسم خان کو روسیوں نے قطع و شہر گورودیٹز دیکر اوکا پر قسمت ریزان میں دیدیا۔ اسنے اس شہر کا نام اپنے نام پر رکھا۔ یہاں اس خاندان کے خانان کی حکومت شروع

ہوئی۔ انکا خطاب خاقان کو ہی موقوف ہی کرنا میں جو روسیوں کے زبردست ہمسایہ تھے انکے برخلاف ان خانون سے
کام لیتے رہے اور انہیں سے خانیت معظم میں بھی الغ محمد کے مرنے کے بعد دو خان مسلمان مقرر کیے جو اسکے ہم خاندان
تھے۔ یہ خانیت جو کبھی آزاد و خود مختار نہیں ہوئی اسکو سنہ ۱۷۸۳ء میں روسیوں نے ہضم کر لیا۔

تو کاتیمور کے خاندان کے جو تین شعبے تھے انہیں وہ شعبہ بڑا تھا جو قرم میں فرمانروا تھا۔ الغ محمد کا ایک بھائی تاش تیمور
تھا جو توق تامش جسکے ماتحت سپہ سالار بھی رہ چکا تھا اور بڑا دلاور شجاع تھا وہ دراصل قرم یا کریمیا کے خاندان کی
دولت کا بانی مبانی تھا۔ عوام اسکے بیٹے حاجی گرائے خان کو پہلا خان سمجھتے ہیں مشرقی معاملات عظیم میں قرم کا
خاندان بھی ایک رکن اعظم سمجھا جاتا ہے وہ سلطنت ترکی کی تو دور دراز فوج کا مقام تھا اور روسیوں کا وہ دوست تھا
اسلئے دونوں ترکی اور روس کو اسکی طرف خیال پیدا ہوا۔ اسکے دونوں طرف قاہر وجابر ہمسائے لگے ہوئے تھے سنہ ۱۷۷۴ء
میں روسیوں اور ترکی کے درمیان ایسا عہد نامہ ہوا کہ جس میں خاقان قرم کے خاندان کا چراغ گل ہوا۔ ان قوی دلاور خانوں
میں سے سلطان قرم گیرائے کتی خاں نے ایڈنبرگ میں ایک سکوٹ لینڈ کی لیڈی سے شادی کر کے وہیں کی سکونت اختیار کی
(ث) خاندان شیبان التمغار ادیگ کا ملک دیورال اور چود دریاؤں کے درمیان، کبھی کبھی قبائل سیر اور دا کے خاقان یعنی
زار تاتائی یوہن کے سنہ ۱۲۲۶-۱۶۵۹ء بخارا کے خاقان سنہ ۱۵۰۰-۱۵۹۸ء اور خیوہ کے سنہ ۱۵۱۵ء سے ۱۸۶۲ء تک سنہ ۱۲۲۳ء میں جب
باتو خاں نے ہنگری پر حملہ کیا تھا تو اسکے بھائی شیبان خاں نے جو اسکے ہمراہ تھا ایسے ایسے کار نمایاں کیے تھے کہ باتو خاں نے اسکو ہنگری کا
بادشاہ بنا کر نام مقرر کیا تھا۔ مگر اسکی التمغا میں اور دا کی خانیت میں سے خاص قبائل شمالی دیدیئے تھے جو کوہستان یورال سے
لیکر دریاؤں ایلک ارغیز جج تک خیمہ زنی کرتے تھے۔ اور جاڑے میں ان سرزمینوں میں جو دریاؤں سیر چو سری سو سیر لب پر تھیں
منگو تیمور اسکی چھٹی نسل میں پیدا ہوا۔ قبائل سیر اور دا کے خان معظم اوزبک کا وہ ہمعصر تھا۔ اور اسی سبب سے شیبان کے جرگہ کا نام
اوزبک رکھا گیا اور وہی مشہور ہو گیا۔ باتو خاں کے خاندان کا زوال آیا تو شیبان خاں کی خاندانیں سے کئی ایک قبائل سیر اور دا کے خان
ہوئے۔ اور ان قبیلے خاندانوں کے دور کے عہد میں جب توق تامش برباد ہو گیا تو شیبان کے گھرانے کا نام غالباً درویش خان و سید احمد ہو گیا
اس خاندان کے شعبے بٹے یہ ہوئے ایک منگو تیمور کے بیٹے پولاد خاں کی اولاد جو ایک قبائل سیر اور دا کے بھی خان ہو گئے
تھے پولاد خاں کے دو بیٹے تھے ایک ابراہیم خاں دوسرا عرب شاہ یہی بخارا اور خوارزم یعنی خیوہ کے خاقان کے باپ دادا تھے۔ اول خانیت کا
بانی سنہ ۱۵۰۰ء میں محمد شیبانی پوتا ابوالخیر کا تھا۔ یہ خانی اب تک چلی جاتی ہے۔ اگرچہ جنرل کوف مین نے سنہ ۱۸۶۸ء میں اس کو
سلطنت روس کا باجگزار بنا لیا ہے۔ خیوہ کی خانیت کا بانی عرب شاہ ہے جسنے توق تامش کے حملے سے پہلے قپچاق میں اپنا سکہ
چلایا تھا۔ گو وہ قبائل اور دا اسیر کا خان نہ تھا۔ اسکی پانچویں نسل میں ایل بربس خاں نے سنہ ۱۵۱۵ء میں محمد شیبانی کے

مرنے کے بعد ماوراء النہر اسکے متصل کے بلاد پر بزور قبضہ کر لیا۔ اسکی اولاد ازبک خان تھا کہلاتی ہے مگر وہ ۱۸۷۲ء میں سلطنت روس کے باجگزار ہو گئی ہے۔ یہ بیان کرنا ضرور ہو کہ جوجی خان کا بیٹا تقول خان تھا اور پیچھے نیک کا سردار تھا اور جنوبی روس میں دریا ہے کے قریب خیمہ زنی کیا کرتا تھا اور نوگے کا دادا تھا جو قبچاق کے امور کے معاملات میں بڑا حصہ رکھتا تھا۔ مگر توق تو نے اسکو پامال کر دیا تھا۔ اور اسکو معہ اسکے جرگو نکے نکال دیا جنہوں کا نام وو لگا کے پرے نوگا مشہور ہوا وہ اکثر خانہ بدوش بادیہ گرد رہے انکی تاریخ پراگندہ ہی مرقوم ہے

۶۲۴—۷۶۰ ۸۵ خانان چغتائی (ماوراء النہر) ۱۲۲۷—۱۳۵۸ء

چنگیز خان کے تین بیٹوں اوگدائی خان۔ تولی خان۔ جوجی نے جو خانیت قائم کی اسکا بیان اوپر ہوا۔ اب چغتائی خان کا حال باقی رہا جسکے القا ماوراء النہر (بخارا) کاشغر کے ملک کا کچھ حصہ بدخشاں اور بلخ اور غزنہ تھے اور اس نے اس بلاد میں خانیت قائم کی۔ اس خاندان کی تاریخ بہت کم لکھی گئی ہے۔ انکی تاریخ میں صرف ایران کی سرحد پر جو انہوں نے تاخت و تاراج کی یا انمیں جو خانگی فساد ہوئے انکا بیان لکھا جاتا ہے۔ اس خاندان کے شجرہ کا حال تحقیق نہیں ہوتا۔ اسلئے کہ دونوں خاندان اوگدائی خان اور چغتائی خان کو علی اور ہاشم خان نے خلط ملط کر دیا ہے یہ دونوں اوگدائی خان کے خاندان کے تھے اور چغتائی خان کے سلسلہ میں شامل تھے۔

فصل دوازدہم شاہان ایران

(۸۶) جالیر (عراق) (۸۷) مظفریہ (فارس) (۸۸) سربداریہ (خراسان) (۸۹) کرت (ہرات)

تیموریہ فصل سیزدہم دیکھو

(۹۰) قراقیونلی (آذربائیجان) (۹۱) شاہان ایران (۹۲) صفویہ (۹۳) افغانیہ (۹۴) افشاریہ (۹۵) زند (۹۶) قاجار

ایران

جب ایران کی سلطنت کا تنزل ہوا تو اسکے ہر صوبہ میں جدا جدا حاکم بن بیٹھا اور خود مختار اور مطلق العنان ہو کر فرمانروائی کرنے لگا۔ ان سب میں زیادہ صاحب اقتدار قوم جالیر ہوئی۔ وہ اضلاع عراق اور آذربائیجان میں حکومت کرتی تھی۔ اسکے بعد قراقیونلی۔ آق قیونلی۔ ترکمان فرمانروا ہوئے اکثر اضلاع شرقیہ میں خاندان مظفریہ حکومت کرتا تھا۔ ابواسحاق سے اور محمد شاہ انجو کے خاندان سے ہمیشہ اسکا جنگ و فساد رہتا تھا۔ اسکا دارالسلطنت اصفہان تھا شمال مشرقی ایران کے زمانہ میں خراسان کی حکومت خاندان سربداریہ اور ہرات کے ملوک کرت میں منقسم رہی ۱۳۸۰ء میں ایران کو تیمور نے فتح کیا۔ اور اسکے ایک حصہ میں اسکی اولاد ایک صدی تک فرمانروائی کرتی رہی۔ سولہویں صدی

کے شروع میں اُن تمام صوبوں میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے اپنی حکومت جمائی جنہیں تیموریہ ترکمان اور چھوٹے
چھوٹے خاندان حکومت کرتے تھے اور اسپر خراسان کا اور اضافہ کیا۔ اس زمانہ سے سلطنت ایران کی حدود
میں کچھ فرق نہیں آیا ترکی کے مغرب میں اسکا کچھ نقصان ہو گیا ہے۔

۷۳۶ - ۸۱۴ھ جالیر (عراق وغیرہ) ۱۳۳۶ - ۱۴۱۱ء

قوم جالیر کے امراء کو ایل کانی کہتے ہیں جب مغلی فرمانروا ابوسعید کا انتقال ہوا تو اس قوم کا اقبال یاور ہوا
انکا سردار شیخ حسن بزرگ تھا جسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ اسنے ایران کے تخت پر مغل بادشاہوں کو کاٹ کی پتلیوں کی طرح نچایا تھا۔
اسکے بعد وہ خود سلطنت کرنے لگا عراق پر اسنے قبضہ کر لیا اور بغداد کو اپنی دار السلطنت بنایا۔ اسکا بیٹا اویس خان ۷۵۷ھ ۱۳۵۶ء میں
اسکا جانشین ہوا اسنے ۷۵۹ھ میں آذربائجان اور تبریز کو ترکمانوں سے لے لیا اور ۷۷۳ھ میں اپنی سلطنت پر موصل اور
دیار بکر کا اور اضافہ کیا۔ حسین جو اسکا جانشین تھا اسنے خاندان مظفریہ اپنے ہمسایوں سے مشرقی ایران میں لڑائیاں شروع
کیں اور سیاہ بھیڑی ترکمانوں سے لڑتا بھڑتا رہا۔ یہ ترکمان آرمینیا اور نہر دجلہ کے جنوبی ملک میں حکومت کرتے تھے ۷۷۶ھ میں
ان ترکمانوں سے مصالحت ہو گئی ۷۸۴ھ ۱۳۸۲ء میں اسکا انتقال ہوا اور اسکی سلطنت اسکے دو بیٹوں میں اس طرح تقسیم ہوئی کہ
عراق اور آذربائجان سلطان احمد کو اور کردستان کا ایک حصہ ایک سال کیلئے بایزید کو ملا ۷۸۵ھ میں تیمور نے شمالی
ایران کو اور آرمینیا کو تاخت و تاراج کیا۔ اور ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء میں بغداد، عراق، دیار بکر، دین کو مطیع کیا۔ سلطان احمد مصر کو بھاگا
مملوک سلطان برقوق کے پاس جاکر پناہ گزیں ہوا۔ بغداد سے جب تیمور سمرقند چلا گیا تو سلطان برقوق نے سلطان احمد کو
بغداد پھر دلا دیا۔ اس وقت سے لیکر تیمور کی موت تک جو ۸۰۷ھ ۱۴۰۵ء میں واقع ہوئی سلطان احمد کی زندگی ایسی بسر ہوئی کہ
کبھی سلطنت ہاتھ سے جاتی رہی کبھی پھر ہاتھ میں آگئی ۸۰۸ھ میں ایک دفعہ پھر بغداد کا وہ مالک ہو گیا۔ قرا یوسف خان
ترکمان کیساتھ بد عہدی کر لینے اور آذربائجان پر حملہ کرنے سے ۸۱۳ھ ۱۴۱۰ء میں اسکو شکست بھی ہوئی اور جان بھی گئی۔ اسکا
بھتیجا شاہ ولد بغداد میں ۱۴۱۱ء تک حکومت کرتا رہا۔ پھر سیاہ بھیڑی ترکمانوں نے اس سے حکومت چھین لی۔ شاہ ولد کی
بیوہ تندو جسکی شادی پہلے مملوک برقوق سے ہوئی تھی وہ ۸۱۸ھ تک واسط، بصرہ، شوستر میں حکومت کرتی رہی اور
تیموریہ شاہرخ مرزا کی اطاعت کرتی رہی۔ پھر اسکا سوتیلا بیٹا حکمران ہوا اور اسکے بعد اسکے بھائی اویس ۸۲۴ - ۸۲۹ھ
اور محمد اور آخر اسکا چچیرا بھائی حسین حکمران ہوئے جس کو سیاہ بھیڑی ترکمانوں نے مار ڈالا۔

۷۱۳ - ۷۹۵ھ - خاندان مظفریہ (فارس، کرمان، کردستان) ۱۳۱۳ - ۱۳۹۳ء

حاجی غیاث الدین خراسانی کا پوتا امیر مظفر اس خاندان کا بانی تھا۔ ایران کے سلاطین مغلیہ کے دربار

میں وہ خدمات بزرگ پر مامور رہا تھا اور وہ اصفہان کے قریب میبذ کا حاکم مقرر ہوا۔ اسکا بیٹا ۷۱۳ھ (۱۳۱۳ء) میں مبارز الدین محمد جانشین ہوا۔ ۷۱۸ھ (۱۳۱۸ء) میں مغل بادشاہ ابوسعید نے یزد۔ فارس کی حکومت عالیشان اسکو عطا کی ۷۴۰ھ (۱۳۴۰ء) میں کرمان کا اور اضافہ ہوا۔ محمد اسحق انجو سے بعد بہت سی لڑائی جھگڑوں کے شیراز اسکو ہاتھ لگا ۷۵۴ھ (۱۳۵۴ء) میں تمام فارس پر اسکا قبضہ ہوا اور ۷۵۵ھ (۱۳۵۵ء) میں اصفہان کا اور اضافہ ہوا اور ابو اسحاق قتل کیا گیا اور ۷۵۹ھ میں تبریز تک ملکوں کو فتح کرتا ہوا چلا گیا۔ بعد ازاں ۷۵۹ھ (۱۳۵۸ء) میں مبارز الدین محمد پھر معزول ہوا اور آنکھیں اسکی نکلوائی گئیں۔ اگرچہ وہ پھر کچھ تھوڑے دنوں کے لئے بحال ہوگیا تھا۔ مگر دوبارہ ۷۶۵ھ (۱۳۶۴ء) میں جلا وطن کیا گیا۔ اور اس دنیا سے بھی رخصت ہوا۔ اسکے جانشینوں کی سلطنت میں فارس۔ کرمان۔ کردستان جبتک کہ تیمور نے ۱۳۸۷ء میں طوفان اٹھایا۔ حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ اس خاندان کے بادشاہ شجاع کے دربار کو رونق دیتے تھے۔

۷۳۷-۷۸۳ھ ۔ سربداریہ خراسان - ۱۳۳۷-۱۳۸۱ء

خراسان میں باشتین ایک گانوں کا اسکا رہنے والا عبدالرزاق تھا اور ۷۳۷ھ (۱۳۳۷ء) میں ابوسعید کی خدمت میں رہتا تھا ایک دفعہ وہ اپنی قوم کا سرغنہ بنا جس نے حاکم ضلع کے ظلم کے سبب بغاوت اختیار کی تھی۔ ان باغیوں نے اپنا نام سربدار رکھا تھا جسکے معنی یہ تھے کہ ہم اپنے مقصد کے حاصل کرنے کے لئے جان کی پروا نہیں کرتے سر کو دار پہ لئے پھرتے ہیں۔ انھوں نے سبزوار اور قرب وجوار کے ملک پر قبضہ کر لیا اور اسپر نصف صدی تک قابض رہے۔ اس عرصہ میں بارہ حکمران ہوئے جنمیں سے نو بڑے ظلم سے مارے گئے۔

۶۴۳-۷۹۱ھ ۔ کرت (ہرات) ۱۲۴۵-۱۳۸۹ء

غور میں جو کرت کی نسل تھی وہ ایران کے سلاطین مغلیہ سے بہت دنوں پہلے سے ہرات میں حکومت کرتی تھی خراسان میں جب مغلوں کا ادبار آیا تو کرت کا اقبال چمکا اور جب تک چمکتا رہا کہ تیمور نے ۷۸۳ھ (۱۳۸۱ء) ہرات کو فتح کیا۔ کچھ دنوں یہ خاندان تابع رہ کر ۷۹۱ھ (۱۳۸۹ء) میں بالکل نیست و نابود ہوگیا۔

۷۸۰-۸۷۴ھ ۔ قراقیونلی (ترکمان سیاہ بھیڑ) (آذربائیجان وغیرہ) ۱۳۷۸-۱۴۶۹ء

ان ترکمانوں قراقیونلی (سیاہ بھیڑ) اسلئے کہتے تھے کہ وہ اپنے علم پہ سیاہ بھیڑ کی تصویر بناتے تھے وہ چودھویں صدی کے آخر چوتھائی حصہ میں نہروین کے جنوبی ملک میں حکومت کرتے تھے جلایر سلطان حسین سے انھوں نے دوستی پیدا کرکے اپنے خاندان کی سلطنت آرمینیا اور آذربائیجان میں قائم کی تھی۔ قرا یوسف جو اس خاندان میں پہلے امیر کا جانشین ہوا اسکو تیمور نے کئی دفعہ جلا وطن کیا گو جتنی دفعہ وہ جلا وطن ہوا اتنی ہی دفعہ

وہ پھر آیا۔ اور جب تیمور ۸۰۷ھ (۱۴۰۵ء) میں مر گیا تو اُس نے اپنی مملکت پر پھر آن کر قبضہ کر لیا۔ ان ترکمان سیاہ میشی کو ۸۷۳ھ (۱۴۶۹ء) میں انکے رقیبوں ترکمان آق قیونلی (سفید میشی) کے امیر ازن حسن نے معزول کیا۔

۷۸۰-۹۰۸ھ - آق قیونلی (سفید میشی) آذربائیجان وغیرہ - ۱۳۷۸-۱۵۰۲ء

آق قیونلی (سفید میشی) اپنے رقیبوں قرا قیونلی (سیاہ میشی) کی جگہہ آذربائیجان اور دیار بکر پہ مسلط ہوئے مگر تیس سال بعد ۹۰۸ھ (۱۵۰۲ء) میں اسکو شرور کی لڑائی میں شاہ اسمٰعیل صفوی نے وہ شکست دی کہ پھر تھوڑے دنوں بعد اُن کا نام و نشان باقی نہیں رہا۔

شاہان ایران

شاہان ایران کا سلسلہ ان پانچ خاندانوں سے جو مختلف النسل ہیں بنتا ہے صفوی۔ افغان۔ افشار۔ زند قاچار۔ انمیں سے اول صفوی اپنے تئیں حضرت موسیٰ کاظم کی اولاد میں سے بتاتے ہیں۔ اس خاندان میں سے بہت شیخ مقدس اتقا و ورع و زہد میں مشہور و معروف ہوئے۔ اُن سب کا سرتاج شیخ صفی الدین اردبیلی ہوا۔ اسکے نام نامی سے اس خاندان کا لقب صفوی ہوا۔ شیخ صفوی کی اولاد کی پانچویں نسل میں حیدر پیدا ہوا جسنے اپنے آبائی پیشہ زہد پر جنگ آزمائی کا ہنر اور اضافہ کیا۔ آق قیونلی ترکمانوں سے سردار ازن حسن کی لڑائی جھگڑا شروع کیا اور اُسکے تیسرے بیٹے اسمٰعیل نے اپنے باپ کی تدابیر کی کوجاری رکھکر شروان پر قبضہ کیا اور ۹۰۷ھ (۱۵۰۱ء) میں شرور کے میدان میں ترکمانوں کو بڑی شکست دی اور تبریز کو اپنا دارالسلطنت بنا کے تمام ایران کو فتح کر لیا۔ حاکمان تیموریہ اور چھوٹے موٹے اور امرا سب اسکے مطیع ہوگئے اور چند سال میں شاہ اسمٰعیل کی لشکر کشی خراسان پہونچی اور ہرات تک اسکی نوبت پہونچی اپنی قلمرو میں اس نے جنوبی اضلاع شامل کئے اور سوا اسکے اُسنے اپنی فتح و ظفر سے سلطنت کو ایسی وسعت دی کہ دریائے جیحون سے خلیج فارس تک اور افغانستان سے دریائے فرات تک اسی کی عملداری ہوگئی۔ اسکی مملکت عثمانیہ مملکت کے ساتھ چلنے لگے۔ سنیوں و شیعوں میں ہمیشہ سے سخت عداوت چلی آتی ہے جب ایشیا مائی نر میں شیعوں کا پھیلاؤ بہت سا ہو گیا تھا تو عثمانی ترکوں سے اس کی جنگ ہونی شروع ہوئی سلطان سلیم نے اپنی ایشیائی سلطنت میں چالیس ہزار شیعہ قتل کر ڈالے اور شاہ اسمٰعیل پر لشکر کشی کی۔ اسی ہزار سوار اور چالیس ہزار پیدل کو ساتھ لیکر ایران پر چڑھ گئے اور ۹۲۰ھ (۱۵۱۴ء) میں چالدران کے میدان میں شاہ اسمٰعیل کو مجبوری لڑنا پڑا۔ شنان پاشا اور بالی چیری کی بہادری نے میدان جیت لیا سلطان سلیم فتحمند ہو کر تبریز میں داخل ہوا۔ دیاربکر اور اسکی نواح کے اضلاع کو اپنی مملکت میں داخل کیا کے مشرق کی طرف اسکی سلطنت بڑھانے سے وہ مصر پہ حملہ آوری کو بہتر سمجھا۔ اس زمانہ سے ایران و ترکستان کی سرحد پہ جنگ و فساد

ہونا شروع ہوا اور جارجیا اور آرمینیا کے اضلاع کبھی ایران کے ہاتھ آگئے کبھی ہاتھ سے نکل گئے۔ سرحد عام میں
ایسے انقلاب نہیں ہوا مگر جب ہوا کہ سلطان مراد چہارم نے بغداد کو فتح کیا اور عراق کو سنہ ۱۶۳۸ء میں سلطنت عثمانیہ میں شامل
کیا۔ اسی طرح سے شمالی حد پر ازبک لڑتے رہے اور افغانستان کبھی ایران کی سلطنت کا ایک حصہ بنا کبھی ہندوستان کی
سلطنت کا۔ سنہ ۱۷۴۷ء میں احمد شاہ درّانی نے افغانستان کی ایک جدا سلطنت آزاد و مطلق العنان قائم کی۔ بابر جس نے
ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی بنیاد رکھی شاہ اسمٰعیل کا بڑا یکدل دوست تھا۔ اسکے بیٹے ہمایوں کی دوبارہ سلطنت
حاصل کرنے میں بہت مدد کی تھی۔ خاندان صفویہ میں سنہ ۱۵۸۷-۱۶۲۹ء میں سب سے زیادہ عظیم الشان بادشاہ ایران کا شاہ
عباس ہوا ہے۔ سر انتھونی شرلی نے اسکی سپاہ کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ اُسنے مغربی اضلاع سلطنت عثمانیہ سے
چھین لیے۔ اسکی سلطنت علم و ہنر کی قدر شناسی کیلیے بڑی مشہور ہے اسکے عہد میں علوم و فنون اور علم و ادب کی بڑی ترقی
ہوئی۔ عمارات بڑی رفیع البنیان تعمیر ہوئیں اور اسنے غیر سلطنتوں کے ساتھ اپنے تعلقات کا نہایت ہی شائستہ انتظام
کیا تو یہ اس زمانہ میں تھا کہ اور ملکوں میں بھی بڑے بڑے نامور حکمران تھے جیسے سلطان سلیمان۔ شہنشاہ اکبر اعظم
ملکہ الزبتھ۔ خاندان صفویہ کا زوال اسوقت سے آگیا کہ افغانوں نے محمود کو اپنا افسر بنا کے سرکشی کی اور ہرات اور
مشہد پر قبضہ کر لیا اور شاہ حسین کو شکست دی اور سات مہینے محاصرہ کرکے سنہ ۱۱۳۵ھ / ۱۷۲۲ء میں دارالسلطنت اصفہان کو فتح
کر لیا مگر مازندران میں کچھ اسکی سلطنت کی علامت باقی تھی۔ دس برس تک ایران میں طوائف الملوکی اور بدنظمی رہی
اور روسیوں اور ترکوں کے حملے ہوتے رہے۔ نادر قلی ایک افشار ترک نے یہ بہانہ بنا کے کہ میں خاندان صفویہ کی سلطنت
کو دوبارہ زندہ کرتا ہوں اپنی قوت و قدرت و اختیارات کو بڑھا لیا اور سنہ ۱۱۴۸ھ / ۱۷۳۶ء میں اصل میں ایسا بادشاہ ہو گیا
کہ اسکی سلطنت کو سب نے مان لیا۔ نادر شاہ نے ایران کی سلطنت کو جتنی وسعت میں تھی اپنے قبضہ میں رکھا اور
افغانستان کو مطیع کر لیا اور سنہ ۱۷۳۸ء میں کابل و قندھار کو تسخیر کیا اور لاہور پر آگے بڑھ کر آیا اور کرنال میں محمد شاہ کو
شکست دی دہلی کو سنہ ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۹ء میں لوٹا۔ پھر محمد شاہ سے عہدنامہ ہو گیا۔ اور کچھ زمانہ تک ایران کی سلطنت دریائے سندھ سے
لیکر کوہ قاف تک رہی۔ نادر شاہ نے سلطنت ایران پر بڑا احسان کیا ہے اسی کے سبب اس سلطنت کا نام چلا جاتا ہے۔ ا
فشاریہ خاندان کے صرف چار بادشاہ ہوئے بعد اسکے بدنظمی ایران میں پھیلی جسمیں افغان آزاد خان آذربائیجان کو دبا بیٹھا
اور علی مردان خان بختیاری اصفہان پر متسلط ہوا۔ محمد حسین جو قوم قاچار ترک کا افسر تھا وہ استرآباد پر فرمانروائی
کرتا تھا اور شاہ رخ افشار سے تخت سلطنت کے لیے کریم خان زند لڑا۔ آخر کو زند غالب ہوا سنہ ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء سے ۱۱۹۳ھ / ۱۷۷۹ء
تک سارے کل ایران پر سوا خراسان کے سلطنت کرتا رہا۔ شاہ رخ افشار بھی اگرچہ بوڑھا اور اندھا ہو گیا تھا مگر تیغ زنی

سلطنت کی نمود کچھ دکھاتا تھا۔ جب کریم خاں نے رحلت کی تو بارہ برس تک زند کے جانشینوں اور آقا محمد قاچار کے درمیان جنگ و پیکار کا ہنگامہ برپا رہا۔ آخر کو قاچار غالب ہوا۔ اسی خاندان کے حصہ میں سلطنت آگئی بالفعل جو شاہ ایران ہے اور طہران اسکی دارالسلطنت ہے وہ چوتھا بادشاہ خاندان قاچار کا ہے۔

باب سیزدہم۔ ماوراءالنہر

۹۷ تیموریہ۔ ۹۸ شیبانیہ۔ ۹۹ خانیہ استراخان۔ ۱۰۰ امنگت۔ ۱۰۱ خان قوقند۔ ۱۰۲ خان خیوہ

۷۷۱ – ۹۰۶ھ – ۹۷ تیموریہ – ۱۳۶۹ – ۱۵۰۰ء

چنگیز خاں سے تیمور کچھ قرابت رکھتا تھا۔ اور اسکے بیٹے چغتائی خاں فرمانروائے ماوراءالنہر کا وزیر کوئی تیمور کے باپ دادا میں سے تھا تیمور ۷۳۶ھ/۱۳۳۶ء میں پیدا ہوا اور تغلق تیمور نے اسکو کش کا حاکم مقرر کیا۔ پھر وہ چغتائی خاں سیورغتمش کا وزیر مقرر ہوا جسکی حکومت کو اسنے ۷۷۱ھ/۱۳۶۹ء سے پہلے غصب کر لیا گو اسنے خان اور اسکے جانشین محمود کو برائے نام سلطنت رکھنے کی ۸۰۵ھ میں اجازت دی ۷۸۲ھ/۱۳۸۰ء میں تیمور نے ایران میں لڑائیوں کا سلسلہ جاری رکھا اور سات برس میں خراسان۔ جرجان۔ مازندران۔ سیستان۔ آذربائیجان۔ کردستان کو تسخیر کر لیا ۷۸۹ھ/۱۳۸۸ء میں قبائل سیر اور داخان توق تاموش کے حملے نے تیمور کو گھر کی طرف بلایا۔ اسنے ۷۹۳ھ/۱۳۹۱ء میں ۷۹۷ھ/۱۳۹۵ء میں دو متواتر سخت شکستیں دیں اس اثنار میں ۱۳۹۳ء میں بغداد کو جلایروں سے لیا عراق کو فتح کیا ۱۳۹۸ء میں شمالی ہندوستان داخل ہوا ۸۰۱ھ میں کشمیر اور دہلی کو تاخت و تاراج کیا۔ پھر ایک مہم عظیم مغرب کی طرف کی ۸۰۳ھ میں اناطولیہ پر حملہ کیا اور سیواس اور ملطیہ پر قبضہ کیا ۸۰۴ھ/۱۴۰۲ء میں انگورا میں عثمانی ترکوں کو شکست دی اور سلطان بایزید کو قید کر لیا ایشیائے مائنر کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں قدیمی رئیسوں کو بحال کیا شام کو فتح کیا اور ۸۰۳ھ میں حلب و دمشق پر قبضہ کیا مصر کے مملوک سلطان نے اطاعت اختیار کی چین کی تسخیر کیلئے سفر کیا کہ اترار میں ۷۰ برس کی عمر میں ۸۰۷ھ میں سفر آخرت پیش آیا۔ تیمور کی ان فتوح و فیروزی نے ماوراءالنہر کی سلطنت کو دریائے جیحون سے پرے بڑھایا اور اسکو وہ عظمت و شان و شوکت و سطوت حاصل ہوئی جو پہلے کبھی نہیں حاصل ہوئی تھی۔ سمرقند اس سلطنت کا دارالسلطنت بنا جسکی وسعت عظیم یہ تھی کہ دہلی سے دمشق تک اور بحر ارال سے خلیج فارس تک۔ گو بہت سے ملک ماوراءالنہر کی حکومت سے نکل گئے مگر پھر بھی برسوں تک اسمیں یہ ملک شامل رہے۔ ایران اور افغانستان کا بڑا حصہ سوا ان اضلاع کے جو دریائے جیحون کے باہر تھے۔ تیمور کی سلطنت ایسی وسیع ملک پھیل گئی تھی کہ کوئی تیمور ہی جیسا فرزانہ یگانہ ہوتا تو اسکو سنبھالتا ایران کے چھوٹے چھوٹے خاندان امراء کی کثرت۔ سرحدار مظفریہ۔ جلایریہ بالکل تباہ کر دئیے گئے تھے

ترکوں کو اناتولیہ سے نکالدیا تھا۔ اور مغربی ایشیا میں ہندوکش سے لیکر بحر قلزم تک اسکے خوف سے بادشاہ تھراتے تھے خدا نے اس ایک آدمی کو وہ حکومت و سلطنت دی تھی جو کمتر کسی اور کو عطا کی تھی جب ان فتوح عظیمہ کا حاصل کرنیوالا اس دنیا سے رحلت کر گیا تو عثمانلی ترکوں نے۔ جالیروں۔ ترکمانوں نے اپنے اپنے ملکوں پر جو قبضہ اختیار سے باہر ہوگئے تھے پھر قبضہ کر لیا۔ اگرچہ اولاد تیموریہ نے ایک سو برس تک شمالی ایران پر قبضہ رکھا مگر وہ اپنے ضعف کے سبب خاندان صفویہ کی اقبال کا مقابلہ نہ کرسکے۔ اور جب سولہویں صدی میں چنگیز خاں کے خاندان میں سے شیبان کا خاندان دار السلطنت تیموریہ کے تخت پر بیٹھا تو تیمور کی اولاد کی سلطنت اتنی رہگئی جسکو خانات بخارا نے مدتوں تک قائم رکھا۔ ادھر تیمور کی خود اولاد میں آپس میں بڑے سخت ہنگامہ کارزار گرم ہوئے ادھر رقیبوں نے مخالفت پر کمر باندھی متعرض میں سلطنت چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم ہوئی۔ ایران میں خاندان دولت صفویہ کا اور ماوراء النہر میں دولت سامانیہ کا تسلط ہوگیا مگر اس خاندان تیموریہ میں بابر ایسا خوش اقبال اولو العزم فرزانہ پیدا ہوکر اُسنے ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کی وہ بنیاد ڈالی کہ جسکو صدیوں کے بعد انیسویں صدی میں موت آئی۔

۹۰۶ - ۱۰۰۷ھ — ۹۸ — شیبانیہ — ۱۵۰۰ - ۱۵۹۹ء

ماوراء النہر کے آخر سلطان محمود کے تین بیٹے اس شکستہ حال سلطنت کے لیے آپس میں لڑ رہے تھے کہ ایک اور قوت ایسی پیدا ہوئی کہ جسنے ماوراء النہر کے تمام شہزادوں کا خاتمہ کر دیا اور طوائف الملوکی کی بجائے ایک زبردست سلطنت قایم کی یہ قوت قوم ازبک کی تھی جسکا سردار محمد شیبان تھا جو چنگیز خاں کے خاندان کی بڑے لڑنیوالوں میں سے آخر تھا۔ اُن کا گھر سائی بیریا میں تھا۔ جہاں تاتی یومین کے زار رہتے تھے جنکا ذکر پہلے ہوا۔ مگر انہیں سے ایک بڑا گروہ ازبک کا محمد شیبان اپنے ہمراہ لیکر ماوراء النہر میں آگیا اور شاہزادگان تیموریہ کو جو آپس میں عداوت کے سبب لڑ رہے تھے نکالدیا اور قوم ازبک کی سلطنت قائم کی جو بخارا اور خیوہ کے خانات میں جبتک نہ رہی کہ روسیوں نے اسکو مطیع کیا جسپر چوتھائی صدی کا عرصہ گذرا ہے۔ ازبک کی سلطنت میں کئی خاندانوں نے سلطنت کی۔ اول شیبانیوں نے سولھویں صدی میں ماوراء النہر حکومت کی اور خوارزم (خیوا) میں اسی خاندان کے خان جو محمد شیبان کی اولاد میں تھے حکومت کرتے رہے۔ وہ خراسان کو دولت صفویہ سے لیکر یہاں آئے تھے۔ دوسرے جانی یا استراخانی فرمانروا تھے جو ماں کی طرف سے محمد شیبان کے رشتہ دار تھے انہوں نے سلطنت کی مگر سترھویں اٹھارھویں صدی میں اُنکی سلطنت گھٹتی گئی۔ تیسرا خاندان منگت کا تھا جس نے رشتہ شیبان کے خاندان کو مصاہرت سے پیدا کیا تھا اُسنے بخارا کے خانات کا حق غصب کیا۔ جسکا [illegible] خوقن میں [illegible] اپنے ہمسایہ خانات کو قدیم سے آرہا تھا۔ اور بہت سی ریاستیں خود مختار ہوگئیں جنکے نام یہ ہیں۔ تاشکنت [illegible]

یورنیپا۔ اور اور جگہہ افغانستان کے دُرّانی بھی ستا رہے تھے۔ آخر کار ۱۸۶۸ء میں بخارا۔ خیوا۔ قوقند سب روسیوں کے قبضہ میں آگئے۔ اگرچہ شیبانیوں کا دار السلطنت سمرقند تھا مگر اکثر زیادہ طاقتور اور بعض وقات خود مختار سلطنت بخارا میں تھی۔ کئی دفعہ امیر بخارا عملاً امیر ماوراء النہر ہو چکا تھا۔

۱۰۰۷-۱۲۰۰ھ - ۹۹ جانیہ یا خاندان استراخان - ۱۵۹۹-۱۷۸۵ء

جب روسیوں نے استراخان لے لیا۔ سولھویں صدی کے وسط میں اُسکے دو امیر معزول یار محمد اور اُسکا بیٹا جان بخارا میں اسکندر شیبانی پاس جاکر پناہ گیر ہوئے۔ اسکندر نے فوراً اپنی بیٹی جان سے بیاہ دی جس سے باقی محمد پیدا ہوا جب اس کا ماموں عبداللہ دوم کا انتقال ہوا تو اس انتقال کے ایک برس بعد باقی محمد اپنے ماموں کا جانشین ہوا۔ اور اُسکی اولاد نے سترھویں صدی کے آخر زمانہ میں سمرقند۔ بخارا۔ فرغانہ۔ بدخشاں بلخ پر حکومت کی۔ بعض اوقات بیچ میں خود مختار ریاست بھی ہوگئی۔ اب اس خاندان کی سلطنت کا تنزل شروع ہوا۔ اور آخر کو دُرّانیوں نے اُنکے تمام ملک جو جیحون کے اس طرف تھے لے لئے ۱۷۰۰ء کے قریب قوقند (فرغانہ) میں ایک اور خاندان انکا رقیب کھڑا ہوا ۱۷۸۵ء میں قوم منگت نے جانی خاندان کو نکالدیا ہنوز آخر جانی امیر ابو الغازی سے تحت سلطنت نہیں چھینا تھا کہ ساری سلطنت کے اختیارات منگت کو حاصل ہوگئے تھے

۱۲۰۰-۱۲۸۴ھ - ۱۰۰ منگت - ۱۷۸۵-۱۸۶۸ء

منگت کے معنی چوڑی ناک یا فراخ بینی والے کے ہیں۔ یہ قوم منگت ہم نسل ترکوں کی تھی سولھویں صدی کے شروع میں انھوں نے اپنے وطن دشت قپچاق کو محمد شیبان کی تقلید کرکے چھوڑا۔ وہ دولت استراخان میں بتدریج ذی جاہ ہوئے۔ اور اٹھارہویں صدی کے آخر نصف میں اُنکے سردار فرمانروایان بخارا کے وزیر ہوگئے پھر جنکے وزیر بنے تھے انھیں کو معزول کرکے بادشاہ ہوگئے۔ اب اس مملکت میں وہ وسعت نہیں رہی جو شیبانیوں کے عہد میں تھی وہ بہت کم ہوگئی تھی میر معصوم شاہ نے دُرّانیوں سے اس لئے لڑائیاں کیں کہ دریا جیحون کے اس طرف کی ممالک کو پھر لے لے اسکو چند روزہ کامیابی ہوئی۔ بالفعل جو خان ہے وہ روسیوں کا باجگذار ۱۸۶۸ء سے ہوگیا ہے۔

۹۲-۱۲۸۹ھ - خیوا کے خانان - ۱۵۱۵-۱۸۷۲ء

خوارزم یعنی خیوا میں کسی زمانہ میں اسکے اپنے خاندان کے بڑے بڑے بادشاہ حکومت کرتے تھے وہ جوجی خاں کے خاندان کا جاگیردار تھا۔ اور وہ ماوراء النہر کے خانان سے تیمور کے وقت تک ٹھیک طور سے کچھ تعلق نہیں رکھتا تھا اور قبائل سیر اوردا سے تعلق رکھتا تھا جب تیمور کے زمانہ کے بعد ملک میں ہل چل پڑی تو محمد شیبانی کے ازبکوں نے خیوا پر اسیطرح قبضہ کیا جس طرح ماوراء النہر پر اور ۱۵۱۵ء میں ازبکوں کی ایک ریاست قائم ہوگئی جسکی ابتدائی

تاریخ معلوم نہیں۔ بخارا کبھی تو برابر لڑائیوں میں کامیابیاں اور ناکامیاں ہوتی رہیں سنہ ۱۷۴۰ء میں نادر شاہ نے خیوا کو فتح کر لیا۔ اور ایک برس تک وہاں ایک ایرانی حاکم رہا۔ آخر کو جنرل کوف مین نے سنہ ۱۸۷۳ء میں اسکو روسیوں کی سلطنت کا ایک ضلع بنا لیا۔

۱۱۱۲ — ۱۲۹۳ھ ۱۰۲ خانان قوقند ۱۷۰۰ — ۱۸۷۶ء

شاہ رخ جو چنگیز خاں کی اولاد میں تھا وہ فرغانہ میں خودمختار رئیس بن گیا سنہ ۱۷۱۰ء میں قوقند کی ریاست قائم کی۔ قوقند میں تاشقند شامل ہو گیا۔ یہ سب سنہ ۱۸۷۶ء میں روسیوں کے قبضہ میں آگئے۔

باب چہاردہم۔ ہندوستان و افغانستان

(۱۰۳) غزنویہ (۱۰۴) غوری (۱۰۵) سلاطین دہلی (۱۰۶) شاہان بنگال (۱۰۷) شاہان جونپور (۱۰۸) شاہان مالوہ (۱۰۹) شاہان گجرات (۱۱۰) شاہان خاندیس (۱۱۱) دکن کے شاہان (۱۱۲) برار کے عماد شاہی (۱۱۳) احمد آباد کے نظام شاہی (۱۱۴) بیدر کے برید شاہی (۱۱۵) بیجاپور کے عادل شاہی (۱۱۶) گولکنڈہ کے قطب شاہی (۱۱۷) ہندوستان کے شاہنشاہان (۱۱۸) امیران افغانستان۔

ہندوستان و افغانستان

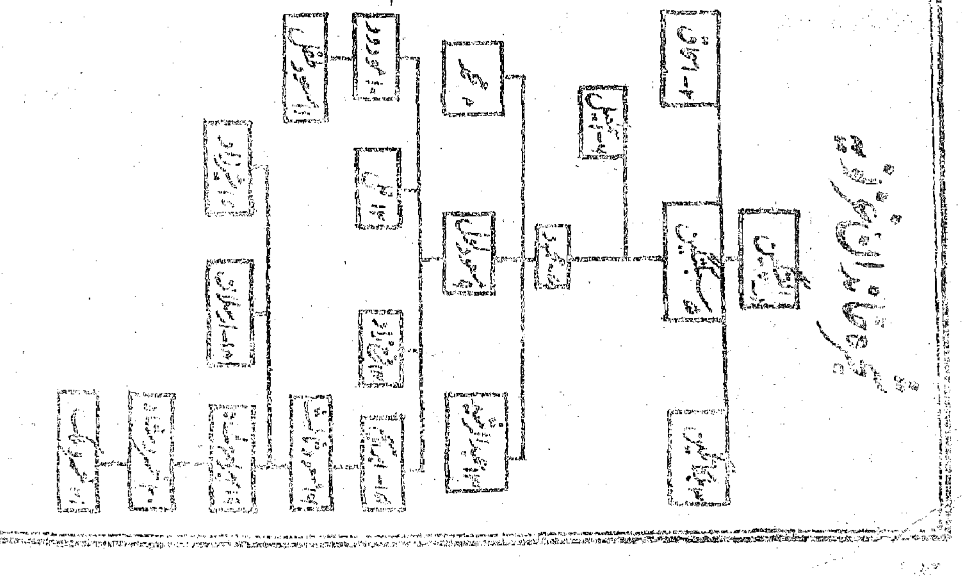
خلفاء عرب سے کبھی ہندوستان کے کسی حصہ عظیم کا تعلق نہیں ہوا۔ جب اہل عرب نے ہرات کو فتح کر لیا تو اُس کے بعد سنہ ۴۴ھ میں وہ کابل میں آن دھمکے اور یہاں سے ملتان پر آ پہنچے مگر انھوں نے یہاں مستقل اقامت و حکومت کا ارادہ نہیں کیا۔ جنوب کی طرف جو آگے بڑھے تو اُس سے نتائج مستقل پیدا ہوئے۔ اہل اسلام نے اپنی ابتدائی بحری چھیڑ چھاڑ سمندر میں سندھ کے دہانے تک شروع کر دی تھی اور سنہ ۹۲ھ میں محمد قاسم نے سندھ کو فتح کر لیا اور ملتان تک قبضہ کر لیا۔ مگر پھر اہل عرب نے یہاں اپنی سلطنت کے وسیع کرنے کا خیال نہیں کیا۔ تقریباً دو سو برس تک اہل عرب نے سندھ پر حکمرانی کی اور یہاں حاکم اپنی طرف سے مقرر کرتے رہے۔

اہل اسلام نے ہندوستان کو ملک سندھ کی راہ سے نہیں فتح کیا بلکہ افغانستان کی راہ سے۔ ہندوکش کے جنوبی کوہستانی ملکوں کو اہل عرب کا اپنی مملکت میں الحاق ملانا عارضی اور چند روزہ تھا مگر سیستان کے امیر یعقوب بن لیث صفار نے اول کابل میں اہل اسلام کی مستقل حکومت جما دی۔ دولت صفاریہ کی حکومت کے بعد دولت سامانیہ اپنی طرف سے یہاں حاکم مقرر کرنے لگی۔ خلفاء سامانیہ کی طرف سے ایک صوبہ کا حاکم الپتگین تھا اس نے غزنی (غزنہ) میں ایک خودمختار و آزاد سلطنت دولت اسلامیہ کی قائم کی۔

اسکے بعد غزنی دوسو برس تک دارالسلطنت خاندان غزنویہ کا رہا۔ یہ خاندان بھی سلطنت اسلامیہ میں پایہ بلند رکھتا ہے۔ سلاطین غزنویہ نے ہندوستان پر حملہ کرکے اور لاہور میں اقامت اختیار کرکے درحقیقت ہندوستان میں سلطنت اسلامیہ کی ابتدا کی ہے۔ لاہور میں سلطنت غزنویہ نے محمد بن سام غوری کو ہندوستان میں فتح وظفر کی راہ بتائی اور دہلی میں اسی کے سبب وہ سلاطین ہوئے جنھوں نے سارے شمالی ہندوستان میں اپنی حکومت و تسلط کو قائم کرلیا۔ پھر بابر نے ہندوستان پر حملہ کرکے ان تمام جھگڑوں کو مٹادیا جو دہلی کی سلطنت کی بابت آپس میں ہو رہے تھے اور جنکے سبب سے حکومت میں ضعف آگیا تھا۔ بعد ازاں بابر کے پوتے اکبر نے کل ہندوستان پر اپنی سلطنت کا نقارہ بجوایا اور سلطنت بڑی شان و شوکت و عظمت کی قائم کی جس کا خاتمہ اس صدی میں ہوا۔

۳۵۱-۵۸۲ھ - ۱۰۳ غزنویہ (افغانستان و پنجاب) ۹۶۲-۱۱۸۶ء

سلاطین سامانیہ کو شوق تھا کہ وہ ترک غلاموں کو اعلیٰ عہدے دینے سے اور صوبوں کا حاکم مقرر کرنے سے بڑے خوش ہوتے تھے چنانچہ سلطان عبدالملک نے اپنے غلام الپتگین کو خراسان میں اپنی سپاہ کا سپہ سالار مقرر کیا لیکن جب عبدالملک نے اس دنیا سے رحلت کی تو الپتگین اپنے منصب عالی سے محروم کیا گیا وہ ناراض ہوکر ۳۵۱ھ میں شہر غزنی میں چلا آیا۔ جو کوہستان سلیمان کے مرکز میں واقع تھا الپتگین کا غلام سبکتگین تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اسکا داماد بھی تھا اُسنے دولت غزنویہ کو قائم کردیا اور اُسنے اپنی سلطنت کو دونوں طرف ہندوستان میں راجپوتوں کو شکست دیکر پشاور میں اپنی حکومت قائم کی اور ایران میں خراسان کو چھین لیا۔ سبکتگین کا بیٹا سلطان محمود تو ہندوستان کی سلطنت اسلامیہ کی تاریخ کا سرخیل ہے اسکے بارہ حملے ہندوستان پر مشہور ہیں۔ تاریخ میں سلطان محمود کا حال مفصل پڑھو کہ اُسنے اپنی سلطنت لاہور، سمرقند اور اصفہان تک قائم کرلی۔ پھر ۵۸۲ھ ۱۱۸۶ء میں سلطنت غزنویہ غوریوں کے ہاتھ لگی۔



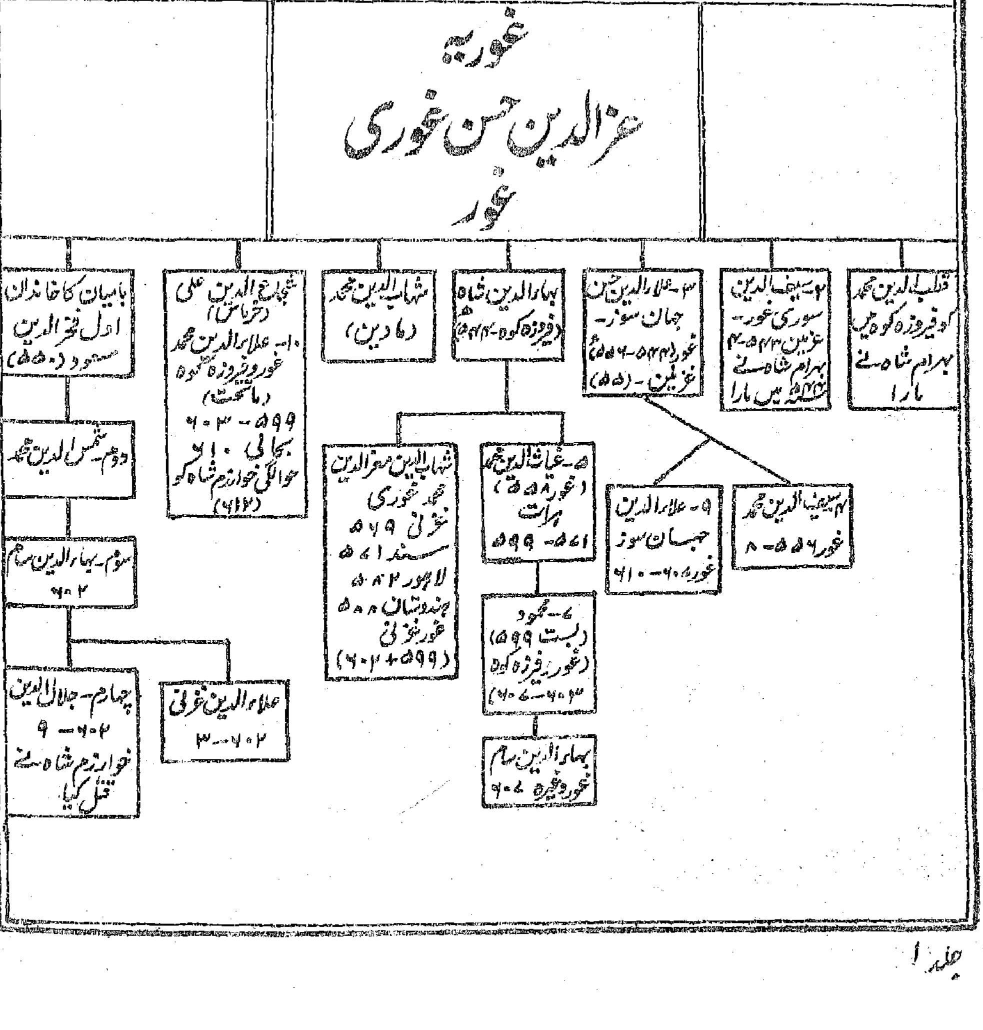
نقطہ دار خط غلام اور آقا کے تعلق کو بتاتا ہے

۵۴۳ - ۶۱۲ھ - ۱۰۴ غوری (افغانستان و ہندستان) ۱۱۴۸ - ۱۲۱۵ء

مدتوں سے غور کا کوہستانی ضلع جو ہرات اور غزنی کے درمیان تھا ایک ریاست خود مختار چلی آتی تھی اور فیروز کوہ اسکی دار الریاست تھی۔ محمود غزنوی نے ۴۰۱ھ/۱۰۱۰ء میں اس ریاست کو جو وقت افغان محمد بن سوری اسمیں حکومت کرتا تھا۔ فتح کر لیا۔ اسی سردار کی اولاد میں سے دولت غزنویہ کیطرف سے فیروزہ کوہ اور بامیان میں حکمران مقرر ہوتے تھے۔ جب بہرام شاہ غزنوی نے اس خاندان میں سے اپنے داماد قطب الدین محمد کو قتل کروا دیا تو اسکے بھائی سیف الدین سوری حاکم غور نے انتقام لیا اور ۵۴۳ھ/۱۱۴۸ء میں غزنی کو تسخیر کر لیا۔ مگر آئندہ سال میں بہرام شاہ پھر داخل ہوا اور اس نے سیف الدین کو قتل کر ڈالا مگر اس وحشیانہ قتل نے ایک اور غزنی پر قیامت برپا کی کہ اسکے بھائی علاء الدین جہانسوز نے شہر غزنی کو تباہ اور جلا کر خاک سیاہ کر دیا۔ اس شہر کو جلا ہی چکا کہ وہ غور میں آیا۔ کچھ دنوں خراسان میں سلطان سنجر سلجوقی کی قید میں رہا اور ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء میں مر گیا اسوقت بیابانی جیل رہنے کی غز خان ترکمان افغانستان کو پامال کر رہا تھا اور اس نے دونوں غزنی والوں اور غوریوں کی حکومت کو اٹھا دیا تھا۔ غز خان تو یہاں سے ایران کو گیا علاء الدین جہانسوز کے دو بھتیجوں نے دولت غوریہ کو پھر قائم کر دیا۔ بڑا انمیں غیاث الدین بن سام تھا اس نے ۵۶۹ھ/۱۱۷۳ء میں غز سے غزنی لے لیا اور دو برس بعد ہرات کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا غرض وہ اپنی زندگی میں اپنے خاندان کی کل مملکت پر بادشاہ رہا اور ۵۹۹ھ/۱۲۰۲ء میں اس جہان سے رخصت ہوا۔ اسکا چھوٹا بھائی شہاب الدین جسکو معز الدین بھی کہتے ہیں جسکا عرف محمد غوری ہے وہ اس مملکت کا بادشاہ ہوا۔ اور اس نے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ اس نے سلجوقیوں سے خراسان کا ایک حصہ چھین لیا اور پھر ہندوستان پر حملوں کا سلسلہ باندھ دیا ۵۷۱ھ میں سندھ و ملتان کو فتح کر لیا۔ یہاں کے لوگ غزنی حاکموں کی سلطنت کے سبب سے مسلمانوں کی سلطنت سے آشنا ہو گئے۔ خاندان غزنویہ کو محکوم کیا جو بھاگ کر آخر کو ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں لاہور میں آ گئے تھے پھر اس نے اجمیر کے راجہ پرتھوی ناتھ چوہان سے لڑائی کی۔ مگر ۵۸۷ھ کی لڑائی میں اسکا بڑا نقصان ہوا۔ سال آئندہ میں تھانیسر کے میدان میں اس راجہ کو شکست فاش دی اس میں راجہ پرتھی راج اور ۱۵۰ راجہ جو ہندوستان کی حفاظت کیلئے جمع ہوئے تھے مارے گئے۔ اس فتح نے سارے شمالی ہندوستان کو مسلمانوں کا محکوم بنا دیا ۱۱۹۴ء میں قنوج فتح ہوا۔ اور محمد غوری کے سپہ سالاروں نے گوالیار۔ بندیلکھنڈ۔ بہار۔ بنگال۔ بعد ایک دوسرے کے فتح کر لیے۔ اول دفعہ تھی کہ کل ہندوستان مسلمانوں کا کم و بیش مطیع ہو گیا۔

جبتک محمد غوری کا بھائی غیاث الدین زندہ رہا وہ اسکا نائب وفادار اور خیر خواہ رہا ۵۹۹ھ/۱۲۰۲ء میں اسنے انتقال کیا

تو اسکا جانشین ہوا اول کام اسکا یہ تھا کہ وہ خوارزم شاہ سے اپنی سلطنت کو بچائے خوارزم شاہ نے ایران کو فتح کر لیا تھا اور افغانستان کی طرف وہ بزور دخل کرتا ہوا چلا آتا تھا۔ اسکی حملہ آوری میں محمد غوری کو ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں گکھڑوں نے قتل کر ڈالا پھر اسکے خاندان میں بہت دنوں تک سلطنت نہیں باقی رہی۔ اسکا بھتیجا محمود اس سلطنت عظیم میں کہ چچا نے پیدا کی تھی سلطان ہوا۔ ترکی غلام جو محمد غوری کی سلطنت میں سپہ سالار تھے وہ خود مختار اور آزاد ہو گئے۔ غلام بادشاہوں میں اول مسلمان بادشاہ ہندوستان کا قطب الدین ایبک دہلی میں ہوا۔ سندھ میں ناصر الدین قباچہ حکومت کرنے لگا غزنی میں یلدوز خاں سلطنت کرتا تھا جو غوریوں کے برائے نام سلطان فیروزہ کوہ میں ہوتے تھے وہ فقط مغربی افغانستان میں غور اور ہرات پر حکومت کرتے تھے کچھ حصہ خراسان کا بھی انکے پاس تھا ۶۱۲ھ/۱۲۱۵ء میں خوارزم شاہ نے ان بلاد سے بھی غوریوں کو نکال دیا۔ مدتوں کے بعد اس خاندان نے اپنی موروثی سلطنت کا کچھ حصہ پھر لے لیا۔ ہرات کے شاہزادہ کرت اپنے تئیں سلطان محمود غوری کی اولاد سے بتاتے ہیں۔



۶۰۲ — ۹۶۲ھ — ۱۰۵ سلاطین دہلی ہندوستان — ۱۲۰۶ — ۱۵۰۴ء

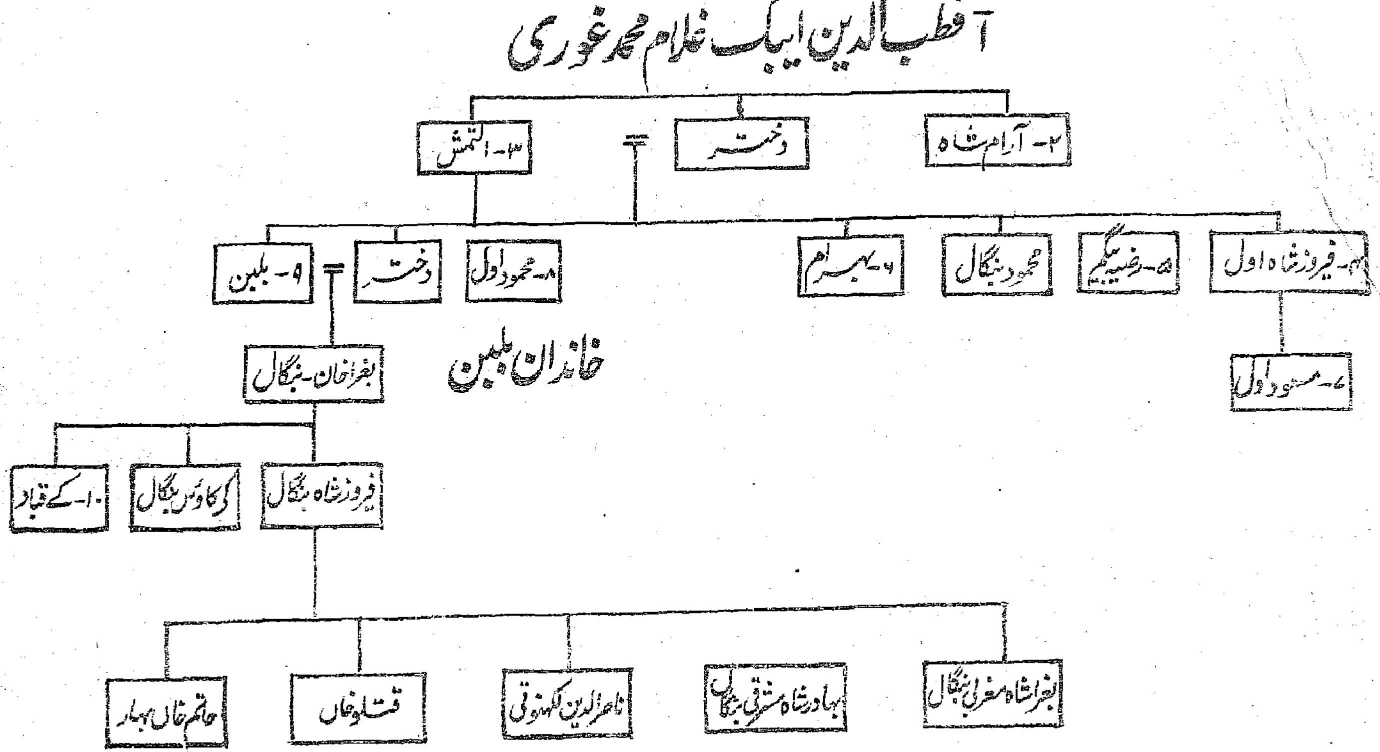
چونکہ تمام سلاطین کا حال مفصل تاریخ میں بیان کیا گیا ہے اس لئے یہاں فقط بادشاہوں کے نام اور اُن کی تخت نشینی کے سنہ لکھے ہیں

۱- غلام بادشاہ

ہجری سنہ	نام بادشاہ	سنہ عیسوی
۶۰۲	قطب الدین ایبک	۱۲۰۶
۶۰۷	آرام شاہ	۱۲۱۰
۶۰۷	شمس الدین التمش	۱۲۱۰
۶۳۳	رکن الدین فیروز شاہ اول	۱۲۳۵
۶۳۴	رضیہ بیگم	۱۲۳۶
۶۳۷	معز الدین بہرام شاہ	۱۲۳۹
۶۳۹	علاء الدین مسعود شاہ	۱۲۴۱
۶۴۴	ناصر الدین محمود شاہ	۱۲۴۶
۶۶۴	غیاث الدین بلبن	۱۲۶۵
۶۸۶	معز الدین کیقباد	۱۲۸۷
	(ب خلجی بادشاہ)	
۶۸۹	جلال الدین فیروز شاہ دوم	۱۲۹۰
۶۹۵	رکن الدین ابراہیم شاہ	۱۲۹۵
۷۱۵	علاء الدین محمد شاہ	۱۲۹۵
۷۱۵	شہاب الدین عمر بادشاہ	۱۳۱۵
۷۱۶	قطب الدین مبارک شاہ	۱۳۱۶
۷۲۰	ناصر الدین خسرو شاہ	۱۳۲۰
	(ت تغلق بادشاہ)	
۷۲۰	غیاث الدین تغلق شاہ	۱۳۲۰
۷۲۵	محمد دوم بن تغلق	۱۳۲۴
۷۵۲	فیروز شاہ سوم	۱۳۵۱

سنہ	نام بادشاہ	سنہ ع
۷۹۰	تغلق شاہ دوم	۱۳۸۸
۷۹۱	ابوبکر شاہ	۱۳۸۸
۷۹۲	محمد شاہ سوم	۱۳۸۹
۷۹۵	سکندر شاہ اول	۱۳۹۲
۷۹۵	محمود شاہ دوم	۱۳۹۲
۷۹۷	نصرت شاہ (وقفہ)	۱۳۹۴
۸۰۲	محمود ثانی - بحال ہوا	۱۳۹۹
۸۱۵	دولت خاں لودی	۱۴۱۲
	(ث سید بادشاہ)	
۸۱۷	خضر خاں	۱۴۱۴
۸۲۴	معز الدین مبارک شاہ دوم	۱۴۲۱
۸۳۷	محمد شاہ چہارم	۱۴۳۳
۸۴۷	عالم شاہ	۱۴۴۳
	(ج لودی بادشاہ)	
۸۵۵	بہلول لودی	۱۴۵۱
۸۹۴	سکندر شاہ دوم بہلول	۱۴۸۸
۹۲۳	ابراہیم بن سکندر	۱۵۱۷
۹۳۰	حملہ بابر	۱۵۲۶
	(ح - افغان بادشاہ)	
۹۴۶	شیر شاہ	۱۵۳۹
۹۵۲	اسلام شاہ	۱۵۴۵
۹۶۰	عادل شاہ محمد	۱۵۵۲
۹۶۱	ابراہیم سور	۱۵۵۳
۹۶۲	سکندر شاہ سور	۱۵۵۴

۱- غلام بادشاہ



ہندوستان

ب- شاہان خلجی

- ۱۱- فیروز شاہ
  - ۱۲- ابراہیم اول
- نامعلوم
  - ۱۳- محمد اول
    - ۱۴- عمر
    - ۱۵- مبارک اول
      - ۱۶- خسرو شاہ

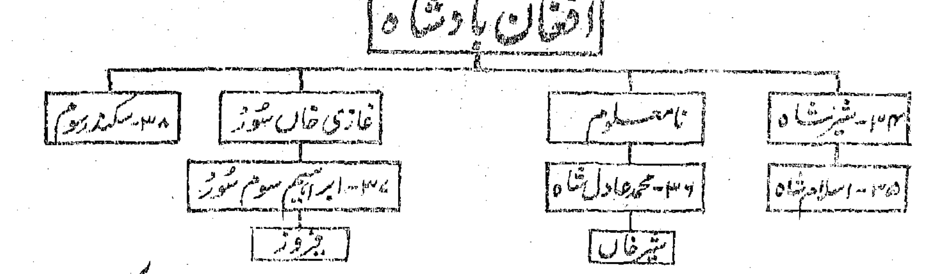
ت- شاہان تغلق

- ۱۷- تغلق اول
  - ۱۸- محمد جونا
    - محمود
- سپہ سالار پنجاب
  - ۱۹- فیروز شاہ سوم
    - فتح خاں
      - ۲۰- تغلق دوم
      - ۲۵- نصرت
    - ۲۱- ظفر خاں
    - ۲۲- محمد خاں سوم
      - ۲۳- سکندر اول
      - ۲۴- محمود دوم

ث- شاہان سید

۲۶- خضر

- ۲۷- مبارک شاہ دوم
- فرید
  - ۱۹- محمد چہارم
    - ۳۰- شاہ عالم



ہندوستان کے صوبوں میں جنہوں نے بادشاہی کی

محمد تغلق کی سلطنت میں سارا ہندوستان داخل تھا۔ بنگالہ اور اضلاع دکن بھی اسمیں شامل تھے۔ اسکی موت سے پہلے دور کے اضلاع نے خود مختاری اختیار کی تھی اور پندرھویں صدی کا آغاز ہی تھا کہ اسکی مملکت کا بڑا حصہ سوا ہندو راجاؤں کے سات مسلمانی خاندانوں کے تصرف میں تھا۔

سنہ ھ			سنہ ع
۵۹۹ — ۹۸۴	۱	حکام اور بادشاہ بنگال	۱۲۰۲ — ۱۵۷۶
۷۹۶ — ۹۰۵	۲	جونپور کے شاہان شرقی	۱۳۹۴ — ۱۵۰۰
۸۰۴ — ۹۳۷	۳	شاہان مالوہ	۱۴۰۱ — ۱۵۳۰
۷۹۹ — ۹۸۰	۴	شاہان گجرات	۱۳۹۶ — ۱۵۷۲
۷۳۵ — ۹۹۵	۵	شاہان کشمیر	۱۳۳۴ — ۱۵۸۷
۸۰۱ — ۱۰۰۸	۶	خاندیس کے شاہان فاروقی	۱۳۹۹ — ۱۵۹۹
۷۴۸ — ۹۳۳	۷	گلبرگہ کے شاہان بہمنیہ	۱۳۴۷ — ۱۵۲۶

جب شاہان بہمنیہ کا زوال آیا تو اُن کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اس طرح تقسیم ہوئی

سنہ ھ			سنہ ع
۸۹۰ — ۹۸۰	۸	عماد شاہیہ برار	۱۴۸۴ — ۱۵۷۲
۸۹۶ — ۱۰۰۴	۹	نظام شاہیہ احمد نگر	۱۴۹۰ — ۱۵۹۵
۸۹۰ — ۱۰۱۸	۱۰	برید شاہیہ بیدر	۱۴۹۲ — ۱۶۰۹
۸۹۵ — ۱۰۹۷	۱۱	عادل شاہیہ بیجاپور	۱۴۸۹ — ۱۶۸۶
۹۱۸ — ۱۰۹۸	۱۲	قطب شاہیہ گول کنڈہ	۱۵۱۲ — ۱۶۸۷

اکبر نے دکن میں ہندو راجاؤں کے ملک کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا تھا۔ اورنگزیب نے ان مسلمانوں کے ملکوں کو اپنی سلطنت میں داخل کر لیا۔

۵۹۹ – ۹۸۴ھ – ۱۰۶ بنگال کے حاکم اور بادشاہ – ۱۲۰۲ – ۱۵۷۶ء

بنگال کا اول فتح کرنیوالا اختیار تھا۔ اسوقت جو صوبہ بنگال ہے زیادہ تر اسکا ایک حصہ اس نے اپنی دار السلطنت لکھنوتی کے گرد فتح کیا تھا۔ تیرہویں صدی کے پہلے حصہ میں سنارگاؤں (ستگاؤں) کو مسلمانوں نے اپنے حاکموں کے رہنے کیلئے دار الخلافت مقرر کیا۔ فیروز آباد (پنڈوہ) تین صوبوں کا دار الحکومت سنہ ۸۵۰ھ/۱۴۴۶ تک رہا۔ اسکے بعد پھر دار الحکومت لکھنوتی میں منتقل ہوا جسکا نام پہلے گور مشہور ہوا اور سنہ ۹۸۲ھ/۱۵۷۴ تک دار الحکومت رہا۔ پھر اسکے بعد تانڈہ دار الحکومت مقرر ہوا۔ بعض اوقات بنگال کے حاکموں کے ماتحت بہار رہتا تھا اور کبھی کبھی چاٹگاؤں (چٹ گام) اور اوڑیسہ بھی انکے زیر فرمان رہتے تھے۔ جب شاہان دہلی کی قوت و قدرت میں ضعف آتا تو حاکمان بنگالہ خود مختاری اختیار کرتے اور بعض حاکموں کے خاندان بادشاہی حاصل کر لیتے۔ بنگال میں یہی حال سنہ ۹۴۴ھ میں تھا مگر جب ۹۴۶ھ/۱۵۳۹ میں شیر شاہ نے شکست دی تو پھر حاکم مقرر ہونے شروع ہوئے اور سنہ ۹۶۰ھ میں پھر وہ آزاد خود مختار ہو کر بادشاہ بن بیٹھے۔ شہنشاہ اکبر نے بہار کو سنہ ۹۸۲ھ میں فتح کیا اور سنہ ۹۸۴ھ/۱۵۷۶ سے سلاطین مغلیہ کا تسلط پورا ہو گیا۔

۱۔ حاکمان بنگالہ

- محمد بختیار خاں خلجی — ۵۹۹/۱۲۰۲
- عزیز الدین محمد شیران — ۶۰۲/۱۲۰۵
- علاء الدین مردان — ۶۰۵/۱۲۰۸
- غیاث الدین عوض — ۶۰۸/۱۲۱۱
- ناصر الدین محمود — ۶۲۴/۱۲۲۶
- علاء الدین جانی — ۶۲۷/۱۲۲۹
- سیف الدین ایبک — ۶۲۷/۱۲۲۹
- امین خاں
- مغیث الدین تغلق طغرل — ۶۷۷/۱۲۷۸
- ناصر الدین بغرا خاں — ۶۸۱/۱۲۸۲
- رکن الدین کیکاؤس — ۶۹۱/۱۲۹۱
- شمس الدین فیروز شاہ — ۷۰۲/۱۳۰۲
- شہاب الدین بغرا شاہ مغربی بنگال — ۷۱۸/۱۳۱۸
- غیاث الدین بہادر مشرقی بنگال — ۷۱۰/۱۳۱۰
- تمام بنگال — ۷۱۹/۱۳۱۹

- عزیز الدین طغرل توغان خاں — ۶۳۱/۱۲۳۳
- قمر الدین تمر خاں قران — ۶۴۲/۱۲۴۴
- اختیار الدین (مغیث الدین) یوسبک — ۶۴۴/۱۲۴۶
- جلال الدین مسعود ملک جانی — ۶۵۶/۱۲۵۸
- عز الدین بلبن — ۶۵۷/۱۲۵۸
- محمد ارسلان تاتار خاں — ۶۵۹/۱۲۶۰
- شیر خاں

یہ چھ حاکم سلطان بلبن دہلی کے خاندان کے ہیں

- ناصر الدین — ۶ — ۷۲۳ / ۵ — ۱۳۲۳
- بہادر بہرام کے ساتھ ہوا — ۳ — ۷۲۵ / ۳۰ — ۱۳۲۴

مشرقی بنگال

- بہرام شاہ تنہا — ۹ — ۷۳۱ / ۸ — ۱۳۳۰
- قدر خاں لکھنوتی — ۴۰ — ۷۲۶ / ۳۹ — ۱۳۲۵
- عز الدین اعظم الملک ستگاؤں — ۴۰ — ۷۲۴ / ۳۹ — ۱۳۲۳

سنہ — سنہ

۷۳۹-۹۸۲ھ ب شاہان بنگال ۱۳۳۸-۱۵۷۴

۷۳۹-۵ فخر الدین مبارک شاہ مشرقی بنگال ۱۳۳۸-۴۹

۷۵۰-۳ اختیار الدین غازی شاہ مشرقی بنگال ۱۳۴۹-۵۲

۷۴۰-۶ علاء الدین علی شاہ مغربی بنگال ۱۳۳۹-۴۵

(خاندان الیاس)

۷۴۰-۶ شمس الدین الیاس شاہ (مغربی بنگال) ۱۳۳۹-۴۵

۷۴۶ " " ۱۳۴۵

۷۵۳-۹ شمس الدین الیاس شاہ تمام بنگال ۱۳۵۲-۸۹

۷۵۹-۹۲ سکندر شاہ اول بن الیاس

۷۹۲ غیاث الدین اعظم شاہ بن سکندر نے سرکشی کی اور سلطنت کی ۱۳۸۹

۷۹۹ سیف الدین حمزہ شاہ بن اعظم ۱۳۹۶

۸۰۹ شمس الدین احمد شاہ بن محمد ۱۴۳۱

(راجہ کنس کا خاندان)

۸۱۲ شہاب الدین بایزید شاہ (راجہ کنس کے ساتھ) ۱۴۰۹

۸۱۷ جلال الدین محمد شاہ بن راجہ کنس ۱۴۱۴

۸۳۵ شمس الدین احمد شاہ بن محمد شاہ ۱۴۳۱

(خاندان الیاس پھر بحال ہوا)

۸۴۶ نصیر الدین محمد شاہ ۱۴۴۲

۸۶۴ رکن الدین باربک شاہ ۱۴۵۹

۸۷۹ شمس الدین یوسف شاہ بن باربک ۱۴۷۴

۸۸۶ سکندر شاہ دوم بن یوسف ۱۴۸۱

۸۸۶ جلال الدین فتح شاہ بن محمود اول ۱۴۸۱

(شاہان حبشی)

سنہ — سنہ

۸۹۲ سلطان شہزاد باربک ۱۴۸۶

۸۹۲ سیف الدین فیروز شاہ ۱۴۸۶

۸۹۵ ناصر الدین محمود شاہ دوم بن فتح شاہ خاندان الیاس ۱۴۸۹

۸۹۶ شمس الدین ابو نصر مظفر شاہ ۱۴۹۰

(خاندان حسین شاہ)

۸۹۹ علاء الدین حسین شاہ ۱۴۹۳

۹۲۵ ناصر الدین نصرت شاہ بن حسین ۱۵۱۸

۹۳۹ علاء الدین فیروز شاہ دوم بن نصرت ۱۵۳۲

۹۳۹ غیاث الدین محمود شاہ سوم بن حسین کچھ حصہ پر فرمانروا ۱۵۳۳-۱۵۳۸

۹۴۴ ہمایوں کی فتح ۱۵۳۷

(خاندان محمد افغان سور)

۹۶۰ شمس الدین محمد غازی شاہ پور ۱۵۵۲

۹۶۲ بہادر شاہ (خضر) محمد غازی شاہ سور ۱۵۵۴

۹۶۸ غیاث الدین جلال شاہ بن محمد غازی خاں سور ۱۵۶۰

۹۷۱ اوپر کے بادشاہ کا بیٹا ۱۵۶۳

خاندان سلیمان قرانی (کرانی)

۹۷۱ سلیمان خاں قرانی (بہار و بنگال) ۱۵۶۳

۹۸۰ بایزید شاہ بن سلیمان ۱۵۷۲

۹۸۰ داؤد شاہ بن سلیمان ۱۵۷۲

۹۸۴ شاہان مغلیہ ۱۵۷۶

۷۹۶-۹۰۹ھ مشرقی شاہان (جونپور) ۱۳۹۴-۱۵۰۰

شاہان شرقی

تغلق کے گھرانے میں سلطان محمود کا وزیر خواجہ جہان تھا۔ وہ اپنے بادشاہ صغیر سن کو چھوڑ کر جونپور میں چلا آیا۔ اور یہاں جدا اپنی خود مختار سلطنت قایم کی۔ اس نے اور اسکے جانشینوں نے بہار۔ اودھ۔ قنوج۔ بہرائچ اور کچھ دور ملک پر خوب سلطنت کی۔ انکی عمدہ یادگاریں اس امر کی شہادت دیتی ہیں اور شاہان دہلی سے جو ان کے آقا تھے خوب لڑائیاں لڑے۔ شاہان دہلی اور شاہان مالوہ نے دو دفعہ انکا محاصرہ کیا ۸۵۶ھ ۱۴۵۲ء میں اور بعض کے نزدیک ۸۸۴ھ میں سکندر بن بہلول نے جونپور کو فتح کرکے دہلی میں شامل کرلیا۔ مگر حسین شاہ شرقی کے جو وابستے تھے انھوں نے کئی برسوں تک پھر اسکے آزاد کرکے بحال کرنے میں کوشش کی۔

سنہ ھ		سنہ ع
۷۹۶	خواجہ جہان	۱۳۹۴
۸۰۲	مبارک شاہ	۱۳۹۹
۸۰۳	شمس الدین ابراہیم شاہ شرقی بن مبارک شاہ	۱۴۰۰
۸۴۴	محمود شاہ بن ابراہیم شاہ	۱۴۴۰
۸۶۱	محمود شاہ بشراکت اپنے باپ محمود	۱۴۵۸

بنگال کو بھاگا ۸۱ھ میں مرگیا   بعد ازاں سلاطین دہلی کی سلطنت شروع ہوئی

۸۰۴ — ۹۳۷ شاہان مالوہ ۱۴۰۱ — ۱۵۳۰

مالوہ راجپوتوں کی قدیمی سلطنت تھی اس نے مسلمانوں کے حملوں کا بہت دنوں تک مقابلہ کیا۔ یہاں کے راجپوتوں کا خاندان بڑا مشہور اور نامور تھا اور انکا دارالسلطنت اجین تھا جو ہندوستان میں علم فضل و ہنر میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا بیس برس تک لڑتے رہے مگر آخر کو سلطان بلبن نے اسے فتح کرلیا۔ اس کی قدرتی حدود یہ تھیں جنوب میں دریاء نربدا۔ شمال میں دریاء چنبل اور مغرب و مشرق میں گجرات اور بندیلکھنڈ۔ شاہان خلجی کے عہد میں اس میں ہوشنگ آباد۔ اجمیر۔ رنتھنبور اور ایلچپور بھی داخل تھے اور کبھی کبھی وہ چتوڑ سے بھی زبردستی خراج لیتا تھا۔ اس میں مسلمانوں کی دارالسلطنت مانڈو تھی جسکی بنیاد ہوشنگ غوری نے رکھی تھی۔ وہ ایک مرتفع زمین پر واقع ہے اور پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ اسمیں محل اور مساجد بڑی رفیع الشان اور عظیم البنیان بنے ہوئے ہیں اس میں دو مسلمانوں کے خاندانوں نے سلطنت کی۔ ایک خاندان کا بانی اول دلاور خان تھا جسکو دہلی کے بادشاہ نے وہاں حاکم مقرر کیا تھا۔ اس خاندان میں فقط اس نے اور اسکے بیٹے اور پوتے نے سلطنت کی

دوسری خاندان کا بانی اول محمود خلجی تھا جو دلاور خاں کے پوتے کا وزیر تھا۔ اس خاندان کا جب زوال آگیا تو سنہ ۹۳۷ / ۱۵۳۰
میں ہمسایہ بادشاہ گجرات نے مالوہ اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ اسکے ساتھ مالوہ کے حاکم ہمیشہ لڑائیاں لڑتے رہے۔ خلجیوں کی
قوم جنگجو تھی اور وہ مالوہ کے ہتیاروں کو شمال میں دہلی کے دروازہ تک لے گئی تھی اور جنوب میں بیدر تک۔
چتوڑ اور چندیری کے راجپوتوں سے ہمیشہ انکا عناد و فساد رہا۔

سنہ	اول غوری	سنہ ع		سنہ	دوم خلجی	سنہ ع
				۸۳۹	محمود شاہ اول خلجی	۱۴۳۵
۸۰۴	دلاور خاں غوری	۱۴۰۱		۸۸۰	غیاث شاہ بن محمود	۱۴۷۵
۸۰۸	ہوشنگ کرامت خاں بن دلاور خاں	۱۴۰۵		۹۰۶	ناصر شاہ بن غیاث	۱۵۰۰
۸۳۸	محمد غزنی خاں بن ہوشنگ	۱۴۳۴		۹۱۶	محمود دوم بن ناصر	۱۵۱۰
				۹۳۷	شاہان گجرات	۱۵۳۰

شاہان کشمیر

عالم کے مشہور ملکوں میں کشمیر بھی ہے اس کا مفصل حال ہماری تاریخ میں آئیگا۔ شاہان کشمیر کے خاندان کا بانی اول شاہ مرزا کشمیر کے راجہ کا وزیر تھا اُس نے اپنے تئیں بادشاہ بنایا اور اپنا خطاب شمس الدین رکھا اور سکہ اور خطبہ اپنے نام جاری کرایا اسکے بعد اسکا بیٹا شاہ جمشید تخت نشین ہوا۔

شمس الدین
شاہ جمشید
سلطان علاء الدین
سلطان شہاب الدین شیرا سالک
سلطان قطب الدین ہندال
سکندر بُت شکن
علی شاہ
سلطان زین العابدین
شاہ حیدر حاجی خاں
شاہ حسن
محمد شاہ
فتح شاہ
ابراہیم شاہ
نازک شاہ
شمس الدین بن محمد شاہ
اسمٰعیل شاہ

ان بادشاہوں کے سنہ جلوس اچھی طرح معلوم نہیں {
حبیب شاہ
حسین شاہ
یوسف شاہ
}
غازی شاہ
علی شاہ
سلطنت مغلیہ

۷۹۹ — ۹۸۰ھ — ۱۵ شاہان گجرات — ۱۳۹۶ — ۱۵۷۲ء

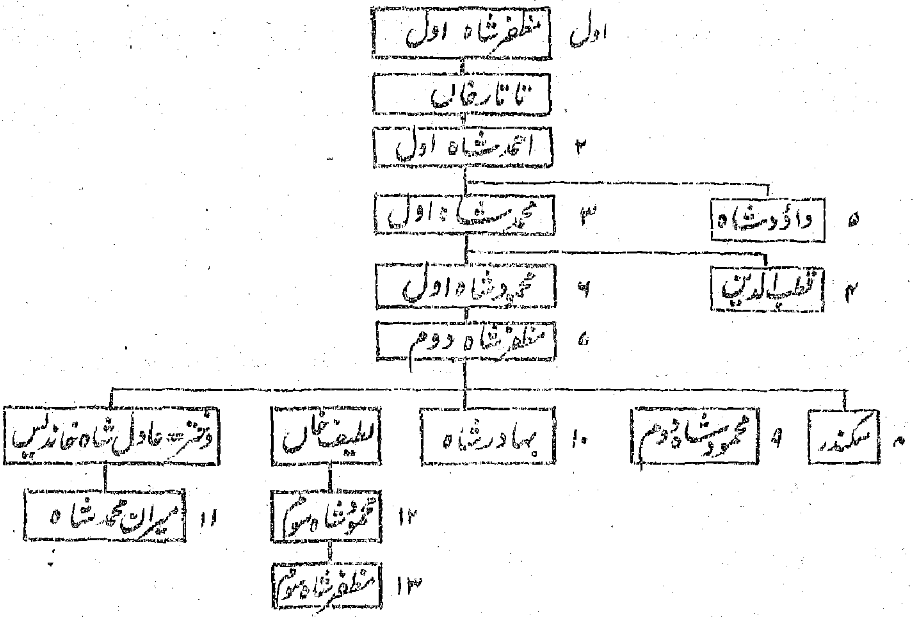
گجرات ابھی ایک قلب شوار گذار بلاد تھی کہ وہ مسلمانوں کے حملوں سے بدت تک بچی رہی صحراؤں اور پہاڑوں سے جو ارولی اور بندھیاچل کو ملاتے ہیں ان سے وہ گھری ہوئی تھی کہ اسپر حملہ کرنا سوا سمندر کی طرف کے دشوار تھا

تیرھویں صدی کے آخر میں سلطان علاء الدین نے اُس کو فتح کر کے مسلمانوں کی سلطنت کا ایک صوبہ بنایا۔ چودھویں صدی کے آخر میں پھر وہ خود مختار ہوگئی مگر اسکے فرمانروا بجائے ہندوؤں کے مسلمان تھے۔ ظفرخاں پہلے راجپوت تھا پھر مسلمان ہوگیا وہ ۷۹۴ھ میں گجرات کا حاکم مقرر ہوا وہ ۷۹۹ھ / ۱۳۹۶ء میں خود مختار حاکم بن بیٹھا۔ اس کو چاروں طرف سے رجپوت راجاؤں اور وحشی اقوام بھیل نے گھیر رکھا تھا یہ دونوں اُس کے دشمن تھے۔ اُسکے پاس فقط پہاڑوں اور سمندروں کے درمیان ایک چھوٹی سی سرزمین تھی زیادہ تر اسمیں ساحل کچھ سورت تک تھا۔ اس نے ایدر اور دیو کو فتح کر کے اپنی سلطنت کو وسعت دی۔ جھالور پٹن پایۂ تخت تاراج کی اور ۱۴۱۱ء میں کچھ مدت کیلئے مالوہ پر تسلط کیا اسکا قایم مقام احمد شاہ اول ہوا اُس نے احمد آباد کو آباد کیا جو اس خاندان کا دارالسلطنت ہوا اور سلاطین مغلیہ کے صوبہ کا صدر مقام۔ اب بھی وہ نہایت عمدہ شہر ہی محمود شاہ اول نے مالوہ اور خاندیس سے اپنے خاندان کی طرف سے لڑائیاں لڑا اور جوناگڈھ کے قلعے کو کاٹھیاوار میں اور چمپانیر کو اپنی سلطنت میں ضم کیا اور ایک بڑا بیڑا بنا کے جزائر کے بحری قزاقوں کو ٹھیک بنایا اور پرتگیزوں پر حملہ کیا۔ بہادر شاہ نے مالوہ کو فتح کرلیا اور پرتگیزوں کو اجازت دیدی کہ وہ دیو میں اپنی کوٹھی بنالیں۔ پرتگیزوں ہی کے ہاتھوں سے اسکی موت آئی۔ اس سلطنت کا زوال اس طرح آیا کہ اُنکی سلطنت میں باہم نفاق ہوا اور بادشاہ اُنکے ہاتھ میں کاٹھ کی پتلی بنگئے آخرکار ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء میں شہنشاہ اکبر نے گجرات کو فتح کر کے اُس میں امن امان قائم کردیا۔

سنہ ھ		سنہ ء	سنہ ھ		سنہ ء
۷۹۹	ظفرخاں مظفر شاہ اول	۱۳۹۶	۹۳۲	ناصرخاں محمود دوم	۱۵۲۵
۸۱۴	احمد شاہ اول	۱۴۱۱	۹۳۲	بہادر شاہ	۱۵۲۶
۸۱۶	محمد شاہ	۱۴۴۳	۹۴۳	میراں محمد شاہ فاروقی (خاندیس)	۱۵۳۶
۸۵۵	قطب الدین	۱۴۵۱	۹۴۴	محمود شاہ سوم	۱۵۳۷
۸۶۳	داؤد شاہ	۱۴۵۸	۹۶۱	احمد شاہ دوم	۱۵۵۳
۸۶۳	محمد شاہ اول بیگڑہ	۱۴۵۸	۹۶۹	حبیب مظفر شاہ سوم	۱۵۶۱
۹۱۷	مظفر شاہ دوم	۱۵۱۱	۹۸۰	سلاطین مغلیہ	۱۵۷۲
۹۳۲	سکندر شاہ	۱۵۲۵			

(شجرہ بصفحہ ۱۵۶)

شاہان گجرات



۸۰۱-۱۰۰۸ھ شاہان خاندیس - ۱۳۹۹-۱۵۹۹ء

خاندیس میں اول سلطان حاکم ناصر خاں تھا جس نے شاہان دہلی سے اپنا تعلق چھوڑا اور خود مختار آزاد فرمانروا بنا اور اپنے تئیں فاروقی یعنی حضرت عمر کی اولاد میں بتایا۔ شاہان گجرات سے رشتہ مصاہرت کیا تھا۔ خاندیس جس میں وادی زیریں تاپتی بھی داخل ہے اور گجرات کی سلطنت کے درمیان ایک جنگل کا علاقہ حد فاصل تھا۔ قلعہ اسیر گڈھ کے پاس برہانپور کو آباد کر کے دار السلطنت اس نے بنایا۔ شہنشاہ اکبر نے ۱۵۹۹ء میں برہانپور فتح کر لیا۔ اور یہاں کے بادشاہ کو باجگذار بنایا۔ مگر ۱۵۹۹ء میں قلعہ اسیر گڈھ فتح ہوا تو خاندیس پوری سے سلطنت مغلیہ میں شامل ہوا ہے اسیر گڈھ چھ مہینے کے محاصرہ میں فتح ہوا ہے

سنہ ھ	نام	سنہ ء
۷۷۲	ملک راجا	۱۳۷۰
۸۰۱	ناصر خاں	۱۳۹۹
۸۴۱	میراں عادل خاں اول	۱۴۳۷
۸۴۴	میراں مبارک اول	۱۴۴۱
۸۶۱	عادل خاں دوم	۱۴۵۷
۹۰۹	داؤد خاں	۱۵۰۳
۹۱۶	عادل خاں سوم	۱۵۱۰
۹۲۶	میراں محمد شاہ اول	۱۵۲۰
۹۴۲	میراں مبارک دوم	۱۵۳۵
۹۷۴	میراں محمد دوم	۱۵۶۶
۹۸۴	علی خاں	۱۵۷۶
۱۰۰۵	بہادر شاہ	۱۵۹۶
۱۰۰۸	سلاطین مغلیہ	۱۵۹۹

دکن

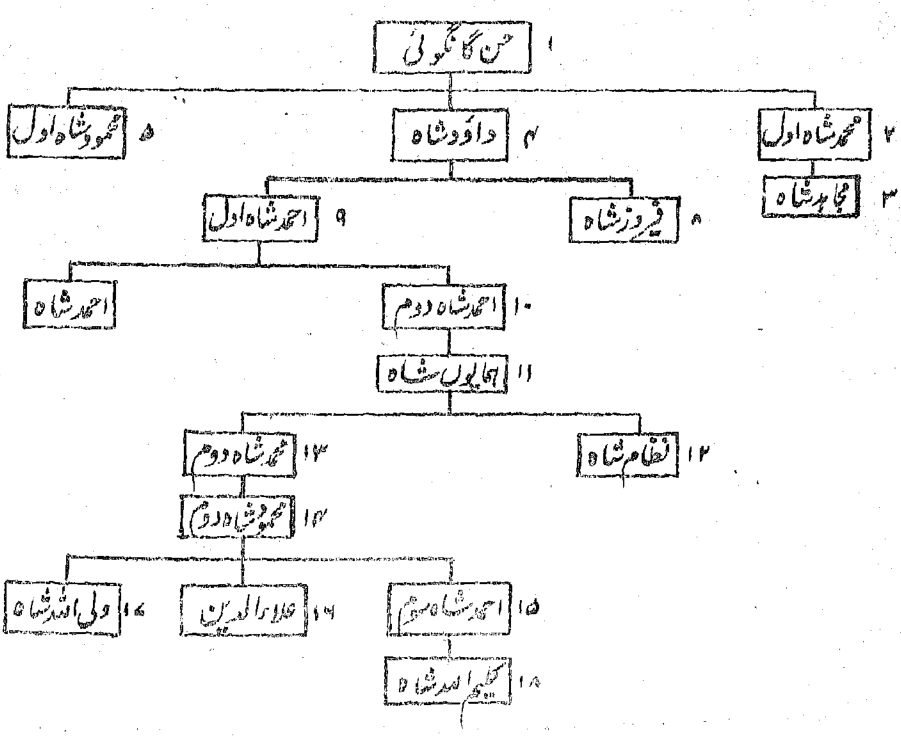
۷۴۸ - ۹۳۳ھ - شاہان بہمنیہ - ۱۳۴۷ - ۱۵۲۶ء

شاہان گلبرگہ وغیرہ

دکن کا کچھ حصہ سلطان علاء الدین دہلی نے فتح کیا تھا۔ سنہ ۱۲۹۴ء میں اُس نے دیوگیری اور ایلچپور کو فتح کر کے ایک صوبہ کوہستان ست پڑا کے جنوب میں بنایا تھا۔ محمد بن تغلق نے اس دکنی صوبہ کو زیادہ وسعت دی سنہ ۱۳۲۲ء میں تلنگانہ پر حملہ کیا اور کچھ دنوں دیوگیری کا نام دولت آباد رکھ کر اپنی سلطنت کا دار السلطنت بنایا۔ اسکی سلطنت میں بہت سی بغاوتیں و فساد برپا ہوئے تو سب سے اوّل یہ صوبہ دکن آزاد ہوا۔ سنہ ۱۳۴۷ء سے تقریباً دو سو برس تک شاہان بہمنیہ گلبرگہ۔ ورنگل۔ بیدر نے دریا کشنا سے اوپر نصف شمالی دکن پر اپنا تسلط رکھا۔ بانی اس خاندان کا حسن گنگو تھا جو دہلی کے ایک برہمن کا ملازم تھا۔ سلاطین تغلق کے عہد میں وہ بلند پایہ اور اعلیٰ درجہ پر پہنچا اور اسکو ظفرخان کا خطاب ملا۔ جب دکن میں محمد بن تغلق کے عہد میں بغاوت برپا ہوئی تو باغیوں کا سرغنہ حسن تھا۔ جسنے بادشاہی سپاہ کو دکن سے بالکل خارج کر دیا۔ اور گلبرگہ میں تخت سلطنت پر جلوس کیا اور اپنا لقب علاء الدین حسن گنگو بہمنی رکھا۔ اسکی سلطنت شمال میں برار کی طرف اور مشرق میں تلنگانہ میں بڑھی اور جنوبی مغربی حدیں اسکی دریا کشنا اور سمندر قائم ہوئیں۔ انہیں زیادہ تر نظام حیدر آباد کا ملک اور احاطہ بمبئی کا ملک جو سورت کے جنوب میں شامل تھا۔ سوا اسکے تلنگانہ اور بیجانگر کے راجاؤں سے بزور شمشیر خراج لیتا تھا۔ علاء الدین احمد دوم نے کونکان کو تسخیر کیا۔ اور ہمسایہ شاہان خاندیس اور گجرات کو شکستیں دیں سنہ ۱۴۷۲ء میں محمد شاہ دوم نے اُڑیسہ پر لشکر کشی کی اور کنجی درم کو لیا اور جنوب میں راجہ بیجانگر سے لڑا۔ غرض شاہان بہمنیہ کی حکومت سمندر سے سمندر تک میسور کے جنوب میں تھی جب سلطنت میں ملک بڑھا تو اُس کی ضرورت ہوئی کہ وہ صوبوں میں تقسیم ہوا اور ان صوبوں کی تقسیم نے اس وسیع سلطنت کو ٹکڑے کر دئے اور ہر ٹکڑے میں ایک جدا خود مختار فرمانروا بن بیٹھا۔ یوسف عادل شاہ جو محمد شاہ دوم کا منتخب سپہ سالار تھا وہ صوبہ جدید بیجاپور میں خود مختار حکمران ہو گیا۔ نظام الملک نے جنیر کو جدا کر لیا۔ عماد الملک برار میں بادشاہ بنگیا۔ جب سلطنت سے یہ صوبے نکل گئے تو باقی ملک میں سلطنت باقی نہ رہی اور خاندان بہمنیہ کا جو سب کا مربی تھا خاتمہ ہوا۔ برار میں عماد شاہ۔ احمد نگر میں نظام شاہ بیدر میں برید شاہ۔ بیجاپور میں عادل شاہ۔ گولکنڈہ میں قطب شاہ بادشاہ بن گئے اور ممالک بہمنیہ ان میں تقسیم ہو گئی

سنہ ھ		سنہ ع	سنہ ھ		سنہ ع
۷۴۸	حسن گانگوئی علاء الدین ظفر خاں	۱۳۴۷	۸۶۲	علاء الدین ہمایوں شاہ	۱۴۵۷
۷۵۹	محمد شاہ اول	۱۳۵۸	۸۶۵	نظام شاہ	۱۴۶۱
۷۷۶	مجاہد شاہ	۱۳۷۵	۸۶۷	محمد شاہ دوم	۱۴۶۳
۷۸۰	داؤد شاہ	۱۳۷۸	۸۸۷	محمود شاہ دوم	۱۴۸۲
۷۸۰	محمود شاہ اول	۱۳۷۸	۹۲۴	احمد شاہ سوم	۱۵۱۸
۷۹۹	غیاث الدین	۱۳۹۷	۹۲۷	علاء الدین شاہ	۱۵۲۰
۷۹۹	شمس الدین	۱۳۹۷	۹۲۹	ولی اللہ شاہ	۱۵۲۲
۸۰۰	تاج الدین فیروز شاہ	۱۳۹۷	۹۳۲	کلیم اللہ شاہ	۱۵۲۵
۸۲۵	احمد شاہ اول	۱۴۲۱	۹۳۳	خاندان دکن	۱۵۲۶
۸۳۸	علاء الدین احمد شاہ دوم	۱۴۳۵			

بہمن گانگوئی



(۸۹۰-۹۸۰ھ) (۱۱۲) عماد شاہیہ برار ۱۴۸۴-۱۵۷۲ء)

سنہ ھ		سنہ ع
۸۹۰	فتح اللہ	۱۴۸۴
۹۱۰	علاء الدین	۱۵۰۴
۹۳۶	دریا شاہ	۱۵۲۹
۹۶۸	برہان شاہ	۱۵۶۰
۹۷۶	تو فال (غاصب)	۱۵۶۸
۹۸۰		۱۵۷۲

(۱۱۳- نظام شاہیہ احمد نگر)

۸۹۶	احمد شاہ اول بن نظام شاہ	۱۴۹۰
۹۱۴	برہان شاہ اول	۱۵۰۸
۹۶۱	حسین شاہ	۱۵۵۴
۹۷۲	مرتضیٰ شاہ	۱۵۶۵
۹۹۶	میراں حسین شاہ	۱۵۸۸
۹۹۷	اسمٰعیل	۱۵۸۹
۹۹۹	برہان شاہ دوم	۱۵۹۰
۱۰۰۳	ابراہیم شاہ	۱۵۹۴
۱۰۰۴	احمد شاہ دوم	۱۵۹۴
۱۰۰۴	بہادر شاہ	۱۵۹۵

(سلاطین مغلیہ)

مرتضیٰ دوم برائے نام بادشاہ ۱۵۹۸-۱۶۰۷ء میں سارا اختیار ملک عنبر کے ہاتھ میں تھا

(۸۹۷-۱۰۱۸ھ) (۱۱۴) بریدشاہیہ بیدر ۱۴۹۲-۱۶۰۹ء)

سنہ ھ		سنہ ع
۸۹۷	قاسم شاہ اول	۱۴۹۲
۹۱۰	امیر شاہ اول	۱۵۰۴
۹۴۵	علی شاہ	۱۵۴۹
۹۹۰	ابراہیم شاہ	۱۵۶۲
۹۹۷	قاسم شاہ دوم	۱۵۶۹
۱۰۰۰	مرزا علی شاہ	۱۵۷۲
۱۰۱۸	امیر شاہ دوم	۱۶۰۹

(۸۹۵-۱۰۹۷ھ) (۱۱۸) عادل شاہیہ بیجاپور ۱۴۸۹-۱۶۸۶ء)

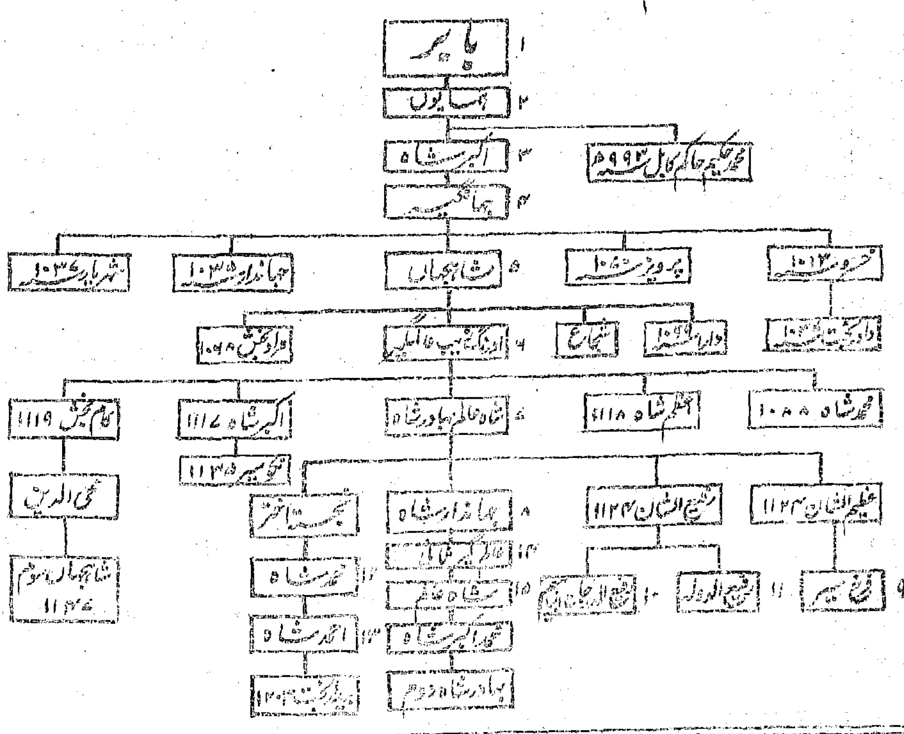
۸۹۵	یوسف عادل شاہ	۱۴۸۹
۹۱۶	اسمٰعیل شاہ	۱۵۱۱
۹۴۱	ملو شاہ	۱۵۳۴
۹۴۱	ابراہیم عادل شاہ اول	۱۵۳۵
۹۶۵	علی عادل شاہ	۱۵۵۷
۹۸۷	ابراہیم عادل شاہ دوم	۱۵۷۹
۱۰۳۵	محمد شاہ	۱۶۲۶
۱۰۷۰	علی شاہ دوم	۱۶۶۰
۱۰۹۷	سلاطین مغلیہ	۱۶۸۶

(۹۱۸-۱۰۹۸ھ) (۱۱۶) قطب شاہیہ گولکنڈہ ۱۵۱۲-۱۶۸۷ء)

۹۱۸	سلطان قلی	۱۵۱۲
۹۴۰	جمشید	۱۵۴۳
۹۵۷	سبحان قلی	۱۵۵۰
۹۵۷	ابراہیم شاہ	۱۵۵۰
۹۸۹	محمد قلی	۱۵۸۱
۱۰۲۰	عبداللہ شاہ	۱۶۱۱
۱۰۸۳	ابو الحسن	۱۶۷۲
۱۰۹۸	سلاطین مغلیہ	۱۶۸۷

(۳۲) ۹۳۲–۱۲۷۵ھ (۱۱۷) سلاطین مغلیہ ۱۵۲۵–۱۸۵۷ء (۶۱)
ہم مغلوں کی سلطنت کا حال مفصل تاریخ میں لکھیں گے یہاں
فقط فہرست اُنکے سنہ جلوس وغیرہ اور شجرہ لکھ دیتے ہیں

سنہ ھ	نام	سنہ ع
۹۳۲	ظہیر الدین بابر شاہ	۱۵۲۶
۹۳۷	ناصر الدین ہمایوں شاہ	۱۵۳۰
۹۶۳	جلال الدین اکبر شاہ	۱۵۵۶
۱۰۱۴	نور الدین جہانگیر شاہ	۱۶۰۵
۱۰۳۷	داور بخش	۱۶۲۷–۸
۱۰۳۷	شہاب الدین شاہ جہاں	۱۶۲۸
۱۰۶۸	مراد بخش گجرات میں	۱۶۵۸
۱۰۶۸	شجاع بنگالہ میں	۱۶۵۸–۶۰
۱۰۶۹	محی الدین اورنگ زیب عالمگیر	۱۶۵۹
۱۱۱۸	اعظم شاہ	۱۷۰۷
۱۱۱۹–۲۰	کام بخش	۱۷۰۸
۱۱۱۹	قطب الدین شاہ عالم بہادر شاہ	۱۷۰۷
۱۱۲۴	معظم الدین جہاندار شاہ	۱۷۱۲
۱۱۲۴	فرخ سیر	۱۷۱۳
۱۱۳۱	شمس الدین رفیع الدرجات	۱۷۱۹
۱۱۳۱	رفیع الدولہ شاہجہاں دوم	۱۷۱۹
۱۱۳۱	نکوسیر	۱۷۱۹
۱۱۳۲	ابراہیم	۱۷۲۰
۱۱۳۱	ناصر الدین محمد شاہ	۱۷۱۹
۱۱۶۱	احمد شاہ	۱۷۴۸
۱۱۶۷	عزیز الدین عالمگیر ثانی	۱۷۵۴
۱۱۷۳–۴	شاہجہاں سوم	۱۷۵۹–۶۰
۱۱۷۳	جلال الدین شاہ عالم	۱۷۵۹
۱۲۰۲	بیدار بخت	۱۷۸۸
۱۲۲۱	محمد اکبر شاہ دوم	۱۸۰۶
۱۲۵۳	بہادر شاہ	۱۸۳۷
۱۲۷۵	سلطنت انگلشیہ	۱۸۵۸



۱۱۶۰ - ۱۳۱۱ امیران افغانستان ۱۷۴۷ - ۱۸۹۳ء

افغانستان میں جبکہ خاندان غوریہ کا زوال آیا تو پھر انہیں خود اس کے اپنے فرمانروا ہونے موقوف ہوئے اور وہ کبھی سلطنت عظیم کا ایک صوبہ رہا کبھی وہ ایران کا شاہان ایل خان کے عہد میں صوبہ بنا کبھی ہندوستان کا شاہان تیموریہ کے عہد میں صوبہ رہا۔ ان سلطنتوں میں کبھی کبھی وہ پورا صوبہ بنتا تھا۔ مگر اکثر انہیں منقسم رہتا تھا۔ شاہان مغلیہ کی سلطنت میں کابل و قندھار اکثر رہتے تھے۔ اورنگ زیب کے مرنے کے بعد ایران سے ہرات متعلق ہوگیا۔ ہرات ایسا حال میں مستثنے رہا کہ افغانستان کبھی سلطنت عظیم کا صوبہ نہ بنتا تھا۔ کہیں کہیں کرتے خود مختار حکومت کرتے تھے نادر شاہ ایران نے کابل اور قندھار کو لے لیا۔ ۱۷۴۷ء میں وہ قتل کیا گیا تو افغانوں نے ارادہ کیا کہ ایران کی اطاعت سے آزادی حاصل کیجئے احمد شاہ کو جو ابدالی یا دُرانی قوم کا سردار تھا اپنا بادشاہ بنایا۔ اور جمال خان کو جو بارک زئی قوم کا سردار تھا وزارت دی اور ایک صدی تک انہیں یہ انتظام جاری رہا کہ بادشاہ دُرانی ہوا اور وزیر بارک زئی ہو۔ احمد شاہ نے کل افغانستان پر قبضہ کرلیا۔ ہرات اور خراسان کو فتح کرلیا اور کئی دفعہ ہندوستان پر حملہ کیا اور کچھ لوٹ دہلی میں۔ کشمیر اور پنجاب کے ایک حصہ کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ مگر ہندوستان میں جو ممالک اسکے پاس تھی وہ سکھوں نے اس سے چھین لی۔ اٹھارہویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے پنجاب کے مالک سکھ ہوگئے احمد شاہ کے پوتے زمان شاہ نے قوم بارک زئی کے آدمی بہت مار ڈالے ان قتل ہونے سے بارک زئی کا تنزل نہیں ہوا۔ بلکہ اور زیادہ انکا عروج ہوا

مصرعہ۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ ان کے اختیارات محمود شاہ کی سلطنت اور شجاع کی آیندہ سلطنت میں بہت بڑھ گئے۔ بہت دفعہ درانیوں نے کوشش کی کہ بارک زئی کو زیر کریں اور انکی قدرت اور اختیار کو گھٹائیں مگر جب ۱۸۱۸ء میں فتح خان بارک زئی کو اندھا کرکے قتل کیا ہے گویا وہ درانی خاندان کے ادبار کے آثار تھے کچھ دنوں بدنظمی کے بعد دوست محمد خان جو فتح خان کا بھائی تھا تخت سلطنت پر بیٹھا وہ اول افغانستان کا امیر بارک زئی تھا۔ افغانستان کے زمانہ حال کی تاریخ ۱۸۱۸ء سے شروع سمجھنی چاہیے جب درانیوں کی سلطنت کمزور ہوئی تو انہوں نے ہرات اپنے زور سے دبا لیا جب احمد شاہ درانی نے ہرات کو فتح کیا ہے تو اس شہر میں بہت افغان شاہزادے رہتے تھے اور وہ کچھ شاہ کابل کی اطاعت برائے نام کرتے تھے ۱۸۱۶ء میں ایرانیوں نے ہرات پر حملہ کیا جن کو فتح خان بارک زئی نے پھر سے ہٹا دیا۔ ہرات کو کلید ہند کہتے ہیں ۱۸۳۷ء میں روسیوں کی تحریک پر پھر شاہ ایران نے ہرات پر حملہ کیا دس مہینے تک کا محاصرہ رکھا۔ مگر ایلڈرڈ پوٹنجر صاحب نے اس محاصرہ کا مقابلہ ایسی خوبی و بہادری و جوانمردی سے کیا کہ ۱۸۳۸ء میں ایرانیوں کو پسپا کیا۔ شاہ شجاع درانیوں کا معزول شاہ کابل برٹش گورنمنٹ کے پاس آیا

جسکی تخت نشینی کیلئے برٹش گورنمنٹ نے افغانستان پر ۱۸۳۹–۱۸۴۲ء مین فوجکشی کی اور شاہ شجاع کو تخت پر بٹھایا۔ اور سر ولیم میکناٹن کابل مین برٹش ریذیڈنٹ مقرر ہوئے۔ دوست محمد خان نے اپنے تئین حوالہ کردیا اور چپ چاپ رہا مگر اسکا بیٹا اکبر خان بارکزی قوم کو ساتھ لیکر مقابلہ کرتا رہا ۱۸۴۱ء مین میکناٹن صاحب و برنیز صاحب مارے گئے اور سولہ ہزار سپاہ انگریزی مین صرف ایک آدمی بچا جس نے سبکے قتل ہونیکے حال سے مطلع کیا۔ پالک صاحب نے ۱۸۴۲ء مین اسکے قتل کا انتقام لیا پھر اس زمانے سے افغان اپنے ملک کے آپ منتظم و حاکم ہوئے دوست محمد خان نے ۱۸۶۳ء مین اس دنیا سے رحلت کی۔ بعد ازان اسکے بیٹون اور پوتون مین تخت نشینی کے لیے جھگڑے ہوتے رہے پھر برٹش گورنمنٹ نے اپنا ریذیڈنٹ کابل مین مقرر کرنا چاہا کہ وہ روسیون کے دخل کو افغانستان مین روکے جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۷۸–۱۸۸۰ء مین امیر شیر علیخان معزول ہوا۔ کیوک ناری جو ریذیڈنٹ مقرر ہوا تھا قتل کیا گیا اور جنرل سٹورٹ اور جنرل روبرٹس صاحب نے فوجکشی کی سبکا انجام یہ ہوا کہ امیر عبد الرحمن خان کل افغانستان کا امیر ہوا۔ برٹش گورنمنٹ کے ساتھ اسکا اتحاد ہے اور وہ اسکی بڑی حامی و مددگار ہے اور دوستانہ سالانہ روپیہ بھی اسکو دیتی ہے —

باب سوم

ملک سندھ کی تاریخ اور اسکے تاریخی افسانے شروع سے لیکر اسوقت تک کہ اسکا سلسلہ خلافت سے انقطاع ہوا

سندھ ایک ملک کا نام بھی ہے اور ایک دریا کا نام بھی ہے جسکو انگریز انڈس کہتے ہین ہندو اسکو چینی سن تاؤ۔ ایک اور نام اسکا آباسین ہے جسکا لفظی ترجمہ دریاؤن کا باپ ہے۔ وہ مان سرور جھیل کے شمالی برفانی پہاڑونکی چوٹی کیلاس کی ڈھلان سے جو سن گکا باب دوہن شہر سے نکلتا ہے اور ۱۸۰۰ میل بہکر بحر عرب مین جا ملتا ہے اور ۳۷۲۰۰۰ میل زمین کے پانی کا نکاس اسی مین ہوتا ہے چونکہ اس سرزمین کے مختلف حصونکا نام مختلف زبانون مین ملک سندھ رہا ہے لہذا قدیم ملک سندھ کا جغرافیہ اچھی طرح سمجھ مین نہین آتا۔ اس لئے کہ جو شہر پہلے اسمین آباد تھے وہ ایسے برباد ہوگئے ہین کہ انمین سے بعض کا نشان سارے ملک کی خاک چھاننے سے بھی نہین ملتا بعض کے کھنڈر و ڈھیر موجود ہین تو وہ اپنا نام بتانے مین گونگے ہین۔ استاد لوگ جو اسکے نام بتاتے ہین وہ سمجھ مین نہین آتے بعض کے نامون کی تحریف ایسی ہوگئی ہے کہ وہ حال کے شہرون کے نامون سے کچھ مناسبت نہین رکھتے گو دریا اور پہاڑ اپنی جگہ سے نہ ٹلے ہون مگر نام کچھ سے کچھ ہوگئے ہین محققین جغرافیہ جو انکے نامونکی مطابقت بتاتے ہین وہ قیاسی ہوتی ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ کہتا ہے۔ ابن حوقل کی کتاب المسالک والممالک سے ایک نقشہ کی نقل اتار کر اس کتاب مین درج

کرلیتے ہین - اس مین کل ملک سندھ اور اُس کے مضافات اور کچھ حصے ہند و توران و بدھ کے ملکون کے پہنچے ہوے
ہین اسکی ساری شرقی سرحد پر بحر فارس ہی - مغربی حد پر کرمان و سجستان اور اُسکے متعلقات شمالی سرحد پر
بلاد ہند جنوب مین صحرا ہے جو مکران اور ان پہاڑون کے درمیان ہی جس سے پرے ساحل بحر فارس ہے اس نقشہ
سے ظاہر عیان ہی کہ کرمان و سجستان سے جو ملک ایران کے بلاد ہین ملک سندھ کی سرحد ملی ہوئی ہی پس جب
۳۰ سنہ کے اندر ہی ملک ایران پر اہل عرب کا تسلط ہو گیا - اس لیے انکو کرمان او سجستان پر بہی قبضہ کرنا ضرور پڑا اس
طرح ملک سندھ سے انکی سلطنت کا ڈانڈا ابینڈا آن ملا - اور اہل عرب کے حملے ملک سندھ پر شروع ہوئے مگر ہم پہلے
اس سے کہ ملک سندھ پر اہل اسلام کی حملہ آوری اور فتحیابی کا بیان کرین - ملک سندھ کے حالات بیان کرتے
کہ اُسوقت مین کیا تہے تحفۃ الکریم مین لکھا ہی کہ اگرچہ ملک سندھ کے قدیم راجاؤن کی ابتدا انہین معلوم کرتے
ہوئی - مگر صرف پانچ راجاؤن کے نام بیان کئے جاتے ہین جو مشہور اور نامور ہین اور انکا زمانہ سلطنت ۱۳۷ سال تک

راجہ دیواجی یہ بڑا صاحب اقتدار راجہ تہا اسکا دارالسلطنت شہر الور تہا اسکی مملکت کی یہ حدود تہین
شرق مین کشمیر و قنوج مغرب مین مکران اور ساحل بحر عمان یعنی دیبل کا ایک حصہ جنوب مین بندرگاہ سورت
(سوراشٹرا) اور شمال مین قندہار او سیستان - اور کیکانان - اس ملک پر وہ فرمانروائی کرتا تہا - ہند کے
بہت سے راجاؤن سے رابطہ اتحاد رکہتا تہا - اسکے تمام ملک مین کاروان بحفظ و امان رہا روان رہتے
تہے اسکے مرنے کے بعد اسکا بیٹا راجہ سی ہرس تخت پر بیٹہا - باپ ہی کی سی روش پر چلا - اسکا عہد سلطنت بہت مدت
تک رہا اور سارے ملک مین امن و امان چین و آرام رہا اسکے بعد اسکا نامور بیٹا ساہسی کے ہاتھ مین عصا سلطنت آیا
بڑی شان و شکوہ سے سلطنت کی باپ دادا کے زمانہ سے جو دستور و آئین چلے آتے تہے انکو بدستور قایم رکہا اور
اپنی ساری دلی تمناؤن کو پورا کیا - بعد اسکے اسکا بیٹا سی ہرس دوم راجہ ہوا جسکا بیان چچ نامہ مین اسطرح لکہا
ہے کہ دریاے مہران (دریاے سندھ کو پہلے دریا مہران کہتے تہے) ملک ہند و سندھ کا دار الملک الور تہا یہ شہر
وسعت مین بڑا تہا طرح طرح باغون اور محلون خوشنما نہرون سے آراستہ تہا - یہان کے راجہ سی ہرس پاس بڑے
دفینے اور خزانے تہے سارے ملک مین اس راجہ کی عدالت و سخاوت کی دہوم مچی ہوئی تہی اسکی ممالک و
مسالک کی حدود یہ تہین کہ جانب شرقی کشمیر تک طرف غربی حد مکران تک حد جنوبی محیط آب شور و دیبل تک
طرف شمالی کوہ کردان و کیکانان تک اس ملک کو اب یون سمجہنا چاہیے کہ وہ سندھ و ملتان اور شاید افغانستان کے
پاس کا میدان کالا باغ کے پہاڑون تک نہ تہا اس نے ہی ملک کو ان چار حصون مین تقسیم کیا تہا ایک حصہ مین برہمن آباد

وحصار نیرون و دیبل لوہانہ ولاکہ وسمہ تا زیر دریا۔ دوسرے حصہ مین سوستان و لودہیہ و رکن کان کوہ پایہ روجہان تا حد مکران۔ سوم حصہ مین حصار اسکندہ۔ دیا بیہ جنکو تلواڑہ وچچپورہ بہی کہتے ہین اور اس کے مضافات تا حد بودہ پور۔ چہارم ملتان۔ سکہ۔ برہمپور۔ کرور۔ کیجہ۔ سرحد کشمیر تک۔ مہاراجہ خود دار الملک الور مین رہتا تہا۔ اور خاص اپنے تحت حکومت کرمان کیکانان رکہتا تہا۔ اور باقی چار حصون مین سے ہر ایک حصہ مین اپنی طرف سے راجہ مقرر کرتا تہا اور ہر ایک پر تاکید رکہتا تہا کہ وہ سامان جنگ کے لیے گہوڑون اور ہتہیارون کو تیار رکہے اور انکو حکم دیتا رہتا تہا کہ رعایا کی بہبودی و رفاہ مین اور عمارات کی تعمیر مین ایسی کوشش کرتا رہے کہ جس سے ملک محفوظ و معمور رہے (ملک کو حصون مین تقسیم کرنیکا اور انہین آپہاپی ہندوکو راجہ مقرر کرنیکا ڈہنگ اچہوتون کا سا تہا) کل ملک کے اندر کوئی اسکا بیری بدخواہ ایسا نہ تہا کہ شور و فساد مچاتا۔ مگر یہ اژدہا کولہ آن کر لگا کہ پارس کے بادشاہ نیمروز کا لشکر کرمان کیطرف وارد ہوا۔ راجہ سہی ہرس ل بے فکر دل راج پاٹ کیا کرتا تہا۔ فارس کے لشکر کی جب اسکو خبر ہوئی وہ اس سے جا کر لڑنے لگا۔ طرفین سے مردان نامدار و دلیران کارزار تیغ خونخوار کے طعمہ بنے۔ اہل فارس نے سکے لشکر پر حملہ کرکے شکست دی اور بہگا دیا مگر راجہ اپنی جگہ جا رہا اور لڑتا رہا عینکا کردم مین مر رہا۔ شاہ فارس اسکو شکست دینے کے بعد اپنے ملک کو چلا گیا۔ یہان ساہسی اپنے باپ کی گدی پر بیٹہا اور باپ کی ساری مملکت پر اپنی فرمانروائی کا سکہ خوب جما لیا۔ ملک کے چارون حصونکے راجاؤنکے مطیع فرمانبردار تہے اور ہمیشہ اسکے خزانہ مین پیشکش داخل کرتے تہے۔ سیطرح سے ملک کا انتظام کر لیا۔ اس شہر پر رعایا کی مالگذاری پیشتر کا وعدہ کیا کہ وہ چہ قلعہ مین جو مٹی کا کام ہی بنا کر پورا کر دین۔ اسکے بنا کر رہا پڑے سکہ چین سے رہتی تہی اسکا وزیر بدہی من تہا اور اسکا کارپرداز سلطنت یعنی حاجب رام بن ابی کا تہا۔ راجہ کا سارا کام کاج اس کے حوالے تہا جو چاہے سیاہ سفید کرے۔ کوئی شخص اس کے کام کاج مین دخل دے سکتا تہا نہ مزاحمت کر سکتا تہا اس کے سارے احکام نافذ و ناطق تہے وہ بڑا حکیم و عالم تہا راجہ اسکی قلم بلاغت رقم پر بڑا اعتبار رکہتا تہا۔

ایکدن دیوان عام مین بدہی من وزیر اور رام دونون بیٹہے ہوئے تہے کہ چچ بن سیلائچ وہان وارد ہوا رام نے پوچہا کہ یہان آپکا آنا کیونکر ہوا۔ چچ نے عرض کیا کہ جناب کی بلاغت و فصاحت کی شہرت مجہکو یہان لائی ہے کہ خدمت بابرکت مین حاضر ہو کر اس سے مستفیض ہون۔ رام نے کہا کہ آپکے کلام سے تو خود فصاحت بلاغت ٹپکتی ہے۔ چچ نے کہا کہ ہان مجہے چارون بید زبان ہین اور کچہ اور استعداد بہی رکہتا ہون یہ باتین ہو رہی تہین کہ دیبل کیطرف سے کچہ کاغذات رام کی رائے کیلئے آئے۔ اس نے چچ کو وہ کاغذات دیدیے

ترچچ نے راے نہایت بلیغ عبارت مین اور پاکیزہ خط مین لکھکر اُسکے سامنے پیش کی۔ وہ اُس کو پڑھکر نہایت
مسرور ہوا اور چچ کی نہایت ستایش کی اور اُسکو اپنا نائب مقرر کر دیا۔ ایکروز یہ اتفاق ہوا کہ راجہ ساہسی
دربار مین بیٹھا ہوا تھا کہ ہندوستان سے کچہ کاغذات آے راجہ نے رام کو یاد کیا وہ موجود نہ تھا چچ نے عرض کیا
کہ بندہ اسکا نائب حاضر ہی جو ارشاد ہو اُسکو بجا لاؤن۔ راجہ نے وہ کاغذات چچ کو دے اُس نے راجہ کے روبرو
اُنکو بڑی شرح و بسط کے ساتھ پڑھا اور جواب با صواب اُنکا لکھدیا۔ راجہ خود علم بلاغت سے ماہر تھا اُس نے
چچ کی تحریر کی داد دی جب رام سے ملا تو اُس سے کہا کہ یہ برہمن ہمکو خوب ملگیا ہی ہمیشہ اسپر ایسی مہربانی
رکھو کہ وہ کہین اور جانیکا قصد نکرے۔ غرض جب رام کو موت کا پیغام آیا تو اُسکی جگہ راجہ نے چچ کو حاجب
مقرر کیا۔ چچ نے لوگون کے ساتھ وہ مروت و محبت کا طریقہ برتا کہ وہ اُسکے مطیع ہو گئے اور کل کام اُسکی صلاح
پر ہونے لگے۔ غرض ترچچ کو ایسی ہر دلعزیزی اور حسن سیرائی کی بڑی قدرت ملگئی اور تھوڑے زمانہ مین وہ اعلا پایگی پر پہونچگیا
ایکدنکا ذکر ہی کہ راجہ و رانی سوہنی دیوی اپنے محل مین بیٹھے ہوے باتین کر رہے تھے کہ کسی اشد ضرورت کے
سبب راجہ نے چچ کو حرمخانہ مین بلا لیا۔ جو کام تھا وہ لیکر راجہ نے اُسکو رخصت کیا مگر رانی صاحبہ کی نظر اُس
نوجوان برہمن خوش رو پر پڑی دیکھتے ہی دل و جان سے اُسپر فریفتہ ہو گئی اس لیے کسی اپنی بڑی بی کو بلا کر
کہا کہ مین ترچچ کے عشق مین دیوانی ہوئی جاتی ہون اگر تو میری چارہ سازی نکریگی اور چچ پاس جا کر اُسکے وصال
کے واسطے مجھے وعدہ نہ لائیگی تو مین ہلاک ہو جاؤنگی۔ بڑی بی ترچچ پاس پہونچی اور یہ سندیسہ سنایا چچ نے کانون پر
ہاتھ دہرے کہ مجھسے یہ کام ہرگز نہو گا اسمین جان کا خطرہ ہی آخرت کے عذاب کی گرفتاری ہی اور دنیا کی بدنامی
ہی حکما کا قول ہی کہ بادشاہ آتش و مار و آب پر اعتماد نہین چاہیے ایسی راجہ کو اسکی خبر ہو جاے اور اُسکو غصہ
آئے تو میری جان مفت جائے بڑی بی ترچچ کی یہ باتین سنکر رانی سے آکر کہین۔ رانی نے پھر اُسکو چچ پاس
بھیجا اور کہا کہ میری طرف سے چچ سے کہو کہ اگر آپکو میری مؤانست سے انکار ہے تو کاہے کو اتنا ہے بعنایت تو مجھے
کیجے کہ اپنے جمال کو دکھا کر میرے دل بیقرار کو تسکین دیجے۔ شعر۔ خرسندم اگر سال بسالت بینم ٭ ور در عمری
شبے خیالت بینم ٭ نومیدم مگر وم از خیالات صنما ٭ آخر روزے بشبے وصالت بینم
آخرکار ان دونون مین مواقفت ہو گئی اور محبت و الفت ایسی بڑھ گئی کہ لوگون کو بدگمانی ہونے لگی انہون
نے راجہ کے کان بھرنے شروع کئے کہ ترچچ نے اپنی بدگوہری اور تباہ سرشتی سے رانی سے پیوند دوستی پیدا
کیا ہی مگر راجہ کو چچ پر ایسا اعتماد تھا کہ کسی کے کہنے سننے پر اعتبار نہوا۔ اپنی سلطنت کے سارے مہمات

بڑے کام اُسکو سپرد کردے جو کام وہ کرتا راجہ کو پسند آتا اسکے صلاح و مشورہ بغیر کوئی کام نکرتا۔ غرض ساہسی
سلطنت پنچ ہی کے احکام جاری ہوتے تھے۔ راجہ ساہسی ایسا بیمار ہوا کہ موت کے آثار نمودار ہوگئے
پنچ کو بلا کر کہا کہ اب میرے مرنے کا وقت قریب آگیا ہے کوئی میرا بیٹا نہیں کہ وارث تاج و تخت ہو ضرور میرے
مرنے کے بعد میرے اقربا ملک پر قابض ہو جائینگے اور دشمنی کے سبب میرے نام کو مٹا دینگے جیسے میری زندگی میں وہ مجھپر
طعن کرتے تھے تو مرنے پر نہیں معلوم کیا میری دُردشا کرینگے اسلئے میری رائے میں یہ تدبیر مناسب معلوم ہوتی ہے کہ تجھے
اپنا جانشین بنا جاؤں پنچ نے یہ سنکر کہا کہ آپکے فرمان پر میرے دل و جان قربان حضور کا ارشاد عین مصلحت ہے لیکن
خاص مخلص خدمتگاروں سے بھی اس میں مشورت کرنی واجب ہے۔ غرض صلاح و مشورہ ہو کر راجہ نے پنچ کو حکم دیا کہ تو
پچاس عدد زنجیر و طوق تیار کرا اور انکو رات کو لاکر مکان میں چھپا دے پس پنچ نے اس حکم کی تعمیل کی اتنے
میں راجہ کی نزع کی نوبت پہونچی۔ اطبا مایوس ہو کر اپنے گھر جانے لگے رانی سیتہ دیوی نے نہیں روکا اور ایک
مکان میں انکو ٹھیرا دروازہ بند کر دیا ادھر ساہسی پاس موت کا پیغام آیا ادھر رانی نے اُسکے تمام رشتہ داروں
کو جو سلطنت کی مدعی تھے پیغام بھیجا کہ بعنایت الٰہی آج راجہ کی طبیعت اچھی ہے تمکو کسی مہم کی مشورت کیلئے وہ بلاتے
ہیں اس بلاوے سے جو رشتہ دار آتا اسکو وہ گھر بتایا جاتا جس میں طوق و زنجیر اُسکے منتظر بیٹھے تھے اُسکے آتے ہی ایک گلے
لگتا دوسرا پاؤں پڑتا جب بڑے بڑے امیر اقربا یوں اسیر ہوگئے تو اُنکے مفلس اقربا و نکو یہ فرمایش ہوئی کہ وہ رشتہ دار
جنکی عداوت تمکو چین سے رات میں سونے نہیں دیتی تھی وہ راجہ کے عتاب میں آکر اسیر ہوئے ہیں اگر تمکو اپنے فقر و فاقہ سے
افاقہ منظور ہو تو قید خانہ پر جاؤ اور اپنے دشمن کا سر اڑاؤ اور انکے کل مال و متاع کے مالک بنجاؤ۔ یہاں کیا چاہئے تھا
اندھے کو دو آنکھیں وہ دوڑے دوڑے گئے اور اپنے دشمنوں کو مار کر انکے گھر گئے اور سارے گھر کے مالک ہو گئے۔ غرض
ایک رات میں پنچ اور اس نابینا رانی نے یوں سازش کر کے تمام سرداران لشکر و مدعیان سلطنت کو ایک ایک کو
انہیں کے بھائی بندونکے ہاتھوں سے قتل کرا دیا۔ تو پھر دربار عام بڑی دھوم دھام سے ہوا سنگھاسن پر جو جواہر سے آراستہ
ہوا پردہ کے اندر ادھر رانی دیوی جلوہ افروز ہوئیں ادھر وزیر نے یہی یوں سخن سرا ہوئے کہ اگرچہ بفضل الٰہی
راجہ صاحب تندرست ہو گئے ہیں مگر دربار میں آنیکی قوت اور کاروبار سلطنت کرنیکی طاقت نہیں ہے اسلئے
وہ چاہتے ہیں کہ پنچ کو اپنا قائم مقام مقرر کر لیتے ہیں تاکہ رعایا کی دادرسی میں التوا نہ ہو۔ حاضرین دربار نے یہ سنکر
عرض کیا کہ راجہ کا حکم ہمارے سر و چشم پر۔ رانی سیتہ دیوی نے اپنے مخلص تابعین و رؤسا و مقدمین کو جو عہدہ دار و نکو پیشتر
بڑے گراں بہا خلعت عنایت کئے اور بعدہٗ پنچ کو انکے سر پر وزارت پر مامور فرمایا۔ خواص کو انعام اور امرا کو جاگیریں

عطا کین چھ مہینے ہونہین گذرے کہ اس عرصہ مین راجہ ساہسی کے مرنے کی خبر اُسکے بھائی دھرت راجہ جے دار کو
پہونچی۔ وہ دفعتہً لشکر جرار تیار کرکے آندھی کیطرح الور پر چڑھ آیا اور اُس نے ایک تنگ پر خیمے ڈیرے ڈال دیئے
اپنے خاص معتمدین کو چچ کے پاس بھیجا کہ اسکو میری طرف سے یہ پیغام پہونچا دین کہ مین اس ملک کا حقیقی وارث ہون
میرے باپ دادا کا یہ ملک ہے۔ میرے بھائی کا ملک آپ مجھے عنایت کیجیے اور آپ خود بدستور اپنے عہدۂ حجابت پر
قائم رہئے مین ہمیشہ آپکا خیرخواہ اور خیر طلب ہونگا یہ سنکر چچ پیٹ پکڑے ہوئے حیران پریشان رانی پاس آیا اور
گھبرا کر کہنے لگا کہ دشمن تو گھر مین آ پہونچا۔ ملک میراث کا دعویٰ وہ کر رہا ہے۔ اب مین کیا کرون۔ رانی یہ حال
دیکھکر ہنسی اور کہنے لگی کہ مین تو پردہ نشین عورت ہون اگر میدان جنگ مین جانے کے لیے میری ضرورت ہے تو میرے
کپڑے تم پہنو اور اپنے کپڑے مجھے پہننے کو دو کہ باہر جاکر ہنگامہ کارزار گرم کرون۔ مین حیران ہون کہ یہ بات
مشکل کیا ہے ہمین تجھ سے مشورہ و صلاح کی حاجت کیا ہے۔ میان تم مستعد و کمر بستہ ہو کر شیر کیطرح دشمن پر جا کر
اور اس کے رفع دفع کرنے مین کوشش کرو عزت کے ساتھ مرنا ذلت کے ساتھ جینے سے بہتر ہے۔ اشعار

هم فیل داری هم حشم　　هم خیل داری هم خدم ❊ مردانه بیرون نه قدم　　زیر و زبر کن خصم را

چچ رانی کا یہ جواب سنکر شرمندگی کے مارے پانی پانی ہوگیا۔ فوراً مسلح ہوگیا اور لشکر کو لیکر میدان جنگ
گرم کیا طرفین سے مردان دلاور مارے جانے لگے تو راجہ دھرت نے چچ سے کہا کہ دشمنی و عداوت تو ہم دونو
مین ہے آؤ ہم تم لڑکر فیصلہ کرلین جو زندہ رہے وہ مالک تخت و تاج رہے ناحق اور شریفون کی جانین کیون
ضائع کرتے ہو چچ نے بھی دھرت کی اس درخواست کو منظور کرلیا۔ اور لڑنے کیلیے روبرو آیا۔ اُسنے چچ سے کہا کہ مین
برہمن ہون گھوڑے پر سوار ہوکر نہین لڑسکتا ہون۔ آپ پیادہ ہوکر لڑنے کیلیے آئیے۔ راجہ صاحب کو غرور شجاعت کے
گھوڑے پر سوار تھے چچ کی حقیقت اپنے آگے کیا گنتے تھے جھٹ گھوڑے سے اُتر کر کہا کہ آؤ ہم پیادہ ہی لڑنے کو
تیار ہین چچ بھی پیادہ پا ہوا مگر یہ چال چل گیا کہ سائیس سے کہدیا کہ میرے پیچھے پیچھے گھوڑے کو ساتھ لاؤ جب
دونو آپس مین نزدیک ہوئے تو چچ نے جھٹ پٹ گھوڑے پر چڑھ کر راجہ دھرت کا سر تن سے اُتار لیا جب راجہ کا
کٹ گیا تو اسکا لشکر بھی بے سرا ہو کر تتر بتر ہوگیا چچ سے امان کا خواہان ہوا۔ امان پالینے پر اطاعت قبول
کی چچ اس طرح جنگ فتح پا کے شہر الور مین آئے اور اس فتح کی خوشی مین ایک جشن شاہانہ کیا۔

جب یہ فتح حاصل ہوئی تو رانی نے تمام اعیان و اکابر شہر کو بلا کر اُنسے کہا کہ راجہ ساہسی مرگیا جسکے کوئی
اولاد ایسی نہین پیدا ہوئی کہ وہ وارث تخت و تاج ہوتی اسلیے یہ سلطنت چچ کو دیدی گئی ہے اس سے

اپنا بیاہ کرتی ہون۔ سردوسا نے بالاتفاق درباریون رانی سہسی دیوی کا بیاہ چچ سے کردیا جس سے دو بیٹے داہر اور دہرسیہ اور ایک بیٹی مائی پیدا ہوئی چچ نے اپنے بھائی چندر کو بلا کر الور مین اپنا نائب مقرر کردیا بدھیمن وزیر کو چچ نے بلایا اور اس سے کہا کہ آپ مجھے یہ بتلایئے کہ ساہسی کی تخت اقتدار مین جو ہمارا ملک وہ کون کون سے تھے۔ انکی حدود کیا تھین تاکہ مین جاؤن اور ہر ایک کی اطاعت و مخالفت کا امتحان کرون جو امین میرے مطیع ہون انپر عنایت کرون جو مخالف ہون انپر عتاب کرون انکے دفع کرنیکا تدارک کرون جس سے سارے ملک قبضۂ اقتدار مین آجائین اور کوئی مخالف سرکش فساد کرنیوالا باقی نہ رہے یہ سنکر بدہمن نے سر جھکایا اور عرض کیا کہ مہاراج یہ دارالملک و سلطنت ایک راجہ کی تولیت مین تھی اور راجہ اسکی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے جب مملکت مہاراجہ سہی ہرس پر لواج کو پہونچی اور وہ لشکر فارس کے ہاتھ سے منہزم ہوا تو شاہی احکام سے اس نے چار راجاؤن کو اسلئے مقرر کیا کہ خزانہ شاہی کے لیے وہ تحصیل اموال کرین اور ملک کی حفاظت کرین آپکو چاہئے کہ ان چارون راجاؤن کو اپنا فرمانبردار کرین جس سے سارا ملک انکے ماتحت رہے۔

بدھیمن کا یہ کہنا اس کے دلپر جادو کا اثر کر گیا۔ اسکو اپنے لئے بشارت غیبی سمجھا۔ نہایت شاد و خرم ہو کر اس نے وزیر کی تقریر کی نہایت تحسین و آفرین کی اور اطراف کے معتمدان پاس فرمان روانہ کئے اور ملوک نواحی سے امداد طلب کی۔ اسنے یہ کہکر کہ ملک ہندمین ہاتنک مین جاؤنگا جہان انکی سرحد ملک کی سے ملتی ہو۔ بڑا لشکر لیکر گیا منجمون نے طالع سعد صحیح استخراج کر کے منزل بتایا ہوا۔ اور بہت سی منزلین طے کر کے قلعہ بابیہ کے پاس پہونچا جو دریائے بیاس کے جنوبی کنارہ پر ہے۔ وہان کا راجہ مقابلہ پیش آیا لڑائی ہوئی۔ راجہ بابیہ کو ہزیمت ہوئی وہ قلعہ کے اندر چلا گیا راے چچ غالب ہوا۔ ایک مدت تک قلعہ کو حصار کئے رہا جب اہل حصار کو غلہ کی تنگی ہوئی اور گھاس لکڑی ایندھن ٹوٹنے سے تنگ ہوئے تو وہ جسوقت کہ عالم نے سیاہ کمبل اوڑھا اور شاہ انجم نے تاریکی شب کی چادر اوڑھی تو راجہ اس حصار سے نکلکر قلعۂ سکندہ یا اسکلندہ کی نواح مین جا کر فروکش ہوا قلعہ بابیہ سے یہ قلعہ زیادہ مستحکم تھا اور راجہ زیر حکم تھا بھاگنے سے دشمن کے احوال دریافت کرنیکے لئے جاسوس بھیجے انہون نے آنکر خبر دی کہ بابیہ کے قلعہ کے اندر چچ موجود ہے

جب چچ کو معلوم ہوا کہ دشمن اسکلندہ کے قلعہ مین چلا گیا ہے تو اسنے بھاگنے کے قلعہ مین ایک اپنا امین مقرر کیا اور خود اسکلندہ کی طرف چلا۔ وہان پہونچکر اسکے گرد لشکر کو اتارا۔ اس حصار مین اسکا ایک فرزند یا برادر زادہ فرمانبردار مقدم رہتا تھا۔ وہ بڑا شجاع تھا۔ اہل حصار پر اسکا بڑا رعب تھا۔ اہل حصار اسکی رائے و صواب سے مشورہ کرتے اور کبھی اس سے تجاوز نہ کرتے اس بابت چچ نے یہ پیغام بھیجا کہ اگر وہ جھٹ راجہ بابیہ کو قید کر لے یا مار ڈالے تو اسکا

برہمن وزیر کا چچ کو ملک کی حدود بتلانا اور انتظام سلطنت کے بارہ میں صلاح دینا

ملک ملتان کی حد تک چچ کا پہنچنا

چچ کا حصار سکندہ میں جانا

خدمت میں جلد وہیں یہ قلعہ اور قلعہ پابیہ دونوں اُسکے حوالہ کردئے جاوینگے مقدم نے چچ کی اس شرط کو قبول
کرلیا اور چچ کے پاس اپنے بیٹے کو بھیجدیا اور خود چھتر کی نظر میں ایسا اعتبار پیدا کرلیا کہ اُسکے دربار میں رات کو
بے روک ٹوک جانے لگا۔ ایکدن آدھی رات کو فرصت پاکر چھتر کو مارڈالا اور اُسکے سر کو چچ پاس بھیجدیا۔ راجہ
چچ نے اس کام کے عوض میں اسکو بہت انعام دیا اور یہ قلعہ اُسکو دیدیا اور سب اعیان شہر نے اُسکو نذریں دیں اور
اُسکی اطاعت کیلئے قول و قسم لئے اور اُسکو ایسی نصیحتیں کیں کہ وہ ہمیشہ اُنکا مطیع رہا۔

چچ مہم اسکلندہ سے فارغ ہوکر سکہ اور ملتان کیطرف چلا۔ یہاں راجہ بجھرا راج کرتا تھا وہ بڑی قابلیت
و لیاقت رکھتا تھا مملکت اسکی وسیع تھی۔ مہاراجہ ساہسی کا وہ رشتہ دار تھا۔ جب اسکو چچ کے آنیکی خبر ہوئی
تو وہ دریائے راوی کے کنارہ پر آیا ملتان کے محاذی مشرق میں سکہ تھا اسمیں بھتیجا سہی ول حاکم تھا۔ اسمیں عمزاد
بجھرا اپنے لشکر کے ساتھ چچ سے لڑنے کیلئے آیا چچ نے بیاس کی گذرگاہ میں تین مہینہ اقامت کی جب پایاب پانی آ
گیا تو وہ مع لشکر دریا سے اُترکر قصبہ سکہ میں آیا سہی ول سے لڑائی شروع ہوئی چچ کے تھوڑے سے آدمی اور مخالفو
کے بہت سے آدمی مارے گئے تو سہی ول بھاگ کر حصار ملتان کو چلا گیا اور دریای راوی کے کنارہ پر جنگ کیلئے مستعد
ہوا چچ نے قلعہ سکہ پر قبضہ کیا۔ پانچہزار سپاہیوں کو مارڈالا اور وہاں کے باشندوں کو لونڈی غلام و اسیر کیا اور یہاں
امیر علاء الدولہ یا امین الدولہ کو اپنی طرف سے منتظم و حاکم مقرر کیا اور خود دریا کو عبور کرکے ملتان کی جانب چلا
دو لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ راجہ بجھرا لشکر جرار و جنگی ہاتھی و جنگی مرد ساتھ لیکر باہر لڑنے کیلئے آیا۔ اور چچ سے
جنگ شروع کی۔ خوب لڑائی ہوئی طرفین سے بہت آدمی مارے گئے تو بجھرہ حصار میں چلا گیا۔ اور کشمیر کو خط
اس مضمون کا قاصد کے ہاتھ بھیجے کہ برہمن چچ بن سلائج برادر الملک آلور کا ولی ہو گیا اور لشکر فراوان لیکر جلد
چلا آتا ہی اور اُسنے سارے حصون فتح کرکے استوار بنالئے ہیں۔ ہم میں اُس سے لڑنیکی قدرت نہیں حصار میں اسکے
تحت فرمان ہیں جنگ کی ابھی اس سے لڑکر فتحیاب نہیں ہوا ملتان میں محصور ہوگیا ہوں۔ ایسے برے وقت میں آپکی مدد و اعانت چاہئے
کشمیر میں اس قاصد کے پہنچنے سے پہلے وہاں کے راجہ کو موت کا پیغام آچکا تھا۔ اسکا لڑکا گدی پر بیٹھا تھا۔ وہاں وزراء
اور ندما و خواص و اکابر و اعیان ملک نے آپس میں اس بات کا مشورہ کیا اور بجھرہ کے خط کا خوب سا جواب لکھا کہ
راجہ کشمیر تو دار البقا کو سدھارا اسکا خورد سال بیٹا تخت پر بیٹھا ہے سپاہ و جا بجا بگڑی بیٹھی ہے۔ ہمکو اول اسکی
درستی ضرور ہی اسواسطے تمہاری مدد کا سامان ہم سے مہیا نہیں ہوسکتا۔ تم خود اپنے کام کا آپ انتظام کرو
جب خط کا جواب قاصد لایا تو راجہ بجھرہ کشمیر کی استعانت سے مایوس ہوا ناچار اُسنے چچ سے یہ درخواست کی کہ

مین آپکو قلعہ خالی کرکے حوالہ کرتا ہون آپ مجھے بغیر کسی روک ٹوک کے جب تک مین کسی امن کی جگہ نہ پہونچ جاؤن باہر جانے دیجیے چچ نے اس درخواست کو قبول کرلیا بجہرہ کو امان دی وہ مع اپنے متعلقین کے کشمیر کو چلا گیا۔ بعد اسکے چچ نے قلعہ مین اپنا عمل دخل کرلیا۔

جب حصار ملتان پر چچ کا قبضہ خاطر خواہ ہوگیا تو وہان اپنا ایک نائب ٹھاکر مقرر کیا خود یہان سے روانہ ہوا۔ راہ مین برہم پور-کرور-اشہار کے حاکمون نے اطاعت قبول کی۔ یہان سے وہ کشمیر کی حد تک گیا کسی جگہ مین کوئی آگے سامنے نہ لڑنے کو آیا نہ کسی اور طرح کا مقابلہ کیا قاعدہ ہے۔ خدا تعالی جب کسیکو بزرگ بناتا ہے تو ساری مصیبتین آسان اور مشکلین سہل کردیتا ہے اور اسکی آرزوئین پوری کرتا ہے جہان چچ گیا وہان اسکو لوگون نے سر آنکھون پر بٹھایا خدمت و اطاعت کیلئے تیار ہوئے۔ یون وہ حصار شاہ کلہاپر پہونچا۔ اس ضلع کی ایک جگہ بلند جسکو کنبہ کہتے ہین اور سرحد کشمیر پر وہ ہے وہان ایک مہینے اس نے قیام کیا اس نواح کے بعض راجاؤنکو اُسنے سزا دی اور امرا اور راجاؤن سے عہد و پیمان لئے اور ساری مملکت پر اپنا قبضہ کیا اور یہان سے ایک لشکر فراوان جمع کیا پھر اس نے دو درخت ایک سپیدار یعنی سفیدہ کا دوسرا دیودار کا منگا کر سرحد کشمیر پر پنج ماہیات ندی کے کنارہ پر لگائے یہ ندی کوہ کشمیر سے متصل تھی جس سے چشمے جاری رہتے تھے۔ یہان چچ نے جب تک اقامت کی کہ ان دونون درختون کی شاخین بڑھکر ایکدوسرے سے آپس مین ملین جب یہ شاخین مل گئین تو پھر اُسنے یہان یہ نشان کندہ کیا کہ لئے کشمیر کے اور میرے ملک کی یہ سرحد ہے اس سے آگے مین نہین جاؤنگا۔

چچ جب کشمیر کی حد پر اپنی سرحد مقرر کرچکا تو وہان سے اپنے دار الملک الور کو چلا آیا اور ایک سال تک یہین مقیم رہا جسمین خود سفر کی تکان اُتار کر آسودہ ہوا اس عرصہ مین اور سردارون نے اسباب و آلات جنگ کو بھی مہیا کرلیا۔ ایک دن اُسنے اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ اب مشرق کیطرف سے میرا دل فارغ ہے مغرب و جنوب کیطرف کا قصد ہے کہ جاؤن آپ مطلع فرمائیے بدہنگر وزیر نے عرض کیا کہ بادشاہون کی یہ برگزیدہ خصلت ہے کہ وہ اپنی ولایت کا اخبار و تفحص مین رہا کرین۔ مہاراج وہانکا حال یہ ہے کہ آپکی غیبت کے سبب سے اضلاع بالا کے حاکمون نے دل مین یہ غرور سمجھ رکھا ہے کہ راجہ ساہسی کے بعد کوئی ہم سے خراج ملکی لینے والا نہیں ہے۔ اس سبب سے وہان ضرور فساد و فتور برپا ہونیوالا ہے سنکر اُسنے ستھہ گھڑی سفر کے لئے پوچھی اور حصار بدھیہ و سیوستان کیطرف روانہ ہوا۔ اسوقت حصار سیوستان میں چاکہ حاکم متعین تھا۔ دریاء مہران سے عبور اس موضع سے کیا جسکو وہ بات کہتے تھے اور سما اور لوہانہ کے درمیان حد فاصل تھی اس جگہ سے بدھیہ کا قصد کیا جس مین حاکم کوتل بن دہندر گو سنگو اور دار الملک اُسکا کاکا راج یا نانا راج تھا

اور یہان کے رہنے والونکو سوئیس کہتے تہے چچ نے حملہ کرکے حصار سویس کو فتح کرلیا۔ کبابن کاکا آگے آیا اُسنے اور راجا کے او متعلقین نے امان چاہی۔ خراج دینے کا اور اطاعت کا وعدہ کیا۔

یہان سے چچ سوستان گیا وہان متہ تہے سامان کے نقص لشکر لیکر چچ سے لڑنے آیا مگر شکست پاکر قلعہ مین چلا گیا۔ چچ نے حصار کا محاصرہ کیا ایک ہفتہ مین محصورین نے عاجز ہو کے اپنے تئین حوالہ کیا اور امان چاہی بشرائط صلح منظور ہوئین اہل حصار باہر آئے اور حصار کی کنجیان چچ کے حوالہ ہوئین چچ نے اپنی بڑی مہربانی کی متہ ہی کو حصار کی ریاست دیدی اور ایک شحنہ معتمد اپنی طرف سے وہان مقرر کرایا۔ یہان چند روز چچ نے اس لئے اقامت کی کہ ملکی کام سب درست اور ٹہیک ہو جائین۔

جب سوستان کی مہم سے چچ کو فراغت ہوئی تو اُسنے اکہم لوہانہ حاکم برہمن آباد یعنی لکہا و سمروستہا کو خط لکہا کہ میری اطاعت اختیار کیجئے پہر چچ چند دنون کی راہ پر مکران سی ٹہہرا کہ یاد دن نے جو اُس راہ پر تعینات کئے تہے ایک قاصد کو پکڑا جسکے پاس خطوط اکہم کے متہ کے حاکم سوستان کے نام لکہے ہوئے نکلے جنکا مضمون یہ تہا کہ میشہ ہمیشہ آپکے ساتھ الفت و ہوا خواہی کا طریقہ جاری رکہا کسیوقت آپسے مخالفت و منازعت نہین کی خط جو آپنے بطریق مودت ارسال کئے تہے وہ میرے پاس پہونچے اور پڑہنے سی مجہے فخر حاصل ہوا میری اور آپکی موافقت ہمیشہ مستحکم ہیگی اور کبہی ایسین مخالفت نہیں ہوگی مین آپکے حکمونکی تعمیل کرونگا آپ جاہ اور ابن راجہ ہین ہم اور آپ ہین ہمیشہ ایسی حالتین بہت آدمیونکو پیش آتی رہتی ہین کہ وہ بلا وطن کئے جانیکیلئے اور دنکی امداد کے خواستگار ہوا کرتے ہین آپکا اعانت چاہنا کوئی نئی بات نہین ہے۔ آپکو اجازت ہیکہ نواح برہمن آباد ہی لیکر جدہر دیل تک جسمقام مین آپکی رائے ہو اقامت کیجئے اور اگر کسی اور طرف جانیکا قصد ہو تو کوئی آدمی آپکا مانع اور مزاحم نہین ہوگا خواہ آپ کہین ہون مین آپکا معین اور مددگار ہون۔ میرے پاس اتنا لشکر و سپاہ ہیکہ مین لڑنے سے آپکی مدد کرسکتا ہون۔ متہ کی رائے مین یہ مناسب معلوم ہوا کہ وہ ناجیہ ہند مین راجہ دل پاس جا جسکو رمل کہتے تہے۔

اکہم لوہانہ کو خط مین چچ نے یہ لکہا کہ تم اپنی قوت شوکت اصل لشکر کے سبب سے اپنے تئین بادشاہ وقت گمنے ہوا گرچہ یہ مملکت و سلطنت و اموال و نعمت و مکنت و مقدرت مجہے آبا و اجداد سے میراث مین نہین ملی مگر عنایت و فضل الہی کے عطا ہوئی ہین۔ ملک کو لشکر سے مینے نہین حاصل کیا بلکہ خدا سے یگانہ و بیچون نے میرا جی پر مہربانی کرکے مجہے عنایت کیا ہے۔ ہر حال مین خدا ہی یاد دیا تا ہون کسی دوسرے آدمی کی عنایت کا محتاج نہین ہوتا وہی میرا مددگار ہیگا جبکا مونکا اہتمام کرنیوالا ہے۔ وہی مہمات مین میرا یاوری دینے والا ہے۔ وہی کل نامرادی

دمخالفات مین نصرت و فتح کا بخشنے والا ہے۔ اُسی نے تجھے دو جہان کی نعمتین دی ہین اگر تم کو حول و قوت اپنی شہامت وصولت عدت وابستہ ہو تو ضرور اسپر زوال آئیگا۔ تمہاری جان کا لے لینا حلال ہوگا۔

چچ کا برہمن آباد مین آنا اور فتح کرنا

اب ایسے چچ نے اکھم لوہانہ سے لڑنے کا عزم کیا۔ وہ برہمن آباد سے اپنی ملک مین کہین گیا ہوا تہا جب چچ کے آنے کی خبر سنی تو وہ برہمن آباد مین آیا اور لڑائی کا سارا سامان تیار کرنے لگا۔ جب چچ نے برہمن آباد مین قدم رکہا تو وہ اُس سے لڑنے کو کھڑا ہوا۔ طرفین سے بڑے بڑے نامدار لڑنے والے مارے گئے آخر کو اکھم کے لشکر کو شکست ہوئی اور وہ حصار مین چلا گیا۔ چچ نے حصار کا محاصرہ کیا اور یہ محاصرہ ایکسال تک جاری رہا۔ اسوقت ملک ہندوستان مین یعنی کنوج (قنوج) مین ست پال سپر ال راج کرتا تہا اکھم نے اسے لکھکر امداد کی درخواست کی۔ جواب آنے نہ پایا تہا کہ اکھم مرگیا اور اُسکا بیٹا باپ کا جانشین ہوا۔ اکھم کا ایک دوست سمنی بدہ رکہو (یعنی محفوظ الصنم تہا) اسکے پاس ایک بتکدہ تہا جسکا نام بدہ نو وہار تہا اور اُسکے بدہ کا نام دلہا تہا وہ اسکا پوجاری تہا بڑا عابد زاہد مشہور تہا اُس نواح کے سب آدمی اسکے تابع تہے۔ اکھم بہی اُسکا معتقد تہا اُسیکا مذہب اختیار کرلیا تہا اسکو اپنا قطب سمجہتا تہا جب اکھم حصار مین محصور ہوا تو سمنی نے اُسکی امداد کی تہی وہ لڑا نہین عبادتخانہ مین کتابین پڑہتا رہا جب اکھم مرا اور اُسکا بیٹا جانشین ہوا تو سمنی ہراسان ہوا اُسکو ابتدا ہی وہان پہونچی وہ یہ نہین چاہتا تہا کہ ملک مین سپاہ و قطاع غیر کے ہاتہ سے نکلجا مین اس اضطراب مین آکر دیکہبھال کر حکم لگایا کہ چچ کے حوالے ملک ہوگا وہ تجہسے موافق ہوگا جب اکھم کا بیٹا لڑنے سے عاجز ہوا لشکر نے بہی لڑنے سے ہاتہ کہینچے تو حصار چچ کو سپرد کیا گیا اور اُس نے اپنی حکومت کو مستحکم کیا۔

جب چچ نے سمنی کا حال سُنا تہا کہ اُسنے اکھم اور اُسکے بیٹے سے بیعت کی ہے اور اسی کے منتر طلسم اور جادو و تدبیر سے یہ ایکسال قلعہ کی فتح مین التوا ہوا تو اُسنے قسم کہائی تہی کہ اگر اُس قلعہ پر مجہے فتح نصیب ہوئی تو سمنی کو گرفتار کرکے کہال اُسکی کہچوا دونگا اور حکم دونگا کہ نقارون پر وہ منڈہی جائے اور اُسکے بدن کی بوٹی بوٹی اڑا دیجائے۔ جب سمنی نے اس قسم کو سنا تو وہ ہنسا اور کہنے لگا کہ چچ کو یہ دسترس نہین ہوگی کہ وہ مجہے ہلاک کرسکے برہمن آباد والے مدت تک لڑتے رہے اور بہت آدمی ہلاک ہوچکے تو انہون نے لڑائی سے ہاتہ کہینچا اور صلح کی درخواست کی سمنی نے دونون کے درمیان پڑکر صلح کرادی اور حصار چچ کو سپرد ہوا اور چچ نے اہل حصار سے کہدیا کہ جسکا جی چاہے یہان سے چلاجائے کوئی مانع و مزاحم نہین ہوگا۔ جسکا جی چاہے یہان رہے۔ اکھم کے بیٹے سرہند نے چچ کی یہ مہربانی دیکہی تو وہ متعلقین کے یہین رہگیا چچ یہین مقیم رہا تاکہ رعایا کی خاطر جمع ہو۔ ایکبار چچ نے سرہند کی ماں کو پیغام بیاہ کا بہیجا۔ ماں اُنکو لیکر لے آیا اور بیاہ ہوگیا چچ نے اپنی بیٹی دہرسیہ کی لڑکی دہن کو سرہند سے بڑی دہوم دہام سے بیاہ دیا۔

فرخ نے ایک سال یہان قیام کیا اور اپنی طرف سے عمال مقرر کیے کہ وہ خراج وصول کرین گرد و نواح کے حاکمونکو بھی
اُسنے محکوم کیا۔ آخرکار اُسنے یہ پوچھا کہ وہ سمانی ساحر کہان ہے اس سے ملنا چاہتا ہون لوگون نے کہا کہ وہ بڑا مرتاض ہے
اور وہ راہبون ہی مین رہتا ہے۔ وہ حکما رہتے مین ملتا ہے وہ بدھ نود ہار کے مندر کا محافظ ہے اور وہ کل راہبون
مین بڑا اور صاحب کمال ہے اسکو وہ سحر او منتر آتے ہین کہ اُسنے ایک عالم کو تسخیر کر رکھا ہے۔ وہ اپنے علم سحر کے زور سے
تمام حوائج کو خود دفع کر لیتا ہے وہ سرپند کا بھی دوست تہا اُسکے باپ کا دوست تہا یہ اسکی کرامت تھی کہ لڑائی مین ایک سال
کا عرصہ لگ گیا جب حصار بہمن آباد فتح ہو گیا تو فرخ مسلح اور جاندار ونکو ساتھ لیکر سمنی کے پاس پہنچے فقط بدھ نود ہار کو روانہ
ہوا اسلاح بار دن کو سکھا دیا کہ جس مین اس سے باتین کر کے جھکا ہوا ہون اور تمکو دیکھون تو تم تلوار کھینچکر اسکا سر تن سے
اتار لینا جب فرخ وہان پہنچ گیا سمنی کو دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہوا معتکف عبادت تھا اور خارہ کی گل اُسکے ہاتھ مین ہے
اور بدھون کو بنا رہا ہے اور ایک مہر اُسکے پاس ہے جس کے لگانے سے صورت بدھ کی اس مٹی پر بن جاتی ہے اسطرح وہ بدھون کو
بنا کر رکھتا جاتا تہا فرخ اس کے سر پر کھڑا رہا مگر وہ اسکی طرف ملتفت نہوا ایک گھنٹہ گذر گیا وہ بدھون کے بنانے سے فارغ
ہوا تو اُسنے سر اوٹھایا اور بولا کہ پسر سیلائج آیا ہے فرخ نے جواب دیا کہ ہان اے ناسک (رہبر مذہب کا) سمنی نے کہا کہ تم
کس کام کے لیے آئے ہو فرخ نے کہا تجھے دیکھنے کی تمنا تھی اسلیے آیا ہون اُس نے ایک عمدہ فرش بچھا کر فرخ کو بٹھایا
اور اُسسے پوچھا کہ آپکی کیا حاجت ہے فرخ نے کہا میری یہ آرزو ہے کہ آپ میرے ساتھ موافقت رکھئے اور حصار بہمن آباد
مین تشریف لائیے تاکہ مین وہان آپکو عامل بناؤن اور بڑے بڑے کام سپرد کرون۔ آپ سرپند کے ساتھ رہے اور اُسکو بہار
ورلیتے بتلائیے۔ ناسک نے کہا کہ مجھے آپکی ملک کی ضرورت نہین ہے اشغال لوازمی سے مجھے فرصت نہین ہے کاروبار
دنیوی کی مجھے ضرورت نہین ہے پھر فرخ نے اُسسے پوچھا کہ اگر یہ حال ہے تو پھر حصار بہمن آباد مین کیون آپ دیبولکی
طرفداری کرتے تھے اُسنے کہا کہ جب کہ لوہانہ مر گیا تو اسکا بیٹا سرپند باپ کی جدائی سے نہایت غمناک تہا مین اسکو
صبر کرنیکے لیے نصیحت کیا کرتا تہا اور خدا کی درگاہ مین دعا و صالحہ کرتا تہا کہ مخالفون مین صلح و موافقت وہ ظاہر کرے
میرے لیے تو یہی بہتر ہے کہ مین بدھ کی خدمت کرون اور نجات آخرت کی طلب کرون اور اشغال بہتری دنیوی
پر صبر کرون مگر تم اس ساری مملکت کے راجہ ہو تمہارے حکم سے مین کل قبائل کو لیکر جوار حصار مین چلا جاؤنگا اگر مجھے
یہ خوف ہے کہ اہل حصار زراعت بدھ سے کراہت کرینگے اور ایذا پہونچاینگے فرخ نے کہا کہ بدھ کی پرستش بڑی عظیم اور
اچھی دوست کرنی اولی نہ ہے لیکن کوئی تیری حاجت ہو تو مجھ سے کہہ مین اُسکے پورا کرنے مین اپنی سعادت سمجھونگا
ناسک نے کہا کہ مجھے کوئی حاجت دنیاوی نہین تہا مجھے مہمات اخروی کی توفیق دے فرخ نے کہا کہ مین

یعنی نجات اخروی کا خواستگار ہون تو مجھے ہدایت کر کہ مین یہ جانون کہ کسی کام مین اعانت کرنی میری نجات کا سبب ہوگی سمنی نے کہا کہ تیری ہمت امور خیرات پر و خرید حسنات پر مقصود ہے تو مین تجھکو بتاتا ہون کہ ایک پرستشگاہ ہے جسکا نام بدھ نوہار مشہور ہے زمانہ کے ہاتھ سے اُسمین خلل و زلل آگیا ہے اپنی گرہ کے روپیہ سے از سر نو تعمیر کرا دے اسطرح تیری اعانت سے مجھے فائدہ ہوگا چچ نے کہا کہ آپکی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتا ہون جب چچ یہان سے برہمن آباد کو سوار ہو کر گیا تو وزیر نے پوچھا کہ آپکا تو عزم مصمم یہ تھا کہ سمنی کو قتل کرینگے جب آپ اُسکے سامنے گئے تو آپ اُسکی رضاجوئی کے خود خواستگار ہوئے۔ اور اُسکی درخواست کو منظور کرلیا چچ نے کہا کہ جب مین اُسکے پاس گیا۔ تو مینے دیکھا کہ کوئی چیز سحر و شعبدہ کی نہین ہے۔ اور مینے یہ معائنہ کیا کہ میری نظر کے سامنے اُسکے سر پر ایک پیکر کھڑی ہوئی ہے جب مین بیٹھا تو اُسکی صورت مجھے مکروہ و سہمناک و بدرو معلوم ہونے لگی اُسکی آنکھین آگ کیطرح چمکتی تھین غصہ سے بھری ہوئی تھین۔ اُس کے ہونٹ موٹے اور لٹکے تھے۔ اور اُس کے دانت مثل سنان تھے اس کے ہاتھ مین ایک نیزہ تھا جو الماس کیطرح تابان تھا معلوم ہوتا تھا کہ اب وہ کسی پر اُسکو چلا دیگی۔ اُسے دیکھکر مین بہت ڈرا اور اس سے کوئی بات ایسی نہین کر سکتا تھا جس کو تم سُن سکو مجھے اپنے بچانے کی فکر تھی۔ مین اُسکی اعانت کرکے اپنی جان بچا لایا۔

برہمن آباد مین چچ جب تک مقیم رہا کہ مملکت کے تمام کام وجوہ مال و نیز رعایا کا استحکام ہوا اُس نے جاٹون اور لوہانون کو ذلیل کیا اور اُنکے سردارونکو سزا دی۔ اُسنے اول لیکر برہمن آباد مین قید کئے اور اُنکو مجبور کرکے یہ شرطین ٹھیرائین کہ وہ کبھی تلوار نہ باندھین اگر باندھین تو نقلی تلوار وہ کبھی جامہ زرین پشمینی نہ پہنین اگر چادر پیچانی پہنین تو سرخ و سیاہ رنگ کی ہو۔ بے زین اسپ پر سوار ہون سر و پا برہنہ رہین۔ گھر سے باہر نکلین تو کتے ساتھ رکہین والی برہمن آباد کے باورچی خانہ کے لئے لکڑیان بہم پہونچائین رہبری و جاسوسی کیلئے وہ آدمی بھیجین جو مخصوص خواص کیتے ہون سرہند لیکر الکھے کے ساتھ موافقت کرین اگر کوئی اُنکا دشمن اس ملک مین لڑنے بھڑنے آئے تو انکو اور سرہند کی مدد کرنی واجب ہے۔ غرض اُس نے یہ سب کام کرکے اپنی سلطنت کو مستحکم کرلیا اور سب گردنکشی کی اور عداوت اُسکی اُس نے اول لے اور اُسکو سزا دی تاکہ وہ اپنی نشین درست کر جب چچ کو ان امور سے فراغت ہوئی تو اُس نے یہ ارادہ کیا کہ کرمان کی حدود کو متعین کرے کہ ملوک ہند کی سلطنت کی حدود سے ملی ہوئی تھین کسریٰ بن ہرمز کے مرنے اور ملک فارس کی بربادی کے بعد اس وقت ملک عجم پر سلطنت ایک شہزادی دختر توران یا دختر زبان کے ہاتھ مین تھی جب چچ کو یہ معلوم ہوا تو اُس نے لشکر عظیم کو جمع کیا

جانیکا ارادہ کیا۔ اور جو تشیوں نے سفر کی ساعت نیک مقرر کی تھی وہ ارمابیل کیطرف روانہ ہوا۔ یہان کا حاکم اُس کے استقبال کو آیا۔ باہم قول و قرار ایسے ہوگئے کہ جنسے انکی درمیانی لوگون مین مودت و محبت قایم ہوگئی۔ یہان سے وہ مکران کو روانہ ہوا۔ راہ مین جو رئیس ملا اُسنے اطاعت اُسکی اختیار کی۔ بلاد مکران و رکوہستان سے نکلکر وہ ایک اور بلاد مین پہونچا۔ یہان ایک پرانا حصار کہ نہ تھا۔ اُسکے از سر نو تعمیر کرنیکا حکم دیا اور تمام گرد کی دہقین کو جمع کر کے اس عمارت کو پورا بنا دیا اور یہہ حکم جاری کیا کہ ہر روز صبح و شام پانچ باجونکی نوبت بجا کرے یہانسے پھر کرمان کیطرف گیا۔ اس ندی کے کنارہ پر جو مکران اور کرمان کے درمیان روان تھی۔ یہان شرقی حد مقرر کی۔ اور اس ندی کے کنارے پر کھجور کے درخت لگائے اور یہ نشان کر دیا کہ چچ بن سلائج بن بسائش کے عہد مین یہ ہند کی حد تھی اور آج وہ ہمارے قبضہ مین آئی۔ یہان سے چل کر وہ ارمابیل مین آیا۔ اور توران کی ملک مین گزر کر دشت تورانی مین آیا۔ راہ مین کوئی شخص اُس سے لڑنے کو نہین کھڑا ہوا۔ پھر وہ بلاد قندابیل (قندھار) مین آیا۔ یہان بہی بایان کو طی کر کے حصار کا قصد کیا۔ آدمیون نے اسمین پناہ لی پس جب ندی سیتی کے کنارہ پر آیا تو یہان خیمہ لگایا۔ اہل حصار کو ایسا تنگ کیا کہ مالگزاری کے لیئے انہوں نے لاکہ درہم اور ایکہزار کوہی اسپ سالانہ دینے کا اقرار کیا یہانسے اپنی دار السلطنت الور مین آیا۔ یہین مقیم رہا جبتک کہ سفر آخرت پیش آیا۔ چالیس برس تک سلطنت کی اور ملک کی آبادی اور افزایش مین کوشش کی چچ کی وفات کے بعد اُسکا بہائی چندر بن سلائج دار الملک الور مین تخت نشین ہوا اُسنے راہبون اور ناسکون (بدہون) کے مذہب کو بڑی تقویت دی اور اس مذہب کے مسایل کو رواج دیا بہت آدمیونکو بزور شمشیر اس مذہب مین داخل کیا اُسکو سلاطین ہند نے بہت سے خطوط و مکتوب لکھے۔

جب قہتہ رئیس ہوستان راجہ کنوج (قنوج) پاس پہونچا ہندوستان کا ملک اُسوقت نہایت سرسبز ہو رہا تھا۔ قنوج مین سہی رس بن رسل راجہ تھا۔ قہتہ نے اُس پاس جا کر یہ کہا کہ چچ بن سلائج مر گیا اور اُسکا بہائی چندر جو راہب ہے تخت نشین ہوا۔ وہ ناسک ہے عبادت خانہ مین سارے دن وہ ناسکون اور مذہبی آدمیون کیساتھ تدریس علم مین مشغول رہتا ہے اپنے آدمی سے سلطنت کا چہین لینا سہل ہے اور اس ملک پر قبضہ کر کے مجھے عنایت کرے تو اس نواح کی مالگزاری مین اپنے ذمہ لیکر راجہ کے خزانہ مین بہیجا کرون۔

سہی رس نے قہتہ سے کہا کہ چچ کا ملک بزرگ اور ولایت اُسکی وسیع تہی وہ مر گیا اگر اس کے ملک پر مین قبضہ کر لون اور کسی حصہ مین تجھے حاکم مقرر کرون تو میری مملکت وسیع ہوجائیگا اور پس سہی رس نے اپنے بہائی برباس بن کرایس کو روانہ کیا ملک کشمیر درمل جو چچ کا نواسہ باج گرتا تھا اُسنے بہی برباس

شریک ہونیکا وعدہ کیا اور دونون لشکر لیکر روانہ ہوئے اور وہ ماسی ندی کے کنارہ پر پہونچے حصار دیول مین جو چندر
کے گماشتے اور اہلکار تھے وہ بھاگ گئے اس حصار پر حملہ آورون نے قبضہ کیا اور آگے بڑھے اور بند کاہوبہ پر پہونچے
یہان ایک مہینہ قیام کیا اور بدھ کی پوجا کی چندر بن سیلاج پاس قاصد اور نامہ بھیجا کہ تم یہان آؤ اور ہماری اطاعت
اختیار کرو اور ہم تمہاری حفاظت کرین۔ چندر سے آئے اور اطاعت سے انکار کیا اور سامان جنگ مہیا کیا۔

سی ہرس نے داہر پاس ایلچی بھیجا۔ کچھ دغا و فریب کی چالین چلا مگر کوئی داؤ اسکا نہ چلا پیشل حرام رہا۔
چندر کی سلطنت قایم ہو گئی۔ رعایا اسکے عہد مین آرام سے رہنے لگی سات برس تک اس نے راج کیا آٹھوین سال موت آگئی
اور اسکے تخت پر داہر بیٹھا اور برہمن آباد مین چندر کا بیٹا راج راجہ ہوا مگر یہان راج کی حکومت ایک برس ہی
کہ وہ مر گیا اس کے بعد داہر سیہ (?) نے اس ملک پر قبضہ کیا۔ اسکی بہن بائی اس بھائی کے ساتھ بہت محبت
رکھتی تھی اور اس کی اطاعت کرلی تھی اگہم کی بیٹی سے داہر نے شادی کی اور وہ پانچ برس تک برہمن آباد
مین رہا۔ اطراف کے رؤسا نے اسکی اطاعت اختیار کی۔ کچھ دنون وہ قلعہ راور مین رہا۔ اس قلعہ کی بنیاد چچ نے
ڈالی تھی۔ مگر اسکو پورا بنا ہوا اپنی زندگی مین نہین دیکھ سکا۔ مگر داہر نے اس کام کو پورا کیا اور آس پاس کے
باشندے یہان بسا دیئے اور اسکا نام راور رکھا اور پھر وہ برہمن آباد چلا گیا اور یہان اپنی سلطنت کو نہایت مستحکم

ایکدن داہر سیہ سوچ رہا تھا کہ میری بہن بیاہنے کے قابل ہو گئی ہے اور کہین اسکا بیاہ نہین ہوتا
کہ اس پاس قاصد یہ پیغام لیکر آئے کہ ملک بائل (?) مین جو بھاٹیہ کا راجہ سوہن ہے وہ یہ چاہتا ہے کہ آپ اپنی بہن کا
بیاہ اس سے کر دین۔ اس نے بہن کا جہیز شاہانہ تیار کیا اور سات سو گھوڑے اور پانچسو پیادے بہن کے ہمراہ
کرکے الور کو راجہ داہر پاس بھیج دیا۔ اور بھائی کو لکھا کہ وہ بہن کی شادی بھاٹیہ کے راجہ سے کر دے اس نے
یہ اقرار کرلیا ہے کہ وہ حصار کو اپنی بہن کے مہر مین دیدیگا۔ قاصد الور مین آیا اور ایک مہینہ تک ٹہیرا رہا۔

ارکان شاہی مین سے کسی ایک نے راجہ داہر سے کہا کہ ایک منجم بڑا صاحب کمال آیا ہے راجہ نے کہا کہ تم جاکر
ہمارے سفر و حضر و رتق مملکت و امور سلطنت کے بابت اس سے استفسار کرو۔ اُسنے کہا کہ مہاراج راجاؤن کو یہ زیبا نہین ہے
کہ حکما و علما و فضلا کے لئے اپنے دربار مین آنے کا وقت تنگ کرین کیونکہ یہی ہمارے امام اور پیشوا ہین انکی
خدمت مین جانا اور انکا احترام کرنا اپنے اوپر لازم کرنا چاہیئے کہ انکی دعا سے جاہ و مرتب کو ازدیاد و دوام ہوتا ہے
بہتر یہی ہے کہ آپ خود بدولت ہوکر منجمون سے پوچھین۔ یہ سنکر راجہ داہر خود منجم پاس گیا اور بہت سے
سوالات کے منجملہ انکا ایک یہی تہا کہ ہماری بہن بائی کے طالع کی کیفیت کیا ہے منجم نے کہا کہ ساتھ

چندر کی سلطنت

افسانہ متعلق راجہ داہر کی شادی کا اپنی بہن سے داہر کے ساتھ

یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حصار الور سے باہر نہیں جائیگی اور جس شخص کے تحت فرمان ملک ہندوستان ہوگا اُس سے اُس کا بیاہ ہوگا۔ منجم سے یہ بات سُنکر راجہ کو فکر ہوا۔ وزیر بدھی من اپنے باپ کے وزیر کو بُلایا۔ یہ سارا حال اُس کو سُنایا۔ وزیر نے کہا کہ مہاراج یہ چار چیزیں جب اپنے مقام سے ٹل جاتی ہیں تو پھر اپنی جگہ پر قائم نہیں ہوتیں۔ بادشاہ اپنے ملک سے۔ وزیر اپنی وزارت سے۔ گرو اپنے چیلوں سے۔ بال بدن سے۔ بادشاہ مملکت کے لئے اپنے بھائیوں اور عزیزوں کی جان لے لیتے ہیں ان کو جلا وطن کردیتے ہیں اور اُن کی مداخلت اور مشارکت کو ملکداری میں روا نہیں رکھتے جب بادشاہ معزول ہوجاتا ہے تو عوام الناس کے مساوی ہوجاتا ہے۔ منجم نے جو حکم لگایا ہے۔ اُس کے موافق آپ کو اپنی بہن کے ساتھ بیاہ کرلینا چاہئے اور اسکو اپنے تخت پر اپنی برابر بٹھانا چاہئے تاکہ یہ مملکت تیری قائم رہے۔ داہر نے وزیر سے یہ پوچھکر اُن پانسو آدمیوں کو جو اُسکے خواص اور معتقد تھے بلایا اور یہ فرمایا کہ مجھے ہر حال میں اعتقاد اور اعتماد تمہاری کفایت وشہامت پر ہے تمہاری مشاورت و مصالحت و مناصحت بغیر میں کوئی کام سلطنت کا نہیں کرتا۔ منجم نے یہ کہا کہ مائی اس حصار سے باہر نہیں جائیگی اور شوہر اُس کا وہ شخص ہوگا جس کے قبضہ میں یہ مملکت ہوگی۔ ایسا نہو کہ سلطنت کا انقلاب ہو۔ راج پاٹ چھوڑنا بڑا دشوار ہے۔ بدھی من وزیر نے جو مصلحت بتائی ہے وہ نہایت شرمناک ہے۔ اس سے برہمنوں کے خاندان کا مُنہ کالا ہوتا ہے جب اس کا شہرہ ہوگا تو اور راجا اور ہرجا ذات سے نکال دینگے۔ اب تم سب سوچ کر جواب دو۔ راجہ کے اس وسوسہ کے دور کرنیکے لیے بدھ من وزیر نے یہ حکمت نکالی کہ ایک بکری کی پیٹھ پر خشخاش کے دانے بوکر اُس کو سرسبز کیا اور اسکو شہر میں چھوڑدیا۔ سارے شہر میں اُس کی دھوم مچگئی۔ جو ہے اُسی کا ذکر کرتا ہے اور تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہے مگر تین روز کے بعد پھر کسی نے اسکو نہ پوچھا کہ وہ کیا ہے۔ وزیر نے یہ تماشا دکھا کر راجہ سے کہا کہ جو کام نیک و بد ہوتا ہے اُس کا چرچا تین چار روز تک رہتا ہے پھر کوئی اسکی خیر و شر کو یاد نہیں کرتا۔ بادشاہ پر یہ فرض ہے کہ وہ کام کرے جس سے سلطنت ہاتھ سے نہ جائے۔ غرض وزیر کی اس فہمائش سے ان پانسو آدمیوں نے بھی اس پر اتفاق کرلیا کہ راجہ اپنی بہن سے بیاہ کرلے۔ راجہ نے بہن سے شادی کرلی۔ اور اس کا حال سب خاص و عام پر کھلگیا۔ اسکے بعد راجہ داہر نے اپنے بڑے بھائی دہرسیہ کو بصد تعظیم و تکریم خط میں یہ سارا حال اول سے آخر تک لکھا۔ دہرسیہ نے اس خط کے جواب میں لکھا کہ یہ کام تم نے خواہ مجبوری کیا ہو یا باختیار کسی طرح اس میں تمہارا عذر قابل پذیرائی نہیں ہے۔ یہ خط دہرسیہ کا داہر پاس پہنچا تو اُس نے ارادہ کیا کہ بھائی پاس جائے اور معذرت کیجئے اسکی صلاح وزیر سے پوچھی۔ وزیر نے کہا کہ اگر وہاں جانیکا ارادہ رکھتے ہو تو پہلے جان سے ہاتھ دھولو

اس معاملہ میں دونوں بھائیوں میں بہت کچھ خط کتابت ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ اور یہ دہرسیہ نے چڑھائی کی بہت دنوں تک داہر کی گرفتاری کی فکر میں رہا۔ اسکو اپنے پاس بلاتا رہا۔ داہر کو بدھی من وزیر سمجھاتا رہا کہ تو بھائی پاس گیا نہیں کہ مارا گیا نہیں۔ غرض دونوں بھائیوں میں خوب داؤ پیچ ہوئے مگر ایک دوسرے کو پچھاڑ نہ سکا۔ دہرسیہ کو ان رنجشوں سے ایک دن تپ چڑھی دوسرے دن بدن پر آبلے نکلے چوتھے روز جان عزیز رخصت ہوئی۔ داہر کو اس کی خبر ہوئی اُس نے بھائی کے لشکر میں جانے کا قصد کیا اس حال میں بھی بدھی من وزیر نے جانے سے منع کیا اور یہ لومڑی کی نقل سنائی کہ ایک لومڑی چلنے پھرنے سے جب عاجز ہوئی تو مردہ بنکر وہ لیٹ جاتی مُردار خوار جانور اُسکے کھانے کو اکٹھے ہوتے یہ اُنہیں سے کسی کو نوش جان کرتی۔ راجہ صاحب کہیں یہی واقعہ آپکو پیش آئے۔ غرض جب سب طرح سے تحقیق ہوگیا کہ دہرسیہ حقیقت میں مرہی گیا تو داہر اُسکے لشکر میں گیا اور اُسکی لاش کو جلایا۔

داہر برہمن آباد میں آکر ایک سال مقیم رہا کہ اطراف ملک کے رئیسوں کو مطیع کرے۔ اُسنے دہرسیہ کے بیٹے پر بڑی مہربانی اور شفقت کی۔ پھر وہ سوستان گیا۔ وہاں سے راور جس کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔ یہاں کی آب و ہوا خوش تھی۔ جاڑے کے چار مہینے یہیں بسر کئے۔ آٹھ برس تک وہ ملک کے انتظام میں ساعی رہا تو اُسکی سلطنت ہندوسند میں خوب قائم ہوگئی۔ اسکے راج کی دھوم مچگئی۔ رمل کے رئیسوں کو اسکی دولت اور ہاتھیوں کا حال معلوم ہوا

رمل کے رئیس ایک لشکر جرار اور ہاتھیوں کو ساتھ لیکر بڑے ساز و سامان سے داہر سے لڑنے کے لئے بدھیہ کی راہ سے قلعہ راور پر آئے اور اُس کو فتح کرکے وہ اور بھوپنچے۔ داہر کو جب اسکی خبر پہونچی تو اُس نے بدھی من وزیر کو بُلاکر کہا کہ ایک دشمن قوی ہماری ولایت کے اندر آگیا ہے آپکی صلاح و مشورہ اس کے دفع کرنیکے لئے کیا ہے مطلع کیجئے۔ وزیر نے کہا کہ بقا با دشاہ را۔ اگر آپ حرب و مخاصمت میں تقویت و شوکت ایسی رکھتے ہیں کہ اُس سے لڑسکتے ہیں تو تلوار میان سے نکالئے اور لڑائی کیلئے کمر باندھئے اور دشمن کو دفع کیجئے۔ اگر یہ نہیں ہوسکتا تو مصالحت و موافقت کیلئے مال نذر دیجئے۔ بادشاہ اسی دن کیلئے دفینے رکھتے ہیں کہ کیا اسکو سپاہ میں خرچ کرکے دشمن سے لڑتے ہیں یا اُس کو دشمنوں کو دیکر دفع کرتے ہیں۔ آدمی کے دین دنیا کے کام دولت ہی سے سرسبز ہوتے ہیں۔ دنیا میں دشمنوں کو وہ دفع کردیتی ہے۔ آخرت کیلئے وہ زاد راہ تیار کردیتی ہے۔ داہر نے کہا کہ مجھے اس عار اُٹھانے سے کہ دوسرے کے آگے سر جھکاؤں مرنا بہتر معلوم ہوتا ہے۔

محمد علافی بنی سامہ میں سے داہر کے پاس پانسو عرب لیکر آگیا تھا (اُس کا حال پیچھے بیان ہوگا) اسکو بدھی من

داہر کا برہمن آباد میں رہنا

رمل کے رئیس کا داہر سے لڑنا

محمد علافی

وزیر نے راجہ داہر کو بتلایا کہ اہل عرب کی برابر کوئی شیوۂ جنگ نہیں جانتا اس سے استدعا کر کہ وہ تیری طرف سے لڑے راجہ داہر ہاتھی پر بیٹھکر اُسکے گھر گیا اور کہا کہ اے وجیہ العرب میں تجکو عزیز رکھتا ہوں اور بہت رعایت تیرے ساتھ کرتا ہوں۔ مجھ پر یہ کڑا وقت آیا ہے کہ ایک دشمن قوی سر پر آگیا ہے ابھی تیری رائے صواب کیا ہے اس سے اطلاع دے۔ جو کچھ تو کر سکتا ہے اُسے کہہ۔ محمد علافی نے کہا کہ راجہ کو خوش دل ہونا چاہیئے اور کوئی اندیشہ نہ کرنا چاہیئے کہ میری تدبیر دشمن کے ہٹا دینے کیلئے کافی ہوگی۔ محمد علافی نے پانسو عربی سپاہیوں اور باقی ہندی سپاہیوں سے رل کے لشکر پر شبخون مارا اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔ دشمن کا لشکر پریشان ہوگیا۔ اسّی ہزار آدمی اور پچاس ہاتھی گرفتار کیے اور گھوڑے اور ہتھیاروں کا تو حساب ہی نہیں کہ کتنے ہاتھ آئے غرض بڑی فتح نمایاں حاصل کی۔ دوسرے روز قیدی آئے اُنکے قتل کا حکم ہوا۔ مگر وزیر علافی نے کہا کہ جب بادشاہوں کو خدا تعالیٰ فتح دے اور دشمن کے اکابر و اعیان اسیر ہوں تو اُنپر رحم کرنا چاہیئے۔ بہتر ہے کہ ان قیدیوں کی جان بخشی کی جائے۔ اس سفارش سے داہر نے قیدیوں کو رہا کردیا۔ داہر نے وزیر مبارک تدبیر محمد علافی سے کہا کہ جو کچھ تم چاہتے ہو مانگو۔ وزیر نے کہا کہ میرے بیٹا کوئی نہیں ہے کہ میرا نام دنیا میں زندہ رہے اسلئے آپ یہ حکم دیدیجئے کہ دار الضرب میں جو سکے ڈھلیں اُنکے ایک طرف میرا نام ہو اور دوسری طرف آپ کا جس سے ہند و سندھ میں میرا نام ہمیشہ یادگار رہے۔ راجہ نے یہی حکم دیدیا اُسکی سلطنت کو پھر استحکام ہوگیا۔ وہی راجائی جبتک کرتا رہا کہ مسلمانوں کی مداخلت اسکے راج میں شروع ہوئی۔

تحفۃ الکرام میں یہ لکھا ہے کہ چچ نے دہرت راجہ چیتور یا جیپور کو مار کر اپنی سلطنت سنہ [illegible] میں جمائی چالیس برس سلطنت کی۔ اسکے بعد چو راجہ چندر راجہ ہوا اُسنے آٹھ برس راج کیا اُسکے بعد راجہ داہر ٣٠ برس سلطنت کر کے سنہ ٩٣ھ میں مارا گیا۔ ان برہمنوں کے نسل کے راج کی مدت ٩٢ سال ہوتی ہے مگر جو اوپر آس نے تفصیل لکھی ہے اُس سے ان تینوں سلطنتوں کی مدت ٧١ سال ہوتی ہے۔

ملک سندھ پر اہل عرب کی حملہ آوری اور فتحیابی

ہمنے پہلے بیان کیا کہ بلاد کرمان و سجستان کی فتوح سے اہل عرب کی سلطنت کا اندیشہ ملک سندھ کی سلطنت سے لگ گیا تھا۔ قاعدہ ہے کہ زبردست سلطنت کے ہمسایہ میں جو کمزور سلطنت ہوتی ہے وہ ہمیشہ زبردست سلطنت کی محکوم ہو جاتی ہے اسلئے ضرور تھا کہ ملک سندھ پر اہل عرب کا تسلط ہو۔ آنحضرت صلعم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں تو اہل عرب کو ملک سندھ کی طرف کچھ خیال نہیں ہوا۔ مگر بعد اس زمانہ کے خلفا کے عہد میں اُنھوں نے اس ملک پر حملے کیے اور فتحیں پائیں یوں حملات و فتوحات کو بالترتیب اول سے اس زمانہ تک کہ سلسلہ خلافت عرب سے ملک سندھ جدا ہو گیا بیان کرتے ہیں

خلفائے راشدین

اس خلافت میں ۱۵ یا ۱۶ھ میں عثمان بن عاص ثقفی حاکم بحرین و عمان نے حضرت عمرؓ کے بغیر صلاح و مشورہ عمان کی راہ سے ساحل ہند پر ایک لشکر جنگ و غزا کے لئے بھیجا۔ یہ بمبئی میں تانا تک آیا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ناراض ہو کر یہ خط لکھا کہ اے برادر ثقفی تو نے لکڑی میں گھن لگا دیا۔ اس مہم میں میرے آدمی شکست پا کر جتنے مارے جاتے تو بخدا اُتنے آدمی تیرے قبیلہ سے قتل کرتا۔

اسی زمانہ میں حکم برادر عثمان جو بحرین کا حاکم مقرر ہوا تھا بھروچ پر فوج بھیجی۔ کشتیاں لشکر سمیت دریا کی راہ سے روانہ کیں اور اس لشکر کا سردار اپنے بھائی مغیرہ بن العاص کو مقرر کیا۔ تاکہ اس راہ سے دیبل پر پہونچے۔ اس زمانہ میں ملک سندھ پر چچ بن سلائج کا راج ۳۵ سال سے چلا آتا تھا۔ یہاں کے رہنے والے تجارت پیشہ تھے۔ سمہا بن دیوائج یہاں چچ کی طرف حاکم تھا۔ جب اہل عرب کا لشکر دیبل پر پہونچا تو وہ اُنسے لڑنے آیا۔ لشکروں کا مقابلہ ہوا ایک شخص بنی تمیم سے یہ حکایت کرتا ہے کہ مغیرہ ابن العاص کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی اور زبان پر بسم اللہ فی سبیل اللہ کا کلمہ تھا کہ وہ شہید ہو گیا۔ اس سے لوگوں نے پوچھا کہ تو نے یہ آواز کہاں سے سن لی اس نے کہا کہ ہاتھ لڑتا تھا۔ گوش دل یہ آواز سنتا تھا۔

تھوڑے دنوں کے بعد عراق کا حاکم ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوا۔ ربیع بن زیاد حارثی کو اُسنے بلاد کرمان و مکران میں حاکم مقرر کیا۔ دار الخلافت سے ابو موسیٰ اشعری کے نام حکم آیا کہ ممالک و مسالک ہند کا حال حتی الوسع دریافت کر کے اطلاع دے۔ ابو موسیٰ اشعری ابھی مغیرہ کی مہم کا حال دیکھ چکا تھا۔ اُسنے خلیفہ کو جواب لکھا کہ ہند و سندھ کا راجہ بڑا طاقتور اور متکبر و خبیث الباطن و بدپرست ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے تاکیدی احکام جاری کر دیئے کہ ہند پر جہاد نہ کیا جائے۔ بحری مہمات حضرت عمرؓ کو پسند خاطر نہ تھیں۔ اُنمیں بہت سی مصلحتیں تھیں۔ وہ خوب جانتے تھے کہ اہل عرب سب طرف ساحل بحر پر بحری کاموں میں مشاق نہیں ہیں۔ بحر قلزم کے ساحل پر اہل عرب بحری کاموں میں ایسے مشاق و چست و چالاک نہ تھے جیسے کہ بحر ہند کے ساحل پر۔ جب ملک مصر فتح ہوا ہے تو انہوں نے عمر بن عاص سے پوچھا کہ سمندر کا حال کیا ہے تو اُسنے جواب میں لکھا کہ سمندر ایک بڑا ابر کبیر ہے جسمیں بعض پانی اس طرح کاٹ کر چلتے ہیں جس طرح لکڑی کے شہتیروں کو کیڑے۔ یہ دیکھکر حضرت عمرؓ نے بحری مہمات کی ممانعت فرما دی۔ حضرت عثمانؓ کی خلافت میں یہ ممانعت دور ہوئی۔ امیر معاویہ نے ۲۸ھ میں جزیرہ قبرس پر جسکو اب سائی پرس کہتے ہیں حملہ کیا ہے۔ پھر مسلمانوں میں بحری مہمات کا آغاز ہوا۔ اور امیر معاویہ نے اپنی خلافت میں تو دشمنوں کے مقابلہ میں بحری لشکر روانہ کئے

سنہ ۲۲ھ میں عبداللہ بن عامر بن ربیعہ کرمان کو فتح کرکے سیستان یا سجستان میں داخل ہوا اور اسکی دارالسلطنت کو اشیر کو جو مثل خیمہ بے چوب تھا فتح کیا اور مکران میں آگے قدم بڑھایا۔ اہل مکران نے فرمانروائے سندھ سے امداد طلب کی۔ اسنے اپنا لشکر انکی امداد کے لئے بھیجا مگر دونوں لشکروں نے ملکر لشکر اسلام سے ایک رات میں ہزیمت پائی کوئی لکھتا ہے کہ اس لڑائی میں ہند و سندھ کا فرمانروا راجہ بھی مارا گیا۔ ان فتوحات کے جوش میں آکر عبداللہ بن عامر نے حضرت عمرؓ سے دریائے سندھ کے عبور کرنیکی درخواست کی مگر وہ اپنی اسی محتاط تدبیر کے پابند تھے اس لئے یہ درخواست نامنظور فرمائی۔ اس خلافت میں شہر بصرہ کی بنیاد بھی اس نظر سے ڈالی گئی کہ فارس اور ہند کے راستہ پر قبضہ ہو جائے اور خلیج فارس کی آمد و رفت پر اختیار ہو جائے اور شاہی خاندان فارس کے بھاگ جانے کا یہ رستہ بھی بند ہو جائے بصرہ کے بندرگاہ میں اب تک یورپ کے جہازوں کی آمد و رفت ہے۔ ہند کی تجارت کیلئے یہ عمدہ راستہ و قیام گاہ ہے۔

اس خلافت میں بجائے ابو موسیٰ اشعری کی جگہ عبداللہ بن عامر بصرہ میں حاکم مقرر ہوا اس نے یہ خیال کرکے کہ مشرق میں سلطنت بڑھانے کا موقع بہت خوب ہے خلیفہ سے اجازت حاصل کرکے حکیم بن جبلہ العبدی کو اس غرض سے روانہ کیا کہ وہ سجستان و مکران کا اور نیز ملک سندھ کا حال تحقیق کرکے اطلاع دے۔ حکیم بڑا سخنگو اور شاعر کامل تھا بعض کہتے ہیں کہ امیرالمومنین عثمانؓ نے عبداللہ بن عامر کو لکھا تھا کہ حکیم ابن جبلہ کو ہندوستان روانہ کرے کہ وہ ممالک ہند و سندھ کا حال تحقیق کرے۔ عبداللہ نے اسے بھیجا وہاں سے سارے حالات تحقیق کرکے عبداللہ کے پاس آیا اور انکو بشرح بسط اسکے روبرو بیان کیا۔ عبداللہ نے اسکو امیرالمومنین عثمانؓ پاس بھیجا۔ وہ جب انکی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ اے حکیم تو نے ہندوستان کو دیکھا وہاں کے حالات کیا ہیں اسنے کہا کہ ہاں میں نے دیکھا کہ آب کم یاب میوے ترش و بے مزہ۔ زمین سنگلاخ۔ باشندے وہاں کے بہادر اگر تھوڑی فوج وہاں جائے تو اسے وہاں کے آدمی کھا جائیں اور اگر زیادہ جائے تو بھوکی پیاسی مر جائے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے پوچھا کہ عہد و پیمان کے ایفا میں اہل ہند کا کیا حال ہے تو اس نے جواب دیا کہ بڑے خائن اور غدار ہیں پس یہ حالات سنکر خلیفہ نے عبداللہ کو لکھ بھیجا کہ سندھ پر لشکر کشی سے احتراز کرے۔ حکیم ملک کے ایسے برے حصے میں آیا کہ جنکے حالات دریافت ہوئے اہل عرب کا خیال اس طرف فتوحات کا سرد ہو گیا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کی خلافت میں عامر بن حارث روایت کرتا ہے کہ انہوں نے تاغر بن دعور کو سرحد ہند کے لشکر پر افسر مقرر کیا۔ اور ایک لشکر اسکے ساتھ کیا جسمیں ایک جماعت اکابر و اعیان کی تھی سنہ ۳۸ھ میں وہ دلاور کوہ پایہ سے روانہ ہوا جہاں گیا وہاں مظفر و منصور ہوا غنیمت و لونڈی غلام اسکے ہاتھ لگے ۔۔۔ تک کا تان

یعنی کنکان میں پہونچا۔ جہاں کے بیس ہزار آدمی اُس کے روکنے اور لڑنے کیلئے کھڑے ہوئے۔ اس لشکر میں حارث بن مرہ بڑا مرد شجاع تھا۔ ایک ہزار سوار مبارز اُسکے لشکر میں تھے سخت لڑائی شروع ہوئی۔ اہل عرب کا رستہ اہل کیکان بند کرنا چاہتے تھے مگر اہل عرب نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ سارے چپ و راست کے پہاڑ گونج اُٹھے اور دشمنوں کے لڑائی سے پیر اُکھڑ گئے۔ بعض نے آنکر اسلام قبول کیا۔ باقی حیران و پریشان فرار ہو گئے۔ یہ ایک فسانہ بنا ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ آجتک ان پہاڑوں سے اللہ اکبر کی آواز آتی ہے۔ یہ فتح حاصل ہو ہی رہی تھی کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کی شہادت کی خبر آئی۔ جب وہاں سے لشکر پھر کر مکران میں آیا تو سُنا کہ امیر معاویہ خلیفہ ہو گیا۔ اس لڑائی میں حارث بن مرہ نے بڑا نام پایا۔

خلفائے خاندان امویہ یعنی بنی اُمیہ کی خلافت ۴۱-۱۳۲ھ

۶۶۱-۷۴۹ء

اس خاندان میں اول خلیفہ امیر معاویہ ہوا۔ اُس نے عبداللہ بن سوار کو چار ہزار سوار دیکر ہند کی سرحد پر جو کیکان کی طرف ہے حاکم مقرر کیا۔ عبداللہ کی سخاوت کا حال یہ تھا کہ سوائے اُس کے گھر کے کسی اور شخص کے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ مشرقی سرحد پر اُس نے بہت غنیمت حاصل کی۔ جب وہ امیر معاویہ پاس گیا تو اُسنے کیکان کے گھوڑے نذر کئے وہ تھوڑے دنوں امیر معاویہ کی خدمتمیں رہا۔ پھر کیکان میں آیا جہان ترک اپنا سارا لشکر جمع کرکے اُس سے لڑا اور اسکو مار ڈالا اسی حال کو چچ نامہ میں یوں لکھا ہے کہ امیر معاویہ نے عبداللہ بن سوار کو چار ہزار سوار دیکر ولایت سندھ حوالہ کی اور یہ کہا کہ وہاں ایک کوہ کیکان ہے جہاں کے گھوڑے بلند قامت و موزوں صورت ہوتے ہیں وہ پہلے غنائم میں میرے پاس آچکے ہیں۔ مگر وہاں کے آدمی غدار ہیں۔ پہاڑوں میں پناہ گیر ہو کر اپنے تمرد اور سرکشی کی سزا سے بچ جاتے ہیں عمر بن عبداللہ بن عامر کو اربابیل کے فتح کرنیکے لئے بھیجا۔ اور کے واقعہ کی روایت ایک اور طرح سے بھی کیگئی ہے کہ جب عبداللہ بن سوار چار ہزار سوار کے ساتھ بھیجا گیا تو کوئی شخص اُسکے لشکر میں آگ نہیں جلاتا تھا۔ کل زاد راہ ہمراہ تھا۔ ایک رات کو شعاع آتش نمایاں ہوئی جب اسکی تحقیقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ کسی زن حاملہ کو آگ کی ضرورت پڑی تھی اُس نے آگ روشن کی تھی۔ عبداللہ نے اس عورت کو آگ روشن کرنیکی اجازت دیدی تو وہ ایسی خوش ہوئی کہ تین روز تک سارے لشکر کو کھانا کھلایا۔ پس جب وہ بلاد کیکان میں پہنچا تو دشمنوں کا غلبہ ہوا پہاڑ کے تمام دروں کو دشمنوں نے بند کر دیا۔ عبداللہ اپنے سالار و خواص کے ساتھ لڑنے کھڑا ہوا اور پکار کے کہا کہ اے فرزندان مہاجر و انصار دشمنوں سے لڑنے میں روگردانی مت کرو اور اپنے ایمان میں خلل نہ ڈالو مگر کیکانیوں نے لشکر اسلام کو شکست دیدی اور عبداللہ بن سوار شہید ہوا۔ اُسکی جگہ سنان بن سلمہ مقرر ہوا۔ اسکے بعد امیر معاویہ نے زیاد والی عراق

کو لکھا کہ کسی ایسے شخص کو انتخاب کرو کہ وہ ملک ہند کیلئے لائق و شایستہ ہو۔ زیاد نے قیس کو انتخاب کیا جو مؤمنین میں سب میں لائق تھا۔ وہ مکران میں گیا اور دو سال ایک مہینہ کے بعد وہ معزول ہوا۔

ایک مورخ اس طرح اس اوپر کے حال کو لکھتا ہے کہ زیاد بن ابو سفیان نے سنان بن سلمہ کو ہندی حکومت حوالہ کی وہ بڑا لائق اور خدا ترس تھا۔ یہی اوّل شخص تھا کہ جس نے سپاہیوں کو حلف میں بیوی کے طلاق دینے کی سزا داخل کی اس نے اپنے منصب کے کاموں کو بہت اچھی طرح سے کیا۔ مکران کو زیر کیا اور وہاں شہر آباد کئے۔ وہیں سکونت اختیار کی اور تمام ضلاع سے مالگذاری کا روپیہ وصول کیا۔ ابن الکلبی اس فتح کو حکیم سے جس کا اوپر ذکر ہوا منسوب کرتا ہے۔ ہندکی روایت کرتا ہے کہ جب زیاد نے بن سلمہ کو معزول کیا تو اسکی جگہ راشد بن عمر المنذر کو مقرر کیا۔ راشد شریف اور بزرگ بہت تھا۔ امیر معاویہ نے اُسے بلایا اور اپنے پاس تخت پر بٹھایا اور بزرگان سلطنت سے اُسنے کہا کہ راشد مرد ذی لطف ہے۔ اسکی اطاعت سب اپنے اوپر واجب جانیں۔ لڑائی میں اُسکی مدد کریں۔ تنہا اُسکو نہ چھوڑیں جب وہ مکران میں گیا تو اپنے اعیان اور بزرگوں کیساتھ سنان سے ملاقات کرنے گیا۔ اُسکو کامل قوی راے اور لشکر کشی کیلئے ایک مرد بزرگ دیکھا دونوں ساتھ ہولئے۔ امیر معاویہ نے سنان کو لکھ بھیجا تھا کہ تم راشد سے ملک سندھ و ہند کے کل رازکے معاملات پر اسے مطلع کردو۔ راشد نے سنان سے سب مخفی معاملات ہند و سندھ خوب دریافت کرکے سرحد کی طرف لشکر کشی کا ارادہ کیا۔ کوہ پایہ سے مالگذاری کا روپیہ وصول کیا۔ یہاں سے کیکان گیا۔ وہاں سال حال کی اور سال گذشتہ کی باقی مالگذاری کا روپیہ وصول کیا۔ بہت کچھ غنیمت حاصل کی۔ اور سرکشوں کو لونڈی غلام بنایا۔ ایک سال وہاں ٹھہر کر سوستان کی راہ سے مراجعت کا ارادہ کیا۔ اور کوہستان مندرا اور بہرج میں پہونچا۔ ان پہاڑیوں کی جماعت پچاس ہزار کی جمع ہوگئی اور راہیں ساری اُنھوں نے بند کردیں۔ صبح سے شام تک لڑائی رہی جسمیں راشد شہید ہوا تو سنان بن سلمہ اسکی جگہ نہایت اعزاز کیساتھ پھر مقرر ہوا وہ کیکانان کی طرف روانہ ہوا سب جگہ اُسکو کامیابی اور فتحیابی حاصل ہوئی وہ اس طرح فتحیاب ہوتا ہوا بدھیہ پر پہونچا۔ یہاں کے آدمیوں نے غدر مچاکے اُسکو شہید کیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اُسنے قصدار کو فتح کیا اور یہیں وفات پائی۔

سنہ ۶۱ھ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ سرحد ہند کی حکومت کا خلعت منذر بن جارود کو پہنایا گیا جس وقت وہ روانہ ہوا تو اس کا کپڑا کسی لکڑی میں پھنسکر پھٹ گیا تو عبد اللہ بن زیاد اسکو فال بد سمجھا اُسکو رخصت کیا اور رد یا کہ منذر اس سفر سے زندہ سلامت نہیں آئیگا وہ ہلاک ہوگا۔ یہ خیال ایسا ہی تھا جیسا کہ سموئل کی کتاب میں ۱۵ باب ۲۷ و ۲۸ آیتہ میں لکھا ہے کہ جب سموئل پھرا کہ روانہ ہو تو اُسنے اسکی چادر کا کونہ پکڑا اور وہ چاک ہوگیا تب سموئل نے اُس

کہا کہ خدا نے تیری بادشاہت جو تو بنی اسرائیل پر کرتا تھا تجھ سے آج ہی چاک کرلی) پس جب منذر سرحد توران پہونچا تو بیمار ہوکر مرگیا۔ اس وقت اس کا بیٹا حکم کرمان میں تھا۔ وہ عبداللہ کے پاس آیا تو اس نے اسکو باپ کی جگہ پر بھیجنے کے لئے مقرر کیا اور بیس ہزار درہم عنایت کئے۔

خلیفہ عبدالملک کے عہد میں مورخ لکھتے ہیں کہ ۶۵ھ میں سندھ کی راہ سے راجپوتانہ پر مسلمانوں نے حملہ کیا اور انکے ساتھ لڑائی میں اجمیر کا راجہ مانک رائے اور اس کا بیٹا دونوں مارے گئے۔

جب عبدالملک نے باپ کی مسند خلافت پر بیٹھا تو مملکت میں ہر طرف شور و فساد برپا تھا مگر اسنے ان تمام فسادوں کو مٹا کر اور اپنے ملک پر پورا تسلط کرکے سلطنت کے وسیع کرنے پر کمر ہمت چست کی۔ اسنے اپنے مشہور سپہ سالار حجاج بن یوسف کو عراق کا حاکم مقرر کیا۔ اسنے سعید بن اسلم کلابی کو مکران کی حکومت پر مقرر کیا۔ جب وہ وہاں آیا تو اسنے سفہوی بن لام الحمانی کو مار ڈالا اور کھال اتروا کے سر کو حجاج پاس بھیجا اور اسنے تحصیل مال کرنیکے لئے معتمدوں کو مقرر کیا۔ بہت کچھ مال وصول کیا (مال اس خراج سے مراد ہے جو زمین کی پیداوار پر لیا جاتا تھا) سعید کو اپنی بدنصیبی سے حرث کے بیٹوں معاویہ و محمد سے جن کے ناموں کے اول علافی لگایا جاتا تھا مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ علافی علاف کی اولاد میں سے تھے۔ سفہوی جنکی جان سعید نے لی تھی وہ ان علافیوں کا رشتہ دار تھا اس لئے علافیوں نے سعید پر حملہ کیا اور اسکو پکڑ کر بدن کی کھال اتروائی۔ اور مکران پر قبضہ کرلیا۔ حجاج نے یہ سنکر سلیمان علافی کو جو علافیوں کے قبیلے کا ایک سردار تھا حکم دیکر قتل کرادیا اور اسکے سر کو سعید کے اہل و عیال پاس بھجوادیا جسے دیکھکر وہ شاد ہوئے۔ اسلئے حجاج نے عبدالرحمٰن بن عشا کو علافیوں سے لڑنے کے لئے بھیجا۔ علافیوں نے اسے مار ڈالا۔ حجاج نے جب مجاعہ بن سعید کو خراسان میں حاکم مقرر کیا تو اس سے علافیوں نے لڑنا مناسب نہ جانا۔ وہ ۸۵ھ میں بھاگ کر ملک سندھ میں راجہ داہر پاس چلے آئے جنہیں اسنے یہ مہربانی کی کہ انکو نوکر رکھ لیا۔ یہ علافی سندھ میں جبتک رہے کہ یہاں محمد قاسم آیا۔ مکران میں مجاعہ ایک سال حاکم رہا اور پھر بیمار ہوکر اس دنیا سے سفر کرگیا۔ اسی سال میں عبدالملک کا بھی انتقال ہوا۔

مروان اول عبدالملک ۶۵-۸۶ھ ۶۸۴-۷۰۵ء

واقعہ علافی

اس خلیفہ کی خلافت بڑی شان و شوکت و جلالت و سطوت کی ہوئی سلطنت اسلامیہ نے وسعت عظیم پائی مجاعہ کے بعد حجاج نے محمد بن ہارون کو سرحد ہند پر حاکم مقرر کیا تھا اور اسکو اختیار مطلق دیدیا تھا کہ یہاں جو چاہے سو کرے۔ اسکو حکم تھا کہ وہ علافیوں کو جس طرح چاہے گرفتار کرکے سعید کے خون کا ان سے انتقام لے۔ اسنے خلیفہ کے حکم سے ایک علافی کو قتل کرکے اسکا سر حجاج پاس بھیجدیا اور اسکے ساتھ خط میں یہ لکھا کہ اگر میری

ولید اول ۸۶-۹۶ھ

عمرنے وفائی اور نصیبہ نے یاری دی تو علاقیوں میں سے ایک کو بھی جیتا نہ چھوڑونگا۔ کوئی کہتا ہے کہ پانچ سال تک کوئی کہتا ہے کہ پانچ مہینہ تک وہ دریاؤں اور صحراؤں کو فتح کرتا پھرا۔

حجاج یہ چاہتا تھا کہ فقط عراق ہی نہیں بلکہ جتنا ملک اہل ایران کے اختیار میں تھا وہ سارے کا سارا میرے قبضۂ اقتدار میں ہو اسلئے اُس نے ایک لشکر قتیبہ کو حوالہ کیا جسنے خوارزم کو فتح کرکے بخارا۔ خجند۔ شاش۔ سمرقند فرغانہ کو فتح کیا اور کاشغر تک پہونچا جہاں شاہ چین کے سفیروں کی معرفت اُسکے عہد و پیمان ہوئے۔ ایک اور لشکر شاہ کابل کے راجہ سے لڑنے کے لئے بھیجا اور تیسرا لشکر اُسنے دریاے سندھ کے نیچے مکران کو روانہ کیا۔

اس آخر فوجکشی کا سبب یہ تھا کہ راجہ سراندیپ (یعنی لون۔ لنکا) نے یہ چاہا کہ میں بھی حجاج حاکم عراق کا مورد عنایت و مکرمت بنوں۔ اُسنے آٹھ جہازوں میں بہت سے تحائف بھرے جن میں لونڈی غلام بھی تھے۔ اُسکی عملداری میں جتنے مسلمان رہتے تھے اور اُنکے بچے یتیم ہوگئے تھے وہ بھی ان جہازوں میں سوار تھے اور حج کے ارادے سے بھی کچھ مسلمان آن بیٹھے تھے۔ یہ جہاز بلاد قاوروں میں پہونچے تو باد مخالف نے انکو راہ راست سے برگشتہ کرکے ساحل دیبل پر پہونچایا یہاں بحری قزاق رہتے تھے۔ اُنہوں نے آٹھوں جہازوں کو پکڑ لیا۔ تمام مال اسباب لوٹ کر اور عورتوں مردوں بچوں کو گرفتار کرکے لیگئے۔ ہرچند شاہ سراندیپ کے معتمدوں نے اور عورتوں نے اس سے کہا کہ یہ مال خلیفہ وقت کی نذر کیلئے لئے جاتے ہیں مگر اس داد فریاد پر لٹیروں نے کچھ التفات نہیں کیا اور کہا کہ اگر کوئی تمہارا فریادرس ہو تو بلاؤ۔ اُسپر ایک عورت نے کہا کہ یا حجاج یا حجاج اغثنی۔ بھاگ کر جو لوگ بچے تھے وہ اور آر دیبل کے لوگ حجاج پاس آئے اور اُنہوں نے یہ سارا حال بیان کیا کہ مسلمانوں کی عورتیں فریاد کر رہی ہیں کہ یا حجاج اغثنی (اے حجاج مجکو بچاؤ) یہ سنکر حجاج نے داہر کے پاس سفیر روانہ کیا۔ اور محمد بن ہارون کو بھی لکھا کہ وہ اس سفیر کے ساتھ اپنے معتمد ہمراہ کرکے داہر پاس بھیجے تاکہ وہ گرفتار مسلمان عورتوں کو خلاص کرے اور تحائف دارالخلافت کو واپس کرے۔ داہر کے پاس حجاج کا خط یہ سفیر لایا تو اُسنے خط کو سنکر یہ معذرت نامہ لکھا کہ سمندری چوروں نے جہازوں کا مال اسباب لوٹا ہے اور عورتوں کو گرفتار کیا ہے۔ اُنپر میرا بس کچھ نہیں چلتا اور کوئی اُنسے زیادہ قوی ہندوستان میں نہیں ہے۔ وہ میری حکومت کو کچھ نہیں گنتے۔ اب حجاج کو یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے خلیفہ عبدالملک کو لکھا کہ ہند و سندھ پر غزا کی اجازت دیجئے مگر خلیفہ نے اجازت نہیں دی۔ پھر دوبارہ اجازت مانگی تو خلیفہ نے دیدی۔ پس حجاج نے عبداللہ بن نابہان سلمی کو دیبل پر روانہ کیا یہاں اسکو شکست ہوئی اور اُسکی جان بھی گئی۔

پھر حجاج نے بدیل کو جو کہ قوم بجالی سے تھا لکھا کہ وہ مکران کو جائے۔ محمد ہارون کو حکم ہوا کہ سندھ پر چڑھنے کے

لئے تین ہزار سپاہ تیار رکھے۔ عبداللہ بن قحطان کو حکم کیا کہ وہ عمان کیطرف سے وہاں پہونچے۔ یہ چلکر نیرون میں بدیل سے ملا۔ بدیل تین سو آدمی لیکر مکران سے چلا۔ راہ میں محمد ہارون کا لشکر ملا۔ غرض یوں دیبل پر بدیل پہونچا۔ وہاں داہر کا بیٹا جے سیہ چار ہزار اسپ شتر سوار لئے جلدان پہونچا صبح سے شام تک لڑائی ہوتی رہی۔ بدیل کا گھوڑا ہاتھیوں سے ڈرکر بگڑتا تھا اُس پر اندھیری لگائی گئی۔ میدان جنگ میں بدیل نے داد مردانگی دی مگر گھوڑے کی شرارت سے وہ نیچے گرا دشمنوں نے اُسے گھیرکر شہید کیا۔ اور مسلمانوں کو خوب مارا (مقام جنگ میں مورخین کا اختلاف ہے کوئی اسکو دیبل بتاتا ہے کوئی اور مقام) جے سیہ نے دیبل میں ہاتھیوں اور لشکر کو متعین کیا۔

حجاج کو جب بدیل کی شہادت کی خبر پہونچی تو نہایت غمگین ہوا۔ موذن کو حکم دیا کہ جب اذان دے تو مجھے بدیل کا نام یاد دلادے کہ میں انتقام لوں۔ اس لشکر شکست یافتہ میں سے ایک شخص حجاج پاس آیا اُسنے جنگ کا حال بیان کیا اور اسمیں ذکر کیا کہ بدیل بڑی شجاعت دکھا کر کشتہ ہوا میں وہاں حاضر تھا جب وہ اپنی یہ کہانی کہہ چکا تو حجاج نے کہا کہ اگر تو مرد شجاع ہوتا تو بدیل کے ساتھ جان دیتا۔ اس قصور میں کہ تو زندہ رہا وہ کشتہ ہوا میں تجھے سزا دیتا ہوں۔

جب مسلمانوں کو شکست ہوئی تو اہل نیرون کو یہ خوف پیدا ہوا کہ مسلمان بیشک انتقام اس مہم کا لینگے اور ہم اُن کی گذرگاہ میں بیٹھے ہیں۔ اول وہ ہمکو پایمال کرینگے۔ اس وقت یہاں کا والی ملک سمنی تھا یعنی بدھ مذہب کا رکھنے والا اُسنے داہر سے مخفی اپنے معتمدوں کے ہاتھ حجاج پاس پیغام بھیجا اور امان نامہ کی درخواست کی اور مالگذاری اپنے اوپر مقرر کرکے عہد کیا کہ وہ ہمیشہ ادا کی جائیگی۔ حجاج نے فوراً امان نامہ لکھدیا اور اپنے عہد واثق سے اُنکا دل قوی کردیا اور اُسنے کہا کہ ہمارے قیدیوں کو خلاص کرادو ورنہ چین تک کسی کافر کو حسام اسلام زندہ نہیں چھوڑیگی۔

عامر بن عبداللہ نے کہا کہ ولایت ہند کی تولیت مجھے سپرد ہو حجاج نے کہا کہ تجکو یہ طمع ہے مگر نجومیوں نے یہ حکم لگایا ہے کہ ولایت ہند عماد الدین محمد قاسم کے ہاتھ سے فتح ہوگی۔

محمد قاسم کو کوئی محمد بن القاسم ثقفی اور ابو الفدا محمد بن القاسم لکھتا ہے۔ اسوقت محمد قاسم ایک نوجوان سترہ برس کا تھا وہ حجاج کا چچا زاد بھائی اور داماد تھا۔ اور ملک فارس میں نہایت عقل و فراست و شجاعت سے کام کر رہا تھا۔ ہند کی مہم اعظم جو اُس کے حوالہ ہوئی معلوم نہیں کہ اسمیں حجاج کی اس قرابت کو کتنا دخل تھا اور اُسکی فرزانگی و دلاوری کا کتنا اثر تھا۔ مگر اس تقرر میں خواہ اس کا کچھ ہی سبب ہو۔ حجاج کی بڑے درجہ کی دانائی اور روشن ضمیری معلوم ہوتی ہے کہ اس نے فتح ہند کے واسطے ایسا شخص دلاور مقرر کیا کہ سب طرح سے لائق تھا۔

ولید خلیفہ وقت سے حجاج نے درخواست کی کہ فتح ہند کی اجازت دیجئے۔ خلیفہ نے یہ حکم دیا کہ وہاں کی قوم

مخالف ہی اور ولایت دور دست ہی اُسکے واسطے لشکر کی تیاری اور اسباب جنگ کی درستی میں زر کثیر صرف ہوگا اور اسمیں محنت و تکلیف بہت اُٹھانی پڑیگی اسلئے اسمیں توقف کرنا چاہیے وہاں ہر دفعہ لشکر جاتا ہی اور مسلمان ہلاک ہوتے ہیں جب یہ خلیفہ کا حکم حجاج پاس آیا تو اُسنے دوبارہ لکھا کہ اے امیر المومنین مدت سے مسلمان کافروں کے ہاتھوں میں قید ہیں اور لشکر اسلام کو اُنہوں نے ہزیمت دی ہی اُنسے انتقام لینا ضرور چاہیے۔ فرمان میں جو یہ اشارہ فرمایا ہی کہ ولایت دور دست ہی اور لشکر اور اسباب حرب کی تیاری میں زر کثیر صرف ہوتا ہی ہمارے پاس سب طرح کا سامان جنگ موجود ہے روپیہ کی خرچ کی بابت جو لکھا ہی اُسکی نسبت گذارش یہ ہی کہ جتنا روپیہ اس مہم میں خرچ ہو اس سے دو چند حضور کے خزانہ معمور میں داخل کرنیکو موجود ہوں۔ جب یہ عرضداشت خلیفہ کے پاس پہونچی تو اُس نے سفر ہند کی اجازت لشکر کو دیدی۔ پھر حجاج نے یہ عرضی بھیجی کہ حضور نے میری درخواست کی منظوری سے مجھے مشرف فرمایا۔ اب چھ ہزار مردوں کو روسا شام میں سے حکم فرماتے کہ وہ سب طرح سے اپنا سامان درست کرکے میرے پاس آئیں تاکہ ہر ایک میں اتفاق ہو جاوے۔ پس چھ ہزار سپاہ شام سے حجاج پاس آگئی اُس نے اس سپاہ کو نصیحت کی کہ تم محمد قاسم کے ساتھ وفادار رہو اور جنگ و پیکار میں عزت و شجاعت کے ساتھ قائم رہو۔

جمعہ کے روز یہ خطبہ حجاج نے پڑھا کہ زمانہ دورکر رہا ہی اور حرب ہی ہمارا فخر ہے تیغ وہ وہ ہر روز ہماری روزی رساں ہی۔ ہم خداوند عزوجل کی ستایش زبان سے اور شکر دل سے کرتے ہیں کہ وہ ہمکو نعمت تمام ہمیشہ ارزانی کرتا ہی اور کسی دروازہ کو ہمپر بند نہیں کرتا۔ وہ بدیل کی مفارقت کی آواز کو گوش دلمیں پہنچاتا ہی اور اُسکے لشکر کی مصائب کو یاد دلاتا ہی میں واللہ سچ کہتا ہوں کہ تمام عراق کا مال اور جو کچھ میرے پاس ہی اسکو اس کام میں جبتک خرچ کئے جاؤنگا کہ میں انتقام نہ لے لونگا اور اپنی آتش غضب کو نہ بجھا لونگا۔

حجاج نے محمد قاسم کو سوار کرایا اور بہت سے صدقات دیئے۔ لشکر کو بہت سا مال دیکر مستظہر کیا۔ سفر ہند و سندھ پر اُسکو نامزد فرمایا۔ محمد قاسم سے کہا کہ راہ شیراز سے باہر جاؤ اور بتدریج منزل پیما ہونا تاکہ سارا لشکر شیراز میں جمع ہو جاوے پس محمد قاسم نے نیک ساعت میں شیراز میں اقامت کی جبتک کہ سارا لشکر عراق اور شام کا اس پاس جمع۔ قلعہ کشائی کا سارا سامان منجنیق وغیرہ کو حجاج نے کشتیوں میں لادیا۔ ابن خریم مغیرہ کو سرے کی کشتی پر شحنہ مقرر کیا اور محمد قاسم کو لکھ بھیجا کہ وہ تجھ سے دیبل میں ملیگا۔ وہاں اسکے پہونچنے تک توقف کرنا۔ اس لشکر کے لئے آسائش و آرام کا اسباب یہانتک تیار کیا گیا تھا کہ سوئی تاگا تک اُسکے ساتھ تھا۔ چار سواروں کو ایک اونٹ ملا تھا کہ اُسپر اپنا اسباب لادیں۔ اُسنے سارے لشکر کو نصیحت لکھی کہ خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہو صبر کرتے رہو۔ دشمن کی ولایت پر پہونچو تو تھوڑا

ہاموں میں کشادہ جگہ میں اترو جنگ کے وقت جب ہاتھیوں کی فوج سامنے آئے تو الگ الگ ٹکڑیاں بنالو۔ اور جب وہ حملہ کریں تو ایک جگہ قائم ہوکر اُنپر تیر برساؤ۔ برگستوانوں کو شیر اور ہاتھی کی شکل بنواؤ۔ غرض اور خطوط حجاج کے شیراز میں پہونچے اور وہاں اتنا لشکر اُس پاس جمع ہوگیا کہ چھ ہزار سوار۔ چھ ہزار جمازہ تین ہزار شتر بختی بارکش تھے۔

محمد قاسم جب مکران میں پہونچا تو محمد ہارون سے ملاقات ہوئی وہ پیادہ پا محمد قاسم کے ساتھ چلا تو اُسنے اُسکو سوار کرلیا جب منزل میں اپنے گھر میں اُترے تو اُسکے پاس بہت سے تحفہ تحائف و نزل بھیجے۔ محمد قاسم نے اس تواضع و لطف و کرم کے سبب بڑا نام پایا۔ اسی اہلیت و عقل و صلح کل ہنر و کفایت کے سبب وہ ملک سندھ کا مالک ہوا۔ مکران سے محمد قاسم ارمابیل کی طرف روانہ ہوا۔ محمد ہارون اگرچہ علیل تھا مگر اُسکے ساتھ ہمراہ ہوا۔ ارمن بیلہ کی منزل پر پہنچکر اس دنیا سے سفر کرگیا اور یہیں مدفون ہوا۔ ارمن بیلہ کو محمد قاسم نے فتح کرلیا۔

ارمن بیلہ (ارمابیل) سے محمد قاسم مع لشکر دیبل کیطرف روانہ ہوا۔ اُسوقت ہی سیہ داہر کا بیٹا نیرون میں تھا اُسنے باپ کو لکھا کہ محمد قاسم عرب کا لشکر لیکر سواد دیبل میں آگیا ہے اُسکی جنگ کے واسطے اجازت ہو تو جاؤں۔ داہر نے علافیوں کو بلاکر صلاح پوچھی۔ علافیوں نے داہر سے عرض کی کہ محمد قاسم عمزاد حجاج کا ہے لشکر جرار اُسکے ساتھ ہے۔ اسمیں شجاعان نامدار و امیرزادگان دلیر اور گھوڑے اور اسلحہ حرب عمدہ اُن پاس موجود ہیں۔ ہرگز ہرگز اُنسے مقابلہ نہ کیجیے ہیوقت ایک شامی آیا ہے وہ کہتا تھا کہ ہر سوار عرب داہر سے انتقام لینے آیا ہے۔ داہر نے بیٹے کو لڑائی سے منع کیا۔

محمد قاسم نے ارمن بیلہ کو جب فتح کیا تھا تو یہاں حجاج کا حکم یہ آیا کہ سندھ و سواد دیبل میں منازل و مراحل میں تم ہمیشہ دشمنوں سے ڈرتے رہا کرو۔ جہاں اُترو وہاں ایک خندق اپنے لشکر کے گرد کھود لیا کرو کہ وہ تمہاری محافظ ہو۔ اکثر جاگتے رہا کرو۔ ہمیشہ تلاوت قرآن میں مصروف رہا کرو۔ دعائیں پڑھتے رہا کرو۔ خدا تعالیٰ کا ذکر ہر وقت زبان پر ہو توفیق الٰہی سے نصرت کے خواہاں رہو۔ خدا عزوجل تمکو نصرت دیگا۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کو اپنا مددگار بناؤ۔ جب سواد دیبل میں پہونچو تو بارہ گز عرض کی چھ گز عمق کی خندق کھودو۔ جب دشمنوں سے مقابلہ کرو تو خاموش رہو۔ اگر دشمن نعرہ ماریں اور فحش بکیں اور لڑنے آئیں تو اُنسے نہ لڑو جبتک میرا حکم نہ پہونچے میں اپنے مکتوبات میں جو اپنی رائے اور تدبیر بتلاؤں اُسی کو تم اپنے لئے صواب جانو وہی تمہارے لئے کافی ہے۔

محمد قاسم نے دیبل کے پاس اپنے لشکر کے مقدمہ۔ ساقہ میمنہ و میسرہ و قلب میں لشکر تقسیم کرکے اُنکے افسر نہایت شجاع و دلیر مقرر کئے۔ جمعہ کو روز محرم سنہ ۹۳ھ کو ہتیاروں کی کشتیاں خریم ابن مغیرہ لیکر آگیا۔ اور حجاج کا نامہ بھی لایا جسمیں محمد قاسم کو لکھا تھا کہ میں تیرے پاس ایسے بزرگوں کو بھیجتا ہوں کہ اُنمیں سے ایک عبد اللہ الرحمن بن سلم الکلبی

محمد قاسم کا مکران میں پہنچنا

ارمن بیلہ سے محمد قاسم کا دیبل پر جانا

حکم حجاج

[illegible]

کہ بہت دفعہ شجاعت و مردانگی میدان کارزار میں ایسی دکھائی کہ دشمنوں کا منہ نہیں پڑتا تھا کہ اسکے سامنے آئیں
وہ بڑا تجربہ کار و آزمودہ کار ہے دوسرا سفیان الابروک ہے کہ فرزانگی و مردانگی و راستگوئی میں کامل ہے جو کام اسکو
سپرد کیا جاتا ہے ایسیں وہ بشرط فرمانبرداری و وفاداری بجالاتا ہے۔ تیسرا اجاشع بن نوبہ بڑا معتمد و امین ہے۔ خریم بن مغیرہ
ایسا شیر دل ہے کہ لڑائی کے وقت متفکر نہیں ہوتا۔ غرض یہ سب تیرے اصحاب ایسے مقرر کیے ہیں کہ تجھسے مخالفت
نہیں کرینگے اور نہ دشمنوں سے مخالطت۔ میرے خط کا جواب اور تمام امور کی روئداد شرح و بسط کے ساتھ جبتک نہ لکھو
گے آرام نہیں۔ قاسم کو حجاج بہت دوست رکھتا تھا ہمیشہ اسکے لئے صدقے دیتا اور دعائیں مانگتا۔
محمد قاسم نے لشکر اسطرح آراستہ کر کے اسکے گرد خندق کھودی۔ نیزہ بردار اسکے محافظ مقرر کیے۔ جا بجا علم ایستادہ کیے
ہر علم کی ایک فوج متعین تھی۔ وہ جدا جدا اپنے علم کے نیچے تقسیم تھی منجنیق کشتیوں سے اتار کر درستی سے لگائے گئے
انمیں ایک منجنیق خاص امیر المومنین کا تھا جس کا نام عروساک تھا اسکو پانسو آدمی کھینچتے تھے تو اس سے سنگ اندازی
ہوتی تھی۔ چار اور منجنیق تھے۔ دیبل میں ایک بتکدہ تھا اس کا ایک گنبد بڑا بلند تھا اس پر ایک جھنڈا لگا ہوا تھا
حریر سبز کا پھریرا تھا۔ اسکے چار حصے تھے جب اسکو کھولدیتے تھے تو وہ شہر کے چاروں طرف پھرتا تھا۔ جب دیبل کے
سامنے کشتیوں میں لشکر اسلام آیا تو اسے کھولدیا اسکے کھلتے ہی سب اہل حصار لڑنے کو آمادہ ہوئے۔ سات دن تک
لڑائی ہوتی رہی آٹھویں روز لشکر اسلام حملہ کر رہا تھا کہ ایک برہمن حصار میں سے باہر آیا اور جان کی امان مانگ کر
یہ کہا کہ امیر عادل کو ہمیشہ بقا ہو ہماری جوتش کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ولایت سندھ کو لشکر اسلام فتح کریگا۔ مگر یہاں
ایک ایسا طلسم ہے کہ جبتک اسے نہ توڑو گے تو حصار کا فتح ہونا ناممکن ہے جسوقت اس جھنڈے کو توڑ دو گے حصار
کو فتح کر لو گے۔ یہ سنکر محمد قاسم نے جعویہ منجنیقی کو حکم دیا کہ منجنیق لگا کے اس جھنڈے کو توڑو گے تو میں تمکو دس ہزار درم
انعام دونگا۔ جعویہ نے اقرار کیا کہ ابھی اسے توڑتا ہوں اگر اسے نہ توڑ دوں تو آپ میرے ہاتھ کاٹ ڈالیے۔ اسی
اثنا میں ایک جوتشی آیا اسنے کہا کہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اس ملک کی بادشاہی مسلمانوں کے ہاتھ لگیگی۔ اسلئے
جو مسلمانوں کے قیدی ہیں انکو یہ کہکر تقویت دیجاتی ہے۔ اگر میری اور میرے اہل و عیال کی جان مال کی امان دیجیے
تو مسلمان قیدیوں کو آپکی خبر سنا کر قوی دل کر دوں۔ محمد قاسم نے اسکو امان دیکر قیدیوں کے پاس بھیجا جس نے
جا کر انکے دل کو تسکین و تسلی دی نویں روز جعویہ نے منجنیق کو درست کر کے لگایا۔ حجاج کو یہاں کا حال ذرہ
ذرہ تیسرے روز لکھا جاتا تھا اور آئندہ کیلئے صلاح و تدبیر پوچھی جاتی تھی۔ جعویہ اور اس سے جو شرط ٹھیری تھی
اس سے بھی اطلاع دی تو اسکا جواب وہاں سے یہ آیا کہ جب لڑو تو آفتاب کو پس پشت رکھو تاکہ دشمن تمہارے

آنکھوں کے سامنے ہو۔ اول روز لڑا کر منجنیق کو مشرق کی طرف لگا اور اسکے پاؤنکو چھوٹا کر دو اور جعویہ سے کہو کہ جھنڈے کو نشانہ بنا کے اڑا دے۔ غرض جعویہ نے اول نشانہ میں جھنڈے کو اڑا دیا۔ اس جھنڈے کا اڑنا کیا تھا گویا دشمنوں کا دل ٹوٹنا تھا۔ محمد قاسم نے حصار کے شمالی و جنوبی و مشرقی و مغربی برجوں کے لیے سپاہ حملہ آوری کی متعین کی وہ زینے لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ اول شخص جو چڑھا وہ خزیمہ کوفی تھا اسکے بعد عجل بن عبد الملک بصری تھا۔ غرض حصار میں محمد قاسم بتخانہ پر گیا تو پجاریوں نے دروازہ بند کر کے یہ چاہا کہ جلکر خاک ہو جائیں۔ دروازہ پر دو آدمی تھے انکو قتل کیا سات سو یا چار سو عورتیں بدھ کی خدمتیں رہتی تھیں اور زر و زیور سے آراستہ تھیں وہ بندی میں آئیں۔ تین روز تک ہتھیار بند سپاہی قتل ہوتے رہے۔ برہمن جو محمد قاسم پاس آیا تھا اور ان قیدیوں کی خبر لایا تھا جو سراندیپ کے جہازوں میں سے گرفتار ہوئے تھے۔ اس کو محمد قاسم نے بلوایا۔ اسنے انکر عرض کی کہ دیبل کے قلعہ میں جو عورت مرد مسلمان قید تھے وہ خلاص ہو کر قیدخانہ سے باہر ہو گئے ہیں۔ محمد قاسم نے ان قیدیوں کو اپنے لشکر میں بھیجدیا کہ آسائش و آرام کریں اور اس شخص کو بلایا جسکی حراست میں یہ قید رہتے تھے۔ یہ شخص ایک پنڈت تھا جو نہایت عادل عالم ادیب تھا جب وہ آیا تو امیر محمد قاسم نے اسکو سزا کا حکم دیا تو اسنے ترجمان کی معرفت عرض کی کہ آپ ان قیدیوں سے پوچھیے کہ میں نے انکے ساتھ کیا سلوک کیا۔ محمد قاسم نے قیدیوں سے پوچھا سب نے بالاتفاق یہ کہا کہ اسنے ہمارے ساتھ ایسی تواضع و مدارات کی ہے کہ ہم اسکے ستایش گر ہیں اور وہ ہمیشہ لشکر اسلام کی خوشخبری سے ہمارے دلکو تسکین دیتا تھا محمد قاسم نے اس پنڈت سے کہا کہ تم اسلام قبول کرو اسنے اسلام قبول کیا محمد قاسم نے اسکو اپنا نائب دیبل میں مقرر کر دیا کہ انتظام کرے۔ اور حمید بن وداع کو شحنہ یہاں کا مقرر کیا۔ یہاں چھاونی ڈالی اور اسمیں چار ہزار مسلمانوں کو آباد کیا اور ایک مسجد بنوا دی۔

نقود و غنائم و بردہ بہت کچھ ہاتھ آیا پس خمس اس کا خزانہ حجاج میں تحویل ہوا اور حاکم دیبل کی دو لڑکیاں حجاج کے پاس بھیجی گئیں اور باقی غنیمت بطریق استحقاق اسطرح تقسیم ہوئی کہ سوار کو دو سہم اور اشتر سوار و پیادہ کو ایک سہم۔

جب راجہ داہر کو خبر پہونچی کہ لشکر اسلام نے دیبل کو فتح کر لیا تو اسنے حاکم نیرون کو لکھا کہ دریاے مہران سے عبور کر کے برہمن آباد میں آ جائے اور حفظ حصار میں سعی کرے۔ اور محمد قاسم کو یہ خط لکھا۔

خط داہر۔ داہر بادشاہ ہند فرمان دہ بحر و بر کا یہ خط ہے بجانب مغرور و مفتون محمد قاسم کہ جو مارنے اور قتل کرنے پر حریص ہے اور بے رحم ایسا ہے کہ اپنے لشکر پر بھی رحم نہیں کرنا جانتا۔ پہلے بھی مسلمانوں کے دماغ میں یہ خبط سمایا تھا کہ ہندوستان کو فتح کیجیے۔ لشکر جو حملہ کرنے کے لیے آیا تھا اس کو ٹھاکروں نے کہ شکار کے لیے دیبل میں گئے تھے

اُسکو شکست دیکر پریشان کر دیا۔ اب تیرے دماغ میں یہ سودا پھر اُٹھا ہی کہ لشکر لیکر ہم سے لڑنے آیا ہی۔ دیبل کو جسمیں اہل تجارت و اہل حرفہ و پیشہ رہتے ہیں فتح کرکے اترایا ہی۔ دیبل نہ کوئی حصن حصین تھا نہ کوئی وہاں لشکر باتمکین تھا جو لشکر اسلام سے مقابل ہوتا اگر وہاں ہمارے نامور لشکر آبرا ہوتے تو مسلمانوں کا نشان نہ چھوڑتے۔ راجہ جے سیہ کہ روے زمین پر بادشاہ اُسکے آگے سر جھکاتے ہیں۔ زمانہ کے بڑے بڑے جابر اُسکے آگے کانپتے ہیں۔ سند و سندھ کے تمام فرمانروا اُسکے آستانہ پر افتخار کرتے ہیں۔ بلاد مکران و توران کے بادشاہ سے اُسکے طوق اطاعت کو گردن میں ڈالتے ہیں وہ صاحب صد زنجیر فیل مست اور ایک فیل سفید ہی جس کے آگے گھوڑوں کی کیا مجال جو ٹھیر سکیں اگر میں اُسکو اجازت دیبل پر لڑنے کی دیتا تو کسی لشکر کی کیا مجال تھی جو وہاں قدم بھی رکھ سکتا۔ اب تو خواب غرور میں نہ سو نہیں تو تیرا بھی حال وہ ہوگا جو بدیل کا ہوا کہ ہمارے ہاتھ سے بچکر نہ جا سکیگا۔ فقط

جب محمد قاسم پاس یہ خط آیا تو دبیر کو بلا کر اُس کا ترجمہ سنا اور یہ جواب لکھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ خط ہی محمد قاسم ثقفی کی طرف سے کافر، جاہل، متکبر و متکبر داہر کی طرف۔ جو کچھ تونے اپنی جہالت و حماقت و نخوت سے لکھا وہ اور جو کچھ اپنی قوت و شوکت اور فیل و سوار لشکر کی کثرت کا بیان کیا وہ ہمکو معلوم و مفہوم ہوا۔ صرف کرم الٰہی پر توکل ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پر عمل ہی ہم فیل کو ذلیل جانتے ہیں جو ایک مچھر کو اپنے اوپر سے نہیں اُڑا سکتا ہم گھوڑوں کی کچھ اصل نہیں جانتے۔ ہم تو صرف خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہیں ہم نے جو تجھپر لشکر کشی کی تیری اس بد افعالی کے سبب سے کی ہی کہ تونے سراندیپ کے جہازوں کا مال جو خلیفہ کی نذر کے لئے جاتا تھا لوٹ لیا۔ مسلمانوں کو قید کرکے لونڈی غلام بنایا۔ آج ہمارے خلیفہ کے فرمان کا ادب ساری دنیا کرتی ہی مگر تونے اس کا کچھ لحاظ و پاس نہ کیا اسلئے دار الخلافت سے فرمان صادر ہوا کہ تیرے ان افعال کا انتقام لیا جاوے اور تجھ سے میں لڑوں۔ خدا تعالیٰ مجھے جس موقع پر تو میرے مقابل ہو مظفر و منصور کرے۔ میں تیرا سر کاٹ کر خلیفہ کے پاس بھیجوں یا راہ خدا میں میرا سر تن سے جدا ہو۔ رضاے الٰہی کے لئے یہ کام ہم نے کیا ہی۔ خدا ہی سے امید ہی کہ فتح و نصرت ہم کو وہ دے انشاء اللہ تعالیٰ۔ فقط ۹۳ھ

جب دیبل فتح ہوگیا تو محمد قاسم نے اور کشتیوں میں منجنیقوں کو لدوا کر سند ساگر کے دریا میں روانہ کیا اور آپ خود خشکی کی راہ سے سیسم کی طرف روانہ ہوا جب یہاں پہنچا تو امیر حجاج کا فرمان یہ آیا کہ حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد قاسم کو معلوم ہو کہ میرا استقصا سے خاطر یہ ہی کہ تجکو خدا تعالیٰ سب جگہ مظفر و منصور کرے اور تیرے دشمنوں کو مغلوب۔ یہ جو مال و متاع و فیل و اسپ ہاتھ آتے ہیں اُسکو تو اپنا مت خیال کر تجکو چاہئے کہ یاروں کے سا

نیک زندگانی بسر کر۔ ہر ایک کا احترام و خاطرداری کر جن چیزوں کی لشکر کو احتیاج ہو اُسکے رفع کرنیں کوشش کر۔ مال غنیمت سپاہیوں کو دیدے۔ ایسی فیاضی کر کہ تیرے لشکر میں غلہ ارزان ہو۔ جب مملکت پر حکومت مسلم ہو جائے اور قلعے مضبوط و استوار ہو جائیں تو جو کچھ بچے اُسکو رعایا کی رفاہ و بہبودی میں خرچ کرنیکے اندر دریغ نہ کر زراع و صناع و تجار کی مرفہ حالی سے ملک مزروع و معمور ہوتا ہی اُنکے ساتھ رعایت کر کہ وہ تیری طرف راغب ہو جائیں تاریخ تحریر ۲۱ رجب ۹۳ھ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ جب لشکر عرب کو شکست ہوئی تھی اور بدیل شہید ہوا تھا تو اہل نیرون نے امان نامہ حجاج سے لکھا لیا تھا۔ دیبل سے نیرون ۲۵ فرسنگ تھا چھ روز میں اس سفر کو ختم کر کے ساتویں روز یہاں محمد قاسم پہونچا لشکر میں پانی کا کال تھا۔ محمد قاسم نے دوگانہ نماز ادا کر کے مینھ کی دعا مانگی خدا کے حکم سے مینھ برسا۔ سارا شہر سیراب ہو گیا اہل نیرون نے حصار کا دروازہ بند کر لیا۔ اُنکا سردار سمانی یہاں نہیں تھا۔ سامان رسد کا اندیشہ محمد قاسم کو ہوا۔ پانچ چھ روز بعد سمانی نے دو مقدم اور فرمان حجاج اور سامان رسد محمد قاسم کی خدمت میں بھیجا۔ یہ زبانی پیغام کہلا کہ یہاں میں حجاج کے فرمان کے بموجب مقیم ہوں اور اُسکی تقویت پر قائم ہوں۔ میں یہاں حاضر نہ تھا ادہر پاس تھا رعایا نے متردد ہو کر دروازہ بند کر لیا پھر سامانیوں نے دروازہ کھولدیا اور لشکریوں کے ساتھ خرید و فروخت شروع کی۔ محمد قاسم نے اسکا شکریہ ادا کیا۔ حجاج کو اس کا حال لکھا۔ حجاج نے اس کے جواب میں اہل نیرون کی بڑی استمالت کی اور محمد قاسم پر تاکید کی کہ انکی رفاہ و بہبودی میں سعی کرے جو کوئی تجھ سے امان چاہے اُسکو امین کر۔ اگر کہیں جگہ کے بزرگ اکابر تجھ سے ملیں تو اُنکو خلعت گرانمایہ دینا اور انعام و اکرام سے انکو سرفراز کرنا اپنے اوپر واجب سمجھ عقل کو اپنا پیشوا بنانا کہ امرا ولایت و معارف نواحی کو تیرے قول اور فعل پر اعتماد ہو۔

محمد قاسم نے حاکم نیرون کو اپنے معتمد و خواص کی زبانی کہلا بھیجا کہ دروازہ کے بند ہونے سے ہمکو غصہ آیا تھا مگر تیری غیر حاضری کے عذر سننے سے وہ غصہ فرو ہو گیا اب تیرے اکرام و احترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہو گا۔ پیشکر سمانی حاکم نیرون بہت تحائف و نزل لیکر محمد قاسم کی خدمت میں آیا۔ اور پھر اپنے قلعہ میں گیا اور محمد قاسم کی ضیافت کی اور لشکریوں پاس بہت غلہ بھیجا پھر لشکر میں غلہ کی تنگی نرہی۔ محمد قاسم نے حصار کے اندر ایک شحنہ مقرر کیا۔ ایک بتکدہ کی جگہ مسجد بنائی۔ موذن اور امام مقرر کیا۔ یہاں سے سوستان کی طرف کوچ کیا۔

جب نیرون کا انتظام خاطرخواہ ہو گیا تو یہاں سے وہ سمانی کی رہبری سے سوستان کی طرف باقاعدہ منزل پیما ہوا۔ بہرج میں جو ۳۰ فرسنگ نیرون سے تھا پہونچا۔ یہاں سمانی مقدم تھا اور حصار میں راجہ داہر کا بھتیجا چندر کا بیٹا بجہرا حاکم تھا۔ یہاں سمانیوں نے ملکر ایک جلسہ کیا اور بجہرا کو پیغام بھیجا ہمارا مذہب سلامت کا اور دین عافیت کا

ہماری کیش میں بار نالڑنا روا نہیں ہے تو زبردست ہے آپ تو کوشک بلند پر بخوف و خطر بیٹھے ہوئی ہیں ہمکو خوف ہے کہ لشکر
اسلام اس سبب سے کہ ہم تیری تابع ہیں ہمیں ڈالیگا جان و مال کو لے لیگا۔ یہ ہمکو معلوم ہے کہ محمد قاسم پاس امیر حجاج کا فرمان ہے کہ
جو شخص اس سے امان مانگے اسکو امن دیکر امین کر۔ اہل عرب بہت باوفا ہیں عہد و پیمان کے بڑے پکے ہیں۔ ایفاء عہد انکا
ایمان ہے۔ اگر آپکے نزدیک مصلحت ہو تو ہم ان سے موافقت کرکے عہد و پیمان کرلیں۔ بجہرا نے انکی اس درخواست کو نامنظور
کیا۔ محمد قاسم نے ایک شخص کو بطور مخبر کے شہر میں بھیجا کہ وہ اہل شہر کے مزاج سے اطلاع دے کہ وہ باہم موافق ہیں یا
منافق۔ اس مخبر نے خبر دی کہ اہل حصار باہر لڑنے کے لیے مستعد و مہیا کھڑے ہیں۔ محمد قاسم نے منجنیقوں کو درست
کرکے لگوایا۔ لڑائی شروع ہوئی۔ سمانیوں نے اپنے سردار کو لڑائی سے روکا کہ اس لشکر عرب سے تو مقابلہ و جنگ نہیں کر سکتا
جان و مال کو کیوں خطرہ میں ڈالتا ہے۔ مگر اُسنے رعایا کی مصلحت کو نہ سنا۔ سمنیوں نے محمد قاسم پاس پیغام بھیجا کہ تمام رعایا
کاشتکار و صناع و تجار اور اوباش بجہرا سے ناراض ہیں اور اُسکے مطیع نہیں ہیں وہ تجھ سے منازعت و محاربت نہیں
کرنا چاہتے۔ یہ سنکر لشکر اسلام کی اور ہمت بڑھی۔ اور محمد قاسم نے رات دن لڑنا شروع کیا ایک ہفتہ کے اندر اہل
حصار نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا۔ بجہرا نے دیکھا کہ اب اہل حصار پر وقت تنگ آگیا ہے وہ رات کو چھپ کر بھاگ گیا اور
بدھیہ کی سرحد میں جا پہنچا اُس وقت بدھیہ میں کاکا بیٹا کوٹل کا فرمانروا تھا اور وہ سمانی تھا اور اسکا حصن حصین سیسم
ندی کُنبھ کے کنارہ پر تھا۔ وہاں کے باشندے بجہرا کے استقبال کو آئے اور حصار کے آگے اُسے اُتارا۔

جب بجہرا بھاگ گیا تو سمانیوں نے مسلمانوں کی اطاعت قبول کرلی۔ سوستان کو قلعہ میں محمد قاسم آیا اور یہاں کا
انتظام خاطر خواہ کیا۔ اور ملکی منصبوں پر عمال اور اپنے نائب مقرر کیے اور اضلاع کے انتظام اور اختیار انکو سپرد کیا۔ یہاں سونا
چاندی اُسکو بلا وہ لے لیا اور سیم و پیرایہ و نقود کی گٹھریاں باندھیں مگر سمانیوں سے جنسے کہ پہلے عہد و پیمان ہو چکے تھے
کچھ نہ لیا۔ اور لشکر اسلام جسقدر مال کا مستحق تھا اُسکو دیا غنیمت کا پانچواں حصہ حجاج کے خزانچی کو حوالہ کیا اور تو نکو عہد پر
نافذ کیا۔ حجاج کو غنیمت اور بردہ اور اُسکے ساتھ فتحنامہ بھیجا اور خود سوستان میں ٹھہرا۔ اس خمس اور سپاہ کے حصوں کی
تقسیم سے فارغ ہوکر دو تین روز بعد حصار سیسم کیطرف وہ روانہ ہوا اہل بدھیہ اور سوستان کا راجہ اس سے لڑنیکے
لیے تیار ہوئے۔ سوستان کی حفاظت کے لیے جو لشکر مقرر تھا اُسے چھوڑ کر باقی لشکر کو وہ ساتھ لیکر نیل بان پر دریا
کُنبھ کے کنارہ پہنچا۔ یہاں چاروں طرف اسلام کے دشمن ہی دشمن تھے ان سب نے جمع ہوکر یہ ارادہ کیا کہ اس
لشکر پر شب خون مارکے اُسکو پریشان کردیجیے۔

بدھیہ کے اکابر و اعیان کاکا کوٹل کے پاس گئے۔ بدھیہ کے رانا بُدھ کی نسل سے تھے جو اصل میں ابو دھا کے

الوِدھار گنگا کے کنارہ پر ایک نگر ہی لشکر عرب پر شبخون مارنے کے باب میں مشورہ کیا گیا۔ کاکا نے اپنی رائے یہ ظاہر کی۔ اگر تم شبخون مار سکتے ہو تو مارو نہایت عمدہ تدبیر ہے مگر ہمارے پنڈتوں اور جوتشیوں نے جوتش کی کتابوں سے خوب حساب کرکے یہ لکھا ہی کہ اس نواح میں مسلمانوں کی حکومت ہوگی۔ اُسنے جاٹوں کی فوج جمع کرکے اُسکا سپہ سالار چھین مقرر کیا ایک ہزار سپاہی دلاور شمشیر زن اسکے ہمراہ تھے۔ ہر ایک سپاہی کے پاس تلوار تیر و نیزہ و کٹاری تھی جب دن کی رومی سپاہ نے رات کی زنگی سپاہ سے ہزیمت پائی تو لشکر شبخون مارنے کے لئے روانہ ہوا جب وہ لشکر عرب کے قریب آیا تو راہ بھول گیا رات بھر بھٹکتا پھرا۔ چار فرسخ جو اس سپاہ کے تھے انہیں نہ مقدمہ ساقہ کے ساتھ ملانہ میمنہ میسرہ کے سامنے آیا۔ جنگل میں ہر ایک سر مارتا پھرا۔ جب اس نے سر اُٹھاکے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ سیسم کے قلعہ کے گرد کھڑے ہیں۔ جب دن ہوا تو وہ قلعہ کے اندر گئے اور سارا حال کاکا کوتل سے بیان کیا کہ یہ ہماری تدبیر نہ چل سکی۔ کاکا نے کہا کہ تم خوب جانتے ہو کہ میں شجاعت و مردانگی و شہامت و فرزانگی میں کیسا نامور ہوں اور میری نامور ی میں تم نے کتنی مہمات سر کی ہیں لیکن بدھوں کی کتاب میں علم نجوم سے حساب کرکے لکھا ہی کہ لشکر اسلام کے ہاتھ پر ہندوستان فتح ہوگا۔ مجھے اسکا یقین ہی کہ یہی ہوکر رہیگا۔

کاکا مع معتمدوں و خواص کے لشکر عرب کی طرف چلا تھوڑی دور گیا تھا کہ وہ بنانہ میں حنظلہ سے ملا جو پیش رو اس لشکر کا تھا اور دشمن کی سپاہ کا حال دریافت کرنے جاتا تھا۔ کاکا کو وہ محمد قاسم پاس لے آیا۔ محمد قاسم بہت خوش ہوکر اس سے ملا۔ اُسنے شبخون مارنیکا حال بیان کیا۔ جو لشکر شبخون مارنیکو چلا تھا خدا تعالیٰ نے اُسکو گمراہ کردیا۔ ساری رات پریشان پشیمان پڑا پھرا۔ ہمارے منجموں و معبروں نے علم نجوم کے موافق یہ حکم لگایا ہی کہ لشکر اسلام کے ہاتھ یہ نواح آئیگی چنانچہ اُنکے بیان معجز طراز کی تصدیق اس شبخون کے منصوبہ نہ چلنے سے ہوگئی اسکا یقین ہوگیا کہ حکم الٰہی یہی ہی کہ کسیکا مکر و غدر عرب کی طاقت کے آگے نہ چل سکیگا۔ اب ہر طرح سے اپنا اطمینان رکھئے کہ دشمنوں پر آپکو فتح ہوگی میں آپکی اطاعت قبول کرتا ہوں اور ناصح بنکر ساتھ ہوتا ہوں جہاں تک مجھ سے ہوسکیگا میں آپکا یار و یاور رہونگا۔ دشمنونکے قلع و قمع کے لئے رہبر رہونگا۔ محمد قاسم نے ان باتوں کو سنکر درگاہ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کیا۔ خود کاکا کی اور کل اُسکے ساتھیوں کی سب طرح سے خاطر جمع کی۔ اُسنے کاکا سے کہا کہ اے امیر ہند تیرے ہاں تشریف و خلعت دینے کا کیا دستور ہی۔ کاکا نے کہا کہ ہمارے ہاں سماٹی جاٹوں کی تشریف کی رسم یہ ہے کہ کرسی ملتی ہی۔ جامہ ریشمی ہندی یا حریری پہنایا جاتا ہی اور دستار بندی ہوتی ہے۔ کاکا کو یہ خلعت پہنایا گیا تاکہ نواح کے کل مقدموں اور بزرگوں کو اس کی اطاعت کیطرف رغبت ہوئی۔ جن لوگوں نے موفقت کی

کاکا کا محمد قاسم سے ملنا

اُنکے دلوں سے اُسنے اہل عرب کا خوف دُور کردیا۔ اور جنھوں نے مخالفت کی اُنکو رہنمائی کرکے راہ پر وہ لے آیا۔ عبدالملک بن قیس شحنہ مقرر ہوا کہ ہر متمرد کو سزا دے۔ کاکا نے ایک دولتمند گروہ کو لوٹا اور اُسنے نقد وجنس وستور و بردہ وغلہ بہت کچھ لیا۔ جس سے لشکر عرب میں گائے کا گوشت تک ارزاں ہوگیا۔ پس محمد قاسم یہاں سے چلکر حصار سیسم پر آیا دور وز تک لڑائی رہی خدا نے اُسے فتح دی اور دشمن فرار ہوئے۔ داہر کا بھتیجا بن چندر اور اُس کے تابعین راوت وٹھاکر مارے گئے۔ باقی لڑنیوالوں میں سے کچھ تو بدھیہ کے پرے کچھ بھٹ لوزمیں جو سامیوج اور قندھابیل کے درمیان میں ہے بھاگ کر چلے گئے یہاں سے امان نامہ کی درخواست کی۔ یہ سب داہر سے مخالفت رکھتے تھے بعض داہر کے ہاتھ سے ذبح ہوئے تھے اسلئے انھوں نے اُس سے بغاوت اختیار کی اور اپنے ایلچیوں کو بھیجا اور ایک ہزار درہم وزن چاندی دینے کا وعدہ کیا اور اپنی طرف سے اوّل سوستان روانہ کئے۔

محمد قاسم نے بعض رئیسوں پر مالگذاری مقرر کردی اور از سرنو انکی رفاہ کا عہد وپیمان کرلیا اور حمید بن وداع النجدی اور عبدالقیس آل جارود کو یہاں مناصب پر مقرر کیا اور اُنکے معتمد ہونے کے سبب سے سارے کاموں کا اہتمام انھیں کے سپرد کیا۔ اسطرح سیسم کے انتظام سے فارغ ہوا تو حجاج کا فرمان پہونچا کہ کہیں اور نہ جاؤ نیرون کو واپس آؤ اور مہران سے عبور کرنے کی تدبیر کرو اور داہر سے لڑائی لڑو اور خدائے عزوجل سے دعا مانگو کہ تجھے ظفر ونصرت عنایت کرے جبان نواحی پر تیرا تسلط ہو تو وہاں کلی وجزوی انتظام کر اور حصاروں کو مضبوط کر اور کسیکو غیر مضبوط نہ چھوڑ۔ محمد قاسم نے جب اس فرمان کو پڑھا تو وہ نیرون میں آیا۔ یہاں سے یہ خط لکھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ امیر اجل عالم تاج دین پناہ عجم وہند حجاج بن یوسف کی بارگاہ رفیع میں خدمتگار محمد قاسم بعد بندگی وخدمت عرض کرتا ہے کہ میں مخلص مع تمام امیر وحشم وخدم وجماعت لشکر مسلمانوں کے ضمان سلامت میں ہوں اور ہمارے تمام امور کو استقامت اور مسرت کو استدامت حاصل ہے رائے انور پر روشن ہو کہ بیابان اور اُسکی منازل مہلک کو قطع کرکے بلاد سندھ میں پہنچا وہ حصہ ملک کا جو قلعہ نیرون (نیرون) کے محاذی دریائے مہران پر واقع ہے فتح ہوا۔ یہ قلعہ الور کے ملک میں رائے داہر کی ملک میں تھا۔ جن لوگوں نے سرکشی کی وہ تہ تیغ کیے گئے یا بھاگ گئے۔ جب فرمان امیر نافذ ہوا اور مراجعت کی طرف اشارہ ہوا تو میں حصار میں کہ وہ نیرون ہے پہنچ گیا ہوں اور یہ حصار دار الخلافت سے نزدیک ہے اُمید ہے کہ عنایت بادشاہی اور اقبال امیر معظم سے دشمنوں کے حصار حصین فتح ہوں اور ہمارے خزانے دولت سے معمور ہوں یا مثل حصار سوستان وسیسم میں ہماری حکومت مسلم ہوگئی۔ پسر عم زاد داہر اور اُسکے اعیان وشجاع قتل کئے گئے اور مشرک مسلمان ہوئے

یا مفتوح۔ بتکدوں کی بجائے مساجد و معابد بنائے گئے اُنمیں منبر قایم ہوئے خطبہ پڑھا گیا۔ اذاں دی گئی۔ اوقات مقررہ پر فرض نماز ادا ہوتا ہے۔ خدائے عزوجل کی ذکر و تذکیر صبح و شام ہوتی ہے قرآن کی آیتوں کیموافق احکام الٰہی کی تعمیل ہوتی ہے۔ میں ایسے حصن کے جوار میں مقیم ہوں کہ وہ سد سکندری پر بھی افتخار کرتا ہے۔ حول و قوت ہماری خدائے عزوجل کیساتھ ہیں۔ برلئے رفیع کے لئے یہ مکتوب بھیجتا ہوں اور فرمان نافذ و مثال ناطق کے صدور کا منتظر ہوں۔ جو حکم و ارشاد ہوگا توفیق الٰہی سے اُسی کے موافق تعمیل ہوگی۔ ساحی راول سے جو راجہ داہر کے توابعین میں ہے عہد و پیمان کی گفتگو ہو رہی ہے اگر یہ امر طے ہو جائیگا تو دریائے مہران سے گذرنا ہمپر آسان ہو جائیگا۔

فرمان حجاج بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ فرزند عزیز کریم الدین محمد قاسم ادام اللہ تمکنتہ کا مکتوب پہنچا۔ الوزاع تکلف و اصناف تعظیم سے آراستہ تھا۔ اُس سے تمام حال وہاں کا جو وقوع میں آیا معلوم ہوا۔ اے پسر کیا تجکو ہوگیا ہے کہ رائے و عقیل و تدبیر و تمیز اپنی معین کرکے ملوک مشرق کو لڑائی میں مقہور نہیں کرتا اور ان لشکروں کو کہ لشکر اسلام کی مدافعت چاہتے ہیں تباہ و برباد نہیں کرتا تو اُنکے کید اور شر کو دفع کر اور مال جتنا تو خرچ کرسکتا ہے انعام و بخشش لشکر میں صرف کر اور جو کوئی تجھ سے اقطاع ولایت چاہے اُسے تو ناامید نہ کر اور اُسکی ملتمسات کو قبول کر۔ امان سے رعایا کو اطمینان دے بادشاہی کے چار ارکان ہیں اوّل مدارا و مواسا و مساحت و مصاہرت۔ دوم بذل مال و عطیہ۔ سوم دشمنوں کی مخالفت میں رائے صواب انکی مزاج شناسی میں علم۔ چہارم رعب مہابت و شہامت و قوت و شوکت۔ دشمنوں کے دفع کرنے میں ان طریقوں سے دشمنوں کو دفع کرنا چاہیئے تو راجاؤں کو عہد واثق سے راہ پر لا جب وہ مالگذاری دینے کا اقرار کریں تو سب طرح سے تو اُنکو قوی پشت کر جب کسیکو سفیر بناکے بھیج تو پہلے اُسکی عقل و مذہب و کیاست و امانت پر خوب اعتماد حاصل کرلے کہ مبادا اُسکی رفتار و گفتار سے اسلام کی گردن پر وبال آئے۔ اپنے تئیں دشمنوں کے مکر و غدر سے بچائے رہ۔ مہمات میں حزم و ہوشیاری کو کام میں لا۔ خواہر سے ہمیشہ محترز رہ۔ اگر وہ کوئی اپنا معتقد و معتمد بھیجے تو اُسکی مجالست سے بخوف نہ رہ جب اُسکو بلا تو بزرگوں کی محفل میں جواب شافی بے محابا دے۔ جو شخص وحدانیت الٰہی کا اقرار کرے اور تیری اطاعت کرے تو اُسکے تمام مال و اسباب و ننگ و ناموس کو برقرار رکھ اور جو اسلام نہ قبول کرے تو اُسکو فقط اتنی گزند پہنچا کہ وہ مطیع ہو جائے۔ جو لوگ تمرد اختیار کریں تو اُن سے لڑنے کے لئے تیار ہو۔ اور ایسی جگہ لڑ کہ وہاں زمین فراخ ہو تاکہ ہر دھڑ کے ساتھ اور سوار سوار کے ساتھ میدان میں جولانیاں کرسکیں جب لڑائی میں مصروف ہو تو کرم الٰہی پر توکل کر۔ دریائے مہران سے اول تو عبور کر تاکہ تیری ہیبت لوگوں کے دلوں میں اثر کرے اور ایسی جگہ سے عبور کر کہ وہاں پل استوار باندھ سکے اُسکا پہلے خوب امتحان کرلے۔ فقط۔

جب یہ فرمان حجاج کا آیا تو محمد قاسم دریا کے عبور کرنے کی تدبیر سوچنے لگا۔

جب داہر کو یہ خبر پہونچی کہ محمد قاسم نیرون میں آگیا تو اُس نے نجومیوں سے پوچھا کہ تمہارا علم نجوم کیا کہتا ہے سب نے بالاتفاق کہا کہ مسلمانوں کی فتح ہوگی۔ داہر نے سمانی بھند کو اکو جس کی ایالت میں حصار نیرون تھا نیرون بھیجا کہ وہاں کے حال سے اطلاع دے۔ وہ لشکرگاہ عرب میں پانچ مقدموں کے ساتھ آیا اور حجاج کا فرمان بھی ساتھ لایا۔ اور محمد قاسم کو دکھلایا۔ محمد قاسم نے کہا کہ میں اس فرمان کی فرمانبرداری کے لئے موجود ہوں۔ مگر اہل نیرون نے جو حصار کا دروازہ لشکر کے لئے بند کیا جسکے سبب سے لشکر میں غلّہ کا کال پڑگیا یہ نیک کام نہ تھا۔ اُسنے یہ عذر کیا کہ ہماری تمام مصالح امور راجہ داہر سے متعلق ہیں میں اُس پاس حاضر تھا۔ میری غیر حاضری میں رعایا نے متردد ہوکر اور لشکر سے ڈر کر دروازہ بند کرلیا۔ اب میں حاضر ہوں جو حکم ہوگا بجا لاؤنگا۔ اُسپر سمانی کو محمد قاسم نے خلعت دیا اور نہایت عنایت کی اور اُسکو واپس بھیجا اُسنے جاکر حصار کا دروازہ کھولدیا۔ محمد قاسم گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے اکابر و اعیان کو ساتھ لیا اور حصار میں آیا۔ بجائے بتکدہ کے مسجد بنوائی۔ دوگانہ نماز اُسمیں ادا کیا حصار میں شحنہ اپنی طرف سے مقرر کیا۔ پھر یہاں سے حصار اش ہار پر محرم ۹۳ھ میں گیا اور اُسکے سواد میں اُترا۔ یہ حصار نہایت استوار تھا۔ اہل حصار نے لڑنے کی تیاری کی اور حصار کے گرد گہری خندق کھودی۔ ایک ہفتہ تک لڑائی رہی۔ پھر اہل حصار نے اطاعت اختیار کی۔ محمد قاسم نے امان دی۔ انھوں نے مالگذاری دینے کا وعدہ کیا قلعہ کی کنجیاں دیدیں۔ محمد قاسم نے حصار کا انتظام اپنے معتقدین و معتمدین کے حوالہ کیا۔

محمد قاسم معبر مہران پر پہونچا تو داہر کو اسکی خبر ہوئی وہ سمجھا کہ اہل عرب کا استیلا روز بروز بڑھتا جاتا ہے تو اُسنے موکہ بن بسایا پاس ایلچی بھیجا کہ اگر تو ہماری اطاعت کریگا تو تیرا ملک بدستور تیرے پاس رہیگا۔ اسکے جواب میں موکہ نے محمد قاسم کو لکھا کہ تیری اطاعت کی طرف رغبت ہوتی ہے مگر سندھ ہمارا مسکن و ماوا ہے ہمارے باپ دادا کا ملک ہے میری راجہ داہر سے قرابت ہے مجھ پر اُسکے ساتھ ہر حال میں شریک رہنا فرض ہے۔ گو میں جانتا ہوں کہ ہماری سلطنت کا زوال آگیا۔ پھر موکہ نے منجموں سے پوچھا کہ آیندہ کیا ہونے والا ہے۔ اُنھوں نے بہت سے عذرات کے بعد یہ عرض کیا کہ یہ ملک ہمارے ہاتھ سے نکلکر مسلمانوں کے ہاتھ میں جائیگا۔ موکہ کے قول پر محمد قاسم کو اعتماد نہ تھا اُسنے بنانہ بن حنظلہ کلابی کو ہزار سوار کے ساتھ موکہ کے گرفتار کرنے کے لئے بھیجا۔ ترجمان اُسکے ساتھ گیا۔ پس بنانہ نے موکہ بسایا کو مع تیس ٹھاکروں کے گرفتار کیا اور محمد قاسم کے روبرو لایا۔ محمد قاسم نے اُس کی بڑی آؤبھگت کی۔ موکہ کو ملک بیت تمام و کمال عطا کیا اور اسکی سند لکھ کر دیدی کہ وہ نسلاً بعد نسلٍ مالک رہے اور

ایک لاکھ درم صلہ میں دیئے۔ سبز چتر طاؤسی وکرسی وخلعت دیا اور اُس سے کشتیوں کے فراہم کرنے کا وعدہ لیا۔
داہر کے پاس ایک شامی ایلچی بھیجا اور مولائے اسلام کو ترجمان کیلئے اُسکے ہمراہ کیا۔ یہ مولا دیبل کے رہنے والے
تھے اور محمد قاسم کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ جب یہ دونوں داہر کے پاس پہونچے تو مولا نے داہر کو سلام نہیں کیا اس پر
داہر نے مولا سے کہا کہ تو دستور کے موافق آداب کورنش کیوں نہیں بجالایا۔ اسپر مولا نے کہا کہ جبتک تیرے مذہب میں تھا تو
آپکو بندگی کرتا تھا۔ اب اسلام سے مشرف ہوا ہوں شاہ اسلام کو سلام کرتا ہوں کافر کو سلام نہیں کرتا۔ داہر نے کہا کہ تو ایلچی
بنکر نہ آتا تو تجھکو سزا دیتا۔ اسپر مولا نے کہا کہ اگر تو مجھکو مار ڈالتا تو اسلام کا کچھ نقصان نہوتا مگر میرے خون کا انتقام جب
وہ لیتے تو تجھکو بڑی سزا دیتے۔ شامی نے محمد قاسم کا یہ پیغام پہونچایا کہ دریائے مہران سے تم عبور کرکے ہم سے لڑو
یا ہمکو عبور کرنے دو ہم تم سے لڑیں۔ اسپر وزیر سی ساگر سے داہر نے مشورہ لیا اُسنے کہا کہ میرے نزدیک انکو دریا سے
اُترنے دو پیچھے اُنکے دریا ہوگا اور آگے تیرا لشکر ہوگا۔ اُنکا فریادرس نہ کوئی آگے ہوگا نہ پیچھے یوں نرغہ میں وہ
پھنس جائینگے۔ مگر جب اسی امر میں محمد علافی سے مشورہ کیا (محمد علافی کا پہلے ذکر ہوچکا ہے) اور سی ساگر کی رائے
اُسکے سامنے بیان کی اُسنے کہا کہ وزیر کی رائے غلطی پر ہے عرب کا لشکر جرار ہے وہ رضائے الٰہی میں اپنی جان دینے
کو تیار ہے وہ مرنے کو شہادت جانتا ہے اور اُسکے بدلے میں جنت کا یقین رکھتا ہے۔ اگر وہ دریا سے عبور کرکے
اسطرف آگیا تو قیامت برپا کردیگا۔ رعایا سب اسکے خوف کے مارے اسکی اطاعت قبول کرلیگی۔ اس دریا کو درمیان
حائل ہونیکو غنیمت سمجھو۔ میرے نزدیک اہل عرب کا دریا سے گذرنا مصلحت نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ کشتی کے ملاحوں پر ایسی
درشتی رکھو کہ وہ غلہ و ہیزم و کاہ کی راہیں سب طرف سے لشکر عرب پر بند کردیں۔ اس طرح آدمیوں کو بھوکا اور
گھوڑوں کو بے علف رکھکر اس لشکر کو متفرق و پریشان کریں۔ اس صلاح و مشورہ کے بعد داہر نے ایلچی کو واپس بھیجا
اور یہ کہلا بھیجا کہ ہم سب لڑائی کے لئے آمادہ ہیں خواہ تم دریا سے عبور کرو یا ہم عبور کریں۔ ایلچی نے جب محمد قاسم
سے یہ ذکر کیا تو اُسنے کہا کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ہی دریا کو عبور کرینگے۔ وہ مہران کی جانب مغربی اُترا اور موکہ بن بسایا
کو بلایا اور کشتیوں کا سامان کرنے لگا۔ حجاج کو داہر کے جواب سے اطلاع دی تو اُسنے بھی یہی صلاح لکھی کہ دریائے مہران
عبور کرو میں رات دن خدا تعالیٰ سے تمہاری فتح کی دعا مانگتا ہوں یقین ہے کہ خدا تمہاری مراد پوری کریگا ایک
دعا بھیجتا ہوں اسے پڑھتے رہا کرو چل کے بیانکی اور اسکی آزمایش کی ترکیب لکھ بھیجی پھر اسکے بعد ایک خط حجاج کا
آیا جسمیں لکھا تھا کہ تم اول نقشہ دریاء مہران کے چار فرسنگ کا بنواکے میرے پاس بھیجو و اُسے دیکھکر میں تمکو بتلادونگا
کہ کس موقع سے تمکو گذرنا چاہیئے۔ محمد قاسم بیٹ کے مقابل آیا۔ داہر بھی ہاتھی پر سوار ہوکر لشکر اسلام کی برابر آیا۔

دونوں کے درمیان دریا مہران حد فاصل تھا۔ ایک شامی کہ تیر اندازی میں قادر و ماہر تھا اُسنے چاہا کہ گھوڑے کو دریا میں ڈالکر داہر پر تیر چلائے مگر اُسکا گھوڑا پانی سے جھجکا کہ داہر نے ایسا تیر اُسکے لگایا کہ اُسکی روح پرواز ہوئی۔ داہر چلا گیا اور جاہن کو سعید دریا پر متعین کیا کہ اہل عرب کے لشکر کو اُترنے نہ دے۔

لشکر اسلام سے چند سواروں نے محمد قاسم سے آنکر کہا کہ چندر بن بالا نے حصار سوستان سے عربوں کو نکال دیا۔ محمد قاسم نے مصعب بن عبدالرحمن کو ہزار سوار اور دو ہزار پیادے دیکر وہاں روانہ کیا حصار سے باہر چندرام سے لڑائی ہوئی اور اُسکے لشکر کو ہزیمت ہوئی اُسنے حصار میں جانا چاہا مگر وہاں اہل حصار نے اُسکو آنے نہیں دیا وہ مارا گیا۔ اہل تجارت و اہل حرفہ و پیشہ نے اپنے معزز آدمیوں کو مصعب پاس بھیجا اور عرض کی کہ یہ غدر ہماری طرف سے نہ تھا ایک چور گھس آیا تھا اُسنے یہ دنگہ فساد برپا کیا غرض حصار کا دروازہ انھوں نے کھولدیا اور مصعب نے حصار کا انتظام کر لیا اور فتح کی خبر محمد قاسم کو بھیجدی محمد قاسم نے اُسے لکھا کہ حصار کی حفاظت کے لئے معتمد و امین مقرر کر دو اور تجار و صناع و معارف سے اُدل لے لو اور چار ہزار جنگی سپاہی اپنے ساتھ لاؤ مصعب نے محمد قاسم کے حکم کی تعمیل کی اور محمد قاسم سے آن ملا اور حصار بیت کے پاس ہو کر پیر بیا یا بھی اُس سے ملا۔

جب داہر کو یہ یقین ہو گیا کہ محمد قاسم سے ہو کر بیعت کر لی۔ تو اُسنے اپنے بیٹے جیسیہ کو حصار بیت میں بھیجا کہ لشکر اسلام کے مقابل ایستادہ ہو کر انکو دریا سے نہ گذرنے دے۔ بڑا لاؤ لشکر اُسکے ساتھ تھا۔ وہ دریای اٹک کے ساحل پر مقیم ہوا اُسکے سامنے جیل کرہل میں محمد قاسم کا لشکر اُترا ہوا تھا۔ پچاس روز یہاں قیام رہا جسکے سبب سے غلہ و کاہ میں کمی ہوئی اور کھانے کی تنگی سے لشکر متردد ہوا۔ گھوڑے بغیر دانے چارے کے بیمار ہونے شروع ہوئے جو گھوڑا بیمار ہوتا اُسکو ذبح کر کے لشکر کھاتا۔ دشمن بھی چار و ناچار طرف گھات لگائے بیٹھے تھے راجہ داہر یہ حال دیکھکر خوش ہوتا تھا اُسنے محمد قاسم پاس ایلچی بھیجا۔

محمد قاسم سے ایلچی نے آنکر کہا کہ تو نے دیکھا کہ تیرا انجام کار کیا ہوا۔ تیرے لشکر کو غلہ نہیں میسر ہوتا۔ اب اگر صلح کر لو تو میں علوفہ بھیجدوں کہ تیرا لشکر گرسنگی و بے برگی سے ہلاک نہو۔ خوب سمجھ لے کہ مجھسے لڑائی میں کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا محمد قاسم نے جواب دیا کہ میں یوں تو مصالحت نہیں کرتا اگر تم جزیہ دینا قبول کرو اور خزانہ دار الخلافت میں روپیہ داخل کرو تو میں صلح کر لونگا و گرنہ خدا کی امداد سے تیرا سر کاٹ کر عراق بھیجوں گا۔

محمد قاسم نے حجاج کو لکھا کہ داہر کا ایلچی یہ پیغام لیکر آیا تھا اور میں نے اُسکا جواب اُسکو دیا۔ سواروں میں گھوڑوں میں وبا پھیلی ہوئی ہے جس سے بہت گھوڑے مر گئے۔ چارہ و غلہ کی تنگی رہتی ہے۔ دریا سے پار جانے کیلئے کشتیاں میسر نہیں ہوتیں۔ حجاج نے بھی طیار کرواس لئے یہاں مقرر کر کے بھیجا تھا کہ وہ محمد قاسم سے خفیہ یہاں کے حالات

سے اُسے اطلاع دے۔ وہ کران میں پہونچا تھا کہ اُسکو سرِ راہ محمد قاسم کے لشکر گاہ سے ایک مسافر آتا ہوا ملا لیبار نے اُس سے لشکر کا حال پوچھا اُسنے نہایت شرح وبسط سے وہاں کا حال بیان کیا کہ لشکر عرب اس سبب سے متردد و متفکر رہتا ہے کہ گھوڑے وبا سے مر رہے ہیں۔ غلہ و علف کی تنگی رہتی ہے اور اور طرح کی بھی تکلیفات ہیں لیبار یہ حالات سنکر اور مسافر کو ساتھ لیکر حجاج پاس اُلٹا چلا گیا۔ اور اُس کو ان حالات پر آگاہ کیا جس سے وہ نہایت متاسف ہوا اُس نے صلحا و علماء سے التماس کی کہ وہ خدا سے دعاء صالح مانگیں۔ مسافر کو اپنے پاس بلاکر لشکر کا حال پوچھا اُس نے بیان کیا کہ بہت گھوڑے وبا سے مر گئے اور غلّہ و چارہ نہیں ملتا۔ مگر میں جب وہاں سے چلا آیا ہوں تو گھوڑوں کی وبا موقوف ہو گئی تھی اور غلہ کے تاجر چاروں طرف سے غلہ لشکر میں لاتے تھے اور ارزاں بیچتے تھے۔ گھوڑے جو زندہ سلامت رہے تھے وہ بالکل تندرست تھے۔ حضور نے جو اپنے مرید معتمد سے یہ حال سنا ہے وہ میں نے ہی اُس سے کہا تھا مگر دو پر اس نظر سے نہیں کہا کہ دوست دشمن جب اُسکو سنیں گے تو اندیشہ تھا کہ کہیں کوئی دشمن لشکر کو اذیت نہ پہونچائے۔ حجاج نے اس مسافر کو دار الخلافت میں خلیفہ کے پاس ان تمام حالات کے بیان سُنانے کے لئے بھیجدیا۔

جب حجاج نے یہ حالات سنے تو محمد قاسم پاس یہ حکم بھیجا کہ تمہاری تحریر اور قاصد کی تقریر سے وہاں کے کل حالات معلوم ہوئے کہ کچھ گھوڑے سقط ہوئے اور باقی زندہ و سلامت ہیں اسلئے تمہارے پاس دو ہزار گھوڑے بھیجے جاتے ہیں تم انکو معتمدوں اور مبارزوں و لشکر کے سرداروں کے حوالے کرو اور اُنسے کہدو کہ وہ ان گھوڑوں کو اپنا ہی سمجھیں تم لشکر کی شوکت کو دشمنوں کو دکھاتے رہو۔ یاد رکھو کہ کسی شخص کی تمنا اپنے ارادہ سے پوری نہیں ہوتی جبتک خدا تعالیٰ اُسکو نہ بر لائے۔ خدا تعالیٰ ہماری تمنا کو ہمارے دشمنوں کے مقابل میں پوری کریگا۔ تمکو چاہئے کہ جسطرح ہو سکے کشتیاں بہم پہنچاؤ اُنکا پل بناؤ تاکہ دریا سے عبور کرنا آسان ہو۔ محمد قاسم نے یہ حکم سب لشکر کو سُنا دیا۔

محمد قاسم نے اس فرمان کے جواب میں عرضی لکھی کہ یہاں خوراک طبیعت کے مخالف ایسی ملتی ہے کہ جس سے بیماری اور رطوبت پیدا ہوتی ہے اسلئے ترشی کی ضرورت ہے اپنے خاص مودی خانہ سے کسیقدر سرکہ عنایت فرمائیں کہ لشکر کو اسکی بڑی ضرورت ہے۔ حجاج نے دُھنکی ہوئی روئی کو سرکہ میں تر کرکے خشک کیا اور اُسکی گٹھریاں بندھوا کے محمد قاسم پاس بھجوا دیں اور لکھ بھیجا کہ روئی کو پانی میں تر کرکے اس سے سرکہ نکال لیا کرو۔

حجاج نے محمد قاسم کو لکھا کہ تمہاری رائے صواب ہے یہ کچھ تعجب کی بات نہیں ہے کہ تم دشمنوں کو امان دینے پر بڑے حریص ہو گئے ہو یہ امر تمہارا مجھکو بکرہ معلوم ہوتا ہے جس دشمن کی عداوت کا امتحان ہو چکا ہو اُسکو امان دینی

فرمان حجاج کا پہونچنا دریائے مہران کو عبور کرنیکا ارادہ

نہیں چاہیئے۔ فضیع و شریف کو ایک محل پر نہیں رکھنا چاہیئے عقل سے کام کو اسطرح انجام دو کہ دشمنوں کو تمہارے عجز پر احتمال ہو۔ مدت سے دشمنوں کے مقابل میں تم پڑے ہو۔ تم صلح میں کوشش کرتے ہو۔ لوگ اس صلح جوئی کو تمہاری عجز و قصور پر محمول کرتے ہیں۔ تمکو چاہیئے کہ رسم سیاست و ریاست کو بجا رکھو۔ سہم و فہم کو نگاہ رکھو۔ عزم مصمم کرو۔ خدا کے آگے دل جان حاضر رکھو۔ دریائے مہران کے نقشہ کے دیکھنے سے ہم کو یہ معلوم ہوا کہ دریا کا عرض موضع بیٹ پر تنگ ہے اور وہاں کا کنارہ بھی سہل گذار ہے اس لئے تم وہاں سے پار اترو۔

راجہ داہر کا اپنے وزیر سیاسی سے محمد قاسم کے دریا عبور کرنیکے باب میں مصلحت و مشورہ کرنا

جب حجاج کے یہ احکام محمد قاسم پاس پہونچے تو وہ بیم سے سفر کر کے ساکرہ میں پہونچگیا تھا وہاں کشتیوں اور تختوں کو جمع ہونیکا حکم دیا تھا۔ اور دریا سے عبور کرنیکا عزم مصمم کیا۔ یہاں یہ بلند ارادے ہو رہے تھے۔ وہاں راجہ داہر رات دن لہو و طرب میں صید و لعب میں مشغول تھا تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو کہ ان کو وہ ایسا ہیچ سمجھتا ہے کہ کچھ انکی پروا نہیں کرتا اس خیال میں راجہ کے پاس اسکا وزیر سیاسی آیا اور کہنے لگا کہ راجہ کی عمر دراز ہو۔ آپ تو شطرنج اور نرد بازی میں مشغول ہیں اور اہل عرب دریا سے عبور کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہیں۔ راجہ نے کہا کہ آپ ہی کوئی مصلحت بتائیے کہ میں کیا کروں۔ وزیر نے کہا میں تین تدبیریں آپ کو بتاتا ہوں انمیں سے جو آپ کو پسند آئے وہ اختیار کیجئے اول یہ کہ آپ ہند کو اپنے اہل و عیال و اقربا روانہ کر دیجئے اور خود جریدہ ہر طرف سے فیلان مست اور مردان دلاور کو جمع کیجئے اور دشمنوں پر غلہ و علف کی راہیں بند کیجئے اور لشکر کو انتخاب کر کے دشمن پر حملہ کیجئے دوم یہ کہ یہاں سے نقل مکان کیجئے اور ریگستان میں چلے جائیے کہ وہ بجائے خود ایک حصن حصین ہوگا۔ اور وہاں کے آدمیوں سے کہئے کہ وہ آپ کے ساتھ شریک ہوکر اہل عرب سے لڑیں اور اگر وہ ایسا نکرینگے تو ہمارے غارت ہونے سے وہ بھی تباہ ہو جائینگے۔ سوم تدبیر یہ ہے کہ فرزندوں اور اقرباؤں کو ساتھ لیکر سرزمین ہند میں چلے جائیے وہاں آپ کی ہر طرح کی امداد ہوگی اور وہاں سے کمک لیکر اپنے ملک کو واپس آئیے اور لشکر عرب سے انتقام لیجئے لشکر عرب کو کوئی تمتع اس ملک سے نہیں ہوگا۔ لیکن اگر اب ابتدا میں آپکو شکست ہوگئی اور دشمن کو غلبہ ہو گیا تو پھر اہل عرب سے اس ملک کا چھین لینا ملوک ہند کے بس ہی میں نہیں رہیگا۔

راجہ داہر نے یہ سنکر وزیر سے کہا کہ جو کچھ آپکے نزدیک تدبیر صواب ہو وہ عین مصلحت ہیں لیکن میری رائے میں دیار ہند میں اہل و عیال اقربا کے بھیجنے سے رعایا کو تردد پیدا ہوگا۔ ٹھاکر اور امرا دل شکستہ ہو جائینگے اور مستعد ہوکر لڑائی کے نہیں بلکہ متفرق ہو جائینگے۔ مجھے خود بھی اس سے ننگ آتی ہے کہ دوسروں سے التجا کروں یا کسی دوسرے کے دروازہ پر جاؤں پس بہتر یہی ہے کہ دشمن سے مقابلہ کر کے لڑوں اگر اس پر غالب آیا تو میری سلطنت مستحکم و مشہور

ہوجائیگی اور اگر مغلوب ہوگیا تو عرب کی کتابوں میں اور شاہان عالم میں میرا یہ ذکر باقی رہیگا کہ اپنے ملک کی حمایت میں جان کو صدقے کیا۔ وزیر نے کہا کہ میں تو آپکی ذات کی بقا اور آپکے لیے سلطنت کا خواہان ہوں اور اپنے لئے ایک مٹھی ستو اور ایک گھونٹ پانی کا اور ایک ٹکڑا کپڑے کا کافی جانتا ہوں۔ آپ جو چاہیئے سو کیجئے۔

محمد قاسم نے دریاء مہران سے عبور کرنیکا مصمم ارادہ کرلیا تو اُسکو یہ اندیشہ دامنگیر ہوا کہ کہیں راجہ داہر لشکر لیکر اُسکے عبور کرنے میں مزاحمت نکرے۔ اسلئے اُس نے سلیمان بن تہان قریشی کو حکم دیا کہ بغرور میں جائے اور فیوفی راجہ داہر کے بیٹے کو باپ سے نہ ملنے دے۔ اس حکم کیموافق سلیمان چھ سو آدمی لیکر بغرور گیا۔ پھر عطیہ ثعلبی باہلی کو حکم دیا کہ وہ پانچسو آدمیوں کو گنداوا کی سرزمین پر اکھم کو نہ بڑھنے دے۔ سماتی جو قلعہ نیرون میں حاکم تھا حکم دیا کہ وہ غلہ اور علف کی جتنی ضرورت لشکر کو ہو پہنچاتا رہے مصعب بن عبدالرحمن کو حکم ہوا کہ وہ آگے جاؤ اور راہوں کی حفاظت کرے ۔۔۔ بن حنظلہ کلابی کو حکم ہوا کہ ہزار سوار لیکر قلب لشکر میں رہے اور ذکوان بن علوان البکری کو حکم دیا کہ پندرہ سو سوار لیکر موکہ بن بسایا حاکم بیٹ کے ہمراہ رہے اور بھیٹی ٹھاکروں اور غزنوی جاٹوں کو جنہوں نے مسلمانوں کی اطاعت اختیار کرلی تھی اور اُن کو محمد قاسم نے نوکر رکھ لیا تھا حکم دیا کہ وہ ساگرا اور جزیرہ بیٹ میں رہیں اور دریاء مہران کی کم عرض جگہ تجویز کرکے کشتیوں کو حکم دیا کہ یہاں لگائی جاویں۔

جب داہر کو خبر ہوئی کہ محمد قاسم کے پاس بہت سی کشتیاں موکہ پسر بسایا نے جمع کردی ہیں تاکہ وہ دریا سے عبور کرجائے تو اُس نے اپنے بیٹے کو بیٹ میں بھیجا کہ وہ محمد قاسم کو روکے موکہ کا سگا بھائی راسل تھا جو ہمیشہ موکہ سے دشمنی رکھتا تھا وہ داہر کے پاس آیا اور اُسنے کہا کہ مہاراج آپ اجازت دیجئے کہ میں بیٹ میں جاکر لشکر عرب کو دریا نہ اُترنے دوں داہر نے اُسکی درخواست منظور کرکے بیٹ اور سب مقدموں اور اکابر کو کہدیا کہ اُسکی اطاعت کریں اور اپنے بیٹے کو واپس بلالیا

جب محمد قاسم نے کشتیوں کو جمع کرکے اُنکو بندھوانا شروع کیا تو راسل مقدموں اور بڑے بڑے آدمیوں کو ساتھ لیکر آڑے ہوا کہ محمد قاسم کشتیوں کا پل نہ بنا سکا محمد قاسم نے یہ دیکھکر حکم دیا کہ کشتیوں کو مغربی کنارہ پر لیجا کر بقدر دریا کے عرض کے جوڑیں جب کشتیاں جڑگئیں تو اپنے مردان جنگی پورے ہتیار لگا کے بٹھائے اور پل کے سرے کی کشتی پر تیر اندازوں کو بٹھایا جنہوں نے راستہ روکنے والے دشمنوں پر تیروں کا مینہ برسایا۔ اسطرح پل کو تیرا کر مشرقی کنارہ پر جا لگایا پھر زمین میں میخیں گاڑکر پل کو باندھ دیا۔ اُسپر سے پیادوں اور سواروں نے اُترکر دشمن کے لشکر کو بھیم کے دروازہ تک بھگا کر تعاقب کیا۔ صبح کو راجہ داہر خواب راحت میں تھے کہ ایک شخص نے جگا کر مفصل حال اس ماجرے کا سنایا تو داہر نے خفا ہوکر اُس سے کہا کہ کیا بُری خبر لایا ہے اور اُسکی پیٹھ پر ایک ایسا گھونسہ مارا کہ وہ مرگیا۔

جب محمد قاسم نے دریا سے عبور کیا تو اُس نے منادی کی کہ اے لشکر اسلام اب مہران تمہاری پس پشت ہے اور لشکر دشمنان تمہارے روبرو ہے جس شخص کا دل چاہے وہ بہتر ہے کہ یہاں سے اُلٹا چلا جائے اگر لڑائی کے وقت دشمن سے کوئی بھاگے گا تو لشکر کی دلشکنی ہوگی اور دشمن کا حوصلہ بڑھیگا یہ سنکر سوائے تین شخصوں کے کوئی واپس نہ گیا۔ اُنمیں سے ایک شخص نے کہا کہ ایک لڑکی کے سوائے میرا کوئی اور نہیں ہے جو اُسکی خبر لے۔ دوسرے نے کہا کہ ماں کے سوائے میرے گھر میں کوئی اور نہیں ہے کہ اُسکو دفن بھی کرے۔ تیسرے نے کہا کہ مجھ پر قرض بہت ہے کوئی اُسکا ادا کرنیوالا نہیں ہے اُنکو محمد قاسم نے اجازت دیدی۔ سارا لشکر پل پر سے بخیر و خوبی اُتر گیا صرف ایک شخص پل پر سے گر کر ضائع ہوا۔ اہل عرب کے سارے گھوڑے لوہے میں غرق تھے۔ وہ چلکر حصار بیت میں پہونچے اور یہاں اُنہوں نے دم لیا۔ طلایہ مقرر کیا۔ لشکر کے گرد خندق کھودی اور سارا اسباب اپنا قلعہ میں رکھا۔ پھر قلعہ بیت سے محمد قاسم راور کو روانہ ہوا اور جیوار (جیپور) میں پہونچا۔ جیوار اور راور کے درمیان ایک جھیل تھی جس پر راجہ داہر نے اپنے منتخب دلاور فوج کو بٹھا رکھا تھا۔

راجہ داہر نے محمد حارث علافی کو بلا کر یہ کہا کہ اے حارث ہم نے تمکو آج ہی کے دن کیلئے پرورش کیا ہے۔ تمکو ہمیشہ ہم لشکر طلایہ سپرد کیا کرتے ہیں۔ اب بھی اُسکو حوالے کرتے ہیں تم لشکر عرب کی رسم سے واقف ہو اس کام کو خوب انجام دو گے علافی نے جواب دیا کہ اے راجہ صاحب آپکا حق نعمت مجھپر واجب ہے مگر ہم مسلمان ہیں اور لشکر اسلام سے لڑنا ہمارے مذہب میں حرام ہے اسلئے کہ اگر لڑائی میں مسلمانوں کے ہاتھ سے ہم مارے جائیں تو حرام موت مریں اور اگر اُنکو ماریں تو قیامت کو دوزخ میں جائیں۔ اگرچہ میں مرہون منت ہوں۔ مگر اب یہ بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مجھے ترک خدمت کی اجازت فرمایئے۔ راجہ داہر نے حارث سے کہا کہ اعانت کی تجھ سے توقع نہیں رہی تو میں مجبوراً تجھکو موقوف کرتا ہوں محمد حارث علافی یوں موقوف ہو کر بیل مان میں چلا گیا وہیں ٹھہرا رہا جبتک کہ داہر کشتہ ہوا۔ بعد ازاں محمد قاسم نے اُسے امان دیکر ایک عہدہ پر مقرر کردیا۔ وہ ملوک ہندوستان پاس جاتا اور انکو مسلمان ہونے پر یا خراج دینے پر تحریص دیتا اور محمد قاسم کی عنایت کا اُنسے وعدہ کرتا۔ اسطرح اُن کو اطاعت میں لاتا۔ ملتان میں پہونچکر وہ مر گیا۔

ایک روایت یہ ہے کہ محمد حارث علافی سے راجہ داہر نے کہا کہ لشکر عرب سے تو لڑتا نہیں تو میری ساتھ رہ لشکر عرب کے مکر و کید پر مطلع کرتا رہ۔ اور اُنکے دفع کی تدبیر بتلاتا رہ۔ اُسنے راجہ داہر کا کہنا مان لیا اور اُسکے لشکر طلایہ کیساتھ لشکر عرب کے تجسس میں روانہ ہوا تو اہل عرب نے اُس کو بہت لعن طعن کی اور اُسکو شکست دی اور وہ واپس چلا آیا۔

جب محمد قاسم نے حجاج کو دریا عبور کرنیکا حال تحریر کیا تو وہاں سے لکھا آیا کہ پانچ وقت کی نماز پڑھا کرو اور

تکبیر و قرأت و قیام و رکوع و سجود و قعود میں تضرع و زاری خدا کے روبرو کیا کرو ہر وقت زبان پر ذکر الٰہی جاری رکھو تاکہ کام کا انجام بخوبی ہو۔ کیونکہ قوت و شوکت بے عنایت الٰہی کے میسر نہیں ہوتی۔ اگر خدا تعالیٰ کے فضل و کرم پر بھروسا قوی رکھو گے تو امید قوی ہے کہ فتح و نصرت قرین و معین ہو گی۔

جب محمد علافی جلا وطنی سے واپس آگیا تو راجہ داہر نے اپنے بیٹے جے سیہ کو بہت سی سپاہ اور ہاتھیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ لشکر عرب نے جے سیہ پر حملہ کیا اور اُسکے لشکر میں بہت آدمی مارے۔ جے سیہ ہاتھی پر سوار تھا فیلبان نے اُس سے پوچھا کیا لڑیئے گا یا مراجعت کیجیئے گا اور اس ہلاکت سے بچیئے گا۔ راجہ جے سیہ نے کہا کہ میں کیونکر بچ سکتا ہوں۔ چاروں طرف کی راہیں بند کر دی ہیں۔ دشمن باہر نکلنے نہیں دینگے۔ اس کہنے سے فیلبان اسکا ایما سمجھ گیا کہ وہ بھاگنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس نے ایک طرف ہاتھی سے عربوں کو ہٹا دیا اور جے سیہ کو سلامت نکال لے گیا اور باپ پاس پہنچا دیا۔ باپ بیٹے کو زندہ دیکھ کر نہال نہال ہو گیا۔ مگر جے سیہ کا لشکر سارا مارا گیا۔

جے سیہ کو ہزیمت ہوئی اور اسکا لشکر مارا گیا تو راسل نے محمد قاسم پاس ایلچی بھیجا۔ وزیر نے اسکو سمجھایا کہ راے داہر تجھ پر بالکل اعتماد رکھتا ہے اور تیری موافقت پر اُسکے کار کا مدار ہے۔ معلوم نہیں اہل عرب کو فتح ہو یا شکست ہو کہ تیرا بھائی تیری مخالفت کے سبب سے اہل عرب سے ملا ہے اگر ایسی حالت میں تو داہر سے دغا کریگا تو ہمیشہ کے لیے تیرے خاندان کو داغ لگ جائیگا۔ مگر محمد قاسم کو اُسنے ایک معتمد کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ میں اپنی رونق کار چاہتا ہوں اور مخالفوں کے طعن سے بچنا چاہتا ہوں۔ میں راجہ داہر پاس فلاں راہ سے جاتا ہوں آپ لشکر اس راہ میں بھیج دیجیے میں اس سے لڑنے کا نہیں بلکہ اُسکے ہاتھ میں گرفتار ہو جاؤنگا یوں لوگوں کی طعن و تشنیع سے بچ جاؤنگا۔ آپ سے میں مل گیا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اسلام کا ایک لشکر اُسکو گرفتار کر لایا۔ محمد قاسم نے اس سے استدعا کی کہ تو ہمارا دوست صادق بنا اور جس ملک کو تو کہے گا میں اُسے تجھے دیدونگا۔ راسل نے اس سے اقرار کیا کہ میں کبھی آپکی اطاعت سے سرتابی نہ کرونگا اور آپ کی خدمت کرونگا اور آپکی رضا سے باہر قدم نہیں رکھونگا۔ راسل جلد مر گیا۔ اس لیئے ملک موعود سے محروم رہا مگر اُسکے بھائی کو وہ مل گیا۔ راسل اور موکہ دونوں متفق الراے ہو کر محمد قاسم کو ایک منزل آگے موضع تارامتی میں لیگئے اُسوقت راجہ داہر کا نسبی جاٹ میں تھا۔ ان دونوں کے لشکروں کے درمیان ایک بڑی جھیل حائل تھی جس سے پار جانا مشکل تھا۔ راسل نے محمد قاسم سے کہا کہ اس جھیل سے عبور کرنا ضرور ہے۔ وہ ایک کشتی لے آیا اور تین تین آدمیوں کو بٹھا کر سارا لشکر اُتروا دیا اور جھیل کے کنارہ پر خیمہ لگایا۔ یہاں سے محمد قاسم کو راسل ایک اور منزل آگے لے گیا اور ندی واد ہاوہ پیچے وار (جیپور) میں اُتارا اور اُس سے کہا کہ یہ مقام آپکی لشکرگاہ

راجہ داہر کے بیٹے جے سیہ کی محمد علافی سے شکست

کے لئے مناسب ہے۔ یہاں سے آپ داہر کے لشکر پر پس و پیش حملہ کر سکتے ہیں۔

راجہ داہر کو یہ خبر پہنچی کہ جیور میں محمد قاسم مع لشکر آن پہونچا۔ وزیر سی ساگر یہ خبر سنکر آہیں سرد کھینچنے لگا کہ ہائے افسوس ہم غارت و تباہ ہوئے۔ دشمنوں کا مقام جیوار (مقام فتح) میں ہو تو اُنکے جیتے ہونے میں کیا شبہ ہے۔ راجہ داہر وزیر کی یہ بات سنکر بہت خفا ہوا اور کہنے لگا کہ دشمنوں کا مقام جیوار میں نہیں ہے بلکہ ہن وار میں ہے۔ جہاں اُنکی ہڈیاں پڑی سڑا کرینگی۔ اب داہر یہاں سے پریشان خاطر ہو کر راور کے قلعہ میں پہونچا یہاں اپنے اہل و عیال و اقربا اور مال اسباب کو محفوظ کرکے لیے مقام پیا پا کہ لشکر عرب سے نصف فرسنگ تھا۔ نجومیوں سے داہر نے کہا کہ آج میں لڑونگا بتاؤ زہرہ آسمان میں کس مقام پر ہے اور ان دونوں لشکروں میں سے کون غالب مغلوب ہوگا۔

نجومیوں نے بچار کرکے کہا کہ ہماری گنت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ لشکر عرب غالب ہو۔ اسواسطے کہ زہرہ انکے پس پشت ہے اور آپکے رو برو ہے۔ داہر اس بات کو سنکر غصہ ہوا تو نجومیوں نے کہا کہ آپ خفا کیوں ہوتے ہیں زہرہ کی سونے کی تصویر بنوا لیجئے اور اوپر ٹھاکر میں اسے باندھ لیجئے تو زہرہ پس پشت آپکے ہو جائیگا۔ اور فتح آپکو ہو جائیگی۔ (اس حماقت کو دیکھئے کہ کہاں لڑائی اور کہاں یہ ٹوٹکا۔ جو کام عالی دماغی اور بہادروں کے بازوؤں کا کام ہے وہ بھلا کہیں ان نجومیوں کی پیشینگوئی سے چل سکتا ہے)

جب ان لشکروں میں بہت قربت ہوگئی تو راجہ داہر نے ایک اپنے بڑے دلیر ٹھاکر کو لڑنے کے لئے بھیجا۔ صبح سے شام تک معرکۂ جنگ گرم رہا۔ شام کو لشکر جدا ہو گئے۔ تیسرے روز داہر نے ایک جیوار کے ٹھاکر کو لڑنے کیلئے بھیجا وہ خوب لڑا اور نقد جان لڑائی کی نذر کر گیا۔ وزیر سی ساگر نے راجہ سے کہا کہ جس طرح سے آپ لڑائی لڑتے ہیں خطا کرتے ہیں اور ایک ٹھاکر کو اور اُسکے لشکر کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے قتل کرا دیتے ہیں۔ اول تو آپکو دریا مہران سے عبور کرکے مسلمانوں کے لشکر کو پریشان کرنا چاہیے تھا۔ اب جو لشکر یہاں سر پر آگیا تو آپکو چاہیے کہ اپنے سارے لشکر سے اُن پر حملہ کیجئے۔ اگر فتح ہوئی تو دشمن پامال ہوا اور اگر شکست ہوئی تو معذوری ہے۔ کوئی اُسپر آپکی اولاد کو طعنہ نہیں دیگا۔ داہر نے یہ تجویز قبول کی۔

دوسرے روز داہر پانچ ہزار سوار ساٹھ جنگی فیل بیس ہزار پیادے لیکر لشکر عرب پر چڑھا اور خود زندہ فیل پر بیٹھا سر تا پا ہتھیاروں میں غرق تھا۔ عماری میں دو کنیزکیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ انمیں سے ایک راجہ کو تیر دیتی تھی اور دوسری اسکو پان کھلاتی تھی۔ راجہ چوسیہ کے ساتھ محمد علافی کو کیا اور کہہ دیا کہ وہ عرب کے لشکر کے حال کو خوب جانتا ہے۔ لشکر کے کیفیات کو آگے پیچھے بڑھتا دیکھتا۔ آج نویں رمضان ۹۳؁ھ تھی۔ محمد قاسم مسلمانوں کے دلوں کو تقویت دیتا تھا اور فکر جنگ پر مستعد کرتا تھا۔ اور کہتا تھا کہ اے اہل عرب آج ہی کوشش کا دن ہے خدا پر بھروسہ

کرکے ایسی جد وجہد کرو کہ مشرکونکو دفع کرو اور اُنکے ملک و مال کے مالک ہو۔ اگر تم ساکن رہوگے اور متردد ہوگے اور عجز
وضعف کو دل میں راہ دوگے تو دشمن غالب ہونگے اور ہم میں سے کیکو زندہ نہیں چھوڑینگے۔ اگر دشمنوں سے منہ پھیر لوگے تو
سیدھے جہنم میں جاؤگے اور ہمیشہ کیلئے اپنے اوپر نامردی کا داغ لگا جاؤگے جو کسیطرح مٹنے کا نہیں محمد قاسم نے لشکر آرائی
پانچ صفوں میں میمنہ میسرہ وقلب وساقہ وطلایہ میں کی اور ہر ایک صف میں افسر والا ور ودلیر مقرر کئے اور یہ بھی کہدیا کہ اگر
میں لڑائی میں مارا جاؤں تو محرز بن ثابت میری جگہ مقرر ہو اور اگر وہ بھی شہادت پاوے تو سعید مقرر ہو۔ لشکر اعدا
میں بھی راجہ داہر نے خوب صف آرائی کی۔ غرضکہ بہادران عرب و ہند نے فرداً فرداً اپنے سارے ہنر جوانمردی کر دکھائے
اوّل محرز نے حملہ کیا اور وہ کشتہ ہوا۔ پھر سعید نے لشکر کو تقویت دی اور لڑنا شروع کیا اور وہ بھی شہید ہوا۔ بعد ازاں حسن
بن مجلۃ البکری کھڑے ہوئے وہ بھی زخم تیغ سے کشتہ ہوئے جب دشمنوں کے جنگی ہاتھیوں نے لشکر اسلام پر حملہ کیا تو انھوں نے
بڑی مردانگی اور دلاوری سے اُسکو ہٹا دیا۔ اتنے میں دن ختم ہوگیا۔ لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ لشکر واپس گئے پھر دوسرے روز
اور زیادہ طرفین سے ساز وسامان جنگ ہوئے۔ محمد قاسم نے اہل عرب کے روبرو خطبہ پڑھا کہ تم دشمنوں پر جت کرکے جاؤ
وہ اپنے مال وعیال و گھر واسباب کے لئے یکدل و یکجہت ہوکر جان لڑاتے ہیں تم قوت الٰہی سے اُنپر غالب ہوکر یہ ساری
چیزیں اُنکی چھین لو اور سب آپسمیں یکدل ہوجاؤ اور کسی وقت خدائے عزوجل سے غافل نہو اور قرآن مجید پڑھتے رہو۔
لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا ورد رکھو۔ لشکر میں یہانتک اہتمام تھا کہ کسی سپاہی کو پیاس بجھانے کیلئے جانا نہیں
پڑتا تھا۔ پانی پلانے والے پیاسوں کے لئے پانی لئے کھڑے رہتے تھے۔ دشمنوں کے پاس بھی لشکر اور سامان لشکر ایسا فراوان
تھا کہ وہ خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے۔ محمد قاسم نے پھر لشکر کے سامنے خطبہ پڑھا کہ اے مسلمانو استغفار کرو اور محمد مصطفیٰ
صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھو۔ اور ایسے قوی دل ہو کہ دشمنوں پر فتح پاؤ۔ فقط دشمنوں میں سے چند آدمی محمد قاسم پاس آئے اور
انھوں نے کہا کہ اے امیر عادل ہم اپنے مذہب کو چھوڑتے ہیں اور اسلام اختیار کرتے ہیں ہمکو اپنے سواروں کی فوج کا اختیار دے
تو ہم داہر کے لشکر پر پس پشت اور تم روبرو حملہ آور ہو اور یوں لشکر کو دو دل کرکے تتر بتر کردو۔ محمد قاسم نے ثقف مروان
بن اشہم ہمبی اور تمیم بن زید حبشی کیساتھ دو علم سواروں کے دئے اور اُنکو نومسلموں کے ساتھ کر دیا کہ داہر کے لشکر کے عقب
میں جاکر حملہ کریں۔ اس لشکر کے حملے سے داہر کے لشکر میں ایک انتشار پیدا ہوگیا۔ پھر محمد قاسم نے سامنے سے حملہ کیا
بڑی سخت لڑائی ہوئی اور متواتر جنگ ہوتی رہی۔ مسلمانوں کے لشکر میں ایک شجاع حبشی تھا کہ شجاعت میں یکتا
تھا اُسنے محمد قاسم کے آگے قسم کھائی کہ جبتک داہر کے مقابل نہ ہوں اور اُس کے ہاتھی پر زخم نہ لگاؤں کھانا پینا
مجھ پر حرام ہے جب تک جسم میں جان رہیگی لڑتا رہونگا ورنہ شہید ہوجاؤں گا۔ چنانچہ وہ سیاہ گھوڑے پر سوار

ہوکر اس سفید ہاتھی کے سامنے جا اڑا کہ جس پر داہر سوار تھا۔ اسکا گھوڑا ہاتھی سے جھجکا۔ اندھیری اُس کے منہ پر ڈالی حبشی چاہتا تھا کہ ہاتھی پر تیر سے زخم لگائے کہ داہر نے ایک تیر کہ مقراض کی طرح کاٹتا تھا ایسا اُسکے مارا کہ سر اُسکا کٹ کر جدا جا پڑا اور تن بے سر گھوڑے پر رہ گیا۔ اس سے لشکر اسلام پر لشکر اعدا کی ہیبت چھائی۔ لشکر اسلام اس حیرت و دہشت میں مبتلا تھا کہ محمد قاسم نے بیہوشی کی حالت میں اپنے غلام ساقی سے کہا کہ مجھے پانی پلاؤ۔ پانی پیکر پھر اُس نے لشکر اسلام کو سنبھالا۔ اور محمد قاسم نے اپنے سب یاروں کو پکارا اور للکارا اور خدا کا نام لے کر دشمنوں پر حملہ کر دیا تلواروں کے زخموں سے ہوا میں آگ لگی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔ نیزے ایک دوسرے پر چل رہے تھے۔ ہتیار جب ٹوٹ جاتے تھے تو کشتی ہونے لگتی تھی صبح سے شام تک یہی حال رہا۔ دشمنوں کے بہت آدمی مارے گئے۔ اور داہر پاس صرف ایک ہزار سوار باقی رہ گئے۔

(۱۰ رمضان ۹۳ھ)

مؤرخین بیان کرتے ہیں کہ روز پنجشنبہ دہم ماہ رمضان ۹۳ھ کو حصار راور میں راجہ داہر شام کو کشتہ ہوا۔ ابی اللیث نے جس روایت کو اپنے باپ سے سنا تھا اُسکو ابو الحسن یوں بیان کرتا ہے کہ بائیں طرف سے داہر نے آواز سنی اُسنے جانا کہ آواز میرے لشکر سے آئی ہے۔ اُسنے کہا کہ ادھر آؤ میں یہاں ہوں۔ عورتوں نے چلا کر کہا کہ اے راجہ ہم تیرے گھر کی عورتیں ہیں اہل عرب ہمکو پکڑے لئے جاتے ہیں۔ راجہ داہر نے کہا کہ جب تک زندہ ہوں کسنے تمکو پکڑا ہے یہ کہکر اُسنے اپنے ہاتھی کو مسلمانوں کیطرف پیلا۔ محمد قاسم نے نفط زنوں سے کہا کہ دیکھو کیا خوب شکار تمہارے لئے چلا آتا ہے۔ چنانچہ ایک ہنرمند نے نفط ایسا مارا کہ راجہ کے ہاتھی کے ہودہ میں اُس سے آگ لگ گئی۔ راجہ داہر نے حکم دیا کہ ہاتھی کو الٹا پھیرو۔ وہ پیاسا ہے اور ہودہ جلتا ہے اگرچہ اسوقت ہاتھی فیلبان کے انکس کو کب مانتا تھا اور اُسکے کہنے میں چلتا تھا۔ مگر جوں توں کرکے پانی کے اندر ہاتھی کو لیگئے یہاں تہ ایسا روہن آیا کہ اُسکا نکلنا دشوار ہوگیا۔ راجہ کے کچھ سپاہی پانی کے اندر تھے کچھ کنارہ پر کھڑے تھے جب عرب کے سواران پہنچے تو وہ انہیں دیکھکر بھاگ گئے۔ ہاتھی نے پانی پیکر اپنا رخ قلعہ کیطرف پھیرا۔ کہ مسلمان تیر اندازوں نے راجہ داہر پر تیروں کا مینہ برسا دیا اور ایک قادر انداز نے اُسکی چھاتی پر تیر مارا کہ سینہ کو چھید کر کے پار نکل گیا جس سے راجہ ہودہ میں گرا ہاتھی جو پانی پیکر نکلا اُسنے اپنے ہی لشکر کو روندنا شروع کیا۔ (مثل مشہور ہے کہ نامرد ہاتھی اپنی ہی فوج کو مارتا ہے) جس سے لشکر ادھر متفرق ہوگیا۔ داہر ہاتھی سے اتر کر ایک عرب سے مقابل ہوا۔ اس عرب نے سر کے بیچ میں ایک تلوار کا ہاتھ ایسا مارا کہ اُسنے راجہ کے سر کے ناک تک دو ٹکڑے کر دیئے اور اسطرح اُسکا کام جو پہلے ناتمام تھا تمام کر دیا۔ دونوں لشکر پاس پاس آگئے مسلمانوں اور دشمنوں کے لشکر میں بہت گھمسان لڑائی ہوئی اور اسطرح اٹھتے تلوار اور تک لشکر عرب پہنچا۔ ہر چند جو پانی پیا کہ ہندو نے انھوں نے اپنے دیکھا کہ جہاں داہر کشتہ ہوا تھا وہ میدان خالی پڑا ہے تو وہ پانی سے باہر آئے اور انکوں نے وہ

کی لاش کو پانی کے کنارہ پر دیدیا۔ سفید ہاتھی دشمنوں کے لشکر کی طرف بھاگا اور پھر اُسکا پتہ نہ لگا۔

محمد قاسم نے جیش پسر اخی عامر سے کہا کہ لشکر میں منادی کر دو کہ وہ ابھی اپنی کمریں نہ کھولیں اور ہوشیار رہیں داہر غائب معلوم ہوتا ہی لیکن جیش نے کہا کہ میرا دل گواہی دیتا ہی کہ داہر مارا گیا۔ محمد قاسم ہر شخص سے پوچھتا تھا کہ داہر غائب ہو اُسکی خبر بتاؤ۔ ایک برہمن نے کہا کہ اے امیر عادل مجھے اور میرے فرزندوں اور عزیز و اقربا کو جان و مال کی امان دے تو میں داہر کو بتلاتا ہوں کہ وہ کہاں کشتہ پڑا ہی۔ برہمن کی درخواست منظور ہوئی۔ معتمد اُسکے ساتھ کیے گئے وہ اُسکی لاش کو نکال لائے۔ اس میں مشک و عطر کی خوشبو ابتک آتی تھی۔ پھر اُسکا سر کاٹ لیا اور نیزہ پر چڑھایا۔ اور محمد قاسم کے آگے لا کر رکھا۔ محمد قاسم نے کہا کہ کوئی شخص ایسا ہی جو اس سر کو پہچانے۔ وہی دونوں لونڈیاں جو اُسکے ساتھ عماری میں بیٹھی تھیں حاضر ہوئیں۔ اُنھوں نے سر کو پہچانا تا اس خدمت کے صلہ میں لونڈیوں اور برہمن کے خویش و رشتہ دار آزاد ہوئے۔ اہل حرب جو ماخوذ ہوئے تھے اُنکو بالکل مار ڈالا اور جو صناع و تجار تھے اُن کو جان و مال کی امان دیگئی اور سب کو حکم دیدیا گیا کہ وہ اپنے گھروں میں آباد رہیں۔

رانی لاڈی اپنا حال یہ بیان کرتی ہی کہ جب لشکر اسلام داہر سے لڑ رہا تھا تو میری پرایک موکل مقرر کیا تھا اگر لشکر عرب کو فتح ہو تو یہ موکل ان رانیوں کو مار ڈالیں۔ تاکہ وہ مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر بے عصمت نہوں جو موکل مجھ پر متعین تھا اُسنے مجھ سے کہا کہ تیرا بشرہ ایسا شگفتہ معلوم ہوتا ہی کہ تیرا دل اہل عرب کیطرف مائل ہی۔ پس جب لشکر ہند کو شکست ہوئی تو موکلوں نے اپنی اپنی رانیوں کو مارنا شروع کیا۔ میں اونٹ سے اُتر کر لڑائی میں شریک ہو گئی موکل نے میرے قتل کرنیکا خیال نہ کیا اور وہ بھاگ گیا۔ مسلمانوں نے مجھے گرفتار کر لیا۔ محمد قاسم نے اُسکے خریدنے کی اجازت طلب کی۔ حجاج نے خلیفہ ولید سے اجازت لی تب محمد قاسم نے مجھے خریدا اور اپنا نکاح مجھ سے کیا۔

امیر عراق و ہند حجاج بن یوسف کی پیشگاہ میں بعد از تحیات وافرہ و تسلیمات متواترہ کے محمد قاسم عرض کرتا ہی کہ خدا تعالیٰ کی عنایت سے لشکر اسلام کو فتح ہوئی۔ جانبین سے مبارزان دلیر و شجاعان دلاور بقصد آویزش آمادہ ہوئے اور لشکر داہر میں جو پیادہ مست اور سوار سلاح میں غرق تھے وہ منہزم و مقہور ہوئے۔ ہاتھی گھوڑے و اسلحہ و اقمشہ و بردہ و مواشی اُسکے سب ہمارے تصرف میں آئے خمس اسکا دار الخلافہ کے خزانہ میں داخل ہوا جب کام اس طرح بن گیا ہے تو کرم الٰہی سے توقع ہی کہ کل ممالک ہند و سندھ محکوم و مطیع ہو جائیں گے۔

محمد قاسم نے داہر کا سر حجاج پاس بھیجدیا اور اُسکے ساتھ بہت سے وہ خاص الخاص آدمی کر دیئے جنھوں نے اس لڑائی میں کارنمایاں کیے تھے اور اُنکی تعریف بشرح و بسط سے لکھی کہ انھیں کی قوت و شوکت و اعانت سے

فتح ہوئی اور جن رؤساء ہند نے سرکشی کی تھی اُنکے سر بھی اور نام بھی لکھکر بھیجدیجیے- اور ہاتھا کروں کے سر اور سلطنت کے علم و طبل ایک جماعت لیکر حجاج پاس آئی- حجاج نے حکم دیا کہ کوفہ میں منادی کریں اور خود جامع مسجد کوفہ میں منبر پر چڑھا- خدا کی حمد پڑھی اور رسول خدا پر درود پڑھا- دولت محمدی کے چاکروں پر ثناء وافر کہی- اہل شام و عرب کو مبارکباد دی کہ ملک ہند ایسا ہاتھ لگا ہی کہ جسمیں مال بہت ہی- دریا رمہران کا پانی لذیذ ہی اور بے انتہا میوے وہاں ہوتے ہیں- جس گروہ نے کہ لڑائی میں دلیرانہ کام کئے تھے اُن کو گرانمایہ خلعت اور بہت انعام دئے- خلیفہ ولید سے اُنکی ایک تخصیص کرادی اور محمد قاسم کے فتحنامہ کے جواب میں مبارکبادنامہ لکھ بھیجا-

حجاج کی بیٹی کا جو نکاح محمد قاسم کیساتھ ہوا اُسکی یہ حکایت مشہور ہی کہ ایک دن حجاج نے خوش ہوکر محمد قاسم سے کہا کہ جو چاہئے وہ مانگو اور جو دل میں آرزو ہو اُسے کہو- محمد قاسم نے کہا کہ میری یہ درخواست ہی کہ آپ مجھے بادشاہ بنادیں اور اپنی بیٹی کا نکاح میرے ساتھ کردیں- اُسپر حجاج نے ایک قمچی محمد قاسم کے سر پر ماری اور پھر کہا کہ مانگ جو مانگتا ہی اور جو کہتا ہی وہ کہہ- تو محمد قاسم نے پھر وہی درخواست کی- اسپر پھر قمچی لگی- اور تیسری دفعہ پھر حجاج نے اُس سے کہا کہ جو چاہو مانگو جو دل میں ہو سو کہو- محمد قاسم نے پھر وہی پہلی درخواست کی- حجاج نے کہا کہ میں اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کرتا ہوں کہ لشکر فارس یا ہند پر تو بادشاہ ہو اور وہاں کی مال و دولت کو حاصل کرے اور اُس کو فتح کرکے نظم و نسق مستحکم تو وہاں کرے-

سب مورخوں کا اس میں اتفاق ہی کہ راجہ داہر نے جب اس دنیا سے انتقال کیا تو راجہ جی سیہ اُسکا بیٹا اور رانی بائی جو اُسکی بہن بھی تھی اور رانی بھی تھی اور تخت سلطنت پر بھی برابر بیٹھتی تھی یہ دونوں اور بہت سے عزیز و اقربا- امراء سردار و لشکر قلعہ راور میں پناہ گزین ہوئے- راجہ کو اپنی شوکت و شجاعت و قوت پر بڑا اعتماد و غرور تھا اُس نے لڑنے کا ارادہ کیا- محمد علافی بھی اُسکے ساتھ تھا- جب باپ کے مرنے کی خبر آئی اور اُسکا سفید ہاتھی لنگڑاتا ہوا سامنے آیا تو جی سیہ نے کہا کہ اب ہم خصم سے لڑتے ہیں اور اپنے نام نیک کی بقا کیلئے تیغ زنی کرتے ہیں اگر اسمیں جان بھی جاتی رہیگی تو کچھ نقصان نہیں ہوگا اسپر سیاکر وزیر نے کہا کہ شاہزادہ کی یہ رائے ناصواب ہی- ہمارا راجہ مارا گیا- لشکر کو ہزیمت ہوئی ہماری جمعیت متفرق ہوئی- دشمن کی تلوار کا رعب ایسا دلپر بیٹھا ہی کہ جنگ سے نفرت ہی- کس طرح اہل عرب سے ہم حرب کرسکتے ہیں- ابھی ملک برقرار ہی حصنہای حصین موجود ہیں- اُنمیں مردان جنگی اور رعیت حاضر ہیں- رائے صواب اور مصلحت یہ ہی کہ برہمن آباد چلئے یہ قلعہ آپکے باپ دادا کی میراث ہی اور راجہ داہر کا مسکن ہی- خزینے دفینے وہاں موجود ہیں- رعیت وہاں کی خاندان چچ کی ہواخواہ ہی- سب آپ کیطرف سے دشمنوں سے لڑنے کو اور جان دینے کو تیار ہیں- علافی سے بھی اس باب میں مشورت لیگئی- اُسنے اس رائے سے اتفاق کیا- جی سیہ نے اس

راجہ جے سیہ کا راور میں داخل ہونا رانی مائی کا لڑنا

رائے کو پسند کیا اور وہ مع اپنے متعلقوں اور عزیزوں اقربا کے برہمن آباد چلا گیا۔ رانی مائی مع سرداران فوج کے لڑنے کو تیار ہوئی۔ قلعہ میں اُس نے اپنے لشکر کا ملاحظہ کیا تو پندرہ ہزار سپاہی تھے اور مرنے پر سب کے سب تیار تھے جب دوسری صبح کو راجہ داہر کے مرنے کی خبر سُنی تو مہران اور ندی دوہاوا کے درمیان تمام سردار اور امراء ورادت جو رانی مائی سے اتحاد رکھتے تھے وہ قلعہ میں داخل ہوئے۔ محمد قاسم کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ حصار کی طرف چلا اور حصار کے زیر دیوار خیمے ڈیرے ڈالے۔ اہل حصار نے قلعہ کی فصیل و برجوں پر طبل و بوق بجا کر منجنیق سے تیر اور تبر اور برچھے پھینکنے شروع کئے۔

قلعہ کا فتح ہونا اور رانی مائی کا جل کر مرنا

محمد قاسم نے سُرنگ کھودنے والوں کو دیوار کے نیچے سُرنگ کھودنے کا حکم دیا اور اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ دن کو منجنیق و تیر و نیزہ سے جنگ کرتا تھا اور دوسرا حصہ رات کو نفط کے حُقّے اور پتھر مارتا تھا۔ اُنھوں نے قلعہ کے برج گرا دئیے۔ اب داہر کی بی بی رانی مائی نے اپنی سہیلیوں کو بُلایا اور یہ فرمایا کہ ہمکو جے سیہ اکیلا چھوڑ گیا۔ اور محمد قاسم سر پر آن پہنچا خدا وہ دن نہ کرے کہ ہم ان گاؤ کھانیوالوں ملیچھوں کے ہاتھ پڑیں اور ہماری عصمت و عفت کو داغ لگے اب جائے قرار نہ رہے فرار۔ بہتر ہے کہ گھر میں روئی تیل لکڑی جمع کیجئے اور آگ لگا کے جل مریئے اور راہ اپنے اپنے خاوندوں سے جا ملئے جس کسیکو یہ منظور نہ ہو وہ اپنی جان بچا کر چلا جائے۔ یہ کہکر وہ سب گھر میں گئیں اور اُس کو آگ لگا دی اور جلکر خاکستر ہو گئیں پھر محمد قاسم نے قلعہ لے لیا دو تین روز یہاں مقام کیا چھ ہزار جنگی مردوں کو جو قلعہ کے اندر تھے تلواروں اور تیروں سے مار ڈالا اور اور لوگوں کو مع زن و بچہ کے اسیر کیا۔

[illegible]

جب قلعہ راور فتح ہو گیا تو ساری خزانے و اموال و سلاح سوائے اُسکے جو جے سیہ اپنے ساتھ لیگیا تھا فتحمندوں کے ہاتھ لگے اور وہ سب محمد قاسم کے پاس آئے جب قیدیوں کا شمار ہوا تو وہ تیس ہزار تھے منجملہ اُنکے تیس امیرزادیاں و شہزادیاں تھیں اور ایک راجہ داہر کی سگی بھانجی تھی جسکا نام حلیمہ تھا اُن کو اور داہر کا سر اور قیدیوں کا خمس کعب بن مخارق کے ہاتھ حجاج پاس بھیجدیا جب داہر کا سر اور یہ عورتیں اور مال حجاج پاس پہونچے تو اُسنے خدا کی درگاہ میں سجدہ کیا اور دوگانہ شکر ادا کیا اور خطبہ پڑھا جسکا ذکر اوپر ہوا۔ اور اُسنے کہا کہ اب مجکو ساری دنیا کے خزانے دفینے اور اموال اور ملک ملگئے

حجاج کا خلیفہ پاس داہر کا سر اور اسکے چتر و اعلام کا بھیجنا

خلیفہ کے پاس اپنی ایک عرضداشت کے ساتھ داہر کا سر اور اُسکے چتر و اعلام جو راج کی نشانیاں تھیں اور مال دار الخلافہ کو روانہ کئے۔ جب خلیفہ وقت نے حجاج کا نامہ پڑھا تو خدا کا شکر ادا کیا غنیمت میں جو لونڈیاں امیرزادیاں وہاں گئیں تھیں انمیں سے بعض کو بیچ ڈالا بعض کو یوں ہی انعام میں دیدیا۔ انہیں داہر کی بھانجی بھی تھی۔ اسکے حسن و جمال کو دیکھا تو خلیفہ دنگ رہگیا۔ عبد اللہ بن عباس نے اُسکی درخواست کی تو خلیفہ نے اُس سے کہا کہ اے عم زادی اس لونڈی کا جمال

ایسا باکمال ہو کہ میرا دل اُس پہ فریفتہ ہے اس کو میں اپنے تصرف میں لانا چاہتا ہوں مگر مناسب یہی معلوم ہوتا ہو کہ تو اُسے لے لے اور وہ تیرے ہی گھر میں تیری اولاد کی ماں بنے۔ پس اسکی اجازت سے عبد اللہ نے اُسے لے لیا مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

جب حجاج پاس محمد قاسم کا فتحنامہ پہونچا تو اُسکا جواب یہ لکھا کہ اے ابن عم مکتوب جان فزا پہونچا جس سے کمال مسرت ہوئی تیرا سارا انتظام و بندوبست شرع کے موافق ہو مگر اماں دینے کا طریقہ جو تو نے اختیار کیا ہو کہ خاص و عام کو امان دیدیتا ہو اور دوست دشمن میں تمیز نہیں کرتا اسمیں خدا کے اس حکم کا پاس لحاظ رکھو کہ مشرکین کو امان نہ دو انکا گلا کاٹو۔ امان دینے پر ایسے حریص نہو کہ جس سے کام طول پکڑے آیندہ کسی دشمن کو امان نہ دو مگر اُن کو جو ذی وقعت و بزرگ ہوں۔ مقام نادہ سنہ ۹۳ھ

برہمن مؤرخوں نے داہر کے قتل اور محمد قاسم کے مہمات کے باب میں یہ بیان کیا ہو کہ جب داہر مارا گیا اور جیسیہ برہمن آباد میں حصاری ہوا اور را ور فتح ہو گیا تو راجہ جیسیہ نے لڑائی کا سامان تیار کیا اور چاروں طرف خط لکھے۔ ایک خط اپنے چھوٹے بھائی فیوفی کو جو داہر کا چھوٹا بیٹا تھا اور دار الملک ارور کے حصار میں تھا دوسرا خط اپنے بھتیجے چچ پسر داہر سیہ کو جو قلعہ باتیا میں تھا اور تیسرا خط اپنے چچیرے بھائی دھیول پسر چندر کو جو بدہیہ کے کا تان میں تھا۔ ان سبکو داہر کی وفات پر مطلع کیا اور اُنکی تسلی کی اور خود برہمن آباد میں مردان دلاور کو ساتھ لیکر جنگ پر مستعد ہوا۔

اب راور سے محمد قاسم نے برہمن آباد جانیکا عزم کیا۔ اثنا راہ میں دو قلعے بھرور اور دہلیلہ واقع ہوئے جنمیں سولہ ہزار سپاہی موجود تھے۔ اول بھرور کا محاصرہ کیا اس محاصرہ میں دو مہینہ کا عرصہ لگ گیا تو محمد قاسم نے سپاہ کے دو غول کئے جنمیں سے ایکدن کو لڑتا اور دوسرا رات کو۔ انھوں نے منجنیقوں سے پتھروں کی اور نفطوں کی وہ بھرمار کی کہ قلعہ کی دیوار مسمار ہوئی اور سارے مردان جنگی مارے گئے۔ غنیمت و دولت اور غلام ہاتھ آئے۔ پانچواں حصہ اسکا بیت المال میں داخل ہوا۔ جب اور بھرور کی فتح کی خبر دہلیلہ میں پہونچی تو وہاں کے سپاہیوں کے دل دہل گئے اور جان گئے کہ محمد قاسم بڑا جوانمرد و مستقل مزاج ہو اُس سے ہمکو بچنا چاہیے۔ یہاں کے تاجر تو بھاگ کر ملک ہند کو چلے گئے اور سپاہی اپنے ملک کی حفاظت کیلیے کمر بستہ ہوئے۔ اب محمد قاسم دہلیلہ پر آن دھمکا اور اسکا محاصرہ کر لیا۔ اسمیں دو مہینے سے کچھ کم و بیش عرصہ لگ گیا تو محصورین کا قافیہ تنگ ہوا۔ کہیں سے انکو امید کمک نہ تھی۔ آخر کو لاچار گلے میں کفن ڈالا اور بدن کو عطر سے معطر کیا اور حصار کے دروازہ سے جو پل کیطرف تھا اپنے اہل و عیال کو باہر بھیجدیا اور ندی منجل سے پار اُتار دیا۔ یہ کام رات کو اس طرح کیا کہ مسلمانوں کو اُسکی کچھ خبر نہوئی۔

جب صبح صادق نے اپنے منہ سے نقاب اُٹھایا تو محمد قاسم کو اس طرح سے بھاگ جانے کی خبر ملی تو فوراً اُس نے اپنی سپاہ

آگے پیچھے دوڑائی جسنے دریا اترتوں کو جالیا۔ جو اتر گئے تھے وہ تو بچ گئے مگر جو اترتے تھے وہ ہندوستانیں بیل ورگینا ا کی راہ سے چلے گئے۔ یہاں داہر کے چچیرے بھائی دیوراج تھا۔ محمد قاسم نے دہلیلہ بھی فتح کر دیا جو غنیمت کا مال ہاتھ آیا پانچواں حصہ حجاج کو بھیجا اور اسکو بھرور اور دہلیلہ کی فتح کا حال بھی مفصل لکھ بھیجا۔

اب محمد قاسم نے ہند کے بڑے بڑے نامور امرا اور رؤسا فرمانرواؤں کے نام اس مضمون کے پروانہ روانہ کئے کہ دین اسلام یا اطاعت اسلام اختیار کرو۔ جب سی ساگر وزیر راجہ داہر نے یہ حکم سنا تو اُسنے بعض معتمد آدمی اپنے محمد قاسم پاس بھیجے اور جان و مال کی امان چاہی۔ محمد قاسم نے اُسکی یہ درخواست منظور کی۔ سی ساگر خود آیا اور اپنے ساتھ ان مسلمان عورتوں کو لایا جو اُسکے قبضہ میں تھیں اور بیان کیا کہ یہ عورتیں ہیں جنھوں نے اپنی گرفتاری کے وقت حجاج کو پکارا تھا۔

محمد قاسم نے بھی اس وزیر کی تعظیم و تکریم میں کوئی بات فروگذاشت نہیں کی استقبال کیواسطے اپنے معتمد امرا بھیجے اور عہدہ وزارت پر اُسکو مامور کیا۔ اب وہ مسلمانوں کا وزیر و مشیر ہوگیا۔ محمد قاسم نے اپنے ساری اسرار سربستہ اُسکے سامنے کھولے اور تمام معاملات ملکی میں اور انتظامات سلطنت میں اور اپنی فتح کے پیچ کرنے کے باب میں اس کی صلاح و مشورہ لئے۔ غرض کوئی تدبیر کبھی ایسی نہوتی جسمیں یہ وزیر محمد قاسم کا مشیر نہ ہوتا۔ اس وزیر نے محمد قاسم کے سامنے اس انتظام کی بہت ستایش کی کہ زمین کی مالگذاری قدیم رسم و رواج کے موافق مقرر کیگئی ہے اور کوئی دست درازی ایسی نہیں ہوئی اور رعایا کی گردن پر کسی محصول کا بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ اس سے رعیت نہایت خوش ہے۔ یہی رعایا نوازی اور عدل گستری کا ایسا آئین و دستور ہے کہ جس سے سارے دشمن پامال ہونگے اور رعایا نہال ہوگی اور اور ملک مفتوح ہونگے۔

بعض آدمی کہتے ہیں کہ جب دہلیلہ فتح ہوگیا تو محمد قاسم نے نوبہ پسر دھارن کو بلا کر اور عہد و پیمان کر کے یہاں کا راج اور اُسکے آس پاس کا علاقہ مشرق و مغرب میں دیدیا۔ ساحل دریا پر کشتیوں کا اہتمام موضع دو ہاتھیہ تک اُسکے سپرد کیا۔ محمد قاسم برہمن آباد سے ایک فرسنگ پر تھا کہ جے سیہ کو خبر پہونچی کہ مسلمانوں کا لشکر آن پہنچا ہے۔

محمد قاسم دہلیلہ سے چلکر نہر جلوالی کے کنارہ پر برہمن آباد کے مشرقی طرف اُترا۔ برہمن آباد کے لوگوں پاس ایلچی بھیجکر یہ پیغام بھیجا کہ کیا وہ اطاعت اختیار کریں یا مسلمان ہوں اگر اسلام اور جزیہ میں سے کسی ایک کو قبول نہ کرو تو لڑائی کی تیاری کریں اور ایلچیوں کے پہنچنے سے پہلے جے سیہ پسر داہر خود تو جینر کو چلا گیا تھا اور برہمن آباد کا یہ انتظام کر گیا کہ اُسکے چار دروازے تھے ہر دروازہ پر چار چار ٹھاکر امیر کچھ سپاہ کے ساتھ بٹھا دیئے۔ شہر کے امرا میں سے اُسنے سولہ آدمی انتخاب کئے تھے۔ ان دروازوں کے نام یہ تھے۔ جو بیتری۔ بابھار۔ ٹہ ساہنہ۔ سالبہ۔

جب محمد قاسم نے مورچہ بندی کیلئے اپنے لشکر کے گرد خندق کھود دی۔ دشمن کے لشکر میں چالیس ہزار لڑنے والے تھے جنکے

محمد قاسم کا محاصرہ

دن سے لڑائی شروع ہوئی۔ ہر روز دشمن لڑتے آتے اور خوب ڈھول بجاتے۔ صبح سے شام تک لڑائی رہتی۔ شام کو لشکر اسلام خندق کے اندر جاتا اور لشکر اعدا حصار میں آتا۔ اسطرح چھ مہینے تک شب و روز گذرے۔ محمد قاسم فتح سے نا امید ہو کر متفکر ہوا۔ اور یکشنبہ ماہ ذی الحجہ کی ۹۳ھ؟ کے آخر میں جے سیہ جو ملک رل میں جسکو باتیہ کہتے ہیں بھاگ گیا تھا وہ واپس آیا اور رستہ میں مسلمانوں کی سپاہ کی راہ زنی کر کے تکلیف پہونچائی

محمد قاسم نے اپنے ایک معتمد نوکر کے ذریعہ سے موکہ بسایا کو خبر دی کہ جے سیہ اُسکو ستاتا ہے اور لشکر کو رسد نہیں پہنچنے دیتا۔ اسکا علاج تم بتاؤ موکہ نے جواب لکھا کہ جے سیہ بہت قریب جا پہونچا ہے سوا اسکے اور کوئی علاج اُسکا نہیں ہے کہ وہاں سے وہ ہٹا دیا جائے۔ اسلئے میں ایک اپنا بڑا معتمد لشکر اُسکے پرے ہٹانے کے لئے روانہ کرتا ہوں۔

بنانہ بن حنظلہ کلابی و عطیہ ثعلبی و صارم بن ابی صارم ہمدانی و عبد الملک ثانی معہ سواروں کے روانہ ہوئے۔ موکہ بسایا اسکا سردار تھا اور ان سب کا سپہ سالار خریم بن عمر المروی تھا۔ سامان رسد اُنکے ساتھ تھا۔ جب جے سیہ کو اس لشکر کی روانگی کی خبر پہونچی تو وہ اسی مقام میں سب اہل و عیال و مال کو چھوڑ کر ریگستان کی راہ سے جے وار (جیپور) پہنچا۔ محمد علافی کا ساتھ بھی اُس سے چھوٹ گیا۔ پھر یہاں جے وار سے وہ طاکیہ کو چلا۔ اور یہ قصد کیا کہ مہاراجہ کشمیر کی خدمت میں جا پہونچے جسکا دار السلطنت پہاڑ میں تھا۔ اسلئے رائے کشمیر کو اس مقام سے اُسنے خط لکھا کہ میں آزادانہ و مخلصانہ آپکی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ جب یہ خط رائے کشمیر نے پڑھا تو اُسنے حکم دیا کہ موضع شاکلہا جو کشمیر سے متعلق تھا وہ اُسکی جاگیر میں دیا جائے اور وہ یہیں قیام کرے جسدن رائے کشمیر سے جے سیہ کی ملاقات ہوئی تو اُسنے جے سیہ کو پچاس گھوڑے مع زین اور اُسکے ہمراہیوں کو دو سو خلعت گرانمایہ عطا کئے اور دوسری ملاقات میں اُسکو چتر و کرسی اور تحائف جو مخصوص راجائی کے ساتھ ہوتے ہیں دیئے اور بڑی شان و شوکت کے ساتھ پھر شاکلہار کو روانہ کیا وہ اُسکی بڑی خاطر داری و تواضع کرتا تھا جب راجہ جے سیہ جے وار (جیپور) میں مقیم تھا تو اُسنے الور میں فیوفی پسر داہر کو خطوط بھیجے جنمیں الور کی حفاظت کرنے کی تاکید لکھی تھی اور ملک کو جس سبب سے اُس نے چھوڑا تھا اُس کو بیان کیا تھا۔ ان خطوں کے آنے سے اور راجہ جے سیہ کے جے وار میں پہونچ جانے سے فیوفی کو بڑی طمانیت ہوئی۔

اب یہاں برہمن آباد میں چھ مہینے سے روز لڑائی ہو رہی تھی۔ اس طوالت جنگ سے لڑنیوالے عاجز ہو گئے تھے۔ راجہ جے سیہ کی خبر جیپور سے آگئی تھی پس شہر کے چار تجار عظیم نے جو شہر کے دروازہ چوتیری پر نامزد تھے یہ صلاح کی کہ اب اہل عرب نے کل ملک فتح کر لیا۔ داہر مارا گیا اُسکی جگہ جے سیہ راجہ ہے اور قلعہ کے محاصرہ پر چھ مہینہ کا عرصہ گذر گیا ہے اب نہ ہمارے پاس دولت ہے نہ ہم میں طاقت ہے جسکے بھروسہ پر ہم لڑائی لڑیں یا صلح و آشتی کریں اسطرح اگر دو چار روز اور دشمن ہمکو

گھیرے رہیگا تو وہ آخر کو فتحیاب ہوگا۔ پھر ہم کس منہ سے اُس سے پناہ و اماں مانگیں گے۔ کوئی راجہ بھی ایسا نہیں کہ اُس سے امداد کی التجا کرینگے۔ اب ہم میں دشمن سے لڑنے کی سکت نہیں رہی بہتر ہی کہ ہم سب متفق ہوکر باہر نکلیں اور محمد قاسم پر حملہ کرکے مرجائیں۔ اسلئے کہ اگر صلح بھی ہوجائیگی تو ہتیار بند آدمی سب مارے جائینگے عوام الناس۔ تجار صناع و زراع امان پائینگے۔ بہتر یہی معلوم ہوتا ہی کہ محمد قاسم پر اعتماد کرکے اس سے یہ عہد و پیمان وثق کرلیں کہ ہم اُس کو قلعہ حوالہ کردیں۔ اُسکی شرائط خدمت بجالائیں اور وہ ہمکو اپنی حمایت میں لیکر اپنا مقرب بنالے۔ اس تدبیر پر ہم سب کا اتفاق ہوا۔ محمد قاسم سے جان و مال کی امان کی درخواست کیگئی۔

محمد قاسم نے اُنکے عہد وثق پر امان دینا قبول کرلیا۔ لیکن یہ کہدیا کہ سپاہی قتل کیئے جائینگے اور اُنکے متعلقین اسیر ہونگے اور قیدیوں میں سے جو تیں برس کی عمر کے اندر جو کام کے قابل ہونگے وہ غلام بنای جائینگے اور خاص قیمت پر بیچے جائینگے محمد قاسم نے حجاج کے سامنے اکابر کو بلاکر برہمن آباد والوں کا پیغام سُنادیا اور کہدیا کہ برہمن آباد سے ایلچی آئے ہوئے ہیں جو وہ کہتے ہیں تم اُسکو سُن لو اور جواب باصواب لکھکر دیدو۔

موکو نے کہا کہ اے امیر یہ حصار سندھ کے سارے شہروں کی ناک ہے اگر وہ قبضہ میں آگیا تو ملک سندھ سارا قبضہ میں آجائیگا اور مستحکم قلعے ہمارے ماتحت ہوجائینگے اور اسلام کی شوکت و عظمت و سطوت و حشمت کی ایک دھوم مچ جائیگی راجہ داہر کی اولاد میں سے کچھ ہمارے مطیع ہوجائینگے کچھ بھاگ جائینگے۔

یہاں جو مراسلت ہوئی تھی اُس سے محمد قاسم نے حجاج کو اطلاع دی اور عہد نامہ لکھکر برہمن آباد والوں کو دیدیا۔ اُس نے ایک میعاد اور دن مقرر کردیا کہ قلعہ ہمارے حوالہ کیا جائے۔ برہمن آباد والوں نے اقرار کیا کہ اس روز آپ حملہ کیجئے۔ ہم باہر آکر مقابلہ کرینگے۔ لیکن عین لڑائی میں لشکر عرب کے حملے کے وقت حصار کے اندر چلے جائینگے اور دروازہ کھلا چھوڑ جائینگے۔ جب حجاج نے حکم دیدیا کہ اماں دیدو اور اپنے عہد و پیمان کو ایمان کے ساتھ ایفا کرو۔ محمد قاسم کے لشکر نے حصار پر حملہ کیا تو برائے نام اہل حصار ایک ساعت لڑے اور پھر قلعہ کا دروازہ کھلا ہوا چھوڑ کر قلعہ کے اندر وہ چلے گئے۔ اس دروازے سے لشکر عرب داخل ہوا اور فصیل پر چڑھ گیا اور اُس نے اللہ اکبر کا نعرہ ایسا مارا کہ اہل قلعہ تھرا گئے اور لشکر کا غلبہ دیکھکر وہ مشرقی دروازہ کو کھول کر باہر بھاگنے شروع ہوئے۔ مسلمان اُنکے پیچھے پڑے مگر محمد قاسم نے حکم دیدیا کہ جو تم سے لڑے اُسے مارو اور کسی اور سے کچھ نہ بولو۔ مسلمانوں نے جس کو ہتیار بند دیکھا گرفتار کیا اور محمد قاسم پاس لائے جس نے اُسکے سامنے سر جھکا دیا اُس کا سر اُس نے اُٹھا لیا۔ اور اماں دی اور اُس کا خانمان بچا دیا۔ اپنے گھر میں آباد کرادیا۔

محمد قاسم کا اہل برہمن آباد سے پیمان کرنا۔ برہمن آباد کا لینا۔

برہمن آباد کے بزرگوں سے یہ سننے میں آیا ہی کہ راجہ داہر کے مرنیکے بعد اُسکی رانی لاڈی اور بیٹا جےسیہ یہیں رہتے تھے اور اسوقت بھی یہیں تھی۔ برہمن آباد کا قلعہ محمد قاسم کے حوالہ ہوا تو اُس رانی نے کہا کہ میں کیونکر ایسے مستحکم قلعہ کو اور اپنے گھر بار کو دشمنوں کے حوالے کر سکتی ہوں اِس قلعہ میں استقامت اختیار کرکے دشمنوں کو مغلوب کرنا چاہیئے۔ اور اپنے مسکن اور وطن کو بچانا چاہیئے۔ اور اگر لشکر عرب غالب ہو تو اور تدبیر کرنی چاہیئے۔ پس اُسنے اپنے سارے خزانوں کی دولت سپاہیوں کو تقسیم کردی۔ جس سے جوانمردوں کی ہمت و جرأت بڑھ گئی۔ دوسرے دروازہ پر لڑائی شروع کردی اور لاڈی نے اپنے دل میں یہ مستحکم ارادہ کر لیا کہ اگر دشمن قلعہ کو فتح کرلینگے تو میں مع اپنے عزیز و اقربا کے آگ میں جلکر مرجاؤنگی۔ مگر قلعہ دفعتاً مسلمانوں نے لیلیا۔ اور راجہ داہر کے محل کے محافظ اُنکے عزیز و اقربا کو لائے جنمیں لاڈی بھی تھی۔

جب محمد قاسم کے سامنے غنائم و لونڈی غلام پیش ہوئے تو ہر ایک قیدی کا حال پوچھا جاتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ رانی لاڈی اور دو اور دو دوشیزہ دختر جو راجہ داہر کی بیٹیاں دوسری رانی کے پیٹ سے تھیں حصار میں موجود ہیں اُنکے چہروں پر نقاب ڈالکر ایک خادم کو اُنہیں سپرد کیا اور جدا بٹھائی گئیں۔ تمام قیدیوں کا خمس جدا کیا گیا تو اُسکی تعداد بیس ہزار تھی اسکے سوا سارے قیدی سپاہیوں کو دیدیئے گئے۔

کاریگروں اور تاجروں اور پیشہ وروں اور عوام الناس کو امان دیگئی اور قیدیونکو چھوڑ دیا۔ مگر محمد قاسم نے یہ ظلم کیا کہ چھ ہزار بعض کہتے ہیں کہ سولہ ہزار سپاہی مار ڈالے۔ باقی کی جان بخشی کی۔

بعض داہر کے علاقہ دار برہمن آباد کے یہ کہتے ہیں کہ لونڈیوں میں داہر کے رشتہ داروں کا پتہ نہ ملا تو رؤسا شہر سے اُنکی خبر پوچھی کسی کیطرف کچھ پتہ اُنکا نہ بتلایا۔ لیکن دوسرے روز ایکہزار برہمن بھدرہ کئے ہوئے محمد قاسم پاس آئے جنسے اُنکا حال معلوم ہوا۔

محمد قاسم نے جب ان برہمنوں کو دیکھا تو پوچھا کہ آپ کس فوج کے سپاہی ہیں اور کیوں ایسی صورت بنا کر میرے پاس آئے ہیں تو اُنھوں نے جواب دیا کہ اے امیر باوفا ہمارا راجہ برہمن تھا تو نے اُسے قتل کیا اُسکا ملک تو نے لیا۔ ہم میں سے بعض ایسے وفادار اپنے راجہ کے تھے کہ اُسپر اُنھوں نے اپنی جان نثار کی۔ باقی ہم نے اُسکے ماتم میں زرد لباس پہنا ہی۔ بھدرا کیا ہی۔ اے امیر عادل تجکو ایشور نے راج دیا ہی۔ تیرے پاس ہم آئے ہیں کہ تو ہمکو کیا حکم دیتا ہی۔ محمد قاسم نے سوچکر یہ جواب دیا کہ میں اپنے سر و جان کی قسم کھاتا ہوں کہ تم جیسے پکے وفادار ہو میں تم کو امان دیتا ہوں اس شرط پر کہ راجہ کے رشتہ دار جس جگہ ہوں اُنکو پکڑ کر میرے پاس لاؤ۔ پس برہمنوں نے اس وعدہ پر امان لی اور گھر میں سے لاڈی کو لائے۔ محمد قاسم نے سب پر خراج موافق شرع اسلام کے مقرر کیا۔ جن لوگوں نے اسلام قبول کیا وہ جزیہ و بندگی و گزند سے معاف کیے گئے اور جنھوں نے اسلام نہیں قبول کیا اُنکو تین قسم کے جزیہ میں سے ایک قسم کا جزیہ دینا پڑا۔ فوج میں سے اعلیٰ درجہ کے

گروہ میں سے ہر شخص ۴۸ درم وزن نقرہ متوسط گروہ میں سے چوبیس درم نقرہ اور ادنی گروہ میں سے بارہ درم وزن نقرہ آج ہی چلے جاؤ اور یہ اذن عام سن جاؤ کہ جو شخص مسلمان ہوگا وہ جزیہ سے معاف کیا جائیگا اور جو لوگ اپنے مذہب پر چلینگے انکو جزیہ دینا پڑیگا اور اُن کو اجازت ہوگی کہ وہ اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلیں بعض مسلمان ہوگئے بعض اپنے اسلاف کے مذہب پر چلے انھوں نے جزیہ دیا۔ مگر نہ انکی زمینیں چھینی گئیں نہ اُنکا مال لیا گیا۔

برہمن آباد کی ولایت کے امینوں کو محمد قاسم نے حوالہ کیا اُنہیں سے ہر ایک امین سے بقدر اسکی حیثیت کے زر مالگذاری ادا کرنیکا وعدہ لیا گیا اور حصار کے چاروں دروازوں پر فوج مقرر کرکے اُنکا اہتمام بھی انھیں کے سپرد کردیا گیا۔ اور اُن کو اپنی مرحمت و شفقت سے ہند کی رسم و رواج کے موافق سونے کے کڑے ہاتھوں اور پاؤں کے اور گھوڑے مع زین عطا کئے اور ہر ایک امین کو مجلس شوریٰ کا کارکن مقرر کیا۔

اُسنے عوام الناس میں سے تاجروں صناعوں۔ کاشتکاروں کو لکھوایا۔ اُنکی تعداد دس ہزار ہوئی پس حکم دیا کہ خزانہ میں سے بارہ درم وزن نقرہ ہر ایک کو اس سبب سے دیا جائے کہ اُسکا سارا مال اسباب لٹ گیا ہے تحصیل زر مالگذاری کیلئے دہقین اور رئیسوں کو مقرر کیا کہ وہ شہر اور رئیسوں سے محصول زمین وصول کریں جس سے اُنکو تقویت اور استظہار ہو۔ جب برہمنوں نے یہ دیکھا تو انھوں نے اپنا عرض حال کیا کہ یہ کام خاص ہمارا ہے ہمیشہ ہم اُسکو کرتے آئے ہیں رئیسان شہر نے بھی اُنکی عظمت پر شہادت دی محمد قاسم نے برہمنوں کو معزز جانا اور اُنکی یہ عزت کی کہ جلیل عہدوں پر اُنکو مقرر کرکے ممتاز و سرفراز کردیا اور اُنکی برتری کے قائم رہنے کا حکم صادر فرمایا اُنکی ایسی حمایت کی کہ اُنکے ساتھ کوئی مقابلہ اور زبردستی نہیں کرسکتا تھا۔ ہر ایک برہمن کو ایک عہدہ دیدیا۔ اُسکو پورا اعتبار تھا کہ برہمن کبھی دغا نہ کرینگے۔ راجہ چچ کیطرح ہر برہمن کو کسی نہ کسی شغل میں لگا دیا اور کل برہمنوں کو بلا کر اُنکو یاد دلا دیا کہ راجہ داہر کے عہد میں تم بڑے بڑے عہدوں پر مامور تھے اسلئے تم کو شہر اور حوالی شہر کا حال بخوبی معلوم ہوگا۔ اگر تم کسی مشہور و معروف آدمی کو جانتے ہو تو مجھے مطلع کرو میں اُسکو عہدہ جلیلہ پر مقرر کردونگا اور اُسکو انعام و اکرام دونگا۔ میں تم سبکی دیانت و امانت پر اعتماد کلی رکھتا ہوں اسلئے یہ عہدے تم کو عطا کرتا ہوں اور سارے ملک کا انتظام تمہارے ہاتھ میں دیتا ہوں۔ اور یہ عہدے تمکو نسلاً بعد نسلٍ عطا ہوئے ہیں اور وہ تم سے چھین کر دوسرے کو نہیں دئے جائینگے۔

یہ برہمن اور عمال اضلاع میں جاکر یہ کہنے لگے کہ اے قوم کے بزرگو اور رئیسو تم یقینی جان لو کہ راجہ داہر مارا گیا ہماری سلطنت کا خاتمہ ہوا۔ ہند و سندھ میں اہل عرب کا تسلط ہوا۔ اب شہر و گاؤں میں چھوٹے بڑے سب برابر ہوئے سلطان معظم نے ہم غریبوں پر یہ عنایت کی ہے کہ تمہارے پاس ہمکو بھیجا ہے۔ اور ہمارے ساتھ نہایت وعدے کئے ہیں اگر

ہم عرب کی فرمانبرداری نکرینگے تو ہمارے پاس نہ مال ہوگا نہ معاش ہوگی - اگر ہم انکی نیازمندی کرینگے تو ہم مورد فضل و کرم شاہانہ ہونگے اسوقت ہم اپنے گھر سے نہیں نکالے گئے ہیں لیکن تم پر جو یہ خراج مقرر کیا گیا ہی اگر اُسکے متحمل تم نہیں ہوسکتے اور اُسکا ادا کرنا تمکو گراں معلوم ہو تو وقت فرصت میں ہند و سند میں کسی ایسے موضع میں مع اہل و عیال جا سکتے ہو کہ جہاں جان و مال محفوظ ہو - آدمی زاد کے لئے سلامتی نفس سے زیادہ کوئی چیز بہتر نہیں ہی - پس اس شہر کے درطۂ ہولناک سے سلامت بچگئے تو ہم اپنے اہل و عیال و مال کو محفوظ رکھ سکتے ہیں - شہر کے آدمی و دہاقین محمد قاسم پاس آئے اور خراج کا دینا قبول کیا اور اُنہوں نے خود محمد قاسم سے پوچھ لیا کہ کتنا خراج ہم پر مقرر ہوا - برہمنوں سے جنکو محمد قاسم نے محصل مال اور عمال مقرر کیا تھا - اُسنے یہ کہا کہ رعایا اور بادشاہ کے درمیان معاملہ راستی سے کرو اور اُنکے بیچ میں جب کوئی تقسیم کا معاملہ ہو تو دونوں میں انصاف نصفی کا معاملہ کرو - اور محصول اتنا لوگوں پر مقرر کرو کہ وہ ادا کر سکیں - تم اور ونکے ساتھ موافقت کرو اور ایسے متردد ہو کہ ملک خراب ہو -

محمد قاسم نے ہر ایک کو بلا کر یہ نصیحت کی کہ تو سب طرح خوش دل رہ اور کچھ اندیشہ نکر کسیطرح کا الزام تجھپر نہیں لگایا جائیگا - تجھسے محصول کی بابت میں کوئی دستاویز نہیں لکھاتا ہوں بلکہ ایک جمع مقرر کی ہی اُسکو تو ادا کر اُسمیں بھی تیرے ساتھ نرمی اور رعایت برتی جائیگی اور اس معاملہ میں جو تیری درخواست ہوگی تو میں اُسکو سنونگا اور اُسکا جواب شافی دونگا اور تیری دلی تمنا پوری کیجائیگی -

پہلے بتخانوں میں سوداگر اور ٹھاکر اور بت پرست بتوں کی پرستش سے اپنا دل خوش کرتے تھے بتوں پر نذر بھینٹ میں روپیہ چڑھاتے تھے - یہ سب مال برہمنوں کے گھر میں جاتا تھا اُس سے اُنکی پرورش ہوتی تھی - مگر اب یہ رسم قدیم مسدود سی ہوگئی تھی لشکر کے خوف کے مارے اس خیرات میں خلل آگیا تھا وہ باقاعدہ نہیں دیجاتی تھی اس لئے برہمن بچارے روٹی کے مارے مارے پڑے پھرتے تھے - ایک دن محمد قاسم کے دروازہ پر آئے اور دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا یا کہ اے امیر عادل تجکو نیا ہو ہم بندہ کہ مندر کے پجاری ہیں - ہمکو روزی اسی مندر سے ملتی تھی - تو نے سب پر رحم کیا - سوداگروں کا مال دلوایا - تجارت کا باب کھلوا دیا - اور اوروں کو ذمی بنا کر اپنے اپنے کاموں میں لگا دیا - ہمکو تیرے کرم خداوندی سے یہ امید ہی کہ ہنود کو ایسا اشارہ کرے کہ وہ اپنے معبود کی پرستش کریں اور خانہ بدھ کو آباد کریں - اسپر محمد قاسم نے کہا کہ تمہارے بتخانہ کا تعلق دار السلطنت الور سے ہی (یہ دار السلطنت محمد قاسم کے قبضہ میں نہیں تھا) یہ تو اُسکے مضافات ہی - اسپر ہنود نے کہا کہ یہ بتخانہ برہمنوں سے متعلق ہی - یہ برہمن آپ کا طلب چاہتے ہیں ... شادی و غمی کی ساری رسمیں وہی ادا کرتے ہیں ہم نے جزیہ و خراج اسی سبب سے قبول کیا ہے کہ

ہم میں ہر ایک اپنے مذہب پر چلے۔ اب یہ ہمارا فانہ بدھ خراب خستہ پڑا ہے۔ ہم بتوں کی پوجا و پرستش سے محروم ہیں اُسکی تعمیر و مرمت کا حکم دے کہ ہم اپنے معبود کی عبادت کریں اور ہمارے برہمنوں کی وجہ معاش ہو۔

محمد قاسم نے اس معاملہ کا سارا حال حجاج کو لکھا جسکا جواب چند روز بعد یہ آیا کہ میرے عزیز عم زاد محمد قاسم کا مکتوب پہنچا اور اُس سے یہ احوال معلوم ہوا کہ برہمن آباد کے مقدم بدھ کی عمارت کو بنانا چاہتے ہیں۔ چونکہ انھوں نے اطاعت اختیار کر لی ہے اور دارالخلافت کیلئے مال کو اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے تو سوائے اس مال کے کوئی اور اُن پر ہمارا حق نہیں ہے جب وہ ذمی ہو گئے ہیں تو انکی جان و مال میں کسیطرح کی دست اندازی نہیں ہو سکتی انکو اجازت دیجیے کہ وہ اپنے معبود کی عبادت کریں اپنے مذہب کی پیروی میں کسی شخص پر زجر نہیں چاہیے تا کہ وہ اپنے گھر میں جسطرح سے اسکا جی چاہے رہے۔

محمد قاسم پاس جب اپنی عرضداشت کا جواب آیا تو وہ ایک منزل برہمن آباد سے چلا گیا تھا اُسنے شہر کے اکابر و مقدموں و برہمنوں کو ہدایت کر دی کہ اپنے مندر کو تعمیر کر لیں اور مسلمانوں کے ساتھ خرید و فروخت کریں اور بےخوف و خطر رہیں اور اپنے حال کے بہتر کرنے میں سعی کریں۔ بھکاری برہمنوں کو دان پُن دیں اور اپنے باپ دادا کی مراسم کو بجا لائیں اور انہیں جو دکھشنا و بھینٹ برہمنوں کو دیتے تھے دیں اور جیسا پہلے ملک کے محاصل میں تین روپیہ سیکڑا برہمنوں کے لیے جدا کیا جاتا تھا اور اُسمیں سے بقدر ضرورت اُنکو دیا جاتا تھا اور باقی خزانہ شاہی میں امانت میں رہتا تھا کہ اسمیں خیانت نہ ہو اور اسکا حساب رہتا تھا اب بھی اسیطرح عمل کیا جائے امرا اور رؤسا جو برہمنوں کے مواجب قدیمی چلے آتے ہیں وہ اُن کو دیا کریں بعض اُنکا یہ قول ہے کہ برہمنوں کو شہر میں بھکشا کی اجازت ملگئی کہ وہ ایک تانبے کا برتن لیکر گھر گھر بھیک مانگنے جایا کریں۔ اُنسے پیٹ پالن کیا کریں اور بھوکے نہ مریں۔ غرض محمد قاسم نے برہمن آباد کے رہنے والوں کی درخواست کو منظور کر لیا اور اُسنے کہدیا کہ تمہارے مندر ایسے ہیں جیسے کہ شام و عراق میں یہودیوں اور عیسائیوں کے معابد اور مجوسیوں کے آتشکدے ہیں اُنسے کچھ تعرض نہ ہو گا۔ جس طرح چاہیں اپنے معبدوں کو بنائیں اور انہیں جسطرح چاہیں اپنے معبودوں کی پرستش کریں۔ یہ سمجھا کر برہمن آباد والوں کو رخصت کیا اور اُنکے بڑے رئیس کو رانا کا خطاب دیا۔

محمد قاسم نے وزیر سی ساگر اور موکا بسایا کو بلا کر اُنسے پوچھا کہ راجہ چچ و داہر کے عہد میں لوہانہ کے جاٹ کیا کام کرتے تھے اور کیا اُنکے ساتھ برتاؤ برتا جاتا تھا۔ موکا بسایا کے سامنے سی ساگر نے محمد قاسم سے جاٹوں کا حال یہ عرض کیا کہ راجہ چچ کے عہد میں لوہانہ کے جاٹوں کو حکم تھا کہ وہ نرم جامہ نہ پہنیں اور سر کو مخمل سے نہ ڈھکیں بلکہ وہ اندر سیاہ کمبل پہنیں اور اُسکے اوپر کندھوں پر موٹی چادر اوڑھیں سر اور بالوں کو ننگا رکھیں۔ اگر کوئی اُن میں باریک جامہ پہنتا تو اُس پر جرمانہ ہوتا۔ اُن کو حکم تھا کہ جب وہ گھر سے باہر نکلیں تو کتا ساتھ رکھیں۔ ان کتوں کا ساتھ ہونا اُنکے

جاٹ ہونیکی نشانی تھی۔ اور اُنکے کسی بزرگ کو گھوڑے کی سواری کی اجازت نہ تھی جب راجاؤنکو اطراف میں راہ بری کی ضرورت ہوتی تو وہ اُنکے سپرد ہوتی اور راہ میں کھانے پینے کا سامان بہم پہنچانا انکا کام ہوتا۔ اس کام کے لیے ہر گروہ کے واسطے ایک حد مقرر تھی۔ اگر کوئی رانا انکا گھوڑے پر بیٹھتا تو گھوڑے کی پیٹھ پر کمبل ڈالکر بے زین و لگام سوار ہوتا۔ اگر راہ میں کسی شخص پر کوئی حادثہ واقع ہوتا تو اُسکی جوابدہی انھیں کرنی پڑتی۔ اگر کوئی انمیں سے چوری کرتا تو اُنکے مقدموں پر یہ واجب ہوتا کہ چور کو مع اُسکے بال بچوں اور کنبے کے جلا دیتے رات دن کا کاروانوں کی رہبری کرنی اُنکا کام تھا۔ اُنکے اندر کچھ چھوٹے بڑے کی تمیز نہ تھی۔ مزاج اُنکا وحشی ہے ہمیشہ والیان ملک سے بغاوت و سرکشی کرتے رہتے ہیں۔ وہ راستے لوٹتے ہیں۔ اور دیبل کے اندر اُنکی قزاقی میں سب شریک ہو جاتے ہیں۔ راجاؤنکے بورچی خانہ کیلیے لکڑیاں بہم پہونچانا اُنکا کام تھا۔ محمد قاسم نے یہ حال سُنکر کہا کہ جاٹ بڑی اُجٹ قوم ہے۔ اُنکی وحشت کا حال ایسا ہے جیسا کہ ایرانی کوہستانی جنگلی آدمیوں کا۔ محمد قاسم نے اُنکے واسطے ان سب دستور اور قاعدوں کو بدستور قائم رکھا اور اُن پر یہ اور اضافہ کیا کہ ہر وارد و صادر کو وہ ایک روز کھانا کھلایا کریں اور اگر وہ بیمار ہو جائے تو دو وقت تین دن تک۔ یہ قاعدہ حضرت عمرؓ نے شام میں جاری کیا تھا۔

جب محمد قاسم برہمن آباد و لوہانہ کے کاموں سے فارغ ہوا اور انیز خراج مقرر کر چکا تو اس سارے احوال سے حجاج کو اطلاع دی اور ملک سند کے انتظام کا حال مفصل لکھا۔ یہ خط ندی جلوانی برہمن آباد سے لکھا تھا اسکا جواب حجاج نے یہ لکھا کہ ابن عم محمد قاسم تمنے سپہداری و رعیت نوازی اور انتظام ملکی اور رفاہ عام میں جو سعی کی وہ نہایت تعریف کے قابل ہے ہر موضع پر جو خراج مقرر کیا ہے اور ہر صنف کے آدمیوں کو قانون کے پابند ہونیکے لیے جو تدابیر کی ہیں اور انھوں نے جو اُنکی اطاعت کی ہے اُس سے قوام دولت اور نظام مملکت کو استحکام ہو گیا ہے۔ اب تو زیادہ اس موضع میں نہ ٹھیر اور ہند و سند کے دو رکن اعظم الور و ملتان ہیں اُنکی خبر لے۔ یہ دونوں شہر بادشاہوں کے دار الملک رہے ہیں اُنکے خزانے اور دفینے وہاں بہت سے دفن ہونگے۔ اگر کہیں مقام کرنا چاہیے تو ایسی جگہ انتخاب کر کہ وہاں تر و تازگی تجھکو حاصل ہو۔ اور ولایت سند و ہند میں مسلمانوں کی سلطنت کو تسلط ہو۔ جو کوئی اسلام کی اطاعت سے انکار کرے اُس کو بیدریغ قتل کر۔ حق تعالے تجھکو ایسا فتحمند کرے کہ ہند کو سرحد چین تک تو تسخیر کرے۔ امیر قتیبہ بن مسلم خراسانی اور اُسکے ساتھ لشکر بھیجا گیا ہے جتنے اُول تیرے پاس ہیں انھیں اسکو حوالہ کر۔ اے ابن عم دلپسند ایسے کام کر کہ تیرا نام روشن ہو اور تیرے دشمن عاجز و پریشان ہوں انشاء اللہ تعالی۔ محمد قاسم پاس یہ خط آیا اسمیں یہ بھی لکھا تھا کہ اے محمد قاسم تیرا ہر امر میں مجھ سے صلاح پوچھنا تیرے حزم و احتیاط کا اقتضا ہے مگر فاصلہ ایسا دور دراز ہے کہ اس سے کاموں میں التوا ہوتا ہے۔ تو ایسی

رعیت نوازی کر اور عدل گستری کا طریقہ اختیار کر کہ دشمن تیری اطاعت سے آرزومند ہو جائیں۔

محمد قاسم نے وداع بن حمید النجدی کو برہمن آباد کا انتظام سپرد کیا اور اسکے نائب اور عمال مقرر کئے اور یہیں کے چار تاجر دیکو مال کے متعلق سارے معاملات حوالے کئے اور انکو تاکید کر دی کہ امور کلی و جزوی ہمارے حضور میں پیش ہوں اور بے مشورت ہمارے کسی کام اور معاملہ کا آخری فیصلہ نہو۔ نوبہ بن دارس کو عمدہ انتظام کیلئے حصار راور سپرد ہوا اور یہ بھی اسکا حکم ہوا کہ کشتیاں ہمیشہ جمع رکھے اور جو سپاہی اور ہتھیار آتے جاتے کشتیوں میں ہوا کریں انکو راور کے قلعہ میں بھیجا کرے۔ دریا کے حصہ بالائی کی کشتیوں کا اہتمام زیاد العبدی کے سپرد ہوا اور حندال بن سلمان کو ان اضلاع کا بندوبست سپرد کیا گیا کہ ولایت کے راج سے ہمیشہ متعلق تھے۔ دہلیل کا حاکم حنظلہ بن اخی کلبی مقرر کیا کہ وہ اپنے گرد و نواح کے ملک کے حالات دریافت کرکے ہر مہینے مجھکو اطلاع دیا کریں۔ اور یہ بھی تاکید کے ساتھ ہدایت کر دی کہ وہ سپاہیوں سے متحد و یکدل و یکجہت رہیں۔ باہر سے دشمنوں کے لشکر کا خوف ہو اور اندر رعایا کو سرکشی کا حوصلہ نہو۔ جو کوئی امن میں خلل انداز ہو اسکو سزا دیں۔ قیس عبد الملک بن قیس الدمی و خالد انصاری کو مع دو ہزار پیادہ سپاہی کے سوستان میں بھیجا۔ مسعود بن تمیمی بن شیبہ سعدی و قراحی عتقی وغیرہ کو دہلیلہ۔ نیرون۔ دیبل میں بھیجا کہ وہ ان مقامات پر قابض رہیں۔ بلیج کو کردابل میں عامل مقرر کیا یہاں علوان بکری و قیس بن ثعلبہ تین سو آدمیوں کے ساتھ بس گئے اور بیوی بچے بھی انکے یہیں ہونے لگے اسطرح جاٹوں کے کل ملک کا انتظام کیا اور اپنی حکومت کو استحکام دیا۔

کہتے ہیں جب محمد قاسم برہمن آباد اور ملک کے مشرقی و مغربی اضلاع کے انتظام سے فارغ ہوا تو اپنے مقام سے ۳ محرم سنہ ۹۴ھ کو روانہ ہوا اور موضع منہل میں جو ساوندی کے قریب تھا اترا یہاں ایک تالاب تھا اور اسکے آس پاس ایک مرغزار نہایت سرسبز و شاداب تھا اسکو ڈنڈا اور کربہا کہتے تھے اسلئے ڈنڈہ کے کنارہ خیمے ڈیرے ڈالے۔ یہاں کے باشندے سمانی تھے۔ انکے سرداروں اور تاجروں نے اطاعت قبول کی۔ اسنے حجاج کے حکم کے موافق سبکو امان دی اور انسے کہا کہ تم اپنے وطن میں آسودگی کے ساتھ رہو اور مالگذاری مقرر کرکے کہا کہ اسکو وقت موعود پر خزانہ میں داخل کرتے رہو اور ہر فرقہ میں ایک آدمی کو اسکے فرقہ کا رئیس مقرر کر دیا۔ یہ سارے حالات حجاج کو لکھے گئے تو اسکا جواب بڑے زور شور سے لکھا آیا کہ جو اہل حرب ہوں انکو قتل کرو اور انکے لڑکے اور لڑکیوں کو بطور یرغمال کے قید کرکے رکھو جو مطیع ہوں اور انکے حلق میں صفائی کا پانی جاری ہو انکو امان دو اور مالگذاری انپر مقرر کر دو اور صناع و تجار کو بہت بڑھاؤ اور جس کسی سے ہو سکے جاؤ کہ وہ زراعت و تجارت میں ترقی کریں اور جو انتقالی کرتا ہو اسکو تقاوی دو اور ہر طرح سے اسکی امداد کرو اور جو لوگ اسلام سے مشرف ہوں انسے عشر یعنی انکے مال زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ لو اور جو لوگ اپنے مذہب پر

انتظام برہمن آباد

ساوندی اور بدھیہ کو روانگی

قایم رہی ہوں تو وہ اپنے ملک کے قدیمی دستور کے موافق جو جمع راجاؤں کو دیتے آئے ہوں وہ ہمارے عمال کو دیں۔ محمد قاسم یہاں سے کوچ کرکے بھراور میں پہونچا۔ یہاں اُس نے سلیمان بن نبہان اور ابا فضۃ القشوری کو بلایا۔

یہاں سے محمد قاسم اقوام سمہ کیطرف متوجہ ہوا جب وہ اُنکے قریب پہنچا تو وہ استقبال کیلئے ناچتے ہوئے اور ڈھول بجاتے ہوئے آئے۔ محمد قاسم نے پوچھا کہ یہ کیا غل شور ہے۔ وہانکے لوگوں نے کہا کہ یہ ان اقوام کی رسم ہے کہ جب انکے ہاں کوئی نیا بادشاہ آتا ہے تو وہ بڑی شادی کرتے ہیں اور اسطرح گانے باجے کیساتھ اُسکے استقبال کو آتے ہیں۔ خریم بن عمر نے جو نہایت امین و ظریف ذہین و عقیل تھا۔ محمد قاسم سے کہا کہ آپ پوچھتے کیا ہیں خداتعالیٰ کی تحمید و تہلیل کیجئے کہ اُسنے اپنے فضل و کرم سے اس قوم کو ہمارا محکوم و مسخر بنایا اور ہمارے اوامر و نواہی انمیں جاری کئے۔ محمد قاسم کو اس کہنے پر ہنسی آئی اور اُسنے خریم سے کہا کہ تو ہی اس قوم کا حاکم بنایا جائیگا اور باجے والوں سے کہا کہ تم اُسکے سامنے رقص و بازی کرو۔ خریم نے بیس دینار زر مغربی اُنکو عطا کئے اور کہا کہ یہ بادشاہ کا حق ہے کہ اُسکے آنے پر تم شادی کرو اور اس نعمت الٰہی کا شکریہ بجالاؤ یہ نعمت تم پر خدا بہت دنوں قایم رکھے۔

مورخ کہتے ہیں کہ وہانسے جب محمد قاسم فارغ ہوا تو وہ سہتہ میں آیا۔ یہانکے رئیس و کاشتکار ننگے سر ننگے پاؤں اُسکے استقبال کو آئے اور رحم کی التجا کی۔ محمد قاسم نے اُنکو امان دی اور خراج اُنپر مقرر کیا اور کچھ آدمی اُنمیں سے لئے اور اُنسے الور تک تمام منازل و مراحل کو پوچھکر لکھ لیا۔ اُنھوں نے رہبروں کو ساتھ کردیا کہ وہ اُنکو الور تک پہنچادیں۔ الور دارالسلطنت سندھ تھا اور ملک سندھ میں سب سے بڑا شہر تھا۔ یہاں کے باشندے پیشہ ور و تاجر و کاشتکار تھے۔ راجہ داہر کا بیٹا فوفی یہاں فرمانروا تھا اُسکے سامنے کسی آدمی کا مقدور یہ نہ تھا کہ زبان سے کہتا کہ راجہ داہر مرگیا اُسکو یقین تھا کہ وہ زندہ ہے اور ہندسے فوج لیکر چلا آتا ہے جسکی امداد اور اعتضاد سے وہ لشکر عرب سے لڑیگا۔ ایک مہینہ تک محمد قاسم قلعہ کے سامنے ایک میل کے فاصلہ پر مقیم رہا۔ اسمیں مسجد بنوائی جسمیں ہر جمعہ کو خطبہ پڑھا جاتا۔

الور کے آدمیوں سے لڑائی شروع ہوئی اُنکو یقین تھا کہ راجہ داہر فوج لیتے اُنکی امداد کو آتا ہے وہ فصیل پر چڑھکر محاصرین سے کہتے تھے کہ اب تم اپنی جان سے ہاتھ دھوؤ۔ راجہ داہر ایک فوج قاہرہ بیشمار ہاتھیوں کی اور سواروں اور پیدلوں کی تمہارے پیچھے لئے چلا آتا ہے اور ہم قلعہ سے تمہارے روبرو باہر نکلتے ہیں اس سے آگے پیچھے سے تمہیں گھیر کر تمہارے لشکر کو شکست دیتے ہیں۔ اب تمہاری خیر اسی میں ہے کہ اپنا اسباب و دولت بالکل چھوڑکر اپنی جان بچا کر نکل جاؤ۔ نہیں تو تم مارے جاؤگے۔ یہ ہماری نصیحت سُن لو۔

جب محمد قاسم نے دیکھا کہ دشمن لڑنے میں بڑی جد و جہد کرتے ہیں اور اُنکے دماغ میں یہ خبط سمایا ہوا ہے کہ

لاڈی رانی کا محصورین کو سمجھانا

راجہ داہر مرا نہیں۔ لشکر لئے وہ چلا آتا ہی تو رانی داہر کو جسکو اُسنے خرید کرکے نکاح اُس سے کیا تھا۔ اُس بیاد اونٹ پہ بٹھا کر جسپر وہ ہمیشہ سوار ہوا کرتی تھی۔ اور معتمدونکو اُسکے ساتھ کرکے حصار کے آگے بھیجا۔ وہاں پہنچکر یہ رانی چلائی کہ اے اہل حصار میں تمہاری مصلحت کیلئے ایک بات کہنے آئی ہوں اُسکو کھڑے کھڑے سن جاؤ۔ یہ سنکر ایک جماعت بڑے بڑے آدمیونکی فصیل پر چڑھ آئی۔ لاڈی نے نقاب چہرہ سے اُٹھائی اور یوں اُنسے مخاطب ہوئی کہ میں راجہ داہر کی رانی ہوں میرا خاوند مارا گیا۔ سر اُسکا عراق بھیجا گیا۔ اُسکے راج کے نشان اور چتر دار الخلافہ کو روانہ ہوئے۔ تم اپنے تئیں آپ کو کیوں ہلاک کرتے ہو۔ خدا قرآن میں فرماتا ہی کہ اپنے ہاتھوں سے اپنی ہلاکت نہ ڈھونڈو۔ یہ کہکر وہ چھاتیاں مار کر رونے لگی اور ایک نوحہ گانے لگی۔ اہل حصار نے فصیل پر سے جواب دیا کہ تو جھوٹی ہی چنڈالوں اور گائے کھانے والوں سے تو مل گئی ہی۔ ہمارا راجہ زندہ ہی اور ایک لشکر گراں اور مست ہاتھیوں کو ساتھ لاتا ہی اور دشمن کو دفع کرتا ہی۔ تو اہل عرب سے لگاوٹ کے خراب ہوگئی ہی۔ اور اپنے راجاؤں کو بھول گئی۔ ہمارے دشمنوں کو ہمارے راجاؤں پہ فوقیت دیتی ہی۔ اور کچھ گالیاں بھی اُسکو سنائیں جب محمد قاسم کو یہ خبر پہونچی تو اُسنے لاڈی کو بلا لیا اور یہ کہا کہ اب خاندان سلایج کا بخت برگشتہ ہوگیا ہی اور خاتمہ کا وقت آگیا ہی۔

ایک منجمہ کا راجہ داہر کی موت کی اطلاع دینا

حصار الور میں ایک ساحرہ رہتی تھی اُسکو جوگنی کہتے تھے۔ راجہ فیوفی اور ارکان سلطنت اُسکے پاس گئے اور پوچھنے لگے کہ تو اپنے علم نجوم سے بتلا کہ راجہ داہر کہاں ہی۔ اُسنے جواب دیا کہ مجھے آجکی مہلت اس کام کیلئے دو تاکہ میں اس سوال کا امتحان کرکے کل جواب دوں پس دوسرے دن سہ پہر کو سراندیپ کی کالی مرچ وجوزبوا کی ہری بھری ٹہنیاں کہ پھل پھول لگی شاخیں ہاتھ میں لئے آئی اور کہنے لگی کہ میں ساری دنیا میں قاف سے قاف تک پھر آئی کہیں سندھ و ہند میں راجہ داہر مجھے نہیں ملا اور نہ اُسکی خبر میں نے سنی اگر وہ زندہ ہوتا تو مجھ سے وہ کہیں نہیں چھپ سکتا تھا اور اس خبر کی صحت کیلئے میں یہ ہری شاخیں سراندیپ سے لائی ہوں تاکہ تم مجھ پہ بدگمان نہ ہو۔ مجھے تحقیق ہوگیا ہی کہ تمہارا راجہ روئے زمین پر زندہ نہیں اب تم اپنی آپ چارہ جوئی کرو۔

شہر الور کا فتح ہو جانا

جب یہ خبر مشہور ہوئی تو شہر کے سب خاص و عام کہنے لگے کہ ہمنے محمد قاسم کے عدل و انصاف فضل عہد و پیمان کا وثوق قول کی صداقت و دیانت یہ ساری صفات سنی تھیں اب وہ آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اب مناسب ہی کہ کسی معتمد کے ہاتھ پیغام بھیجکر اُس سے امان مانگی جائے اور حصار اُسکے سپرد کیا جائے۔ فیوفی کو جب عایا کا یہ تردد اور راجہ داہر کی وفات کا حال معلوم ہوا تو وہ رات کو مع اپنے اہل و عیال اور متعلقین کے حصار سے باہر نکلا اور جیپور کی طرف چلا۔ یہاں اسکا بھائی جی سیہ اور راجہ داہر کے اور بیٹے تھے اور وہ ایک موضع میں رہتے تھے جس کا نام

صندل نزول (چندن اوتار) تھا۔ قوم علافی میں سے ایک آدمی حصار میں تھا۔ جو فیوفی کا یار تھا۔ اُسنے ایک کاغذ پر فیوفی کے فرار ہونیکا اور اہل حصار کا حال لکھا اور اُسکو تیر پر لگا کے لشکر عرب میں پھینکدیا جس سے یہ سارا حال محمد قاسم کو معلوم ہوا تو اُسنے لشکر کو لڑنے کے لیے بھیجا۔ مردان کارزار اور شجاعان بے دبار حصار پر چڑھ کر حملے کرنے لگے۔

پس تمام رعایا و تاجروں و کاریگروں اور اہل حرفہ نے یہ پیغام بھیجا کہ اب ہمنے برہمنوں کی بیعت توڑ دی کی ہمارا رائے داہر ہمارے سر سے اٹھ گیا۔ فیوفی اُسکے بیٹے نے ہمسے منہ پھیرا یا جو وقوع میں آیا وہ ہماری مرضی کے خلاف تھا لیکن حکم الٰہی اسطرح مقدر تھا قضا و قدر الٰہی کا مقابلہ کوئی مخلوق نہیں کرسکتی اور وہ کسی جنگ کے کرنے سے ٹل نہیں سکتیں اور دنیا کی مملکت کسی کی ملک سے نہیں ہوتی جب لشکر قضا رالٰہی پردہ کمین سے باہر نکلتا ہے تو بعض بادشاہوں کو تاج و تخت سے محروم کرتا ہے۔ بعض کو زمانہ کے انقلاب و حوادث سے مردہ پژمردہ کرتا ہے۔ پس نہ قدیم نہ جدید سلطنت پر اعتماد ہوسکتا ہے وہ ایک آنی جانی چیز ہے۔ تو ان باتوں کو سمجھ ہم تیری خدمت میں حاضر ہوئے ہیں اور تیری عدل و انصاف کے بھروسے پر تیری اطاعت کا طوق اپنی گردن میں ڈالتے ہیں اور حصار کو امیر عادل کے امینوں کو سپرد کرتے ہیں ہم کو امان دے اور لشکر کے خوف سے امین کر۔ یہ مملکت قدیم و عظیم ہمکو رائے داہر نے عطا کی تھی۔ جبتک وہ زندہ رہا اُسکی اطاعت کا حق بجالاتے رہے جب وہ مرگیا اور اسکا بیٹا فیوفی بھاگ گیا۔ اب ہمکو بہتر یہی معلوم ہوا کہ تیری اطاعت کریں۔ محمد قاسم نے اسکا یہ جواب دیا کہ میں نے نہ تمہارے پاس پیغام بھیجا نہ کوئی ایلچی۔ تم خود متفق ہوکر امان چاہتے ہو اور عہد و پیمان کرتے ہو۔ اگر تمہاری رضا و میلان خاطر ہماری خدمت و اطاعت کے لیے سچا ہے تو لڑائی سے ہاتھ کھینچو اور عہد و پیمان کرنے کیلیے نیچے اُتر آؤ۔ میں تمکو امان دونگا۔ ورنہ ہمارے تمہارے درمیان وہی دشمنی ہی جو تھی۔ بعد اسکے میں تمہارا ایک عذر نہ قبول کرونگا اور نہ تم کو بخشوں گا نہ تم کو لشکر سے بچنے دونگا۔ پس اہل حصار فصیل پر سے اُتر آئے اور آپسمیں سب کا اسپر اتفاق ہوا کہ محمد قاسم کے اس قول پر کہ امان دونگا دروازے کھولدیں اور ان میں جب تک محمد قاسم آئے خود کھڑے رہیں اور اُس سے کہیں کہ ہم تیری اطاعت و خدمت کیلیے حاضر ہوئے ہیں اگر اُس نے اپنے سخاوکرم سے یہ درخواست قبول کرلی اور امان دیدی تو بہتر اور نہ پھر ہم غدر کریں۔ پس وہ کنجیاں ہاتھوں میں لیکر دروازے میں آن کھڑے ہوئے اور حجاج کے امین منتخب ہوکر اس کام میں قیم اسطلیے۔ انکو اہل حصار نے کنجیاں دیدیں دروازہ کھولدیا۔ محمد قاسم دروازہ سے داخل ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ سارے شہر کے آدمی بتخانہ نودہار میں بت کے آگے سجدے کررہے ہیں۔ محمد قاسم نے پوچھا کہ یہ گھر کس کا ہے کہ سب وضیع و شریف اسمیں سجدے کررہے ہیں لوگوں نے جواب دیا کہ یہ ایک مندر ہے جس کا نام نودہار ہے۔

(۹۳ھ ۷۱۲ء)

محمد قاسم نے حکم دیا کہ بتخانہ کا دروازہ کھولدیں اُسنے وہاں دیکھا کہ گھوڑے پر ایک مورت سوار ہی اُسکے اندر۔ پھر وہ اپنے افسروں سمیت گیا اور دیکھا کہ سخت پتھر کا بُت بنا ہوا ہی اور زرین کنگن یاقوت و جواہر سے مرصع ہاتھوں میں پہنے ہوئے ہی۔ محمد قاسم نے ہاتھ دراز کرکے ایک کنگن اُتار لیا اور مندر کے پجاری سے کہا کہ تمہارا صنم یہی ہی اُسنے کہا کہ ہاں۔ مگر پہلے اُسکے ہاتھوں میں دو کنگن تھے ایک رہ گیا ہی۔ محمد قاسم نے کہا کہ تمہارا معبود نہیں جانتا کہ کنگن کون لے گیا یہ سنکر پجاری نے گردن نیچی کرلی محمد قاسم نے ہنسکر کنگن بت کے ہاتھ میں ڈال دیا۔

محمد قاسم کا حکم اہل حرب کے باب میں - ایک شخص کا آنا اور امان چاہنا

محمد قاسم نے حکم دیا کہ جو اہل حرب اطاعت کریں وہ نہ قتل کئے جائیں۔ لادی نے کہا کہ اس ولایت کے آدمی کاریگر ہیں اور بعض تاجر ہیں۔ یہ شہر انھیں سے آباد ہی اور وہی یہاں کی زمین میں کھیتی کرتے ہیں اگر انہیں سے ہر شخص پر جمع لگادی جائیگی تو انھیں کی محنت مزدوری سے خزانہ میں مال داخل ہوگا۔ محمد قاسم نے کہا کہ یہ لادی نے حکمیدیا ہی اور سبکو جان و مال کی امان دیدی۔ مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ محمد قاسم نے جن آدمیوں کو قتل کیلئے موکلوں کو سپرد کیا تھا انہیں سے ایک شخص نکلکر آگے کھڑا ہوا۔ اور بولا کہ مجھے ایک عجیب تماشا کرنا آتا ہی۔ موکل نے کہا کہ مجھے دکھا اُس نے کہا کہ میں تجھے نہیں دکھاتا امیر کو دکھاؤنگا۔ محمد قاسم کو اسکی اطلاع ہوئی اُسنے اُسکو بلایا اور پوچھا کہ کیا عجیب تماشا کرنا آتا ہی اُسنے کہا کہ میرے پاس ایسی چیز ہے کہ کبھی کسی نے نہ دیکھی ہوگی مگر اس شرط سے دکھاؤنگا کہ میرے کل عیال و اطفال کو امان دیجے۔ محمد قاسم نے کہا کہ تجھے امان دی اُسنے کہا کہ امان نامہ عنایت ہو اور اُسپر دستخط ہوں محمد قاسم نے جانا کہ اس پاس کوئی بیش قیمت جواہر یا زیور ہوگا۔ امان نامہ بھی اُسکے ہاتھ میں دیدیا۔ تو اُسنے اپنی ڈاڑھی اور مونچھوں کو کھینچا اور بالوں کو دراز کیا اور پاؤں کی انگلیوں کو اپنے سر سے لگایا اور ناچنے لگا اور یہ کہنے لگا کہ کسی شخص نے یہ میرا عجیب تماشا نہ دیکھا ہوگا ؎ مجھے رشتہ درگردن افگندہ دوست ٭ می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست ٭ محمد قاسم متعجب ہوا جو لوگ وہاں حاضر تھے انھوں نے کہا کہ یہ کیا عجیب تماشا ہی جسکے لیے امان دیجائے اُسنے بہکر فریب دیا۔ محمد قاسم نے کہا کہ قول قول ہی اور عہد عہد ہی اس سے پھر جانا بزرگ آدمیوں کا کام نہیں اشعار مگر تو بداں کز ذو فنون آید مرد ٭ در عہد وفا نگر کہ چون آید مرد ٭ در عہدہ عہد اگر برون آید مرد ٭ از ہر چہ گمان بری فزون آید مرد ٭ اسکو مارنا نہیں چاہیئے قید رکھنا چاہیئے۔ اور حجاج سے یہ حال عرض کرنا چاہیئے۔ اسلئے اُسکو اور اُسکے کنبے کے پانسو آدمیوں کو قیدخانہ میں بھیجدیا۔ اور حجاج کو اسکا حال لکھا۔ حجاج نے کوفہ و بصرہ کے علما سے فتوی لیا اور عبد الملک خلیفہ کو اسکی اطلاع دی جواب خلیفہ اور فتوی علما کا حجاج نے محمد قاسم پاس بھیجدیا جس سے ان قیدیوں کو رہائی ہوئی۔

بعضے بعضے معتبر اسکا یہ بیان کرتے ہیں کہ جی سیات سو سوار اور پیادہ ہمراہ لیکر حصار کو بیچ میں پہونچا۔

افسانہ چوسیہ کے کوریج میں جانے کا

کوریج کے راجہ درو ہر رائے نے اُسکا استقبال کیا اور اُسکی بڑی آو بھگت کی اور اُس سے وعدے خوب کیے اور اُسکی اُمید و نکو بڑھایا اور کہا کہ میں لشکر اسلام سے لڑنے کیلئے تیری مدد کرونگا۔ اس راجہ کا یہ دستور تھا کہ ہر شش ماہی میں ایک روز خلوتخانہ میں عورتوں کے ساتھ شراب پیتا اور ناچ دیکھتا گانا سنتا اور اس مجلس میں کسی اجنبی آدمی کو آنے نہ دیتا۔ یہ ایک اتفاق کی بات تھی کہ چوسیہ اسی روز یہاں آیا کہ یہ عیش و طرب کا دن راجہ کے ہاں تھا۔ راجہ نے اس پاس آدمی بھیجکر کہلا بھیجا کہ آج ہمارے عیش کا دن ہے اور کوئی غیر ہمارے شبستان میں نہیں آسکتا مگر تم ہمارے عزیز مہمان ہو اور بجائے ہمارے فرزند کے ہو تم یہاں قدم رنجہ کرو۔ چوسیہ اس مجلس میں آیا اور عورتوں کے اندر گردن جھکا کر بیٹھ گیا۔ کسی عورت کی طرف نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھا۔ اپنے گرد خط کھینچ لئے جس سے باہر اُسنے نہ دیکھا درو ہر نے کہا کہ یہ عورتیں ماں بہنوں کی بجائے ہیں تم سر اُٹھاؤ اور اُنکو دیکھو۔ چوسیہ نے کہا کہ میں اصل میں جوگی ہوں کسی نامحرم عورت کیطرف دیکھنا مجھے حرام ہے درو ہر نے بھی اُسے عورتوں کے دیکھنے کے لیے کچھ نہیں کہا۔ اور اُسکی پرہیزگاری و زہد پر شاباش کی۔ درو ہر کی بہن جانکی نہایت حسین تھی جب اُس نے چوسیہ کو دیکھا تو وہ بے اختیار اُسپر عاشق ہو گئی۔ لحہ لحہ اُسکو کنکھیوں سے دیکھتی تھی اور کرشموں سے اپنی محبت کو بتلاتی تھی۔ جب مجلس برخاست ہوئی چوسیہ اپنے محل میں گیا تو جانکی اپنے گھر میں گئی اور وہاں بن سنور کر ایک ڈولے میں سوار ہو کر چوسیہ کے پاس پہونچی۔ وہ پڑا سوتا تھا جب جانکی کے منہ سے شراب کی بو اُسکے دماغ میں پہونچی تو وہ جاگا اور پوچھا کہ رانی صاحبہ اسوقت قدم رنجہ فرمانیکا کیا سبب ہے اور یہ کون وقت آنیکا ہے۔ جانکی نے کہا تو بھی عجب احمق ہے۔ اس بات کے پوچھنے کی ضرورت کیا ہے کہ کیوں آئی ہو۔ جب خوبصورت عورت اندھیری رات میں تیری زیارت کو آئے اور تجھ سوتے کو جگائے تو اُسکا مطلب سوائے اس کے کیا ہوگا کہ تو وہ ایک جامہ میں سوئیں خاصکر مجھ جیسی حسینہ کہ جس کے عشق میں ایک عالم دیوانہ ہو رہا ہو تیرے پاس آئے اب آگے شرح و بسط سے حال نہ پوچھ اس اپنی فتح کو صبح تک غنیمت جان۔ چوسیہ نے کہا کہ اے راجہ کی بیٹی مجھے سوائے اپنی منکوحہ حلال عورت کے کسی عورت نامحرم کیساتھ مخالطت کی مجال نہیں ہے مجھ سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔ میں جوگی پرہیزگار ہوں۔ ایسا نالائق کام بزرگوں کے لائق نہیں ہوتا۔ اس گناہ میں خدا کیواسطے مجھے مبتلا نہ کر ہر چند جانکی نے لجاجت کی مگر اُسنے اُسپر التفات نہ کی جب جانکی نا اُمید ہوئی تو اُسنے یہ ارادہ کیا کہ چوسیہ کو ہلاک کر دوں اور خود جلکر مر جاؤں۔ وہ اپنے گھر چلی گئی۔ اور دوسرے روز اٹھوائی کھٹوائی لئے پڑی رہی بھائی بغیر بہن کے منہ دیکھے کھانا نہیں کھاتا تھا جب بہن اپنے وقت پر نہ آئی تو وہ بہن کے دیکھنے کو گیا تو اُس کا چہرہ متغیر پایا۔ حال پوچھا جانکی نے کہا کہ جس احمق سندی نے مجھے آپکی مجلس میں دیکھا تھا وہ کل رات میرے حرم سرا میں آیا اور

ارادہ کیا کہ میرے دامن عصمت کو گرد عصیاں سے آلودہ کرے۔ یہ سنکر درودہر کے سینہ میں غصہ کے مارے آگ لگ گئی اُسنے بہن سے کہا کہ وہ ہمارا مہمان ہی اور جوگی برہمن ہی اور ہم سے استعانت چاہتا ہی ایکہزار جنگی آدمی اُس کے ساتھ ہیں اگر اسکو ظاہر مارتے ہیں تو ہمارے آدمی بھی مارے جائینگے اسلئے بہتر ہی کہ اسکو حکمت سے ماریں تو اُٹھا اور کھانا کھا۔ پس درودہر گھر میں آیا اور اُسنے دو سلاحداروں کو حکم دیا کہ میں پھر دن چڑھے جےسیہ کو بلاؤنگا۔ اور تناول طعام کے بعد خلوت میں اُس سے شطرنج کھیلونگا جسوقت میں یہ کہوں کہ وہ شاہ مات ہوا تو تم جےسیہ کو قتل کر ڈالنا۔ راجہ درودہر راؤ کے خدمتگاروں میں ایک سندی آدمی بھی تھا۔ جب اُسکو یہ خبر ہوئی تو جےسیہ کو اس سازش سے مطلع کیا جےسیہ نے اپنے دو جانداروں سے کہہ دیا کہ میں درودہر کے ہاں جب کھانا کھانے جاؤں تو تم مسلح میرے ساتھ رہنا۔ اگر وہاں تم دیکھو کہ کوئی مجھپر وار کرتا ہی تو تم بھی ہوشیار رہنا۔ غرض جےسیہ اسیطرح درودہر کے ہاں گیا اور شطرنج کی بازی کھیلا درودہر نے سر اُٹھایا تو دیکھا کہ جےسیہ کے دو سپاہی سر پر مسلح کھڑے ہیں تو پشیمان ہوکر یہ کہنے لگا کہ بادشاہ مات نہیں ہوا بھیڑ کو مارنا نہیں چاہیئے۔ جےسیہ وہاں سے اپنے گھر آیا اور دوسرے روز مع اپنے رفقا کے درودہر سے اجازت لئے بغیر کسان میں پہونچا جو جالندھر کی سرحد پہ تھا اور اُسکے راجا کا نام بلہرا تھا جب تک یہیں وہ مقیم رہا کہ عمر عبدالعزیز کی خلافت میں عمر بن سلم خلیفہ کے حکم سے یہاں آیا اور اس ولایت کو اُس نے فتح کیا۔

جےسیہ مردانگی اور فرزانگی میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ اسکی ولایت کی داستان اسطرح بیان کرتے ہیں کہ راجہ داہر شکار کو گیا تھا کہ ایک شیر نظر آیا۔ داہر گھوڑے سے اُترکر پیادہ پا اُسکے مقابل ہوا اور اپنے ہاتھ پر چادر لپیٹ کر شیر کے منہ میں دیدی اور تلوار سے پہلے اُسکے پاؤں قلم کیئے اور پھر پیٹ کو چیر ڈالا۔ لوگ جو اس واقعہ کو دیکھ کر ہول سے بھاگ کر رانی پاس پہونچے اور اُسکو خبر کی کہ راجہ شیر سے لڑ رہا ہی۔ رانی حاملہ تھی جب اُسکو یہ خبر ہوئی تو اپنے خاوند کی غایت محبت کے سبب سے بیہوش ہوگئی اور اُسکی جان ہول کے مارے نکل گئی۔ داہر جب شکار سے گھر میں آیا تو رانی کو مردہ پایا۔ مگر پیٹ میں بچہ زندہ پھرتا نظر آیا۔ رانی کا پیٹ چیر کر اُسے نکال لیا اسلئے جےسیہ اُسکا نام رکھا جسکے معنی عربی میں المظفر بالا اور فارسی میں شیر فیروز ہی۔ (اس سے معلوم ہوتا ہی کہ اسکا نام جےسنگھ ہوگا جسکو عربی کتابوں میں جےسیہ لکھا ہی)

جب الور کے مفرور باشندے مطیع ہوگئے اور اس دارالملک پر پورا تسلط ہوگیا تو محمد قاسم نے رواج بن اسد کو یہاں حاکم اور امور شرعی کے لیئے موسیٰ بن یعقوب کو قاضی مقرر کیا۔ اور اُنکو حکم دیدیا کہ جہاں تک ہوسکے رعیت پروری اور عدل گستری کریں۔ اور امور معروف پر اوامر اور اوامر منکر پر سختی کرتے رہیں۔ اُنکو اختیار مطلق دیکر وہ منزل بمنزل چلا ہوا اور دریائے بیاس کے جنوبی کنارہ پر بابیہ میں پہونچا۔

جےسیہ کی مردانگی اور فرزانگی کا حال

رواج بن اسد کا ۱۰۱ھ میں حاکم مقرر ہونا

یا بیبہ ایک پرانا قلعہ تھا اور یہاں کا رئیس ککسہ بن چندر بن سلائج راجہ داہر کا عم زادہ تھا وہ داہر کیساتھ لڑائی میں شریک تھا اور نہایت خستہ و شکستہ ہو کر اس قلعہ میں آنکر پناہ گیر ہوا تھا اور یہیں کی سکونت اختیار کر لی تھی جب لشکر اسلام سر پر آیا تو امرا اور رؤسا نذریں لے لیکر دوڑے محمد قاسم نے اُنکے حال پر کمال التفات کی اور خلعت فاخرہ اُنکو عنایت کیئے۔ اور اُنسے پوچھا کہ یہ ککسہ کیا خاندان الور میں سے ہے۔ جبکا ہر ایک رکن حکیم عاقل وامین و راستکار ہے۔ اگر ککسہ میرے پاس آجائے تو میں اُسکو اپنا وزیر مقرر کروں۔ ککسہ ہند میں بڑا عالم و حکیم تھا وہ محمد قاسم کی خدمت میں حاضر ہوا محمد قاسم ہمیشہ اُسکو اپنے تخت کے آگے بٹھاتا اور اُس سے مشورے لیتا۔ اُسکو تمام سپہداروں اور لشکر کا پیشوا بنایا۔ اموال نواحی کی تحصیل اُسکو سپرد کی۔ خزانہ کی کنجیاں اور اپنی مہر اُسکو حوالہ کی۔ غرض وہ سب کاموں میں محمد قاسم کا مشیر تھا اسلئے اسکا نام مبارک مشیر مشہور تھا۔

جب ککسہ کے ساتھ معاملات یوں طے ہوئے تو محمد قاسم قلعہ کو چھوڑکر دریائے بیاس کے پار گیا اور حصار اسکلندہ پر پہنچا۔ اہل حصار عرب کے لشکر سے لڑنے کیلئے باہر آئے۔ رواح بن عمرہ الطیفی وککسہ لشکر کے پیش رو تھے۔ ایسی سخت لڑائی آن پڑی کہ طرفین سے خون کے نالے بہنے لگے۔ صبح کی نماز کے وقت اہل عرب اللہ اکبر کا نعرہ مارکر حملہ آور ہوئے تو دشمن پس پا ہوئے اور قلعہ کے اندر گھس گئے پھر لشکر عرب نے حصار پر تیروں کا مینہ برسا دیا منجنیقوں سے دیواروں پر پتھروں کی بوچھار لگا دی یہ جنگ سات روز تک اسطرح جاری رہی۔ امیر ملتان کا بھتیجا یہاں سردار تھا اُس نے مسلمانوں پر بھی ایسے حملے کیئے کہ کھانے پینے کی تنگی ہونے لگی مگر آخر کار رات کو اسکلندہ کا راجہ بھاگ کر سکہ ملتان میں چلا گیا۔ سکہ ایک بہت بڑا قلعہ دریائے راوی کے جنوب میں ہے۔ بجہرہ یہاں کا راجہ تھا۔ جب راجہ سکہ کو چلا گیا تو رعایا دکاریگروں و اہل تجارت نے پیغام محمد قاسم پاس بھیجا کہ ہمارا والی چلا گیا اب آپ ہمارے والی ہیں۔ اور ہم آپ کی رعیت ہیں۔ محمد قاسم نے اہل تجارت و اہل زراعت و اہل صنعت کو امان دی مگر قلعہ میں آنکر چار ہزار ہتھیار بند سپاہیوں کو قتل کیا اور اُنکے اہل و عیال کو بردہ بنایا۔ اور قلعہ کا حاکم عتبہ بن سلمہ تمیمی کو مقرر کیا۔ اور اب وہ مع لشکر کے سکہ ملتان کی طرف سے متوجہ ہوا۔ جب حصار کے سامنے لشکر عرب آیا تو اہل حصار باہر نکلکر لڑنے لگے سترہ روز تک ہنگامہ کارزار خوب گرم رہا۔ محمد قاسم کے پچیس دوست اس لڑائی میں شہید ہوئے اور لشکر شام میں سے دو سو پندرہ آدمی مارے گئے۔ بجہرہ دریائے راوی عبور کرکے ملتان چلا گیا۔ محمد قاسم نے اپنے یاروں کے مارے جانے کے سبب قسم کھائی تھی کہ میں اس قلعہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دونگا اور سارا منہدم کرا دونگا۔ اُس نے حکم دیدیا کہ سارے شہر کو برباد کردیں اور وہ خود شہر کے نیچے جو گھاٹ تھا اُترکر ملتان پہونچا۔ بجہرہ لڑنے کے لئے سامنے ہوا۔ گھاٹ پر

کسکہ کا محمد قاسم کے پاس آنا

حال اسکلندہ

حال ملتان

دشمنوں سے لڑائی صبح سے شام تک رہی جب رات ہوئی تو دونوں لشکر اپنے قیام گاہ میں چلے گئے۔ دوسرے روز پھر جنگ کا ہنگامہ جنگ گرم ہوا۔ طرفین سے بہت آدمی کشتہ ہوئے اور اسیطرح یہ لڑائی دو مہینے تک قائم رہی حصار کے اوپر سے تیر اور منجنیقوں سے پتھر آتے رہے جس سے لشکر اسلام میں غلہ نہایت گراں ہوگیا۔ یہانتک کہ گدھی کی سری پانچ درم کو فروخت ہوتی تھی۔ راجہ گور سیہ پسر چندر چچ کے بھائی داہر نے دیکھا کہ لشکر عرب ایسا مستقل ہے کہ اُسکا دل کسی طرح مضطر نہیں ہوتا اور ہمکو کسیطرف سے مدد کی امید نہیں اسلئے یہاں سے وہ کافور ہوا اور راجہ کشمیر پاس چلا گیا۔ دوسرے روز پھر لشکر عرب سے لڑائی ہوئی۔ اہل عرب کو کوئی جگہ ایسی نہیں ملتی تھی کہ نقب لگائیں حصار میں سے ایک شخص آیا اور امان چاہی۔ محمد قاسم نے اُسے امان دی اُسنے دریا کے شمالی جانب میں سُرنگ لگانیکی جگہ بتلا دی وہاں سرنگ کھودی گئی دو تین دن میں حصار کی دیوار گر پڑی اور حصار فتح ہوگیا۔ چھ ہزار جنگی سپاہیوں کو قتل کیا اور اُنکے اہل و عیال کو لونڈی غلام بنایا۔ اہل تجارت و زراعت و صنعت کو امان دی۔ محمد قاسم نے یہ کہا کہ خلیفہ کے خزانہ میں غنیمت بھیجنی چاہیے مگر اس قلعہ کی فتح میں سپاہیوں نے بڑی مدت تک طرح طرح کی آفتیں سہی ہیں مصیبتیں اُٹھائی ہیں اور جانیں لڑائی اور کھپائی ہیں اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ساری غنیمت سپاہیوں میں تقسیم ہو۔

تمام اکابر اور اعیان شہر جمع ہوئے اور ساٹھ ہزار درم وزن میں چاندی تقسیم ہوئی ہر سوار کے حصہ میں چاندی چار سو درم وزن میں آئی۔ محمد قاسم نے کہا کہ اب دار الخلافہ کے خزانہ کیلئے بھی مال کے حاصل کرنیکی کوئی تدبیر سوچنی چاہیئے۔ وہ اس معاملہ میں متفکر تھا کہ ناگاہ ایک برہمن آیا اور اُسنے کہا کہ اب ہندوؤں کا خاتمہ ہوا۔ اسلام کا نور سارے عالم میں چمکا۔ بتکدے مسمار ہوئے مساجد و منابر تعمیر ہوئے۔ میں نے ملتان کے بزرگوں سے یوں سُنا ہے کہ پہلے زمانہ میں اس شہر میں لئے کشمیر کی اولاد میں سے جسوبن نامی راجہ تھا اور وہ برہمن اور جوگی تھا اور اپنے مذہب کا بڑا پکا تھا۔ اور رات دن بتوں کی پوجا میں لگا رہتا تھا جب اُسکے خزانہ میں بیشمار روپیہ جمع ہوگیا تو اُسنے ملتان کی مشرقی سمت میں ایک حوض سو گز سے سو گز بنوایا اور اُسکے گرد درخت لگوائے اور بیچ بیچ میں ایک بتکدہ پچاس گز سے پچاس گز تعمیر کرایا اور اُس میں ایک بُت زر سرخ کا بنوا کر رکھا اور چالیس دیگیں تین سو تیس من سونے کے ٹکڑوں سے بھر کر اُن کے نیچے دفن کیں۔ محمد قاسم یہ سنکر مع اپنے خواص و رفقا کے اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس بتکدہ میں گیا۔ وہاں ایک سونیکا بُت دیکھا جس کی آنکھیں یاقوت سرخ کی تھیں۔ محمد قاسم نے یہ جان کر کہ شاید وہ آدمی ہو میان سے تلوار اُسکے مارنے کے لئے کھینچی کہ اس برہمن نے کہا کہ اے امیر عادل یہ تو وہی بُت ہے جسکو راجہ جسوبن نے طیار کیا تھا اور اُسکے نیچے سونا دفن کیا تھا۔ محمد قاسم نے اس بُت کو اُٹھوا کر تُلوایا تو اُسکے سونے کا وزن دو سو تیس من نکلا

اور پھر چالیس دیگیں سونے کی بھری ہوئی نکالیں تو تیرہ ہزار دو سو من انمیں سونا نکلا۔ اس سونے اور بت کو خزانہ میں داخل کیا اور اُسکے ساتھ مروارید اور جواہر بھی کہ شہر ملتان کی غنیمت میں آئے تھے شامل کئے۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ جس روز بتخانہ کے سونے پر قبضہ ہوا تھا اُسی روز حجاج کا خط اس مضمون کا آیا کہ اے ابن عم جس روز تجکو لشکر دیکر روانہ کیا تھا تو میں اسکا ضامن ہوا تھا کہ اس لشکرکشی اور مہم میں جتنا روپیہ خرچ ہوگا اتنا روپیہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کے خزانہ میں داخل کرونگا۔ اب اس روپیہ کا ادا کرنا مجھ پر واجب ہے۔ آجکی تاریخ تک مفصل و مجمل حساب معلوم ہوا ہے کہ ساٹھ ہزار درم وزن نقرہ تیرے خرچ میں آچکا ہے اور ساری غنیمت نقود و اجناس ایک لاکھ اٹھائیس ہزار درم وزن نقرہ پہنچ چکے ہیں۔ تمکو چاہیے کہ جہاں کوئی مشہور قصبہ یا شہر ہو وہاں مساجد و منابر تعمیر کراؤ اور خلافت کے نام کا خطبہ پڑھواؤ اور سکہ جاری کراؤ۔ اب تک تم کو اپنے اقبال اور نصیبہ کی یاوری سے اور لشکرکشی سے جو کچھ حاصل ہوا ہے اُس سے یہ توقع ہوتی ہے کہ آیندہ بھی جس طرف جاؤگے فتح تمہارے آگے آئیگی۔

تمام رؤسا و شرفا شہر سے محمد قاسم نے عہد و پیمان کا فیصلہ کرلیا پھر یہاں ایک جامع مسجد تعمیر کرائی جسکے مینار بڑے بلند تھے امیر داؤد بن نصر بن ولید عمانی کو امیر ملتان مقرر کیا۔ خریم بن عبدالملک بن تمیم کو دریائے جہلم کے کنارہ پر قلعہ برہمپور میں اور عکرمہ بن ریحان شامی کو سوادِ ملتان میں اور احمد بن حریمہ بن عتبہ مدنی کو حصار راجہاہو اور کرو میں حاکم مقرر کیا۔ کشتیوں میں خزانہ لادکر دیبل میں بھیجا کہ وہاں سے وہ دارالخلافہ کے خزانہ میں پہونچایا جائے اور وہ خود ملتان میں ٹھہرا۔ اب پچاس ہزار سوار کے لشکر پر وہ حکمران تھا۔

محمد قاسم نے ابوحکیم شیبانی کے ساتھ دس ہزار سوار ہمراہ کرکے قنوج روانہ کیا تاکہ وہ خلیفہ کے اس حکم عام سے یہاں کے راجہ مطلع کردے کہ یا وہ اسلام قبول کرے یا جزیہ دینا منظور کرکے عہد و پیمان کرلے۔ اور وہ خود لشکر لیکر کشمیر کی حد کیطرف روانہ ہوا جسکو پنج ماہیات کہتے ہیں۔ یہاں سرحد پر پہونچکر وہ درخت صنوبر و بید کے دیکھے جو راجہ چچ نے یہاں اپنی سرحد پر لگائے تھے۔ اب اس نے پھر اس حد کی تجدید کی اور سرحد کے نشانوں کو از سر نو جگادیا۔ اسوقت قنوج میں راجہ ہری چند پسر راجہ جی چند ہج کرتا تھا۔ ابوحکیم شیبانی جب اردھا پور میں پہونچا تو اُسنے زید بن عمرو الکلابی کو سفیر بناکے راجہ قنوج پاس بھیجا کہ وہ خلیفہ کے حکم (اسکا ذکر اوپر ہوچکا ہے) سے راجہ کو مطلع کرے اور اس سے کہدے کہ سمندر سے لیکر کشمیر کی حد تک جتنے راجہ فرمانروا ہیں وہ سب اسلام کے مطیع اور امیر عمادالدین محمد قاسم لشکرکش عرب کے محکوم ہیں۔ اور وہ خراج دیتے ہیں اور بعض مسلمان ہوگئے ہیں۔

جب سفیر نے راجہ ہری چند کو ان پر مطلع کیا تو اُسنے یہ جواب دیا کہ اس ملک میں سولہ سو برس سے

ہمارا راج چلا آتا ہے اس عرصہ میں کسی مخالف کا یہ حوصلہ نہیں ہوا کہ ہماری سرحد پر قدم تو رکھ سکے یا کسیطرح کی
دست درازی کر سکے یا ہم سے مخاصمت کرے ہم تمہارے باطل خیالات اور محال مقالات سے کب اندیشہ کرتے ہیں
اگرچہ پیام آوروں کو مقید کرنا جائز نہیں ہے مگر تیری قیل وقال و دعوی محال ایسے ہیں کہ تیرا قید کرنا جائز ہے جس سے
اور مخالفین کو عبرت ہو اب تو اُلٹے پاؤں اپنے امیر پاس چلا جا اور اُس سے کہدے کہ تم ہمارے سامنے آؤ تا کہ
طرفین کی شجاعت کے جوہر کھلجائیں اور قوتیں تُل جائیں کہ کس کا پلڑا بھاری ہے۔ کس کا رعب کس پر چھایا ہے۔ کسکی
ہیبت کس پر طاری ہوتی ہے اُسوقت ہماری تمہاری صلح جنگ کا فیصلہ ہوگا۔ محمد قاسم پاس جب سفیر یہ پیغام
لایا تو اُس نے اپنے سب اکابر و اعیان و امرا و سپہدار و شجاع جمع کیے اور اُنسے یوں مخاطب ہوا کہ اب تک
خدا تعالی کے فضل و کرم سے اسلام کو فتح و ظفر نصیب ہوئی ہے۔ سارے راجاؤں کو شکست دی ہے۔ راجہ قنوج
سے جسکو اپنے لشکر اور ہاتھیوں پر بڑا گھمنڈ ہے ہم لڑینگے تو انشاء اللہ قوت الٰہی سے فتح پائیں گے۔ محمد قاسم کی
اس بات کو سب اہل مجلس نے تسلیم کیا اور لڑنے کی طیاریاں کرنے لگے۔

یہاں لڑائی کیلئے یہ سرگرمیاں اور تیاریاں ہو رہی تھیں وہاں پردۂ غیب سے اور ہی گل کھلا کہ صبح کیوقت ایک
سانڈنی سوار خلیفہ کا پروانہ لایا جسکی روایت محمد بن علی ابو الحسن یہ بیان کرتے ہیں کہ جب راجہ داہر مارا گیا تھا تو اُسکے
محل میں دو دوشیزہ دختر اُسکی اسیر ہوئی تھیں۔ محمد قاسم نے اُنکو بغداد حبشی خادموں کی حراست میں خلیفہ پاس بھیجدیا
خلیفہ نے اپنی حرم سرا میں داخل کیا کہ وہاں سفر کی تکان و ماندگی سے آسودہ ہوں۔ کچھ مدت کے بعد خلیفہ کو یہ دونوں
لڑکیاں یاد آئیں جنکو اُنھیں بُلایا اور ترجمان کو حکم دیا کہ اُنسے وہ پوچھے کہ بڑی کونسی ہے اور چھوٹی کونسی بڑی ٹھہر
جائے اور چھوٹی چلی جائے وہ کسی اور شب کو بلائی جائیگی۔ ترجمان نے اُنسے نام پوچھا بڑی نے کہا کہ میرا نام
سوریا دیبی ہے۔ اور چھوٹی نے کہا کہ میرا نام پرمل دیبی ہے۔ بڑی کو خلیفہ نے اپنے پاس بلا لیا۔ چھوٹی رخصت کیا
سوریا دیبی کے چہرہ پر سے جب خلیفہ نے نقاب اُٹھایا تو وہ حسن و جمال کا جلوہ نظر آیا کہ دل بے اختیار اُسپر عاشق زار
ہوگیا۔ جب وصل کا وقت قریب آیا تو سوریا دیبی بولی کہ میں اپنی بدنصیبی سے حضور کے قابل نہیں رہی محمد قاسم نے تین
روز تک میری بہار لوٹی ہے اور دست تصرف دراز کیا ہے جب یہاں بھیجا ہے۔ آپکے ہاں یہی دستور ہوگا بادشاہوں کو
ایسا فضیحت ہونا دیا نہیں۔ خلیفہ عشق میں دیوانہ ہوکر از خود رفتہ ہو ہی رہا تھا کہ یہ باتیں سنتے ہی قلم دوات کاغذ
منگا اپنے ہاتھ سے یہ پروانہ لکھ بھیجا کہ محمد قاسم جہاں ہو وہ اپنے تئیں گائے کی کچی کھال میں بند کرکے یہاں
اپنے تئیں پہونچا دے۔ محمد قاسم اودھاپور میں تھا کہ یہ حکم اُس پاس پہونچا۔ اُس نے پروانہ پڑھ کر کہا کہ حکم کی

پروانہ دارالخلافہ اور محمد قاسم کی وفات

تعمیل ہو۔ وہ زندہ چرم خام میں سیا گیا اور صندوق میں بند کیا گیا۔ صندوق خلیفہ ولید کے حضور میں لایا گیا تو اُسنے
پوچھا کہ محمد قاسم زندہ ہی یا مردہ اُسنے جواب دیا کہ حسب الحکم جب محمد قاسم چرم خام میں بند کیا گیا تو وہ دوسرے روز
مرگیا۔ مگر ملک سندھ میں اُسکے مرنے سے کچھ خرابی نہیں ہوئی۔ ملوک و امرا اپنے اپنے علاقوں کا انتظام بخوبی رکھتے
ہیں اور منصب دار اپنے کاموں کو بڑی تن دہی سے انجام دیتے ہیں۔ خلیفہ کے نام کا خطبہ بدستور پڑھا جاتا ہی۔ خلیفہ نے
صندوق کو کھلوایا اور ان لڑکیوں کو بلایا۔ خلیفہ کے ہاتھ میں ایک سبز شاخ حنا کی تھی وہ محمد قاسم کے دانتوں کو لگا کے
کہا کہ اے لڑکیو تم نے دیکھا کہ ہمارا حکم ہمارے گماشتو پر کیسا نافذ ہی کہ جسدم محمد قاسم پاس ہمارا حکم پہونچا اُسی دم اُس نے
ہمارے فرمان پر اپنی جان قربان کردی۔ دونوں لڑکیاں لاش کو خوشی خوشی دیکھتی تھیں اور پہچانتی تھیں کہ وہی محمد قاسم
ہے خلیفہ کو ماتھا ٹیک ٹیک کر اور ہاتھ اُٹھا اُٹھا دعائیں دیتی تھیں کہ وہ ہمیشہ جیتا رہی۔ خلیفہ کو دعائیں دیتے دیتے
یہ کہنے لگیں کہ بادشاہ عادل پر لازم ہے کہ وہ خطرناک کاموں کو بہت سوچ سمجھا کیا کرے اور دوربینی کو اپنی کام میں
لایا کرے۔ دوست دشمن سے جو بات سُنے اُسمیں امتحان اور تحقیق کے بعد عدل کے موافق حکم دیا کرے۔ دنیا میں
برون آباد اور درون خراب آدمی بہت ہیں۔ راستی کمیاب عدنا راستی فراوان ہی۔ جب خلیفہ نے ان فقروں کا
مطلب اُنسے پوچھا تو اُنھوں نے صاف صاف بیان کیا کہ محمد قاسم بالکل بیگناہ تھا وہ ہمارے باپ اور بھائی کی جگہ تھا
اُسنے ہم کو اُنگلی بھی اپنی نہیں لگائی۔ ہمنے انتقام لینے کے لئے یہ تہمت اُسکے ذمہ لگائی تھی۔ اُسنے ہماری باپ کو مارا
سارے خاندان کی دولت حکومت عزت خاک میں ملائی۔ ہمکو بیخانماں کرکے جلا وطن کیا۔ رانی سے لونڈی بنایا
پس اب ہماری مرادیں پوری ہوئیں۔ اگر محمد قاسم میں عقل ہوتی تو یہاں آتا اور ایک روز رہتا پھر چرم خام میں کھچوانا
تو زندہ رہتا اور یقینی خلاص ہوتا۔ مگر اس احمق کی یوں جان جانی تھی اور خلیفہ کے انصاف پر یہ بٹہ لگنا تھا کہ دو لونڈیوں
کے کہنے میں آن کر اس بیگناہ جوانمرد کو مار ڈالا جس نے ہندوستان کے راجاؤنکو معزول کرکے اُسکی سلطنت کا سکہ جمایا
لاکھ لونڈیاں اُسکی خدمت میں بھیجیں مندروں کو مسمار کرکے مسجدیں بنوائیں۔ اُنمیں خطبہ اُسکے نام کا پڑھوایا۔ خلیفہ نے
جب باتیں سُنیں تو نہ پوچھو کہ ندامت کے مارے اُسپر کیا گزری۔ کاٹو تو بدن میں خون نہ تھا۔ سناٹے کے عالم میں تھا ایک
گھنٹہ تک بیہوش رہا۔ جب ہوش میں آیا تو یہ حکم دیا کہ ان لڑکیوں کو گھوڑوں کی دُم سے باندھ کے شہر میں تشہیر
کرکے رود دجلہ میں پھینک دیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حکم دیا کہ زندہ دیواروں میں چنوا دیں۔

محمد قاسم دمشق میں دفن ہوا۔ اُسکی وفات کا افسانہ جو افسوس ناک لکھا ہی وہ چچ نامہ اور میر معصوم کی تاریخ کی نقل
کیا گیا ہی۔ مگر فتوح البلدان میں یہ لکھا ہی کہ خلیفہ ولید حجاج کے بعد جمادی الاول ۹۶ھ؁ میں اس دنیا سے رحلت کرگیا

سلیمان خلیفہ ہوا جسکے حکم سے محمد قاسم معزول ہو کر بُلا یا گیا قید ہوا۔ پاؤں میں بیڑیاں پڑیں شکنجہ میں کھینچا گیا غرض یہاں تک اُسکو اذیتیں پہونچائی گئیں کہ جان نکل گئی۔ وہ کل سوا تین برس ہندوستان میں رہا۔ محمد قاسم کے اس طرح مار ڈالنے سے خلیفہ کو اپنے دوستوں کو اعلیٰ عہدوں پر سرفراز کرنے کا موقع ملا۔ افسانہ وفات سب سے اول چچ نامہ میں لکھا گیا ہے۔ فتوح البلدان کا بیان زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ محمد قاسم کے دونوں مربی حجاج اور ولید مر چکے تھے سلیمان جو حجاج سے عداوت قلبی رکھتا تھا خلیفہ ہو گیا تھا اُسنے محمد قاسم کو شکنجہ فرسائی سے مار ڈالا۔ بعض انگریز مورخ محمد قاسم کی وفات پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ گائے کی کھال میں سلوانے کی تعزیر اہل تاتار کے ہاں مروج تھی اہل عرب کا یہ دستور نہ تھا۔ مگر پھر انگریز مورخ ہی اسکا جواب دیتے ہیں کہ عرب کی تاریخ میں ایک مثال اس زمانہ سے پہلے کی موجود ہے کہ حجاج نے حاکم مصر کو گدھے کی کھال میں سلوا کر دونوں کو جلوا دیا تھا۔ غرضکہ گاؤ آمد و خر رفت سے کچھ کام نہیں ہے۔ اس میں کچھ شبہ کرنے کی جگہ نہیں ہے کہ خلیفہ سلیمان نے موسیٰ سے بھی جس نے سپین کو فتح کیا تھا محمد قاسم ہی کا سا سلوک کیا تھا۔ محمد قاسم ایسا ہر دل عزیز تھا کہ جب وہ واپس بُلایا گیا ہے تو اہل ہند اُس کے لئے روتے تھے اور کیرج میں اُسکا بُت بنا کے پوجنے کے لئے رکھا۔

خلیفہ ہفتم سلیمان نے محمد قاسم کی جگہ یزید مقرر کیا۔ وہ یہاں سندہ میں آکر صرف اٹھارہ روز زندہ رہا ہند کے راجاؤں نے سرکشی اختیار کی تھی۔ داہر کے بیٹے جیسیہ نے برہمن آباد پہ قبضہ کر لیا۔ سندھ کے مورخ کہتے ہیں کہ محمد قاسم کے جانے سے دو برس کے اندر بہت سا ملک محمد قاسم کا فتح کیا ہوا اہل ہند نے مسلمانوں کے قبضے سے نکال لیا۔ دریائے سندھ کے کنارہ پر جب داہر مقیم ہوا اُس نے ایک قوم کو جو برسر مقابلہ آئی ایسی شکست دی کہ الور کے باشندے اُسکے مطیع ہو گئے۔ عامر بن عبد اللہ کو لکھا ہے کہ اس خلافت میں وہ سندھ کا حاکم رہا۔

خلیفہ سلیمان ۹۹ھ میں دنیا سے رخصت ہوا۔ اور عمر بن عبد العزیز اُسکا جانشین ہوا۔ اسنے ہندوستان کے سلاطین و امرا کو خطوط اس مضمون کے لکھے کہ تم اسلام قبول کرو تاکہ تمکو سارے حقوق مثل مسلمانوں کے حاصل ہو جائیں تم ہمارے ساتھ اتحاد و وداد کا عہد و پیمان کر لو ہم تمہارے سب طرح محافظ رہینگے۔ ان امرا و شہزادوں نے ان اقرار کو اور مسلمانوں کے عقیدہ عقائد و خصائل کو سُنا۔ داہر کا بیٹا جیسیہ اور اور امیرزادے مسلمان ہو گئے اور اُنھوں نے اپنے ہندی ناموں کو بدل کر عربی نام رکھے۔ یہاں کی سرحد پر نائب خلیفہ عمر بن مسلم الباہلی مقرر ہوا۔

یزید بن عبد الملک کے زمانہ میں سندھ میں المہلب کے بیٹے بھاگ کر چلے آئے اُنکے تعاقب میں خلیفہ نے ہلال بن احوز التمیمی کو بھیجا اُسنے قندابیل میں مہلب کے بیٹے مدرک کو مار ڈالا۔ اور اُسنے مہلب کے اور چار بیٹوں کو اور معاویہ بن یزید کو بھی لٹکا دیا

کو مہلب کا خاندان یوں تباہ ہوا مگر پھر یزید مہلبی پچاس برس افریقہ میں فرمانروا مقرر رہا اور اسکا بیٹا داؤد سندھ میں حاکم مقرر ہوا۔ ہند کی سرحد پر بجائے عمرو کے جنید بن عبدالرحمن المری حاکم مقرر ہوا۔ اسکو عمر حاکم عراق نے مقرر کیا تھا۔ مگر خلیفہ ہشام نے بھی اسکو برقرار رکھا۔ دیبل میں جنید گیا اور یہاں سے مہران پر کنارہ پر پہنچا مگر جے سیہ پسر داہر نے اسکو عبور کرنے سے روکا اور اس سے یہ کہلا بھیجا کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں اور خلیفہ کیطرف سے میں یہاں کا حاکم مقرر ہو گیا ہوں اور ایک عمدہ آدمی نے مجھے یہاں مستقل کیا ہی مگر تجھے مجھ پر کچھ اعتماد نہیں ہی۔ ان دونوں کے آپس میں قول و قرار ہو گئے اور جے سیہ پر جو زر مالگذاری واجب الادا تھا وہ اُسنے ادا کر دیا۔ پس دونوں نے اپنے عہد و پیمان کی اسناد دیدی تو جے سیہ اپنے عہد سے پھر گیا اور لڑائی کی تیاری کی بعض کہتے ہیں کہ جنید نے عہد شکنی کی۔ جے سیہ نے لڑائی کے لئے پیش قدمی نہیں کی بلکہ جنید نے کی۔ جے سیہ نے فوجوں کو جمع کیا اور جہازوں کو لڑائی کے لئے طیار کیا۔ جنید بھی جہاز لیکر لڑنے کو طیار ہوا۔ نہر شرقی میں بحری لڑائی ہوئی۔ جے سیہ کے جہاز سب برباد ہوئے وہ قید ہوا اور پھر قتل۔ اُسکا بھائی سعے عراق اسلئے گیا کہ وہاں پر جنید کی دغابازی کی شکایت کرے مگر جنید نے اپنے جھوٹے وعدوں میں پھسلایا اور اُسکو بھی دغا سے مار ڈالا۔ پھر جنید نے کیراج پر حملہ کیا یہاں کے آدمیوں نے بغاوت اختیار کی تھی۔ اُسنے منجنیقوں سے کیراج کی فصیل کے ٹکڑے اُڑا دیئے اور حملہ کر کے شہر کو لے لیا۔ پھر اُسنے اپنے افسروں کو مارنداسمنڈل۔ دہنج۔ بروج میں بھیجا۔ جنید کا یہ قول تھا کہ شجاعت سے مرنا بُزدلی کے جینے سے بہتر ہے اُسنے اُجین پر لشکر کشی کی۔ مالوہ کے ملک پر ایک بیر لشکر روانہ کیا۔ اُجین پر حملے کئے اور بہرہ مد کی نواح کو جلا دیا۔ جنید نے گجرات اور بیلمان کو بھی فتح کر لیا۔ بہرحال اُسنے اپنی فتوح سے بہت غنیمت اور دولت حاصل کی۔

سنہ ۱۱۱ھ میں جنید کی جگہ تمیم بن زید العتبی مقرر ہوا جسکو پہلے سند میں حجاج نے بھی بھیجا تھا دلغ اور جسم اسکے دونوں ضعیف تھے۔ وہ دیبل کے قریب مینق آب میں مر گیا۔ اس مینق آب کی وجہ تسمیہ یہ بیان کیجاتی ہی کہ مورروں کے بھینسے ڈر کر اس پانی میں چھپی تھیں۔ تمیم ایک بڑا فیاض عرب تھا۔ اُسنے ایک کروڑ اسی لاکھ تاتاری درہم جو خزانہ سندھ میں تھے خرچ کر ڈالے۔ تمیم کے عہد میں بہت سے مسلمانوں نے ہند کے مختلف حصوں کو خالی کر دیا اور پھر اس زمانہ کے بعد وہاں آن کر ایسے نہیں آباد ہوئے جیسے کہ پہلے آباد ہوئے تھے۔

تمیم کی جگہ حکم بن عوانہ الکلبی مقرر ہوا کہ سوا اور ہندوؤں نے پھر بت پرستی شروع کر دی تھی مسلمانوں کیلئے کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی۔ اُسنے ایک شہر نہر کے مشرقی کنارہ آباد کیا اور اُسکا نام المحفوظہ رکھا اور وہاں رہنا شروع کیا۔

حکم کے ہمراہ عمرو بن محمد بن قاسم تھا۔ حکم نے اس اپنے ہمراہی کو بزرگ کاموں کا اہتمام سپرد کیا اور المحفوظہ سے باہر لشکرکشی کے لئے روانہ کیا۔ اُسنے فتوح حاصل کیں اور امیر کا خطاب اُسکو ملا۔ اُسنے نہر کے اس طرف ایک شہر آباد کیا اور

ہشام بن عبدالملک ۱۰۵-۱۲۵ھ / ۷۲۴-۷۴۳ء آخر خلیفہ بنی امیہ مروان ثانی ابن محمد بن مروان ۱۲۷-۱۳۲ھ / ۷۴۴-۷۵۰ء

اسکا نام المنصورہ رکھا جہیں پیچھے حاکم رہنے لگے۔ حکیم نے دشمنوں کے ہاتھوں سے وہ سارے مقامات لے لئے جو انھوں نے فتح کر لئے تھے۔ اور اُسنے سارے ملک کو راضی و خوش کر دیا جسپر خالد نے متعجب ہو کر کہا کہ یہ بڑا حیرت کی بات ہے کہ جب میں نے اس ملک پر بڑا سخی فیاض حاکم تمیم کو بھیجا تو سارا ملک اُس سے نفرت کرتا تھا اور جب میں نے ایک نہایت خسیس کو حاکم مقرر کیا تو سارا ملک اُس سے راضی ہو گیا۔ حکیم یہیں مارا گیا۔ بعد اسکے یہاں متواتر حاکم مقرر ہوتے رہے وہ دشمنوں کو قتل کرتے رہے اور جو کچھ اُنکے ہاتھ لگا اسے لیتے رہے۔ سرکشوں کو دبا کر مطیع کرتے رہے کہ خاندان امویہ کا خاتمہ ہوا اور خاندان عباسیہ کا آغاز ہوا۔

خاندان عباسیہ

جب خاندان عباسیہ کو خلافت حاصل ہوئی تو ابو مسلم نے سرحد سندھ کی حکومت پر عبد الرحمٰن کو مامور کیا۔ یہ سندھ میں طخرستان کی راہ سے آیا اور سرحد پر منصور بن جمہور سے مڈبھیڑ ہوئی۔ یہ منصور خاندان بنی اُمیہ کی طرف سے آخر حاکم یہاں کا تھا۔ عبد الرحمٰن کی سپاہ بھاگ گئی اور اسکو شکست فاحش ہوئی اور اُس کی جان بھی گئی۔ ابو مسلم نے موسیٰ بن کعب التمیمی کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ منصور و موسیٰ آمنے سامنے آئے دریائے مہران اُنکے درمیان حائل تھا۔ دونوں رقیبوں میں خوب مقابلہ ہوا۔ منصور کا لشکر دشمن کے لشکر سے بہت زیادہ تھا مگر مجبوراً وہ بھاگا۔ اُس کا بھائی منظور مارا گیا اور وہ خود بھی ریگستان بھاگ کر پیاس کے مارے مر گیا۔ موسیٰ نے اچھی طرح سندھ میں حکومت کی۔ شہر منصورہ کی مرمت کی اور مسجد کو وسیع کیا اور ساری لڑائیوں میں فتحمند رہا۔

۱۴۲ھ کے قریب خلیفہ منصور نے سندھ میں ہشام بن عمر التغلبی کو حاکم مقرر کیا۔ اُسنے وہ ملک فتح کئے جو اب تک مسلمانوں کو آگے نہیں بڑھنے دیتے تھے۔ اُسنے عمرو بن جمل کو بیڑہ جہازوں کا جسکو عربی میں بوارج کہتے ہیں سپرد کرکے براوہ کے کنارہ پر بھیجا۔ خلیفہ نے ایک اور لشکر جرار ہند میں بھیجا جسنے کشمیر کو فتح کیا اور بہت سے دشمنوں کو قید کیا اور غلام بنایا۔ اُس نے ملتان کو بھی زیر کیا اور قندابیل میں جو ایک گروہ عرب کا رہتا تھا اُسے مغلوب کیا۔ وہ کشتیوں میں بیٹھکر قندھار گیا اور اُسکو فتح کیا (قندھار سے مراد یہاں کاٹھیاوار ہے) یہاں کے بدھ کے مندر کو برباد کرکے مسجد تعمیر کرائی۔ اُس کے عہد حکومت میں چیزوں کی ارزانی اور فراوانی رہی اُسنے حدود سلطنت کو وسعت دی اور اپنے احکام کو نافذ کیا اور کل ملک میں عام اُسکے عہد میں نہایت خوشحال و فارغ البال رہی۔ ہشام کی جگہ پھر عمر بن حفص بن عثمان ہزار مرد مقرر ہوا۔ اور ۱۵۱ھ میں افریقیہ میں تبدیل ہوا جہاں ۱۵۴ھ میں وفات پائی اور اُسکی جگہ یزید بن حاتم مقرر ہوا اور اُسکا بھائی روح سندھ میں ۱۵۴–۱۵۵ھ میں حاکم مقرر ہوا۔

(۱) السفاح ابوالعباس ۱۳۲–۱۳۶ھ / ۷۵۰–۷۵۴ء – (۲) المنصور ابوجعفر عبداللہ ۱۳۶–۱۵۸ھ / ۷۵۴–۷۷۵ء

خلیفہ ہارون الرشید

اس خلیفہ کے عہد میں سندھ سے حاکموں کی تبدیلیاں افریقہ میں اور افریقہ سے سندھ میں ہوئیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ اپنی وسعت سلطنت پر کیسی دقیق نگاہ رکھتے تھے کہ جس حاکم کو جانتے تھے کہ یہاں یہ خوب لڑیگا وہاں بھیجدیتے تھے

اس خلافت میں سندھ میں کئی حاکم بدلے گئے۔ ابو تراب یا حاجی تراب حاکم مقرر ہوا اُسنے ضلع ساکورہ میں نہایت مضبوط قلعہ ققر الو کو فتح کیا اور شہروں کو اور بھیم پور کو اور بعض اور مقامات کو مغربی سندھ میں فتح کر لیا۔ اُسکا مقبرہ ٹھٹہ سے جنوب مغرب میں ۸ میل پر موجود ہے کتبہ پر ۱۷۱ھ لکھا ہے وہاں اُسکی زیارت کو لوگ جاتے ہیں۔

اس خلافت میں ابو العباس بھی بہت دنوں تک سندھ میں حاکم مقرر رہا غرض اس عہد خلافت میں ملک سندھ میں حکومت ایسی شان و شوکت کی رہی کہ شمالی ہند میں بھی راجاؤں کے دل پر اثر ہوا اور خاقان تبت کے دل میں اہل عرب کا خوف پیدا ہوا

خلیفہ ہارون رشید کے عہد کی یہ حکایت بھی قابل لکھنے کے ہے۔ وہ تاریخ طبری میں لکھی ہے کہ ہارون رشید نے عرب کی راہ سے اپنا ایلچی ہندوستان کے کسی راجہ پاس بھیجا کہ میرا ارادہ خراسان میں کسی دور دراز سفر کا ہے اور میں سخت مریض ہوں آپکی عنایت ہوگی اگر آپ مانک بالو کو جو ہندوستان کا بڑا نامور طبیب ہے یہاں بھیجدیجئے کہ وہ میرے ساتھ دورہ میں رہے جب میں بلخ میں پہنچونگا تو وعدہ کرتا ہوں کہ اُسکو بخیر و عافیت ہندوستان میں واپس بھیجدونگا۔ راجہ نے اسکی درخواست کے موافق اس طبیب کو بھیجدیا اور اُسکے علاج سے خلیفہ کو تھوڑے دنوں میں ایسا آرام ہوگیا کہ وہ حلوان کے درے میں اپنا سفر کرتا ہوا منزل مقصود پر پہونچگیا۔ اگرچہ خلیفہ کے جو مقاصد اس سفر کے تھے وہ پورے ہوگئے مگر طوس میں اسکو سفر آخرت پیش آیا۔ طبیب ہندی کو موافق وعدہ کے بلخ کی راہ سے ہندوستان میں بخیر و خوبی واپس اُس نے بھیجدیا۔

خلیفہ مامون الرشید

اس خلافت میں سندھ میں بشر بن داؤد داخلی درجہ کا حاکم مقرر ہوا مگر اُسنے خلیفہ سے بغاوت کی خراج نہیں بھیجا کھلم کھلا اپنا طبل بجا رہا۔ غسان بن عباد کوفی جو خلیفہ کا نہایت قریب کا رشتہ دار تھا اور دس برس پہلے خراسان و سجستان و کرمان کا حاکم تھا۔ اس باغی کی سرکوبی کیلئے ۲۱۳ھ میں بھیجا گیا۔ بشر نے اپنے تئیں غسان کے حوالے اس شرط سے سپرد کردیا کہ وہ اُسکو بغداد پہنچادے۔ یہ دونوں ساتھ ساتھ بغداد میں آئے خلیفہ نے بشر کا قصور معاف کر دیا۔

غسان نے موسیٰ بن یحییٰ برمکی کو سرحد ملک کی حکومت سپرد کی۔ موسیٰ نے شاہ شرقی بالا کو مار ڈالا اگرچہ اُسنے پانچ ہزار درہم اپنی جان کی سلامتی کے لئے بھی اُسکو دیئے تھے۔

خلیفہ معتصم باللہ

موسیٰ ۲۲۱ھ میں مر گیا وہ بڑا نیک نام رہا اور اپنے بیٹے عمران کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ اس خلیفہ نے عمران کو مستقل مقرر کر دیا۔ اُسنے کیکان میں جا کر یہاں جاٹوں کی عملداری تھی اُنکو شکست دی اور مطیع کیا۔ اور ایک شہر

یہاں آباد کیا جسکا نام البیضاء رکھا۔ اور یہاں سپاہیوں کو آباد کیا۔ پھر وہ ملتان گیا۔ یہاں سے قندابیل میں پہنچا
یہ شہر پہاڑ پر تھا۔ اور یہاں خلیل بن محمد فرمانروا تھا۔ عمران نے اُسے قتل کر ڈالا۔ اور وہاں کے باشندونکو قصدار میں
لیگیا۔ پھر وہ قوم میڈ سے لڑا۔ اُنمیں سے تین ہزار کو قتل کیا اور ایک بند باندھا جسکا نام سند میڈ رکھا۔ وہ دریائے
امرور پر مقیم ہوا۔ اور یہاں جاٹوں کو طلب کیا جو حاضر ہوئے اُن سب کے ہاتھوں پر ایک مہر کا چھاپا لگا دیا۔ اُسنے
جزیہ لیا اور اُنکو حکم دیدیا کہ جب کوئی اُنکے سامنے حاضر ہو تو ایک کتے کو ساتھ لائے۔ جسکے سبب سے کتے گراں قیمت ایسے
ہوگئے کہ ۵۰ درہم کو ایک کتا بکتا۔ اُسنے پھر قوم میڈ پر حملہ کیا۔ اسکے ساتھ جاٹوں کے سردار ہمراہ تھے۔ اُس نے اُنکی نہر
میں جسکے پانی کے سوا کہیں اور اُن کو پانی نہیں ملتا تھا سمندر سے ایک نہر لیجا کر ملا دی جس سے اُسکا پانی کھاری
شور ہوگیا اور اُس نے اور لشکر رواں اُسکے پیچھے بھیجے۔ عمران کو عمر بن ابو العزیز الجباری نے اس سبب سے مار ڈالا
کہ اہل یمن کا معاون تھا۔ سندھ میں حکیم بن عوان الکلبی کے ساتھ آیا تھا۔

فضل بن ماہان جو سامہ کی اولاد کا غلام تھا وہ سندھ میں آیا اور اسے تابع کر لیا اور اُسنے خلیفہ مامون کی نذر
کیلئے ایک ہاتھی بھیجا اور ایک جامع مسجد بنا کے اُسمیں خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اُسکا انتقال ہوگیا۔ اُسکا جانشین محمد بن
فضل بن ماہان ہوا۔ وہ ساٹھ جہاز لیکر قوم میڈ سے لڑا۔ اُن کے بہت سے آدمیوں کو مارا۔ مالیا (مالابار) کو لیلیا اور پھر
سندان میں آگیا۔ اور اسنے خلیفہ المعتصم باللہ کو تحفہ بہت لمبا اور بڑا ساج (سال کا درخت) بھیجا جو پہلے کبھی دیکھنے
میں نہ آیا تھا اُسکی غیر حاضری میں اُسکا بھائی ماہان سندان میں دغابازی کر کے فرمانروا بن بیٹھا اور خلیفہ معتصم باللہ
سے التجا کی کہ وہ بھی اُسکی فرمانروائی پر راضی ہوجائے۔ مگر ہندوستانی اُسکے مخالف تھے اُنھوں نے اُسے مار ڈالا اور
اپنی آزادی اور مطلق العنانی کا اشتہار دیدیا کہ اب ہم مسلمانوں کے محکوم نہیں ہیں۔

یہ عمران کے زمانہ کا ذکر ہے کہ کابل کشمیر و ملتان کے درمیان ایک ملک لعصفان ہے۔ وہاں ایک عاقل فرمانروا تھا
اُسکا بیٹا بیمار ہوا۔ اُسنے ایک بڑی بتکدہ کے پجاری سے کہا کہ تو اپنے بت سے میرے بیٹے کے تندرست ہوجانیکی دعا کر پجاری نے
آنکر کہا کہ بت نے دعا کی تھی وہ قبول ہوگئی۔ مگر تھوڑی دیر بعد اُسکا بیٹا مر گیا تو اُسنے بتکدہ کو اُکھیڑ کر پھینکدیا اور بت کو ٹکڑے
ٹکڑے کر ڈالا اور بعض مسلمان تاجروں کو بلایا جنھوں نے اُسکو توحید کا سبق پڑھایا اور وہ اسلام پر ایمان لایا۔

کہتے ہیں کہ افشین ترک نے جو بابک کو گرفتار کیا تھا تو اسکے صلہ میں خلیفہ نے یہ انعام دیا کہ وہ دو کروڑ درہم
صوبہ سندھ سے وصول کرے جو دو سال کا زر مالگذاری تھا۔

المعتمد اور المقتدر کے عہدوں کے درمیان جو نو خلیفوں کی سلطنت ہوئی انہیں خلفاء کے اقتدار اور اختیار میں

بتدریج تنزل ہوتا گیا۔ ترکی سپاہ روز بروز زیادہ خودمختار اور آزاد اور فسادی ہوتی گئی۔ اسکا حال ہم نے اوّل لکھا ہی کہ خلافت عرب کے ٹکڑے کیونکر ہوئے۔ پس جب دل بیمار ہو تو اور اعضا کیسے صحیح رہ سکتے ہیں سے

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

خلافت کی حکومت سے دور کے صوبے جدا ہو گئے۔ ملک سندھ کی حکومت کے حصے چھوٹے چھوٹے ہو گئے اور انمیں جدا جدا فرمانروا ہو گئے۔ گو خلیفہ کے معاملات ملکی میں مطیع وہ نہیں رہے نہ خراج بھیجے رہے مگر ہمیشہ صاحب اقتدار رہنے کیلئے خلفا کی چاپلوسی اور تملق کرتے رہے۔ اور انکا دل ایسے تحائف بھیجنے سے خوش کرتے رہے۔ ہاتھی بازوں کا جھلا۔ کچھ مشک کے نافے کچھ عنبر۔ اور بعض اور خوشبودار چیزیں ریشمی کپڑے و عجیب تحفے بھیجے گئے تھے۔ ایک گاڑی چار ہاتھ کے بتوں سے بھری ہوئی۔ اور ایک ساگ کا درخت بہت بڑا اور اونچا۔ مگر خلیفہ کی روحانی بزرگی کو تسلیم کرتے تھے اور اُسکی تعظیم کرتے تھے۔

ملک سندھ میں اہل عرب کی حکومت کا خاتمہ خلیفہ المعتمد کے زمانہ میں سمجھنا چاہئے۔ اُسنے یہاں کا حاکم یعقوب بن لیث مقرر کیا اور بلخ و طخرستان کے سوا سجستان اور مکران بھی اُسکے زیر حکم رہی اُسکے چند برس بعد دو بڑی ریاستیں ملک سندھ میں ملتان منصورہ قائم ہوئیں۔ یعقوب بن لیث کا انتقال سنہ ۲۶۵ھ (۸۷۹ء) میں ہوا۔ اُسکے مرتے ہی یہ دونوں ریاستیں مطلق العنان اس سبب سے ہو گئیں کہ اُسکے جانشین جو ہوئے وہ ضعیف العقل اور کمزور رہے۔ اور آل سامان کے سلاطین کی سلطنت کا آغاز تھا انکو فرصت نہیں ہوئی کہ ادھر متوجہ ہوتے۔ سیاحوں نے جو ان ریاستوں کا حال لکھا ہی وہ نیچے بیان ہوتا ہی۔

مسعودی ملک سندھ میں سنہ ۳۰۳ھ (۹۱۵ء) میں آیا تھا۔ یہاں کی سلطنت اسلامیہ کی بابت کہتا ہو وہ اپنی تاریخ مروج الذہب میں لکھتا ہی کہ ملتان میں امیر ایک شریف قوم کا ابو دلہتہ المنبہ تھا اُسکے خاندان میں یہاں کی سلطنت مدت سے نسلاً بعد نسل چلی آتی تھی۔ صوبہ ملتان کا فوج ایک صوبہ تھا جسکی برابر کوئی اور ملک ہند و کتنا نہ تھا۔ وہ سامہ بن لاوی بن غالب کی نسل میں سے تھا جس نے بحر عمان کے ساحل پر قبل از ولادت آنحضرتؐ اقامت اختیار کی۔ اس امیر کے پاس سپاہ تنخواہ دار تھی اُسکی دار السلطنت کے گرد ۱۲۰۰۰۰ گانوں تھے خراسان کی حد تک اُسکی سلطنت تھی ملتان میں ایک مندر سورج کا تھا جسکی پرستش کیلئے چاروں طرف دُور دُور سے جاتری آتے تھے اور موتی سونا چاندی زیتون کا تیل اور خوشبودار چیزیں چڑھاتے تھے۔ امیر کی بڑی آمدنی کا حصہ اسی بتخانہ سے حاصل ہوتا تھا۔ فقط امیر کا یہ دھمکی دینا کہ میں بُت کے ناک کان توڑتا ہوں ہندوستان کے کل راجاؤں کو امیر کے ساتھ مقابلہ و عداوت کے روکنے کے لئے کافی تھا۔

منصورہ میں ایک اور قریشی اور امیر فرمانروا تھا جسکا نام ابو المنذر عمر بن عبد اللہ تھا وہ ہبار بن اسود کی اولاد میں تھا۔ یہ ہبار وہ ہی جو آنحضرتؐ کے ساتھ مخالفت میں مشہور تھا اور بعد فتح مکہ کے بھی ان چھ آدمیوں میں تھا جنکی

نسبت یہ حکم تھا کہ جہاں پاؤں کو مار ڈالو مگر وہ پیچھے مسلمان ہوگیا - اور ۲۱۱ھ میں اسکی اولاد میں سے کوئی اپنی قسمت آزمائی کے لئے سندھ میں چلا آیا تھا - یہاں ملک میں بدانتظامی پھیل رہی تھی اُس نے زیریں سندھ پر قبضہ کیا اور منصورہ کو اپنی دارالریاست بنایا -

ریاست منصورہ سمندر سے الور تک تھی اس سے آگے ریاست ملتان شروع ہوتی تھی اسمیں تین لاکھ گانوں تھے انہیں زراعت خوب ہوتی تھی اور کھیتوں اور درختوں سے سارا ملک سرسبز تھا - یہاں کے باشندوں پر قوم میڈ و جٹ اور وحشی قومیں دست درازیاں کرتی تھیں - اُنکے ہاتھ سے بچنے کیلئے یہاں ہمیشہ حفاظت کا سامان درست رکھنا پڑتا تھا -

امیر منصورہ پاس ایسے جنگی ہاتھی تھے جنکی سونڈوں پر زرہ لگی ہوتی اور وہ خمدار تلواریں جنکو کرتل کہتے ہیں پکڑے ہوئے تھے - ہاتھیوں پر چار آئینے لگے ہوتے جس سے اُنکا سارا جسم محفوظ رہتا - اور ہر ایک ہاتھی کیساتھ پانچسو پیادے رہتے تھے - سوائے ان ہاتھیوں کے اور ہاتھی تھے جو باربرداری اور رتھوں کے کھینچنے کے کام میں آتے تھے -

ان خلفاء کے زمانہ میں ابن حوقل ہند میں آیا وہ بچشم خود دیدہ یہ حال بیان کرتا ہے کہ ملتان اتنا بڑا نہ تھا جتنا بڑا منصورہ تھا - کوٹ اسمیں بنا ہوا - اگرچہ ملک سرسبز تھا اور پیداوار ارزاں تھا مگر وہ منصورہ سے کھیتی باڑی میں ہٹا تھا زراعت میں احتیاط نہیں کیجاتی تھی امیر ملتان شہر سے باہر رہتا - صرف جمعہ کو ہاتھی پر سوار ہوکر جامع مسجد میں نماز پڑھنے آتا تھا - یہاں انکا خاص کوئی سکہ نہ تھا تاتاری اور قندھاری درہم چلتے تھے - سندیوں کا لباس اہل عراق کا سا تھا مگر امیران سندھ سندھی کے امیروں کا سا لباس پہنتے تھے بعض مسلمان بال بڑھاتے تھے - ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے تھے اور اُنکو پٹکوں سے کستے تھے - ایسے لباس کا سبب یہاں کی گرمی تھا مسلمانوں اور بت پرستوں کے لباس میں کچھ فرق نہ تھا ملتان اور منصورہ کے امیر مطلق العنان تھے - وہ ایکدوسرے کے حاکم محکوم نہ تھے - دونوں خلیفہ بغداد کی روحانی بزرگی کو تسلیم کرتے تھے الور جو پرانا سندھ کا دارالسلطنت تھا اور اسکی دوہری فصیل تھی وہ منصورہ کے ماتحت تھا اُسکی نواح بڑی زرخیز تھی اور اسمیں دولت بھی بہت تھی - راہوک یا داہوک مکران کی سرحد کوہستان ہالہ کے مغرب میں منصورہ سے متعلق تھے -

سندھ میں سوا مسلمانوں کی ان دو بڑی ریاستوں کے مغرب میں چھوٹی چھوٹی اور بھی ریاستیں تھیں - ایک ریاست توران تھی یہاں ایک بصرہ کا رہنے والا ابو القاسم حاکم خراج کا وصول کرنے والا منتظم قاضی سپہ سالار تھا جو دس اور تین میں تمیز نہیں کر سکتا تھا - دوسری ریاست قصدار تھی - کیکانان میں ایک عرب معین بن احمد رہتا تھا وہ یہاں ریاست کرتا تھا - اور شہر میں خلفاء عباسیہ کا خطبہ پڑھوا تا - تیسری ریاست مکران جسکا حاکم عیسےٰ بن معدان تھا اسکی دارالریاست کیشر تھی جو وسعت میں ملتان سے نصف ہوگی - چوتھی ریاست سرحد مکران پر

(۱) [illegible] ۳۴۲-۳۴۳ھ ۹۵۱-۹۵۲ء

(۲) [illegible] ۳۶۶-۳۶۷ھ ۹۷۶-۹۷۷ء

مشکل تھی اسمیں مظاہر بن رجا خود مختار حاکم تھا اور اپنا انتظام خود کرتا تھا۔ اسکی ریاست اتنی بڑی تھی کہ تین دن میں اُسکے اندر سفر ہوتا تھا۔ وہ نمازمیں خلفاء کا خطبہ پڑھوا تا تھا۔

ابن حوقل لکھتا ہی کہ منصورہ و ملتان و باقی اور ضلاع میں عربی اور سندھی زبانیں بولی جاتی تھیں اور مکران میں مکرانی اور فارسی زبان بلحاظ باقی اضلاع ہند کے جنمیں مسلمانوں کی آمد و رفت ہوئی جیسے کہ بلہاری کی سلطنت میں کمبہایت اور سیمور جو ساحل بحر پر ہیں ابن حوقل یہ لکھتا ہی کہ وہ سارے کے سارے دیہات اور قصبات بُت پرستوں سے پٹے پڑے ہیں۔ باشندے یہاں کے بت پرست ہیں۔ مگر جو مسلمان یہاں رہتے ہیں اُنکی تعظیم و تکریم یہاں کے امرا بہت کرتے ہیں اور اُنپر حاکم اُنھیں کے مذہب کے مقرر کرتے ہیں۔ اُن کے شرع کے احکام یہاں جاری ہیں۔ مسلمان کے خلاف کوئی شخص شہادت نہیں دے سکتا جبتک وہ مسلمان نہو۔ اُنکی مسجدیں یہاں موجود ہیں جنمیں اذان پانچوں وقت ہوتی ہی۔

متفرقات

ملتان کی بت پرستی

بھوشے پران میں اور چینی سیاح ہیون تسنگ کے سفرنامہ میں لکھا ہی کہ یہاں ایک بتخانہ میں سورج کا بت سونے کا بنا ہوا رکھا ہوا تھا۔ مگر عرب کے مورخین یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ کسی بیش قیمت چیز کا نہیں بنا ہوا تھا۔ کاٹھ کا بنا ہوا تھا اور اُسکی آنکھوں میں لعل لگے ہوئے تھے۔ اسپر چڑھاوا بہت چڑھتا تھا۔ محمد قاسم نے اُسکو بدستور رہنے دیا مگر اُسنے ہندوں کے توہمات باطلہ کے اظہار کیلئے ایک گائے کے گوشت کا ٹکڑا اُسکے گلے میں ڈالکر اُتار لیا۔ خلفاء کی سلطنت میں یہ بت بدستور قایم رہا۔ مگر جب ملتان میں قرمطیوں کا تسلط ہوا تو اُنھوں نے اُسکو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ بتخانہ کو جامع مسجد بنا دیا۔ اور خلفاء بنی اُمیہ کے عہد میں جو جامع مسجد بنی تھی اُسکو عداوت کے سبب سے بند کر دیا۔ مگر جب سلطان محمود نے ملتان کو فتح کیا تو اُس نے اس پُرانی جامع مسجد کو کھولدیا اور نئی جامع مسجد کو بند کر دیا۔

پھر یہ بتخانہ قائم ہوا اور اسکی پوجا بڑی دھوم دھام سے ہونے لگی۔ معلوم نہیں کہ ملتان میں یہ آفتاب پرستی کب سے کبتک رہی۔ مگر اب ملتان میں اسکا پتہ نہیں۔ اُسکی جگہ پہلاد پوری کا بتخانہ قائم ہی۔

رسومات عجیبہ ملک سندھ

مجرموں کا امتحان آگ سے

ملک سندھ میں بعض رسومات قدیم سے چلی آتی تھیں اور جہالت کے سبب سے وہ اُنکو مانتے تھے۔ جب کسی شخص پر کسی بھاری جرم کا شبہہ ہوتا تو وہ اپنی بیگناہی کے ثابت کرنے کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں سمندر کی طرح

گذر جاتا اور حضرت خلیل اللہ کیطرح آگ سے بچکر نکل جاتا۔ اُنکے نزدیک سچ میں یہ قدرت تھی کہ وہ آگ سے سچے آدمی کو جلنے نہیں دیتا تھا۔ ایک اور طریقہ یہ تھا کہ مشتبہ مجرم اپنے ہاتھ پیچھے کچے تاگوں سے باندھتا اور لوہے کا پتر سرخ انگارہ ہتھیلی پر رکھکر چند قدم بھاگتا تو اکثر یہ دیکھنے میں آتا کہ نہ پتے جلتے نہ تاگا۔ اگر پتھر کو زمین پر پھینک دیتے تو وہ دونوں ہاتھوں اور تاگوں کو جلا دیتا۔ یہ صداقت ہی کی کرامت ہوتی کہ اُن کو ہتھیلی پر گرم پتھر نہ جلا سکتا تھا۔

ایک کہانی لکھی ہے کہ ایک سوار کی بیوی کی جوتیوں کا جوڑا ایک عورت نے چورایا اور چوری سے انکار کیا جب گرم لوہے سے اُسکے امتحان کا وقت آیا تو اُسنے ایک ٹوکری میں روئی کے اندر جوتیونکے جوڑے کو چھپا کر سوار کی بیوی کو دیدیا اور اُس سے کہدیا میں جبتک اس آہن گرم کے امتحان سے فارغ ہوں تو اُسکی حفاظت کرنا۔ بعد ازاں اُسنے کہدیا کہ میں نے جوتیوں کا جوڑا پایا تھا میں نے اُسکے مالک کو سپرد کر دیا۔ یہ میں سچ کہتی ہوں اور اس سچ کے بھروسے پر میں گرم لوہے کو ہاتھ میں لیتی ہوں۔ یہ کہکر اُسنے لوہے کو اُٹھا لیا اور اس سے کچھ گزند اُسکو نہیں پہنچا۔ تو ہمات میں بھی کیا قدرت ہے کہ وہ کن کن ناممکن باتوں کا دل میں یقین پیدا کر دیتی ہے۔

مجرموں کا امتحان پانی میں

گہرے پانی میں ایک مضبوط بلی گاڑدیجاتی اور مجرم کو حکم ہوتا کہ وہ پانی کے اندر اس بلی کی تہ پاس بیٹھے ایک شخص تیر چھوڑتا دوسرا اُسکو لانے کے لیئے دوڑتا جب وہ لے آتا تو بلی ہلائی جاتی۔ اگر مجرم بے گناہ ہوتا تو اُس میں اتنا دم باقی رہتا کہ وہ اوپر آجاتا۔ اور اگر وہ گناہ گار ہوتا تو اتنی دیر میں اُسکا دم فنا ہوتا۔

منتر وسحر

بہت آدمی سحر و منتر کا پیشہ کرتے تھے۔ اکثر اپنے ہمسایہ کی بلائی کو اُڑا لاتے تھے۔ اسکی بھی بہت سی کہانیاں بنا رکھی ہیں۔

علم الاکتاف

اس علم کو عوام الناس بھی کہتے ہیں اور علم شانہ اور علم الاکتاف بھی اسکا نام ہے۔ بعض پہاڑی آدمی اس علم کو جانتے تھے اور ان جانے والوں کو ان سکہ کہتے تھے وہ شانہ کی ہڈی کو دیکھکر بتلا دیتے تھے کہ جو ہوا ہے اور جو ہونا ہے وہ ہوگا یا نہوگا۔ ایک اور رسم یہ تھی کہ زمین پر چند رسیاں اُلجھی اُلجھائی ڈال دیتے پھر اُسکے سُلجھانے سے غیب کی باتیں بتلا دیتے تھے۔ بعض عورتیں جادوگر ہوتی ہیں اور آیندہ کی باتیں جو پوچھو وہ بتاتی ہیں۔ جوگنیاں بھی ہوتی ہیں جنمیں سے ایک کا ذکر راجہ داہر کے حال میں بیان کیا گیا۔ ایک فرقہ سور نیا کہلاتا تھا۔ وہ فقیروں کے لباس میں پھرتا تھا اور زمانہ گذشتہ کی باتیں بتاتا تھا اور غیب کی باتیں کہتا تھا اسطرح بھولے بھالے

آدمیون کو بھگتا پھرتا تھا بعض آدمیونکو نقش پا کے پہچاننے کی مشق ایسی ہوتی تھی کہ وہ اُسے دیکھکر بتلا دیتے تھے کہ وہ عورت کا پاؤن ہے یا مرد کا یا کسی واقف کار کا یا اجنبی کا یا بڈھے کا یا جوان کا۔ گھوڑون اور اونٹون بیلون بھینسون کے پاؤن کے نشانونکو پہچانتے تھے اور پہاڑون اور ریگستانون مین وہ پاؤن کے کھوجون پر چلکر چورونکا پتہ لگا دیتے تھے۔ سیوستان کے ضلع مین ایک فرقہ تھا جو ہڈی سے فال خوب نکالتا اور اس فال سے نیک و بد کا حال پہلے سے کہہ دیتا تھا مسافرونکو بتلا دیتا تھا کہ اب تمھارے لیے کیا برا بھلا آنیوالا ہے یہان ایسی عجیب غریب باتون کا رواج تھا۔

لڑائی مین آپس مین بندھنا

سندیون مین یہی رسم تھی کہ لڑائی مین جو جان نثار گروہ ہوتا وہ لڑائی سے پہلے آپس مین باہم کمرونکو رسون سے باندھ لیتے ایک فرقہ کا ذکر ہے کہ انھون نے مغلون کی سپاہ کو دیکھا تو وہ گھوڑون پر سے اُتر پڑے اور سرون پر سے پگڑیان اتار لین سب نے اپنی کمرون مین اسطرح انکو باندھا کہ وہ آپس سے جدا ہو سکتے تھے اسطرح لڑکر سب مارے گئے یہ بندش اسواسطے ہوتی تھی کہ کوئی بھاگ نہ جائے یا صف بندی باقاعدہ رہے۔ راجپوتانہ اور سندھ مین یہی رواج ہے کہ گھوڑون پر سے سوار اتر کر پیادہ پا ہی لڑا کرتے تھے اور اسپر فخر کیا کرتے تھے یہ بندش اور پیادہ ہونیکا انتظام اسلیے کیے جاتے تھے کہ سپاہیون کو مفرور ہونا آسان نہ ہو۔

سندھ مین بدھ مذہب

جس زمانہ مین ملک سندھ مین مسلمانون نے حملہ کیا ہے تو علی العموم یہان بدھ کا مذہب پھیلا ہوا تھا اسلیے مسلمانونکی کتابون مین جہان بدھ لکھا ہے وہ اس مذہب والون سے مراد ہے بت سے مراد نہین ہے۔ گو یہانکا راجہ چچ برہمن تھا مگر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدھ ہو گیا تھا۔ اس مین شبہ نہین کہ چچ دوبار دونون بدھ کے مندرونمین پوجا کیا کرتے تھے خواہ وہ بت پرست ہندو ہو کر یہ پوجا کرتے ہون یا بدھ مذہب انھون نے قبول کر لیا ہو۔

جو کچھ حال کتب معتبرہ سے اہل عرب کی عہد کا ملک سندھ پر معلوم ہوا۔ اُسکو باختصار بیان کیا اب طالبعلمون کو اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اہل عرب نے یہان کیا کیا کام کیے اور انکا انجام کیا ہوا انکی سلطنت کتنی مدت تک قائم رہی اور کس صورت پر رہی اور انتظام سلطنت کیسا تھا۔ ایسی باتون پر غور کرنے سے علم تاریخ سے عقل و شعور کی افزایش ہوتی ہے یہی مال تاریخ دانی کا ہے۔ اس قبیل کی ہم چند باتین لکھتے ہین۔

اول جب اہل عرب یہان آئے تو ان کے ساتھ ایسے آدمی نہ تھے جو انتظام ملکی کے رمزون سے ماہر ہون اور علم سیاست مدن کے عالم ہون اس لیے جو ملک انکو ہاتھ لگا اسکو یہین کے رئیسون اور امیرون کے حوالہ کر دیا

معلوم نہین دماغ اہل عرب کا بلند تھا یا اُنکی ذات کیساتھ سخاوت اور فیاضی ایسی مخصوص تھی یا علم حساب نہ آتا تھا کہ جو کام روپیہ کے حساب کا تھا وہ انہون نے ہندؤن کے ایسا سپرد کر دیا کہ جو چاہین سیاہ سفید کرین ملک کی آمدنی اور خزانہ کے ہندو ایسے مالک تھے کہ اُن کا اختیار مین تھا جو چاہین ہاتھ اُٹھا کر مسلمانون کو بلیادین ہمیشہ اہل عرب کو یہی حساب دیا کہ دیتے رہے اور خیانتین کر کے مال اُڑاتے رہے جب کہین پانچ چار برس کا دریا وجب لاحق ہوا تو اہل عرب کے محاسبین کو شکنجہ سے ڈرایا۔ اور قلعہ کا خوف دکھایا۔ یونہین اٹکل پچو جو اپنا روپیہ چاہا لے لیا دینے والون نے کچھہ منت سماجت کی کچھہ حکمت کام مین لائے۔ کچھہ سختی کے متحمل ہوئے تھوڑا سا روپیہ پکڑ ہاتھہ پاؤن چھوٹا۔ غرض اس حساب کے اندھیر کہاتہ سے بعض وقت بڑا اندھیر مچ جاتا تھا۔ زبردست نہال ہو جاتے تھے اور زیردست پامال۔

۲ دوم۔ اس ملک مین اہل عرب اپنے ملک سے آئے تھے جس مین بالکل کوہستان اور بیابان تھا۔ انکو زرخیز زمینون کی قدر و منزلت کیا معلوم تھی جب کوئی ملک انہون نے مفتوح کیا اس فتح کے استحقاق مین جتنا روپیہ رعایا دینے پر راضی ہوئی انہون نے غنیمت جانا زمین کی قدر و قیمت کی جانچ پڑتال کر کے اُسکا محصول نہین مقرر کیا۔ پھر اُنکے ہان ملک کی آمد و خرچ کا حساب ٹھیک نہ رہتا تھا۔ ایک مدت کے بعد ایک شخص نے اس آمد و خرچ کی کتاب بنائی۔ سوا اسکے انکو ایسے ملک کا انتظام کرنا نہ آتا تھا ملک کا فتح کرنا اُنکو آسان تھا۔ مگر اُسکا نظم و نسق کرنا دشوار تھا کہ اس ملک کا انتظام برہمنون کے سپرد ہوا۔

۳ سوم۔ اہل اسلام کے ہان کوئی سکہ نہ تھا اُنکی دار الخلافت تک مین یونان اور ایران کے سکون مین تمام کام تجارت اور لین دین کے چلتے تھے خلیفہ عبد الملک نے دینار کا اول سکہ لگایا۔ اور اسوقت سے حساب کتاب خزانون کا اہل عرب کے سکون مین شروع ہوا ہے اسی زمانہ مین ہندی سکون کے رواج کے سبب رعایا کی تکلیف دور ہوئی۔

۴ چہارم۔ جن جاگیردارون نے کارہائے نمایاں ملک سندھ مین کئے انہون نے معافی مین اقطاع زمین پایا۔ مگر خلیفہ عمر کا حکم سپاہیونکے واسطے تھا کہ وہ کوئی پیشہ اور کاشتکاری نہ کرنے پائین۔ اسلئے گو زمین انکو ملگئی تھی مگر وہ اصل مالکون کے قبضہ مین رہتی۔ اسلام کے لشکر مین جو سپاہی تنخواہ پاتے تھے انکو غنیمت نہ ملتی تھی۔ نہ زمین جاگیر کی دیجاتی تھی صرف تنخواہ پاتے تھے۔ مگر جو بے تنخواہ سپاہی لڑا کرتے تھے انکو چار خمس غنیمت کے اور زمین جاگیر کی دیجاتی تھی۔ اور ایک خمس غنیمت کا امانت رہتا تھا وہ خیرات اور نیک کامون مین صرف ہوتا تھا اگر خلیفہ کبھی اس خمس مین افزائش کرنی چاہتا تو سپاہی اسوقت لڑنے کو تیار ہو جاتے۔

پنجم - ملک سندھ کی زمین مفتوحہ مین سے بہت سی زمین اوقاف کے لئے وقف کیگئی اور مساجد وغیرہ کے خرچ کی
کام مین آئی - اسکی نشانی ابتک ملک سندھ مین موجود ہے کہ شہیدون اور ولیون کی ایک لاکھ قبرین موجود ہین
جنکے مجاور فقیری کرتے ہین - تال پور کی ریاستون کی تہائی آمدنی ان اوقاف مین خرچ ہوتی ہے —

ششم - اہل اسلام نے اول عملداری مین یہ طریقہ اختیار نہین کیا کہ وہ ہندون کے ساتھ مل جلکر رہتے
بلکہ وہ اپنے شہر جدا بناتے اور ان مین سکونت اختیار کرتے اسلئے ہندو مسلمانون مین میل جول دامن چولی کا ساتھ ہو - مسلمانونکا
شہر بنا لینا اسوقت آسان تھا - ہزارون مکان بت پرستون کے ٹوٹے ہوئے پڑے تھے انکے ملبہ اور مصالح سے مکان
جھٹ پٹ بنا لیتے - اکثر بت خانون کے مصالح سے مساجد تعمیر کرلیتے -

ہفتم - کہین اس امر کا پتہ نہین لگتا کہ اس ملک مین اہل عرب کے ساتھ انکی عورتین بھی آئی ہون لڑائیون
مین اہل عرب اکثر عورتون کے ساتھ لیجایا کرتے ہین بعض لڑائیون مین تو ان عورتون ہی کی فصاحت اور
بلاغت سے فتح حاصل ہوئی ہے - ایسی لڑائیان مشہور ہین - اس مہم مین عورتون کے نہ لانیکا سبب یہی تھا کہ یہان
انکے لانیکا بہم نہ پہونچا - چار سپاہیونکو ایک اونٹ ملا تھا - اسی پر سارا خیمہ ڈیرہ کھانا پینا لدا تھا - ایسی صورت مین
عورتین کیونکر آتین مگر جب یہ ملک امن کا بھی ہوگیا اور رستہ کھل گیا تو بھی نہین معلوم ہوتا کہ پیچھے جو اہل عرب
یہان آئے وہ اپنے ساتھ عورتون کو لائے سوائے اسکے جو اہل عرب یہان آئے انکو جیسا کہ آگے بڑھنا مشکل تھا
ویسا ہی وطن مین پیچھے جانا دشوار تھا - تاریخ طبری مین لکھا ہی کہ خلیفہ سلیمان نے جو خلیفہ ولید کا جانشین تھا ان
لوگون کی نسبت یہ حکم دیدیا کہ جہان چاہو محنت مزدوری کرو اور زمین بوؤ جوتو مگر ملک شام مین تمہارے واسطے
جگہ نہین اس خلیفہ کے عہد خلافت مین دس برس تک تو یہ لوگ یہان رہے ہونگے پھر اسکے مرنے کے بعد بھی بہت سے
شہونسے چلے گئے ہونگے - غرض یہان اس عرصہ بعید مین اسی ملک کی عورتونکے ساتھ اہل عرب ہم آغوش ہوکر بچے
اور ساری غنیمت کی کمائی انہین کے نذر کی ہوگی - اس ملک مین اہل عرب کی اولاد جو پیدا ہوئی انکے بشرے
سے معلوم ہوتا تھا کہ انمین خون اہل عرب کا ایسا نہین جھلکتا جیسا کہ اور ممالک مفتوحہ مین انکی اولاد کے اندر نظر آتا ہے

ہشتم - اہل عرب کی یہ نہایت عمدہ تدبیر تھی اور قابل تعریف انتظام تھا کہ انہون نے اہل سندھ کو بھی سپاہی بنا
بھرتی کیا ضرورت رفع ہونیکے بعد کچھ سپاہیونکو انہون نے موقوف کردیا بعض سپاہ کو وہ دور دور ملکونمین لڑائی کے لئے
لیجاتے تھے یہ طریق اہل روم کا بھی تھا کہ جس ملک کو فتح کرتے اسمین جس قوم کو سپاہی اور دلیر دیکھتے انکو اپنا ملازم
کرلیتے اور ملکونکو لیجاتے - اسمین کئی فائدے حاصل ہوتے اول یہ خود ملک ان لوگون سے خالی ہوجاتا جنکی طرف سے جھگڑے کا

حوصلہ و عزم ہوتا اس سبب سے پھر اس ملک مین کوئی خطرہ اور اندیشہ نہ تھا۔ دوسرے یہ اجنبی ملک کے سپاہی بوقت کام آتے کہ بادشاہون کے اپنے ملک کے رہنے والے بغاوت کرتے چنانچہ ایسی بہت دفعہ اتفاق ہوا کہ بادشاہون سے خاص انکی ہم قوم رعایا نے سرکشی کی۔ اور اجنبی ملکون کے سپاہیون سے انکی سرکوبی کی۔

نہم۔ اہل عرب نے ان لڑائیون کے ساتھ تجارت کو بھی ہاتھ سے نہین دیا۔ اسکو بھی بڑی رونق دی سندھ مین کاروان دور دور سیستان خراسان و بامیان زابلستان اور کابل مین ہوکر آتے اور اسباب لاتے اور یہانسے لیجاتے۔ سمندر کی راہ سے بھی تجارت کا باب کھلا ہوا تھا۔ یہ کاروان چین و دور دراز فاصلون سے مقررہ وقتون مین آتے تھے اس سے بڑا تعجب ہوتا ہے۔ بحری تجارت مین جہاز سندھ ہو کر گذرتے۔ لکڑی اور چین کا اسباب لیجاتے عرب کے گھوڑے اکثر ملک سندھ مین آتے۔ غرض اہل اسلام نے تجارت کو خوب رونق دی۔

دہم۔ اہل اسلام نے یہان کے لوگون کے ساتھ یہ برتاؤ برتا کہ جب کسی بستی پر حملہ کیا تو بستی والون سے پہلے پہل یہ درخواست کی کہ اسلام قبول کرو یا جزیہ ادا کرو۔ انکار کی صورت مین بستی پر حملہ ہوتا تھا۔ ہتیاربند سپاہی قتل ہوتے تھے انکے اہل و عیال لونڈی غلام بنائے جاتے تھے۔ اور فروخت ہوتے تھے۔ پیشہ ور کاشتکار تاجر کشت و خون سے معاف ہوتے تھے انسے کچھ تعرض نہ ہوتا تھا چنانچہ جن شہرون کا حال پہلے لکھا جا چکا ہے وہ اسکا شاہد ہے۔ جن لوگون نے جزیہ دینا قبول کر لیا انکو حسب دستور قدیم اپنے رسوم مذہب کی اجرا و ادا کا اختیار دیا گیا جب کوئی جزیہ دینے پر راضی ہوگیا تو اسکا ملک اسکے قبضہ مین دیا اور ایک باجگذار راجہ بنگیا جو مسلمان ہوگیا وہ سب جھگڑون سے چھوٹ گیا۔

یازدہم۔ زمین پر محصول لینے کا قاعدہ بیڈھنگا تھا۔ اول کوئی پیمانہ تھا کہ زمین پیمایش ہوتی فقط اٹکل سے زمین کا اندازہ کیا جاتا۔ کوئی محصول معین نہ تھا بلکہ وہ پیداوار پر موقوف تھا اگر زمین دون اور دریاؤن سے سیراب ہوتی تو جو اور گیہون کی پیداوار کا دو دہائی یا پانچوان حصہ لیا جاتا۔ اگر کسی اور حکمت سے سیراب ہوتی تو تین سون حصہ دیا ایک چوتہائی پیداوار کا اس زمین سے لیا جاتا جسمین آبپاشی کسیطرح نہ ہوتی تھی۔ باغ کی پیداوار کی ایک تہائی انگور اور کھجور وغیرہ کی پیداوار کا ایک خمس یہ خراج جنس مین ادا کیا جاتا۔ یا نقد روپیہ دیا جاتا۔ اگرچہ یہ محصول خلیفہ وقت کے انتظام کے موافق مقرر ہوتے تھے مگر آخر کو بہر زیادہ ہوگئے۔ غرض تشخیص صحیح تھی نہ پیمایش تھی سب کام اٹکل اور تخمینہ سے چلتے تھے کسی زمیندار اور کاشتکار سے اتنا زیادہ لیلیا کہ اسکو کھانیکو بھی نہ بچا کسی سے اسقدر کم لیا کہ وہ نہال ہوگیا۔ شہنشاہ اکبر کے زمانہ کا سا حال تھا کہ ایک ایک بیگہ زمین کا آلات سے پیمایش ہوتا تھا اور تمام پیداوار کی تشخیص ہوتی تھی اور اسکے موافق صحیح سرکاری مقرر ہوتی تھی تمام قسم کے محاصل ستائیس لاکھ روپیہ کے قریب خزانہ خلفا

مین دخل ہوتا تہا۔ ابن خلدون نے حکیمانہ اور فلسفیانہ رائے لکہی ہی کہ جب لوگونکی عیش و عشرت مین افزایش ہوئی تو انکی شجاعت و ہمت گرمجوشی مین کاہش ہوئی اس لئے ضرورت ہوئی کہ نوکر زیادہ رکہے جائین اور اُنکو تنخواہ زیادہ دی جائے۔ اس لئے بتدریج خراج یہانتک بڑہا کہ اہل پیشہ اور مزارعین اُسکے متحمل نہوسکے اسلئے جلدی جلدی سلطنت مین تبدیلیان ہونے لگین۔

دوازدہم۔ اہل اسلام کے جہگڑونکو شرع کیموافق قاضی فیصل کرتا تہا ہندو اور مسلمانون کے درمیان جو جہگڑا ہوتا تہا اُسکو بہی قاضی شرع کے موافق چکاتا تہا۔ ہندوؤن کے درمیان جو جہگڑے لین دین اور معاہدے و زناکاری وراثت وغیرہ کے ہوتے پنچایت مقرر ہوکر فیصل ہوجاتے۔

سیزدہم۔ ہندوؤن کے ایسے قدیمی قانون کہ خاص قومین فلان قسم کا کپڑا نہ پہنین گہوڑے پر سوار نہون کاروانون کو رستہ بتانے کے لئے بعض قومین اپنے معتبر آدمی ساتھ کرین مسلمانون نے بدستور جاری رکہے اور اسپر یہ اضافہ کیا کہ ہر وارد و صادر کی دعوت ایکدن دو نون وقت کرین اور بیمار کی تین دن۔

چہاردہم۔ حجاج بن یوسف کی بڑی دانشمندی یہ تہی کہ اُس نے محمد قاسم کو یہان کی مہم عظیم کا اہتمام سپرد کیا تہا۔ حمزہ بن بیضی نے اُسکی شان مین یہ دو شعر لکہے ہین جو اُسپر بالکل صادق آتے ہین۔ اشعار کا ترجمہ یہ ہے کہ محمد بن قاسم بن محمد شجاعت و سماحت رکہتا تہا۔ سترہ برس کی عمر مین قائد جیوش ہوا وہ ماں کے پیٹ سے ہی حکومت کے لئے پیدا ہوا تہا اگرچہ محمد قاسم کی نوعمری اور شباب کا عالم تہا مگر وہ بڑا مدبر اور شجاع تہا شمشیر اور تدبیر دونون سے کام لیتا تہا۔ اگر اتفاقیہ کہین کچھ شمشیر سے ستم کیا تو تدبیر سے اُسکی مکافات بہی ضرور کی۔ اگر کہین بتون کو توڑا تو اُس کے ساتھ بتخانون کی مرمت کرنیکا بہی حکم دیدیا۔ اگر کہین لوٹ مار سے دشمنون کو خستہ حال کیا تو انکو بیت المال سے معاوضہ بہی دلادیا۔ قدیمی قاعدہ جو ہندوؤنکا تہا کہ زرمالگزاری مین سے تین فیصدی خزانہ شاہی مین اس لئے داخل کرتے تہے کہ اس روپیہ سے برہمنون کی خدمات کا معاوضہ دیا جائے وہ اُسنے بدستور قایم رکہا۔ یہان جو شخص ہندی سندی ذی لیاقت اُسکو ملا اُسکی قدرشناسی کی بلکہ یہان کے لائق آدمیون کو اُسنے ڈہونڈہ ڈہونڈہ کر نکالا اور سرفراز کیا۔ اُس نے یہانکے وزیرونکو وزیر اور مشیر اپنا مقرر کیا اور اُنکے پاس خاطر کو رکہا غرض قدرشناسی اور دلجوئی اُسپر ختم تہی۔ دشمنونکے ساتھ جو اُسنے نیک سلوک کئے تہے وہ کمتر کوئی کیا کرتا ہے۔

پانزدہم۔ یہ سوال اکثر کیا جاتا ہے کہ حرارت اسلامی کی حالت مین اہل اسلام ملتان تک چڑہ چلے آئے مگر ہندوؤن کے مذہب مین وہ انقلاب نہین پیدا کرسکے جو انہون نے ایران اور ملکونمین پیدا کیا تہا اسکے کئی

سبب بیان کیے جاتے ہیں۔ اول یہ کہ ہند میں پروہتوں کا گروہ ایسا قوی تھا کہ وہ سلطنت کے کاروبار میں شریک یا غالب تھا۔ تمام ہندو اُسکا پاس و لحاظ و ادب کرتے تھے ہر ہندو کے دل میں اُنکا رعب و داب بیٹھا ہوا تھا ہندو کے مذہب میں قوانین سلطنت اور رسم و رواج خلط ملط تھی۔ اگرچہ ہندوؤں میں نا اتفاقی ایسی تھی کہ ملک چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم تھا مگر یہ تقسیم اُنکے حق میں مفید تھی اسلیے اگر دشمن نے ایک حصہ پر قبضہ کیا تو حملہ کرنے والوں کے دشمنوں میں سے ایک کم ہو گیا۔ دوسرا حریف اسکے بعد مقابلہ کرنے کو باقی رہا اور جسقدر کہ وہ حملہ آور آگے بڑھا اُتنا ہی اُس لشکر کا گھٹتا اور جان اور رسد وغیرہ کا سامان اسکو بہم پہونچتا وہ دوبھر پڑا۔ اور مخالفوں پر کوئی ایسا صدمہ نہ پہونچا جسکے سبب سے اُنکی مہم کامل ہو جاتی۔ سوا اسکے دین اسلام کو نہ پھیلنے کا سبب ہندوستان میں یہی ہوا کہ مسلمانوں کو جتنا ملک ہاتھ آتا گیا اُنکا مزاج بدلتا گیا۔ کیا گرم و بیدار وعظ تھی۔ یا دنیادار بادشاہ بنگئے اسلام کے پھیلانیکا نہ وہ ولولہ رہا نہ جوش رہا۔ سب ہوا دنیا کے جاہ و حشمت کے پیچھے پڑ گئے جفاکش سپاہی سے عیاش بادشاہ ہو گئے پہلے اُنکی ساری خوشی و مسرت فتح و نصرت تھی اب ناروا حرکات اور عیش و عشرت کرنے میں لذت آتی تھی۔ یا ایک زمانہ وہ تھا کہ خلیفہ دوم جب بیت المقدس کو اپنے لشکر کے ساتھ سوار ہوے تو ایک ہی اونٹ پر اُنکا سب کھانا پینا اور بچھونا تھا یا سنہ ۱۶۰ھ میں ابو محمد منصور المہدی ملک کے اندر پانچ پانچ سو اونٹوں پر لدوا کر برف منگاتا۔ یا وہ زمانہ تھا کہ خلیفہ سوم حضرت عثمان کے کام کا بقیہ پورا کر چکتے تو چراغ کو گل کرتے کہ بیت المال کا مال ضائع نہ جائے یا یہ کفایت شعاری تھی یا یہ فضول خرچی ہونے لگی کہ سنہ ۷۵ھ میں خلیفہ حجاج ابن یوسف ثقفی کے دربار عالیشان میں ہزار خوان کھانے کے اہل مجلس کے روبرو چنے جاتے تھے خلفاء عباسیہ کے عہد میں یونانیوں اور غیر زبانوں کی کتابوں کے ترجمے ہوئے فلسفہ و حکمت علوم ریاضیہ و طبیعیہ کا شوق مسلمانوں میں پیدا کر دیا۔ انہوں اپنی ذہانت کو بجائے مذہب کے زیادہ تر اس طرف متوجہ کیا۔ ہارون رشید کے دربار میں تو ماہران علم منطق بھی چاروں طرف سے امنڈ کر آموجود ہوئے غرض ان دنیا کی جاہ و حشمت کے لالچ نے دین کے کاموں کو ہندوستان میں پیچھے ڈالدیا۔ افسوس یہ ہے کہ اگرچہ اہل عرب کا تعلق ملک سندھ سے تین سو برس تک رہا مگر کوئی اثر انکے اس تعلق کا ملک پر باقی نہ رہا۔ اور کسی سیاح کو اس ملک میں سفر کرنے سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ کبھی انہوں نے یہاں قدم بھی رکھا تھا نہ کوئی مسجد عمدہ انکی بنائی ہوئی نظر آتی ہے نہ خانقاہ نہ کوئی عمارت نہ کوئی انکی زبان کا اثر ہے نہ انکے شہروں منصورہ محفوظہ البیضاء کا نام و نشان باقی ہے۔

شمار درہم۔ حجاج نے جو اس مہم سندھ کا حساب کتاب کیا وہ صحیح ہے کہ ۶۰۰۰۰۰۰ درہم اس مہم میں خرچ ہوے اور ۱۲۰۰۰۰۰۰ درہم ملے۔ چونکہ خلیفہ کا حصہ کل غنیمت کا پانچواں حصہ تھا تو کل غنیمت ۶۰۰۰۰۰۰۰ درہم تھی

ایک درہم ۴۴ پائی کے قریب ہوتا ہے تو کل غنیمت تیرہ کروڑ چھپتر لاکھ روپیہ کے قریب ہوئی ۔ ملک سندھ کے باج وخراج کی نسبت مورخونمین بڑا اختلاف ہے ۔ یہ اختلاف ہونا ہی چاہئے اسلئے کہ ہر سال مین زمین کی پیداوار کے خراج کی شرح بدلتی رہتی تھی اور ملک کی حدود مین کمی وبیشی ہوتی رہتی تھی ابن خلدون کی فہرست آمدنی سلطنت خلفاء مین لکھا ہے کہ صوبہ سندھ سے ۱۱۵۰۰۰۰۰ درہم اور ۵۷ سیر روغن زیتون خراج مین آتے تھے یہ حساب تخمینی معلوم ہوتا ہے یہ خراج چھبیس ستائیس لاکھ روپیہ سالانہ کے قریب ہوا ۔

ہمنے ملک سندھ کی تاریخ اُس زمانہ تک لکھی ہے کہ اُسکا تعلق اہل عرب سے رہا ۔ اس زمانہ سے آیندہ زمانہ کی تاریخ ہم آیندہ اپنی تاریخ مین لکھینگے ۔

باب چہارم

خاندان غزنویہ

ہمنے باب دوم مین بیان کیا ہے کہ سلطنت اسلامیہ ملک عرب کسطرح حصوں مین تقسیم ہوئی اور ان حصوں مین کن کن خاندانون نے سلطنت کی انہین سے ایک خاندان آل سامان کا بھی بیان کیا ہے کہ وہ ۲۶۱-۳۸۹ھ / ۸۷۴-۹۹۹ع مین وسط ایشیا مین ماوراء النہر اور ایران مین سلطنت کرتا تھا اور اپنے گئے وقت مین بھی خراسان اور ماوراء النہر پر قبضہ و تصرف رکھتا تھا انہین کے امیر الپتگین نے خاندان غزنوی کی سلطنت کی بنا قایم کی جسنے ہندوستان مین مسلمانونکی ایک مستقل سلطنت قایم کی ۔ گو پہلے ملک سندھ پر اہل عرب کا دو سو برس تک تسلط رہا ہے مگر سندھ کی طرف سے مسلمانونے اپنی سلطنت کو ہندوستان مین مستقل نہین کیا بلکہ کابل کیطرف سے آنکر اپنی سلطنت کو قایم کیا ہے اسلئے ہم کابل کا حال لکھتے ہین ۔

فصل اول کابل پر مسلمانون کا مسلط ہونا

ابوریحان بیرونی نے اپنی تاریخ ہند مین لکھا ہے کہ پہلے زمانہ مین ملک تبت سے آئے ہوئے ترک کابل مین راج کرتے تھے پہلا راجہ انکا برہتگین ترک تھا جب برہتگین اول کابل مین آیا تو ایک غار مین گھس پڑا اور وہین بیٹھنے لگا یہ غار ایسا دشوار گذار تھا کہ جب تک کوئی شخص گھٹنون کے بل نہ چلے اندر نہین جا سکتا تھا اس غار مین وہ چند روز کی خوراک رکھ لیتا تھا ۔ پانی پینے کیلئے اسکے اندر ایک چشمہ تھا جسکا نام ابتک مشہور ہے وہان کے لوگونکی وہ زیارتگاہ تھا اسپر لوگ بڑی مشکل سے جاتے اور اسکا پانی لاتے جسکو وہ بڑا متبرک جانتے اس غار کے منہ کے پاس کسان اپنا کام کیا کرتے تھے یہان غار مین بے غذا کسی آدمی کا جینا بغیر اسکے نہین ہو سکتا تھا کہ وہ کسی آدمی کو نوش جان کرے برہتگین کے ساتھ جو لوگ سازش رکھتے تھے وہ ہمیشہ غار کے منہ کے پاس کسانون کو اسطرح کام مین لگائے رکھتے تھے کہ وہ آدمیون سے خالی نہ ہوتا تھا ۔ ایک کسانون کے گروہ سے دن کو کام لیتے رات کو چھٹی دیدیتے

اور دوسرے گروہ سے رات کو کام لیتے اور دنکو چھٹی دیدیتے یون رات دن ان آدمیونکا جمگھٹ لگائے رکھتے چند روز بعد دفعتہ یہ تگین غار سے نمودار ہوا۔ غار کے پاس آدمیونکا ہجوم رہتا تہا انکو یہ معلوم ہوا کہ یہ ترکی بہی پیدا ہوا ہے۔ ترکی لباس زیب تن۔ کرتہ بدن پہ ٹوپی سر پہ۔ بوٹ پاؤن مین اُسکی ہیئت عجیب وغریب۔ بادشاہی کے لئے مقدر لگا آئی تہی چنانچہ کابل مین اُس نے اپنے تئین بادشاہ بنایا۔ اُس کے خاندان مین ساٹھ پیڑھی تک سلطنت متواتر چلی گئی۔

مسلسل واقعات کی تحریر کو اور اپنے بادشاہونکی تخت نشینی کی تاریخون کو قلمبند کرنے کو ہندو بیکار آمد اور ضروری نہین سمجھتے جب کوئی ان باتونکو پوچھکر انکو حیران کرتا ہی تو وہ چپ ہو جاتے ہین بیٹے جو آن سے حالات سُنتے ہین وہ صحیح ہی ہین اور مین انہین ہیچ بیان کرتا ہون یہ بہی بات سُنی ہی کہ نگرکوٹ مین ایک ریشمی کپڑا تہا جیپر ان راجاؤنکی تخت نشینی کی تاریخین لکہی تہین مجھے بڑی آرزو تہی کہ مین اُسکو خود دیکہون مگر ایسے واقعات مجھے پیش آئے کہ مین اُسکی زیارت سے محروم رہا۔

ان راجاؤن مین ایک راجہ کنک تہا جسنے پیشور مین دار بنایا تہا۔ وہ اُنکے نام سے مشہور ہے کہتے ہین کہ اُس پاس راجہ قنوج نے تحفے بہیجے تہے۔ انہین نہایت عمدہ بنا ہوا ایک کپڑا تہا جسکی پوشاک راجہ کنک نے بنوانی چاہی جب اُسکو درزی کو دیا تو درزی نے اُسکی پوشاک بنانے سے انکار کیا اور اُسکی وجہ یہ بیان کی کہ اس کپڑے پر آدمی کے پاؤن کا چہاپہ ہی اور یہ چہاپہ خواہ کیسے ہی کپڑے کی کتر بیونت کیجیے شانون کے درمیان مین آتا ہی یہ ایک ایسی کہانی ہے جو مین نے نعل کے افسانہ مین لکہی ہے۔

کنک اس تحفہ مین یہ کنایہ سمجہا کہ راجہ قنوج نے مجھے کمتر و ذلیل سمجہکر بہیدہ گستاخی کی ہی بس یہ سمجہکر بہت سا لشکر ہمراہ لیا اور قنوج کا رستہ پکڑا۔ قنوج کے راجہ کو جب یہ خبر لگی تو وہ بہت مضطر اور بیقرار ہوا۔ وہ اس راجہ سے لڑنے کی سکت اپنے مین نہین دیکہتا تہا اُس نے وزیر کو صلاح و مشورہ کے لئے بُلایا وزیر نے کہا کہ آپنے ایک بیجا حرکت کر کے ایک ایسے شخص کو سوتے سے چونکا دیا جو ہمارے ساتھ صلح و آشتی رکہتا تہا اب تو مقابلہ اُس سے ہو نہین سکتا بہتر ہے کہ آپ میرے ناک اور ہونٹ دونون کٹوا دیجئے اس تدبیر سے کوئی فند فریب بن پڑے تو بن پڑے راجہ نے وہی کیا جو وزیر نے کہا تہا یہ نکٹا وزیر سرحد کیطرف روانہ ہوا جب کابل کے لشکر سے ملا تو اُسنے اپنے تئین بتلایا اور راجہ کے حضور مین حاضر ہوا۔ راجہ نے وزیر سے پوچہا کہ یہ تمہارا حال کیونکر ہوا وزیر نے عرض کی مہاراج بیٹے راجہ قنوج کو فہمائش کی کہ وہ آپکی اطاعت اختیار کرلے آپ سے لڑائی نہ کرے

اس میرے کہنے کو وہ یہہ سمجہا کہ مین آپکے کمال سازش رکہتا ہون اس لیے اسنے میری ناک اڑا دی ہونٹ کٹوا دیے ایسا مین آپکو یہہ صلاح دیتا ہون کہ جس راہ پر آپ چل رہے ہین وہ بہت دور کی راہ ہے مین ایک پاس کی راہ بتاتا ہون قنوج اور آپکے درمیان ایک ویرانہ حائل ہے اُس کو آپ پانی کا انتظام کرکے قطع کیجیے تو آسانی سے منزل مقصود پر پہونچیے - راجہ نے کہا یہہ کیا مشکل ہے پانی ساتھہ لیا وزیر جو رستہ بتلاتا پہر چلنے لگا وزیر انکو اُس ویرانہ مین لیگیا جس کی ویرانی کی انتہا نہ تہی جب چند روز گذر گئے اور کوئی رستہ نہ دکہائی دیا تو راجہ نے وزیر سے کہا کہ یہہ کیا بات ہے - وزیر نے کہا کہ اس بات سے کوئی الزام مجہہ پر نہین لگ سکتا کہ مین اپنے آقا کی بہلائی چاہتا ہون اور آپکے دشمنونکی تباہی - آپ اس ویرانہ سے جب ہی نکل سکتے ہین کہ جس راہ سے آئے ہین اُسی راہ پر جائین - میرا حال جو آپکے جی مین آئے آپ کیجیے مگر اس ویرانہ سے باہر کوئی شخص زندہ جان سلامت لیکر نہین نکل سکتا - یہہ سنکر راجہ گہوڑے سے اوتر پڑا اور نشیب کی طرف ایک جگہ جاکر اپنا نیزہ گاڑا وہان سے پانی ابلنا شروع ہوا جو لشکر کیلیے اب ہی اور آیندہ کیلیے بہی کافی تہا - یہہ دیکہکر وزیر نے راجہ سے کہا کہ مین ضعیف انسان تہا مجہکو دہوکہ دیسکتا ہون مگر تجہہ جیسے دیوتاؤن کو وہم نہین دیسکتا - اب آپ کرپا کرکے میرے اور میرے آقا کے قصورونکو معاف فرمایئے راجہ نے وزیر سے کہا کہ تو اپنے مالک کو جا تیرے راجہ کو کافی سزا ملگئی - وزیر جب قنوج مین آیا تو راجہ کو دیکہا کہ اسکے دونون ہاتھہ پانو بیکار اُسی روز سے ہوگئے ہین کہ کنک نے زمین پر نیزہ گاڑا تہا -

ان حالون سے آخر راجہ کنور پال تہا اوسکا وزیر کار ایک برہمن تہا وزیر کو قسمت نے اس طرح بڑہا دیا کہ جہین ایک بڑا خزانہ دبا ہوا پایا اسکو دولا دیا جس سے وہ بڑا صاحب قدرت ہوگیا - اسی زمانہ مین راجہ کی قسمت الٹ گئی یہہ آخر راجہ زشت افعال اور بد خیال تہا وزیر کے پاس جب اسکی بہت سی شکایتین پہنچین تو اُسنے راجہ کو پکڑ کر قید کرکے بندیخانہ مین تا دیر کے لیے بٹہا دیا - برہمن سامند کو تخت کا جانشین کردیا - پہر بالترتیب راجہ بعد ایک دوسرے کے اسطرح ہوئے - کملاو - بہیم - جے پال - انند پال - تروچن پال ۴۱۱ھ مین اسکے پانچ برس بعد بہیم پال اس راجہ کے بعد ہندو ہند کے خاندان سے راجائی ایسی نکل گئی کہ اس گہرانے کا کوئی چولہے ہانڈی چڑہانے والا بہی کابل مین باقی نہ رہا راجہ بڑی بڑی وسیع سلطنتین اور اسکے ساتھہ خصائل بہی بڑے نیک رکہتے تہے - چہوٹون پر بڑی کرپا دیا کرتے تہے انند پال نے اس حال مین کہ محمود والی خراسان سے سخت عداوت تہی یہہ خط لکہا ہے جو نہایت تحسین و آفرین کے قابل ہے

خط - مینے سنا ہے کہ تمہاری مملکت پر ترکون نے حملہ کیا ہے اور سارے خراسان مین وہ پہیل گئے ہین - اگر تم چاہو تو مین خود پانچہزار سوار دس ہزار پیدل سو ہاتھی ہمراہ لیکر تمہارے ساتھہ لڑائی مین شریک ہو سکتا ہون

اور اگر تمکو یہ زیادہ پسند ہو کہ مین اپنے بیٹے کو دو چند لشکر دیکر بھیجون تو وہ بھی مجھے منظور ہی۔ یہ کام مین اس غرض سے نہین کرتا کہ آپکی نظر التفات مجھپر ہو۔ بلکہ اس خیال سے کہ مین نے آپکو مغلوب کیا ہی مین نہین چاہتا کہ میرے سوا کوئی دوسرا شخص اس امر مین فوقیت حاصل کرے۔ فقط۔ یہ راجہ مسلمانون کا سخت دشمن سو فقط تھا کہ اسکے بیٹے نروجین پال کو مسلمانون نے قید کیا تھا۔ مگر اس کے برخلاف اُسکا بیٹا مسلمانونکا ہوا خواہ تھا۔

یہ کابل مین ترکون کی سلطنت کا اصل متن ہی جسپر فرنگستانی محققین نے حاشیونکا ایک طومار باندھ دیا ہی۔ قاعدہ ہے کہ اپنی زبان کے نامونکا تلفظ صحیح صحیح آدمی ادا کر سکتا ہی اور اپنی زبان کی خط مین انکو صحیح لکھ پڑھ سکتا ہے غیر زبانون مین کسی زبان کے نامونکی بڑی مٹی پلید ہوتی ہی۔ وہ صحیح لکھے پڑے نہین جا سکتے۔ عربی زبان مین غیر قومون کی نامونکی تحریف کرکے لکھنے کا قاعدہ اختیار کیا ہی۔ اس کے سبب سے نامونکا ٹھیک پتہ لگانا نہایت دشوار ہوتا ہی۔ پھر اسپر یہ ستم عاقلان پیروی نقطہ نکنند۔ الکاتب کالحمار مشہور ضرب المثل اپنے مصداق آتی ہین۔ عربی فارسی خط مین جو نام غیر زبانون کے لکھے جاتے ہین انکو مختلف مصنف اپنی تصنیفات مین اتنی طرح لکھتے ہین جتنے اس نام کے حروف کی ترتیب اجتماع ہو سکتی ہی۔ مثلاً ایک تاریخ مین لکھا ہی کہ بادشاہان زمین کابل و سندر از تبیل گویند۔ تبیل کو کوئی زنبیل کوئی رتبیل۔ کوئی تبیل۔ کوئی زین تل۔ کوئی رت بال۔ کوئی رن بھیل وغیرہ لکھتا ہی ایک تاریخ مین رن بل (لڑائی کی قوت) آتا ہی جو ایک بامعنی ہندو کا نام معلوم ہوتا ہی۔ آئین اکبری مین رن ٹبیل لکھا ہے یہ بھی ہندوؤن کے نام سے مناسبت رکھتا ہی کسی کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ وہ کوئی راجہ ہی کسی کتاب سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ وہ شاہان سندھ و کابل کے لقب کی کہتی ہی غرض زیادہ تر تو فرنگستانی محققین نے ان نامون کی تحقیق مین اور اُنکے ساتھ سکون کی تطبیق مین بہت کورے کاغذونکو سیاہ کیا ہی۔ جو اُن کی پہلے درجہ کی ذہانت دکھاتے ہین مگر کسی حقیقت کو نہین کھلاتے ان نامونکی تحقیقات ان محققین کا کام ہی جو سنسکرت و عربی دونون زبانون مین عالم فاضل پنڈت ہون سنسکرت دانی سے وہ تحقیق کر سکتے ہین کہ اصل نام کیا تھا اور عربی دانی سے یہ کیونکر اسکی تحریف ہوئی سو ایسے فاضل عنقا ہین اس لئے یہ تحقیق بھی بے سر و پا ہے۔

یہی محققین نے تحقیق کیا ہے کہ کابل مین جو کوہستان تبت سے ترک آئے تھے انکا مذہب بدھ تھا۔ انہون ہی نے یونانیون کی سلطنت کو مشرق مین استیصال کیا تھا ان ترکون کے ہاتھ سے برہمنون کے ہاتھ مین اور برہمنون کے ہاتھ سے رجپوتون کے ہاتھ مین سلطنت منتقل ہوئی۔

راجہ کنک کا نام اصل مین کنشک تھا مشہور ہین جو اُس نے بہار (بدھ مذہب والونکا معبد) بنایا تھا وہ ابتک موجود ہی

گورکہتری کہتے ہیں اس راجہ کا مذہب بدھ تھا۔ کٹورمان یا کٹورمان جو بیرونی نے لکھا ہے وہ کافر یعنی شاہان
تو معلوم ہوتا ہے ایک قوم کا نام معلوم ہوتا ہے چترال و گلگت کے فرمانروا اپنا لقب شاہ کٹور کہتے ہیں چینیوں نے جو
ہندوستان کے سفرناموں میں کابل کا حال لکھا ہے وہ ابوریحان بیرونی کی تاریخ الہند سے بہت ملتا جلتا ہے

حضرت عثمان کی خلافت میں عراق کا والی عبداللہ مقرر ہوا۔ اسکے زمانہ میں خلیفہ کیطرف سے اول حملہ کابل پر
ہوا ہے اسکو خلیفہ نے ہدایت کی کہ جاسوس بھیجکر اضلاع ہند کا حال دریافت کرے گو یہانکا حال ایسا جاسوسوں
نے بتلایا کہ وہ حملہ آوری کو منع کرتا تھا مگر عبداللہ نے اپنے عم زاد بھائی یمین سے عبدالرحمن بن سمرہ کو حکم
دیا کہ وہ سیستان پر حملہ کرے۔ عبدالرحمن شہر زرنج کیطرف بڑھا اور بعد ایک سخت لڑائی کے یہانکے ایرانی مرزبان
کو اسکے محل میں محاصرہ کر کے عید کے دن اسے گرفتار کیا۔ مرزبان نے اطاعت و منت سماجت کر کے خلاصی پائی
اور وعدہ کیا کہ دو لاکھ درہم اور دو ہزار غلام خراج میں دیا کرونگا۔ پھر عبدالرحمن نے زرنج اور کش کے درمیان جو ملک
تھا اسے فتح کر لیا اس ملک کو بلاد ہند کہتے تھے اور اس بلاد کو بھی فتح کیا جو زرنج اور ضلع داور کے درمیان واقع ہے
ضلع داور میں اسنے بدھ زور کے بت پرستوں پر حملہ کیا تھا جنہوں نے اس سے آشتی کی درخواست کی گو اسکے لشکر آٹھ ہزار
آدمی تھے مگر غنیمت اتنی ہاتھ لگی کہ ہر ایک آدمی کے حصہ میں چار ہزار درہم بھی ہاتھ لگے انکا بت بدھ زور سونے کا تھا
اسکی دونوں آنکھوں میں لعل لگے ہوئے تھے مسلمانوں نے اسکے ہاتھ کاٹ ڈالے اور آنکھیں نکال لیں اور مرزبان سے
کہا کہ تمہارا بت ایسا بیکار ہے کہ وہ کچھ برا بھلا کام نہیں کر سکتا۔ اسی مہم میں اس نے بست کو لے لیا۔ بعد ازاں
عبدالرحمن زابل پر بڑھا اور پھر ۳۵ھ میں امیر معاویہ کی خلافت میں کابل میں آیا جب عبدالرحمن کابل کے سامنے
آیا تو یہاں کا حاکم کابل شاہ جو لنگڑا شہر کے اندر تھا وہ باہر آیا۔ مسلمانوں سے کئی لڑائیاں لڑکر شہر کے اندر
چلا گیا اور پھر باہر نہ نکلا عبدالرحمن کا محاصرہ کیا اور برس روز تک محصور ہو لڑتا رہا۔ اس محاصرہ میں سپاہ
کو بڑی محنت و مشقت اٹھانی پڑی مگر آخر کو سپاہ نے حملہ کر کے شہر کو لے لیا جب شہر میں مسلمان داخل ہوئے تو
انہوں نے اہل سیف کو قتل کیا اور عورتوں بچوں کو لونڈی غلام بنایا۔ کابل کا شاہ قید ہو کر عبدالرحمن کے
روبرو آیا اسنے قتل کا حکم دیا تو وہ مسلمان ہو گیا اور کلمہ پڑھا پھر عبدالرحمن نے اسپر نہایت لطف و کرم کیا
کابل زرنج سجستان سے جو غنیمت اور اسیر ہاتھ لگے تھے وہ جمع کئے گئے اور ایک پانچواں حصہ کا عبداللہ بن عامر پاس بھیجا گیا کچھ ذکر نہیں

۴۴ھ میں مہلب بن ابی صفرہ جو خراسان میں بڑا صاحب اقتدار تھا مرو کیطرف سے زابل و کابل میں آیا اور ہندوستان
بنا دیئے اور اسوار (لاہور) تک پہنچا یہ دونوں مقام کابل اور ملتان کے درمیان واقع ہیں یہاں سے بارہ ہزار قیدی خراسان کو لیگیا

کابل پر مسلمانوں کا پہلا حملہ اور سلطنت

اسی زمانہ مین عباد بن زیاد سجستان کی راہ سے سرحد ہند پر گیا۔ وہ رود بار ہند مند (ہلمند) کی راہ سے
چلا اور کش مین آیا اور صحرا کو قطع کرکے وہ قندہار مین آیا اگرچہ یہان ملک اُسنے فتح کرلیا۔ مگر بہت مسلمانون کی جانین
ضائع ہوئین سنہ ۶۱ھ مین یزید بن معاویہ نے خراسان و سیستان کی حکومت سلم بن زیاد کو دی جس نے اپنے چھوٹے بھائی
یزید بن زیاد کو سیستان مین حاکم مقرر کیا۔ اُس نے سُنا کہ شاہ کابل نے تمرد اختیار کیا اور ابو عبیدہ اللہ بن زیاد کو جو کابل
مین حاکم تھا گرفتار کرلیا۔ آخر اُسنے لشکر کو جمع کیا اور اہل کابل سے لڑا مگر شکست پائی اور ایک جم غفیر مسلمانونکی قتل ہوئی
جب سلم بن زیاد کو یہ خبر پہونچی تو اُسنے طلحہ بن عبد کو کابل بھیجا کہ اُسنے ابو عبید اللہ کو پانچ لاکھ درم دیکر خریدا۔ سلم زیاد نے
پھر طلحہ کو سیستان کا حاکم مقرر کیا جسنے لشکر غورہ یا عیسیٰ کو کابل بھیجا۔ اہالی کابل کو جبراً و قہراً مطیع و منقاد کیا
خالد بن عبد اللہ کو وہان حاکم مقرر کیا مگر پھر انکو معزول کیا۔ تو وہ عراق جا نہ سکا۔ ناچار کوہ سلیمان مین جو پشاور
اور ملتان کے درمیان مین ہے سکونت اختیار کی اور اپنی بیٹی کسی افغان سے کہ مسلمان ہوگیا تھا بیاہ دی
جس سے دو بیٹے لودی اور سور پیدا ہوئے انہین کے نام سے لودی اور سوری افغان کہلاتے ہین جنکی سلطنت
کا ذکر تاریخ مین آئیگا۔ سنہ ۶۴ھ مین کابل سے عبد العزیز حاکم سیستان جنگ آزما ہوا۔ اس لڑائی مین کابل کا شاہ شکست
پاکر مارا گیا۔ اُسکی جانشینی کے زمانہ مین بھی لڑائی جاری رہی۔ مگر اُسنے مجبور ہوکر خراجگذاری قبول کی مگر کابلیونکو
ایسے موقع ملتے رہے کہ انہون نے اپنی کھوئی ہوئی آزادی و ملک کے پھر حاصل کرنے مین کوشش کی۔ سنہ ۷۸ھ
مین عبد الملک بن مروان نے عبید اللہ کو حکومت خراسان سے علیحدہ کرکے حجاج بن یوسف ثقفی کو اسکی جگہ مقرر
کیا اور عبید اللہ بن ابی بکر کو سیستان مین بھیجا۔ جب وہ سیستان مین پہونچا تو حجاج نے اُسے حکم دیا کہ تو سیستان
مین پڑا رہے۔ بلاد اہل کابل کو روانہ ہو کابل کے راجہ رن بل سے خراج موعود کو وصول کر اور جبتک یہ کل
ملک بالکل قبضہ مین نہ آجائے وہان سے نہ ٹل۔ جب وہ رن بل سے لڑنے کو آیا تو اس مرزبان کابل مین لڑائی کی
توانائی نہین تھی وہ سامنے سے ہٹ گیا اور ایک تاریخ مین یہ لکھا کہ اس سرزمین مین جتنی تنگ راہین تھین انکو
پتھرون سے دیوارین چنکر روک دیا اور اسطرح لشکر بیگانہ کی راہون کو بند کرکے انکو نرغہ مین گھیر لیا۔ ان راہونکے
بند ہونے سے خورش کی نایابی نے مسلمانون کو تنگ کیا اور انکو خوف ہوا کہ اس گھیرے مین گھرنے سے
کہین قحط سے ہلاک نہ ہوجائین اس لیئے ناگزیر عبید اللہ نے سات ہزار درم جس کے تین لاکھ روپے سکہ اکبر
شاہی کے ہوتے ہین کابلیونکو دیکر اس بلا سے نجات پائی مگر ایک جنگجو سرہنگ کہ جسکا نام شریح بن ہانی تھا اس حرکت سے
بڑا آشفتہ ہوا اس پیری مین جوانانہ لڑکر جان دیدی جب حجاج کو یہ خبر پہونچی تو عبید اللہ کو سرزنش کی اور

امارت اُس سے چھین لی اور سنہ ۸۰ھ یا ۸۱ھ میں عبد الرحمن بن اشعث کو کابل کے رتبیل سے لڑنے کے لئے نامزد کیا
چالیس ہزار سپاہ اس کے سپرد کی اور سیستان اور اسکی نواح کا حاکم مقرر کیا۔ جب عبد الرحمن کابل میں آیا تو
طرز بیشین اختیار کی۔ مگر کارشناسی سے یہ کیا کہ ہر تنگ راہ پر کچھ سپاہی متعین کر دیئے۔ پھر چیرہ دستی کرکے غنیمت
فراوان حاصل کی۔ مگر اس ملک کی نگاہداشت کو دشوار کا سمجھا اور سیستان کو چلا گیا۔ حجاج کو یہ بازگشت ناپسند
ہوئی اسکو عتاب نامہ بڑی لعنت ملامت کا لکھا کہ تمہاری بازگشت کی یہ سزا ہے کہ اس نامہ کے پہونچنے کے
ساتھ ہی تم پھر اُس ملک میں جاؤ اور اُس طرف قبضہ اپنا کرو۔ اور اگر اپنی خود رائی اور خویشتن دوستی سے حکم کی
تعمیل نکروگے اور کام کو دوسرے سال پر ٹالوگے تو اپنے تئیں معزول سمجھو اور اپنی جگہ عمر شکری اسحٰق بن محمد کو اپنا
سردار جانو اور اسکے احکام کی تعمیل کرو۔ عبد الرحمن نے اپنی نادرستی اور بدگوہری سے سب لشکر کے ساتھ ملکر بد دلی کرکے
حجاج سے سرتابی کی اور حاکم کابل سے گو وہ دشمن تھا آشتی کی اور یہ قرار پایا کہ اگر میں فتحیاب ہوں تو پھر تیرے کابل
کو کچھ تکلیف نہ دوں اور خراج و باج سب بری کر دوں اور اگر اس کارزار میں ناکام ہوں تو تو مجھے پناہ دے اور میری دستگیری
کر۔ حجاج اس شورش سے برآشفتہ ہوا۔ اسکی پہلی لڑائی حجاج کے لشکر سے تستر میں ہوئی جس میں عبد الرحمن کو فیروزی ہوئی پھر
دوسری لڑائی میں شکست میں بڑی بے آبروئی کیساتھ ہوئی وہ بھاگ کر بست میں اپنے گماشتہ کے پاس پناہ کے لئے گیا
اس حرام زادہ دین و دنیا گماشتہ نے اسلئے کہ مجھے حجاج سے تقرب حاصل ہو اُسکو گرفتار کرکے حجاج کے پاس بھیجنے
کا ارادہ کیا مگر مرزبان کابل کو اسکی اطلاع ہوئی اُس نے تیز دستی کرکے عبد الرحمن کو اس بلا سے خلاص کیا اور اپنے
ملک میں لے آیا یہ مدد پاکر عبد الرحمن پھر کئی دفعہ لڑا مگر کام نہ بنا۔ سنہ ۸۵ھ میں حجاج نے رتبیل راجہ کابل سے ایسی میٹھی
میٹھی باتیں بنائیں اور دلآویز وعدے کئے کہ اُسنے اپنے مہمان کو باندھکر حجاج پاس روانہ کیا۔ مگر عبد الرحمن کی غیرت
نے یہ تقاضا نہ کیا کہ حجاج کے دل کے ارمان پورے ہونے دے۔ اسلئے ایک بلند پہاڑی سے اپنے تئیں گرا کر پستی بلندی کو قبول کیا
سنہ ۱۰۷ھ میں خلیفہ ہشام بن عبد الملک کی خلافت میں اسد بن عبد اللہ قسری حاکم خراسان نے غور و غرجستان ملک
نیمروز و کابل کو فتح کیا۔ اور کابل کو اپنا حاکم نشین بنایا۔ خلفاء المہدی اور الرشید کے عہد میں کابل کے راجہ سے خراج
لیا جاتا تھا اور جہاں لوگ مسلمان ہو جاتے تھے وہاں مسلمان حاکم مقرر ہوتے تھے (۱۵۸–۱۹۳ھ) اسی سال جب الفضل بن یحییٰ برمکی
خراسان کا حاکم مقرر ہوا تو اُسنے دو چند خراج طلب کیا اور اُسکو لے لیا اور وہاں کے راجہ نے اطاعت اختیار کی
اسلام قبول کیا۔ خلیفہ مامون کیطرف سے شہر کابل میں ایک مسلمان گماشتہ رہتا تھا۔ خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے عہد میں یہی حال رہا
سنہ ۲۵۶ھ میں خلفاء صفاریہ میں یعقوب بن لیث نے کابل کو فتح کیا اور اسکے مرزبان کو قید کیا۔ اور شاہ اور نیچ
کو قتل کیا اور سارا افغانستان مسلمان ہوا۔ وہ یہاں سے بہت غنیمت اور تین بادشاہوں کے سر اور بہت سے بت بغداد کو لے گیا

جیت لے گیا جسکو اُس نے خلیفہ بغداد کی نذر میں بھیجا۔
مسلمانوں کی کابل میں حکومت مستقل یعقوب بن لیث کے زمانہ سے سمجھنی چاہیے اُس کے نام کے بہت سے سکے جنمیں سنہ ۲۶۱ و ۲۶۲ھ ہیں پنج شیر اور کابل کے شمال و مشرق میں ملتے ہیں۔ آل سامان کے زمانہ میں اس خاندان کا غلام الپتگین اپنے آقاؤں سے جدا ہو کر غزنین اور کابل پر متصرف ہوا اور ایک سلطنت مستقل قائم کی۔

فصل دوم خاندان غزنویہ

الپتگین

عبدالملک بن نوح سامانی خاندان کا پانچواں بادشاہ تھا (باب دوم میں آل سامان کی سلطنت کا حال پڑھو) اُسکا الپتگین ایک ترکی غلام تھا اول اول بادشاہ کو وہ بھان متی اور نٹ کے تماشے دکھا دکھا کر دل خوش کیا کرتا تھا اس خاندان میں یہ دستور تھا کہ غلام امانت کے عہدوں پر سرافراز ہوتے۔ اور بادشاہ ہونے حاجب بنتے تھے اور اعلیٰ عہدوں پر سرفراز ہوتے۔ دور دور کے صوبوں پر حاکم مقرر ہوتے غرض بڑے سے قابل تھے وہ سمجھے جاتے۔ بادشاہ نے اس اپنے غلام کی ہوشیاری اور جوانمردی اور دیانت اور امانت دیکھکر سنہ ۳۵۰ھ ۹۶۱ء میں اُسکو خراسان کا حاکم مقرر کیا جب عبدالملک دنیا سے سدھارا تو امراء بخارا نے قاصد الپتگین پاس بھیجا اور پوچھا کہ آپکی رائے میں آل سامان میں تخت نشینی کے لائق کون ہے اُس نے قاصد کو جواب دیا کہ عبدالملک کا بیٹا منصور ابھی نوعمر اور ناتجربہ کار ہے سلطنت کیلئے سزاوار نہیں البتہ بادشاہی اُسکے چچا پر زیب دیتی ہے۔ ابھی یہ قاصد پیغام لیکر بخارا میں پہنچا نہ تھا کہ امراء نے اتفاق کرکے منصور کو تخت شاہی پر بٹھا دیا جب یہ جواب قاصد لایا تو منصور کو نہایت غصہ آیا فوراً الپتگین کو خراسان کی حکومت سے معزول کرکے دربار میں بلایا۔ الپتگین کو یہاں آنے میں وہم پیدا ہوا جان کا اندیشہ دامنگیر ہوا اسمیں شک نہیں اگر وہ یہاں آتا تو کیا جان کہتو یا قید خانہ میں عمر کاٹتا اُس نے منصور کا حکم نہ مانا۔ اور سپاہیانہ پیچ کھیلا کہ خراسان کو چھوڑا اور اپنے خاص کا لشکر تین ہزار غلاموں کا اپنے ہمراہ لیا۔ اور غزنین کیطرف کوچ کیا اور صحیح سالم وہاں جا پہونچا۔ اور امیر لوک سے غزنین چھین لیا بلخ اور ہرات اور سیستان جس ملک میں داخل ہوا اُسکو فتح کر لیا اور خود بالاستقلال بادشاہ بنگیا منصور نے دو دفعہ لشکر الپتگین سے لڑنے کو بھیجا۔ گر دونوں دفعہ مغلوب ہوا۔ یہ خطہ اُسکے ہاتھ ایسا لگ گیا کہ جیسے قوی ہیکل اور بہادر اور جنگجو باشندے یعنی افغان اُسکے خود مختار بنا دینے کو کافی تھے۔ گو وہ اُس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں مگر اُسے وقت میں ساتھ دینے کو اور جان لڑانے کو طیار تھے اگرچہ اُس کے ساتھ تین ہزار غلام اُسکے تن ہمراہ تھے اور

غالباً اسی طرح ترکی غلام تھے اور کبھی کبھی ایرانی آزاد ترکی سپاہی بھی آ نکلتے ہونگے اور اسکے ملازم بنتے ہونگے مگر ایسے آدمیوں سے کیا ہوتا ہے۔ بڑا اعتماد افغانوں کا تھا۔ جن میں آپ رہتا تھا۔ گو وہ اسکے تابع نہ تھے مگر وقت پر نوکر ہو جاتے تھے۔ غرض ان سب کی بدولت اس نے پندرہ برس تک دولت و اقبال کیساتھ فرمانروائی کی ۳۶۵ھ میں اپنی موت سے مر گیا جامع الحکایات میں غزنین لینے کی حکایت لکھی ہے کہ جب الپتگین شہر غزنین کے باہر خیمے لگائے پڑا تھا اور شہر والوں نے دروازہ بند کر دیا تھا اور وہاں کسیکو اندر نہ آنے دیتے تھے۔ تو الپتگین نے رعایا پروری اور عدل گستری کا طریقہ ایسا اختیار کیا تھا کہ رعایا خود بخود دین و امیر کی غلام ہی جاتی تھی ایکدن اس نے دیکھا کہ کچھ سوار فتراک میں مرغ باندھے لئے چلے آ رہے تھے اس نے سواروں سے پوچھا کہ یہ مرغ یوں ہی زبردستی چھین کر لائے ہو یا قیمت دیکر مول لائے ہو۔ سواروں نے کہا کہ ہم دیکر مرغ لیا ہے الپتگین کو انکے کہنے کا یقین نہیں آیا۔ اسنے گاؤں کے مقدم کو بلا کر پوچھا اول مقدم جھجکنے لگا ڈرا مگر الپتگین نے ایسی باتیں کین کہ اسنے سچ سچ کہدیا کہ حضور یہ ترک گاؤں میں روز جاتے ہیں مرغ زبردستی مفت چھین لاتے ہیں۔ الپتگین نے یہ سنکر حکم دیا کہ یہ سوار جو یہاں ہیں وہ قتل کیے جائیں مگر جب مصاحبوں نے تخفیف سزا کیلئے منت سماجت کی تو اس نے حکم دیا کہ ان سواروں کے کانوں میں چھید کیے جائیں اور ان چھیدوں میں مرغ لٹکائے جائیں اور انکی ٹانگیں باندھ دیجائیں اور اسطرح انکی سارے لشکر میں تشہیر کیجائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی مرغوں کے پھڑپھڑانے سے سواروں کے چہرے لہولہان ہو گئے۔ مگر اس انصاف کا اثر اہل غزنین پر ایسا ہوا کہ انھوں نے شہر کے دروازے الپتگین کے داخل ہونے کیلئے کھول دیے اس ایک انصاف نے وہ کام کیا کہ ایک سپاہ کی تلوار بھی نہ کرتی۔

امیر ناصر الدین سبکتگین

حقیقت میں امیر ناصر الدین سبکتگین ایران کا امیر زادہ او یزدجرد کی نسل میں سے تھا مگر وہ الپتگین کا غلام تھا نام ایک سوداگر اسکو ترکستان سے لایا تھا۔ الپتگین نے اسے خریدا تھا۔ اسکی فراست۔ کیاست۔ شجاعت۔ دیکھکر بتدریج ایسے بلند مرتبے پر پہونچایا کہ لشکر کا سپہ سالار اور دربار کا بڑا اہل کار وہی تھا۔ وہ اپنے آقا کے ساتھ ہمیشہ لڑائیوں میں ہمراہ رہتا اور داد جوانمردی دیتا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ الپتگین نے اپنی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیا تھا اور تخت و تاراج کا وارث اسے ہی مقرر کیا تھا۔ مگر تاریخ فرشتہ میں یوں لکھا ہے کہ الپتگین بیٹا ابو اسحٰق کا تھا اسکو باپ کے مرنے کے بعد سبکتگین بخارا لیکر گیا اور وہاں سے غزنین کی مسند حکومت دلا لایا اور سارے ملکی اور مالی کاموں کا خود مختار رہا۔ ابو اسحٰق نے ایک سال کی سلطنت کے بعد سنہ ۳۶۶ھ میں عقبیٰ کی راہ لی۔ اور اسکے بعد بلکاتگین جو ترکی امیر تھا بادشاہ ہوا وہ عاقل و متقی تھا۔ دو سال سلطنت کر کے وہ بھی اس دنیا

ودلیع ہوا۔ بعد اسکے امیر پری کہ بڑا مفسد و ظالم تھا تخت پر بیٹھا اُس نے کچھ لکھا پڑھی کرکے ابو علی لویک پسر شاہ کابل کو اپنی مدد کو بلایا جب وہ چرخ کی حد میں آیا تو امیر سبکتگین نے پانچسو ترک سوار دیکے چھاپہ مارا اور اسکو قتل کیا اور دس ہاتھی چھین لئے اور انکو غزنین میں لایا یہ فتح امیر سبکتگین کو حاصل ہوئی اُدھر پری کے ظلم سے لوگ عاجز ہو رہے تھے اسلئے سب امیروں نے متفق ہو کر امیر سبکتگین کو غزنین کا امیر بنایا امیر بلکاتگین کو ہی اسکے بیٹے تو سبکتگین غزنین کا اول امیر شمار ہوتا۔

جب امیر سبکتگین مسند حکومت پر بیٹھا تو حصار بست پر امیر طغان مستولی ہوا مگر توزکان نے جو آل سامانیہ میں تھا قلعہ بست کو غصب کر لیا۔ اور طغان کو نکال دیا۔ امیر سبکتگین کی درگاہ میں طغان نے التجا کی کہ اگر آپ معاونت کرکے قلعہ بست پر میرا تسلط کرا دیں تو میں آپکا عمر بھر خدمتگار اور باجگذار رہونگا۔ امیر نے اسکی درخواست کو منظور کر لیا اور لشکر بست پر لیجا کر توزکان کو شکست دی اور طغان کو اپنے مقصود پر فائز کیا۔ مگر طغان نے جو وعدے کئے تھے انکے ایفا میں تغافل اور تساہل و تعلل کیا اور امیر سبکتگین کو اسکی حرکات و سکنات سے مکر و خدعہ کی علامتیں مشاہدہ ہوئیں۔ ایکدن صحرا میں شکار میں وہ امیر سبکتگین ساتھ تھے کہ اس سے امیر نے خراج موعود کا تقاضا شدید کیا طغان نے اسکا جواب ناصواب دیا اور تلوار کھینچکر امیر کا ہاتھ مجروح کیا۔ امیر نے زخمی ہاتھ سے تیغ کھینچکر طغان کے ماری اور دوسرے ہاتھ سے کام تمام کرتا کہ ملازموں نے بیچ بچاؤ کر دیا۔ طغان فرصت پاکر کرمان کو ایسا بھاگا کہ پھر اسکو بست کا دیکھنا خواب میں بھی میسر نہیں ہوا۔ امیر نے بست پر قبضہ کر لیا۔ اس بست کی فتح سے بڑا فائدہ امیر کو یہ ہوا کہ ابو الفتح علی بن محمد جو انواع فنون سے خصوص صنعت و کتابت میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا اور توزکان کا دبیر تھا وہ خانہ نشین تھا اسکو تلاش کرکے بلوایا اور اپنی خدمت میں رکھا اور اسکو وزیر مقرر کرنا چاہا تو اُسنے اس خیال سے کہ اس پیرانہ سالی میں میرے دشمن اس منصب عالی سے پیدا ہونگے عذر کرکے امیر سے علیحدہ ہو گیا۔

قصدار غزنین کے قریب تھا۔ اسکا امیر اپنی حصانت قلاع پر مغرور تھا۔ امیر سبکتگین نے اسپر لشکرکشی ایسی کی کہ نہ آنکھوں کو سونے دیا نہ بدن کو آرام لینے دیا لشکر کو بقدر ضرورت فرصت آرام دیا اور امیر قصدار کو اسطرح پکڑ لیا جیسے کہ بھیڑ کو مہمان کے لئے کباب بنانے کیواسطے پکڑتے ہیں پھر اُسکو اپنے الطاف کریم سے اس ملک میں اس شرط پر مقرر کر دیا کہ مال مقررہ ہر سال بھیجا کرے۔ اور خطبہ میں اسکا نام پڑھوایا کرے۔ جب ان لڑائیوں سے فراغت ہوئی تو وہ دیار ہند کی طرف ۳۶۷ھ میں متوجہ ہوا۔ امیر سبکتگین کی فتوحات ہند کے پیچھے بیان کرینگے اول یہ بتلاتے ہیں کہ ہندوستان کی فتح میں کیوں توقف ہوا۔

باب دوم سے تمکو یہ معلوم ہوگا کہ ہندوکش سے مغرب کیطرف ایشیا مین اور افریقہ اور جنوبی یورپ مین سپین اور پرتگال تک اسلام کے اعلام فتح و ظفر قایم ہو گئے مگر پنجاب مین ایک چپہ زمین کا قدم کے پنجہ کی برابر بھی مسلمانون کو نہین ہاتھ لگا۔ اتنے عرصہ تک جو توقف ہندوستان کی فتح کا ہوا اسکا ایک سبب تو یہ تھا کہ ہند مین بعض قومین بڑی جوہر دار اور دلاور رہتی تہین اس بات کو تم باب سوم مین تاریخ ہند و سند کو پڑھ کر سمجھ سکتے ہو کہ سندھ کے رجپوتون نے مسلمانون کا کیسا مقابلہ دلیرانہ کیا اہل عرب ہی کی شجاعت تھی جو انکو زیر کیا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ہندوون کے راج کا جنگی انتظام ایسا مسلسل تھا کہ وہ بیگانہ حملہ آورونکو بڑے الجھیڑے مین پھنسا کر انکو کامیاب نہین ہونے دیتا تھا۔ ہندوستان کو بندھیاچل پہاڑ نے دو شمالی اور جنوبی حصون مین تقسیم کر دیا ہے اور اس پہاڑ کے جنگلون اور پہاڑیون نے اُتر اور دکھن کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی ہے۔ بندھیاچل کے شمال مین تین گروہون کے راجا وادیان عظیم مین راج کرتے تھے۔ سندھ کے میدانون اور جمنا کے دوآبہ کے حصون مین بالکل جمیع سلطنت کرتے تھے جسکو سنسکرت مین مدھیا دیش (زمین متوسط) کہتے ہین وہ بڑے بلوان راجپوتون مین منقسم تھا اور ان راجون کے راجاؤن کا مہاراج قنوج کا مہاراجہ تھا۔ دریاے گنگ کے زیرین وادی مین پہاڑ سے نیچے بدھ مذہب کے راجہ پال کے خاندان کے راج کرتے تھے۔ بنارس کے بنگال کے ڈلٹا تک ملک انہین کی قلمرو مین تھا۔ اب بندھیا کے دکن مین مشرقی اُڑیسہ کے ضلاع مین بڑی جنگجو اور تندخو پہاڑی قومین رہتی تھین مغربی انتہا مین بمبئی کے ساحل کیطرف مالوہ کی ریاست ہندوون کی تھی جسکا راجہ بکرماجیت ہندو راجاؤن کا آفتاب مشہور ہے۔ اسکا زمانہ علم و فضل کا شہرہ آفاق ہے۔ اس ریاست کی جاگیردار بڑے جنگجو دلیر تھے۔ ہندوستان مین بندھیاچل کے دکن مین بڑے بڑے راجہ جانشین سپاہی رہتی تھی کہ وہ آریا قوم مین سے تھی انکے تین گروہ تھے چیرا۔ چولا۔ پانڈیہ یہ بھی اس ملک کی بادشاہی کرتے تھے ان راجونکے مجموعہ کا گروہ خواہ وہ اُتر مین ہو یا دکن مین۔ آپسمین اتفاق کر کے بیگانہ حملہ آورون کے مقابلہ کر سکتی تو پیدا کر لیتا تھا اور جب یہ کئی گروہ اور انکی افراد متفق ہو جاتی تہین تو انکا فتح کر کے مغلوب کرنا اور بھی مشکل اور محنت و مشقت کا کام ہو جاتا تھا۔ اگر ان گروہون کے مجموعہ پر فتح بھی حاصل کر لی جاتی تھی تو پھر ہر گروہ سے اور ہر گروہ کی افراد سے جدا جدا لڑنا پڑتا تھا۔ پھر بعد فتح کے بھی ہر راج مین سرکشی و گردن کشی کا مادہ موجود رہتا تھا یہی سبب ہے کہ سندھ مین باوجود سخت سعی و کوشش کے مسلمانوکی سلطنت کی ترقی بڑی آہستہ آہستہ ہوئی تین صدی لیکے شمال و مغرب دو بڑے زبردست حملہ آورون کی سعی سے سنہ ۱۰۰۱ع و سنہ ۱۱۸۶ع کے درمیان پنجاب کے سرحدی حصہ پر مسلمانون کی حکومت قایم ہوئی اور سنہ ۱۵۶۵ع مین تالی کوٹ کی فتح سے دکن مین مسلمانونکو مستقل حکومت ہوئی

اور پھر سو برس کے بعد ۱۶۵۰ء ہندوؤن کی قوم مرہٹے نے وہ سر اٹھایا کہ سلطنت مغلیہ کو ہندوستان مین خاک مین ملا دیا۔ شمالی ہند مین بھی شہنشاہ اکبر کے عہد مین مسلمانون کی سلطنت پوچھو تو اچھی طرح قایم ہوئی ورنہ ہندو اپنی سلطنت کے لئے اکثر مسلمانون سے لڑتے رہے۔

جب بست و قندھار کی فتوح سے امیر سبکتگین کو فرصت ملی تو دیار ہند کیطرف سنہ ۳۷۶ھ مین توجہ ہوئی اور ہند کے چند قلعے ایسے فتح کئے کہ جہان نہ اہل اسلام کے گھوڑون کے سم نہ اونٹونکے قدم پھرے تھے ان قلعون مین جا بجا مسجد بنا کر اور تاخت و تاراج سے جو غنایم ہاتھ لگین انکو لیکر غزنین کی طرف مراجعت کی۔ ہندوستان مین اسوقت راجہ جے پال راجہ تھا۔ ولایت لاہور سے لیکر لمغان تک اور کشمیر سے ملتان تک اسکی قلمرو تھی بھٹنڈہ مین مقام اسلئے کیا تھا کہ اہل اسلام کو آگے بڑھنے سے روکے۔ جب اس نے سنا اور دیکھا کہ مجاہدین اسلام اسکے ملک پر دست درازی کرتے ہین اور انکی ہمسائگی ذات الجنب ہے۔ اس سے جان و مال کا خطرہ ہے تو نہایت مضطرب و بیقرار ہو کر چارہ جوئی جنگجوئی مین اس نے دیکھی۔ لشکر اور ہاتھی جمع کرکے لمغان کے میدان مین مسلمانون سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوا۔ یہ لمغان کا میدان کابل اور پشاور کے درمیان واقع ہے۔ امیر سبکتگین نے غزنین سے جنبش کرکے خیمے ڈیرے اسی میدان مین جمائے۔ دونون لشکرون مین چند روز تک کارزار مین خوب ہاتھ چلے مگر کوئی غالب و مغلوب نہین معلوم ہوتا تھا۔ اس لڑائی مین محمود غزنوی بھی اپنے باپ کے ساتھ شریک تھا اور طفلی مین وہ جوانمردی کے کام کرتا تھا کہ بڑے بڑے سورما بہادرون کی عقل اسمین حیران تھی۔ یہ ہنگامہ رزم گرم تھا کہ ایک غیبی گولہ سر آنکر پڑا یعنی وہ باد و باران کا طوفان آیا کہ دن کی رات ہو گئی اور وہ برف شدت سے پڑی اور سردی چمکی کہ خون سرد ہو کر رگون مین جم گئے۔ مسلمان اسکے عادی تھے مگر بیچارے ہندوؤن نے اس سردی کی آفت کبھی اٹھائی نہتی ہزارون سپاہی اور چارپائے اکڑ گئے۔ سیکڑون کے ہاتھ پاؤن رہ گئے یہ وہی میدان ہے جہان سردی کی تکلیف لشکر ہند نے انگریزی افسرون کے ماتحت نو سو برس بعد اٹھائی۔ ایک کہانی مشہور ہے کہ ان پہاڑون مین ایک چشمہ تھا کہ جب اسمین کوئی ناپاک چیز ڈالتے تھے تو اتنی برف پڑتی تھی کہ شہر کے شہر دب جاتے ہین اس چشمہ کی خبر ایک بڑھیا نے امیر کو دی تھی جسنے اسمین نجاست ڈلوا کر یہ پاک کام کیا تھا۔ گو اسکی اصل کچھ نہ تھی مگر ہندوؤن کے ڈرانے کے واسطے یہ ڈھکوسلا بھی بڑے کام کا تھا غرض اب سارے لشکر مین جاڑے کی دہائی پڑ گئی جے پال نے لاچار ہو کر سبکتگین پاس پیغام صلح بھیجا۔ سبکتگین صلح پر راضی تھا مگر محمود کہ جوانی کے زور مین بھرا ہوا تھا اس صلح کا مانع ہوا۔ اس لئے یہ کام صلح کا کھٹکے مین پڑ گیا پھر جے پال نے ایک نامہ اچھی

محمود پاس بھیجا۔ اور یہ لکھا کہ آپ کو معلوم رہے کہ راجپوتونکا ایک دستور ہے کہ مایوسی اور اضطراب کی حالت مین
جب وے سمجھتے ہین کہ ستیز مین کوئی راہ گریز دشمن سے نہین رہی۔ تو جو کچھہ ان پاس نقد و جنس ہوتا ہے اسکو آگ
مین جھونکتے ہین ہاتھی گھوڑون اور مویشی کو اندھا کر دیتے ہین غرض کوئی چیز سلامت نہین رکھتے اہل و عیال کو
آگ مین ڈالتے ہین۔ پھر ایک دوسرے کو وداع ہوتے ہین۔ اور دشمن سے یہانتک لڑتے ہین کہ سب کے سب کر خاک
مین ملجاتے ہین۔ ایسکو وہ دین دنیا کی سرخروئی جانتے ہین خوب سمجھہ لو کہ اگر تمہارے لشکر کے لوگون کو ہماری طمع
صلح کرنے نہین دیتی تو یہ گرد کھائینگے۔ پھر تم پچتاؤگے۔ نقد و جنس کی جگہ راکھہ کا ڈھیر پاؤگے۔ قیدیون اور
غلامون کے عوض مین بکھری ہوئی ہڈیان مردونکی دیکھوگے۔ ہاتھیونکی جگہ کیچڑ اور پتھر پاؤگے غرض تمکو لڑائی
کی مین نہین خاک کے سوا کچھہ خاک ہاتھہ نہ آئیگا اگر صلح کرلوگے تو ہم بہت دیا کرینگے۔ اب محمود نے بھی لکھا کہ ہندونکو
مایوس کرنا اچھا نہین معلوم نہین آگے کیا ہو غرض باپ بیٹے دونو صلح پر راضی ہوگئے۔ راجہ نے اپنے معتبر رشتہ دار اور عزیز یہان
سبکتگین پاس چھوڑے اور امیر کے معتمد ساتھہ لئے کہ اپنے دارالسلطنت مین جاکر بموجب عہدنامہ کے ہاتھی گھوڑے
مال و دولت حوالہ کرے باوجودیکہ جے پال نے یہ تباہی وہان اٹھائی تھی۔ اور خراج دینے کے وعدہ پر رہائی پائی
تھی مگر لاہور مین جب پہنچا سب قول و قرار بھول گیا خراج نہ بھیجا۔ سبکتگین کے آدمیونکو قید کرلیا اور کہنے لگا
جب تک امیر میرے آدمیون کو نہ چھوڑیگا مین ہرگز اس کے آدمیون کو نہ چھوڑونگا۔ اسوقت مین
دستور تھا کہ راجہ کے دربار مین بیاس پنڈت اور چھتری اونچے سردار کھڑے ہوتے تھے اور مہمات اور معاملات ملکی مین ایسے دیتے تھے
چھتری پنچو راجہ کی یہ حرکت ناپسند آئی۔ انہون نے عرض کیا کہ مہمونکو یا انکا پاس چاہیے جن کا توڑنا ایسا پاپ ہے کہ بیٹا گھوڑ
پھیر کر گردن پاتی ہے۔ اس حرکت ناروا سے باز آئیے اور خراج امیر کا بھجوائیے۔ مگر پنڈت صاحبون نے نہ برفی باران کی تہری
دیکھی تھی نہ تلوارون کی آنچ کے نیچے آئے تھے انہون نے یہ صلاح دی کہ راجہ کا جگت مین منہ کالا ہوجائیگا۔ اگر خراج
بھجوائیگا۔ شامت اعمال سے یہی صلاح جے پال کو بھی پسند آئی جب اس معاملہ کی خبر سبکتگین کو پہونچی۔ اول اسکو
یقین نہ آیا سمجھا کہ یہ خبر ہوائی ہے اور یون ہی لوگون نے اڑائی ہے۔ مگر جب متواتر یہی خبر کان مین آئی تو اسکو
یہ امر نہایت شاق معلوم ہوا۔ اس بدعہدی کے انتقام لینے کیواسطے لشکرونکو جمع کیا اور ایک دریا کیطرح امڈا ہوا
ہندوستان پر چڑھ آیا۔ اور سرحدی مقامات پر ایک آفت برسادی اور پانی پھیر دیا۔

جے پال کو یہ خبر پہونچی تو اس نے دلی اجمیر۔ کالنجر۔ قنوج کے راجاؤنکو چٹھیان لکھین کہ سبکتگین اس طرح پنجاب پر
چڑھا ہے پنجاب ہی ہمیشہ سے سپاہ ہندونکا سپر رہا ہے۔ اب مناسب ہے کہ ہم سب ملکر اس ٹڈی کو روکین۔ نہین تو سب کے

ملک مین پانی پھیر دیگا۔ غرض ان سب جادون نے اپنا انتخابی لشکر بہت سا مال اور خزانہ کے تحفے جے پال پاس
بھیجدیا۔ اور یہ جان لیا کہ ہماری عزت اور آبرو سلطنت کی ابقا جے پال کی جے پر موقوف ہے۔ اسلئے اعانت اور
معاونت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نکیا وہ ایک لاکھ سوار اور پیادے بیشمار ساتھ لیکے بڑھا۔ اور لمغان کے میدان مین
امیر سبکتگین کے لشکر کے سامنے ڈیرے خیمے ڈالدیے۔ امیر سبکتگین دشمنونکی کیفیت اور کمیت دیکھنے کیواسطے ایک
ٹیکری پر کھڑا ہوا۔ وہان دیکھتا ہی کہ جہانتک نظر کام کرتی ہی لشکر ہی لشکر دکہائی دیتا ہی۔ مگر اس سے اسکو کچھ ہراس
نہوا اور سمجھا یہ سب بھیڑین ہین مین قصاب ہون۔ یہ کلنگون کی قطارین ہین اور مین شاہین ہون ایا اُس نے
سب سردارونکو بلایا اور جہاد کا وعظ سنایا۔ اور سب سے زیادہ عمدہ تدبیر لڑائی مین یہ کام مین لایا کہ پانچ پانچسو
غول ایک ایک افسر کے نیچے مقرر کیا۔ اور حکم دیا کہ باری باری سے لڑین ایک غول لڑائی کے میدان مین جائے
جب تہک جائے تو واپس آئے۔ اور دوسرا تازہ دم اسکی جگہ جائے یہ حکمت اُس کی ایسی کارگر ہوئی کہ ہندونکے
لشکر مین باوجود کثرت کے ضعف معلوم ہوا۔ اور جب انکے پیر اکھڑے تو سارے لشکر نے دفعتًا حملہ کیا اور ہزارونکو
مار ڈالا اور سب کو بھگا دیا اٹک تک انکا تعاقب کیا۔ لشکر اسلام غنیمت سے مالامال ہوگیا۔ گرد و نواح کے پرگنون
سے جو لاہور کی سلطنت مین داخل تھے بہت سا محصول وصول ہوا۔ راجہ کے ملک پر دریائے اٹک تک قبضہ و تصرف
کیا اور پشاور مین دس ہزار سپاہیونکو ایک افسر کے ماتحت چھوڑا۔ ان لڑائیونکے بعد لمغان کے افغان اور خلجی بھی امیر
سبکتگین کے مطیع ہوے اور اُسکی سپاہ مین بھرتی ہوئے۔ ان مہمات کے بعد پھر اپنی ریاست کے انتظام مین مصروف ہوا۔

اس زمانہ مین کہ ہندوستان مین امیر سبکتگین کو یہ فتوح حاصل ہوئین۔ امیر نوح بن منصور سامانی نے ابونصر فارسی کو
امیر سبکتگین پاس بھیجا کہ فائق امیر بخارا نے جو خرابیان اس کے ملک مین مچا رکھی ہین اس سے مطلع کرے اور معاونت کی
درخواست کرے۔ آل سامان کی اس بے سامانی کا حال سنکر سبکتگین کی رگ حمیت حرکت مین آئی اور وہ فورًا
ماوراءالنہر کو روانہ ہوا۔ امیر نوح بھی ولایت کش مین پیشوائی اور استقبال کے لئے آیا امیر سبکتگین نے ملاقات
سے پہلے امیر نوح سے یہ التماس کی کہ ضعف پیری کے سبب سے مجھے گھوڑے پر سے اُترنے اور رکاب پر بوسہ
دینے سے معاف فرمایئے۔ امیر نوح نے اُسکی التماس کو قبول کیا۔ مگر جب امیر سبکتگین کی نظر امیر نوح کے طلعت
پر پڑی تو ہیبت شاہی نے بے اختیار اسکو گھوڑے پر سے اتروایا اور رکاب پر بوسہ لوایا۔ امیر نوح اس سے بہت
خوش ہوکے گلے لگالیا۔ غرض ان دونون سعادتمندونکے ملنے سے خاص و عام کے دلونکو راحت ہوئی۔ اور ایک جلسہ صحبت
منعقد ہوا۔ بعد فراغت ضیافت و مجالست کے انتظام امور مملکت مین گفتگو ہوکے یہ قرار پایا کہ امیر سبکتگین غزنین جائے

اور سپاہ کو تیار کرکے لائے۔ وہ غزنین کو روانہ ہوا اور امیر نوح بخارا کو گیا جب فائق کو جو امیر ابو علی سمجوری کے
پاس پناہ کے لئے گیا تھا یہ اطلاع ہوئی تو اس نے اپنے خواص سے مشورہ کیا کہ اگر کام بگڑے تو کہاں پناہ لینی
چاہیئے یہ قرار پایا کہ فخر الدولہ دیلمی کے پاس پناہ لینی چاہیئے اُس سے رشتہ اتحاد و وداد مستحکم ہے اس اثناء میں
امیر سبکتگین بلخ میں آیا اور امیر نوح بخارا سے چلکر اُسے ملا۔ فایق اور امیر ابو علی سمجوری لشکر گراں لیکر روانہ ہوئے
اور ہرات کے پاس میدان میں لڑائی ہوئی۔ امیر سبکتگین نے دشمنوں کو شکست دی اور انکو بے سر و سامان بھگا دیا
فایق اور امیر ابو علی سمجوری بھاگ کر نیشاپور میں گئے۔ اس فتح کے صلہ میں امیر نوح نے سبکتگین کو ناصر الدین کے
خطاب سے اور سلطان محمود کو سیف الدولہ کے لقب سے مشرف کیا اور منصب امیر الامرائی کا جو ابو علی سمجوری کو عطا ہوا
تھا وہ سیف الدولہ کو دیا گیا اور امیر نوح کامیاب و کامران بخارا کو روانہ ہوا اور ناصر الدین سبکتگین غزنی میں آیا
اور سیف الدولہ سلطان محمود تنہا نیشاپور میں رہا جب امیر ابو علی اور فایق سلطان نے محمود کو تنہا دیکھا تو پہلے
اس سے کہ اُس کے باپ کے پاس کمک آئے اُس سے لڑائی کا قصد کیا اور امیر فتح حاصل کرلی جب امیر سبکتگین کو اسکی خبر
ہوئی تو وہ سپاہ کو لیکر نیشاپور میں پہونچا اور حوالی طوس میں امیر ابو علی اور فایق سے لڑائی ہوئی امیر سبکتگین نے پھر
ان دونوں کو شکست فاش دی مگر ابو علی سمجوری اور فایق جان سلامت لے گئے اور قلعہ کلات میں چلے گئے
اس فتح کے بعد امیر ناصر الدین سبکتگین مسند فرمانروائی پر فراغت کے ساتھ متمکن ہوا۔ فائق بغرا خان کے جانشین
ایلک خان پاس چلا گیا اور اس ایلک خان کے باوجود سے نوح اور فایق میں صفائی ہوگئی اور وہ سمرقند کا
حاکم مقرر ہوا۔ جب نوح نے انتقال کیا تو ایلک خان نے بخارا پر حملہ کیا اور فایق حاکم سمرقند اُسکا ممد و معاون ہوا
اور اُس نے بادشاہ منصور ثانی کو اس بات پر مجبور کیا کہ تمام اختیارات سلطنت کے فائق کو تفویض کر دے
روضۃ الصفا میں سبکتگین کی خصائل کو اس طرح بیان کیا ہے کہ آئین سلطنت و بادشاہی میں آراستہ اور کوشش
میں شیر کی مانند بالکل عنایت بخشش میں مثل ابر بہمہ کرم ہنگام داد میں بادہندہ قوی اور ضعیف پر اور ادبا
کی مانند درخشندہ وضیع و شریف پر ہمت میں دریا کہ دہش میں کاہش سے نہیں ڈرتا تھا۔ تہور میں سیل کہ
نشیب و فراز سے کچھ پرہیز نہ کرتا تھا ظلمت حوادث میں اسکی رائے روشن ستارہ کی طرح رہتا۔ اسکی تلوار جلیل
اعدا میں قضا کی مانند گرہ کشا۔ اسکی شمائل میں نجابت و شہامت پیدا اسکی حرکت و سکون میں دلائل میں و سعادت ہویدا
۳۸۷ھ میں حدود بلخ کے اندر ترمذ میں سبکتگین کے سر پر موت نے اپنا گھوڑا دوڑایا۔ اسکی عمر ۵۶ برس کی تھی
۹۹۷
اسکا جنازہ عماری میں غزنی گیا اور وہاں دفن ہوا۔ اس نے بیس سال حکومت کی اور اسکی اولاد میں جو وہ بادشاہ

ہوئے۔ جو لاہور اور اُسکی نواح پر متصرف و متسلط ہوئے۔ اس امیر کا وزیر ابو العباس فضل بن احمد سفرائینی تمام ضبط
امور مملکت اور سرانجام مہام سپاہ و رعیت میں کمال رکھتا تھا۔

امیر سبکتگین اپنی موت سے چار روز پہلے شیخ ابو الفتح بستی سے یہ کہتا تھا کہ ہمارا اور ہمارے عوارض و امراض کا حال بعینہ قصاب و بھیڑ و بکا سا ہے جب بھیڑ کو پہلے پہل گھٹنے تلے قصائی دباتا ہے تو وہ بیچین ہو کر تڑپتی ہے مگر جب وہ اُون کتر کر چھوڑ دیتا ہے تو پھر ادھ چلنے کو دوڑنے لگتی ہے جب یہی نوبت دو چار دفعہ پھر گذرتی ہے تو وہ قصائی سے بیخوف و خطر ہو جاتی ہے جب اُسکو ذبح کرنے کیلئے وہ لٹاتا ہے تو یہ جانتی ہے کہ اُون کتر کر تھوڑی دیر میں وہ مجھے چھوڑ دیگا لیکن وہ چھری پھیر کر جان نکال لیتا ہے۔ پس انسان بار بار بیمار ہو کر اچھا ہو جاتا ہے تو مرض الموت میں بھی صحت کی امید پر مغرور اور اجل سے غافل ہو جاتا ہے کہ موت جان شیرین کو باد فنا میں اڑا دیتی ہے۔

دو ایک حکایتیں لکھتے ہیں گو وہ پایہ تاریخ سے ساقط ہیں۔ مگر ایشیائی مورخوں کی ان میں انسانیت اور [illegible] پائی جاتی ہے کہ وہ کس طرح تاریخ سے حسن اخلاق کی تعلیم کرتے ہیں۔ مشرقی ملکوں میں تاریخی واقعات سے ایسا اثر دل پر نہیں ہوتا جیسے ان حکایات سے جنکو مغربی ملکوں میں بالکل لغو و بیہودہ اور مشرقی بک بک کہتے ہیں۔ تاریخ بیہقی میں یہ حکایت سبکتگین اور اُس کے آقا کی لکھی ہے کہ جب امیر سبکتگین بخارا کو جاتا تھا تو راہ میں منزل خاکستر میں وہ فروکش ہوا اور یہاں صدقہ و خیرات میں بہت کچھ روپیہ دیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر پانچ چھ آدمیوں سے ایک جگہ کو کھودنے کیلئے حکم دیا جب انہوں نے کھودا تو ایک لوہے کی میخ نکلی۔ امیر سبکتگین نے اُسے دیکھا اور گھوڑے پر سے اترا اور بہت رویا اور جائے نماز منگا کر دوگانہ شکر الہی ادا کیا۔ جب لوگوں نے اس حال کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا کہ یہ قصہ نادر سنو کہ جس آقا کی میں ملک میں تھا مجھے اور بارہ اور غلاموں کو جو میرے ہمراہ تھے جیحون سے پار اتار کر شہر قان میں وہ لیگیا اور اس جگہ سے گورکانان میں لایا یہاں کے بادشاہ نے سات غلام خریدے اور مجھے اور پانچ اور غلاموں کو نہ خریدا۔ پھر نیشاپور کی راہ میں مرو اور سرخس میں چار غلام اور اُس نے بیچے اور میں اور ایک اور باقی رہے مجھے سبکتگین دراز کہتے تھے۔ اور بالاتفاق سے میرے آقا کے تین گھوڑے میری ران کے نیچے زخمی ہو چکے تھے جب یہاں خاکستر میں آیا تو میرا گھوڑا زخمی ہو گیا۔ اسپر میرے آقا نے مجھے بہت مارا اور زین کو میری گردن پر رکھا اور قسم کھائی تھی کہ نیشاپور میں جو کچھ تیری قیمت لگی وہی لیکر میں بیچ ڈالونگا۔ اسی غم میں رات سو گیا کہ حضرت خضر کی زیارت ہوئی انہوں نے مجھے بشارت دی کہ تو بڑا نامور بادشاہ ہوگا جب پھر اس زمین پر آئیگا تو [illegible] سا شکر ہوگا اور تو اُسکا شکر ادا ہوگا تو تم شکر ادا کرو جب یہ پایگاہ بلند تجکو نصیب ہو تو خلق خدا کے حق

نیکی اور انصاف کرنا۔ مین نے اٹھکر غسل کیا اور پچاس رکعت نماز پڑہی۔ اور اس میخ کو لیکر یہان نشانی کے لئے
بین گاڑ گیا۔ صبح میرے آقا نے سفر کیا مجھ سے یہ میخ مانگی جب مین نہ دیسکا تو اُس نے تازیانون سے مجھے خوب مارا اور پھر
سخت قسم کہائی کہ جو قیمت تیری ملیگی وہ لیکر تجھے بیچ ڈالونگا۔ نیشاپور تک دو منزل پیادہ پا چلا یا وہان البتگین نے
مجھے اور میرے دو یارونکو خرید لیا جس سے مین اس درجہ پر پہونچا کہ تم دیکھتے ہو۔
جامع الحکایات مین یہ حکایت لکھی ہے کہ نیشاپور مین جب البتگین کی خدمت مین سبکتگین رہتا تہا تو اس پاس ایک
گھوڑے کے سوا اور کچہہ نہ تہا وہ سارے دن جنگلون مین پھرتا اور شکار کہیلتا۔ ایکدن صبح اُس نے دیکھا کہ ہرنی اپنے بچے
کے ساتھ چر رہی ہے۔ اُس نے گھوڑا دوڑا کے اُس بچہ کو پکڑ لیا اور خوش خوش لیکر چلا۔ ہرنی نے بھی گھوڑے کا پیچھا
لیا اُس نے جو مڑ کر پیچھے دیکھا کہ ہرنی اپنے بچے کے پیچھے حیران پریشان چلی آتی ہے۔ تو اُس نے ترس کہا کر بچہ کو چھوڑ دیا
ہرنی اپنے بچے کے چھوٹنے سے خوش خوش جنگل مین جاتی تہی اور امیر کو بھی مڑ مڑ کر دیکھتی جاتی تہی۔ اسی رات
امیر کو رسول خدا کی زیارت ہوئی جنہون نے یہ فرمایا کہ اے امیر ناصر الدین تو نے ایک بیچارے بیکس بے بس پریشان
حال جانور پر شفقت کی خدا نے تجہپر یہ مرحمت کی کہ اپنے دیوان مین منشور سلطنت تیرے نام لکھوایا۔ تجکو چاہیے
کہ عام خلایق کے ساتھ بھی یہی شیوہ جاری رکھے اور صفت شفقت کو کسی حال مین نہ چھوڑے اس مین سعادت دارین ہے
کہ اکثر تاریخون مین یہ حکایت بھی لکھی ہے کہ امیر ناصر الدین سبکتگین نے خواب مین دیکھا کہ اُس کے گھر مین آتشدان سے
ایک درخت ظاہر ہوا اور ایسا بڑہا کہ اُس کے سایہ مین ایک خلق خدا بیٹھ سکتی تہی۔ جب امیر جاگا اور خواب کی
تعبیر سوچ رہا تہا کہ محمود کے پیدا ہونے کی بشارت اُس نے سنی۔ اس سے وہ بہت خوش ہوا کہ میرا خواب محمود الابتدا
و مسعود الانتہا ہے۔ اس فرزند کا نام محمود رکہا کہتے ہیں کہ سلطان محمود کا طالع صاحب ملت الاسلام کا طالع
کے ساتھ موافق تھا۔ ہمیشہ سے ایشیائی مورخ ان خوابون۔ فالون۔ طالعون کو تاریخ کا ایک دلکش جزو
سمجھتے ہین مگر فرنگستانی انکو بالکل تاریخی پایۂ اعتبار سے ساقط جانتے ہین۔
محمود کی ہونہاری کے نشان
مثل مشہور ہے کہ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات محمود پر یہ مثل صادق آتی تہی۔ وہ لڑکپن ہی سے ہونہار
معلوم ہوتا تہا۔ نو عمری مین باپ کے ساتھ مہمات مین جاتا اور وہ آگے قدم بڑہا کر ہاتھ مارتا کہ پرانے تجربہ کار سپہ سالار
دیکھتے ہی رہجاتے۔ ایام طفلی مین یہ سبق اُس نے خوب سیکھ لیا تہا کہ زابلستان یعنی کوہستانی ملک جو غزنی کے
گرد ہے اُسکے پہاڑی باشندون سے ہندوؤن کے راجاؤن کے بڑے لشکرونکو بھگا دینا کوئی بات نہین لڑکپن
مین ایک باغ دلکشا لگوایا جسمین مکان روح افزا بنوایا۔ ایکدن وہان بڑا جشن کیا اور پدر بزرگوار اور امراء نامدار کو بلایا

باپ نے باغ اور مکان دیکھکر پسند فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ ایسے باغ اور مکان تو اور بھی امیر بنوا سکتے ہین تجکو وہ عمارت تعمیر کرنی چاہیے کہ جس کی برابری کوئی دوسرا نکر سکے محمود نے پوچھا ای حضرت ایسی عمارت کونسی ہی۔ اُس نے جواب دیا کہ وہ اہل علم وفضل کے دلونکی تعمیر ہے جو کوئی نہال احسان اُنکی زمین دل مین لگا یگا اُسکا ثمرہ ہمیشہ پایگا یہ نصیحت کی بات محمود کو ہمیشہ یاد رہی ۔

امیر سبکتگین کا جب انتقال ہوا تو محمود کی عمر تیس برس کی تھی۔ اور وہ اُسوقت نیشاپور مین تھا امیر اسمٰعیل اُسکا چھوٹا بھائی باپ کے پاس تھا بعض مورخ کہتے ہین کہ اُس نے میدان خالی پاکر تاج شاہی سر پہ رکھا۔ مگر بعض کا یہ قول ہی کہ باپ کی وصیت کیموافق وہ قبۃ الاسلام بلخ مین تخت پہ بیٹھا۔ الحاصل وہی بادشاہ ہوا اور خزانہ شاہی کا مالک ہوا سپاہ کی دلجوئی اور امرا کی خاطر داری مین خزانون کے منہ کہولدئے بقصور ہمین یہ تہا کہ سب کے دلمین اُسکی جگہ ہوا اور محمود کیطرف سے اُنکا دل برگشتہ ہو۔ مگر اُس غاز سپاہ اور امرا نا انصاف نے وہ دامن طمع دراز کیا کہ جسکا پر ہونا محال تہا۔ یہ سب حال جب محمود کو نیشاپور مین معلوم ہوا تو اس نے بہائی پاس ایک تعزیت نامہ ابوالحسن جموی کے ہاتھ بھیجا جسکا مضمون یہ تہا کہ امیر سبکتگین میرا تمہارا پشت پناہ اس دنیا سے رخصت ہوا ای برادر عزیز مجھے دنیا مین کوئی چیز تجھسے زیادہ عزیز نہین ہے۔ اگر تیری عمر بڑی ہوتی اور تو زمانہ کا تجربہ کار ہوتا امور سلطنت کو دقائق سے اور ثبات ملک و دولت کے قواعد سے ماہر ہوتا تو میری یہی آرزو ہوتی کہ تو تخت پہ بیٹھے۔ باپ نے جو تجکو اپنا جانشین کیا وہ مصلحت تھی۔ اگر تخت خالی رہتا معلوم نہین کیا فساد برپا ہوتا۔ تو پاس تہا۔ اس لئے تخت پہ بٹھا دیا اب انصاف کی نظر سے تامل کر اور شریعت غرا کے بموجب دولت اور ملک کو تقسیم کر دار السلطنت میرے حوالہ کر۔ بلخ خراسان کا ملک تیرے لئے فدا کئے دیتا ہون مگر امیر اسمٰعیل نے منصفانہ کلام بہائی کا نہ سنا۔ ناچار محمود نے سوائے لڑائی کے کوئی چارہ نہ دیکہا۔ نیشاپور اور غزنی سے دونون بہائی بارادہ جنگ چلے۔ ہرچند بعض امیرون نے چاہا کہ اسمٰعیل بہائی کا کہنا مان جائے اور لڑائی نہو مگر یہ بات نہ بن پڑی دونون بہائیون مین ایک سخت لڑائی ہوئی کہیت محمود کے ہاتھ رہا غزنی فتح ہو گیا۔ اسمٰعیل گرفتار ہوا ایکدن محمود نے بہائی سے باتون باتون مین پوچہا کہ اگر تو مجہہ پہ ظفر یاب ہوتا تو تو میرا کیا حال کرتا اُس نے جواب دیا کہ کسی قلعہ مین تجہے بند کرتا مگر تیرے لئے آرام و آسائش کا سب اسباب مہیا کرتا۔ اُسوقت تو اس بات کو محمود نے ٹال دیا مگر پہر اسمٰعیل کو جرجان کے قلعہ مین قید مین اور سب چین و آرام کا سباب اُس کے لئے تیار کر دیا ساری زندگی قید مین بسر ہوئی ۔

جب سلطان محمود کو بہائی کی لڑائی سے فراغت ملی تو وہ بلخ کیطرف متوجہ ہوا اُسکی وجہ یہ تہی کہ وہ خراسان مین امیر الامرائی کا منصب آل سامان کیطرف سے رکہتا تہا وہ امیر منصور نے بکتوزون کو تفویض کر دیا تہا سلطان محمود نے

سلطنت امیر اسمٰعیل اور محمود کی تخت نشینی

سلطان محمود کا خراسان کی امارت پر دعویٰ

بخارا میں امیر منصور کے پاس ایلچی بھیجا اور اپنی رنجش کا اظہار کیا اسکے یہ جواب پایا کہ بلخ و ہرات و ترمذ
کی امارت ہمکو دیگئی اور بکتوزون کو خراسان کی - وہ بھی ہماری دولت کا بندہ ہے اسکو معزول کرنا مناسب
نہیں سلطان نے ابوالحسن جموی کو بہت سے تبرکات اور تحائف دیکر بخارا بھیجا اور امیر منصور سے پیغام کیا کہ
مجھے ایسی توقع ہے کہ آپ کی اور میری دوستی کا چشمہ بے اتفاقی کی خس و خاشاک سے گدلا اور تیرہ نہیں ہوگا اور میری حقوق
اور میرے باپ کے آل سامان پر ہیں جو ضائع نہیں جائینگے اور رشتۂ الفت گسستہ نہ ہوگا اور بنائے متابعت
و مطاوعت منہدم نہیں ہوگی جب ابوالحسن جموی بخارا میں پہونچا تو امیر منصور نے اسکو منصب وزارت کی نوید
سنائی وہ تو سفارت کو چھوڑ اپنی وزارت کے شغل میں مصروف ہوا پیغام کے جواب کیطرف اصلا متوجہ نہ ہوا
سلطان بالضرور نیشاپور کو روانہ ہوا جب اس کے ارادہ پر بکتوزون واقف ہوا تو کسیطرف نکل گیا - اور
ایک عرضداشت بخارا بھیجکر صورت حال کو بیان کیا - امیر منصور غرور جوانی کے زور کے سبب سپاہ جمع کر کے
خراسان کیطرف روانہ ہوا اور سرخس تک برابر چلا گیا کسی جگہ نہیں ٹھیرا - سلطان محمود اگرچہ جانتا تھا کہ مجھ سے
مقابلہ کرنیکی طاقت امیر منصور نہیں رکھتا لیکن کفران نعمت کی بدنامی کی سرزنش سے خوف کر کے نیشاپور میں
واپس چلا آیا اور مرغاب میں گیا - بکتوزون نے فائق کی صلاح سے غدر مچایا اور امیر منصور کو گرفتار کر کے
اندھا کیا اور عبدالملک کہ خورد سال تھا تخت پر بیٹھایا - سلطان محمود سے ڈر کر مرو کو چلا گیا سلطان نے انکا
تعاقب کیا - بکتوزون اور فائق دونوں نے ملکر سلطان کا مقابلہ کیا سلطان محمود کو فتح ہوئی - ان
نمک حراموں کو شکست ہوئی - عبدالملک کو فائق لیکر بخارا میں پہونچا - اور بکتوزون نے نیشاپور کی
راہ لی اور کچھ دنوں بعد بخارا میں آیا اور پراگندہ لشکر کے جمع کرنے کی فکر میں ہوا - اس اثنا میں فائق بیمار
ہو کر مر گیا - ایلک خان کاشغر سے بخارا کیطرف متوجہ ہوا - عبدالملک اور اسکے تمام متعلقین کا کام تمام کیا اور
دولت آل سامان کو جو ایک سو اٹھائیس سال تک فرمانروا رہی تھی اسکو اختتام کو پہونچایا - اور سلطان محمود بلخ
خراسان کی حکومت میں مصروف ہوا چاروں طرف اسکی جوانمردی اور شجاعت کی دھوم مچ رہی تھی خلیفہ
بغداد القادر باللہ عباسی نے خلعت گرانمایہ ارسال کیا امین الملۃ یمین الدولہ کا خطاب اسکو دیا سنہ ۳۹۰ھ میں
بلخ سے ہرات میں اور ہرات سے سیستان میں آیا - سیستان کا حاکم خلف بن احمد کو مطیع کر کے غزنی میں آیا - اسی زمانہ میں
ہندوستان کیطرف متوجہ ہوا اسکے چند قلعے لے لئے اور غزنی کو پھر چلا گیا - ماوراء النہر میں آل سامان کو ایلک خان نے
غلامی کیا اور خط سلطان محمود کو لکھا اور مملکت خراسان پر حکمرانی کی مبارکباد دی - ان دونوں

بادشاہون مین دوستی و یگانگی کی بنا مستحکم ہوئی۔ سلطان محمود نے بہی ابو الطیب سہل بن سلیمان کو سفیر بنا کے ایلک خان پاس بہیجا اور اسکو بہت سے جواہر تحفہ بہیجے۔ غرض مدتون تک ان دونون بادشاہون مین دوستانہ خط و کتابت رہی اور تحفہ تحائف ایک دوسرے پاس بہیجتے رہے۔ مگر آخر کو یہ محبت عداوت سے بدلگئی جسکا بیان آگے آئیگا۔

سلطان محمود کی خود مختاری

اب سلطان محمود خود مختار ہوگیا۔ آل سامان سے جو کچہہ تعلق تہا اس سے بے تعلق ہوا۔ خطبون و سکون سے انکا نام نکالا گیا۔ اسکی جگہ اپنا نام جاری کیا۔ سب گہر کے لڑائی جہگڑون سے فارغ ہوا۔ سلطنت کا انتظام اور کابند و بست کیا۔ پہر وہ اراده کیا جو ان دنون مین مسلمانون مین سب سے بڑا سمجہا جاتا تہا اور فیروزمند بادشاہون کے شایان تہا یعنے اسلام کا ہندوستان مین پہیلانا۔ اس کے ہندوستان پر بارہ حملے مشہور ہین۔ مگر وہ سترہ دفعہ ہندوستان مین آیا۔ تاریخون مین ان مہمات مین اختلاف ہے جن مقامات پر وہ حملہ آور ہوا تاریخون مین انکی املا ایسی مختلف ہین کہ جن سے معلوم نہین ہوتا کہ وہ مقامات اب کہان ہین۔ سوا اسکے ترتیب مہمات مین اختلاف ہے کوئی کسی مہم کو اول لکہتا ہے کوئی اسکو پیچہے تحریر کرتا ہے۔ فرنگستانی محققین نے ان کی ترتیب مین اور مقامات کی تشخیص مین اپنی فکر دقیق سے بہت سے عقدے حل کئے ہین۔ ہم انکو بہی لکہتے ہین۔

حملۂ اول

فرشتہ اور نظام الدین احمد نے لکہا ہے کہ ۳۹۰ھ (۱۰۰۰ع) کے قریب سلطان ہندوستان کیطرف متوجہ ہوا ہے اسنے کئی قلعے فتح کئے اور ان مین اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے بعد ان فتوحات کے وہ غزنی کو واپس آیا مگر اس کا ذکر تاریخ یمینی مین نہین ہے۔

دوسرا حملہ

۳۹۱ھ (۱۰۰۱ع) مین سلطان دس ہزار چیدہ سوار لیکر غزنی سے ہندوستان کیطرف روانہ ہوا۔ پشاور کے قریب اس کے باپ کا قدیمی دشمن جے پال والی لاہور بارہ ہزار سوار اور تیس ہزار پیدل اور تین سو زنجیر فیل لیکر لڑنے کے لئے کہڑا ہوا مگر اس نے شکست پائی اور اپنے پانچ ہزار آدمیون کی جانین گنوائین۔ اور خود آپ پندرہ عزیزون کے ساتہ اسیر ہوا۔ سلطان محمود نے بہٹنڈہ کے قلعہ کو فتح کرکے مسمار کیا۔ اس کے بعد سلطان غزنین کو چلا آیا۔ اور راجہ جے پال کو ساتہ لایا۔ اس نے خراج و باج کا عہد و پیمان لیا۔ اور چہوڑ دیا۔ اس کے عزیزون سے بہی فدیہ لیکر رہا کیا۔ جب یہ راجہ رہا ہوکر اپنے ملک مین آیا تو شکست پر شکست کہانے سے اور قید ہونے سے اسکو شرم آئی یا کوئی مذہبی مسئلہ ایسا تہا کہ جب راجہ دو دفعہ دشمنون سے ہزیمت اٹہائے یا انکے ہاتہ مین قید ہو تو پہر راج کے قابل نہین اور اس گناہ کا کفارہ آگ مین جلکر کرے۔ اس نے راج کو اپنے بیٹے انند پال کو دیا اور خود جلتی آگ مین جلکر خاکستر ہوا۔

فرنگستانی محققین نے قلعہ بہٹنڈہ کی تحقیق مین بہت جانفشانی کی ہے کوئی ان مین سے کہتا ہے کہ وہ

ستلج پار تھا محمود نے روک ٹوک اس دریا کے پار اتر آیا اور اسکو فتح کر لیا۔ کرنیل ٹوڈ کہتے ہین کہ وہ بڑا آباد اور نامی مقام تھا اور لاہور کا راجہ کبھا لاہور مین یا اس قلعہ مین رہا کرتا تھا۔ سرجان الیٹ نے بعد تحقیق یہ فیصلہ کیا کہ قلعہ بھٹنڈہ کوئی نیا مقام نہین ہی بلکہ وہ بادہیند یا ولے ہند ہی جیسا کہ تاریخ یمینی مین لکھا ہی اور یہ ایک مقام دریائے سندہ کے مغربی کنارہ پر مشہور معروف ہی۔ اٹک سے پندرہ میل کے فاصلہ پر ہی اور لاہور اور پشاور کے قدیمی شارع عظم پشور سے تین منزل کے فاصلہ پر واقع ہی وہ مشرقی قندہار کا دارالسلطنت تھا۔ ابوالفدا اور بیرونی اور بیہقی نے سکندر اعظم کو اسکا بانی قرار دیا ہی۔ اب اسکو ہند کہتے ہین آگے معلوم ہوگا کہ اس بات کے ماننے سے کئی تاریخی عقدے حل ہوتے ہین سلطان محمود ۳۹۳ھ مین سیستان مین گیا اور جنیف وہان کے حاکم کو غزنی مین لے آیا اور پھر ہندوستان کی طرف اسکی توجہ ہوئی ۳۹۵ھ جو بلدہ بھاطیہ بھٹنیر کیطرف روانہ ہوا۔ حدود ملتان سے دریائے سندہ سے گذر کر بھٹنیر کی دیوار کے نیچے پہونچا۔ اس شہر کی فصیل اونچی اور مضبوط تھی اور اس کے گرد خندق تھی وہان کے راجہ بجے رائے کو اپنے لشکر پر بڑا غرور تھا۔ ناصر الدین سبکتگین کیطرف سے جو سرحد پر حاکم مقرر تھے نہ انکی وہ اطاعت کرتا نہ راجہ جیپال کی شرائط فرمانبری کو بجا لاتا تھا جب اس نے سلطان محمود کا لشکر دیکھا تو وہ اپنے شہر سے نکلا اور ہاتھیون سمیت نکلا کہ آتے مسلمانون کے لشکر کو ڈرائے سلطان تین دن رات برابر اس سے لڑا۔ یہ نہین کہہ سکتے معلوم ہوا کہ منصور کون ہی اور مقہور کون۔ اور قریب تھا کہ مسلمانون کو شکست ہوجائے۔ اس لئے چوتھے روز سلطان نے منادی کی کہ آج جنگ سلطانی ہوگی چاہئے کہ جو آدمی نوکر ہین یا غیر نوکر جوان و پیر سب لڑائی کے لئے مستعد ہون اور میدان جنگ مین آئین۔ راجہ بجے رائے نے لشکر اپنے بتخانہ مین گیا اور اپنے معبود سے استمداد چاہی اور ہندوؤن کو تکمیل سلاح کے لئے حکم دیا۔ اور رزمگاہ مین بڑی شان و شوکت سے آیا مسلمانون نے اسپر حملہ کیا۔ چاشت سے سہہ پہر تک خوب حرب و ضرب ہی کشتون کے پشتے لگے کسی لشکر پر آثار عجز و ضعف نہین ظاہر ہوتے سلطان محمود اول درگاہ معبود مین متوجہ ہوا۔ اور پھر آپ سے خود دشمن کی سپاہ کے قلب پر حملہ کیا اور لشکر کو ہزیمت دی راجہ بجے رائے حصار مین آیا حصار کا بھی سلطان نے محاصرہ کیا خندق کے بھرنے کا حکم دیا۔ راجہ ایسا مضطر اور متحیر ہوا کہ اپنے خاص ملازمون کے ساتھ رات کو پیادہ پا جنگل کو بھاگ گیا اور کسی پہاڑی پر پناہ لینی چاہی سلطان نے سپاہ کو اس کے تعاقب مین بھیجا۔ انہون نے جاکر راجہ کو ایسا گھیر کر جیسے گریبان گلے کو گھیرتا ہے سوائے اسکے چارہ نہ تھا کہ اس نے خنجر سے اپنے تئین آپ مار ڈالا ع زکیش چون بکام خصم بود مردان ز لستن بہتر یہ شہر اور اسکے توابع ضمیمہ ممالک سلطانی ہوگئے۔ محمود غزنوی نے ۳۹۶ھ مین ملتان کی تسخیر کا ارادہ کیا۔

فتح ملتان

والی ملتان حمید لودھی امیر ناصر الدین سبکتگین کے ساتھ اخلاص رکھتا تھا اور خدمات شائستہ اُسکی بجالاتا تھا پوتا ابوالفتح داؤد بھی اپنے دادا کے طریقہ پر چلتا تھا اور سلطان کی اطاعت کرتا تھا ۔ مگر جب بلدہ بھٹنیر کے محاصرہ میں سلطان مصروف تھا تو اُسنے خارج از عقل حرکات شروع کین ۔ مصالح وقت دیکھکر سلطان محمود اُس سال تو کچھ بولا نہین دوسرے سال مین سلطان محمود کو اسکی خبر ہوئی کہ ابوالفتح قرمطی اپنی خباثت نفس سے ملتان کے باشندون کو قرمطی بنانا چاہتا ہے تو بندگان خدا کو الحاد اور زندقہ سے بچانے کے لئے اُس نے حکم دیا کہ مسلمانون کا لشکر تیار ہو ۔ وہ یہ لشکر لیکر ملتان کیطرف برسات مین روانہ ہوا ۔ بارش سے دریا چڑھے ہوئے تھے اور دریا رستہ اور اور دریا سوارون کو عبور کرنے سے مانع تھے ۔ اس سے سلطان کے ہمراہیون کو دشواریان پیش آئین سلطان نے ہند کے راجہ انندپال سے درخواست کی کہ وہ اُنکو اپنی ملک مین سے گذر لینے دے ۔ راجہ نے درخواست کو منظور نہ کیا اور مقابلہ کے لئے کھڑا ہوا جسکا نتیجہ اُسکے حق مین زہر ہوا ۔ اسوجہ سے یہ ارادہ ہوا کہ اول انندپال کا جھگڑا چکا لے اور نیچا دکھا دے ۔ باوجودیکہ جنگلون میں راجہ کا بڑا اقتدار تھا مگر سلطان نے درختون کا کاٹنا اور آگ لگانا اور آدمیونکو قتل کرنا ایسا شروع کیا کہ راجہ کمبخت ہوکر بھاگتا پھرا ۔ جہان جہان یہ راجہ بھاگ کے جاتا وہین اُسکے تعاقب مین سلطان جاتا ۔ راجہ کے ملازمونکو کیا جنگل اور دردون کے درندے شکار کر لیتے یا بھاگ کر کشمیر مین پناہ لیتے سلطان نے دردون تک تعاقب کیا اور انندپال کشمیر مین بھاگ گیا جب ابوالفتح والی ملتان نے راجہ انندپال کا یہ حال دیکھا کہ اسطرح سلطان کے آگے بھاگتا پھرا تو اُس نے جانا کہ میری حقیقت کیا ہے کہ مین سلطان سے برسر مقابلہ ہوکون اس لئے اُس نے یہ ارادہ کیا کہ جتنا مال ہے اس سب کو ہاتھیون پر لادکر سراندیپ چلا جاؤن اور سلطان کے لئے ملتان خالی چھوڑ جاؤن ۔ مگر سلطان کب اُسکو فرصت دیتا تھا اس نے ملتان کا محاصرہ کیا ۔ ابوالفتح متحصن ہوا ۔ سات روز تک محاصرہ رہا ۔ ابوالفتح نے منت سماجت کرکے ان شرائط پر صلح کرلی کہ بیس ہزار درم سرخ سال بسال نذر دیا کرونگا اور الحاد سے استغفار کرکے احکام شرعی کو جاری کرونگا سلطان نے ان شرائط کو اسلئے منظور کر لیا کہ اسلام جانب ہرات ونی قاصد دوڑا کر سلطان کو خبر دی تھی کہ لشکر ایلک آ پہونچا ہے اور خرابی مچا رہا ہے ۔ اسلئے سلطان جلد غزنی کو روانہ ہوا اور مہمات ہندوستان (دای ہند) کو سکھپال کے حوالہ کر گیا جب کا ذکر آگے کرینگے ۔ تاریخ کے اس حصہ مین قرمطی کا اکثر ذکر آئیگا اسلئے انکا کچھ مختصر حال لکھتے ہین ۔

ہر مذہب کا یہ قاعدہ ہمیشہ چلا آتا ہے کہ جتنی مدت اُسپر گذرتی جاتی ہے اُتنی اُسکی تفریق بڑہتی ہے یعنی بدعتی فرقے نئے نئے پیدا ہوتے جاتے ہین ۔ مذہب اسلام بھی اس قاعدہ سے مستثنیٰ نہ تھا ۔ اُسمین بھی بدعتی فرقے پیدا ہوئے

شروع ہونے سے بعض فرقون نے وہ بدعات اختراع کین کہ اصل اسلام کا حصہ انکے مذہب مین تھوڑا ہی باقی رہا
ان بدعتی فرقون مین سے فرقہ قرمطی ہے وہ فرقہ اسمعیلیہ کی ایک شاخ ہے۔ گو ان دونون فرقون کے مسائل مین
فرق ہے۔ مگر مورخ اپنی لاعلمی سے ایسا انکو خلط ملط کرلیتے ہین کہ معلوم نہین ہوتا کہ انکی مراد کس فرقہ سے ہے۔ یہ
لفظ ملاحدہ کا وہ لکھتے ہین جنہین اس قسم کے سب بدعتی فرقے داخل ہوتے ہین۔ ایک شخص عبد اللہ بن میمون نے جو
ایرانی تھا مذہب اسمعیلیہ کو اختیار کیا۔ اس شخص نے غلبہ ہی کے مٹانے کا ارادہ نہین کیا بلکہ اسلام اور سارے
مذہبون کے خاک مین ملانیکا قصد کیا۔ وہ وعظ سے بھی تعلیم کرتا تھا کچھہ باطن ہی تلقین کرتا تھا۔ اسکے مذہب کا
خلاصہ یہ تھا کہ سارے مذہب بیہودہ ہین۔ اس دنیا مین اور عقبی مین نیک اعمالی کی جزا نہ بدافعالی کی سزا ہے۔
اس عبد اللہ کے مریدون مین سے احمد تھا جسکا نام بعد ازان قرمط ہوا۔ اس کا خروج سنہ ٢٧٨ھ مین ہوا۔ وہ
قرمطی مذہب کا بانی ہے۔ قرمط کے معنی عربی خط کے باریک اور تنگ لکھنے کے ہین اور کام کے نزدیک رکھنے کے
اسی سبب سے احمد کو قرمط کہتے ہین کہ وہ پوشیدہ و باریک طور پر مذہب سکھاتا تھا۔ اسی کے نام سے اسکے فرقے کا نام
قرمطی ہوا جسکی جمع قرامطہ آتی ہے۔ اس شخص نے شہری و جنگلی قومون کے جنکا کچھہ مذہب نہ تھا اور عقل سے بھی خارج تھے
اپنے دین کیطرف دعوت کی اور نامہ لکھا بسم اللہ الرحمن الرحیم فرج بن عثمان رہنے والا قریہ نصرانیہ کا لکھتا ہے
کہ مین مسیح کیطرف سے جو کلمہ ہے دعوت کرتا ہون وہی مہدی تھا وہی احمد بن محمد بن حنفیہ تھا وہی جبرئیل تھا
اب انسان کی صورت مین مسیح بنا ہے اور مجھے کہا کہ تو داعی (دعوت کرنے والا) ہے اور تجھ ہی اور ناقہ صالح
ہے اور جبرئیل ہے۔ اور یحیی بن زکریا اور روح القدس ہے۔ اور اسکو یہ بتایا کہ نماز کی چار رکعتین ہین دو طلوع شمس سے
اور دو غروب شمس سے پہلے۔ ہر نماز کی اذان یہ ہے کہ موذن تین دفعہ کہے اللہ اکبر اور دو مرتبے کہے اشہد ان لا الہ الا اللہ
اور اشہد ان آدم رسول اللہ اور اشہد ان نوحاً رسول اللہ اور اشہد ان عیسے رسول اللہ اور اشہد ان محمد
رسول اللہ اور اشہد ان احمد بن محمد بن الحنفیہ رسول اللہ بیت المقدس کیطرف قبلہ ہے اور اتوار کا دن یوم سبت ہے
اسمین تعطیل چاہئے۔ اور ہر نماز مین سورہ فتح وہ پڑھے جو احمد بن محمد بن حنفیہ پر نازل ہوئی ہے۔ روزہ دو دن مہرجان
اور نیروز کے دن رکھے۔ شراب حرام۔ خمر حلال۔ جنابت سے غسل کرنا لازم نہین آتا۔ مگر نماز کے واسطے ضرور فرض ہے
جس جانور کے کچلی اور دانت ہون اسکا کھانا درست ہے۔ اس فرقے نے سنہ ٢٩٠ھ مین شام پر چڑھائی کرکے حملہ کیا
اور سنہ ٣١١ھ مین بصرہ اور کوفہ کو لوٹا اور ابو طاہر کو اپنا پیشوا بنا کر سنہ ٣١٩ھ مین شہر مکہ کو لے لیا اور بہت
آدمیون کو قتل کیا اور حجر الاسود کو لے گئے اور بیس برس تک اپنے قبضہ مین رکھا۔ خاندان عباسیہ کا

بیوان خلیفۂ المرتضی سالانہ روپیہ انکو اسواسطے دیتا تہا کہ وہ حاجیون کو حج کرنے دین۔

ہلاگو اور منگو خان نے اس فرقہ قرمطیہ اور اسماعیلیہ کے زن و مرد بچون کو قتل کیا۔ ابوریحان بیرونی نے لکہا ہے کہ قرمطی شرق مین وادی سندہ مین پہیل گئے اور ملتان کے بت اعظم کو توڑا۔ محمود غزنوی نے اسی فرقہ کا ملتان سے منہ کالا کیا۔ مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہان سے بالکل خارج نہین ہوئے۔ محمود غوری نے پہر انکو ۵۷۱ھ مین ملتان سے نکالا ہی۔ اور ۶۳۴ھ مین دہلی مین انکا زور ہو گیا تہا اور یہان کی جامع مسجد مین بہت آدمیون کو قتل کیا تہا مگر آخر کو قرمطیون مین سے کوئی باقی نہین رہا سب قتل ہوئے۔

ہم نے پہلے لکہا ہی کہ سلطان محمود اور ایلک خان کے درمیان بہت اتحاد تہا مگر جب سلطان محمود دور دراز کے فاصلہ پر مہم ملتان مین مشغول تہا۔ تو ایلک خان نے ملک خراسان کو خالی دیکہا۔ طمع دامنگیر ہوئی۔ سیاوش تگین خان کو جو صاحب جیش اور اسکا خویش تہا لشکر فراوان دیکر خراسان مین بہیجا اور جعفر تگین خان کو دار الملک بلخ پر شحنہ بنایا۔ اس زمانہ مین سلطان محمود کیطرف سے ہرات مین ارسلان جاذب اسلئے متعین تہا کہ اگر کوئی حادثہ رونما ہو تو وہ غزنی جاکر تعرض اعدا سے اسکو مصئون رکہے جب یہ واقعہ پیش آیا تو وہ غزنی مین گیا اور سیاوش تگین ہرات مین آیا اور حسن ابن نصر کو نیشاپور مین استخراج مال کے لئے بہیجا۔ اعیان خراسان نے بہی اس سبب سے کہ سلطان کی غیبت پر مدت گذر گئی تہی اور کچہہ اسکی خبر انکو نہ تہی اور متوحش خبرین اسکی سُنتے تہے سلطان کے دشمنون سے دوستی اور اتحاد شروع کیا۔ ابو العباس ابن احمد نے غزنی سے حدود بامیان تک حفظ مسالک اور ضبط ممالک مین بہت احتیاط کی اور اس حدود کے مداخل و مخارج ہشیار اور کارگزار آدمیون کو سپرد کئے اور ملتان کو قاصد دوڑائے کہ اس حادثہ سے سلطان کو مطلع کرین سلطان نے مہمات ہند سکہپال کو حوالہ کین بہت جلد سلطان غزنی پہونچا اور ایک لشکر باشکوہ اور کثیر الانبوہ لیکر بحر مواج کیطرح بلخ مین آیا جعفر تگین تو اس کے ہول سے ایسا بہاگا جیسے لاحول سے شیطان بہاگتا ہے اور ترمذ مین پہونچا سلطان نے اسکے ہمراہ دس ہزار سپاہ دیکر ارسلان جاذب کو بہیجا۔ سیاوش تگین کا پیچہا لینا پڑا۔ مگر دریا اسوقت مین طغیانی پر تہا۔ اس لئے یہان سے پہر گیا اور مرو مین پہونچا تاکہ بیابان کی راہ سے ماورا النہر مین چلا جائے ہوا نہایت گرم تہی سرخس مین گیا حسن ابن طاق نے اسکے روکا فکر کیا۔ سیاوش تگین نے اسے شکست دی اور اسکے دو ٹکڑے کر دئے اور طرفین سے بہت آدمی ہلاک ہوئے مگر ارسلان جاذب نے اسکو سرخس مین ٹہرنے نہین دیا وہ نیشاپور کیطرف روانہ ہوا۔ ہر منزل مین ارسلان جاذب نے اسکا تعاقب کیا اور اسکا پیچہا

قافیہ تنگ کیا۔ اور اُسکا مال اسباب بہت ضائع کیا۔ بیا ہوش تگین نے شمس المعالی قابوس سے التجا کی بہت
مشکل سے بیابان کی راہ سے مرو کی راہ اختیار کی۔ ارسلان کے انتظار میں سلطان مرو میں مقیم تھا اُس نے
سُنا کہ بیابان کی راہ سے سیاہ وش تگین اسطرف آتا ہے سلطان نے ابو عبد اللہ طائی کو لشکر عرب کے ساتھ اُس کے
پیچھے بھیجا۔ بیابان کے اندر جہان پانی کا نام نہ تھا عبد اللہ نے لشکر عرب سیاوش تگین کو جا لیا۔ اس کے بھائی
کو سات سو آدمیوں کے ساتھ قید کیا۔ انکو بندگران میں غزنی روانہ کیا۔ سیاوش تگین جان بچا کر چند آدمیوں کے
ساتھ ایلک خان سے جا ملا۔ اس سے ایلک کو بڑا غصہ آیا اور قدر خان نے ملک ختن کو فریاد نامے بھیجنے
شروع کئے۔ قدر خان نے اپنے ملک سے دُور دُور سے فوج بلائی۔ ماوراء النہر اور ترکستان کی فوجیں جمع
ہو کر روانہ ہوئیں سلطان محمود کو یہ خبر لگی کہ طخارستان میں یہ ہجوم ہو رہا ہے تو وہ بلخ کیطرف روانہ ہوا ترکی
خلجی۔ ہندی۔ افغانی۔ غزنی لشکروں کو جمع کر کے بلخ سے چار فرسخ پر ایک عریض و وسیع موضع پر فروکش ہوا
ایلک خان اور قدر خان بھی اسکے نزدیک اُترے۔ جانبین سے جوانوں نے میدان جنگ میں جولانیاں شروع
کیں دن بھر لڑے رات کو اپنی اپنی جگہ پھرے۔ دوسرے روز طرفین سے اپنی میمنہ و میسرہ و قلب درست کر کے
میدان جنگ میں آئے پھر تو لڑائی ایسی ہوئی کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور ایک خون کا دریا صحرا میں
بہنے لگا سلطان نے ہاتھی پر بیٹھ کر سپاہ قلب ایلک خان پر حملہ کیا۔ ایلک خان کے صاحب رایت کو ہاتھی
نے گھوڑے پر سے اٹھا کر ہوا میں پھینکا اور جب نیچے گرا تو دانتوں سے دو ٹکڑے کر ڈالا سلطان کے ہاتھی
دشمنوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑے اور فوج کے اندر گھس گئے اور گھوڑوں پر سے سواروں کو سونڈ پر اٹھا لیتے اور نیچے
گرا لیتے اور پاؤں کے نیچے مسل ڈالتے۔ ان ہاتھیوں سے ایلک خان کا لشکر سنبھلنے و ٹھیرنے نہیں پاتا تھا کہ دونوں
لشکر ٹھیر گئے غزنی والوں نے ایسی دلاوری اور تندہی سے حملہ کیا کہ ہزاروں کی جان لی اور دشمنوں کی فوج
چاروں طرف بھاگ گئی اور جیحون سے پار اُتر گئی اور جیحون سے پار اتر کر اپنے ملک کو گئی یہ شکست ۳۹۷ھ ۱۰۰۷ء میں
ایلک خان کو ایسی ہوئی کہ پھر اُسنے خراسان کے لینے کا نام نہیں لیا سلطان کو غنائم موفور ہاتھ لگیں۔

تاریخ یمینی میں لکھا ہے کہ ایلک خان کو جب ہزیمت ہوئی تو سلطان محمود نے اُس کے تعاقب کا ارادہ کیا جاڑے
کا موسم تھا۔ ان اطراف میں سردی ایسی پڑتی تھی کہ لشکر کے اکثر سپاہیوں کو اُس کی برداشت کی تاب نہ تھی ایسا
تعاقب پسند وہ نہی نہ تھے۔ مگر جب سلطان محمود خود بنفس نفیس اس بات میں ساعی تھا تو ناچار اور سب کو بھی اسکا
ساتھ دینا پڑا۔ دو کوچ ہوئے تھے تیسری رات تھی کہ بڑی برف پڑی سخت جاڑا ہوا سلطان کیواسطے

ایک بارگاہ کھڑی کی گئی۔ اس میں انگیٹھیاں بہت جلائی گئیں اور ایسی گرمی ہوئی کہ اکثر امیروں نے چاہا کہ جاڑے کے کپڑے اتار ڈالیں لطیفہ اس اثنا میں دلچک آیا۔ سلطان نے ہنسی سے کہا کہ تو باہر جا اور جاڑے سے کہہ کہ تو جا تجھی کس لئے کرتا ہے ہم یہاں ایسے گرمی کے قریب ہو گئے ہیں کہ کپڑوں کو اتار کر پھینکتے ہیں فوراً دلچک باہر گیا اور پھر آیا اور زمین پر بوسہ دیکر عرض کیا کہ میں نے سلطان کا پیغام جاڑے پاس پہنچا دیا اس نے عرض کیا ہے کہ سلطان اور مقربین کے دامن تک میرا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا ہے مگر اور سپاہ گری پیشوں کی آج کی رات ایسی خدمت کرونگا کہ کل حضرت سلطان اور ان کے مقربین کو اپنے گھوڑوں کی خدمت آپ کرنی پڑیگی کہیں میری اس حرکت سے آپ مجھ سے خفا ہوجیے گا۔ سلطان نے اس بات کو سنکر بظاہر تو ہنسی ہنسی میں ٹالدیا مگر دلمیں وہ اپنی اس عزیمت سے پشیمان ہوا اور مراجعت کا ارادہ کیا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ اسی شب کو ہندوستان سے خبر آئی کہ سکھپال جسکو آب سار یا نواسہ شاہ کہتے ہیں وہ مرتد ہو کر اپنے اصلی دین پھر گیا۔ ہم نے پہلے لکھا ہے کہ ابو الفتح لودی سے سلطان محمود صلح کر کے جب غزنی جانیکو تھا تو وہ اپنا قائم مقام راجہ سکھپال کو کر گیا تھا۔ یہ راجہ پیشاور میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہوا تھا اور ابو علی سجوری کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ اسکا نام فارسی کتابوں میں طرح طرح سے لکھا ہے۔ آب سار۔ آب شار۔ نواسہ شاہ۔ سلطان کو جب یہ خبر پہونچی کہ نواسہ شاہ مرتد ہو گیا تو وہ سنتے ہی کوچ بر کوچ کرتا ہوا ہندوستان میں آیا اور دفعتاً ابو نصر نے نواسہ شاہ کو گرفتار کر لیا۔ سلطان اسکو غزنی میں لایا۔ اسکو ساری عمر اس نے قید خانہ میں رکھا اور اس سے بہت کچھ روپیہ لیا۔ اس کے نام کی بہت سی توجیہیں ہیں۔ مگر سب میں بہتر یہ ہے کہ وہ راجہ جے پال کا نواسہ تھا اور شاہ کا لفظ اس کے نام کے ساتھ بولا جاتا تھا اس لئے نواسہ شاہ اسکا نام تھا۔

ملتان کی تسخیر میں جو انندپال نے سلطان محمود کے ساتھ بے ادبی کی تھی۔ اسکا حال اوپر پڑھ چکے ہو اب اسکی سزا کا حال پڑھو کہ سلطان نے کیا دی۔ سلطان نے ایک لشکر عظیم تیار کیا۔ راجہ انندپال غافل نہ تھا وہ بھی مرد زیرک اور ذی ہوش تھا اس لئے سارے ہندوستان کے راجاؤں کے پاس چٹھیاں دیکر اور ایلچی روانہ کئے اور سلطان سے جو خطرہ عظیم ہند پر آیا تھا اس سے مطلع کیا۔ اور کہلا بھیجا کہ اگر دین کا حمیت اور دنیا کی عزت کچھ بھی ہو تو اس بلا کے ٹالنے میں میرے ساتھ شریک ہو۔ ابتک ہماری دولت حشمت عزت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ اگر تم تاخیر کروگے تو سارے ہندوستان کو محمود تباہ اور خاک سیاہ کردیگا۔ راجاؤں کے دلوں میں اس تحریر و تقریر نے تاثیر کی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ دین دنیا کی

سلامتی اسی میں ہے کہ جہانتک ممکن ہو راجہ انندپال کی امداد کریں چنانچہ اُجین کالنجر قنوج دلی اجمیر
گوالیار کے راجاؤں نے اپنا منتخب لشکر راجہ انندپال پاس پنجاب کو روانہ کیا۔ اس لڑائی میں یہانتک
مسلمانوں کے دفع کرنے میں ہمت کی کہ صاحب مقدور عورتوں نے اپنے سونے چاندی کے زیور گلا کر اور جوان
بیچکر اور مفلس عورتوں نے چرخہ پونی کاتکر کچھ نہ کچھ اپنے خاوندوں پاس یہاں بھیجا۔ غرض اس لشکر کا وہ ساز
و سامان انندپال نے کیا جو پہلے امیر سبکتگین کے زمانہ میں بھی جےپال نے نہیں کیا تھا۔ پیشور کے صحرا میں یہ لشکر
سلطان محمود کے لشکر کے قریب آیا۔ چالیس روز تک دونوں لشکر آمنے سامنے خیمہ زن رہے اور کسی نے جنگ
پر پیشقدمی نہیں کی۔ ہندوؤنکا لشکر روز بروز زیادہ ہوتا جاتا تھا۔ محمود پہلی طرح بیخوف و خطر دشمنوں میں نہیں
گھس جاتا تھا۔ اُسنے بھی اپنے لشکر کے گرد خندق کھدوائی کہ دشمن نہ گھس آئے۔ اب اُسنے لڑائی شروع کی۔
ہزار جوان تیر اندازوں نے آگے قدم بڑھایا۔ اور دشمنوں کو لڑائی کے لیے گرم کیا۔ اور سپاہیانہ حیلے کرکے اُنکو
لشکرگاہ کے قریب لائے۔ باوجودیکہ سلطان محمود نے بہت احتیاطیں کی تھیں۔ مگر تیس ہزار گھکر سر و پا برہنہ ہاتھوں میں
طرح طرح کے ہتھیار لیے سلطان کے لشکر میں خندق سے اُتر کر گھس آئے۔ تلوار و کٹار و تیروں سے گھوڑوں اور
سواروں کو مار مار کر نیچے گرانا شروع کیا۔ تھوڑی دیر میں تین چار ہزار مسلمانوں کو مار ڈالا۔ ان گھکروں کی دلیری
دیکھکر سلطان کا ارادہ ہوا کہ آج لڑائی موقوف کرے کہ ناگاہ راجہ انندپال کو سواری کا ہاتھی نفط و تفنگ کے
شور و غل سے بگڑا اور بے تحاشا پیچھے کو بھاگا۔ اس کی فوج نے جانا کہ راجہ بھاگا جاتا ہے اس سبب سے لشکر میں
ہل چل پڑی اور سپاہ کا منہ پیچھے کو پھر گیا۔

عبداللہ طائی نے پانچ چھ ہزار عربی سوار اور ارسلان جاذب نے دو ہزار ترکی افغانی خلجی سپاہ دو ہزار
لیکر رات دن انکا تعاقب کیا۔ آٹھ ہزار ہندوؤنکو بیجان کیا اور تیس ہاتھیوں کو اور بہت سی غنیمت کو جمع کرکے سلطان
کی نذر میں پیش کیا۔ خود سلطان بھی ہندوؤں کے تعاقب میں گیا اور بھیم نگر کے قلعہ تک پہنچا۔ یہ قلعہ نہایت مستحکم
بلند پہاڑ پر ہے اور سب طرف پانی سے گھرا ہوا ہے۔ چاروں طرف کے راجہ رؤسا و امرا یہاں کے مندر میں نقود
و جواہر و انواع نفائس بھینٹ میں دیتے ہیں اور اسکو عبادت جانتے ہیں اور سعادت اخروی سمجھتے ہیں برسوں
یہاں طلا و نقرہ و جواہر و مرجان کے خزانے وہ جمع ہو رہے تھے کہ کسی بادشاہ کے یہاں بھی نہ ہونگے
ہندوؤنکا مجمع الاصنام یہ شہر کہلاتا تھا۔ اس قلعہ سے ایک میل پر بھیم نگر تھا جسکو اب نگرکوٹ کہتے ہیں یہ شہر اور
نگرکوٹ اور کوٹ کانگڑہ ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ سلطان یہاں پہنچا اور لشکر جرار سے محاصرہ کیا۔

ایسے مقام پر ہندو بڑے دل کھول کر لڑا کرتے ہیں مگر یہ اتفاق کی بات ہے کہ یہاں کی فوج بھی اُسی بڑی لڑائی میں مصروف تھی جس کا اوپر بیان ہوا اور قلعہ بہادر سپاہیوں سے خالی تھا۔ بیچارے پجاریوں نے جب دیکھا کہ ساری پہاڑیاں غارت گروں سے بھری پڑی ہیں اور آگ کے شراروں کی طرح تیر اُن پر پڑ رہے ہیں تو اُن پر خوف طاری ہوا اور اُنھوں نے جان کی امان چاہی اور دروازے کھول دیئے اور زمین پر اسطرح گرے جیسے کہ ابابیل باز کے آگے یا شیر ببر بجلی سے نیچے گرتا ہے۔ اسطرح یہ قلعہ آسانی سے فتح ہو گیا اور بحر و کان کا حاصل سلطان کو مل گیا۔ ابو نصر احمد بن محمد والیِ جرجان کے ساتھ سلطان قلعہ میں داخل ہوا۔ جواہر کو اُسنے خود سمیٹا اور طلا و نقرہ بیش بہا چیزوں کو اُسکے دو حاجبوں تونتاس اور الغ تگین نے سمٹوایا۔ اونٹوں پر جتنا خزانہ لد سکا لادا باقی کو افسروں نے اپنے دامنوں میں رکھا کہتے ہیں کہ ستر لاکھ مسکوک درہم شاہی تھے اور سونے چاندی کی سات لاکھ ڈلیاں تھیں جنکا وزن چار سو من تھا۔ سوائے انکے طرح طرح کے کپڑے سوس کے تھے جنکو بڈھے بڈھے آدمی کہتے تھے کہ ہمنے ایسے نفیس کپڑے کبھی نہیں دیکھے تھے۔ ایک چاندی کا گھر اتنا بڑا تھا جیسا کہ امیروں کا گھر ہوتا تیس گز طول میں اور پچیس گز عرض میں وہ ایسا بنا ہوا تھا کہ چاہو اُسکے ٹکڑے کر لو چاہو جوڑ لو۔ اور ایک سائبان دیبائے رومی کا تھا چالیس گز طول میں اور بیس گز عرض میں وہ دو سونے اور دو چاندی کی ڈھلی ہوئی چوبوں پر لگایا جاتا تھا۔ سلطان نے ایک نہایت معتبر دیانت مند ملازم کو یہ قلعہ اور اُسکا خزانہ سپرد کیا۔ بعد ازاں سلطان محمود غزنی میں آیا۔ شہر کے باہر بارگاہ لگا کر فرش پر جواہرا ور دُرِ ناسفتہ و زر والماس و لعل چنے جو ایسے چمکتے ہوئے معلوم ہوتے تھے جیسے کہ شراب میں برف۔ زمرد کی سبزی تازی برگ حنا کی سبزی کو مات کرتی تھی اور الماس مقدار اور وزن میں انار کی برابر تھے۔ ممالک غیر کے سفرا اور ترکستان کا بادشاہ طغاں خاں اُنکے دیکھنے کیلئے آئے وہ سب کہتے تھے کہ کبھی اتنی دولت نہ دیکھی نہ کبھی کتابوں میں پڑھی کہ سلاطین ایران اور روم نے جمع کی ہو۔ وہ قارون کے خزانہ کو بھی مات کرتی تھی تین روز تک یہ جلسہ ہائے بڑے بڑے شاہانہ جشن ہوئے اور مستحقوں کو بڑی بڑی بخششیں عطا ہوئیں۔ ۴۰۱ھ میں سلطان نے غور پر لشکر کشی کی۔ یہ ملک ہرات کے مشرقی پہاڑوں میں واقع ہے۔ یہاں سوری افغان حکومت کرتے تھے۔ اسوقت محمد بن سوری یہاں فرمانروا تھا وہ دس ہزار سپاہ کی صف بندی کر کے سلطنت سے جنگ آزما ہوا۔ صبح سے دوپہر تک آتش جنگ مشتعل رہی طرفین سے لشکروں نے داد مردانگی دی۔ جب سلطان محمود نے غوریوں کی یہ جد و جہد دیکھی تو اُسنے یہ خدیعت کی کہ اپنے لشکر کو مراجعت کا حکم دیا غوریوں نے یہ گمان کیا کہ سلطان کی سپاہ کو ہزیمت ہوئی تو غوریوں کی سپاہ نے اُسکا تعاقب کیا۔

اپنی خندقوں سے جو انھوں نے حفاظت کے لیے اپنے گرد کھودی تھی بہت دور نکل گئے پس سلطان نے جوانی باگ موڑی تو لشکر محمودی نے غوریوں کو بہت قتل کیا اور محمد ابن سوری کو دستگیر کر کے سلطان پاس لے گئے انہی غایت آزادگی سے زہر آلود نگینے کو چوس کر مجلس سلطان میں اس عالم سے سفر کیا اور ملک سلطان کے ہاتھ آیا تاریخ یمینی میں لکھا ہی کہ حکام و رعایا غوری نے پہلے اسلام نہیں قبول کیا تھا اب قبول کیا۔ مگر اور تاریخوں میں لکھا ہی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالے عنہ کی خلافت میں مسلمان ہو گئے تھے۔

[illegible]

سلطان نے پھر ہند کا عزم کیا اور نارائن کیطرف کوچ کیا۔ اس کے سوار سخت و نرم زمین کو طے کرکے وسط ہند میں پہنچے اُسنے اُن رئیسوں کو محکوم بنایا جو اب تک محکوم نہوئے تھے۔ بتوں کو توڑا اور باشندوں کو تہ تیغ کیا اور اپنے مقاصد کو خوش سلیقگی کے ساتھ پورا کیا۔ ایک لڑائی ہندوؤں سے انکی ہوئی جسمیں وہ فتحیاب ہوئے۔ بہت سی غنیمت اور ہاتھی گھوڑے ہاتھ لگے جب ہند کے راجہ نے دیکھا کہ سلطان کے ساتھ لڑنے میں میرے ملک اور رعایا پر یہ تباہی اور بربادی آتی ہی تو اسکو یقین ہو گیا کہ میں اس سے لڑ نہیں سکتا۔ اُسنے اپنے بعض عزیزوں اور امیروں کو سلطان پاس بھیجا اور التجا کی کہ آپ ہند و نپر حملہ نہ کیجیے میں روپیہ حضور کی نذر کرتا رہونگا اور ہمیشہ آپکا ہی خواہ رہونگا پچاس ہاتھی جو نفائس ہند لدے ہوئے ہونگے بھیجتا رہونگا اور دو ہزار سپاہی سلطان کی خدمت کے لیے حاضر رکھونگا۔ راجہ کی اس اطاعت میں اسلام کی عظمت تھی سلطان نے قبول کر لیا سلطان نے سفیر بھیجا کہ ان شرائط کی تعمیل کو وہ دیکھ لے۔ ہند کے راجہ نے اُن شرائط کو پورا کیا اور ہاتھی بھیجتا رہا۔ یوں امن و امان ایسا ہو گیا کہ ہندوستان اور خراسان میں کاروان آنے جانے لگے۔ ساتویں مہم نارائن کی ایسی ہی کہ اُسکا ذکر طبقات اکبری اور فرشتہ میں نہیں ہی مگر حبیب السیر و روضۃ الصفا اور یمینی میں ہی حبیب السیر میں نام نہیں لکھا مگر یہ لکھا ہی کہ نگرکوٹ اور غور کی مہم کے درمیان ایک مہم سنہ ۴۰۴ھ میں ہندوستان پر ہوئی۔ اب اس نارائن کے مقام کی تحقیق میں فرنگستانی محققوں نے بڑی موشگافی کی مگر آخر کچھ فیصلہ نکر سکے۔

[illegible]

ہند کے راجہ نے جو دو ہزار سوار دینے کا عہد کیا یہ عجیب قصہ ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ ہندوؤں کی عادت میں داخل تھا کہ وہ اپنی سخت جانی دشمنوں کی سپاہ میں بھی نوکری کرنے کو موجود ہو جاتے تھے۔

[illegible]

جب ابو الفتح لودھی نے غور کی فتح میں سلطان کو مصروف دیکھا تو پھر سر اُٹھایا۔ اسلیے سلطان کو ملتان آنا پڑا اُسکی دفعہ اُسنے ملاحدہ و قرامطہ کو خوب درست کیا اور ابو الفتح کو قید کر کے غزنی لے گیا۔

اس مہم کا حال طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ میں لکھا ہی مگر روضۃ الصفا اور حبیب السیر اور یمینی میں نہیں لکھا اس سے بعض فرنگستانی محققین نے یہ خیال کیا ہی کہ ساتویں آٹھویں مہم ایک ہو گی۔ مگر اسپر بعض نے یہ اعتراض

کیا کر اُسکی حالتیں ایسی مختلف ہیں کہ اُنکا ایک خیال کرنا بھی دشوار ہے۔ محمود کو یہ خیال تھا کہ ہر سال ہندوستان پر ایک جہاد کیا جائے تو اس سے لازم آتا ہے کہ یہ مہمیں دو بھی جائیں۔

فتح نندونہ (ناردین)

جب ہند میں شعار اسلام کا رواج ہوتا گیا اور مساجد تعمیر ہوگئیں تو سلطان ہند نے دار السلطنت پر حملہ کرنیکا ارادہ کیا۔ اسنے اپنے جری جوانمردوں کو جمع کیا اور انکو بہت مال انعام میں دیا۔ ۴۰۴ھ میں لشکر گراں کے ساتھ اندھیری راتیں اُسنے کوچ کیا۔ خزاں کا موسم تھا جنوبی نسیم چل رہی تھی سفر اچھا معلوم ہوتا تھا۔ مگر جب سلطان سرحد ہند کے قریب پہنچا تو برف بڑی شدت سے پڑی۔ پہاڑ کے سارے رستے بند ہوگئے اور پہاڑ و وادی سب ہموار ہوگئے گھوڑوں اور اونٹوں کے پاؤں میں برف کی سردی کا اثر پہنچا تھا آدمیوں کے ہاتھ پاؤں اور چہرہ کا ذکر تو کیا ہی جو شاہ راہ تھی وہ مخفی ہوگئی۔ دائیں بائیں طرف اسکے معلوم ہوتی تھی راہ میں جو آگے تھا وہی پیچھے تھا۔ اس لیے لشکر واپس بھی نہ جا سکتا تھا۔ سلطان نے اس عرصہ میں سپاہ کے لیے رسد کا سامان درست کیا۔ اور اپنے بڑے بڑے سپہ سالاروں کو بلایا۔ اسطرح سے جب سامان جنگ طیار ہوگیا تھا اور دور دور کے ملکوں کی سپاہیں آکر اکھٹی ہوئیں۔ پھر سلطان نے سفر کیا دو مہینے تک اُسکے گھوڑے اُن ویران جنگلوں میں چلے کہ جن میں مویشی بھی راہ بھول جاتے تھے اور بڑے بڑے عمیق دریاؤں سے عبور کیا۔ سلطان قلعہ نندونہ (ناردین) پر پہنچا یہ قلعہ کوہ بال نات پر ہے۔ وہاں کے راجہ ندہیم نے اپنے سپہ سالاروں اور رئیسوں کے لشکروں کو ایک درہ کوہ میں جمع کیا جسمیں دشمنوں کا گذرنا دشوار معلوم ہوتا تھا۔ اُنھوں نے پتھروں کے پیچھے مورچے جمائے اور ہاتھیوں سے رستوں کو روکا۔ یہاں راجہ جانتا تھا کہ میں امن کے گنبد میں بیٹھا ہوں جب سلطان کو یہ معلوم ہوا کہ راجہ کو اپنے امن پہ غرور ہے تو اُسنے دیلمی سپاہیوں اور افغانی نیزہ اندازوں کو ساتھ لیکر حملہ کیا یہ سپاہی پہاڑوں پر اسطرح چڑھے جیسے پہاڑی بکری اور اُترتے اسطرح جیسے پانی۔ متواتر لڑائی کئی روز تک جاری رہی جیسے چراغ میں بتی تیل کو کھینچتی ہے اور لوہا مقناطیس کو اسطرح مسلمانوں نے ہندؤں کو لڑنے کے لیے باہر کھینچا۔ باہر نکلتے ہی سواروں کے ہاتھ سے وہ اسطرح مارے گئے جیسے کہ شطرنج میں گھوڑے سے پیادے مارے جاتے ہیں۔

جب ندہیم پاس اور رئیسوں کی کمک پہنچ گئی تو وہ اپنے مورچوں سے باہر نکلا اور پہاڑ سے میدان میں آیا پہاڑ اُسکے پیچھے تھے اور ہاتھی آگے تھے مسلمانوں کے لشکر پر جب ہاتھی پلتے تھے تو وہ مسلمانوں کی نیزہ زنی سے پیچھے ہٹتے تھے۔ ابو عبداللہ طائی نے بہادری سے جنگ جوئی کی تو اُسکا سر اور جسم زخموں سے چکنا چور ہوگیا سلطان نے اُسکو ہاتھی پر زخموں کی تکلیف کے سبب سے بٹھایا جس سے یہ معلوم ہونے لگا کہ اس

لشکر کا یہی بادشاہ ہے۔ ہندؤں کو سب جگہ شکست ہوئی۔ اور بہت سے ہاتھی جو دشمنوں کے لشکر کی پشت و پناہ تھے مسلمانوں کے ہاتھ آئے اور نارد ین فتح ہو گیا۔ اس کثرت سے غلام ہاتھ لگے کہ بہت سستے بکنے لگے۔ جو میاں اپنے وطن میں بڑے آدمی تھے وہ پردیس میں ادنی دوکانداروں کے غلام بنے۔

سلطان نے بعد اس فتح کے دہلی کے تسخیر کرنے کا ارادہ کیا۔ ارکان دولت نے عرض کیا کہ دہلی کو تو تب ہم تسخیر کر سکتے ہیں کہ مملکت پنجاب بالکل ہماری قلمرو میں ہو اور انند پال کے فساد سے بالکل فراغت ہو۔ سلطان کو یہ بات پسند آئی فسخ عزیمت کیا۔ دو لاکھ بندہ و بردہ ہندوستان سے غزنی میں لایا۔ غزنی اس سال میں بلاد ہند معلوم ہوتی تھی کہ سلطان کے لشکر میں ہر شخص پاس کئی کئی غلام تھے

سنہ ۴۰۳ھ میں التونتاش سپہ سالار اور ارسلان جاذب نے غرجستان کو فتح کیا یہ ملک دریائے مرغاب غور کے متصل واقع ہے

ان دنوں میں سلطان نے خلیفہ عباسی بغداد القادر باللہ کو نامہ لکھا کہ بلاد خراسان کا اکثر حصہ میرے تصرف میں ہے باقی حصہ جو حضرت کے غلاموں کے پاس ہے وہ بھی مجھے عنایت ہو خلیفہ کو کوئی اور چارہ نہ تھا اس نے سلطان کی درخواست کو منظور کر لیا۔ مگر پھر دوسری دفعہ اس نے خلیفہ عباسی کو خط بھیجا کہ سمرقند مجھے عنایت کیجئے اور منشور لکھکر بھیجئے۔ خلیفہ نے ایلچی کی زبانی کہلا بھیجا کہ معاذ اللہ یہ کام مجھسے نہوگا اور میرے حکم بغیر سمرقند کی تسخیر کا ارادہ تو کریگا تو ایک عالم کو تیرے خلاف شورش پر آمادہ کر دونگا۔ سلطان کو اس جواب سے بڑا رنج ہوا اور خلیفہ کے ایلچی سے کہا کہ تو یہ چاہتا ہے کہ دار الخلافہ پر ہزار فیل چڑھا کر لیجاؤں اور اسکو برباد کر کے اسکی خاک ہاتھیوں کی پیٹھ پر غزنی میں لاؤں۔ رسول یہ سنکر چلا گیا اور کچھ دنوں کے بعد نامہ لایا اور سلطان محمود کو دیا کہ امیر المومنین نے یہ جواب لکھا ہے۔ خواجہ ابو نصر زوزنی نے کہ دیوان رسالت تھا اس نامہ کو کھولا تو اسمیں دیکھا کہ بسم اللہ الرحمن لکھا ہے اور بعد اسکے چند سطروں میں حروف مقطعات الم الم لکھے ہیں اور آخر میں الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ علی نبیہ محمد و آلہ اجمعین تحریر ہے باقی کچھ نہیں سب دبیر و منشی حیران تھے کہ یہ کیا جواب ہے۔ تفاسیر میں ان حروف کی تفسیر دیکھی مگر کچھ معلوم ہوا۔ خواجہ ابو بکر قہستانی نے جرأت کر کے عرض کیا کہ حضور نے جو ہاتھیوں کے پاؤں کا ڈراوا لکھا تھا اسکا یہ جواب الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل ہے یہ سنتے ہی سلطان کے ہوش اڑ گئے اور جب ہوش میں آیا تو بہت رویا اور خلیفہ کے رسول سے معذرت کی اور بہت تحائف نذر کے لیے بھیجے اور ابو بکر کو خلعت خاص عنایت کیا سنہ ۴۰۴ھ میں ہندوستان کی فتوحات کا فتحنامہ خلیفہ القادر باللہ عباسی پاس محمود نے بھیجا اور ایک سنگ جو ہندوستان میں سلطان کو ملا تھا اسکی یہ خاصیت تھی کہ زخم پر اسکو لگائے تو فوراً اچھا ہو جاتا تھا

فتح غرجستان ملک اور سلطان محمود کا خلیفہ بغداد کو نامہ بھیجنا اور اسکا جواب آنا

تحفہ بھیجا۔ خلیفہ نے ایک مجلس عظیم کو جمع کیا اور منبر پر بیٹھکر با واز بلند فتحنامہ کو اہل مجلس کے روبرو پڑھا۔ ان فتوحات کے سننے سے مسلمانوں کو عید کی سی خوشی ہوئی اور ۴۱۲ھ میں علما و صلحا و اہل اسلام کی جماعت نے متفق ہو کر سلطان سے عرض کیا کہ بیت الحرام کی راہ اعراب و قرمطیون سے مسدود ہو رہی ہے اور انکے خوف سے اور خلفاء عباسیہ کے ضعف سے مسلمان حج سے محروم رہتے ہیں۔ سلطان نے اس عرض پر محمد ناصحی کو قاضی القضاۃ ممالک محروسہ کا تھا امیر حجاج بنا کے اور تیس ہزار زر سرخ دیکر روانہ کیا اعراب کو راہ قافلہ سے پرے ہٹا دیں۔ بہت سے مسلمان قاضی صاحب کے ساتھ ہوئے جب یہ قافلہ بادیہ فید میں پہنچا تو عربوں نے اسے روکا۔ قاضی صاحب پانچہزار دینار انکو دیتے تھے۔ مگر احماد بن علی شیخ اعراب متعرض ہوا جسکو ایک تیر انداز نے مار ڈالا اعراب بھاگ گئے اور اس سال حج خوب ہوا۔

جب ولایت خوارزم مامون کے بعد اسکے بیٹے ابو علی کو ملی تو اسنے سلطان محمود کی بہن سے نکاح کیا اور اس رشتہ بندی سے سلطان کے ساتھ بھی دوستی ہو گئی۔ جب مامون کی حکومت ختم ہوئی تو اسکا جانشین ابو العباس مامون ہوا۔ تو اسنے محمود کے ساتھ خلوص عقیدت ظاہر کرکے اجازت چاہی کہ اسکی بہن سے جو اسکے بھائی کی بیوہ تھی خطبہ نکاح پڑھائے۔ سلطان نے اجازت دیدی اور اسطرح محبت کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔ ابو العباس مامون کے آخر ایام میں سلطان نے اس پاس ایلچی بھیجا اور درخواست کی کہ ولایت خوارزم میں خطبہ اسکے نام پڑھوایا جایا کرے۔ ابو العباس مامون نے اپنے اعیان دولت سے مشورہ کیا تو اکثر نے یہ کہا کہ جب تک آپکا ملک دوسرے کی شرکت سے خالی ہے ہم کمر خدمت باندھے ہوئے موجود ہیں اور اگر آپ کسی اور کے محکوم ہوتے ہیں تو ہم تلوار لیے کھڑے ہیں آپ کو معزول کرینگے اور کسی اور کو تخت پر بٹھائیں گے۔ سلطان کا ایلچی یہ صورت حال دیکھکر الٹا چلا گیا۔ اعیان خوارزم شاہی نے یہ کہتے تو کہدیا مگر پھر وہ سلطان کے اقوال کے رد کرنے سے پشیمان ہوئے اور نیال تگین جو صاحب جیش خوارزم اور سر دفتر اہل جسارت و خسارت تھا مہم کے واسطے طیار ہوا۔ ایکدن وہ اوباشوں کے گروہ کے ساتھ خدمت ابو العباس مامون میں گیا۔ اندر سے خبر آئی کہ اسکا انتقال ہو گیا اور کسی شخص کو اس واقعہ ہولناک پر اطلاع نہوئی۔ اسکے بعد پسر ابو العباس کو تخت پر بٹھایا۔ یہ خوارزمی گروہ خوب جانتا تھا کہ سلطان اس کا انتقام ہم سے لیگا اس لیے سب نے باہم قسم کھائی کہ اگر محمود انتقام کے درپے ہو تو اتفاق کرکے اس سے خوب لڑیں۔ جب سلطان محمود کو اس غدر کی خبر ہوئی تو صلاح مشورہ کرکے وہ سپاہ کو آراستہ کرکے خوارزم کی طرف چلا۔ سلطان نے محمد طائی کو مقدمۃ الجیش بنا کے بھیجا پیشکر...

خوارزم کی سلطنت کا سلطان کے ہاتھ آنا

کی نار پڑھ رہا تھا کہ خمارتاش خوارزمیوں کے سپہ سالار نے غزنویوں پر چھاپا مارا اور بہت سے انہیں قتل کیے اور لشکر کو بھگا دیا۔ سلطان نے پھر اپنے خاصہ غلاموں کا لشکر بھیجا اس نے خوارزمیوں کو شکست دی اور خمارتاش کو گرفتار کیا۔ اور اسکو سلطان کی خدمت میں لائے جب سلطان قلعہ ہزار اسپ پاس پہنچا تو ایک سخت لڑائی صبح سے دوپہر تک ہوئی اور شام تک بہت سے آدمی سلطان کے ہاتھیوں اور گھوڑوں نے پامال کیے اور پانچ ہزار آدمی قید ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ نیال تگین کشتی میں بیٹھکر جیحوں سے عبور کرنا چاہتا تھا کہ ایک شخص نے اسکو کشتی میں باندھ لیا اور سلطان پاس لے آیا۔ سلطان نے ابو العباس مامون کی قبر کے پاس سولیاں کھڑی کیں جنپر نیال تگین اور اسکے ساتھیوں کو وہاں چڑھایا اور مامون کی قبر پر یہ کندہ کرا دیا کہ ہذا قبر مامون ابن مامون یعنی بغی علیه حشمه واجترأ علی دمه خدمه فقیض الیه السُّلطان یمین الدولة وامین الملة حتیٰ اقتبض منهم وصلبهم علی الجذوع عبرة الناظرین وآیة للعالمین اور خوارزم کی حکومت امیر حاجب کبیر التونتاش کو دی اور قیدیوں کو غزنی بھجوایا اور بہت کا قصور معاف کر کے چھوڑ دیا۔

سلطان نے سنا کہ تھانیسر کے ملک میں ہاتھی بڑے قوی ہیکل ہوتے ہیں اور انکو میدان جنگ میں لڑنا خوب آتا ہے تھانیسر کے حکمراں کو ان ہاتھیوں پر بڑا غرور تھا۔ سو سلطان فوج جرار کو لیکر گیا اسکو ایسے جنگل میں اول گذرنا پڑا کہ جسمیں سوائے چرند پرند حیوانوں کے انسان نے ابتک قدم نہ رکھا تھا۔ گھوڑے کا اسم اسپر نچڑا تھا اسمیں دانہ پانی کا کال تھا۔ اول سلطان ہی نے اس جنگل کو طے کیا۔

تھانیسر کے نیچے ایک ندی صاف پانی کی بہتی تھی اسکی تہ میں پتھر تھے اور اسکے کنارے ناہموار اور تیر کی طرح نوکدار تھے۔ سلطان اس ندی پر وہاں پہنچا جہاں وہ درہ کوہ میں ملتی تھی اور وہاں دشمنوں نے ہاتھیوں کے پیچھے مقام کیا تھا انکے پاس بہت پیادے اور سوار تھے سلطان نے یہاں یہ حکمت اختیار کی کہ اپنے لشکر کو دو پایاب مقاموں سے ندی کے پار اتارا اور دشمنوں پر دونوں طرف سے حملہ کیا جب ان لشکروں میں آپسمیں قریب آنکر لڑائی بھڑائی ہونے لگی تو سلطان نے اپنے لشکر کو اس درہ کوہ سے جسمیں ندی بڑے زور سے بہرہی تھی ندی کے کنارے پر کھڑے ہوکر حملہ کرنیکا حکم دیا کہ گھاٹیوں میں جو دشمن چھپے ہوئے ہیں انکو قتل کریں۔ شام تک سخت لڑائی ہوئی دشمن بھاگے ہاتھی چھوڑ گئے جو سلطان کے پاس پکڑے آئے جنمیں سے بڑے بڑے ہاتھی سلطان نے اپنے پاس رکھے۔ اسقدر ہندو مارے گئے کہ انکے خون سے ندی کے پانی کا ایسا رنگ بدل گیا کہ کوئی اسے پیتا نہ تھا۔ اگر رات نہ ہوگئی ہوتی تو بہت دشمن اور ہلاک ہوتے۔ یہ بیان تاریخ یمینی سے لکھا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں اس مہم کو یوں بیان کیا ہے کہ

محمود غزنوی کا ارادہ تھا کہ تھانیسر کو فتح کیجیے وہاں دنوں بت پرستوں کا ایسا ہی معبد تھا جیسا کہ بلا تشبیہ مکہ خدا پرستوں کا جب سلطان پنجاب میں آیا تو اس سبب کہ انند پال سے جو شرائط وعہود ہو چکے تھے انکا پاس و تھا کہ انہیں کوئی فرق نہ آئے اور اسکا علاقہ لشکر سے پامال نہو۔ اس لیے سلطان نے انند پال کو لکھا کہ ہمارا ارادہ تھانیسر کا ہی تمکو چاہیئے کہ اپنے معتمد آدمیونکو ہمارے لشکر کے ہمراہ کردو کہ اثنا راہ میں وہ اپنے علاقوں کو بتلاتے جائیں تاکہ لشکر سے انکو گزند نہ پہنچے۔ انندپال اس بات کو غنیمت سمجھا۔ سامان رسد وغیرہ میں ہمہ تن مصروف ہوا اور کل تاجروں اور بنیے بقالوں کو حکم دیدیا کہ لشکر سلطانی کے لیے غلہ جمع کرو اور کل اپنے ماتحتوں کو تاکید کی کہ لشکر سلطانی کو کسی طرح کی تکلیف نہونے پائے۔ اور دو ہزار سوار اپنے بھائی کے ساتھ سلطان کی خدمت میں بھیجے اور ایک عرضی لکھی کہ تھانیسر ہمارا معبد ہی اگر حضور وہاں کی رعایا پر خراج اور محصول مقرر کریں تو بہتر ہی کہ اگر حضور میری درخواست منظور فرمائینگے تو میں بھی پچاس ہاتھی سالانہ نذر دیا کرونگا۔ سلطان نے اسپر حکم لکھا کہ بت پرستی کی بیخکنی کرنا اور شرع اسلام کا رواج دینا ہمارا کام ہی۔ جب دلی کے راجا کو یہ خبر پہنچی تو اس نے اور راجاؤں کو لکھا کہ محمود لشکر نامعدود سے تھانیسر کیطرف متوجہ ہوا۔ اگر اس سیل کا بند نہ باندھو گے تو وہ سب پانی پھیر کر خاک میں ملائیگا۔ یہ راجہ اپنی فوج جمع کرتے ہی رہے کہ تھانیسر میں محمود داخل ہوا اور دل کھول کر خوب لوٹا مارا بتوں کو توڑا۔ سب سے بڑے بت کو غزنی بھیجا کہ وہاں پیروں کے تلے ہمیشہ روندا جائے۔ غنیمت بے حساب ہاتھ آئی۔ ایک یاقوت ملا جسکا وزن ساٹھ تولہ تھا۔

سلطان نے سنہ ۴۰۶ھ میں کشمیر کا ارادہ۔ قلعہ لوہ کوٹ تک آیا یہ قلعہ نہایت مستحکم تھا۔ سلطان نے اسکا محاصرہ کیا جب اس محاصرہ پر مدت گزر گئی اور کشمیر کو کمک اطراف سے بھی پہنچ گئی اور پالے اور برف کی بھی بڑی شدت ہوئی تو سلطان نے محاصرہ کو چھوڑا اور غزنی کی راہ لی اس سفر میں لشکر اس صحرا میں پہنچا جہاں پانی کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا ایک خلق پانی میں ڈوب کر ہلاک ہوئی۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ ہندوستان کے حملوں میں لشکر اسلام کو اس طرح کا صدمہ پہنچا کہ صدہا جانیں ضائع ہوئیں بہت سی مشقتیں اٹھانی پڑیں اور کوئی مقصد حاصل ہوا۔ اور غزنی سلطان بے نیل مرام پھر آیا پنجاب تو مدتوں سے اہل اسلام کے قدموں کا رستا تھا۔ اب سلطان محمود کے ارادونکو دیکھنا چاہیئے کہ وہ کیسے بلند اور فراخ ہوگئے کہ اسنے یاد اولوالعزمی کی کہ وسط ہند کا دروازہ اہل اسلام کی فتح ونصرت کیلیے کھولیے۔ اسنے ایک لشکر جرار جمع کیا اسکو ایک مورخ لکھتا ہی کہ ایک لاکھ سوار اور بیس ہزار پیادے تھے۔ تاریخ یمینی میں لکھا ہی کہ بیس ہزار سوار ماوراء النہر کی اس پاس تھے۔ فقط جہاد کے ارادہ سے وہ آگے تھے۔ اس سلطان کی اس فرزانگی کو دیکھیے کہ

اُس نے سپاہی سمرقند اور بخارا اور ان ملکوں کے لئے جو ابھی فتح ہوئے تھے یہ تدبیر نہایت معقول تھی اگر ہمراہ نہ لیتا تو وہ کب اسکے پیچھے خالی بیٹھتے۔ ضرور ایسا دنگہ فساد پیچھے مچاتے کہ سلطان کو آگے بڑھنا دشوار ہو جاتا پھر اس سپاہ فراوان کو ہمراہ لیکر وہ سات دریاؤں کو اُن مقامات سے اُترا جہاں اُنکے پاٹ کم تھے۔ اس مہم میں سلطان جس راہ سے قنوج آیا اُسکو مورخوں نے مختلف طرح سے بیان کیا ہے مگر ہم تاریخ یمینی کے موافق اس سفر کا حال بیان کرتے ہیں۔ لشکر کو لیکر اوّل کشمیر میں آیا۔ کشمیر اور غزنی کے درمیان ایسے گھنے جنگل تھے کہ اُنمیں ہوا کا گذر بھی دشوار تھا۔ اُنمیں جانور نغمہ سرائی اور غل شور مچاتے تھے۔ سلطان پاس بیس ہزار ماوراء النہری سپاہی اسلئے آگئے تھے کہ وہ اُنکو کہیں جہاد میں بھیجکر غازی و شہید بنا دے۔ سلطان نے اس لشکر کو ہمراہ لیکر قنوج کا ارادہ کیا۔

غزنی اور قنوج کے درمیان گھوڑوں اور اونٹوں کی تین مہینہ کی راہ تھی۔ سو سلطان نے رات دن سفر کرنا شروع کیا۔ وہ دریائے سندھ سے اُترا۔ پھر جہلم۔ راوی۔ بیاس۔ ستلج سے عبور کیا۔ یہ دریا ایسے عمیق ہیں کہ اُنمیں ہاتھی ڈوب جاتے ہیں۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ اونٹوں اور گھوڑوں پر کیا گذری ہوگی جن ملکوں میں سلطان کا گذر ہوا وہاں کے حاکموں نے اُسکی اطاعت اختیار کی اور اپنے سفیر بھیجے۔ سبلی یا جانکی بن شاہی بن بمہی حاکم درہ ہائے کشمیر نے سلطان کو یہ جتایا کہ وہ کوئی خدا کا فرستادہ ہے اسکے پاس حاضر ہوا اور راہ نمائی کا ذمہ لیا اور وہ ایک جنگل سے دوسرے جنگل میں لیگیا آدھی رات کو کوچ کا نقارہ بجتا اور دوپہر کے بعد تک منزل طے ہوتی۔ ۲۰ رجب سنہ ۴۰۹ھ کو یہ لشکر جمنا پار اُترا۔ راہ میں سلطان کو ایسے بلند قلعے نظر آئے کہ اُنکے دیکھنے میں گردن پیٹھ سے لگ جاتی تھی۔ اب وہ قلعہ برن میں پہونچا (یہ پرانا نام بلند شہر کا ہے) راجہ ہردت کے ملک میں یہ قلعہ تھا۔ جب اُسنے سُنا کہ اس لشکر جرار نے حملہ کیا اپنے میں تاب مقاومت نہ دیکھی وہ دس ہزار آدمیوں سمیت سلطان کی خدمت میں آیا اور ان سب نے دین اسلام قبول کیا اور بت پرستی کو ترک کیا۔

کچھ توقف کے بعد سلطان قلعہ مہاون کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں کا راجہ کل چند تھا وہ کثرت مال اور رجال اور ملک پر بڑا مغرور تھا۔ بڑے بڑے راجہ اُس سے لڑتے ہوئے ڈرتے تھے اور ایسے قلعے اُسکے پاس مضبوط تھے کہ کبھی اُنکو زمانہ کے ہاتھ سے آسیب نہیں پہونچا تھا وہ اپنے لشکر کو ایک جنگل میں لیگیا کہ اُسمیں درخت ایسے گھنے تھے کہ نہ دھوپ جا سکتی تھی نہ ہوا۔ جب سلطان وہاں پہونچا تو اُس کا لشکر اس جنگل میں اس طرح گھس گیا جیسے بالوں میں کنگھی جاتی ہے اور قلعہ کی راہ دریافت کرلی سخت لڑائیاں ہوئیں مگر ہندوؤں کو ہر جگہ شکست ہوئی بیشتر سپاہی انکے قتل ہوئے اور کچھ جمنا کے پار چلے گئے۔ غرض اس طرح پچاس ہزار ہندو مقتول اور ورطۂ فنا میں پڑے۔ کل چند نے

خنجر کھینچکر پہلے اپنی بیوی کو مارا اور پھر اپنا سینہ چاک کیا۔ سلطان کو ایک سو اٹھاون ہاتھی ہاتھ آئے اور بہت سی غنیمت ملی۔

جب سلطان کو کل چند کی مہم سے فراغت ہوئی تو وہ متھرا میں گیا وہاں عمارتیں دیکھیں جن کو یہاں کے لوگ کہتے تھے کہ وہ آدمیوں نے نہیں بنائیں بلکہ دیوتاؤں نے۔ وہاں کی عادتیں بھی ایسی دیکھیں جو عادات جاریہ کے خلاف تھیں اور انکا یقین مشاہدہ ہی سے آسکتا ہی۔ شہر کی فصیل سنگ خارا کی بنی ہوئی تھی اسکے دو دروازے جمنا کے کنارہ کیطرف ایسے مضبوط بنے ہوئے تھے کہ پانی سے انکو آسیب نہیں پہنچ سکتا تھا۔ شہر کے دونوں طرف ہزار قصر تھے اور انمیں بتخانے تھے اور وہ سر سے پاؤں تک لوہے کی میخوں سے مضبوط کئے گئے تھے۔ یہ سب عمارتیں گچ کی بنی ہوئی تھیں۔ سب مندروں سے بڑا شہر کے بیچ میں ایک مندر زیادہ عظیم الشان و رفیع البنیان تھا کہ اس کا بیان ہو سکتا ہی نہ نقشہ کھچ سکتا ہی۔ سلطان نے شہر فار غزنی کو اس عمارت کی نسبت لکھا ہی کہ اگر ہزار ہزار دفعہ ہزار دینار خرچ کئے جائیں اور دو سو برس تک چابکدست کاریگر دستکار بنائیں تو بھی ایسی عمارت نہیں بن سکتی۔ بتوں میں سے پانچ سونے کے بت تھے۔ ہر ایک پانچ گز لمبا تھا۔ یہ بت ہوا میں معلق لٹکے رہتے تھے۔ ان بتوں میں سے ایک کی آنکھوں میں یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ ان یاقوتوں سے ہر ایک یاقوت کی قیمت پچاس ہزار دینار سے کم نہ ہوگی۔ ایک بت کی آنکھیں صاف و چمکدار یاقوت ازرق کی تھیں۔ اس کا وزن ساڑھے چار سو مثقال تھا۔ ایک بت کے دو پاؤں سونے کے وزن میں چار ہزار چار سو مثقال کے تھے۔ ان بتوں میں کل سونا وزن میں اٹھانوے ہزار تین سو مثقال تھا۔ چاندی کے بت دو سو تھے مگر انکا وزن بغیر توڑنے کے نہیں معلوم ہو سکتا تھا وہ ترازو میں بغیر توڑنے کے نہیں رکھے جا سکتے تھے۔ سلطان نے حکم دیدیا کہ سارے بتخانہ نفط اور آگ سے جلا دیے جائیں۔ اس جلانے سے سنگین عمارتوں کا نقصان بہت ہوا ہوگا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں کہ سلطان نے بعض مندروں کو متانت کے سبب نہ توڑا یا حصانت کے سبب نہ توڑ سکا۔ بعد اسکے سلطان نے قنوج کی طرف کوچ کیا۔ قنوج تصحیف سے فتوح ہوتا ہی یہ فال نیک پہلے سے موجود تھی۔ سلطان نے اپنے لشکر کا ایک حصہ پیچھے چھوڑا اور تھوڑی سی فوج کے راجہ جیپال سے لڑنے کے لئے گیا۔ راجہ کے ساتھ بھی تھوڑے سپاہی تھے اور وہ اپنے کسی امیر کے پاس جانیکو تھا اس ملک میں سلطان نے جس قلعہ کو دیکھا اسکو گرا کر زمین کی برابر کیا۔ یہاں کے باشندوں نے یا اسلام قبول کیا یا تلوار لیکر لڑنے کو کھڑے ہوئے۔ بیشمار قیدی اور غنیمت سلطان کو ہاتھ لگی۔ ۸ شعبان ۴۰۹ھ ۱۰۱۸ء کو سلطان کے قریب پہونچنے کی خبر سنکر راجہ جیپال گنگا پار بھاگ گیا۔

قنوج کی فصیلوں میں سلطان داخل ہوا تو اس میں سات قلعے جدا جدا بنے ہوئے تھے اور اُسکے نیچے گنگا بہتی تھی۔ قنوج میں دس ہزار بتخانے تھے جنکو ہندو کہتے تھے کہ دو دو تین تین ہزار برس گذرے ہیں کہ ہمارے باپ دادا نے بنائے تھے۔ سلطان نے ایک ہی دن میں ساتوں قلعے لے لئے اور سپاہ کو حکم اُنکے لوٹنے کا دیدیا باشندے کیا بھاگ گئے یا قتل و اسیر ہوگئے۔

قنوج کی تعریف ہندو مسلمان دونوں کرتے ہیں مگر اسکی وجہ کوئی نہیں معلوم ہوتی کہ یہ شہر کیوں دولت سے مالامال اور باشان وشکوہ گنا جاتا تھا۔ نہ تو وہاں کے راجہ کا ملک وسیع تھا کہ ہندوستان میں کسی اور راجہ کا نہو۔ نہ اُسکی حکومت اور راجاؤں سے زیادہ تھی۔ اس زمانہ میں قنوج کی مورخ یہ بیان کرتے ہیں کہ اُسکی شہر پناہ پندرہ کوس کے گردے میں تھی۔ تیس ہزار تنبولیوں کی دُکانیں تھیں راجہ کے پاس پانچ لاکھ پیادے تھے۔ تیس ہزار سوار تھے۔ اسی ہزار زرہ پوش تھے۔ اصل حال معلوم ہونا دشوار ہے۔ مگر ان مورخوں کے بیان میں مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔ فارسی تاریخوں میں تعداد میں ہمیشہ اختلاف ہوتا ہے۔ قنوج کی خواہ پہلے کچھ ہی شان ہو، مگر اب تو وہ قصبہ کہنہ ہے۔ البتہ اسکے گرد عمارات کے کھنڈر باقی ہیں جو ارباب بصیرت کو عبرت دلاتے ہیں۔ اب اور جو بیان قنوج کی فتح کا لکھا ہے وہ تاریخ یمینی سے لکھا ہے۔ اب اور تاریخوں میں یہ لکھا ہے کہ قنوج کا راجہ کنور رائے سلطان کے لشکر کی عظمت اور شوکت دیکھکر دنگ رہ گیا اور سوائے اسکے کچھ بن نہ پڑی کہ رومال سے ہاتھ باندھکر مع اپنے اہل و عیال کے سلطان کے حضور میں حاضر ہوا۔ سلطان نے اُس پر بہت لطف و کرم کیا اور کسی طرح کی اذیت نہیں پہنچائی خود تین روز تک مہمان رکھا اور اُس سے وعدہ کیا کہ اگر کوئی دشمن تمکو ستائے گا تو ہم خود آنکر تمہاری امداد کرینگے۔ چنانچہ اس وعدہ کا ایفا بھی کیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

پھر سلطان منج دے کی طرف متوجہ ہوا یہ برہمنوں کا قلعہ مشہور تھا۔ اسکے باشندے نہایت بہادر تھے وہ مقابلہ کے لئے کھڑے ہوئے مگر جب مقابلہ نہ کرسکے اور اُنکو یہ بھی یقین تھا کہ مسلمان ہمکو جیتا نہ چھوڑینگے تو وہ فصیلوں پر سے کود کود کر بھاگنے لگے مگر اس طرح کودنے میں پاش پاش ہوکر مرگئے۔

یہ شہر منج دے پرانا شہر منجھاوں یا مجھاوں معلوم ہوتا ہے جس کے کھنڈر کانپور سے جنوب میں دس میل کے فاصلہ پر پڑے ہیں وہ قنوجی برہمنوں کا مرکز ہے۔

پھر سلطان قلعہ آسی یا اسونی کی طرف متوجہ ہوا یہاں کا حاکم چندپل بھور تھا۔ وہ ہندوؤں کے امیروں اور سپہسالاروں میں سے تھا وہ ہمیشہ فتح پاتا تھا۔ اس قلعہ کے گرد بڑا گہرا گھنا جنگل تھا اور اسمیں سانپ

بھرے ہوئے تھے جن پر کوئی منتر نہ چلتا تھا اور ایسا اندھیرا رہتا تھا کہ چاندنی اسمیں نہیں دکھائی دیتی تھی۔ بڑی چوڑی اور گہری خندق قلعہ کے گرد تھی۔ چنڈیل بھور نے جب سلطان کے آگے بڑھنے کی خبر سُنی تو بڑا ہول اُس کے دل میں اُٹھا اور اُس نے جان لیا کہ موت مُنہ کھولے میری طرف آ رہی ہے۔ اسلئے وہ بھاگا۔ سلطان نے اُسکے پانچوں قلعوں کے منہدم کرنے کا حکم دیا۔ انہیں کے ملبے کے نیچے باشندے دبے رہ گئے۔ سپاہی قتل اور اسیر ہوئے۔ مال اسباب اُنکا لوٹا گیا۔ یہ قلعہ اسونی گنگا کے گوشہ شمال مشرق میں فتح پور سے دس میل پر ہے۔ یہ بہت پُرانا شہر ہے اسکو اسونی کمار نے جو سورج کا بیٹا تھا بنایا تھا۔ اُسنے یہاں پر بلدان کیا تھا اور اس شہر کو اپنے نام پر آباد کیا تھا۔

جب سلطان نے سُنا کہ چنڈیل بھاگ گیا تو اُسکو افسوس ہوا۔ اور وہ قلعہ شروا کی طرف چلا یہاں کا راجہ چندر رائے تھا ہندوؤں میں بڑے رتبے کا راجہ تھا۔ پورجے پال سے ہمیشہ اُسکی لڑائی رہتی تھی اور کشت و خون ہوتا تھا۔ پورجے پال نے اپنے پرانے دشمن کی بیٹی سے اپنے بیٹے کا پیغام بیاہ کا بھیجا کہ اس رشتہ مندی کے سبب سے ہمیشہ کیلئے رشتہ اتحاد قائم ہوگا۔ اُسنے اپنے بیٹے کو بیاہنے کیلئے رائے چند پاس بھیجا۔ رائے چند نے اُسکے بیٹے کو قید کر لیا اور اُسکے باپ کے سبب سے جو اُسکے نقصان ہوئے تھے اُنکا معاوضہ چاہا۔ پس اب پورجے پال مجبور تھا کہ رائے چند کے قلعہ اور ملک پر حملہ نہیں کر سکتا تھا۔ اپنے بیٹے کو بھی نہیں چھڑا سکتا تھا۔ غرض ان دونوں میں جھگڑا ہمیشہ رہتی تھی کہ سلطان محمود اس ملک میں آگیا۔ پورجے پال تو راجہ بھوج چند پاس جا کر چھپ گیا مگر چندر رائے سلطان سے لڑنے کیلئے آمادہ ہوا۔ اس اثنا میں بھیم پال نے ایک خط اسکو لکھا کہ سلطان محمود کا حال ہندوستان کے راجاؤں کا سا نہیں ہے وہ ہندوؤں کا پیشوا نہیں ہے اُسکے باپ کے نام سے فوجیں بھاگتی ہیں بہتر ہے کہ اس سے صلح کی جائے اگر تم اس سے لڑو گے تو پچھتاؤ گے آگے تمہیں اختیار ہے۔ اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو کہیں چھپ جاؤ۔ چندر رائے نے بھیم پال کی صلاح کو مان لیا اور وہ اپنے ہاتھیوں اور خزانوں کو لیکر پہاڑوں میں جا چھپا۔ اس صلاح و رائے بتانے کا سبب یہ تھا کہ کہیں وہ سلطان کے دام میں ایسا نہ پھنس جائے کہ وہ مسلمان ہو جائے جیسے کہ بھیم پال کے رشتہ دار مسلمان ہوگئے تھے۔ سلطان نے قلعہ شروا کو فتح کر لیا۔ مگر اصل مطلب اسکا یہ تھا کہ چندر رائے کو گرفتار کرے اسلئے وہ اسکی تلاش میں پندرہ فرسنگ ایسے جنگل میں چلا جسکے کانٹوں سے اُسکے لشکر کے آدمی بڑے زخمی ہوئے آخر کو اُسنے ۲۵ شعبان سنہ ۴۱۰ھ (۶ جنوری سنہ ۱۰۱۹ء) کو دشمن کو جا لیا۔ سلطان نے اپنے دشمنوں پر حملہ کر کے اُنکو قتل کیا اور تین دن تک مردوں کی تلاشی لوٹ کیلئے کی۔ بہت سے ہاتھی گرفتار کئے۔ ایک ہاتھی جو اس راجہ کا مشہور تھا وہ خود سلطان کی طرف چلا گیا۔ جسکا نام خداداد رکھا گیا۔ تمام غنیمت تین ہزار درہم کی ہاتھ لگی اور قیدی اتنے ہاتھ لگے کہ دو دو سے

لیکر دس درہم تک ایک قیدی فروخت ہوتا تھا۔ یہ قیدی غزنی کو روانہ ہوئے۔ دور دور سے سوداگر انکے خریدنے کو آئے۔ سارا ماوراء النہر، عراق، خراسان ان ہندی غلاموں سے بھر گیا۔ گورے کالے امیر غریب سب غلامی میں آکر برابر ہوگئے۔ یہ سروادہ، سیون رای جو کین ندی کے کنارہ پر کالنجر اور باندہ کے درمیان واقع ہے یا سروا گڈہ جو بھونج ندی کے کنارہ پر کوچ سے کچھ فاصلہ پر ہے جن پہاڑوں میں راجہ چندر رائے جاکر چھپا تھا وہ بندیلکھنڈ کے پہاڑ ہیں انکے سوائے کوئی اور نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ جب سلطان محمود ۸ شعبان کو قنوج میں ہوا اور ۲۵ شعبان کو ان پہاڑوں میں آگیا ہو تو سوا انکے اور پہاڑ نہیں ہوسکتے۔ سروا گڈھ بندیلکھنڈ کے راجاؤں کی تاریخ میں بڑا مشہور مقام ہے اور چند بردائی بعد چند و بھاٹ نے پرتھی راج دہلی کے راجہ کی لڑائیوں میں اس قلعہ کا ذکر کیا ہے کہ اسکی حفاظت میں بہت راجہ مارے گئے

۱۲؁ھ میں سلطان نے کشمیر کا قصد کیا۔ کوہ لوٹ کا محاصرہ کیا۔ ایک مہینہ اس میں صرف کیا مگر قلعہ کو ایسا مستحکم بلند اور ہاتھ پایا کہ اس کا فتح کرنا اپنے احاطہ قدرت سے باہر دیکھا۔ یہاں سے لاہور کی طرف گیا مگر لشکر کو جو انبا اور اطراف میں تاخت و تاراج کیلئے بھیجا۔ بہت مال و دولت غنیمت ہاتھ لگی۔ چونکہ جیپال کا پوتا ضعیف ہوگیا تھا وہ اجمیر کے راجہ کے پاس بھاگ گیا تھا۔ اسلئے سلطان شہر لاہور پر قابض ہوا اور اپنے امرائے معتمدین سے ایک کو صوبہ پنجاب حوالہ کیا اور اسکے اضلاع میں اپنے عامل صاحب تدبیر مقرر کئے۔ باج و تاراج کی جگہ ملک گیری اختیار کی ایک لشکر یہاں متعین کیا اور اس ملک میں اپنے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اول بہار میں وہ غزنی چلا گیا۔ پہلی دفعہ تھی کہ دریائے اٹک کے جانب شرق میں لشکر اسلام نے سکونت اختیار کی اور یہی ہندوستان میں سلطنت اسلامیہ کی بنیاد تھی۔

سلطان نے آب جیحوں سے عبور کیا۔ ماوراء النہر کے سرداروں نے اس کا استقبال کیا۔ ہر ایک نے اپنے مقدور کے موافق پیشکش دی۔ یوسف قدر خاں کہ ترکستان کا بادشاہ تھا استقبال کے لئے آیا۔ آپس میں دوستانہ ملاقات ہوئی جشن شاہانہ بڑی تیاریوں سے ہوئے۔ تحفہ تحائف باہم لئے دیئے گئے۔ علی تگین کو جب خبر ہوئی تو وہ بھاگ گیا سلطان نے اسکو گرفتار کرکے ہندوستان کے کسی قلعہ میں محبوس کیا۔

کنور رائے راجہ قنوج اور سلطان کے باہم عہد ہوچکا تھا کہ اگر کوئی راجہ اس کو ستائیگا تو وہ اسکی امداد کریگا اب کالنجر کے راجہ نندرائے نے اور راجاؤں کو اپنے ساتھ لیکر قنوج کے راجہ کو دبانا چاہا۔ اس راجہ کی اس حرکت سے کہ محمود کی اسنے اطاعت کرلی تھی سب راجہ متنفر ہوگئے اور اس پر لعنت ملامت کرتے تھے۔ جب یہ خبر سلطان محمود کو پہونچی تو وہ راجہ کالنجر سے لڑنے کے لئے چلا۔ وسط ہند کی وہ پہلے سیر کرچکا تھا۔ مگر اسکے آنے سے پہلے ہی راجہ کالنجر نے قنوج کے راجہ کا کام تمام کردیا۔

غزنی سے جب فوج سلطان لیکر آتا تھا تو راجہ جیپال دوم جس کو پور جیپال فارسی کتابوں میں لکھا ہے۔ لشکر سلطانی کا دریائے جمن پر سد راہ ہوا۔ راجہ انند پال کا بیٹا ہمیشہ سلطان کی اطاعت کیا کرتا تھا۔ مگر شامت اعمال جو آئی تو راجہ کالنجر کا طرفدار ہو گیا۔ اس دریا کی طغیانی لشکر سلطانی کے عبور کی مانع ہوئی۔ مگر آٹھ امیر دریائے پار اتر گئے اور راجہ جیپال کے پوتے کو شکست دی۔ اور ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ اور بتخانوں کو لوٹا۔ غرض وہاں نندرائے کے ملک میں سلطان آیا۔ اس راجہ نے بھی لڑائی کے ارادہ سے بڑا لشکر جمع کیا تھا۔ چھتیس ہزار سوار اور پینتالیس ہزار پیادے اور چھ سو چالیس ہاتھی جمع تھے۔ سلطان نے جو کسی بلندی پر چڑھ کر یہ لاؤ لشکر دیکھا تو دل میں پشیمان ہوا کہ میں یہاں کیوں آیا۔ خدا کی درگاہ میں التجا لایا اور فتح اور سلامتی کیلئے گڑگڑایا۔ خدا کی قدرت جب رات ہوئی تو نندرائے پر ایسا خوف عظیم طاری ہوا کہ وہ سب اسباب چھوڑ چھاڑ کر فرار ہوا۔ جب دن ہوا تو سلطان نے یہ دیکھا تو خود گھوڑے پر سوار ہو کر کمینگاہوں کو دیکھا اور پھر دست غارت دراز کیا۔ اور پانسو اسی ہاتھی اسکو یہاں سے ہاتھ لگے۔ غرض بعد اس فتح کے غزنی کو مراجعت کی۔ اس مہم میں کئی باتیں ایسی ہیں کہ انکا حل ہونا دشوار ہے۔ اول وہ دریا جہاں محمود اٹکا کون تھا۔ کوئی دریائے جمن تجویز کرتا ہے۔ کوئی رام گنگا بتلاتا ہے۔ غرض کچھ تحقیق نہیں۔ دوسرے کوئی پور جیپال کو نبیرہ جیپال لکھتا ہے۔ کوئی بیٹا بتلاتا ہے۔ اس مہم کا نام مہم راہب بھی ہے۔

۴۱۲ھ ۱۰۲۱ء میں سلطان کو خبر لگی کہ قیراط اور ناردین کے آدمیوں نے بغاوت اختیار کی۔ ان دونوں دیار کے باشندے بت پرست تھے۔ سلطان نے لشکر جمع کیا اور بہت سے آہنگر اور سنگتراش ساتھ لئے اور انکی طرف روانہ ہوا اول قیراط کو فتح کیا۔ یہ ملک قیراط کا سردسیر تھا۔ وہاں میوے بہت پیدا ہوتے تھے اور ترکستان کے درمیان واقع تھا اور وہاں باشندے شیر پرست تھے۔ یہاں کے حاکم نے اطاعت کی اور اسلام قبول کیا اور باشندے بھی اپنے حاکم کی تقلید کر کے مسلمان ہوئے۔ حاجب علی بن ارسلان یا صاحب علی بن ایلار کو ناردین کے فتح کرنیکو لئے بھیجا اسنے قلعہ کو بسر سواری فتح کر لیا اور اس مقام پر ایک قلعہ بنوایا۔ اور علی قدر بن سلجوقی کو یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اسلام نے اس ملک میں اشاعت پائی۔ اس مہم کی نسبت بہت سے محققین کو اشتباہ ہے۔ اول قیرات اور ناردین کے صحیح نام اور مقام کے دریافت کرنے میں بہت کوشش کی گئی۔ فارسی تاریخ میں نام ایسی بے پروائی سے لکھتے ہیں کہ وہ کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں۔ اب دونوں مقاموں کے نام مختلف طرح سے لکھے ہیں کوئی قیرت لکھتا ہے اور کوئی قرات اور ناردین لکھتا ہے۔ غرض بعد تحقیق کے یہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ قیراط اور ناردین کا وہ ملک ہے جس میں سوات اور باجور اور ایک حصہ کافرستان کا واقع ہے۔ طبقات اکبری کا بیان ایسا ہے کہ جس سے کچھ شبہ نہیں رہتا

کہ حقیقت میں یہی ملک ہے اور بہت سے بودھ موجود ہیں جو یہاں کی شیر پرستی کی شہادت دیتے ہیں۔ بدھ کا نام ساکی سنگھ تھا۔ سنگھ شیر کو کہتے ہیں۔ اسلئے مسلمانوں نے بودھوں کو شیر پرست لکھا ہے۔

پندرہویں مہم راجہ کالنجر کی تادیب

۴۱۴ھ / ۱۰۲۴ء میں راجہ کالنجر کی تادیب کے واسطے سلطان محمود نے لاہور سے قصد پھر کیا۔ جب سلطان گوالیار پر پہونچا اور وہاں کا محاصرہ کیا چار روز بعد راجہ نے امان مانگی اور ۳۵ ہاتھی نذرانہ میں بھیجے۔ سلطان نے امان دی اور کالنجر کی طرف روانہ ہوا۔ یہ قلعہ سارے ہندوستان میں استحکام کے اندر اپنا نظیر نہ رکھتا تھا۔ اُس کا بھی محاصرہ کیا۔ مگر نندراے نے تین سو ہاتھی ہدیتاً بھیجے اور امان چاہی۔ ان ہاتھیوں پر فیلبان نہ تھے۔ بادشاہ نے ترکوں سے کہا کہ انپر چڑھو۔ ترک انکو پکڑ کر سوار ہونے لگے۔ ہندوؤں کو بڑا تعجب ہوا۔ راجہ نے ہندی اشعار سلطان محمود کی تعریف میں لکھکر بھیجے۔ پنڈتوں سے اُسکے معنی پوچھے۔ اُنکے معنی سنکر راجہ سے بہت خوش ہوا۔ اور اُسکو پندرہ قلعوں کا حاکم مقرر کیا۔ راجہ نے بھی بہت سے جواہر اور زر نقد اور اسباب اُسکو پیش کئے۔ سلطان اب غزنی کو واپس آیا۔

سولہویں مہم سومنات پر

اب محمود کا دل لوٹ مار کے حملوں سے بھر گیا تھا۔ اور ایسی مہموں میں اُسکو مزہ نہ آتا تھا۔ قنوج کے فتح کے بعد جو حملے اُسنے کئے وہ اپنی خوشی سے اُسنے نہیں کئے بلکہ مجبوری تھے۔ اب ساری توجہ اس بات پر تھی کہ اسلام کی اشاعت میں گو وہ کوئی بڑا آدمی نہ شمار کیا جائے مگر یہ بات تو حاصل ہو کہ بت پرستی کے حق میں وبا سمجھا جائے اور بت شکن نام پائے۔ اسلئے اُسنے ارادہ سومنات کا کیا۔

یہ حملہ سومنات پر اہل اسلام کا ایک مشہور جہاد ہے۔ اب تو ہندوستان کے لوگ سومنات کا مقام بھی نہیں جانتے لیکن وہ اس وقت میں بڑے تیرتھوں میں گنا جاتا تھا۔ گرہن کے دن لاکھوں آدمی دور دور سے یہاں آتے تھے اور ہندوؤں کا یہ اعتقاد تھا کہ روحیں بدن سے جدا ہو کر سومنات کی خدمت میں مسئلہ آواگون کے موافق آتی ہیں۔ اور سمندر کا جوار بھاٹا نہیں ہوتا بلکہ سمندر اُسکی پرستش میں اُٹھتا بیٹھتا ہے۔ مقام اس مندر کا وہاں ہے جہاں اب جزیرہ نما گجرات میں بھابری داری ہے۔ وہ مہادیو کا مندر تھا جس مکان میں سومنات تھا وہاں باہر کی روشنی نہ آتی تھی۔ جواہر اور الماس جو در و دیوار میں جڑے ہوئے تھے اور جڑاؤ قندیلوں میں لگے ہوئے تھے۔ اُنکی جوت اور جگمگاہٹ سے دن رات وہاں برابر تھے۔ چھپن ستون مرصع جواہرات کے لگے ہوئے تھے۔ دو سو من سونے کی زنجیر لٹکتی تھی۔ اُسمیں گھنٹے اور گھڑیالیں لٹکتی تھیں۔ جس وقت پوجا کا وقت ہوتا تھا وہ بجتے تھے۔ اُس کے مصارف کیواسطے دو ہزار گاؤں معاف تھے۔ دو ہزار پنڈے وہاں محافظت کے واسطے متعین تھے۔ دروازہ کے سامنے سومنات کھڑا تھا۔ پورا پانچ گز لمبا تھا۔ دو گز زمین کے اندر اور تین گز زمین کے باہر۔ گنگا اگرچہ چھ سو کوس پرے

اگر ہر روز تازہ گنگا جل آتا تھا اور اس سے سومنات کو اشنان ہوتا تھا۔ پانسو گانیں اور تین سو گویے تھے کہ پوجا کے وقت بھجن گاتے تھے اور ناچتے تھے۔ وہ دولت اس مندر میں جمع تھی کہ کسی راجہ کے خزانہ میں نہوگی۔ غرض جب اس مہم سومنات کی غزنی میں تجویز ہونے لگی تو ہزاروں مسلمان ترکستان اور اور ملکوں سے حرارت مذہبی کے جوش سے ساتھ ہو لیے۔ انکی نہ تنخواہ تھی نہ درماہہ فقط غنیمت کی امید ہمراہ تھی۔ ماہ ستمبر ۱۰۲۴ع ۴۱۵ھ میں یہ فوج غزنی سے روانہ ہوئی۔ اور ماہ اکتوبر میں ملتان میں پہونچی۔ اب یہاں ملتان سے راستہ بالکل جنگل ہی جنگل تھا نہ راہ میں آدمی ملتا نہ کھانا پینا۔ تیس ہزار اونٹوں پر پانی اور غلہ لادا گیا اور ہر سپاہی پر تاکید تھی کہ وہ اپنے کھانے پینے کا سامان رکھ لے۔

غرض یہ سب سامان درست کر کے ۳۵۰ میل لق ودق میدانوں کو لپیٹ کر اجمیر کے پاس سلطان پہونچا۔ اگرچہ کوئی راجہ ایسا نہ تھا کہ سلطان کے ارادہ سے واقف نہ تھا مگر کوئی یہ نہ سمجھتا تھا کہ یہ طوفان ہمیر بجلی کی طرح آن پڑیگا اور پہاڑ کی طرح آن اڑیگا۔ اب راجہ اجمیر نے سوائے بھاگنے کے کوئی اپنا چارہ نہ دیکھا۔ راجہ بھاگا دار الخلافہ خالی ہوا۔ اسکا ہر ایک گھر بے چراغ ہوا۔ سامنے تاراگڈھ کا قلعہ نظر آیا۔ مگر محمود نے اسکے محاصرہ کو بے سود جانا اپنا سیدھا سفر منزل بمنزل طے کرنا شروع کیا۔ راہ میں جو اور قلعے پڑے انکو ٹھکراتا ہوا چلا گیا۔ گجرات کے مشہور شہروں میں سے اول وہ انہل واڑہ میں پہنچا۔ اگرچہ راجہ یہاں کا بڑا راجہ تھا۔ مگر سلطان محمود کے سامنے سے بھاگ گیا۔ یہ ایک فتح نمایاں اہل اسلام کو حاصل ہوئی۔ مگر محمود نے کچھ اسکا خیال نہ کیا سیدھا سومنات کی دھن میں چلا گیا۔ خدا نے اسکو منزل پر پہونچایا۔ سمندر کے کنارہ پر ایک قلعہ عالیشان نمودار ہوا۔ سر اسکا آسمان سے باتیں کر رہا تھا۔ پاؤں میں اسکے سمندر لوٹ رہا تھا۔ فصیلوں پر جگہ جگہ پہرہ بندی تھی جب مندر والوں نے دیکھا کہ نشان محمودی لہرا رہا ہے اور اسکے ساتھ یہ ساز وسامان اور ٹڈی دل لشکر موجود ہے تو دیواروں پر کھڑے ہو ہو کر غصہ سے پکار پکار کر کہتے تھے کہ تم اپنے لشکر کے گھمنڈ پر ہمکو لوٹنے آئے ہو اسکی تمکو خبر نہیں کہ ہمارے دیوتا سومنات نے تمکو یہاں بلایا ہے۔ سارے ہندوستان میں شوالے مندر بت تم نے توڑے ہیں۔ اب اسکے عوض میں ہمارا یہ دیوتا تمہاری گردنیں توڑیگا۔ ایلچی ایسے ایسے پیغام محمود پاس لاے مگر اُسنے کان لگا کر سنا بھی نہیں کہ کیا کہتے ہو۔ تیوری بدلکر منہ پھیر لیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو محمود نے اپنے تیر اندازوں کو فصیل کے پہرہ والوں کی جانب بڑھایا۔ ان تیر اندازوں نے وہ تیر برسائے کہ ہندوؤں کو فصیل چھوڑتے ہی بنی۔ پھر ہندو اپنے دیوتا کے قدموں پر گر پڑے۔ اور گڑگڑا کے روئے۔ یہ روتے ہی رہے کہ مسلمان جھٹ سیڑھیاں لگا کمندیں ڈال فصیلوں پر چڑھ گئے اور تکبیر کے نعرے مارنے شروع کیے۔ راجپوتوں کا حال یہ ہے کہ جیسے وہ جلد سرد ہو جاتے ہیں ویسے ہی جلد حرارت میں بھر آتے ہیں غرض غیرت سے خون انکا جوش میں آیا۔ اور مسلمانوں سے ایسا لڑے کہ انکے پیر اکھڑ دیے۔ مسلمان

بہت نقصان اُٹھا کر اُلٹے پھرے۔ مسلمانوں نے تیسرے روز پھر حملہ کیا اور بہت نقصان اُٹھایا اور جب محمود نے بڑے زور کا حملہ کیا اور زینے لگا کر فصیل پر لشکر چڑھایا تو مندر والوں نے اپنی بہادری سے اُن کو سر کے بل گرا دیا اس سے خوب معلوم ہو گیا کہ وہ اپنے مندر کی حمایت میں آخر دم تک لڑنے کو موجود ہیں۔ اب آس پاس کے راجہ مندر چھڑانے کے لئے جو جمع ہوئے تھے اُنہوں نے باہر اپنے لشکروں کی صفیں آراستہ کیں مجبوری محاصرہ چھوڑ کر ان دشمنوں سے لڑنا پڑا دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہوئی لڑائی ترازو کی تول تھی۔ یہ نہ معلوم ہوتا تھا کہ کس طرف کا پلہ بھاری ہے کہ ہندوؤں کی طرف انہل واڑہ کا راجہ بہت سی فوج لیکر آموجود ہوا۔ اب ہندوؤں کا پلہ بھاری معلوم ہونے لگا۔ اور یہ وہم ہونے لگا کہ لشکر اسلام ضعیف ہو گیا سلطان محمود مضطرب ہوا۔ ایک سنّاٹے کے عالم میں تھا کہ دیکھئے کیا خدا دکھاتا ہے۔ خدا کی درگاہ میں التجا لایا اور عجز و نیاز سے دعائیں مانگیں اور خرقہ شیخ ابو الحسن خرقانی پہنا بعد ازاں گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی فوج کے دل بڑھانے لگا۔ سپاہ جو اتنے دنوں سے سلطان محمود کے ہم رکاب لڑی ہو وہ ایسے وقت میں چھوڑ کر کہاں جا سکتی تھی۔ غرض سب نے ایکدل و جان ہو کر تکبیر کہکر ایسا قدم بڑھایا کہ کوئی اُسکو روک نہ سکا۔ پانچہزار ہندوؤں کو قتل کر ڈالا۔ ہندو بھاگ کر مندر میں گھسنے لگے اور ایسی ہیبت لشکر اسلام اُن کے دلمیں بیٹھی کہ مندر کے سپاہیوں کو بھی بچنے کی اُمید نہ رہی چار ہزار سپاہی دل کڑا کر کے باہر نکلے اور کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگنے کا ارادہ کیا۔ مگر محمود نے اُن کے پکڑنے کے واسطے کشتیاں چھوڑیں۔ اُنمیں سے کچھ مارے گئے کچھ جان بچا کر چلے گئے۔ کچھ ڈوب کر مر گئے بعد اس فتح کے محمود مندر کے اندر داخل ہوا۔ اور سومنات کی ناک تبر سے اُڑا دی۔ اور توڑنے کا حکم دیا۔ تو پجاری بیچارے دوڑ کر پاؤں میں گر پڑے۔ اور عرض کرنے لگے۔ اگر غریب نواز اس مورت کو نہ توڑیں تو اُسکے عوض میں جسقدر روپیہ فرمائیں ہم لوگ اسکو نذر دیں یہ بات سنکر سلطان نے کچھ تامل کیا اور پھر فرمایا کہ میرے نزدیک بُت فروش نام پانے سے بُت شکن نام پانا بہتر ہے۔ یہ کہکر اُس بگڑی مورت پر ایک ایسا گرز مارا کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی حسب اتفاق اسکے پیٹ میں اسقدر ہیرے موتی اور جواہرات بیش بہا نکلے کہ اس نذرانہ کی اُسکے آگے کچھ اصل نہ تھی۔ یہ دیکھکر محمود باغ باغ ہو گیا۔ دو ٹکڑے اسکے مدینہ بھیجے۔ دو غزنین کو بھجوائے جنمیں سے ایک جامع مسجد میں اور ایک دیوان عام کے دروازہ پر ڈالدیا۔ کہتے ہیں کہ اس مہم میں کم از کم دس کروڑ روپیہ کا مال اسکو ہاتھ آیا ہوگا۔ ایسی غنیمت عمر بھر ہاتھ نہیں لگی تھی۔ انہل واڑہ کا راجہ بھیم دیو کندابہ کے قلعہ میں پناہ گیر ہوا۔ یہ قلعہ سمندر میں تھا جب سمندر کا پانی اُترتا تو اُس تک رسائی ہوتی۔ محمود نے لشکر بھیجا۔ اُسنے قلعہ فتح کر لیا۔ مگر راجہ ہاتھ نہ آیا۔ بعد ان فتوحات کے محمود انہل واڑہ میں آیا۔ اور ساری برسات

نہیں کاٹی۔ اس ملک میں آب و ہوا کی صفائی اور آدمیونکی حسانت اور دل آرائی۔ اور زمین کی شادابی اور پانی کی روانگی کو دیکھکر یہ خطہ اُسکو پسند آیا اور ارادہ کیا کہ غزنی مسعود کو دیدیجیے اور اپنا یہاں جُدا دار الخلافہ بناتے اور سلطنت کو بڑہائیے۔ محمود کی اس عالی حوصلگی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ سکندر ذو القرنین بنا چاہتا تھا۔ یہاں رہنے سی یہ مطلب تھا کہ جہازونکا بیڑا تیار کرے اور لنکا اور پیگو کو فتح کرے اور وہانکے سونے اور جواہرات کی کانوں سی متمتع ہو۔ غرض ان خیالات سی یہاں رہ جانیکا ارادہ کیا تھا۔ مگر اُسکے مشیروں نے اُسے ڈھیلا کر دیا۔ اُنہوں نے عرض کی کہ خراسان کو کس محنت اور جانکاہی سے صاف کیا۔ اُسکو چھوڑنا اور گجرات کو دار السلطنت مقرر کرنا مصلحت ملکی نہیں ہی اس بات کو سلطان نے مان لیا اور مراجعت کا ارادہ کیا۔

سلطان نے فرمایا کہ کسی ایسے شخص کو منتخب کرو کہ جس کو یہاں مملکت اور حکومت سپرد کر جائیں۔ بہت امیروں نے آپسمیں مشورہ کیا۔ اور عرض کیا کہ اس ملک میں پھر ہمارے آنیکا اتفاق نہوگا۔ یہیں کسی شخص کو حاکم مقرر کرنا چاہیے اہالیان سومنات اس معاملہ میں کچھ گفتگو ہوئی۔ اُنہوں نے کہا کہ سب سے اچھا حسب و نسب اس ملک میں داشلیموں کا ہے اور انہیں سی ایک شخص یہاں ریاضت میں مشغول ہے۔ اگر اُسکو یہاں کی سلطنت عنایت کیجیے تو بہتر ہی بعض نے کہا کہ یہ داشلیم بڑا تندخو ہی۔ یہ ریاضت اسکی عصمت بی بی از بے چادری ہے۔ جب اُسکو لڑائی جھگڑے سی ملک ہاتھ نہ آیا تو یہ سانگ بھرا ایک اور داشلیم ہے وہ بہت عاقل اور دانا ہی اور ایکبار حاکم بھی ہی اور سب اُسکی بات مانتے ہیں۔ اگر سلطان اُسکی نام فرمان بھیجے تو وہ سر آنکھوں سی حاضر ہو وہ یہاں خوب لج کریگا۔ اور آپکا خراج اور باج ادا کرتا رہیگا۔ سلطان نے ارشاد فرمایا کہ کسی ملک کے حاکم کو یہاں بُلا کر راجہ بنانا مناسب نہیں۔ داشلیم مرتاض ہی کو یہاں کا بادشاہ بنا دیا۔ اس داشلیم نے عرض کی کہ ایک داشلیم میرا دشمن ہی جس وقت حضور یہاں سی تشریف فرما ہونگے وہ مجھے دبا کر ملک چھین لیگا۔ اسلیے بہتر ہی کہ اُسکو میرے حوالے کیجیے۔ سلطان نے اس داشلیم کا ملک لے لیا۔ پہلی یہاں دستور تھا کہ بادشاہ کو مارا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اپنے تخت کے نیچے نہایت تنگ و تاریک گھر بناتے اور اُسکے اندر ایک سوراخ رکھتے اُسی میں سی دانہ پانی رجاؤں کو قید کرکے دیتے۔ ابتک یہ مکان تیار نہ تھا۔ اسلیے داشلیم مرتاض نے عرض کی کہ دوسرے داشلیم کو آپ ہمراہ لیجائیے اور جب مانگوں تو اُسے میرے حوالہ کیجیے۔ خدا کی قدرت جب یہ داشلیم غزنی سے گجرات کو آیا تو داشلیم مرتاض اندہا ہوگیا تھا۔ اسلیے وہی قیدی گجرات کا راجہ ہوا اور جو گھر اُسکے قید کرنے کیلئے بنایا تھا اُسمیں یہ داشلیم مرتاض قید ہوا۔ سچ ہی چاہ کن را چاہ در پیش۔

اب جیسا اس ملک میں آنا دشوار تھا ایسا ہی اُلٹا جانا مشکل تھا جس راہ سی آیا تھا وہاں اجمیر اور انہل واڑہ

بیان اُن مصائب کا جو سلطان محمود کو واپس جاتے وقت پیش آئیں

کے راجاؤں کی فوجیں کمین میں بیٹھی تھیں۔ سلطان کی فوج نے کیسے کچھ مصائب اُٹھائے تھے اور کیا کیا لڑائیاں لڑی تھیں۔ اُس سبب سے وہ کم ہوگئی تھی۔ سلطان جنگ کرنی مصلحت نہ جانتا تھا اسلئے وہ اُس راہ سے نہ گیا جس راہ آیا تھا۔ بلکہ بیابان اور ریگستان سندھ کی راہ اختیار کی اور ملتان جانیکا قصد کیا۔ راہبر ساتھ لیے۔ گمراہ برنے راہ نہ بتائی بلکہ راہ سے بے راہ اور گمراہ کیا اور ایسی راہ پر ڈالدیا جہاں پانی کا پتا نہ تھا۔ جب رات دن سفر ہوا اور پانی نہ ملا تو ایک تلاطم سارے لشکر میں پڑگئی۔ راہ بر سے پوچھا کہ پانی کہاں ملیگا اُسنے جواب دیا کہ میں سومنات کا فدائی ہوں۔ تجھے اور تیرے لشکر کو ایسی جگہ لایا ہوں کہ بن پانی ماروں۔ سلطان نے غضب میں آکر اسکو وہیں مار ڈالا پانی کی تلاش میں ادھر اُدھر پھرتا تھا کہ مرغان آبی نظر آئے۔ اُس سے یقین ہوا کہ جہاں یہ جانور رہوں وہاں پانی ضرور ہوگا۔ غرض اُنسے ایک چشمے کا پتہ مشکل سے ملا۔ اس عرصہ میں بہت سے آدمی مر گئے۔ کچھ دیوانے ہوگئے راہ کی مصیبتوں کی بیان کرنے کیلئے ایک دفتر چاہیے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ملتان کی راہ سے سلطان غزنی میں پہونچگیا اور اسی سال میں خلیفہ القادر باللہ عباسی نے اسکو لقب کہف الدولت والاسلام عطا فرمایا۔ اب اس مہم میں یہ باتیں قابل غور کے ہیں۔ اوّل گندابہ جسمیں راجہ انہل واڑہ کا جاکر چھپا کیا مقام ہے۔ فارسی تاریخوں میں اُسکے نام مختلف طرح کے لکھے ہیں۔ غالباً وہ کھانڈا اور کاٹھیا واڑ میں ہے۔ دوم سومنات کی تحقیقات جو تاریخ فرشتہ میں لکھی ہے کہ وہ مرکب سوم اور نات سے ہے۔ اور سوم نام بادشاہ کا ہے جس نے اُسے بنایا تھا اور نات اُس بت کا نام ہے یہ دونوں علم ملکر نام بت اور بتخانہ اور شہر کا ہوگیا ہے اور نات کے معنی ہندی میں بزرگ کے ہیں۔ اُس نے قیاس جیسا چاہا تحریر کیا ہے مگر یہ اُسکی غلطی ہے اصل یہ ہے کہ سنسکرت میں سوم چاند کو کہتے ہیں۔ مہادیو کی پرستش اس سوم نات کے نام سے بھی کیجاتی ہے اسلئے اُسکو سومنات کہتے تھے۔ چاند کی پہلی اور چودھویں تاریخ کو اُس کا اشنان بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا شاید اسلئے اُسکو سومنات کہتے تھے۔ پہلے مورخوں نے کچھ اس بت کے اعضا اور خط و خال نہیں بیان کیے وہ لنگ کی شکل تھا۔ اسمیں آنکھ ناک کچھ نہ تھے اور لنگ ٹھوس ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مورخوں کا لکھنا کہ تبر سے ناک اُڑائی۔ اور گرز سے پیٹ کو توڑا اُسمیں سے جواہرات نکلے غلط ہے ابوریحان بیرونی کا لکھنا صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اُسکے سر کے اوپر یعنی لنگم پر سونے کی پوشش اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

تاریخ فرشتہ میں جو حال سومنات کے توڑنے کا لکھا ہے وہ ایک کہانی بے اصل گھڑی ہوئی ہے مگر وہ دلچسپ ایسی ہے کہ ان مورخوں نے جو تحقیق سے غرض نہیں رکھتے نقل کردیا ہے۔ ابوریحان بیرونی نے صحیح لکھا ہے کہ سومنات لنگ تھا۔ یہ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ لنگ کے پیٹ نہیں ہوتا جو اُس میں جواہر بھرے جاتے۔ ہندوستان میں

سومنات کا صندلی دروازہ

بارہ مندر لنگ کے ہیں اُنہیں سے ایک سومنات بھی تھا۔

جیسی فارسی تاریخوں میں سومنات کے پیٹ سے جواہر نکلنے کی کہانی لکھی جاتی ہے۔ انگریزی تاریخوں میں اس سے زیادہ بیہودہ یہ کہانی گھڑی جاتی ہے کہ سومنات کا دروازہ صندلی محمود غزنوی لیگیا تھا جسکو ۱۸۴۲ء میں سرکار انگریزی بڑی دھوم دھام سے غزنی سے ممالک شمالی میں لائی اور اُسکو اپنی فتح کا نشان بنایا۔

بعد ان تکالیف کے بھی سلطان محمود کو چین نصیب نہوا اور ایک دفعہ ہندوستان میں پھر آنا پڑا سومنات سے جب واپس آیا تھا تو سپاہ محمود کے تکلیف رساں اور مزاحم جو دکے جاٹ ہوئے تھے۔ وہ بہت سی فوج لیکر ملتان کی طرف گیا۔ اور ایک بیڑہ چودہ سو کشتیوں کا بنوایا۔ اور ہر کشتی میں تین شاخیں آہنی لگائیں دو ادہر اُدہر اور ایک پیشانی پر۔ غرض یہ کشتیاں ایسی بنیں کہ جو کوئی اُن کے سامنے آئے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ ہر کشتی میں تیس تیر انداز تھے۔ اور اُن پاس تیر اور نفط اور قارورہ موجود تھے اس بیڑہ میں سوار ہو کر جاٹوں پر حملہ کیا۔ جاٹوں نے اس بیڑہ کی خبر پاکر اُن جزیروں میں پناہ لی جو دریا اٹک کے چھوٹے چھوٹے دہاروں سے بنگئے تھے اور وہ دھاریں پایاب تھیں اور اُنکے ذریعہ سے جزیروں میں آمد و رفت اور دشمن کے صدمہ سے بچنا آسان تھا۔ جاٹوں نے بھی بعض کہتے ہیں کہ چار ہزار اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ ہزار کشتیاں تیار کرائیں۔ اور خود مسلح ہو کر اُنہیں مسلمانوں سے لڑنے کے لئے آمادہ ہوئے۔ اب یہ دونوں بیڑے آپسمیں خوب لڑے۔ جاٹوں کی کشتی جو محمود کی کشتی پاس آتی تھی وہ ان آہنی شاخوں سے پاش پاش ہو جاتی تھی۔ بہت سے جاٹ ڈوب کر مر گئے اور بعض تلواروں کے نیچے آئے۔ اب فوج سلطانی وہاں پہونچی جہاں جاٹوں کے اہل و عیال چھپے تھے۔ اُسنے ان سب کو قید کر لیا۔ بعد اس فتح کے سلطان نے غزنی کو مراجعت کی۔

اب محققین تاریخ اسمیں شبہ نہیں کرتے کہ سلطان محمود جاٹوں سے لڑنے آیا۔ کیونکہ لاہور کی سلطنت بگڑنے پر یہ جاٹ ضرور متمرد ہو گئے ہونگے۔ اور زور پکڑ کر لوٹ مار شروع کی ہوگی۔ بلکہ ایک فقرہ کامل التاریخ میں یہ لکھا ہے کہ مسلمانوں کی ریاست منصورہ پر جاٹوں نے حملہ کیا اور وہاں کے رئیس کو اپنے مذہب سے منحرف ہونے پر مجبور کیا۔ یہ تحقیق نہیں معلوم ہوتا کہ ملتان کے پاس پہاڑوں میں وہ کہاں سے کہاں تک پھیلے ہوئے تھے۔ غالباً نمکسار پہاڑ و سلسلہ انکا ملجا اور ماوی ہوگا۔ جن جاٹوں نے محمود کا مقابلہ کیا تھا وہ شمال مشرق میں زیادہ پھیل گئے ہونگے جس سے انکا صاحب قوت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ محققین اس بیڑہ میں شاخسانے لگاتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ دریا ایسا وسیع نہ تھا کہ اُسمیں یہ بیڑے سما سکتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ اس قدر کشتیوں کا جمع ہونا ممکن نہ تھا۔ ایک بڑا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ محمود نے گجرات سے مراجعت میں سختیاں و مصیبتیں اُٹھائیں اُس نے دریائے سندھ سے

کیوں فائدہ نہ اٹھایا۔ اگر وہ ایسا بیڑا بنا سکتا تھا تو ضرور وہ ان اپنی مصائب کی دور کرنیکے لئے اسے بناتا۔ یہ بھی نہ تھا کہ وہ اس راہ سے ناآشنا تھا محمد بن قاسم کی مہمات سے اور افغانوں کی قربت سے ضرور اسکو اطلاع ہوگی۔
سنہ ۴۱۸ھ میں سلطان محمود نے ابوالحرب ارسلان کو امیر طوس مقرر کیا کہ دریا رامویہ (جیحون) سے جو سلجوقی اترکر ملک میں فساد کرتے ہیں انکا استیصال کرے۔ امیر طوس نے جنگہائے عظیم کے بعد لکھا کہ جبتک سلطان خود یہاں رونق افروز نہونگے سلجوقیوں کا فساد مٹنا ممکن نہیں۔ یہاں رے میں مجدالدولہ بن فخرالدولہ کی صغرسنی کے سبب اسکی ماں سیدہ سلطنت کرتی تھی۔ روز دربار کرتی پردہ کے پیچھے بیٹھکر وزراسے باتیں کرتی اطراف سے جو خطوط آتے انکا جواب بغیر کسی مدد کے لکھوا دیتی۔ سلطان محمود نے اس کو خط لکھا کہ سکہ و خطبہ اسکے نام کا اپنے ملک میں جاری کرے یا جنگ کیلئے آمادہ ہو۔ سیدہ نے جواب میں لکھا کہ جبتک میرا شوہر زندہ تھا مجھے اندیشہ تھا کہ اگر سلطان یہ فرمائیگا تو کیا تدبیر کرنی ہوگی مگر اب مجھے کچھ اس کا فکر نہیں ہے سلطان عاقل و فرزانہ ہے اور جنگ و مردار د۔ اگر مجھپر ظفر ہوئی تو سلطان کا اس سے کچھ نام نہوگا کہ ایک بیوہ عورت پر فتح پائی۔ اور اگر مجھ سے شکست پائی تو قیامت تک اس بدنامی کا داغ محو نہوگا۔ ع چہ مردی بود کز زنے کم بود۔ سلطان اس جواب کو سنکر اسکی خصومت سے درگزرا۔ مگر جب وہ مرگئی اور مجدالدولہ کو اختیار رہا تو ملک میں ہرج مرج ہونے لگا سنہ ۴۲۰ھ کے اوائل میں غزنی سے عراق کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ مازندران میں جب آیا تو شمس المعالی قابوس سلطان سے ملا۔ اور بہت تحفے تحائف میں پیش کئے بعد چند روز کے وہ کسی توہم کے سبب اپنے ملک کو چلا گیا۔ اور سلطان کے پاس چار ہزار دینار اور مایحتاج سپاہ بھیج گیا اور معذرت نامہ ایسا لکھا کہ سلطان بھی اسکے پیچھے نہیں پڑا مجدالدولہ کتابیں بہت پڑھا کرتا تھا۔ اسنے بھی سلطان محمود پاس خط اپنی سپاہ کی شکایت میں لکھا۔ سلطان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو ایک لشکر گراں رے کو روانہ کیا اور امیر لشکر کو ہدایت کی کہ ایسی سعی کرے کہ مجدالدولہ ماخوذ و مقید ہو جائے۔ جب لشکر سلطانی رے میں آیا تو مجدالدولہ اس سے ملا۔ حاجب سلطان کہ امیر لشکر تھا اسنے مجدالدولہ اور اسکے بیٹے ابودلف کو گرفتار کرلیا جب سلطان کو یہ خبر ہوئی تو وہ بلا توقف رے میں آیا۔ اور خزانہ رے سے بہت دولت و جواہر اور جامہ ابریشمیں سلطان کے پاس لائے سلطان نے مجدالدولہ کو بلاکر پوچھا کہ شاہنامہ تاریخ ملک فارس ہے۔ اور تاریخ طبری جسمیں ارباب اسلام کے وقائع لکھے ہیں پڑھی ہیں اسنے کہا کہ ہاں سلطان نے پوچھا کہ شطرنج بھی کھیلی ہے کہا ہاں۔ پھر سلطان نے کہا کہ کسی کتاب میں یہ بھی پڑھا ہے کہ ایک ملک میں دو بادشاہ حکومت کرتے ہوں اور بساط شطرنج میں دو شاہ ایک خانہ میں ہوں۔ اسنے کہا کہ نہیں۔ سلطان نے

کہا کہ پھر تو نے کس واسطے اپنا اختیار دوسرے شخص کو دیدیا جو تجھ سے زیادہ بااقتدار تھا۔ غرض مجد الدولہ اور اُسکے بیٹے اور نواب کو قید کرکے غزنی روانہ کیا۔ اور خلیفہ قادر باللہ عباسی کو نامہ لکھا کہ ہم نے رے میں آکر مجد الدولہ کو گرفتار کیا۔ اُسکے گھر میں پچاس عورتیں تھیں جن میں سے تیس کے اولاد تھی۔ اس سے سوال کیا کہ اتنی بیویاں کس مذہب کے موافق تو نے کیں۔ اُسنے جواب دیا کہ ہمارے اسلاف کی یہی عادت اور رسم تھی۔ ایک جماعت فرقہ باطنیوں کی اُسکی ملازم تھی اُن سب کو دار پر کھینچا اور رے میں جو معتزلہ تھے اُنکو چے لگا کے خراسان بھیجدیا۔ کہتے ہیں کہ مجد الدولہ کے کتب خانہ میں کتابیں بہت تھیں۔ اُنمیں سے جن کتابوں میں اقوال اہل اعتزال اور حکما کے تھے اُن کو جلا دیا باقی کتابوں کو خراسان بھیجدیا۔ اور سلطان مسعود کو رے اور سپاہان سپرد کرکے اور ایران فتح کرکے غزنی آیا۔

جس سال میں سلطان سومنات سے پھرا ہی خلیفہ القادر باللہ عباسی نے سلطان محمود کو القاب نامہ لکھا اور خراسان۔ ہندوستان۔ نیمروز۔ خوارزم کا لوا بھیجا اور سلطان کو کہف الدولہ والاسلام کا اور اُسکے بیٹے مسعود کو شہاب الدولہ والملتہ کا۔ اور دوسرے بیٹے امیر محمد کو جلال الدولہ وجمال الملتہ اور اُسکے بھائی امیر یوسف کو عضد الدولہ ومؤید الملتہ کا لقب دیا اور یہ بھی اجازت دی کہ جس کو چاہو اپنا ولی عہد مقرر کرو۔ یہ نامہ سلطان کے پاس بلخ میں پہونچا۔

پچیس برس کے عرصہ میں جو سلطان محمود نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے ان سب کا نتیجہ یہ تھا کہ پنجاب کے مغربی اضلاع دولت غزنویہ کے تابع ہو گئے۔ مشرق میں قنوج میں اور جنوب میں گجرات میں سلطان کی تاخت وتاراج کی یاد باقی رہی۔ سلطان نے ہندوستان پر مستقل سلطنت کرنیکا قصد نہیں کیا۔ پنجاب سے باہر جو اُس نے مہمات کیں اُنکا مقصود فرمانروائی کرنے سے زیادہ بت شکنی اور دولت گھسیٹنی تھی۔ باپ نے تو صرف پشاور میں چھاؤنی ڈالی تھی بیٹے نے پنجاب کو سلطنت غزنویہ کا ایک تابع صوبہ بنا دیا۔

اہل عرب اور ایرانی اور ترک خواہ وہ شہروں میں رہتے ہوں یا صحرانشین ہوں سلطان کی پوری پوری اطاعت کرتے تھے بہت سے فرمان جو خودمختاری کے درجہ پر پہونچے ہوئے تھے وہ بھی اُسکے حکم کو مانتے تھے غرض جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ کہاں کہاں مختلف قومیں اُسکی زیر فرمان تھیں تو اُسکے جاہ وجلال کا اندازہ ہوتا ہے کیسا بلند پایہ تھا۔ محمود نے اپنی خاص حفاظت کیلئے ترکی غلاموں کا پہرہ چوکی رکھا تھا۔ اور اہیں تاتاری سپاہی بھی ہوتے تھے اس نے اپنی سلطنت کے مختلف حصوں میں فوج بھرتی کی تھی اور وہ سب کو ایک نگاہ سے دیکھتا تھا۔ اور سب کو

برابر جانتا تھا۔ اُس نے ان سپاہیوں کا افسر ایسی ذواتیں مقرر کئے تھے کہ جنکی ماتحتی میں سپاہ کام بہت دیتی تھی پہاڑی سپاہ میں اُنکے موروثی افسر تھے جو کبھی اُنکو بغاوت نہیں کرنے دیتے تھے اکثر سپاہیوں کے افسروں کے ناموں سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ ترکی تھے۔ اُسنے بڑی وسیع سلطنت کا انتظام بہت تھوڑی فوج سے کر لیا تھا۔ ضرورت کے وقت فوج بھرتی کر لیا کرتا تھا۔ اگرچہ محمود کی فوج میں کہیں یہ ذکر نہیں آیا کہ ہندوؤں کی فوج نے بھی کوئی کام اُس کی زندگی میں کیا مگر بعد اُسکے غزنی کے انقلابات عظیم میں ہندی سپاہ نے بڑے بڑے کارنمایاں کئے۔ سلطان جبتک زندہ رہا ہندوؤں سے خدمت کا کام لیتا رہا۔ کچھ مذہب و دین کا خیال نہیں کیا۔ اگرچہ اُس کی سپاہ میں ترکی سب مسلمان تھے۔ مگر اُن کے نام مسلمانوں کے سے نہ تھے جس سے شبہ ہوتا ہی کہ وہ ترک بُت پرست تھے مگر ناموں سے ایسا سمجھنا غلط ہی۔ ترکوں نے اسلام اختیار کیا لیکن اپنے نام رکھنے کا قدیمی طریقہ نہیں چھوڑا۔

سلطان محمود دو سال سے اسہال یا سوء القنیہ میں مبتلا تھا۔ مگر اس مرض کی حالت میں وہ سارے کام کرتا تھا ہرچند طبیب اُسکو منع کرتے تھے مگر وہ نہ مانتا تھا۔ آخر مرض نے وہ زور پکڑا کہ جینے کی آس نہ رہی۔

۲۳ ربیع الاول ۴۲۱ھ مطابق ۱۹ اپریل ۱۰۳۰ء میں ۶۳ برس کی عمر میں پیغام اجل آگیا۔ کہتے ہیں کہ دو دن مرنے سے پہلے حکم دیا کہ سارے جواہر خانے اور دولت کے خزانے باہر لا کر سجاؤ۔ جس وقت ایک میدان میں شامیانے کے نیچے یہ نفائس سجائے گئے وہ ایک چمن معلوم ہوتا تھا۔ وہ سلطان محمود جو اقبال کے گھوڑے پر ہمیشہ سوار رہتا تھا ایک پالکی میں پڑا ہوا بیجان آیا۔ چہرہ پر مردنی کی زردی چھائی ہوئی تھی۔ چار سو ارکان سلطنت ایک سکتے کے عالم میں کھڑے تھے۔ محمود چاروں طرف ان چیزوں کو دیکھتا تھا اور سرد آہیں بھرتا تھا۔ اور روتا تھا۔ بعد ازاں حکم دیا کہ ان خزانوں کو لیجاؤ۔ پھر وہ ایک میدان سبز میں گیا اور حکم دیا کہ اصطبل سے اسپان تازی اور فیل خانہ سے فیلان کوہ پیکر اور شتر خانہ سے شتران قوی ہیکل منگائے جائیں یہ بھی مرصع جھولوں میں ایک طلسم کا عالم دکھا رہے تھے۔ ان کو بھی دیکھ دیکھ زار زار رویا مگر حیف ہی کہ اسوقت ایک پیسہ کسی شخص کو ہاتھ اُٹھا کر نہ دیا۔ سلطان محمود کا یہ قطعہ مشہور ہے ؎ ہزار قلعہ کشادم بیک اشارت دست + بسے مصاف شکستم بیک اشارت پاے + چو مرگ تاختن آورد ہیچ سود نداشت + بقا بقاے خداست و ملک ملک خداے۔

آخر عمر میں سلطان محمود کو خبر ہوئی کہ ایک شخص نیشاپور میں دولت رکھتا ہی۔ اُسکے حاضر ہونیکا حکم صادر فرمایا جب وہ حاضر ہوا تو سلطان نے فرمایا کہ مجھے خبر لگی ہے کہ تو ملاحدہ اور قرامطہ میں سے ہی۔ اُسنے جواب دیا کہ میں نہ ملحد ہوں نہ قرمطی ہوں یہ دونوں عیب نہیں۔ مگر ایک بڑا بھاری عیب یہ ہی کہ میں دولتمند ہوں جرم یہ

میرے پاس ہو وہ حضور لے لیں مگر مجھے بدنام نہ کریں۔ سارا مال اُس کا لیکر فرمان اُسکی ایماندار ہونیکا سلطان نے لکھدیا
ایکدفعہ سلطان پاس ایک دادخواہ آیا۔ اُسپر التفات فرماکر حال پوچھا۔ وہ بولا کہ میرا حال اس جلسہ میں کہنے کے قابل نہیں خلوت میں چلیے تو عرض کروں۔ اُسوقت سلطان خلوت میں لے گیا۔ وہاں عرض کی کہ آپکا خواہرزادہ میری بی بی کے پاس آتا ہے اور شب بھر رہتا ہے اور مجھے مار کر نکالدیتا ہے۔ اسکا انصاف آپکے اعیان دولت سے چاہا مگر کسی نے کچھ نہ سنا۔ اب آپ انصاف کیجیے نہیں خدا انصاف کرنے والا ہے۔ اس کہنے سے سلطان کو رونا آگیا۔ اُس کہا کہ تو نے مجھ سے پہلے کیوں نہ کہا۔ اُس نے عرض کیا کہ بھلا میرے تئیں یہاں کون آنے دیتا ہے آج بھی نہیں معلوم کہ کیا اتفاق ہے کہ میں حضور تک پہونچ گیا۔ سلطان نے فرمایا کہ جس وقت وہ شخص تیرے گھر میں آئے مجھے اطلاع کر اور اُسکو اطلاع کرنیکا طریقہ بھی بتلادیا۔ غرض تیسرے روز دادخواہ پھر آیا۔ محمود تلوار ہاتھ میں لے اُسکے ساتھ ہوا۔ اور اُسکے مکان پر پہنچا۔ دونوں سیاہ کاروں کو سوتے پایا۔ چراغ گل کرایا اور تلوار کا ایک ہاتھ اُس مرد پر ایسا مارا کہ قصہ پاک ہوا پھر اُس کا مُنہ دیکھکر خدا کا شکر بجالایا اور پانی مانگا اور خوب ڈگڈگا کر پیا اور اُلٹا چلا۔ اُس شخص سے کہا کہ اب تم آرام سے سوؤ۔ اُس آدمی نے چراغ بجھانے اور پانی مانگنے کا سبب پوچھا۔ اُس پر فرمایا کہ چراغ گل کرنیکا سبب یہ تھا کہ اُس کا مُنہ دیکھنے سے محبت کا جوش نہ کر آئے۔ اور پانی مانگنے کی وجہ یہ تھی کہ جس وقت سے یہ بات میں نے سُنی تھی قسم کھائی تھی کہ جبتک اس ظلم کو دور نہ کرونگا کھانا پانی مجھے حرام ہے تین روز تک اسی انتظار میں بسر ہوئے۔ اب تو آیا اور شر و فساد دور ہوا۔ پیاس کی شدت تھی اُسکو بجھایا۔

عراق کی فتح پر تھوڑا عرصہ گذرا تھا کہ وہاں کو شرقی بیابان میں ایک قافلہ سوداگروں کا لُٹ گیا۔ ایک عورت روتی دھوتی فریاد لیکر محمود پاس آئی کہ میرا بیٹا مارا گیا اور سب اسباب مال غارت ہوا۔ یہ فریاد سُنکر محمود نے فرمایا کہ ملک دور دراز ہے۔ اُسکا انتظام دشوار اور مشکل ہے۔ عورت نے دل کڑا کرکے یہ کہا کہ جب تجھ سے دور کے ملکوں کا نظم و نسق نہیں ہوسکتا تو پھر کیوں ملکوں کو فتح کرتا ہے اس بات کو خوب یاد رکھ کہ اُنکی حفاظت اور خرابی کی جوابدہی تجھ سے ذمہ ہوگی۔ اس لعنت ملامت سے محمود نادم ہوا۔ عورت کو بہت کچھ دے دلا کر راضی اور رخصت کیا۔ اور آئندہ ایسا انتظام کیا کہ قافلہ کا لُٹنا موقوف ہوا۔

تاریخ بناکتی میں لکھا ہے کہ خراسان میں جب سلطان محمود گیا لوگوں نے اُس سے کہا کہ آپ شیخ ابوالحسن خرقانی کی زیارت کیجیے۔ سلطان نے کہا کہ میں اس سال اپنے گھر سے مہمات خراسان کیلیے آیا ہوں زیارت کے عزم سے نہیں آیا۔ یہ شرط ادب نہیں ہے کہ کسی دوسرے کام کی تحصیل میں مقربان الٰہی کی زیارت کی جاسکے۔ وہ

غزنی مین انکر پھر زیارت شیخ کی نیت کرکے خرقان گیا اور شیخ کو پیغام بھیجا کہ سلطان غزنی سے آپکی زیارت
کو آیا ہے۔ اگر آپ خانقاہ سے اسکی بارگاہ مین تشریف لائین تو آپ کے الطاف سے بعید نہوگا۔ ایلچی سے یہ بھی کہدیا
کہ اگر آپ نیے انکار کرے تو یہ آیت سنا دینا کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ رسول نے پیغام شیخ پاس پہونچایا شیخ نے جانے سے انکار کیا رسول نے یہ آیت پڑھی
تو شیخ نے کہا کہ مجھے معذور رکھو اور محمود سے کہدو کہ مین اطیعوا اللہ مین ایسا مستغرق ہون کہ اطیعوا الرسول سے خجل
ہون چہ جائیکہ مین اولی الامر منکم کی طرف متوجہ ہون ایلچی سلطان پاس آیا اور یہ حال سنایا یہ سنکر محمود کو رقت آئی اور
اُس نے کہا کہ چلو یہ آدمی ایسا نہین ہے جیسا مین نے گمان کیا تھا۔ سلطان شیخ کی خدمت مین گیا اور اس سے درخواست
کی کہ کچھ نصیحت فرمایئے شیخ نے اسکو یہ نصیحتین کین۔ اول پرہیزگاری دوم نماز با جماعت سوم سخاوت چہارم
خلق پر شفقت۔ سلطان کو دعا دی کہ عاقبت محمود باد۔ اپنا خرقہ دیا۔ جب سلطان رخصت ہوا تو اسکی تعظیم بسر قد
دی۔ سلطان نے عرض کی کہ جب مین آیا تھا تو آپنے یہ التفات نہ فرمایا تھا۔ اب جاتے وقت تعظیم کیون ہے شیخ
نے اسکا سبب یہ بتلایا کہ جب آپ آئے تھے تو رعونت بادشاہی اور نخوت امتحان آپکے ساتھ تھی۔ اب جاتے
وقت انکسار درویشی ہمراہ ہے۔ سلطان نے دو دفعہ اس خرقہ کو اسوقت میدان جنگ مین پہنا تھا کہ نہایت تنگ
تھا اور فتحیاب ہوا۔ سلطان نے ملاقات کے وقت شیخ کی نذر مین درہ زر پیش کیا تھا۔ شیخ نے روٹیان سلطان
کے روبرو رکھکر کہا کہ کھاؤ سلطان نے جب انکو کھایا تو وہ گلے مین اٹکین تو شیخ نے کہا کہ آپ کی روٹی حلق
سے نیچے نہین اُترتی۔ سلطان نے کہا کہ ہان شیخ نے کہا کہ یہ آپکا درۂ زر ہمارے گلے مین اٹکتا ہے ہم نے
زر کو طلاق دیدی ہے آپ اسے اٹھالو۔ اس کہانی سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان کیسا خوش عقیدہ تھا اور شاہ و گدا
مین اسوقت کن اخلاق کا برتاؤ ہوتا تھا۔ فقیر بادشاہون کو اخلاق کی تعلیم کیونکر کرتے تھے۔

سپاہ محمود

محمود کی سپاہ مین ترکی تاتاری عربی ایرانی ہندی قومون مین سے ملازم تھے جنکا حال یہ تھا کہ ترکی
غزنی مین فتحمند ہو کر نہین بلکہ لونڈی غلام بنکر آئے۔ مگر انہون نے وفاداری۔ ایمانداری۔ جوانمردی ایسی
دکھائی کہ معتمد کامون پر وہ مقرر ہونے لگے۔ ان کے اعتماد کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ وہ اس ملک سے کچھ تعلق
نہین رکھتے تھے بلکہ بیگانہ تھے۔ ایسی حالت مین اعتماد ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ تاتاری اور اہل عرب خانہ بدوش
اور سپاہی ہونے مین برابر تھے۔ مگر تاتاریون مین بلند دماغی عربون کی سی نہ تھی۔ تاتاری فقط
سپاہیانہ کامون سے مناسبت رکھتے تھے مگر علم مین انکا ذہن کند تھا۔ عربون نے دین قانون

علم حکمت کی صورتون کو بدلدیا۔ بہت کچھ ان مین اپنے ذہن دقیق سے اضافہ کیا مگر تاتاریون نے ان کامون مین سے ایک کام نہین کیا۔ وہ صرف سیدھے سادے سپاہی رہے۔ ایرانی ان سب مین غضب کے تھے۔ ان مین چستی چالاکی تاتاریون کی تیزفہمی عربون کی سی فند فریب مکاری ہندیون کی سی تھی یہ سب صفات انکی ذات مین ایسی جمع تھین کہ ملکی کامون مین وہ سب قومون پر سبقت لیگئے یہ ایرانیون کی استادی تھی کہ ہندوستان کی درباری بادشاہی زبان انہین کی زبان ہوئی۔ محمود کے وزراء اعظم ایرانی ہی تھے۔ ہندی سپاہ کو کوئی موقع نہین ملا کہ وہ سلطان غزنوی کے سامنے اپنا کام دکھاتے۔ مگر بعد ازان آگے سلطنت اسلامیہ کی حمایت مین کارہائے نمایان کئے۔

باوجود اس سپاہیانہ مزاج کے سلطان محمود کو علوم و فنون و علم ادب کا بڑا شوق تھا۔ اس خوبی مین کوئی بادشاہ اُسپر سبقت نہین لیگیا۔ سب کامون مین کفایت شعار تھا مگر سخن پروری اور علم کی قدرشناسی مین دریا دل تھا۔ ایک عظیم الشان دارالعلوم اُس نے بنوایا اور اُسمین بڑا کتب خانہ جمع کیا۔ عالمون کے وظیفون اور پنشنون مین ایک لاکھ روپیہ سالانہ صرف ہوتا تھا۔ ایک عجائب خانہ بھی بنایا جسمین سارے عالم کے عجائب جمع کئے۔ اُسکی قدردانی اور جوہرشناسی نے چارون طرف سے اہل کمالونکو لاکر غزنی کے دربار مین جمع کر دیا تھا نامور شاعر اُسکے دربار کے یہ تھے۔ عصائری رازی۔ استاد رشیدی طوسی۔ منوچہر بلخی۔ حکیم عنصری۔ عسجدی فرخی۔ دقیقی۔ سوا ان شاعرون کے چار سو اور شاعر اُس کے ملازم تھے۔ فردوسی کل شعراء کا سرتاج تھا۔ وہ شاداب ضلع طوس مین پیدا ہوا تھا۔ حاکم طوس نے ایک باغ بنایا تھا اُسکا نام فردوس رکھا تھا۔ فردوسی کا باپ مولانا فخرالدین اُسکی باغبانی کرتا تھا اس مناسبت سے وہ اشعار مین اپنا تخلص فردوسی کرتا تھا یزد جرد آخر ساسانی شہریار ایران نے ایران کے تمام بادشاہون کے حالات کیومرث کے زمانہ سے لیکر خسرو پرویز کی تخت نشینی تک بڑی تحقیق و تدقیق اور تلاش سے یکجا جمع کئے تھے اور اُسکا خلاصہ ہوکر ایک کتاب موسوم بہ باستان نامہ تصنیف ہوئی تھی۔ جب اہل اسلام سلطنت ایران کے فرمانروا ہوئے تو یہ کتاب یزدجرد کے کتابخانہ مین اُنکے ہاتھ آئی جب خراسان مین آل یعقوب کے ہاتھ یہ باستان نامہ آیا تو ابو منصور عبدالرزاق بن عبداللہ فرخ معتمدالملک کو یعقوب بن لیث نے حکم دیا کہ خسرو پرویز سے شہریار یزدجرد کے عہد تک واقعات جو واقع ہوئے ہین وہ لکھکر باستان نامہ مین اضافہ کئے جائین اس حکم کے موافق سنہ ۳۶۰ھ مین یہ کتاب مرتب ہوگئی اور اوسکی نقلین خراسان اور عراق مین پہیلین آل سامان کو جب یہ باستان نامہ ملا

توانہون نے دقیقی شاعر کو حکم دیا کہ وہ اُس کو نظم مین لکہے اُس نے ایک دو ہزار شعر لکہے تہے کہ کسی غلام نے اُسکو
مارڈالا جب دولت آل سامان کا زوال آیا اور سلطان محمود کا اقبال چمکا تو اُس نے بہی آل سامان کی تقلید
کی اور پاستان نامہ کو چاہا کہ نظم مین لکہا جائے - فردوسی نے دقیقی کی نسبت یہ اشعار لکہے ہین اشعار ۔ بکایک ازو
بخت برگشتہ شد ۔ بدست یکے بندہ برکشتہ شد ۔ زگشتاسپ و ارجاسپ بیتے ہزار ۔ بگفت و سرآمد برو روزگار ۔ فردوسی کی
یہ آرزو ہوئی کہ مین اس کتاب کو نظم مین تمام کرون - پاستان نامہ اُسکو ہاتھہ نہ آتا تہا - اُسکی تلاش مین رہتا تہا کہ
اُسکے ایک دوست نے پاستان نامہ لا دیا اور فردوسی سے کہا کہ تیرا یہ ارادہ کہ اس نامہ پہلوی کو نظم مین لکہے بہت
مستحسن ہے - اسوقت طوس مین ابو منصور محمد امیر تہا اُس نے فردوسی کو نصیحت کی تہی کہ جب یہ کتاب تمام ہو تو
کسی بادشاہ کے نذر کرنا سب ملکون مین مشہور تہا کہ سلطان محمود شاعرون کا بڑا قدر شناس ہے اس لئے
فردوسی غزنی مین آیا سلطان محمود نے اپنے دربار کے شعراء علام سے پاستان نامہ کی نثر کی نظم لکہوائی
سب نظمون مین فردوسی کی نظم فائق معلوم ہوئی سلطان نے فردوسی کو حکم دیا کہ پاستان نامہ کو نظم مین لکہے
اُسکے واسطے رہنے کا مکان اور اسباب آسایش کے تیار کرنے کا حکم دیا اور ہر ہزار اشعار کہنے کے بعد ہزار دینار
طلا دینے کا ارشاد کیا سلطان کہا کرتا تہا کہ فردوسی نے میرے دربار کو فردوس بنا دیا - فردوسی شاہنامہ
کے کہنے مین مصروف ہوا - خواجہ احمد بن حسن میمندی نے ایک ہزار اشعار کے بعد اس پاس ہزار دینار بہیجے
مگر فردوسی نے اسلئے نہین لئے کہ اسکا ارادہ تہا کہ ایکدفعہ سب زر لیلے اور اُسکو طوس ندی کے بند آب مین
خرچ کردے - ارکان دولت فردوسی کے ساتھ محبت رکہتے تہے اور وہ بہی اُنکی مدح کرتا تہا یہ امر احمد بن حسن
میمندی وزیر سلطان کو ناگوار خاطر تہا - انہی دنون مین ایسی شکر رنجی ہوگئی کہ فردوسی نے یہ اشعار کہی مثنوی

ہمی سیم کز نہادی فطرت نبوده ام	بابل یال ہرگز طاعت کہانیرا	سوی در وزیر التفات کوم	چون فارغم ز بارگہ بادشاہ ہیر

محمود کے سامنے فردوسی کے اشعار ایسے پڑہے جانے لگے جس سے اُسکا معتزلہ شیعہ قرمطی دہریہ ہونا ثابت
ہو سلطان کو بہی اشعار کیطرف رغبت کم ہوگئی تہی - کچہہ اس سعایت و شکایت سے بہی فردوسی کے حال
پر پہلی سی مہربانی نہ رہی تہی - پاستان نامہ کی جو داستان نظم مین مرتب ہوتی جاتی تہی اُسکی نقلین اطراف
مین جاتی تہین ادہر اُسکا صلہ فردوسی پاس بہیجتے تہے - یہ امر بہی سلطان کو ناگوار خاطر ہوتا تہا مذہبی تعصب
کے سبب سے سلطان کو فردوسی سے نفرت ہوگئی جب شاہنامہ کو فردوسی تمام کر چکا تو اس نے ایاز کو دیا - فردوسی
اور ایاز مین کمال محبت تہی - ایاز نے سلطان کی نذر کیا - سلطان نے خواجہ احمد بن حسن کو فرمایا کہ پیلوار زر سرخ فردوسی کا

محمود میں اور یہ شعر پڑھا بیت چہ شمس چہ بخشود گنج گہر ❊ کنون بیلوارش درم گنج زر۔ وزیر نے عرض کی کہ حضور کی رائے حکمت آرا سے پوشیدہ نہیں ہے کہ شادی مفرط بھی آدمی کو اسیطرح ہلاک کرتی ہے جیسا کہ غم بے اندازہ۔ نعوذ باللہ اگر یہ صلہ بادشاہ فردوسی پاس پہونچیگا تو وہ شادی مرگ ہوجائیگا۔ غرض سلطان کو بہکاکر وزیر نے ساٹھ ہزار مثقال نقرہ ایاز کے ہاتھ اُس پاس بھیجے جب یہ صلہ اُس پاس پہونچا تو وہ حمام میں نہارہا تھا جب حمام سے باہر آیا تو ایاز نے سلام کرکے صلہ پیش کیا اُسے دیکھکر وہ بہت غمگین ہوا اور ایاز سے کہا سلطان نے اپنا وعدہ ایفا نہیں کیا۔ ایاز نے سلطان اور وزیر کی ساری حکایت عرض کی فردوسی نے ۲۰ ہزار مثقال حمامی کو اور ۲۰ ہزار ایاز کو اور بیس ہزار فقاعی کو دیئے اور ایک پیالہ شربت کا پیا اور ایاز سے کہا کہ سلطان سے عرض کردیجئے جو رنج اسکام میں اٹھایا وہ ان مثقال نقرہ کے لئے نہ تھا جب ایاز نے سلطان سے عرض کیا تو وہ وزیر پر غصہ ہوا وزیر نے عرض کیا کہ بادشاہ کا صلہ ایک درم سے لیکر ہزار درم تک برابر ہے۔ بلکہ اگر بادشاہ ایک خاک کی مٹھی بھی صلہ میں بھیجے تو چاہیے کہ اسکو آنکھوں کا سرمہ بنائے اور اُسکا اعزاز و اکرام کرے۔ فردوسی نے سلطان کے ساتھ سخت گستاخی کی ہے غرض سلطان کو فردوسی کیطرف سے ایسا وزیر نے بہکایا کہ سلطان نے حکم دیدیا کہ یہ قرمطی ہاتھی کے پانوں کے تلے کچلا جائے تاکہ تمام بے ادبوں کو عبرت ہو۔ فردوسی کو اُس کی خبر ہوئی صبح کو سلطان کی خدمت میں حاضر ہوکر قدموں پر گر پڑا اور گڑگڑایا کہ حاسدوں نے بندہ کو حضور کے نزدیک رافضی و قرمطی ٹھیرا دیا حضور کی رعایا میں گبر و جہود و ترسا رہتے ہیں مجکو بھی اُن میں سے شمار فرمائیے اور قتل سے معاف کیجئے اور اشعار فی البدیہہ پڑھے۔ اشعار

چو از ملک سلطان کہ عرش سود ❊ شدہ ایمن از گردش روزگار
بسے ہست ترسا و گبر و یہود ❊ چہ باشد کہ سلطان گرد و شفیق
گرفتند در ظل عدلش قرار ❊ رہے را شمارد یکے زان گروہ

ان اشعار سے سلطان کا غصہ فرو ہوا اور اُس کا قصور معاف کردیا۔

فردوسی نے غزنی سے باہر چلے جانیکا ارادہ کیا اور جامع مسجد میں یہ اشعار اس جگہ لکھدیئے جہاں سلطان آکر بیٹھتا تھا ع

خجستہ در گہ محمود زابلی دریاست ❊ چگونہ دریا کآن را کرانہ پیدا نیست
چو غوطہ ہا زدم و اندرو ندیدم در ❊ گناہ بخت من ست این گناہ دریا نیست

جب محمود نے جامع مسجد میں ان کریمہ اشعار پڑھے اور سلطان سے فردوسی کے معتقدین نے اُسکی سفارش کی اور عرض کیا کہ جو معاملہ فردوسی کے ساتھ ہوا ہے وہ ایک قصہ کل دہر کا ساری دنیا میں مشتہر ہوگا

سلطان نے حکم دیدیا کہ ساٹھ ہزار دینار طلا خلعت شاہی کے ساتھ فردوسی پاس بھیجا جائے یہ عجیب اتفاق کی بات ہے۔ طوس کے ایک دروازہ سے فردوسی کا یہ صلہ آیا تھا کہ دوسرے دروازہ سے اسکا جنازہ جاتا تھا۔ کہتے ہین اس صلہ کے روپیہ سے سلطان نے طوس کی ندی کا آب بند تعمیر کرادیا۔ حکیم ناصر خسرو نے اپنے سفرنامہ مین لکھا ہے کہ مین جب طوس مین گیا تو ایک رباط نو تعمیر دیکھی جس کو لوگ کہتے تھے کہ یہ رباط صلۂ فردوسی سے بنی ہے۔ فردوسی نے سلطان محمود کی ہجو مین ایک مثنوی لکھی ہے جسے بعض یہ کہتے ہین کہ محمود کی وہ برائیان اس سے ظاہر ہوتی ہین جو کسی طرح آشکارا نہ ہوتین۔ حضرت ابوالفضل نے اس ہجو کی نسبت یہ اکبرنامہ مین لکھا ہے کہ چون فردوسی پست فطرت در سبکسری خواہش ورشیدہ وبیہودہ از رہ راہ گفتگو سے داد و ستد برگرفت او سخن فروش بود بہا نمیدانست بدل آزا تنگ پاریچہ چیند اندیشیدہ چون بازاریان در کشاکش و افزایش زبان زدہ گشت بہار لیے بہا دو دن را بیسہ وزن ساخت سی سال زحمت کشیدہ نفرین ابدی خاص خود ساخت

	جز این فسانہ کہ نشناخت قدر فردوسی		گذشت شوکت محمود در زمانہ نماند	

غرض ایک ہی بات سے دو نتیجے نکالے ہین اپنے اپنے اعتبار سے وہ سچے ہین انگریزی مورخ اس تمام واقعہ کو ایک داستان بے سروپا جانکر یہ کہدیتے ہین کہ محمود نے ہر شعر پر ایک دینار دینے کا وعدہ کیا تھا ساٹھ ہزار شعر دیکھکر اپنے وعدہ سے پچتایا اور بخل کے سبب سے وعدہ پورا نہ کیا۔

دربار محمودی کا درۃ التاج ابوریحان بیرونی تھا۔ یہ ابوریحان محمد بن احمد بیرونی سنہ ۳۶۲ھ مین پیدا ہوا تھا جنم بھوم اسکی بیرون تھی جو ملک سندھ کا ایک شہر تھا اسنے تحصیل علوم و فنون کی تکمیل کے لئے اپنا وطن چھوڑا اور سیر وسیاحت مختلف ملکون مین کی کچھ دنون فارس کے بادشاہ شمس المعالی قابوس ابن وشمگیر کی خدمت مین رہا۔ اسکی وزارت کو علم کی خاطر نہین منظور کیا۔ برسون تک خوارزم مین بھی رہا اور وہان سے کسی سبب سے سلطان محمود کے پاس چلا آیا۔ سلطان محمود غزنوی کے ساتھ اسنے ہندوستان کی بڑی سیر کی اور یہان رہ کر نہایت محنت و مشقت سے سنسکرت مین مہارت کامل پیدا کی۔ یہان کے پنڈتون کے دماغ مین یہ نخوت سمائی ہوئی ہے کہ ہندوستان کے سوا ساری دنیا مین کہین علم نہین ہے جب ابوریحان اور قومون کے علم کا ذکر کرتا تو وہ اسکو جھوٹا یا دیوانہ سمجھتے مگر جب اسنے تحریر اقلیدس اور مجسطی کا ترجمہ سنسکرت مین کرکے انکو دکھادیا تو وہ متحیر ہوئے اور اسکو ساحر سمجھنے لگے اور حقارت سے اس سمندر سے تشبیہ دینے لگے جسکا پانی نمک سے زیادہ ترش ہو۔

ابوریحان کی تصنیفات اسقدر ہین کہ اگر انکے نام لکھنے تو چند کاغذ کے تختے سیاہ ہون اور انکو اسکی

کتابونکو جمع کرکے اونٹ پر لادلئے تو وہ بہت دیر تک بڑ بڑاتے رہے۔ سنسکرت کی وہ کتابین عربی زبان مین ترجمہ کین جنکو پنڈت بہی بہت مشکل سی سمجہتے ہین۔ علوم مختلفہ مین اُسکے ایجادات اور اختراعات ایسی ہین کہ جنمین فہانت اور جودت طبیعت اُسکی کے موجد ونکی پائی جاتی ہی۔ تسطیح کرہ کے باب مین ایک سالہ اُسنے لکہا ہی کہ جسمین کرہ کی سطح مستدیرہ کو سطح مسطح پر نقشہ بنانے کی ترکیبین اختراع کرکے وہ لکہی ہین جنسے معلوم ہوتا ہی کہ علم ہندسہ مین اُسکو کمال تہا۔ وہ بو علی سینا کا معاصر تہا اُن کے علمی مباحثے مدتون تک ہی انمین اسکا پلّہ بہاری رہا علم نجوم یونانی اور جوتش ہندی دونون جانتا تہا علم ہیٔات مین اُسکی تصنیفات اس زمانہ مین بہی اعلی درجہ کی شمار ہوتی ہین اس نے جو اپنا ہند کا سفرنامہ لکہا ہی اس سے صدہا تاریخی عقدے حل ہوتے ہین محمود غزنوی کے حملون کے مقامات اس سے صحیح معلوم ہوتے ہین کہین کہین اُسنے اُسکا ذکر کیا ہے۔ اہل یورپ کو اسی عالم کی تصنیفات سے اول اول بہت کچہ سنسکرت کی کتابون اور ہندؤن کے رسم ورواج پر علم ہوا ہی۔ سلطان محمود کے اگرچہ کئی ہزار غلام تہے لیکن ان مین سر برآوردہ ایاز تہا اور اُس کے عشق کی کمند مین محمود گرفتار تہا۔ ایاز کو

ایاز کہتے ہین کہ والی کشمیر کا بیٹا تہا باپ کے ساتہ شکار مین گیا تہا کہ چورون نے اُسکو قابو پاکر پکڑ لیا اور بدخشان اُسکو لیگئے یہان اس لعل بے بہا کو ایک سوداگر کے ہاتہ خاطر خواہ قیمت پر فروخت کیا۔ تقدیر الٰہی سی شاہزادہ سے غلام بنا اور نام بہی اُس کا غلامونکا سا رکہا گیا۔ سوداگر اپنے سارے مال سی زیادہ اس غلام کو قیمتی جانتا تہا اور اس کی تربیت و تعلیم مین سعی کرتا تہا۔ وہ بدخشان سے جب غزنی مین آیا تو ایاز کے حُسن وجمال کا شہرہ سلطان محمود کے کان تک پہونچا۔ اُسکو اپنی انجمن خاص کا انیس اور مجلس اختصاص کا جلیس بنایا۔ حُسن صورت سی زیادہ اُسکی حُسن سیرت پر فریفتہ ہوا۔ بیت: این عشق کہ ہست بیخود از خویش ۞ نے شاہ شناسد و نہ درویش ۞ سلطان کے نیاز کے اور ایاز کے حُسن کے قصے اکثر مشہور ہین۔ مُلّا زلالی نے ایک داستان اُسکی بڑی رنگین لکہی ہے ایاز حُسن صورت وجمال ظاہری مین ایسا یکتا تہا جیسا کہ اخلاق پسندیدہ وصفات حمیدہ مین بے بہا تہا۔

وزرا محمود حبیب السیر مین لکہا ہی کہ سلطان محمود کا اول وزیر ابو العباس فضل بن احمد اسفراینی تہا۔ سلاطین سامانی کے امرا مین فائق ایک امیر تہا اس کے ہان وہ کتابت کرتا تہا جب فایق کے اقبال کا زوال آیا تو وہ امیر ناصر الدین سبکتگین پاس آیا اور مسند وزارت پر بیٹہا۔ بعد امیر ناصر الدین کے مرنے کے سلطان محمود نے بہی اُسکو وزارت کے منصب پر قایم رکہا۔ ابو العباس زبان عربی مین ایسا متبحر نہ تہا کہ وہ احکام سلطانی کو عربی زبان مین لکہتا اسلئے سلطان نے حکم دیدیا کہ احکام فارسی زبان مین لکہے جائین لیکن

خواجہ بزرگوار خواجہ احمد میمندی نے پھر احکام کو عربی زبان میں لکھوانا شروع کیا۔ ابوالعباس فضل کو امور مملکت اور سرانجام مہام سپاہ و رعیت میں کمال تھا جب دس سال وزارت کر چکا تو بعد ازاں وہ معزول ہوا۔ بعد اسکے خواجہ بزرگوار احمد بن حسن میمندی وزیر ہوا وہ سلطان کا برادر رضاعی اور ہم سبق تھا اسکا باپ حسن میمندی امیر ناصر الدین سبکتگین کے عہد میں قصبہ بست میں ضبط اموال کے لئے قیام رکھتا تھا مگر وہ خیانت کے سبب سے صلیب پر چڑھایا گیا۔ یہ جو لوگوں میں مشہور ہے کہ سلطان کا وزیر حسن میمندی تھا بالکل غلط اور عین خطا ہے حسن خط میں وجودت وفہم وفضل میں احمد بن حسن مشہور تھا اول وہ صاحب دیوان انشا و رسالت کا ہوا۔ پھر سلطان کی عنایت سے درجہ بدرجہ ترقی ہوتی گئی استیفاء ممالک کا عہدہ اور شغل عرض عساکر اس کا ضمیمہ ہوا۔ بلاد خراسان میں اموال کی تحصیل اس کے سپرد ہوئی۔ اور جب ابوالعباس سفرائنی سے سلطان کی طبیعت مکدر ہوئی تو عہدۂ وزارت اسکو بالاستقلال ملگیا۔ اٹھارہ برس تک وہ اس عہدہ وزارت پر مامور رہا اور ملک و مال کا کام بخوبی کرتا رہا۔ پھر التونتاش سپہ سالار اور امیر علی خویشاوند کا عروج ہوا اسکی غیبت و بہتان سے خواجہ بزرگوار معزول ہوا قلعہ کالنجر میں تیرہ سال قید رہا۔ امیر مسعود کی سلطنت میں اس قید سے رہا ہوا اور پھر وزیر سلطنت ہوا۔ اور ۴۲۴ھ میں انتقال کیا۔ پھر سلطان محمود نے ایک مدت کے بعد احمد حسین میکال کو منصب وزارت عطا کیا وہ لڑکپن سے سلطان کی خدمت میں رہتا تھا۔ جودت طبع وجودت گفتار و محاسن کردار میں معروف تھا وہ سلطان کی وفات تک وزیر رہا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمود کی سلطنت کا ملکی نظم ونسق ایرانیوں کے ہاتھوں میں تھا اس کے دو مشہور وزیر ابوالعباس اور احمد میمندی خالص ایرانی تھے۔ اور یہ دونوں ترکی کے سپہ سالاروں سے بغض و عداوت رکھتے تھے۔ اگرچہ ایرانیوں نے کبھی ہندوستان فتح نہیں کیا مگر کاروبار سلطنت میں دخیل ہونے سے انہیں کی زبان کا رواج ہندوستان میں ہوا۔ اور یہی شاہی زبان سمجھی گئی۔

محمود متوسط الاندام تھا۔ اعضا میں اس کے تناسب تھا وہ ورزش بہت کرتا تھا۔ مگر چیچک نے اسکے چہرہ کو ایسا کھایا تھا کہ ایک دن وہ آئینہ میں اپنے چہرہ کو دیکھ کر پژمردہ اور افسردہ ہوا اور وزیر سے کہنے لگا کہ کہتے ہیں بادشاہوں کے دیکھنے سے نور نظر زیادہ ہوتا ہے مگر میری صورت ایسی ہے کہ جس کے دیکھنے والوں کو ضرر پہنچیگا۔ وزیر نے عرض کی کہ آپ کی صورت کو ہزاروں آدمیوں میں سے ایک بھی نہیں دیکھتا مگر سیرت پسندیدہ کو سب دیکھینگے۔ ایسی حسن سیرت پیدا کیجئے کہ جسپر سارے اہل مشرق ان اور فدا ہوں اسکا

سنے وہ تاثیر محمود کے دل پر کی کہ اُس نے اپنی حُسنِ سیرت سے زشتی صورت کے عیب کو مٹا دیا۔

ہندوستان سے جو حال محمود کا تعلق رکھتا تھا اُسکو بالتفصیل اور باقی کو بالاجمال ہمنے بیان کر دیا ہے اب طالب علم غور کرکے اُسکی برائیاں بھلائیاں اُسکے اعمال اور احوال سے خود سمجھیں جو ہماری سمجھ مین آتا ہے وہ بیان کرتے ہیں

اوّل سلطان محمود اپنے وقت کا بڑا شان و شوکت اور جاہ و جلال کا بادشاہ تھا وہ شاہیر عالم مین ہمیشہ شمار ہوگا اہل اسلام مین وہ ہمیشہ سلطان عظیم سمجہا جائیگا۔ کیسا جوانمرد اور شجاع کہ جب دشمن پہ فوج لیکر چڑہتا۔ دریا کی طرح نشیب و فراز نہ دیکھتا دشمن پر برابر پانی پہیرتا چلا جاتا۔ کیسا منتظم اور اولوالعزم تہا کہ کیسے کیسے لشکرون کو اُن صحراون سے نکال کر لے گیا۔ جہان پانی کا پتہ اور گہاس کا نشانہ نہ تہا۔ کہان سے کہان گیا۔ کیا کیا آزادی کے سلطنت اُسکی ایسی وسیع کہ جس کی شرقی اور غربی سرحدین دجلہ اور گنگا اور شمال جنوبی حدین تاتار اور بحر ہند تھین۔ کیسا ہیبہ کہ کتنی ہی دور اسکی سلطنت سے چلا جاتا مگر انتظام ملکی مین بال برابر خلل نہ آتا۔ گو بعض محقق کہتے ہین کہ اسوقت ملکون کا خود حال ایسا ہو رہا تہا کہ سلطنت کا اتنا کرلینا کمال نہتا۔ مگر محمود کے صاحب کمال ہونے مین کسیکو گفتگو نہین ہے۔ دولتمند ایسا کہ شاید دوسرے بادشاہ پاس ہی اتنی دولت ہو گی جسوقت اُس نے سُنا کہ امیر نوح سامانی پاس سات رطل جواہر تھے تو اُسوقت اُسنے یہ کہا کہ خدا کی عنایت سے میرے پاس تو سو رطل جواہرات کے ہین۔

دوم جیسا اُسکو مندرون اور بتون کے توڑنے پہوڑنے کا شوق تھا ایسا ہندؤنکو مسلمان بنانیکا ذوق نہتا۔ کہین تاریخ سے یہ نہین معلوم ہوتا کہ اُس نے اشاعت اسلام اور دعوت اسلام مین ہمت صرف کی ہو گجرات مین اتنے دنون تک پڑا رہا۔ مگر ایک ہندو کو مسلمان نہ بنایا۔ اُسکا طریقہ محمد بن قاسم کا سا تہا کہ ہندؤون کو مسلمان ہونے کو کہتا پہر جہاد کرتا۔ غرض محمود اُن مسلمانون مین نہین شمار ہو سکتا کہ جنہون نے مذہب اسلام کا علم بلند کیا ہو۔ اہل یورپ اُسپر الزام تعصب مذہبی کا ناحق لگاتے ہین محمود دیندار مسلمان تہا۔ لڑائی اور جہاد فقط غنیمت کے لئے کرتا۔ جہان اُس کو دولت ملگئی پہر اُس کو کچہہ پروا کسی بات کی نہتی۔ اگر وہ بالاستقلال کسی صوبہ ہندوستان کے قبضہ کرتا تو اس کے ہاتھ ایسی غنیمت تو نہ آتی مگر اسلام کے حق مین زیادہ فائدہ مند بہر ہوتا۔

سوم اُس نے اسلام کو ایسی ہیبت ناک شکل مین دکہایا کہ ہندؤون کو اُسکی طرف رغبت پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ نفرت زیادہ ہوگئی۔ اور پہر اُنکا اسلام مین لانا زیادہ دشوار ہوگیا۔

چہارم اہل یورپ جیسا اُس کے ذمے تعصب مذہبی کا الزام بیجا لگاتے ہین۔ ایسے ہی ایشیا والے اُسکی بعض حرکات سے حریص ہونے کی تہمت دہرتے ہین اور یہ اشعار اُسکی شان مین پڑہتے ہین اشعار

[illegible]

نبودش ز فضل و سخاوت شرف ؎ نگہداشتے دربان شہ خزاین بسے ؎ داشت پراز گہر ؎ ولی زان نشد مفلسے بہرہ ور
مرتے وقت سب نقد و جنس کو دیکھا۔ مگر ایک پیسہ ہاتھ سے نہ نکلا۔ مگر یہ الزام بھی پہلے الزام کی طرح بیجا معلوم
ہوتا ہے۔ اُس کے دربار میں اسقدر فضلا، علما، شعراء، حکما، جمع ہوتے تھے اور اُس کے خوان کرمت سے
بہرہ مند ہوتے تھے کہ کبھی اور بادشاہ کو یہ بات کم نصیب ہوئی ہوگی۔ غرض جیسا کہ وہ دولت کے پیدا کرنے
میں ہوشیار تھا اُس کے خرچ کرنے میں بھی کفایت شعار تھا۔ نہ فضول خرچ تھا نہ ممسک تھا۔ مگر یہ عیب
اسمیں ضرور تھا کہ وہ اپنے عمدہ کاموں میں دولت کی حرص کو ایسا شامل کر دیتا تھا کہ وہ کام اچھا بھی بُرا
معلوم ہوتا تھا۔ اُس کے سارے جہاد اور لڑائیاں یہ معلوم ہوتے ہیں کہ فقط دولت جمع کرنے کے لئے تھیں
ابوالفضل نے بڑا ستم کیا ہے کہ سلطان محمود کی نسبت یہ زہریلے فقرے لکھے ہیں "تعصب پیشگان ہندرا دار الحرب
وانمودہ آن سادہ لوح را بریختن آب ناموس و خون بیگناہان و گرفتن مال نیکوان برانگیختہ" سچ یہ ہے کہ اگر
اس زمانہ کا لحاظ کریں تو سلطان اخلاق حمیدہ سے موصوف و شجاعت فطری و دلیری میں معروف تھا ملک کشائی
و سپہداری و تیغ گزاری میں ایسا سلیقہ رکھتا تھا کہ مخالفوں کو مغلوب کرتا تھا رعیت پروری و دادگستری
سے ملک کو رونق دیتا تھا اپنی عدالت سے ستمگاروں کو سزا دیتا تھا اور ستمدیدگان کو مدعا پر پہونچاتا تھا تعصب
دینی و طمع دنیوی دونوں اس کے دل میں قوی تھی۔ اسلئے ثواب کے اور مال و اسباب کے حاصل کرنیکے لئے وہ
ہندوستان میں سترہ دفعہ آیا یہ شعر اُسکے حسب حال تھے ۵ ہر جا کہ جلیتش رسیدہ ؎ اقبال برہنہ پا دویدہ ؎
شیران جہان شکار کردہ ؎ در موریچگان کنار کردہ ؎ سخندانی و نکتہ فہمی و لطیفہ گوئی و مدعا شناسی میں بہرہ کافی
رکھتا تھا۔ فضلاء و شعراء کا اعزاز و احترام کرتا تھا اور اُنکے ساتھ رعایت و احسان کرتا تھا۔
پنجم۔ کہیں مصیبت اُسپر نہیں پڑی اور کوئی لڑائی ایسی نہیں لڑا جس میں اُس نے خدا کی درگاہ میں سجدہ کر کے
دعا نہ مانگی ہو۔ اور اپنی فوج پر سلامتی اور خدا کی رحمت نہ چاہی ہو۔ وہ فقراء اور گوشہ نشینوں کا بڑا معتقد تھا
خلیفہ وقت کی ہمیشہ فرمانبری کرتا تھا۔ باوجود اس حشمت اور شوکت کے خلیفہ قادر باللہ نے جو خطاب اُسے دیا تھا اُسکو
اپنا فخر سمجھتا تھا۔ غرض اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پکا مسلمان تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ طبقات ناصری
میں یہ دیکھنے میں آیا کہ سلطان محمود ہمیشہ اس حدیث کے باب میں کہ العلماء ورثة الانبیاء
میں متردد رہتا تھا اور قیامت کی نسبت شک رکھتا تھا اور اسمیں بھی شبہہ تھا کہ میں امیر سبکتگین کا بیٹا ہوں یا نہیں
ایک رات میں سلطان جاتا تھا فراش شمع و شمعدان طلائی آگے لئے ہوئے جاتا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ

ایک طالب علم اس سبب سے کہ چراغ جلانے کے لیے اُس کے پاس دام نہ تھے ایک بقال کی دکان کے
چراغ کی روشنی مین مطالعہ کرتا تھا۔ سلطان کو اُس پر رحم آیا اور شمع و شمعدان اسکو دیدیا۔ اس شب کو رسول خدا
کی زیارت ہوئی کہ انہون نے یہ فرمایا۔ "یا ابن امیر ناصر الدین سبکتگین اعزک اللہ فی الدارین
کما اعززت وارث نبی" اس بات سے اُس کی تینون مشکلین حل ہوگئین۔ طبقات ناصری مین مجھے یہ حکایت
نہین ملی انگریزی مورخ اس مضمون کو یون ادا کرتے ہین۔ ایشیائی مورخ جسکی کچھ قدر و قیمت نہین کرتے کہ اسکو دو
شبہے عائد ہوتے۔ اول یہ کہ مین امیر سبکتگین کا بیٹا ہون یا نہین" خیر اسکی اصل تو کچھ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ وہ
ماں کی طرف سے داغدار تھا ماں اسکی زابلستان کے کسی امیر کی بیٹی تھی۔ اسکی منکوحہ و غیر منکوحہ ہونے مین شبہ تھا
ہی۔ مگر دوسرا یہ شبہہ کہ "قیامت ہوگی یا نہین" اس شبہہ کے سبب لوگ اس سے متنفر ہونے لگے تو اُس نے
یہ کہا کہ پیغمبر خدا نے خواب مین آکر میرے دونون شبہے رفع کردیے ہین۔

ششم۔ سارے محمود کے حال مین کہین یہ نہین معلوم ہوتا کہ کوئی نیا قانون اور آئین اور دستور جدید ایجاد
کیا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سب کامون کے لیے وہ شرع اسلام کو کافی سمجھتا تھا اور قوانین کے ایجاد
کرنے مین اپنا وقت نہین ضائع کرتا تھا۔ مگر اُس کو انتظام کرنا خوب آتا تھا۔ عراق کی عورت کی حکایت دیکھ لو۔

ہفتم اپنی سپاہ مین بدکاری کو راہ نہ دیتا تھا۔ اور سخت منتظم اس کام مین تھا اور قواعد اور قوانین سپاہ
کی بڑی رعایت کرتا تھا۔ بھانجے کے قتل کرنے کی حکایت سے یہ بات ثابت ہے۔

ہشتم۔ اسکو علم کا بڑا شوق تھا یہی سبب اصل اسکی ناموری کا تھا۔ اس عمدہ صفت کے سبب سے وہ فخر الاسلام
شمار ہوتا ہے اور اور قومین بھی اسکو مانتی ہین۔ غرض یہی اُس کے اصل فخر اور عزت کا سبب تھا۔ عمارات کا
بھی شوق رکھتا تھا۔ ایک مسجد اس نے غزنی مین بنوائی۔ ساری سنگ ماہی اور سنگ مرمر کی بنی ہوئی تھی اور ایسی
خوبصورت تھی کہ لوگ اسے دیکھکر متحیر ہوتے تھے۔ اور بے اختیار اسکو عروس فلک کہتے تھے۔ بادشاہ کا
شوق ایسا تھا کہ اور امرا نے بھی اسکی تقلید کرکے غزنی مین وہ عمارتین بنوائین کہ وہ سارے ایشیا کے
شہرون پر سبقت لے گیا۔

نہم۔ محمود خوش اخلاق بڑا تھا۔ اپنے رفقا اور ملازمین سے بہت اچھی طرح پیش آتا تھا غلامونکا
مشفق تھا۔ محمود کا غلام ایاز مشہور ہے جس کی حکایتین بہت سی زبان زد خلائق ہین۔ کوئی بات اُسکی
ایسی نہ تھی کہ جس سے اُس کو ظالم کہہ سکین جو کوئی شخص سچ بات سے لڑائی مین مارا جاتا اگرچہ وہ کسی

کی جان نہ لیتا اور نہ اُس کے دربار مین وہ ظلم ہوتے جو اور ایشیا کے بڑے بڑے بادشاہون کے ہان ہوا کرتے ہین۔ باغی عفو تقصیر کے بعد بھی جو بغاوت کرتے انکو سوا قید کے اور کوئی سزا نہ ملتی۔

ذکر سلطنت شہاب الدین جمال الملہ سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی

سلطان محمود کے تین بیٹے تھے۔ امیر مسعود۔ امیر محمد۔ امیر عبدالرشید۔ سنہ ۴۱۱ھ مین غور کے فتح کے لیے سلطان روانہ ہوا اور بست سے زمین داور مین پہونچا تو اپنے بھائی یوسف اور دو بیٹون امیر مسعود اور امیر محمد کو پہلین داور مین چھوڑا۔ سلطان کو اول اُسکے باپ نے اسی سرزمین کا والی مقرر کیا تھا۔ اس لیے وہ زمین داور کو اپنی اولاد کیلئے مبارک سمجھا۔ ان لڑکون کے لیے ملازم خادم اتالیق سب مقرر کئے اور یہان کے حاکم بالتگین کو انکا محافظ مقرر کیا۔ اُسوقت دونون شہزادے چہاردہ سالہ تھے وہ دونون ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے مسعود چند گھنٹے محمد سے بڑا تھا اور یوسف کی عمر سترہ برس کی تھی۔ یہ تینون ہم عمر بہائی آپس مین ملکر پیار اخلاص سے خوش وخرم رہتے تھے۔ امیر مسعود کی تعظیم وتکریم نوکر چاکر بہ نسبت ان دو کے زیادہ کرتے تھے۔

سنہ ۴۱۱ھ مین امیر مسعود کو غور کی لڑائی مین محمود لیگیا۔ اس لڑائی مین باپ کے ساتھ بڑے بڑے بہادری کے کام اُس نے کئے۔ ایک حصار کے برج پر ایک شخص اپنے تیرون سے بہت مسلمانونکو ہلاک کر رہا تھا کہ مسعود نے ایسا تیر تاک کر اُس کی گردن مین لگایا کہ وہ ہلاک ہوا اور اُسیوقت قلعہ فتح ہوگیا۔

جب سلطان جنگ سے فارغ ہوا تو امیر مسعود کو خیمہ مین بلایا اور اُسپر بہت نوازش کی اور اس کا تجمل زیادہ کیا اور پایہ کو دگنی اُسکو اپنا ولیعہد مقرر کیا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ میرے مرنیکے بعد میرے دودمان کا چراغ روشن رکھنے والا سوا اُس کے دوسرا نہین ہے اپنے باپ کی زندگی مین امیر مسعود نے غور اور خراسان کے فتح کرنے مین بڑے بڑے کارنمایان کئے تھے مسعود فقط نام ہی مین محمود کا ہم قافیہ نہ تھا بلکہ شجاعت مین اُسکا ردیف تھا۔

جوانی مین باپ سے چھپکر امیر مسعود شراب پیتا تھا اور رقص وسرود کی محفلین گرم کرتا تھا۔ ہرات مین اُس نے عالیشان محل بنایا اور اُس مین باغ پر فضا لگایا۔ اس مین حوض بنایا اور ایک خلوتکدہ کے اندر تمام دیوار اور چھت پر ایکہزار تصویرین ننگی عورت ومرد کی بنائین اور انپر نام بھی ان کے لکھدیے جنکی تصویرین تھین اسی محل مین امیر مسعود قیلولہ کرتا تھا سلطان محمود مسعود پر اُس کے مخفی حالات دریافت کرنے کے لیے مشرف وجاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ اُسکو جب اس محل کا حال معلوم ہوا تو اوس نے بالتگین کو یہ حکمنامہ لکھکر دیا

کہ وہ آٹھہ روز مین ہرات پہونچے اور سیدھے سر لئے عدنانان سے باغ مین جا سے جسکے دائین طرف حوض ہے اور اُس کے بائین طرف ایک مکان ہے اُسکی دیوارون وچہت کا حال دیکھکر چلا آئے وہ کچھہ امیر مسعود کا خیال نکرے اور جو کوئی اسکو گہر مین جانے سے روکے تو اُسکی گردن تلوار سے اڑا دے۔ امیر مسعود کو بھی یہ اطلاع ہو گئی کہ جاسوس اس لئے آیا ہے اس نے دیوارونکو گچ کرا کے اور خوب گھٹوا کے کپڑا اُسپر ڈلوا دیا اور جاسوس کو دکھا دیا کہ جو کچھہ سلطان نے سنا وہ غلط ہے۔ جب اس جاسوس نے آنکر سلطان سے اس مکان کا حال بیان کیا تو آسنے کہا کہ افسوس ہے اس میرے فرزند پر لوگ جھوٹ بہتان لگاتے ہین۔ امیر مسعود کو لڑکپن اور جوانی مین زور آزمایا ورزشونکا بڑا شوق تھا۔ بڑے بہاری پتھر اٹہاتا کشتی لڑتا سخت جاڑے مین برف پر موزہ اتار کر ننگے پاؤن چلتا شکار بہت کہیلتا۔ شیر کو پیادہ پا اس طرح مارتا کہ پہلے اُسپر اینٹ مارتا جس سے وہ غصہ مین بپکر آتا تو اسکو نیزہ مار کر مارتا مگر جب اسکو ہندوستان کی ہوا لگی تو ہاتھی ہی پر سوار ہو کر شیر کا شکار کہیلتا۔ غرض وہ شجاعت مین رستم ثانی مشہور تھا اسکا تیر پیل کے برگستوان کو توڑ کر اُس کے بدن پر اثر کرتا تھا جس گرز کو وہ ایک ہاتھہ سے اُٹھاتا تھا اسکو کوئی دوسرا شخص دو ہاتھون سے نہین اُٹھا سکتا تھا۔ کریم اور سخی بڑا تھا۔ شاعرون کو انعام سے اکثر مالا مال کر دیتا تھا۔ مگر بڑی عمر مین اس سخاوت مین کمی آگئی تھی۔

امیر محمد اپنے بہائی مسعود سے بہت حسد رکھتا تھا اُس نے جاسوس مقرر کر رکھے تہے کہ وہ مسعود کی ذرا ذرا سی باتون سے اطلاع دیتے تہے اور پہر ایک ایک بات کی دس دس باتین سلطان کے کان مین بہرتے تہے سلطان محمود نے اول امیر مسعود کو ولیعہد کیا پہر مسعود کے حاسدون اور دشمنون نے سلطان کا دل اُس سے برگشتہ کرا دیا اور ایسی ایسی رنجش کی باتین ہونے لگین کہ ایک دن سلطان کی خدمت مین امیر مسعود آیا اور ایک ساعت ٹہیر کر واپس چلا کہ سلطان نے اُسے پیغام بہیجا کہ خیمہ نوبتی مین پہر جاؤ آج ہم تم ملکر شراب پئین گے۔ مسعود نوبت کے خیمہ مین جا بیٹھا کہ ایک بوڑھا فراش آیا اُس نے عرض کی کہ آج آپکے لئے کچھہ اور ارادے ہو رہے ہین آپ ہوشیار ہو جایئے نہین تو خیر نہین ہے مسعود نے اپنے غلامون اور ملازمون اور سپاہیون کو حکم دیدیا کہ تیار اور ہوشیار رہو اور زرہین کس لو اور ہتیار ہاتھہ مین لیلو۔ جب سلطان محمود کو یہ خبر ہوئی کہ ایک فساد اُٹھنے والا ہے اُس نے مسعود سے کہلا بہیجا کہ بیٹا اب تم جاؤ اور انتظار نکرو آج ہمکو ایک ضروری مہم درپیش ہے اس لئے مے نوشی کی مجلس کو ہمنے موقوف کر دیا۔

سلطان محمود کا ناراض ہونا امیر مسعود سے اور محمد کا (ولیعہد ہونا)

سلطان محمود گرگان سے رے کو جاتا تہا کہ امیر محمد نے درگاہ سلطانی پر امیر خراسان کا گھوڑا منگایا

اور سوار ہو گیا۔ امیر سلطان محمود نے امیر مسعود سے کہلا بھیجا کہ آج امیر محمد تو خراسان کے گھوڑے پر سوار ہو گیا
تم میرے گھوڑے پر سوار ہونا چاہتے ہو یا امیر عراق کے گھوڑے پر۔ امیر مسعود نے عرض کی کہ میں حضور کی
کس کس نعمت کا شکر ادا کروں۔ اول حضرت نے یہ نعمت مجھے عطا کی کہ میرا نام مسعود رکھا جس میں بڑی بزرگی
یہ ہے کہ حضور کے نام کا ہموزن ہے۔ آج حضور کی خدمت سے جدا ہوتا ہوں ایسا فرمان عنایت کیجیے جس سے
اس نام کی سعادت روز بروز زیادہ ہوتی جائے۔ سلطان یہ جواب سنکر خجل ہوا اور کہنے لگا کہ خوب جواب دیا
غرض روز بروز باپ کی نظر سے مسعود گرتا جاتا تھا اس لئے امیر محمد کو ولیعہد کر دیا اور حکم دیدیا کہ امیر محمد کا نام
اور لقب امیر مسعود کے نام اور لقب پر مقدم کیا جائے جب یہ فرمان بارگاہ محمودی میں پڑھا گیا تو وہ سب کو
اس لئے ناگوار گزرا کہ سلطنت و شہامت کے آثار مسعود کی پیشانی پر زیادہ نمایاں تھے۔ امیر مسعود باپ سے رخصت
ہوا تو ابو نصر مشکان مسعود کے پیچھے گیا۔ اور عرض کی کہ آج سلطان کے فرمان سے ہم سب کو ان سلطان کو
ملال ہوا سلطان مسعود نے فرمایا کہ کچھ غمناک نہ ہو تم نے سنا ہو گا کہ السیوف اصدق انباء من الکتب
اب تم جاؤ سلطان کو اس کے جانے کی خبر مخبروں نے کر دی تھی جب وہ الٹا آیا تو سلطان نے اسکو بلایا
اور حال پوچھا اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ سلطان نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ امیر محمد پر سب طرح سے امیر
مسعود فوقیت رکھتا ہے اور میرے بعد وہی سلطان ہو گا مگر یہ تکلف اس لئے ہے کہ محمد بیچارہ کو بھی میرے
عہد میں کچھ حرمت و تمتع حاصل ہو۔ محمود نے جو باتیں کہیں وہی وقوع میں آئیں۔

سلطان محمود کے بعض معتمد ملازمین نے امیر مسعود سے عرض کی کہ سلطان آپکی طرف سے روز زیادہ بدگمان
ہوتا جاتا ہے اگر حکم ہو تو ہم سلطان کو رخصت کر کے آپکو اس کشمکش سے رہائی دیں۔ اسکے جواب میں امیر مسعود نے
کہا کہ استغفر اللہ میں اور یہ کام مجھے تو اسکا خیال بھی حرام ہے۔ سلطان محمود میرا باپ ہے مجھے تو اس پر تیز ہوا
کا چلنا بھی گوارا نہیں۔ اسکی گستاخیوں سے میں خوش ہوتا ہوں وہ ایسا بادشاہ ہے کہ دنیا میں جواب
نہیں رکھتا فالعیاذ باللہ اگر وہ کام ہو جو تم کہتے ہو تو اس خاندان کے دامن پر وہ بدنامی کا داغ
لگے گا کہ قیامت تک وہ مٹائے سے نہ مٹے گا۔ وہ خود بڈھا ہے۔ اسکی عمر ختم ہونے کو آئی میں اسکا جینا چاہتا ہوں
تم سے فقط میری یہ درخواست ہے کہ جب وہ بقضائے الہی اس دنیا سے انتقال کرے تو تم میرے مطیع و
فرمانبردار ہو۔ جب سلطان محمود کا انتقال ہوا تو امیر مسعود سپاہان صفاہان میں جو یہاں سو فرسنگ غزنی سے
دور تھا اور امیر محمد بیان گوزگانان میں تھا جب سلطان کو باغ پیروزہ میں دفن کیا تو اسی رات کو حاجب بزرگ

امیر علی قریب نے جمال الدین جمال الدولہ محمد کو گوزگانان سے بلا کر سلطان محمود کی وصیت کے موافق تخت
پر بٹھا دیا مسعود نے بھائی کو لکھا کہ میں تمہارا ملک نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ میرا نام خطبہ میں اول
پڑھا جایا کرے۔ محمد نے بھائی کو سخت جواب دیا جسکا مفصل حال آگے بیان ہوگا۔ امیروں نے بہت
چاہا کہ دونوں بھائیوں میں نہ بگڑے تو اچھا ہے مگر محمد نے نہ مانا۔ یوسف بن سبکتگین کو مقدمۃ الجیش بنا کر
اول رمضان ۴۲۱ھ کو وہ تگیناباد میں جو حقیقت میں اس کے لئے نکبت آباد ثابت ہوا آیا اور رمضان بھر سارے
مہینے یہیں رہا عید کے روز اُسکے سر پر ٹوپی گر گئی جسکو لوگ بڑی بدشگونی سمجھے ۳ شوال کی رات کو علی خویشاوند
اور یوسف بن سبکتگین نے اُسکو قید کر دیا اور خود امیر مسعود کی طرف روانہ ہوئے اور باقی امرا کا حال لکھا جائیگا کہ کیونکر
وہ امیر مسعود پاس چلے گئے اور کیا حال ہوا۔ امیر مسعود سپاہان میں یہ قصد کر رہا تھا کہ سپاہان تاش فراش کو یہ ملک
حوالہ کر کے ہمدان و جبال کی طرف جاؤں۔ فراش خیموں کو بھی باہر لے گئے تھے کہ ناگاہ ۹ جمادی الاول ۴۲۱ھ کو یہ
خبر پہونچی کہ سلطان محمود کا انتقال ہوا اور امیر محمد تخت سلطنت پر بیٹھا ہے۔ اور حاجب بزرگ علی قریب اُسکا پیشکار ہے
امیر سخت تحیر میں تھا کہ اُسکی والدہ حرہ ختلی نے اُسے یہ خط لکھا تھا۔ ۲۳ ربیع الآخر ۴۲۱ھ کو سلطان محمود کی عمر
پوری ہوئی میں مع تمام اہل حرم کے قلعہ غزنی میں رہتی ہوں۔ پرسوں سلطان کی مرگ کا اشتہار ہوا اور باغ
پیروزہ میں اُسے دفن کیا۔ حاجب علی سارے کام سلطنت کے کرتا ہے اور امیر محمد سلطان ہے۔ ہمکو معلوم ہے کہ سلطنت
کے لایق محمد نہیں ہے اور ہمارے خاندان کے دشمن بہت سے ہیں۔ تم دلیر اور بیدار ہو جلد یہاں آؤ جو ولایت تم نے تسخیر
کر لی ہے اور جو ولایت لے سکتے ہو یہ دونوں باتیں باپ کی حشمت کے سبب سے تمہیں جواب دینا سے رخصت ہو جب باپ کے
مرنے کی خبر مشہور ہوگی تو معاملات سلطنت کا رنگ کچھ اور ہوگا سب کی اصل غزنی ہے اور خراسان اور ملک اُسکی فروع
ہیں اصل پر اول متوجہ ہو فروع کو چھوڑو جسقدر جلد ممکن ہو یہاں آؤ میں چشم براہ بیٹھی ہوں جو کچھ حال یہاں گزریگا
اُس سے اطلاع بلا توقف دیتی رہوں گی۔

امیر مسعود نے اپنے باپ کے مرنے کا ماتمی دربار اسطرح کیا کہ خود قبا و دستار و ردا سفید پہنکر آیا۔ اور سب ہی سفید
لباس میں اہل دربار جمع ہوئے اور خوب رونا پیٹنا ہوا۔ تین روز تک یہی ماتم و شیون رہا۔

امیر مسعود کی خود اور اُسکے مشیروں کی یہی صلاح ہوئی کہ جسقدر جلد ہو سکے غزنی پہونچنا چاہیئے۔ سپاہان کا
یہ انتظام کیا کہ ابو جعفر کاکو یہ کو منشور دیکر حوالہ کیا۔ اور ۲۵ جمادی الآخر ۴۲۱ھ کو سپاہان سے رے کیطرف روانہ ہوا
جب اس شہر میں آیا تو اہل شہر نے اسکے آنے کے لئے آئین بندی کی اور بہت سے تکلفات کئے یہاں امیر

قادر باللہ کا خط بھی تعزیت و تہنیت مین رسم کیموافق پہونچا۔ اُسمین لکھا تہا کہ ولایت ری وجبال وسپاہان
سے جو ملک تو نے تسخیر کیا ہی ہمنے بھی اسپر تجکو والی مقرر کیا تو جلد خراسان جا کہ وہان کوئی خلل نہ پیدا ہو امیر
مسعود اس نامہ کو دیکہکر بہت خوش ہوا اُسکو بر ملا پڑہوایا۔ اور بوق وُہل کو بجوایا۔ اُس نامہ کی نقلین
چارون طرف ملک مین بہجوائین کہ مین امیر المومنین کا خلیفہ اور اپنے باپ کا ولیعہد ہون ۔

غزنی سے امیر یوسف و حاجب بزرگ علی بو سہیل ہمدانی و خواجہ علی میکائیل رئیس اور سرہنگ بو علی
کوتوال کی عرضی پر عرضی چلی آتی تہی۔ سبنے بعد بندگی کے عرض کی کہ تسکین وقت کے لئے امیر محمد کو غزنی
بلا لیا تہا تا کہ کوئی اضطراب نہ پیدا ہو۔ اُس سے سلطنت کا کام نہین چل سکتا۔ وہ شب و روز لہو لعب مین
مصروف ہی۔ آپ ولیعہد پدر ہین یہان جلد تشریف لاکر تخت سلطنت پر بیٹہئے۔ امیر مسعود ان عرضیون سے بہت
قوی دل اور مسرور ہوا۔ اور اُس نے اس امر پر ارادہ مصمم کر لیا کہ اصل غزنی ہی اُسکی طرف متوجہ ہونا چاہئے
باقی ملک کو نہایت سخت محنت اور شمشیر زنی سے حاصل ہوا ہے وہ فرع ہی۔ فرع بغیر اصل کے قایم نہین رہ سکتی
اس لئے وہ جلد نیشاپور اور ہرات کیطرف روانہ ہوا اور رے مین یہان کے چیدہ محتشم و معظم امیرونکو رہایت
اُسنے جمع کیا۔ اور اُنکے صلاح و مشورہ کیموافق حسن سلیمان کو یہان شحنہ مقرر کیا۔ رجب ۴۲۱ھ مین رے سے
روانہ ہوا غزنی سے بھاگ کر دامغان مین بو سہیل زوزنی پہونچا جب امیر مسعود ہرات مین آیا تہا تو وہ اُسکا محتشم
خدمتگار تہا۔ مگر پہر امیر سے برگشتہ ہوگیا۔ مگر اب پہر وہ امیر کا مقرب سب سے زیادہ ہوگیا۔ دامغان سے آگے کچھ چلا
تہا کہ وہ رکابدار ملا جسکے ہاتھ سلطان محمود نے نامے جابجا بو نصر مشکانی سے لکہوا کر بہجوائے تہے کہ مین نے امیر
مسعود کو عاق کر دیا۔ اس رکابدار نے یہ سب نامے امیر مسعود کو دیئے۔ امیر نے ان سب کو چاک کرکے پہینکدیا۔
اور کہا کہ سلطان محمود نے میرے ساتھ ہزارون نیکیان کی ہین اگر آخر عمر مین اُسنے ایک جفا کی تو کیا مضائقہ
ہے اُسکی گوشمالیون سے مجھے بہت فائدہ پہونچا ہے لکہنے والے کا بہی اسمین کچھ قصور نہین ہی جو سلطان نے
لکہوایا وہ اُس نے لکہدیا رکابدار کو پانچہزار درم عنایت کیئے اور دامغان سے آگے بڑہا اور سپہ سالار خراسان غازی
حاجب اور قضاۃ و اعیان و رئیس و عمال کے نام نامے لکے کہ وہ حاضر ہون۔ جب سلطان بہق مین پہونچا تو
غازی سپہ سالار شہر یہان بہت سا لشکر لیکر خدمت مین حاضر ہوا امیر نے اُسکو سپہ سالار مقرر کیا اور سپاہ کی
موجوات لی اور ایک بڑا جلسہ سپاہ کا زیب و زینت کے ساتھ ہوا۔ پہر نیشاپور مین امیر آیا۔ یہان بہی اُس کے
استقبال کی بڑی تیاریان ہوئین۔ امیر مسعود نے یہان کے سب قیدیوں کو قید خانہ سے رہائی دی۔ بہت خیر خوبی

رے سے خبر آئی کہ امیر مسعود نے جب یہاں سے سفر کیا تو فرقہ شاہنشاہی میں بہت آدمیوں نے دنگا اور فساد برپا کیا اور آل بویہ کو رے کا مالک بنانا چاہا۔ ان اوباشوں کو حسن سلیمان نے جو امیر مسعود کی طرف سے رے کا والی مقرر ہوا تھا۔ ایک سخت لڑائی لڑ کر شکست دی اور سب اوباشوں کو بھگا دیا جب امن امان قایم ہوگیا۔ ہزاروں مفسد جنکو انہیں راہوں میں کہ وہ آئے تھے سولیوں میں لٹکا دیا جب امیر مسعود کو اس فتح کی خبر ہوئی تو بڑی خوشی منائی اور اس مژدہ فتح کو مشتہر کرایا اور بوق اور دہل کو بجوایا انہیں دنوں میں خلیفہ بغداد کی طرف سے ایلچی آیا اور بہت سے تحفہ تحائف اور لوا اور منشور لایا۔ اس ایلچی کی تعظیم و تکریم میں حد سے زیادہ تکلفات کئے گئے اور سلطان نے عطیات خلیفہ کی بڑی تعظیم کی اور اسکے شکریہ میں خدا کی درگاہ میں دوگانہ شکر ادا کیا۔ اور خود امیر نے اور اور امیروں نے لاکھوں روپیہ صدقہ و خیرات میں دئیے۔ خلیفہ نے جو منشور بھیجا تھا اسکی نقلیں سب ملک کے رئیسوں کے پاس بھیجی گئیں۔ پھر امیر ہرات میں آیا عید الفطر کا جشن اس دھوم دھام سے یہاں ہوا کہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔

غزنی سے ہر روز خط آتے تھے کہ لشکر کیا کرہا ہے۔ دہم شوال سنہ ۴۲۱ھ کو منگیتراک بیا ور حاجب بزرگ علی قریب اور دانشمند بوبکر حصیری درگاہ سلطان مسعود میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آن کر سلطان کو سلطنت کی مبارکباد دی اور اسکے بھائی امیر محمد کے قید ہونے کی خبر سنائی منگیتراک کو امیر نے حاجب مقرر کیا اور بوبکر حصیری کو ندیم بنایا جب امیر کوز کا نان سے آنکر تخت پر بیٹھا تو امیروں نے اسے سلطان تسلیم کر لیا اگرچہ سلطان محمود نے امیر مسعود کو اول اپنا ولیعہد کیا تھا مگر آخر اسکو یہ مصلحت معلوم ہوئی کہ امیر مسعود ایک طرف رے سے روم تک اور دوسری جانب مصر کو طولاً و عرضاً فتح کرکے اس ملک فرمانروائی کرے اور غزنی اور ہندوستان میں امیر محمد سلطنت کرے بغرض سلطان مسعود نے امیر محمد پاس ایلچی بھیجکر اول باپ کے مرنے کی تعزیت کی اور تخت سلطنت پر اسکے بیٹھنے کا حال بیان کیا اور ایسے پیغام بھیجے کہ جنمیں طرفین کی بھلائی تھی اور جنمیں خراسان و عراق کے ہزاروں آدمیوں کی آسایش تھی اس نے صاف صاف بیان کیا کہ خلیفہ امیر المومنین کے حکم و فرمان سے ہمکو اتنی ولایتیں لینے کا اختیار ہے کہ اسکا اندازہ ہو سکتا ہے ہم دونوں بھائیوں کو چاہیے کہ ہم یکدل ہوکر موافقت کریں اور کل مخالفت کو بالکل دور کردیں تاکہ جہان میں ہمارا نام باقی رہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ زرد خانہ پانچہزار اونٹ پر لدے ہوئے پانچہزار گھوڑے دو ہزار ترکی غلام سازو سامان کے ساتھ اور پانسو ہاتھی جنگی ہمارے پاس بھیجدو کہ ہم تمکو اپنا خلیفہ بنائیں۔ ممبروں پر خطبوں میں اول میرا نام پڑھا جائے پھر تمہارا نام۔ درہم و دینار و جامہ

اول میرا نام ہو پھر تمھارا نام۔ قضاۃ و سفیر میرے پاس آئیں تاکہ جو کچھ مجکو حکم دینا ہو وہ انکو دوں۔ میں عراق و روم کی جانب مشغول ہوں اور تم غزنی اور ہندوستان کیطرف تاکہ سنت پیغمبر ادا ہوتی رہے اور جو ہمارے باپ دادا کا طریقہ ہو وہ جاری رہے کہ انکی برکتیں ہمکو پہنچیں۔ اور میں صاف صاف تم سے کہتا ہوں کہ جو کچھ مینے تمکو حکم دیا ہو اگر اس میں تم تعلل اور مدافعت سے شغل کروگے تو ناچار مجھے غزنی آنا پڑیگا اور اس سبب سے جو کچھ ملک میں نے لیا ہو وہ یونہی بیکار جائیگا غزنی اصل ہو اور سب اسکی فرع ہیں جسوقت اصل میرے ہاتھ میں ہوگی تو فرع کا کام آسان ہوگا۔ خدانخواستہ اگر ہم میں اور تم میں لڑائی ہوئی تو ناگزیر خونریزی ہوگی میں اپنے باپ کا ولیعہد ہوں میں نے جو کچھ چاہا ہو اس میں انصاف مدنظر رکھا ہو تمھارے ساتھ بہت رعایت کی ہو۔

جب ایلچی غزنی میں آیا تو یہاں امیر محمد کے دماغ میں باد نخوت زور کر رہی تھی شب و روز عیش و نشاط سے کام تھا۔ خزانہ کی کنجیاں ہاتھ میں تھیں۔ بخشش کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ جو اسکے مشیر تھے انھوں نے چاہا کہ مستحق کے ہاتھ میں ملک آئے۔ انھوں نے صلاح دیکر بھائی کے ایلچی کو واپس بھیجا اور یہ پیغام بھجوایا کہ باپ کا ولیعہد میں ہوں اور باپ نے ترے تمکو اس لیئے دیا تھا کہ تم وہاں رہو۔ اسکے مرنے کے بعد ہم تم ہی مالک ہر جو باپ چھوڑ گیا ہو۔ اچھی ریاں۔ گھوڑے۔ ہاتھی۔ غلام۔ ہتھیار میں تمکو اس شرط سے دیتا ہوں کہ تم عہد کرو کہ خراسان کا قصد تم کبھی نہیں کروگے غرض جب یہ جواب آیا تو سلطان مسعود نے سپاہان سے سفر کیا اور ہرات میں پہنچا۔

حاجب علی اور اعیان سلطنت نے امیر مسعود کو نامہ لکھا کہ ہمنے امیر محمد کو قلعہ کوہ تیز میں ٹھیرا رکھا ہو۔ اور فوج آپکے حکم آنے پر روانہ ہوگی۔ اس نامہ کا جواب ابھی نہ پہنچا سلطان مسعود نے اپنے ہاتھ سے حاجب علی کو اسطرح خط لکھا کہ جیسے کوئی اپنے مساوی درجہ والے کو لکھتا ہو۔ تکیناآباد سے حاجب بزرگ علی نے فوجیں روانہ کرنی شروع کیں۔ مگر سپاہ ہندی کو حکم دیا کہ وہ یہاں رہے وہ اسکے ساتھ پیچھے جاویگی۔ حاجب بزرگ علی جانتا تھا کہ سلطان مسعود مجھے زندہ نہیں چھوڑیگا اور یہ خط جو اسنے برادرانہ لکھا ہو اور میرے بھائی کو حاجب مقرر کر دیا ہو یہ سب اسکی فریب کی چالیں ہیں اسنے کہا کہ میرے پاس خزانہ و ہاتھی و فوج قوی ہندی ایسی ہو کہ سیستان کی راہ سے جاکر کرمان اور اہواز کو لیکر بغداد کے دروازہ تک جا سکتا ہوں مگر میں اس خاندان کا نمک پروردہ ہوں۔ سلطان محمود مجھسے ایسی محبت کرتا تھا کہ خویشاوند کا خطاب دیا تھا۔ میں نمک حرام ہو کر اپنے تئیں بدنام کرنا نہیں چاہتا۔ علی ہندی سپاہ کے ساتھ ہرات میں امیر مسعود کے پاس پہنچا۔ اول امیر مسعود نے اس کی حد سے زیادہ خاطر کی مگر آخر کو اسکو فریب سے پکڑوا کر قتل کرا دیا۔ اکثر تاریخوں میں لکھا ہو کہ تکیناآباد

سے ہرات کو سلطان پاس سپاہ روانہ ہوئی ہی تو سپاہ ہندی نے بسرداری نیند رائے کے اُسپر حملہ کیا اور شکست پائی دوسری طرف ترکی غلام بھی مارے گئے جنکے سرلشکر امیر محمد پاس آئے یہ بات تاریخ مسعودی بیہقی میں نہیں لکھی۔ اسلیئے یہ امر معتبر نہیں معلوم ہوتا۔

سلطان مسعود کے ہاں ارکان و اعیان سلطنت کے دو گروہ ہوگئے ایک محمودی دوسرا مسعودی آگ مسعودی کی بن آئی اور گروہ محمودی میں بہت سے آدمی قتل ہوئے۔

خواجہ احمد حسن کا وزیر ہونا

خواجہ احمد بن حسن میمندی سلطان محمود کے حکم سے قلعہ کالنجر میں مقید تھا۔ اسکو اول ہی سال جلوس میں ۴۲۲ھ میں سلطان مسعود نے رہائی کا حکم دیا اور اپنے پاس بلا کر وزیر کر دیا۔ خواجہ احمد حسن کو یہ خوف تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جو سلطان محمود کے زمانہ میں واقعہ مجھے پیش آیا تھا وہی اب بھی پیش آئے اس لیئے اسنے وزارت قبول کرنے سے انکار کیا۔ مگر جب سلطان نے اصرار کیا تو وزارت کو منظور کیا۔

احوال امیر محمد کا قلعہ مندیش میں بھیجا جانا

جب تگیناباد سے لشکر ہرات کو روانہ ہوا تو امیر کے تمام خدمتگار راہی بے آب کیطرح مضطرب تھے کہ دیکھئے آگے آگے کیا ہوتا ہی کہ سلطان مسعود کا حکم آیا کہ حاجب بکتگین جسکی حراست میں امیر محمد قلعہ کوہ تیز میں تھا وہ امیر محمد کو قلعہ مندیش میں پہنچا دے۔ یہ قلعہ بہت اونچا تھا۔ وہاں مشکل سے آدمی پہنچ سکتا تھا غرض امیر محمد اس قلعہ میں بھیجا گیا۔ ایک شاعر نے اسکے جانے کے باب میں یہ اشعار کہے ہیں۔ اشعار

اے شاہ چہ بود اینکہ ترا پیش آمد ۔ دشمنت ہم از پیرہن خویش آمد ۔ درمحنہا محنت تو بس پیش آمد ۔ از ملک پدر بہر تو مندیش آمد

خواجہ حسنک وزیر محمود کا مارا جانا

جب سلطان محمود نے خواجہ احمد میمندی کو معزول کرکے قلعہ کالنجر میں قید کیا ہی تو خواجہ حسنک میکالی کو اسکی جگہ اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ وہ نوجوان ناتجربہ کار زمانہ کے نشیب و فراز سے ناواقف تھا۔ مگر صاف باطن تھا۔ دشمنوں کو سزا دینے میں اور دوستوں پر عنایت کرنے میں جلد باز تھا۔ گو سلطان محمود کو امیر مسعود سے نفرت تھی مگر جبتک وہ ظاہر نہوئی تھی کہ سلطان نے امیر محمد کو اپنا ولیعہد مقرر کیا۔ خواجہ حسنک ہمیشہ امیر مسعود کے حق میں عیب زنی کیا کرتا تھا اور باپ کا دل اسکی طرف سے برگشتہ کراتا تھا اسلیئے سلطان مسعود کو بھی اس سے عداوت قلبی تھی۔ چنانچہ ایک نہایت عمدہ تلوار جب اس کے پاس تحفۃً آئی تو اُسنے کہا کہ سب سے عمدہ کام اس تلوار سے کل میں یہ لونگا کہ خواجہ حسنک کا سر اس سے اُڑا دونگا۔ مگر اُسکے مصاحبوں نے اس حرکت سے اُسکو باز رکھا امیر مسعود جب سلطان ہوگیا تو خواجہ حسنک ہرات میں اس پاس آیا۔ اُس کے وزیر بوسہل نے اِسکو گرفتار کرکے اپنے نوکر علی عارض کے حوالہ کر دیا وہ اسی طرح گرفتار سلطان کے ساتھ بلخ میں آیا۔ راہ میں طرح طرح کی ذلتیں اُسکو اُٹھانی پڑیں

آخر کو سلطان نے اسکو حکم دیا کہ وہ سنگسار کیا جائے وہ ایک میدان میں لایا گیا رسوں سے باندھا گیا خود اُسکے سر پر چڑھایا گیا اور حکم ہوا کہ پتھر اُسکو لوگ لگائیں مگر اسکی اس حالت پر سبکو رحم آتا تھا کسی نے اُسکو پتھر نہیں لگائے تو چند اوباشوں کو روپیے دیئے تو اُنھوں نے اُسکو پتھر لگائے۔ مگر وہ پہلے ہی رسوں کی بندش سے مر چکا تھا۔ اُس کا سر خود دینا کہ خلیفہ بغداد پاس بھیجنے کے لیے سنگساری سے بچایا گیا تھا۔ اُسپر قرمطی ہونیکا جرم لگایا گیا تھا جسکی سبب سے خلیفہ بغداد نے قتل کا فتویٰ دیا تھا جب زیر بوسہل کی مجلس شراب میں طشت پر یہ سر رکھا ہوا آیا تو وزیر بہت خوش ہوا۔ ایک شاعر نے خواجہ حسنک کے مرنیکا مرثیہ کہا تھا جسکے چند شعر یہ ہیں۔ اشعار

بہ برید سرش را کہ سران را سر بود آرایش ملک دہر را افسر بود
گر قرمطی و جہود و یا کافر بود از تخت بدار برشدن منکر بود

سلطان محمود نے علی اریارق کو ہند کا سپہ سالار مقرر کر کے لاہور بھیجا تھا یہاں آکر اُسکے دماغ میں نخوت ایسی سمائی کہ سلطان سے سرتابی کی جب اُسکو سلطان نے بلایا تو نہ گیا اور امیر محمد نے بلایا تو گیا۔ جب خواجہ احمد کا الٹو کے قلعہ سے لاہور میں آیا تو اُسکو سمجھایا کہ تم میرے ساتھ چلو تو میں سلطان مسعود سے تمہاری سفارش کرونگا جو رنجش امیر کو تم سے ہو رہی ہے رفع ہو جائیگی اس سمجھانے سے وہ خواجہ کے ہمراہ سلطان مسعود پاس چلا آیا۔ اب محمودی گروہ میں یہ دو سپہ سالار اریارق اور اسفتگین باقی رہ گئے تھے انکی اکھیڑ پچھاڑ میں مسعودی گروہ لگا رہتا تھا۔ یہ دونوں سپہ سالار بڑے زیرک و ہوشیار تھے مگر جب شراب بہت پیتے تھے تو احمق ہو جاتے تھے۔ انکی مجلسوں میں سپاہ پیشہ آتے تھے اور شراب کا دور خوب چلتا تھا اور بہ مستانہ نوشی میں حاجب بزرگ بلکاتگین کو مخنث اور علی دایہ کو مادہ اور بکتغدی سالار غلامان کو کور اور لنگ غرض ایسی پھبتیاں سب امیروں پر کہتے تھے۔ آخر کو سلطان مسعود نے اریارق کو اپنی مجلس میں شراب پلا کر اور بہت سی باتیں نوازش اور مہربانی کی کر کے اور گرفتار کر کے غزنی روانہ کیا اور غزنی سے غور میں بھجوا دیا۔

یہ اریارق کا حال دیکھکر غازی نے شراب سے توبہ کی اور امیر مسعود سے بدگمان ہوا وہ جوان تھا بڈھوں کا ادب نہیں کرتا تھا اس لیئے امیر مسعود کے کان اُسکی برائیوں سے بھرے جاتے تھے۔ ایکدن امیر کا ارادہ اُسکی گرفتاری کا ہوا مگر ایک لونڈی کی معرفت اُسکو اطلاع ہوئی وہ اپنی جان بچا کر بھاگا۔ دریائے جیحون میں کشتی میں جا رہا تھا کہ امیر مسعود کے اہلکاروں اور سپاہیوں نے اُسے آن لیا۔ کچھ ہتھیار چلے غازی کی ٹانگ میں تیر لگا کر امیر عبدوس اُسے سمجھا بجھا کر امیر کے پاس لے آیا اُسکا علاج کیا گیا۔ پھر ایکدن دغابازی سے اس غازی

اریارق حاجب و دیگر سپہ سالار [illegible] اور سپہ سالار [illegible] غازی کا گرفتار ہونا

کو گرفتار کرکے غزنی اور غزنی سے غور بھجوا دیا۔ ان دونوں سپہ سالار ونکا مال اسباب اور جو کچھ اُنھوں نے اپنی عمر میں جمع کیا تھا امیر مسعود نے ضبط کرلیا۔

جب معدان والی کرمان اس جہان سے گذر گیا تو اُسکے دو بیٹوں عیسیٰ اور ابو العساکر میں مخالفت ایسی بڑھی کہ تلواریں کھچنے لگیں۔ لشکر و رعیت دونوں عیسیٰ کے طرفدار ہوئے اس لیے وہی فرمانروا ہوگیا اور بیچارہ ابو العساکر سلطان محمود کی خدمت میں فرار ہو کر حاضر ہوا جب عیسیٰ نے دیکھا کہ بھائی نے سلطان کا دامن پکڑا ہو تو اسکے دل میں بھی کھٹکا پیدا ہوا۔ اُسنے بھی سلطان کی اطاعت اور نذر و ہدیہ کا وعدہ کیا اور سلطان کے نام کا خطبہ اپنے ملک میں پڑھوایا۔ اس لیے سلطان نے اُسکو ریاست پر بدستور مامور رکھا اور ابو العساکر کو باعزت و حرمت اپنے پاس رہنے دیا اور اُسکے بھائی سے وظیفہ معقول کرا دیا۔ جب امیر مسعود سلطان ہوا تو ابو العساکر اپنے بھائی سے انتقام لینے کے درپے ہوا اور سلطان مسعود سے عرض کیا کہ اگر سلطان فوج بھیجکر کچ و کرمان کو میرے تصرف میں کرا دے تو میں آپکے نام کا سکہ و خطبہ اپنی ولایت میں چلاؤنگا اور ہمیشہ آپکا دولتخواہ ہونگا سلطان نے اسکی عرض قبول کرلی اور حاجب جامہ دار کے ساتھ ایک لشکر گراں دیکر وہاں بھیجا اور کہدیا کہ اگر عیسیٰ ملک کی تقسیم برادرانہ پر راضی ہوجائے تو فہو المراد اُس سے ابو العساکر کا حصہ دلا دینا۔ جب ابو العساکر لشکر کے ساتھ اُس ملک کی حدود میں آیا تو عیسیٰ بھی سپاہ لیکر لڑنے کو تیار ہوا۔ اکثر آدمی اُس سے جدا ہو کر ابو العساکر سے آملے۔ مگر پھر ایسا لڑا کہ لڑائی میں مارا گیا۔ ابو العساکر اپنے موروثی ملک کا مالک ہوگیا اور اُس نے سلطان مسعود کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ اس سال میں ولایت رے و ہمدان و سائر بلاد جبال کی ریاست تاش خوداش کو دی گئی۔ اُس نے یہاں سب طرح سے انتظام کرلیا اور سلطان مسعود کے حکم سے علاء الدولہ کو جسنے یہاں اپنا علم بلند رکھا تھا اُسکے حاملوں کو نکال باہر کیا۔

سلطان مسعود ۱۳ جمادی الاولی سنہ ۴۲۲ھ کو بلخ سے غزنی کیطرف روانہ ہوا۔ راہ میں بعض منزلوں میں بیٹھے عیش و عشرت کے جلسے کرتا خود ہر روز شراب کے نشہ میں چور ہوتا اور اپنے ہمنشینوں کو شراب سے بدمست کرتا۔ عورتوں کا ناچ دیکھتا اور قوالوں کا گانا سنتا جب منزل بلف میں آیا تو یوسف بن سبکتگین جو اُسکا چچا تھا یہاں آیا اور گرفتار ہوا۔ یوسف ایک سیدھا سادھا آدمی تھا وہ اپنے بھائی سلطان محمود کی خدمت کرتا اور جب خدمت سے فرصت پاتا تو عیش و عشرت کرتا اور شراب پیتا اُس کی دو بیٹیاں تھیں بڑی امیر محمد سے منسوب تھی۔ امیر محمد سے جس لڑکی کی شادی ہوئی تھی وہ دولہن بنتے ہی مرگئی اس لیے دوسری بیٹی کی بھی شادی امیر محمد

ولایت کچ و کرمان پر سلطان مسعود کا دخل۔

سلطان مسعود کا بلخ سے غزنی کو روانہ ہونا اور یوسف بن سبکتگین کا گرفتار ہونا

نے کر دی جس سے مسعود ناراض ہوا اور جب امیر محمد سلطنت پر بیٹھا تو اُس نے اپنے اس چچا کو جو خسر بھی تھا
اپنے لشکر کا سپہ سالار مقرر کر دیا تھا اس سے سلطان مسعود اور ناراض ہوا۔ غرض لڑتے اس چچا کو اپنے پاس
بلا کر قید کیا اور ہندی سپاہ کی حراست میں قلعہ در ونہ میں بھیجدیا۔ یہیں اسکی زندگی ختم ہوگئی۔ یہ کا غلام طغرل
تھا جسنے اُسکو دغا سے گرفتار کرایا تھا۔ جمادی الاخری میں سلطان غزنی میں آیا سارا شہر اُسکے آنے سے خوشی
کے مارے پھولا نہ سماتا تھا۔ ہر جگہ محفل رقص و سرود و مے و رود آراستہ ہوئی سلطان بڑی شان وشکوہ سے
تخت پر بیٹھا۔ لاکھوں روپیہ خیرات و صدقہ میں دیے امیر مسعود کی یہ حرکت لوگونکو نہایت ناپسند ہوئی کہ امیر محمد
نے اپنے ارکین سلطنت و امرا غزنی کو جو روپیہ خزانہ سے انعام دیا تھا اُنسے واپس لینے کا ارادہ کیا۔ اور بہت
امیروں سے روپیہ و خلعت واپس لے لیے۔ اور اپنے بھائی امیر محمد کو نابینا کر کے قلعہ و لج میں قید کیا امیر محمد کی
سلطنت صرف پانچ مہینے رہی اور نو برس وہ قید میں رہا اور پھر ایک سال کے لیے سلطان ہوا۔

رجب ۴۲۲ھ میں غزنی میں سیل آئی اور اُس سے ہزاروں آدمیونکا خان ومان برباد ہوا۔

احمد نیال تگین کا سالار ہند مقرر ہونا اور اُس کا بنارس جانا

اریارق کے چلے آنے سے ہندوستان کی سالاری خالی تھی سلطان مسعود نے احمد نیال تگین کو ہندوستانکا
سالار مقرر کیا۔ وہ بڑی شان وشکوہ سے یہاں ہندوستان میں آیا۔ امیر نیال تگین عطیہ سلطان محمود مشہور تھا اُسکی ماں
اور سلطان میں نہایت اتحاد تھا۔ اس سبب سے گونگا اُسپر اور گمان تھا۔ یہاں جب ہندوستان میں وہ آیا
تو پہلے یہاں قاضی شیرازی حکمرانی کر رہے تھے۔ ان دونوں میں آپس میں نارضامندی ہوئی سلطان مسعود
تک شکایت کی نوبت پہنچی۔ سلطان نے حکم بھیجدیا کہ احمد نیال تگین سپہ سالار ہندی اور قاضی شیراز مال کا
افسر رہے۔ قاضی ٹھاکروں سے اپنا خراج وصول کرے سپاہ کے باب میں دخل نہ دے۔ گھر اور دروازہ میں نزاع
نہیں ہونی چاہیئے اس سے امیر نیال تگین بڑا خوش ہوا اور اپنے لشکر سمیت لاہور میں آیا۔ اور یہاں سے
چلکر دریائے گنگ کے بائیں کنارہ سے اُتر کر بنارس میں پہنچا۔ یہ شہر سے دو فرسنگ تھا۔ بزازوں عطاروں
و گوہر فروشوں کے تین بازار تھے۔ انکو لوٹ کر سارا لشکر اُسکا متمول ہوگیا۔ وہاں رات کو رہنے میں خطرہ تھا اسلیے
احمد نیال تگین واپس چلا آیا۔ قاضی شیراز یہ دیکھکر دیوانہ ہوگیا اُس نے سلطان کو خبر دی کہ احمد نیال تگین بنارس
کی لوٹ سے مالا مال ہوگیا ہے اور اس غنیمت میں بہت خیانت اُسنے کی ہے۔ کچھ سلطان کو بھیجا ہے اور باقی مال
اُس نے ہضم کیا ہے۔ اور ایسی خبریں اوروں نے بھی سلطان کو دیں۔ ابتک بنارس کے فتح کرنے کے
لیے کوئی مسلمان نہیں گیا تھا۔ سلطان مسعود صد ہزارہ باغ میں تھا کہ اس پاس اس مضمون کے خطوط

آئے کہ احمد نیالتگیں لاہور میں آگیا ہے۔ ترکمان اور بہت مفسد اُسکے ساتھ ہیں اور ہر جنس کے آدمی اُس کے
پاس آتے جاتے ہیں اگر اُسکی جلد خبر نہیں لیجائیگی تو جھگڑا بڑھ جاویگا۔ سلطان نے مجلس شورے کو جمع کیا اور
اُس میں سلطان کی یہ رائے ہوئی کہ تلک نے جو درخواست ہند کی سالاری کے لیے کی ہے وہ منظور کیجائے اسلیے
کہ وہ ہندوستانی ہے۔ گرمی کا موسم ہے۔ ان دنوں میں ہندی سے اچھی طرح کام ہونے کی زیادہ توقع ہے۔ غرض تلک
بڑی شان و شکوہ کے ساتھ ہندوستان روانہ ہوا۔ یہ تلک نائی کا لڑکا تھا لیکن صورت وجیہ اور زبان فصیح
رکھتا تھا۔ ہندی و فارسی میں خوشخط تھا اور عشوہ و ناز کرنے میں سحر کرتا تھا۔ قاضی شیراز ابو الحسن پاس اُسنے
تربیت پائی تھی پھر خواجہ احمد کا وہ معتمد خاص ہو گیا تھا۔ اسی طرح تربیت و تعلیم پانے سے وہ بہت لائق فائق ہو گیا
تھا۔ سلطان مسعود نے تلک اور قاضی کے پاس احکام روانہ کر دیے تھے کہ وہ دونوں ملکر احمد نیالتگیں کا کام تمام
کریں۔ جب تلک لاہور میں آیا تو اُسنے چند مسلمانوں کو جو احمد نیالتگیں کے بڑے یار غار تھے قید کیا اور انکے
داہنے ہاتھ کٹوا دیے۔ اس سیاست و حشمت سے احمد نیالتگیں کے ساتھیوں کے دلوں میں ایسا خوف پیدا ہوا
کہ وہ اس سے جدا ہو کر تلک سے امان مانگنے لگے۔ پھر پلیس اور مال کا کام درستی سے ہونے لگا۔ تلک
بہت سے آدمیوں کو جنمیں سے اکثر ہندو تھے ساتھ لیکر احمد نیالتگیں کے پیچھے پڑا۔ راہ میں لڑائیاں ہوتی تھیں
تلک اُس کے آدمیوں کے دل فریب باتوں سے اپنی طرف کر لیتا تھا۔ احمد نیالتگیں ایک جگہ جم کر خوب لڑا
مگر ہزیمت پائی۔ ترکمانوں نے اسے بالکل چھوڑ دیا اور وہ تلک پاس آ گئے۔ احمد تین سو سواروں اور اپنے
چند خاص آدمیوں کے ساتھ جو سخت مجروح تھے بھاگا۔ تلک نے جاٹوں کے سرداروں کو چٹھیاں لکھیں کہ وہ اگر
احمد نیالتگیں کو زندہ پکڑ کر یا اُسکا سر کاٹکر بھیجینگے تو پانچ لاکھ درم اُسکے عوض میں انعام دیے جائینگے
ان جاٹوں نے احمد نیالتگیں کو ایک دریا میں گھیر کر مار ڈالا اور اُسکے بیٹے کو پکڑ لیا اور تمام مال و اسباب
اُسکا لوٹ لیا جس سے وہ مالا مال ہو گئے۔ جاٹوں نے تلک پاس نیالتگیں کا سر اور اُسکا بیٹا بھیجکر روپیہ
کی درخواست کی جسکے جواب میں تلک نے جاٹوں سے یہ کہا کہ تمکو لوٹ سے بہت کچھ مال ملگیا ہے۔ غرض بعد تکرار کے ایک
لاکھ درم پر فیصلہ ہو گیا۔ جب سلطان کے پاس فتحنامہ پہنچا تو بہت خوشیاں منائیں اور تمام ممالک میں اس
فتح کو مشتہر کرایا۔ اپنے امیروں کو اس نوید پر مطلع کیا اور تلک کو حکم بھیجا کہ وہ احمد نیالتگیں کا سر اور اُسکے بیٹے کو لیکر
یہاں چلا آئے اور اُسکے کاموں کی بہت تحسین و آفرین کی۔ آدم علیہ السلام کے عہد سے یہ حال چلا آتا ہے کہ جب
بندہ نے اپنے خداوند سے سرتابی کی اُسکا سر برباد ہوا۔ جیسا کہ احمد نیالتگیں کا ہوا۔ سلطان نے شاہزادہ

امیر مجدالدین کو ہندوستان کا سالار مقرر کیا اور خلعت دیکر اُسے لاہور روانہ کیا۔ اور یہ تین امیر اُس کے ساتھ کیے۔ منصور بن ابوالقاسم علی نوکی۔ سعد سلمان۔ سرہنگ محمد۔

پہلے لکھ آئے ہیں کہ حاجب جامہ دار کے ساتھ لشکر بھیجکر ابوالعساکر کو کرمان میں سلطان مسعود نے فرمانروا بنا دیا تھا۔ ایسا انتظام ہو گیا تھا کہ رعایا آرام سے رہتی تھی۔ امیر مسعود کو خبرداروں نے خبر دی کہ اس ملک میں امیر بغداد حاکم ہے وہ اپنی خویشتن آرائی اور تن آسانی میں مصروف ہے کہ مفسد فساد کرتے ہیں اُسکی وہ پروا نہیں کرتا کام میں ایسا سست مگر ہمت میں ایسا چست ہے کہ اس ساری ولایت کو خود لے لینا چاہتا ہے۔ سیستان کے آخر حصہ سے کرمان ملا ہوا تھا اور اُسکے دوسری طرف رے اور سپاہان سے ہمدان تک سلطان مسعود کا لشکر پھیلا ہوا تھا بعد صلاح و مشورے کے یہ صلاح پائی کہ احمد علی نوشتگین کو کرمان کا والی اور سپہ سالار مقرر کر کے بھیجا جائے چنانچہ وہ دو ہزار سوار ترک اور ایکہزار سوار ہندی اور ایکہزار سوار کرد اور عرب اور ہر قسم کے پیادے پانچ پانچ سو اُسکے ہمراہ ہوئے وہ کرمان میں بڑے تزک اور احتشام سے روانہ ہوا۔ عامل سیستان کو لکھا گیا کہ دو ہزار پیادے سگزی تیار رکھے۔ اس لشکر نے جاکر کرمان پر قبضہ کر لیا۔ اور دیلم کے اوباش جو یہاں جمع تھے انکو نکال دیا اور بالکل انتظام ہو گیا۔ امیر بغداد اس سے آزردہ ہوئے غصے میں آکر خط لکھا اور ایلچی کے ہاتھ بھیجا۔ یہاں سے خط کا جواب گیا کہ یہ ولایت ہمارے ملک سے دو جانب سے ملی ہوئی ہے۔ وہاں کی رعایا نے ہم سے فریاد کی کہ ہمکو مفسد ستاتے ہیں یہ ہمپر فرض تھا کہ مسلمانوں کو اس بلا سے بچائیں۔ سوائے اسکے خلیفہ امیر المومنین بغداد نے ہم کو منشور بھیجا ہے کہ اس ولایت کی خبر رکھیں امیر بغداد نے اُس پر خلیفہ بغداد کو بھی برا بھلا کہا۔ اس مراسلت سے رنجش اور بڑھ گئی آخر کو سپہ سالار قیبہ اور حاجب امیر بغداد دس ہزار سوار لیکر کرمان میں آئے بر ماشیر میں ایک جنگ عظیم ہوئی۔ احمد علی نوشتگین نے ہر چند کوشش کی مگر ہندوؤں نے ایسی سستی کی کہ اور سپاہ کا بھی دل شکستہ ہو گیا اور لشکر کو شکست ہو گئی۔ احمد علی نوشتگین قائن کی راہ سے نیشاپور میں آگیا تھا۔ ہندی سپاہ سیستان میں آگئی اُنکے سردار پانچ صد ہزارہ کے ایک مکان میں اتارے گئے۔ انپر ایسی سختی ہوئی کہ اُن میں سے چھ سرداروں نے اپنے تئیں کٹار مار کر ہلاک کیا اُسپر سلطان نے کہا کہ یہ کٹاریں جو اپنے تئیں لگائیں وہ کرمان میں لگانی چاہیے تھیں۔ باقی ہندی سرداروں کا قصور معاف کر دیا۔ اس شکست کا الزام ہندیوں کے ذمے ناحق لگایا جاتا ہے اس سے کہیں زیادہ اور ملکوں کی سپاہ لڑائی میں موجود تھی۔

آل سلجوق کی فرمانروائی کا حال باب دوم میں پڑھو۔ طغرل بیگ و چغر بیگ جیحوں سے عبور کر کے

کرمان کا ملک بھی ہندی سپاہ کے سبب سلطان کے قبضہ سے نکل گیا۔

سلطان مسعود کی سلجوقیوں سے لڑائی

نسا میں پہنچے۔ اور وہاں سے بیابان میں اترے اور تھوڑے دنوں بعد ایک ایلچی زبان دان سلطان مسعود کے پاس بھیجا اور اپنے دفاق و حسن اتفاق کا پیغام بھیجا سلطان مسعود کو یہ بات پسند نہ آئی کچھ بری بھلی باتیں تنہا ایلچی سے کہلا بھیجا کہ آل سلجوق کی صلاحِ حال اسی میں ہے کہ ہمارے ملک سے باہر چلے جائیں جب طغرل بیگ وچغر بیگ کو امیر مسعود کی اعانت سے مایوسی ہوئی تو انھوں نے اموال رعایا پر دست درازی شروع کی اور اسباب محاربہ تیار کیا۔ جب سلطان مسعود کو خبر پہنچی کہ وہ نسا و ابیورد میں رعایا کو ستارہے ہیں تو اسنے بکتغدی خاں کو سپاہ جرار کے ساتھ روانہ کیا اور بڑا خزانہ بھی ہمراہ کیا اور آل سلجوق کے نکالنے کا حکم دیا۔ غرض امیران سلجوق اور سلطان مسعود کے لشکر میں جنگ عظیم ہوئی اور بکتغدی خاں کو شکست فاش ہوئی۔ جب بھگوڑوں نے سلطان مسعود سے یہ حال بیان کیا تو وہ خود دارالملک غزنی سے خراسان کی طرف اس ارادہ سے روانہ ہوا کہ آل سلجوق کو بالکل دفع کرے۔ اعیان سلطنت سے اس باب میں مشورہ لیا۔ ان میں سے ارباب خرد نے یہ صلاح دی کہ کوئی ناصح مشفق تحف و ہدایا دیکر طغرل وچغر کے پاس بھیجنے چاہیے کہ وہ انکو ایسی نصیحت کرے کہ یہ فساد دفع ہو جائے سلطان نے ایلچی بہت سے تحفے دیکر سلجوقیوں کے پاس بھیجے اور جو کچھ کہ ہو چکا اسکی معذرت کی کہ یہ احمقوں کی حرکت ناشائستہ تھی اب آپ مضی ما مضی پر عمل فرمایئے اور پہلی باتوں کو بھول جایئے مخالفت کو دل سے نکالیئے اور مصادقت و موافقت کیجیے اور ہمنے اپنے امیروں کی تین لڑکیاں طغرل بیگ وچغر بیگ و ینال بیگ سے بیاہنے کے لیے تجویز کی ہیں۔ اس مصاہرت سے منازعت دور ہوگی۔ بلاد و عباد آفت مخالفت سے امین ہونگے۔ جب ایلچی اردوے سلجوق میں پہنچا اور یہ پیغام دیا تو جواب میں چغر بیگ نے کہا کہ بالفعل سلطان مسعود نے نہایت لطف و کرم کے کلمات دل پذیر ارشاد فرمائے ہیں اور جو مروت انسانیت کا اقتضا تھا وہ کام کیا ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ اسکے بعد سلطان کے افعال اپنے اقوال کے موافق ہونگے یا نہیں۔ اگر زبان کے موافق دل ہوگا تو ہم اسکے مطیع ہیں اور اسکے خواہاں ہیں کہ خونریزی نہو اور رعایا امن میں رہے اور اگر اس پیغام کے خلاف ظاہر ہوگا تو جو خدا کا ارادہ ہوگا وہ ظہور میں آئیگا۔ جب ایلچی یہ جواب لیکر سلطان مسعود کے پاس آیا تو وہ بہت مسرور اور خوش ہوا اور والی مرو کو حکم بھیجا کہ وہ ان تینوں امیروں کی خدمت بجا لائے اور تینوں لڑکیوں کی عروسی کا سامان طیار کرے۔ جب یہاں سب تیاری ہو چکی اور امراء سلجوقی پاس ایلچی پیغام لیکر گیا تو ان بیباک ترکمانوں نے اپنی حماقت سے سلطان مسعود کو گالیاں دیں اور کہا کہ اگر لڑنے سے پہلے سلطان یہ لکھتا تو محبت و داد کی بنیاد مستحکم ہوتی۔ اب ان مزخرفات کلمات سے

کچھ فائدہ نہیں۔ جب سلطان کو یہ خبر ہوئی تو اُسنے سلجوقیوں سے لڑنے کا مصمم ارادہ کیا۔ ان ترکمان سلجوقیوں نے سلطان مسعود کے تمام ممالک میں متفرق ہوکر غدر مچادیا سلطان نے سیاشی کو سپہ سالار مقرر کیا وہ تین برس تک جا بجا ان سلجوقیوں سے لڑتا پھرا۔ روز بروز سلجوقیوں کا ستارۂ اقبال زیادہ چمکتا جاتا تھا۔ سیاشی ہر چند کوشش کرتا مگر کامیاب نہیں ہوتا تھا سلطان مسعود نے پریشان ہوکر عزم کیا کہ خراسان کی جانب خود جاے لیکن پسر و وزیر اسکے مانع ہوئے اُنہوں نے عرض کیا کہ سلطان اگر خود جائیگا تو یہ طائفہ عاجز ہوکر دور کی بیابانوں میں چلا جائیگا۔ اور پہاڑوں میں چھپکر ہو بیٹھے گا۔ جب سلطان مراجعت فرمائیگا تو وہ پھر جنگل سے لومڑیوں کی طرح نکلکر تخریب بلاد اور تعذیب عباد میں کوشش کریگا اور اگر وہ صف کھینچکر لڑا اور جسم سلطانی کو چشم زخم پہونچا یا تو ہمیشہ بدنامی ہوگی۔ اسطرح کی ناصحوں نے نصیحت کرکے سلطان کو اپنے ارادے سے باز رکھا۔ پھر سلطان بساط نشاط وانبساط بچھاکر پری پیکروں کے ساتھ عیش وعشرت میں مصروف ہوا۔ شراب پرزور کے نشہ میں شب و روز چور رہنے لگا۔ زمانہ زبان حال سے مخاطب ہوکر یہ اشعار پڑھنے لگا۔

شاہا ز می گراں چہ برخواہد خواست ۔۔۔ وز مستی بیکراں چہ برخواہد خواست

شہ مست وجہان خراب ودشمن پس وپیش ۔۔۔ پیداست کز آں میان چہ برخواہد خواست

سنہ ۴۲۳ھ میں التونتاش سپہ سالار سلطان مسعود کے حکم سے خوارزم سے ماوراء النہر میں آیا۔ یہاں علی تگین کو سمرقند اور بخارا میں بڑا غلبہ ہوگیا تھا۔ اور دار السلطنت غزنی سے التونتاش کی مدد کیواسطے پندرہ ہزار سوار جرار متعین ہوئے تھے اور حدود بلخ میں اس سے آملے تھے۔ آب آمویہ سے التونتاش عبور کرکے اول بخارا میں آیا۔ اور اُس کو ایک حملہ میں تسخیر کرکے سمرقند کیطرف متوجہ ہوا۔ علی تگین رزم کا عزم کرکے شہر سے باہر آیا۔ اور ایسی جگہ لشکرگاہ بنایا جس کے ایک طرف آب رود اور بہت سے درخت تھے۔ اور دوسری طرف یہاں بلند پہاڑ۔ جب آتش جنگ گرم ہوئی تو علی تگین کے آدمیوں نے کمین میں سے نکلکر التونتاش کے بہت آدمیوں کو ہلاک کیا اور التونتاش کے بھی زخم کاری ہاتھ پر اُس جگہ لگا کہ وہ سندھ کی لڑائی میں منجنیق سے پہلے زخمی ہوچکا تھا۔ باوجود اس زخم کے وہ اتنا ثابت قدم رہا کہ اُس نے علی تگین کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا اور باقی سپاہیوں کو بھگادیا جب رات کو اپنی منزل پر آیا تو اُسنے اپنے امرا اور اعیان سے زخم کا حال بیان کیا کہ وہ ایسا سخت ہے کہ کسی طرح میں بچ نہیں سکتا تم سب کو چاہئے کہ اپنا اپنا چارہ آپ کرلو۔ امیروں نے مشورہ کرکے علی تگین سے پیغام صلح بھیجا کہ بخارا سلطان مسعود کا اور سمرقند تمہارا رہے۔ اس پر علی تگین راضی ہوگیا۔ سلطان

مسعود کا لشکر خراسان کو اور علی تگین کا لشکر سمرقند کو روانہ ہوا۔ اسی رات کو التونتاش نے وفات پائی سلطان نے جب یہ خبر سنی تو اُسکے بیٹے ہارون کو خوارزم کی حکومت عنایت فرمائی۔

سنہ ۴۲۴ھ میں وزیر احمد بن حسن میمندی نے وفات پائی۔ سلطان نے اُسکی جگہ ابو نصر احمد بن محمد ابن عبد الصمد کو کہ خوارزم میں ہارون بن التونتاش کا وزیر اور نائب تھا اپنا وزیر مقرر کیا۔

اس اثنا میں سلجوقی دریائے جیحون سے گذر کر نیشاپور کے ہمسایہ میں اقامت گزیں ہوئے جب اُنکی قدرت بڑھی تو وہ سلطان مسعود سے اپنی عداوت دکھانے لگے سنہ ۴۲۶ھ میں سلطان مسعود نے جرجان اور طبرستان پہ لشکر کشی کی۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عراق میں جو حاکم اُسکی طرف سے تھے اُنہوں نے اُس سے امداد طلب کی تھی۔ ابو سہیل حمدانی جوری کا حاکم تھا اُس نے سپاہ بھیجکر اہل قم اور ساوا کو جو غدر مچا رہے تھے مطیع کیا۔ سلطان مسعود جرجان سے غزنی میں آیا اور ہند کی طرف روانگی کا ارادہ کیا۔ ہر چند امیروں اور اعیان سلطنت نے اُسکو سمجھایا کہ پہلے آپ کو چاہیے کہ سلجوقیوں کو ملک سے نکالئے پھر ہندوستان کا قصد کیجئے۔ مگر سلطان مسعود نے کہا کہ میں نے بیماری میں نذر مانی تھی کہ صحت کے بعد میں ہند کی فلاں قلعہ کو فتح کرونگا جسمیں بہت سے کافر جمع ہیں وہ غزنی سے ۱۹ ذی الحجہ سنہ ۴۲۶ھ کو ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ کابل کی راہ سے وہ ۲۳ محرم کو دینار کوٹہ پر دریائے جہلم کے کنارہ پر خیمہ زن ہوا۔ اور یہاں وہ بیمار پڑا اور چودہ روز تک بیمار رہا۔ اس بیماری میں شراب سے توبہ کی اور ساری شراب کو دریائے جہلم میں پھکوا دیا اور اُسکے برتنوں کو توڑ ڈالا۔ پھر محتسب مقرر کر دیئے کہ کسی شخص کو ظاہر شراب نہ پینے دیں۔ بوسعید مشرف کو جکی ہندو سے لڑنے کو بھیجا مگر پھر اُس کا حال معلوم نہیں کہ کیا ہوا۔ سلطان کو جب صحت ہو گئی تو وہ جہلم سے چلا اور نہم ربیع الاول کو قلعہ ہانسی پر پہونچا۔ قلعہ کے پیچھے لشکر اُتارا بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ اہل قلعہ نے جنگ کرنے میں کوئی کسر نہیں رکھی۔ لشکر سلطانی نے بھی داد شجاعت دی قلعہ کی دیوار کے نیچے پانچ جگہ سرنگ لگائی اور دیوار گرائی اور تلوار سے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ اس قلعہ کو ہندوستان کا قلعہ العذر کہنا چاہیے کیونکہ اتبک اُسکو کسی نے فتح نہیں کیا تھا وہ دوشیزہ ہی تھا۔ اور بہت غنیمت لشکر منصور کو ہاتھ آئی۔ پھر یہاں سے قلعہ سونی پت کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں کا راجہ دیپال ہری جنگل میں بھاگ گیا لشکر اسلام نے اس قلعہ کو فتح کر لیا۔ پھر دیرہ رام پر گئے۔ رام نے اپنی ضعیفی کا عذر کر کے سلطان کو نذر دیکر صلح کر لی۔ اب یہاں سے سلطان نے غزنی کا ارادہ کیا۔ راہ میں برف و باران کے ہاتھ سے بڑی تکلیف اُٹھائی۔ بہت مشکل سے غزنی پہونچا۔ وہاں توبہ شکن جشن کیا۔ شراب جو توبہ کے بعد نہیں پی تھی اب پی

احمد بن حسن کا انتقال

سلطان کا جرجان جانا پھر ہندوستان آنا

قلعہ ہانسی و سونی پت و دیرہ رام کا فتح ہونا

اس ہانسی جانے سے سلطان کی مملکت میں بڑے شور و فساد عظیم برپا ہوئے۔ خراسان میں سلجوقی ترکمانوں
کی قوت بڑھ گئی۔ علاء الدین ابن کاکویہ جو سلطان کی طرف سے حاکم عراق تھا اس نے ابو سہیل حمدانی کو
نکالدیا۔ ابو کالیجار جو مسعود کا مخالف تھا طبرستان میں قوی حال ہو گیا۔ ایک شاعر نے یہ قطعہ بھی پیش کیا ؎

مخالفان تو بودند مور بار شدند — برآر از سر موران مار گشتہ دمار
عدوے را مدہ ہرگز زمان ازین بیش — کہ اژدہا شود ار روزگار یابد مار

۴۳۲ھ میں غزنی سے باہر نکلا اور جرجان میں پہونچا۔ ان دنوں میں جرجان کے قریب ایک قلعہ میں ایک
شخص نے اوباشوں اور چوروں کی ایک جماعت اپنے پاس جمع کی تھی اور اس نواح میں رہزنی کرتا تھا۔ جب
سلطان مسعود یہاں آیا تو چوروں کے سردار نے قلعہ میں پناہ لی۔ مسعود نے فریب سے اس قلعہ کو فتح کر لیا اور انہی
چوروں کو دار پر کھینچا۔ سلطان بلخ میں پہونچا۔ وہاں کے آدمیوں نے عرض کی کہ تورتگین نے حضور کی غیبت
میں جرأت و جسارت کر کے کئی دفعہ دریاے جیحون عبور کر کے ہم کو غارت اور قتل کیا۔ مسعود نے کہا کہ اس جاڑے میں
اس کا کام تمام کئے دیتا ہوں۔ اس پر امراء اور نوابوں نے غل مچا دیا کہ دو سال ہوئے کہ سلجوقی خراسان
سے خراج لیتے ہیں اور وہاں کے آدمی انکے مطیع ہوتے جاتے ہیں پہلے ان کو دفع کرنا چاہئے۔ مسعود کی نحوست
کے دن تھے اس نے کچھ نہ سنا اور دریاے جیحون عبور کر کے تورتگین کے پیچھے پڑا۔ جاڑے کا موسم تھا لشکر پر ایسی
برف پڑی کہ اس سے سپاہ غزنی کو بڑی زحمت اٹھانی پڑی۔ اس اثنا میں سنا گیا کہ داؤد سلجوقی سرخس سے
بلخ کی طرف متوجہ ہوا ہے اس لئے ناچار مسعود کو پھرنا پڑا۔ تورتگین کو جب اس مراجعت کی خبر ہوئی تو وہ بھی اسکے
پیچھے روان ہوا۔ اسکے گھوڑوں اور اونٹوں کو لوٹ لیا۔ ہر طرف سے مسعود کی ذلت و رسوائی ہونے لگی اور
سلجوقیوں سے لڑائیاں ہوئیں اور آخرکار سلطان کو سلجوقیوں کے ساتھ معرکہ آرائی کی قوت نہ رہی۔ جب
سلطان بلخ میں آیا تو داؤد مرو کو چلا گیا۔ سلطان مسعود اپنے پسر مودود کو ہمراہ لیکر چغر بیگ کے تعاقب میں
گورکان گیا۔ جب ترکمانوں کو خبر ہوئی کہ سلطان مرو کی طرف جاتا ہے تو ایلچی بھیجکر پیغام بھیجا کہ ہم آپکے غلام
و مطیع ہیں اگر ہماری چراخور کی جگہ معین ہو جائے کہ ہم وہاں اپنے ستور اور اہل و عیال کے ساتھ رہیں کہ ہم
نہ کسی سے کار رکھیں نہ کوئی ہم کو آزار دے ہم آپکی ملازمت کیلئے حاضر ہیں اس درخواست کا قبول کرنا آپکی
عنایت سے بعید نہ ہوگا۔ سلطان مسعود نے اس ایلچی کو پیغو کے پاس بھیجا کہ اس جماعت کا سردار تھا
کہ ان سے وثیقہ لکھوا لے کہ اس کے بعد وہ کسی حرکت ناشائستہ کے مرتکب نہ ہونگے اور چراخور انکی

متعین کردے۔ یوں قول و قرار ہوکر وہ ہرات کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک ترکمانوں کی جماعت نے مسعود کی لشکر کے چند آدمیوں کو مار ڈالا اور کچھ اسباب لوٹ کر لیگئے۔ سلطان نے اس جماعت کی ترکمانوں کے تعاقب میں اپنے آدمیوں کو بھیجا جنہوں نے ان سب کو قتل کیا اور اُن کے اہل و عیال کو اسیر کرکے اُنکے سروں کو سلطان مسعود پاس لائے۔ سلطان نے یہ تمام سر گدھوں پر لاد کر بیغو کے پاس بھیجدیئے اور کہلا بھیجا کہ جو کوئی نقض عہد کریگا ایسی سزا کا سزاوار ہوگا۔ بیغو نے عذر کیا کہ مجکو اسکی خبر نہ تھی۔ آپنے جو مجرموں کو سزا دی وہی میں آنکو سزا دیتا۔ سلطان مسعود ہرات سے نیشاپور گیا۔ اور وہاں سے طوس میں آیا۔ ترکمانوں نے اُس پر حملہ کیا اور شکست پائی۔ ان دنوں میں خبر آئی کہ باذ آورد کے آدمیوں نے اپنا قلعہ ترکمانوں کو دیدیا۔ سلطان مسعود نے اس قلعہ کو فتح کرکے وہاں کے آدمیوں کو قتل کیا اور پھر نیشاپور میں آگیا اور جاڑا یہیں بسر کیا۔ جب موسم بہار آیا تو ۴۳۰ھ میں طغرل بیگ سے لڑنیکے لئے باذ آورد میں گیا۔ طغرل بیگ کو خبر ہوئی وہ ترت و باد آورد کی طرف بھاگا۔ سلطان جنگل کی راہ سے سرخس میں آیا۔ یہاں کے رہنے والے خراج نہیں دیتے تھے۔ انہیں سے کسی جماعت کو قتل کیا کسی جماعت کے ہاتھ کٹوائے۔ حصار انکا ویران کردیا۔ وہاں سے وندانقان میں آیا۔ ۸ رمضان ۴۳۱ھ کو ترکمانوں نے چاروں طرف سے ہجوم کرکے غزنی کی راہوں کو بند کردیا۔ ناچار سلطان کو لڑنا پڑا۔ دونوں میں جنگ عظیم ہوئی۔ اس اثنا میں بڑے بڑے سردار غزنی کے ترکمانوں سے جاملے۔ سلطان اپنے نفس نفیس سے لڑتا رہا اور ترکمانوں کے چند سرداروں کو قتل کیا۔ جو لشکر سلطان کے ساتھ تھا اُس نے بھی دغا کی اور وہ میدان جنگ سے غزنی کو بھاگے۔ سلطان پاس اب کوئی باقی نہ تھا تن تنہا اپنی مردانگی سے معرکہ سے باہر آیا اور مرو میں پہونچا۔ کچھ لشکر اُس کا یہاں آن کر ملا غور کی راہ سے وہ غزنی میں آیا۔ جو سردار لڑائی میں بھاگے تھے مثل علی دایہ و حاجب شیبانی و بکتغدی اُنسے ڈنڈ لیکر ہندوستان کے قلعوں میں مقید کیا۔ اکثر ان میں سے قید ہی میں مرگئے۔ اب سلطان سلجوقی ترکمانوں کے ہاتھ سے ایسا تنگ آیا کہ اُس نے ہندوستان کا قصد کیا کہ یہاں لشکر سپاہ کو جمع کرے اور پھر سلجوقیوں کو سزا دے۔ شہزادہ یزدیار نغر سے غزنی میں آیا اور اسی قلعہ سے امیر محمد کو غزنی میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ امیر محمد کو قلعہ غزنی میں بھیجدیا اور سکزی امیر غرس کو اُس پر متعین کردیا۔ امیر محمد کے ساتھ اُسکے چار بیٹے۔ امیر محمد احمد۔ عبدالرحمن عمر۔ عثمان تھے۔ ان چاروں بھتیجوں کی خستہ حالی پر امیر مسعود کو افسوس ہوا۔ اُن کو خلعت گراں بہا عطا کرکے گھوڑے سواری کو دیئے اور وظیفے اُن کے مقرر کردیئے اور ہزار ہزار دینار ہر ایک کو دیئے اور امیر احمد کے ساتھ اپنی بیٹی ستّرہ گوہر کو منسوب کیا۔

سلطان مسعود کا ہندوستان جانا اور غزنویوں کا لٹنا

معتمدوں کو حکم بھیجا کہ خزانے زر و درم و جواہر کے و جامہ اور سب طرح کی چیزیں جو ایسی ہیں اُنکو اونٹوں پر
لادو اور سب بہنوں اور ماں بیٹوں کو حکم دیدیا کہ وہ ہندوستان کے سفر کے لئے آمادہ ہوں اور غزنی میں کوئی
چیز ایسی نہ چھوڑیں کہ اُس سے دلکو تعلق باقی رہے۔ وزیر کو نامہ لکھا کہ ہم واسطے ہندو مرمارہ و پشور کیری میں
جاڑے کے موسم میں رہینگے۔ ہم سے پشور میں تم آنکر ملو۔ وزیر اس ارادہ کا مانع ہوا۔ اور اس طرح اُسکو خط لکھا
جیسے کہ کوئی برابر والے کو لکھتا ہی اور صاف صاف یہ لکھا کہ حضور اُس طرف تشریف فرما ہونگے تو دشمن بلخ کے
دروازہ پر لڑینگے اور آپ کو شہر کے اندر نہیں داخل ہونے دینگے۔ لوگوں کے دل ہماری طرف سے ایسے برگشتہ
ہو رہے ہیں کہ وہ شہر کو چھوڑے جاتے ہیں اور ہم سے لڑتے ہیں۔ اگر حضور ہم غلاموں کو حکم دیں تو ہم دشمنوں کو
وہاں سے نکال دیں۔ حضور کو ہندوستان میں جانیکی ضرورت نہیں ہی۔ جاڑے میں غزنی میں رہیں۔ یہاں
کوئی دہشت کی بات نہیں ہی۔ پورتگین کو میں نے بھیجدیا ہی۔ وہ دشمنوں پر غالب ہوکر یہاں آنے والا ہی۔ اگر حضور
ہندوستان تشریف فرما ہونگے اور اہل حرم و خزانوں کو ساتھ لیجاینگے اور یہ خبر منتشر ہوگی اور دوست دشمنوں
کے کانوں تک پہونچیگی تو حضور کی آبرو جاتی رہیگی۔ ہندوؤں پر ایسا اعتماد نہیں ہی کہ اپنے اہل حرم اور خزانے
اُن کی زمین میں بھیجے جائیں۔ میں ہندوؤں کی وفاداری پر چنداں اعتماد نہیں کرتا۔ غلاموں کو جو ویرانہ میں
لیجانے کے لئے خزانے حوالہ کئے جاتے ہیں اُنکا کیا اعتماد ہی کہ وہ خزانوں کو جنگل میں نہ لوٹ لینگے۔ سلطان نے
جو اب تک ہمارے کہنے کو نہیں مانا ہی اُس کا انجام دیکھ لیا کہ کیا ہوا۔ اگر خدانخواستہ حضور ہندوستان کو روانہ ہوئے
تو رعیت کا دل شکستہ ہوجائیگا۔ بندہ نے یہ نصیحت کی اور حضور کا حق نعمت ادا کیا اور جوابدہی سے چھٹکارا پایا۔
آگے جو حضور کی رائے ہو وہ رائے ہی۔ سلطان مسعود نے جب اس نامہ کو پڑھا تو اُس نے کہا کہ وزیر خرفرزدہ
ہوگیا ہی اور یہ نہیں جانتا کہ وہ کیا بکتا ہی۔ اُسکو جواب لکھو کہ جو کچھ میں نے فیصلہ کیا ہی وہی عین صواب و مصلحت
ہی اور خواجہ نے جو لکھا ہی اُسکو میں جانتا ہوں کہ شفقت کے سبب سے لکھا ہی۔ مگر تم میرے حکم کے آیندہ منتظر رہو۔
جس سے تمکو معلوم ہوگا کہ جو میں نے سوچا ہی وہ تم نہیں سوچ سکتے ہو۔ جب سلطان کا یہ جواب آیا تو سب مایوس
ہوئے اور سفر کی تیاری شروع کی۔ بوعلی کوتوال بلخ سے تمام کام وہاں کے درست کرکے آیا تھا اُسے شہر و
قلعہ اور نواح غزنی حوالہ کیا۔ شاہزادہ مودود کو بلخ کی امارت دی اور خواجہ محمد بن عبدالصمد وزیر کو اور چار ہزار
سپاہ کو اُسکے ساتھ کیا۔ شاہزادہ مجدود کو جو لاہور سے آیا تھا اُسکو دو ہزار سپاہ دیکر ملتان روانہ کیا کہ وہاں کا
انتظام کرے۔ اور شاہزادہ ایزد یار کو کوہ غزنی بھیجا کہ وہاں جو افغانوں نے غدر و فساد مچا رکھا ہی اُسے مٹا

غرض سارے ملکو نکا انتظام ارکان سلطنت کو سپرد کر کے لاہور کی جانب سے معہ اہل وعیال وخزانوں کے روانہ ہوا۔ سلطان مسعود کی سلطنت کا رعب اُٹھ گیا تھا اور سپاہ خود سر ہو گئی تھی۔ غزنی میں سلجوقیوں کے مقابلہ کے لئے وہ فوج نہیں جمع کر سکتا تھا بلکہ اتنی جمعیت بھی بہم نہیں پہنچا سکتا تھا کہ اُسکے ذریعہ سے فسادوں کو روکے اس حالت میں اسکا یہ منصوبہ غلط تھا کہ وہ ہندوستان میں لشکر اور اُس کا سامان ایسا بہم پہنچا لیگا کہ وہ سلجوقیوں کے پست کرنیکو کافی ہوگا۔ خود دریائے سندھ سے اُتر آیا تھا اور خزانے دریا کے پار تھے کہ خاص غلاموں کے امیر نوشتگین کی نیت بگڑی اور آپسمیں اتفاق کر کے خزانوں کو لوٹ لیا اور اندھے امیر محمد کے پاس گئے اور اُسکو تخت سلطنت پر بٹھایا۔ ہرچند اُس نے انکار کیا۔ مگر غلاموں نے کہا کہ آپکی دولت خواہی کے لئے تو یہ ہمنے گناہ کیا ہے۔ اگر آپ نہیں مانینگے تو دوسرے کو سلطان بنا لینگے اور آپ کو مار ڈالینگے۔ ناچار اس اندھے امیر کو سلطانی قبول کرنی پڑی اور اُس کے ساتھ دریائے سندھ سے عبور کر کے سلطان مسعود سے لڑنا شروع کیا۔ سلطان مسعود لاچار ہو کر رباط مارتگا میں بھاگا وہاں سب چھوٹے بڑوں نے اُسے چھوڑ دیا۔ ان سب کو جلاوطنی وہندکے سفر نے آزردہ خاطر کر رکھا تھا اس سرائے میں مسعود کو گرفتار کیا اور اُسکو سلطان محمد کے آگے لائے۔ سلطان محمد نے کہا کہ میں تیرے مارنیکا قصد نہیں کرتا جسجگہ تیرا جی رہنے کو چاہے وہ بتا دے وہاں میں تیرے لئے اور سب تیرے اہل وعیال کے رہنے کا سامان تیار کر دونگا۔ مسعود نے قلعہ کیری کو سکونت کیلئے پسند کیا۔ محمد نے وہیں اُسکو معہ کل متعلقین کے بھیجدیا اور ایک جماعت اُسکی حراست کیلئے مقرر کر دی۔ جب مسعود قلعہ کی طرف جاتا تھا تو اس ضروری خرچوں کے لئے بھی روپیہ نہ تھا۔ بھائی سے کچھ روپیہ مانگا اس پست ہمت بھائی نے پانسو درم بھجوائے۔ ان درموں کو دیکھکر مسعود رو کر کہنے لگا کہ کل میرے پاس تین ہزار خروار خزانہ تھا۔ آج ایک درم کا مقدور نہیں فاعتبروا یا اولی الابصار۔ جو شخص یہ درم لایا تھا اُس نے ایک ہزار درم اپنے پاس سے دیدیے۔ اس سخاوت کے علاوہ سعادت کی اور انعام بھی اُسکو آئندہ سلطنت سلطان مودود میں ملگیا۔ چونکہ محمد اندھا تھا اُس نے سلطنت کا کام برائے نام بھی اپنے پاس نہیں رکھا وہ سب ۴۳۲ھ میں اپنے بیٹے احمد کے حوالہ کیا۔ خود ایک نان پر قانع ہوا۔ احمد کا دماغ مشوش ومختبط تھا اُس نے ۴۳۳ھ میں سلیمان ولد یوسف بن سبکتگین اور پسر علی خویشاوند سے اتفاق کر کے بے استصواب پدر قلعہ کیری میں سلطان کو تلوار سے مار ڈالا۔ بعض لکھتے ہیں کہ زندہ کنوئیں میں ڈالکر اُسکو مٹی سے بھروا دیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس پاگل نے باپ کو مجبور کر کے اُسکے قتل کا حکم دلایا کوئی لکھتا ہے کہ نو سال نو مہینے کوئی بارہ سال غرض دس سال سے کچھ زیادہ مسعود نے سلطنت کی

امیر محمد کا دوبارہ سلطان ہونا۔ سلطان مسعود کا قید ہونا اور مارا جانا

مسعود بڑا شجاع تھا۔ کریم الاخلاق تھا۔ بڑی سخاوت کرتا تھا۔ ایک دفعہ رمضان میں اُس نے ہر ایک مستحق کو ہزار ہزار دینار دیدیے۔ وہ علما و فضلا کے ساتھ مجالست کرتا تھا اور انپر طرح طرح کے احسان کرتا تھا۔ فاضلوں کی ایک جماعت کثیر نے اُسکے نام پر کتابیں لکھی ہیں۔ حکیم ابوریحان نے جس کا پہلے ذکر کر چکے ہیں قانون مسعودی علم ریاضی میں اُسکے نام پر لکھا۔ اور قاضی ابو محمد مسعودی نے کتاب مسعودی فقہ حنفیہ میں اُسی کے نام پر لکھی باوجودیکہ اُسکے ملک میں یہ شور و فساد برپا تھا مگر علم کی ترقی برابر جاری تھی اُس نے بہت سے مدرسے جاری کیے اُن کے لئے عمارتیں بنوائیں۔ مسجد و خانقاہیں نہایت عمدہ تعمیر کرائیں۔ اور اپنے رہنے کے عمارات عالیشان بنائیں۔ غرض وہ ان باتوں میں اپنے باپ کا سچا جانشین تھا۔

حکایات سلطان مسعود

جامع الحکایات میں سلطان مسعود کی حکایات یہ لکھی ہیں کہ سلطان محمود نے والی کرمان پاس تیس تحائف ایک ایلچی کے ہاتھ بھیجے اسکو کیچ اور بلوچوں نے صحرا خبیص میں لوٹ لیا اور اسکے ہمراہیوں کو مار ڈالا۔ ان چوروں کی جماعت نے ایک بلندی پر اپنی گڑھی بنا رکھی تھی اور وہ رہ زنی کیا کرتی تھی سلطان محمود کو اس کی کچھ خبر نہ تھی بست میں سلطان محمود مقیم تھا کہ اُسکو اپنے ایلچی کے لٹنے کا حال معلوم تھا۔ امیر مسعود بھی باپ سے ملنے کو یہاں آیا تو باپ کو خفا پایا۔ بیٹے سے اُس نے ہاتھ نہ ملایا اور ناخوشی کا چہرہ بنایا۔ اس خفگی سے امیر مسعود ڈرا اور اُس نے باپ سے اس رنجیدگی کا سبب پوچھا تو باپ نے غصہ سے کہا کہ میں تجھ سے خفا کیوں نہوں اور تیری صورت کیوں دیکھوں کہ تو میرا بیٹا ہو اور تیری ناک کے سامنے یہ غضب کی رہزنیاں ہوں اور تجکو خبر نہ ہو۔ مسعود نے عرض کیا کہ اے حضرت میں ہرات میں رہزنی ہو صحرا خبیص میں۔ اسمیں میرا قصور کیا ہے۔ سلطان نے کہا کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ تیری خیر اسی میں ہے کہ چوروں کو زندہ پکڑ کر یا ان کا سر کاٹ کر میرے روبرو لائے۔ امیر مسعود دو سو سواروں کو لیکر چوروں کی تلاش میں روانہ ہوا۔ جاسوسوں کو بھیجکر اُن کا پتہ لگایا۔ اور ہوشیاری یہ کی کہ پہلے پچاس سوار اُن کے روبرو گئے جن کے ہتھیار بھی زینوں میں چھپے ہوئے تھے۔ چوروں نے اُن کو تھوڑا اور بے ہتھیار سمجھکر جانا کہ اُن کا مار لینا کیا بات ہے وہ جب اُنسے لڑنے کو آئے تو مسعود نے اپنے باقی ڈیڑھ سو سواروں کو بلا کر اُنپر حملہ کیا۔ چالیس کو زندہ پکڑا اور چالیس کا سر کاٹا۔ زندوں کو سلطان کے روبرو لایا جس نے زندوں کو بڑی طرح قتل کیا کہ جس سے لوگوں کو عبرت ہوا اور اُس کے انصاف کی شہرت ہو۔

دوسری حکایت امیر مسعود جب عراق میں حاکم تھا تو اُسکو معلوم ہوا کہ رَے میں ایک چوروں کا گروہ

راہ زنی کرتا ہی اور سلطان جب اُن کے پکڑنے کے لئے سپاہ بھیجتا ہی تو وہ چھپ جاتے ہیں۔ اُن کے مارنے کی تدبیر امیر مسعود کو یہ سوجھی کہ اُس نے اصفہانی سیبوں میں سوراخ کرکے زہر آلود کیا اور اُن کو ایک کاروان کو دیا اور اُسکے ساتھ اپنے آدمیوں کو کیا۔ کاروان پر جو گرے مال لوٹا اور اُنھوں نے سیبوں کو نوش جان کیا اُن کے نیش جان اور آسیب روان ہوئے۔ اس طرح سب مر گئے تو امیر مسعود کے آدمیوں نے اہل کارواں کو سب مال اسباب لُٹا ہوا اُنکو دلایا۔ اس حکمت سے امیر مسعود کی تدبیر نے وہ کام کیا جو ہزار شمشیر نہیں کر سکتی۔ سلطان مسعود کے مرنے کے بعد ملک میں خرابی پھیل گئی۔ محمد اور اُس کا بیٹا احمد دونوں لشکر و رعیت کی نظر سے گر گئے اور کچھ انکا اعتبار نہیں رہا۔ دیار وسیع ممالک پشاور کا غارت ہوگیا۔ سب طرح کا مال لٹ گیا۔ ملک میں غلام ایک دینار کو بکتا اور ایک من خمر بھی ایک دینار کو۔ خمر کے خریدار غلاموں سے زیادہ تھے

ذکر سلطنت ابو الفتح قطب الملۃ شہاب الدولہ امیر مودود بن سلطان مسعود

جب امیر مسعود کشتہ ہوا تو امیر محمد کحول بہت رویا اور جنہوں نے اُسے مارا تھا بہت لعنت ملامت کی اور امیر مودود کو جو باپ کے مرنے کے وقت بلخ میں تھا اس مضمون کا نامہ لکھا کہ فلاں فلاں آدمیوں نے تیرے باپ کو مارا ہی اور سوا اُن کے کسی دوسرے کو اسمیں اختیار نہ تھا۔ مودود نے اس تعزیت نامہ کے جواب میں یہ لکھا کہ حق تعالیٰ امیر کی عمر دراز کرے اور اُسکے دیوانہ فرزند احمد کو عقل دے کہ وہ اپنی زندگی اچھی طرح بسر کرے اُس نے یہ امر عظیم کیا ہے کہ اس بادشاہ کا خون کیا ہی کہ امیر المومنین نے جسکو سید الملوک والسلاطین کا لقب دیا تھا جلد اُس کا وہ پاداش پائیگا۔ اُس نے اس نامہ کے بھیجنے کے بعد قصد مارکلہ کا کیا مگر وزیر ابو نصر احمد نے اس ارادہ سے باز رکھا اور اُس کو غزنی میں لے آیا۔ سارا شہر اُسکے استقبال کو گیا۔ ۴۳۲ھ میں محمد کحول نے اپنے چھوٹے بیٹے کو پشاور اور ملتان میں سپہ سالار مقرر کیا اور خود آب سندھ سے عبور کرکے غزنی کو چلا دینور میں چچا بھتیجوں کی لڑائی ہوئی۔ آخر مودود نے فتح و ظفر پائی۔ محمد اور اُس کا بیٹا اور نوشتگین بلخی و پسر علی خویشاوند و سلیمان بن یوسف کہ مادہ فتنہ و فساد تھے سب اسیر ہوکر قتل ہوئے مگر عبد الرحیم پسر امیر محمد اس سبب سے بچ گیا کہ جب سلطان مسعود قید تھا تو دونوں بھتیجے عبد الرحیم و عبد الرحمن چچا کو قید خانہ میں دیکھنے گئے عبد الرحمن نے تمسخر کی راہ سے بے ادبی کی کہ چچا کے سر پر سے ٹوپی اُتار لی۔ عبد الرحیم نے ٹوپی اُسکے ہاتھ سے چھین کر پھر مسعود کے سر پر رکھ دی اور بھائی کو اس بے ادبی پر سرزنش کی اور گالیاں دیں۔ پس اس ادب کے سبب سے اُس نے رہائی پائی۔ اور عبد الرحمن ورطۂ ہلاکت میں خود بھی ڈوبا اور اوروں کو بھی لے ڈوبا

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد   بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

جب باپ کے قاتلون سے مودود انتقام لے چکا تو اُس نے اس موقع پر جہان فتح ہوئی تہی ایک رباط بنائی اور قریہ آباد کیا اس کا نام فتح آباد رکہا۔ اس کے حکم سے باپ کا تابوت اور اُسکے بہائی کی ہڈیان غزنی مین آئے اور خود بہی غزنی مین چلا آیا اور سریر دولت پر بیٹہا اور منصب وزارت ابونصر بن احمد عبدالصمد کو دیا اور پہر اُسکو وزارت سے معزول کرکے ہندوستان بہیجا جس نے ہندوستان مین سلطان محمد کے بیٹے نامی حاکم پشاور کو لڑکر مارڈالا۔ سلطان مودود نے عدل و داد سے سلطنت کرنی شروع کی۔ رعایا کیساتہ محبت کا طریقہ اختیار کیا اُسکو اندیشہ سوا اسکے کچھہ اور نہ تہا کہ اُسکا چہوٹا بہائی مجدود بن سلطان مسعود باپ کے مرنے پر ملتان سے لاہور مین آیا اور ایاز کے استظہار سے اپ ہند سے لیکر ہانسی و تہانیسر کا علاقہ انتظام کرکے خوب استقلال اپنا کرلیا۔ مودود نے لشکر مرتب کیا پہلے اس سے کہ مجدود کوئی فساد برپا کرے اسکے دفع کرنے کے لیے لشکر کو نامزد کیا۔ مجدود جب اس لشکر کی روانگی سے واقف ہوا تو وہ ہانسی مین دہلی فتح کرنیکی گہات بیٹہا ہوا تہا یہان سے روانہ ہوا اور پہلے اس سے کہ مودود کا لشکر لاہور پہونچے وہ یہان سپاہ فراہم کرگیا۔ عیدالضحے کی صبح کو ناگاہ اسکو خوابگاہ مین مردہ دیکہا اور اسکا حال کسی پر نہ کہلا۔ چند روز بعد ایاز نے بہی وفات پائی۔ اس مجدود کے مرنے سے ہند کا علاقہ جیسا مسعود سے متعلق تہا ویسا مودود سے متعلق ہوگیا اور ملوک ماوراءالنہر نے اُسکی اطاعت قبول کی۔ مگر سلجوقیون سے باوجود اس کے کہ اُس نے جعفر بیگ سلجوقی کی بیٹی سے نکاح کیا تہا پہلی منازعت چلی جاتی تہی۔

جب سلطان مودود کو ملوک ہند نے دیکہا کہ وہ مغربی فتوحات مین مصروف و سرگرم تہا دلی کے راجہ نے اور راجاؤن سے اتفاق کرکے بلدہ ہانسی اور تہانیسر اور اُنکے سارے مضافات پر گماشتگان غزنویہ کے ہاتہ سے نکال لیا اور نگرکوٹ کیطرف متوجہ ہوئے۔ اور چار مہینہ اسکا بہی محاصرہ کیا اور محصورین نے لاہور سے مدد مانگی مگر آپس کی نجش کے سبب کمک نہ آئی اس لیے ہندوؤن نے نگرکوٹ بہی فتح کرلیا اور اپنی رسم قدیم کے موافق یہان بتون کو قایم کیا اور رسوم بت پرستی کو بدستور سابق رواج دیا۔ اس واقعہ کی حکایت تاریخ فرشتہ مین لکہی ہے کہ جب سلطنت غزنویہ کے آثار ضعف جابجا نمودار ہوئے تو ایک برہمن نے راجہ دہلی سے کہا کہ میرے سپنے مین نگرکوٹ کے بت نے آکر یہ کہا ہے کہ اتنی مدت تک مین نے غزنی مین اسلیے توقف کیا تہا کہ دولت غزنویہ کی ہاس کو متنزل کرکے ویران کردون اب مقصد حاصل ہوگیا ہے اسلیے چاہتا ہون کہ مرکز اصلی پر مراجعت کرون

کہ جو ملک انکے ہاتھ سے نکل گئے ہین وہ پھر ہاتھ آجائین رلئے دہلی نے شخصی سنگ اشون سے ویسا ہی بُت جیسا کہ پہلے نگرکوٹ مین تہا تیار کرالیا اور راجاؤن کے ساتھ متفق ہوکر قلعۂ ہانسی اور تہانیسر کرلیا اور اسکے بعد وہ نگرکوٹ مین آیا۔ اور یہان ایکدن اُس بُت مصنوعی کو اسطرح ظاہر کیا کہ گویا وہ وہی بُت یہان پھر پیدا ہوا۔ پھر اسپر چڑہاوے چڑہنے شروع ہوئے اور اتنا مال جمع ہوا کہ محمود کی روح پھر یہاں آئی ہوگی جو ہندو اس بُت کی پوجا کو آتا تھا تو اُس سے پوجاری یہ کہتا کہ اس بُت کا حکم ہے کہ قلعۂ نگر کو فتح کرلو چنانچہ انہون نے فتح کرلیا۔ بتخانہ شکستہ ہی کی مرمت کرلی۔ نگرکوٹ مین بُت پرستی کا بازار خوب گرم ہوا۔ ہندوؤنکا قاعدہ تہا کہ وہ امور عظیم سے اس بُت سے مشورت لیتے اگر وہ اجازت دیتا تو کرلتے کچھ دنون بعد یہ ہندوؤن کا اثر مسلمانون پر ہوگیا تہا کہ وہ اس بُت پر نذر چڑہاتے اور اُسکی اجازت کی موافق کام کرتے مسلمان بہاگ کر لاہور گئے۔ اس اثنا مین یہ حال دیکھکر ملک پنجاب کے راجہ جو اسلام کے شیرون کے خوف سے لومڑی کو چھپے ہوئے تھے۔ انہون نے بھی سر نکالا اور تین قوی دست راجاؤن نے دس ہزار سپاہ لیجا کر لاہور کا محاصرہ کرلیا۔ امراء اسلام جنہون نے سلطان مودود کی اطاعت کو طاق پر رکھکر چھ سات مہینہ سے آپس مین لڑا لڑ رہے تھے ہندوؤن کی جمعیت و جرأت دیکھکر آپس کی نااتفاقی کو تہ کرکے رکھ چھوڑا اور آپس مین موافقت کرکے سلطان مودود کی اطاعت اختیار کی اور آپس مین عہد و پیمان کیا اور لشکر کی ہیئت اجتماعی بنائی سلطان مودود سے لشکر کی مدد مانگی اُس نے مدد غزنی سے روانہ کی مگر پہلے اس سے کہ یہ لشکر یہاں پہنچے ہند کے راجاؤن مین جو محاصرہ کررہے تھے اختلاف واقع ہوا بعض نے انمین سے مودود کی اطاعت قبول کرلی اور اہل شہر کے ساتھ ہوگئے اور ہندوؤنکی فوج اپنے ملک کو روانہ ہوئی۔ لاہور کے آدمیون نے ان آدمیونکی معاونت سے جنہون نے مودود کی اطاعت اختیار کی تہی ہندوؤن کے لشکر کہ جس مین پانچ ہزار سوار اور پچیس ہزار پیادے تھے تعاقب کیا وہ ایک بلند پہاڑ کے حصار مین محصور ہوئے مسلمانون نے انکو چار طرف سے گھیرا اور روز تک لڑائی ہوئی اور بہت ہنود کو قتل کیا بقیۃ السیف نے امان چاہی اور قلعہ کے حوالہ کرنے کی درخواست کی اہل اسلام نے کہا کہ ہم سے تم امان چاہتے ہو تو ہم جب امان دینگے کہ جو قلعے تمہارے تصرف و قبضہ مین ہین ہم کو سب واپس کرو۔ ہندوؤن نے ضعف و خوف جان سے کل قلعے حوالے کردئے ملوک ہند کو جب اس فتح عظیم کی خبر ہوئی تو سب مطیع ہوگئے۔ مسلمان بہت سی غنیمت اور پانچ ہزار مسلمانون کو جو ہندوؤن نے قلعون مین مقید کررکھے تھے ساتھ لیکر لاہور مین آگئے۔

ہندوؤن کا لاہور کا محاصرہ

سنہ ۴۳۴ھ میں مودود نے لشکر مرتب کیا سنہ ۴۳۵ھ میں لشکر ارتگین حاجب کیتے طخارستان میں بھیجا اُسکو خبر لگی کہ ترکمان ارتن میں آتے ہیں یہ لشکر لیکر جب اُنکے قریب پہونچا تو ارسلان پسر جغر بیگ اپنے لشکر کو چھوڑکر معدود آدمیوں کے ساتھ باہر چلا گیا۔ ارتگین نے اُس کے لشکر پر پہونچکر بہت آدمیوں کو قتل کیا اور شہر بلخ میں آیا اور امیر مودود کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ پھر کچھ دنون بعد ترکمان بلخ کا قصد کرکے آئے ارتگین نے امیر مودود سے مدد کی درخواست کی وہ نامنظور ہوئی وہ اپنی جمعیت سمیت کابل کی راہ سے غزنی میں آیا سلطان مودود نے اُسی سال ارتگین کو اپنے سامنے مروا ڈالا۔

پھر ترکمان ملک غزنویہ کی طمع کرکے نواحی بست میں آئے سلطان مودود نے لشکر بھیجا جسنے اُنکو شکست دی اور اسی سال میں طغرل حاجب کو بست کی طرف بھیجا کہ وہ سیستان کو ترکمانون کے ہاتھ سے نکالے اُس نے ابو اور ابو الفضل وزنگی ابو المنصور کو گرفتار کیا اور غزنی میں لایا۔

سنہ ۴۳۷ھ میں سلجوقی ترکمانون نے غزنی کیطرف رخ کیا بست سے گذرکر رباط امیر کو غارت کیا طغرل لشکر غزنی کو ساتھ لیجا کر اُن سے لڑا سخت کشت وخون ہوا ترکمانون کو ہزیمت ہوئی اور اکثر اُنمین قتل ہوگئے بعد اس فتح کے طغرل گرمیر اور قندہار میں گیا۔ جہان ترکمانون نے بڑی شورش مچا رکھی تھی اور وہ تیکے ترکمانون کو جنکو سرخ کلاہ کہتے تھے خوب قتل کیا اور بہت ترکمان قید کئے اور غزنی میں آیا سنہ ۴۳۸ھ میں سلطان مودود نے طغرل کو پھر بست کیطرف روانہ کیا جب وہ تکیناآباد میں پہونچا تو سلطان سے بغاوت کی جب خبر سلطان مودود کو ہوئی تو اُسنے آدمی بلانے کیلئے بھیجے تو طغرل نے یہ جواب دیا کہ جو سلطان کی خدمت میں حاضر ہو وہ میری دشمن ہے۔ میں حضور کی ملازمت میں حاضر نہین ہو سکتا سلطان مودود نے علی بن ربیع خادم کو دو ہزار سوار دیکر طغرل کی سرکوبی کے لئے بھیجا جب وہ اُسکے قریب گیا تو طغرل چند آدمیون کو لیکر بھاگ گیا۔ علی نے اُسکے لشکر کو غارت کیا اور چند آدمیون کو پکڑ کر غزنی میں لایا۔ اسی سال میں حاجب بزرگ امیر باشتگین کو غور کی جانب میں بھیجا جب وہ غور کے نزدیک آیا وہ لدہچی غوری کو ہمراہ لیا اور حصار ابو علی پر چڑھا اور اُسے فتح کیا اور ابو علی جو غور کے امراء عظیم میں سے تھا گرفتار کیا یہ وہ حصار تھا جس کو سات سو سال سے کسی نے امیر حاجب سے پہلے نہیں فتح کیا تھا ولدہچی اور بو علی کو طوق گردن میں ڈال کر وہ غزنی لایا یہان سلطان نے اُن کی گردن اُڑوالی۔ اسی سال میں امیر حاجب باشتگین ترکمانون کے سیالاب پر ام نسال پر چڑھ گیا نواحی بست میں لڑائی ہوئی ترکمانون کو ہزیمت ہوئی سنہ ۴۳۹ھ میں امیر قزدار نے بغاوت

اُس سے لڑنے گیا اور قرار واقعی شکست پائی۔ کچھہ دنون بعد اطاعت اختیار کی اور خراج دینا قبول کیا
سلطان کیطرف سے ہندوستان مین حاکم مقرر ہونا
امیر حاجب نے غزنین مراجعت کی ۔ سنہ ۴۴۳ھ مین سلطان مودود نے اپنے دو بڑے بیٹون ابو القاسم محمود و منصور کو خلعت طبل و علم دیکر ابو القاسم کو لاہور اور منصور کو پیشور بھیجا۔ ابو علی کو توال کو فوجدار کرکے ہندوستان مین بھیجا تاکہ ہند کے سرکشون کو سزا دے۔ ابو علی پہلے پیشور مین آیا قلعہ تہتہلہ کیطرف چلا تو اس قلعہ کا حاکم ایلچی بابخ ہوکر بھاگ گیا۔ اس زمانہ مین تلک سالار ہند جسکا ذکر پہلے بہت کچھہ ہوچکا ہے کشمیر کے پہاڑون مین زندگی بسر کرتا تھا اُسکو ابو علی نے بلایا اور قول و قرار لیکر غزنی بھیجا۔ سلطان مودود نے اُسکے حال پر التفات کیا
سلطان مودود کی تیاری سلجوقیون سے لڑنے کی اور مرنا
سنہ ۴۴۳ھ مین تمام ملوک ماوراء النہر اور بامیان نے سلطان مودود سے عہد کیا تہا کہ وہ اُسکے ساتھہ خراسان سے ترکمانون کی نکالنے مین مال اور لشکر سے مدد کرینگے۔ اس سال کے رجب کے مہینہ مین وہ غزنی سے لشکر فراوان لیکر روانہ ہوا کہ اول ہی منزل مین درد قولنج مین مبتلا ہوا۔ غزنی مراجعت کی۔ اپنے وزیر عبد الرزاق احمد میمندی کو سیستان کی جانب روانہ کیا کہ ترکمانون کے قبضہ سے اس ملک کو نکالے جب مودود غزنی مین آیا تو مرض نے غلبہ کیا اور ایک ہفتہ کے اندر مرگیا۔ اسکی سلطنت کی مدت نو سال تہی اور عمر ۳۹ سال۔ غرض سلطان مودود کو سلجوقیون کے ساتھہ باوجود قریب رشتہ داری کے ایسے جھگڑے اور قضیے پیش رہے کہ دم نکلنے تک ایک لمحہ کی فرصت ہندوستان مین آنے کی نہ ملی۔
سلطنت ابوجعفر مسعود بن مودود
جب سلطان مودود نے دنیا سے سفر کیا تو اُسکے بیٹے مسعود کو جسکی عمر چار سال کی تہی علی بن ربیع نے تخت سلطنت پر بٹھا دیا اس بہانہ سے علی خود سلطنت کرنی چاہتا تہا۔ مگر باشتگین کہ سلطان محمود غزنوی کے زمانہ کے امرا مین سے تہا۔ اُس کے ساتھہ اس کام مین متفق نہین ہوا۔ ان دونون مین جنگ کی نوبت پہونچی۔ غزنی کے باشندے مسلح ہوے اور باشتگین پاس آئے باشتگین نے اور امرا کے اتفاق رائے مسعود بن مودود کو تخت سے اتار کر اُسکے چچا ابو الحسن علی کو بادشاہ بنایا مسعود نے بہی چار پانچ روز سلطنت کی
سلطنت بہاء الدولہ ابو الحسن علی بن مسعود بن محمود
ابو الحسن علی سنہ ۴۴۱ھ مین تخت سلطنت پر بیٹھا اور مودود کی بیوی سے جو جعفر بیگ کی بیٹی تہی عقد نکاح کیا علی بن ربیع میرک وکیل کے ساتھہ اتفاق کرکے زر و جواہر جتنے لیسکا لیکر پشاور کو بہاگ گیا اور غلام اور امیر اُنکو اپنے ہمراہ لیگیا۔ اور اس خطہ و ملتان و سندہ پر قابض ہوگیا اور افغان جو فساد مچا رہے تہے اُنکو تلوار سے مطیع و منقاد کیا سلطان ابو الحسن علی نے اپنے بہائی مردان شاہ اور ایزد شاہ کو قلعہ نائی سے دار الامان غزنی مین بلا کر معزز و مکرم کیا عبد الرشید کے آنے کی خبر گرم تہی اس لئے سلطان ابو الحسن نے

خزانہ کا منہ لوگون کے لئے کھول دیا۔ عبد الرشید آخر سال مین آیا اُس نے ابو الحسن کو منہزم کیا اور خود تخت و تاج کا مالک ہوا۔ اور چند روز عزت کے ساتھ سلطنت کی ابو الحسن کی مدت سلطنت دو سال تھی۔

سلطان عبد الرشید کو اکثر مورخ سلطان مسعود کا بیٹا بتاتے ہین۔ مگر صحیح امر یہ ہے کہ وہ سلطان محمود کا بیٹا تھا وہ سلطان مودود کے حکم سے کسی قلعہ مین جو لبست و غزنی کے درمیان ہے مقید تھا جب اس قلعہ کے قریب عبد الرزاق بن احمد حسن میمندی وزیر آیا تو سلطان مودود کے حکم سے سیستان جاتا تھا اور اسکو سلطان مودود کی وفات کی خبر پہونچی تو وہ عبد الرشید کو قید سے نکال لایا اور لشکر کو اوسکی اطاعت کیلئے دعوت کی سپاہ نے اُسے قبول کیا۔ یہ وزیر عبد الرشید کی ملازمت مین غزنی کو روانہ ہوا جب دار الملک کے قریب آیا تو ابو الحسن بھاگ گیا سنہ ٤٤٣ھ مین عبد الرشید نے تکلفاً اپنے باپ دادا کے تخت پر رونق بخش ہوا اور ملک و مال کے کام مین مشغول ہوا۔ اگرچہ عبد الرشید فاضل و عاقل تھا اور سب طرف کی خبر رکھتا تھا مگر قوت دل و شجاعت ایسی نہین رکھتا تھا کہ سلطنت کو سنبھال سکتا۔ اس نے سلطان ابو الحسن علی کو بغیر کسی دوسری کے قلعہ ندی مین بند کیا۔ پہلے ہم لکھ چکے ہین کہ علی بن ربیع نے یہان پنجاب مین تسلط اپنا پیدا کر لیا تھا اُسکے دفع کرنے کے لئے عبد الرشید نے نوشتگین حاجب کو ہندوستان کا امیر الامرا مقرر کیا اور سپاہ وافر کو ساتھ کر کے ہندوستان کو روانہ کیا۔ وہ یہان آیا اور قلعہ نگر کوٹ کہ جسپر ہندو ون نے اپنا تسلط کر رکھا تھا پانچ چھہ روز مین فتح کر لیا۔

سلطان مودود کا حاجب طغرل تھا وہ سلطان کا بہت منہ چڑھا اور ناک کا بال تھا۔ سلطان مودود نے طغرل کی بہن سے نکاح کیا تھا طغرل ہمیشہ اس بات کو بہت چاہتا تھا کہ ایک لشکر اسکو حوالہ کیا جائے کہ وہ خراسان مین جا کر سلجوقیون کو دفع کر دے جب عبد الرشید کی سلطنت کی نوبت آئی تو نہایت منت سماجت سے اُس سے یہی درخواست کی اُس نے ہزار سوار طغرل کو دئیے کہ وہ سیستان سلجوقیون سے جا کر لیلے اور سیستان مین داود سلجوقی کیطرف سے ابو الفضل حاکم تھا اور قلعہ طاق مین اقامت رکھتا تھا طغرل سیستان مین آیا اور ابو الفضل کا محاصرہ کیا اور اُس سے کہا کہ سلطان عبد الرشید کی اطاعت اختیار کر ابو الفضل نے اطاعت سے انکار کیا۔ محاصرہ پر بھی ایک مدت گذر گئی طغرل نے بغیر اسکے کہ فتح پایا ان مرہ شہر سیستان کیطرف متوجہ ہوا اور ایک فرسخ پر شہر سے کمینگاہ مین اس لئے بیٹھا کہ بیخبر شہر پر جا پڑے اسی اثنا مین بیغو سلجوقی جس سے ابو الفضل نے کمک طلب کی تھی لشکر عقب مین آیا طغرل نے جنگ و گریز کے باب مین مشورہ کیا۔ سب نے بالاتفاق یہ کہا کہ کوئی تدبیر بغیر اسکے سوا نہین ہے کہ جس ملک مین ہم آئے ہوے ہین اس

مین لڑنے پر راضی ہون اور اس غربت مین شہر کے تلے دم دیدین غزنی دور۔ پانی کی قلت دشمنون کی
کثرت ہے۔ غرض حجب لنے پر تیار ہوکر سیفو پر حملہ آور ہوئے اور بیغو کو شکست دیکر بھگا دیا اور دس فرسنگ
تک طغرل نے اُسکا تعاقب کیا اور شہر کو لے لیا۔ سلطان عبدالرشید کو تمام اپنا قصہ سنا دیا اور خراسان بھیجے
لئے مدد طلب کی۔ عبدالرشید نے اپنے نامی سوار طغرل کی مدد کے لئے بھیجے اور سیستان مین طغرل مستقل ہو گیا اور
اُس کے سارے اطراف اور نواح مین انتظام کر لیا۔ اب اپنے خاص دستون سے عبدالرشید کے باب مین صلاح و
مشورہ کرنے لگا۔ سب نے اُس کی رائے کو عبدالرشید کے قلع وقمع کے باب مین پسند کیا۔ پس اس ارادہ سے وہ غزنی
کیطرف روانہ ہوا جب غزنی سے پانچ فرسنگ پر آیا تو عبدالرشید کو اُسکے غدر و مکر پر اطلاع ہوئی وہ مع اپنے متعلقین
کے غزنی مین آیا طغرل نے غزنی کو لیلیا اور قلعہ کے کوتوال پاس آدمی بھیجے اور اس وعدہ وعید کی باتین کین کہ اُسنے
سلطان عبدالرشید کو اس کے حوالہ کیا۔ اس کافرنعمت نے عبدالرشید کو اور سلطان محمود کے نو بیٹا اولاد کو جو اُسکے
ہاتھ آئی قتل کیا۔ اس اولاد مین سے تین آدمی قلعوں مین محبوس تھے کہ اُن تک طغرل کی رسائی نہین ہوئی۔ بہت
چاہتا تھا کہ دختر سلطان مسعود سے نکاح کیا تخت سلطنت پر بیٹھ گیا۔ نوشتگین کرخی کو کہ سلطان عبدالرشید کے حکم
سے لاہور گیا تھا اور حوالی پشور مین پہونچا تھا اُسکو طغرل نے بڑی محبت و دوستی سے خط لکھا مگر نوشتگین سلاطین
غزنویہ مین بڑا اعتبار رکھتا تھا بھلا وہ اس کافرنعمت کی بات کب سنتا تھا اس لئے اس نمکحرام کے خط کا جواب نہایت
تلخ و ترش لکھا اور دختر مسعود کو پوشیدہ خط بھیجا اور اسکو طغرل کافرنعمت کے قتل پر ترغیب دی اور اور امراء
غزنوی کو جو نعمت پروردۂ خاندان محمودی کے تھے خطوط لکھے اور طغرل کے اعمال قبیح سے چشم پوشی کرنے
بہت سرزنش کی اس سبب سے سبکی غیرت وحمیت کی رگ حرکت مین آئی اور سب نے ملکر طغرل کے قتل کا قصد
کیا۔ نوروز کے دن طغرل کا اجلاس تخت شاہی پر ہو رہا تھا اور دربار عام لگ رہا تھا کہ ایک ترک سلحدار نے
قدم جرات بڑھا کر اس کافرنعمت محسن کش کا تلوار سے سر اڑا دیا۔ دربار مین واہ واہ کا غل شور مچگیا۔ بعد
اس حادثہ کے چند روز بعد نوشتگین کرخی بھی غزنی مین آیا۔ اشراف اور اعیان کو جمع کیا۔ امیر ناصرالدین
سبکتگین کی اولاد مین سے تین شخص قلعون مین مقید تھے۔ فرخ۔ ابراہیم۔ شجاع۔ ان کے نام پر قرعہ ڈالا
گیا تو فرخ زاد کے نام پر پڑا اسکو بلا کر تخت سلطنت پر بٹھایا اور سب نے اُس سے بیعت کی۔ عبدالرشید کی
سلطنت کی مدت ایک سال کی ۴۴۲ھ و ۴۴۳ھ کے قریب رہی۔ طغرل نے چالیس روز کی سلطنت
مین بڑے ظلم کئے۔ جب اس سے پوچھا کہ ملک کی طمع کیونکر تیرے دل مین پیدا ہوئی تو اُس نے

کہا کہ جب عبدالرشید مجھے الپ ارسلان و داؤد سے لڑنے کے لیے بھیجتا تھا اور میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھکر
عہد کرتا تھا تو خوف کے مارے اُس کا ہاتھ ایسا کانپتا تھا کہ ہڈیوں کی آواز میرے کان میں آتی تھی۔
اس سے میں نے جانا کہ یہ بودا نامرد ہرگز بادشاہی کے لائق نہیں ہے پس ملک و دولت کی طرح دامنگیر
ہوئی اور وہ حاصل بھی ہوئی۔ ع سلطنت گر ہمہ یک لحظہ بود غنیمت است

جب فرخ زاد نے تاج شاہی سر پر رکھا تو کار و بار سلطنت نوشتگین کرخی کے حوالے ہوئے۔ اس نے امور
سلطنت کا انتظام کیا اور جس نے عبدالرشید کے قتل میں سعی کی تھی اُسکو گرفتار کرکے قتل کیا۔ جب داؤد و
سلجوقی کو غزنوی خاندان کے اس انقلاب کی خبر ہوئی تو وہ فوج لیکر غزنی پر چڑھ آیا۔ نوشتگین کرخی بھی فن
محاربت کا سامان خوب تیار کرکے لڑنے کے لئے سامنے آیا۔ صبح سے شام تک لڑائی ہوئی۔ بہت سا
کشت و خون ہوا۔ امیر نوشتگین کو فتح و ظفر ہوئی۔ داؤد نے فرار پر قرار اختیار کیا۔ غزنویہ نے سلجوقیوں کا تعاقب
کیا اور اُنکا بہت سا اسباب لوٹا اور غارت کیا۔ اس فتح سے فرخ زاد کی استقامت کی صورت تخت سلطنت پر
پیدا ہوئی پھر فرخ زاد ایک سپاہ عظیم لیکر خراسان کی طرف روانہ ہوا۔ سلجوقیوں کی طرف سے اُنکے امراء عظام
سے کلیارق بھاری لشکر لیکر لڑنے کو آیا۔ جب دونوں لشکر آپس میں ملے تو وہ جدال و قتال کی آگ بھڑکی کہ
خدا کی پناہ۔ اس لڑائی میں بھی غزنوی فتحیاب ہوئے۔ کلیارق اور چند اور امراء گرفتار ہوئے۔ جب
یہ خبر جعفر بیگ سلجوقی یا چکر بیگ یا جغر بیگ سلجوقی کو پہونچی تو اس نے اپنے بیٹے الپ ارسلان کو لڑنے کے
لئے بھیجا اور نوشتگین کرخی اس سے لڑنے کو گیا۔ مگر اس دفعہ سلجوقی غالب رہے اور انہوں نے کئی غزنوی امیر
اسیر کئے جب فرخ زاد نے یہ حال دیکھا تو اُس نے بڑی دانائی کی کہ کلیارق اور امیران سلجوقی کو جو اُسکی قید
میں تھے خلعت دیکر رخصت کیا۔ جب سلجوقیوں نے غزنویوں کی یہ مروت اور انسانیت دیکھی تو انہوں نے
بھی غزنوی قیدیوں کو رہا کر دیا۔ سلطان فرخ زاد کو روضۃ الصفا میں مسعود کا بیٹا لکھا ہے اور احمد المستوفی
نے عبدالرشید کا بیٹا مگر سکون سے روضۃ الصفا کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ ایکدفعہ حمام میں اُسکو غلاموں نے گھیر کر
مارنا چاہا تھا وہ تلوار ہاتھ میں لیکر بڑی بہادری سے غلاموں کو مار رہا تھا کہ اور آدمیوں کو خبر ہو گئی اور وہ ملوک
آنکر سب غلاموں کا کام تمام کیا۔ بعد ازاں فرخ زاد اکثر موت کا ذکر کیا کرتا تھا۔ اور دنیا کو حقیر جانتا تھا اُسکا
اوائل میں وزیر حسن مہران تھا اور آخر میں ابوبکر صالح ہوا۔

فرخ زاد حلیم و عادل تھا جب تخت سلطنت پر بیٹھا ہی تو ملک زابلستان عوارض و اموات کے سبب سے

خراب و ویران تھا اس نے خراج اسکا معاف کردیا تو یہ ملک آباد ہو گیا وہ خلق کے ساتھ نکوئی کرتا۔ درد قولنج مین مبتلا ہو کر داعی حق کو لبیک کہی۔ اُسکی عمر ۳۴ سال کی تھی اور مدت سلطنت چھ سال ۴۴۳ھ سے ۴۵۰ھ تک۔ سلطان فرخ زاد کوسے فنا مین روپوش ہوا اور سلطان ابراہیم مسند سلطنت پر رونما ہوا۔ اُس نے اپنے جلوس کے ابتدائی سالون مین سلجوقیون سے مصالحت کر لی اور آپسمین یہ قول و قرار ہو گیا کہ فریقین سے ایک دوسرے کے ملک کا قصد نہ کرے اور رعایا کو جو خدا کی ودیعت ہے آزار و ضرر نہ پہونچاے۔ ملک شاہ سلجوقی کی بیٹی کا نکاح اپنے بیٹے مسعود سے کردیا جس سے غزنویون اور سلجوقیون مین ابواب مصالحت کشادہ ہو گئے کہتے ہین خدا معلوم سچ یا جھوٹ کہ جب ملک شاہ نے غزنی پر حملہ کرنیکا قصد کیا تو سلطان ابراہیم کو وہم پیدا ہوا اور اُسنے یہ تدبیر سوچی کہ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے امراء کے نام خطوط لکھے جنکا مضمون یہ تھا کہ ہماری سمع شریف نے یہ بات سنی ہے کہ آپ لوگ اس طرف آنے کی ملک شاہ کو بہت ترغیب و تحریص کرتے ہین یہ طریقہ تمہارا ہمکو بہت پسند آیا۔ طریقۂ اخلاص یہی ہے کہ اس بابمین سعی ایسی کرو کہ سلطان ملک شاہ بہت جلد اس ملک مین آئے تاکہ ہمکو بالکل اس سے خلاصی ہو جائے۔ اور ہمنے یہ قرار دیا ہے کہ تمہاری رسومات کو مضافات کردین اور تم سب پر عنایت و عاطفت بیکران رکھین۔ اور ان مکتوبات کو ایک پیک کو دیا اور اس سے کہدیا کہ ملک شاہ کی عادت ہے کہ اکثر اوقات شکار و صید مین رہتا ہے اُسکی شکارگاہ مین اس تاک مین رہنا کہ لوگ تجکو پکڑ کر اس پاس لیجائین اس تعلیم سے سلطان ابراہیم کی یہ غرض تھی کہ مکتوبات ملک شاہ کے ہاتھ مین اسوقت پڑین کہ امراء اُس پاس ہون یہ ایک امر اتفاقی ہے کہ سلطان ملک شاہ قصبۂ اسفراین مین فروکش تھا اور ایک دن شکار کو جاتا تھا کہ اثناء شکار مین صیدگاہ کے محافظین نے پیک کو گرفتار کیا اور سلطان کے روبرو لیگئے۔ جب سلطان نے پیک سے پوچھا تو اُس نے پریشان باتین کرنی شروع کین جب سلطان نے اُس کے تازیانے لگوائے کہ سچ سچ باتین کہدے تو اس نے سلطان سے کہا کہ مین سلطان کا پیک ہون اور امراء سلجوقی پاس ان مکتوبات کے پہونچانے کے لئے بھیجا گیا ہون جب مکتوبات کو لیکر ملک شاہ نے پڑھا تو اُنکا اظہار کچھ نہین کیا اور اپنی دارالسلطنت مین چلا آیا۔ بعد تفحص و تفتیش کے معلوم ہوا کہ یہ تمام سلطان ابراہیم کی مکاریان حیال بازیان ہین کہتے ہین کہ ملک شاہ نے یہ کہا کہ سلطان ابراہیم نے جو یہ مکر و حیلہ کیا ہے اسکا سبب یہ ہے کہ وہ سلجوقیون کے ساتھ تاب مقاومت نہین رکھتا اور وہ یقینی جانتا تھا کہ اگر لڑائی ہو گی تو مین مغلوب ہونگا اور جسپر ہم اسکے مکر و تدبیر کے ارادہ سے

سلطان ظہیر الدولہ نصیر الملۃ رضی الدین ابراہیم

سلجوقیون سے مصالحت

باز رہیں گے تو گو یا وہ ہم پر غالب ہوگا۔

جب سلجوقیوں سے سلطان ابراہیم کی یوں خاطر جمع ہوئی تو ہندوستان میں اپنے لشکر بھیجا جس نے وہ ملک فتح کیے جو ابتک مسلمانوں نے نہیں کیے تھے اور ۴۷۲ھ میں وہ خود ہندوستان میں آیا اور قلعہ اجودھن کو جو اب پاک پٹن فرید شکرگنج کہلاتا ہے اور لاہور کے قلعہ سے سو کروہ ہے محاصرہ کرکے مسخر کرلیا۔ پھر روپال کے قلعہ کیطرف متوجہ ہوا۔ یہ قلعہ بلند پہاڑ کی چوٹی پر واقع ہے اسکے ایک طرف دریا ہے اور دوسری طرف وہ جنگل ہے کہ جسمیں خاردار درختوں کی کثرت سے آفتاب کی شعاعوں کا گذرنا بھی مشکل تھا اور اکثر درختوں پر زہریلے سانپ لپٹے ہوئے رہتے تھے حصار کے نیچے نہ کھڑے رہنے کی نہ لڑنے کی جگہ تھی۔ سلطان ابراہیم نے اپنی ہمت شاہانہ سے اس قلعہ کو فتح کرلیا۔ اور ایک موضع درہ پر وہ متوجہ ہوا۔ یہاں کے متوطن اہل خراسان تھے کہ افراسیاب نے ان کی سرکشی سے تنگ ہوکر ان سبکو زن و فرزند سمیت ولایت خراسان سے خارج کرکے ہندوستان میں بھیج دیا تھا اس شہر کے آدمی سارے وہی خراسانی تھے وہ بیگانوں سے پیوند مواصلت نہیں کرتے تھے اور بت پرست تھے اور یہ شہر بہت آباد تھا اور اس شہر میں ایک حوض تھا جسکا قطر نصف فرسنگ تھا اور اسکی تھاہ کا تو پتا ہی نہ تھا سارے آدمی اور چارپائے اسکا پانی پیتے تھے مگر اصلا فرق نہ آتا تھا۔ اور اسکے گرد درخت اتنے تھے کہ آمد و رفت کی راہ معلوم نہیں ہوتی تھی ملوک ہند جانتے تھے کہ اسپر ہمارا غالب ہونا ناممکن ہے اسلیئے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ سلطان ابراہیم کو راہ میں بڑی دشوار گھاٹیاں پیش آئیں جب اس جنگل میں وہ پہنچا تو چند ہزار پیادے تبر لیکر جنگل کے کاٹنے کو بھیجے۔ جب درختوں کو کاٹکر رستہ بنایا تو برسات شروع ہوگئی۔ تین مہینہ تک لڑنا پڑا۔ کثرت بارش سے لشکر کو بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔ اول شہر والوں پاس آدمی بھیجکر دعوت اسلام کی انھوں نے دعوت قبول نہیں کی اسلیئے اس شہر کو جبراً قہراً لڑائی سے مفتوح کیا اور ایک لاکھ لونڈی غلام اسیر کیے اور غزنی بھیجے اور غنایم بھی بہت سی ہاتھ آئیں بعد ان فتوحات کے سلطان غزنی آیا۔

یہ بادشاہ بڑا عابد متقی زاہد تھا۔ باوجود عنوان شباب کے کل ممنوعات شرعی سے دستکش تھا لذات نفسانی کو ترک کرکے رجب و شعبان کو رمضان کیساتھ ملاکر سال بھر میں تین مہینے روزے رکھتا تھا اور رعیت پر وہ بڑی توجہ حسن کرتا اور خیرات بہت دیتا۔ ہر سال میں ایک مرتبہ امام یوسف سجاوندی کو اپنی مجلس میں بلاتا اُنسے وعظ کہلواتا اور آدمیوں کو نصیحت کراتا۔ سلطان ابراہیم کو بے محاورہ باتیں سناتا مگر اس امام کی درشتی سے وہ آزردہ نہوتا خط نسخ میں بڑا خوشنویس تھا ایک سلطنت میں ہر سال ایک مصحف اپنے ہاتھ سے لکھتا۔ اسکو ایک سال مکہ معظمہ کو ا

دوسرے سال مدینہ منورہ کو بھیجا۔ اب تک اُسکے ہاتھ کے لکھے ہوئے مصحف آنحضرتؐ کے کتاب خانہ میں موجود ہیں۔ یہ ایک نقل مشہور ہی کہ سلطان ابراہیم ایکدن غزنی کو جاتا تھا کہ ایک حمال کو دیکھا کہ عمارت شاہی کے لئے وہ بڑا بھاری پتھر سر پر رکھے لئے جاتا تھا اور اُسکے بوجھ سے مرا جاتا تھا۔ سلطان کو اُسکے حال پر رحم آیا فرمایا کہ پتھر کو پھینکدو۔ اُس بیچارہ نے میدان میں پتھر پھینکدیا جب گھوڑے یہاں آتے تو دوڑنے میں اُس سے تکلیف پاتے۔ ایک دن کسی مقرب نے عرض کیا کہ اگر حکم ہو تو یہ پتھر میدان سے اُٹھا دیا جائے سلطان نے کہا کہ ہمنے حکم دیا کہ پتھر کو یہاں پھینکدو اور پھر حکم دیں کہ اُٹھاؤ تو ہمارے قول کی بے ثباتی پر حمل ہوگا اور ایسا کرنا لایق بادشاہوں کو سزاوار نہیں ہی سلطان ابراہیم کے قول کی تعظیم کا ایسا خیال تھا وہ بہرام شاہ کی سلطنت تک اسیطرح پڑا رہا۔

سلطان ابراہیم کے چھتیس بیٹے اور چالیس لڑکیاں تھیں اور لڑکیوں کو اکثر سادات عظام و علماء عالیمقام سے وہ بیاہتا۔ اُسکی وفات ایک روایت کے موافق ۴۸۶ھ میں اور دوسری روایت کے موافق ۴۹۲ھ میں ہوئی پہلی روایت کے موافق اُسکی سلطنت کی مدت اکتیس سال اور دوسری روایت کے موافق بیالیس سال۔ اُسکی اوائل سلطنت میں ابوسہیل خجندی و خواجہ مسعود رنجی سے اُسکی وزارت تعلق رکھتی تھی اور اواخر عہد میں عبدالحمید احمد بن عبدالصمد سے اسکی مدح میں ابوالفرج نے یہ قصیدہ کہا ہی جسکا مطلع یہ ہی ؎ ترتیب فضل و قاعدۂ جود و رسم داد ÷ عبدالحمید احمد عبدالصمد نہاد ÷ اسکی سلطنت میں ابوالفرج اور ارزقی بڑے شاعر تھے۔ ابوالفرج کے قصیدہ کا تو ایک شعر اوپر لکھا گیا۔ ارزقی کے نام پر اول ابوالفضل لکھا جاتا تھا۔ وہ اصل میں ہرات کا رہنے والا تھا۔ الفیہ و شلفیہ اُسی کی تصنیفات سے ہیں۔

سلطان مسعود اپنے باپ سلطان ابراہیم کا جانشین ہوا۔ یہ بادشاہ نیک اخلاق و مبارک عہد و برگزیدہ اوصاف باعدل و داد تھا حیا و کرم اسمیں بہت تھی رسوم ظلم کہ اس سے پہلے وضع ہوئی تھیں اور وہ قلمبند ہو کر مروج ہوگئی تھیں ان سبکو اُسنے مٹا دیا اور باج و خراج میں تخفیف کردی۔ کل امرا اور ملوک کو جو جاگیریں باپ کے وقت میں مل چکی تھیں برقرار رکھیں۔ اور خود سوچ سمجھکر سلطنت کا دستور العمل عمدہ بنایا۔ پہلے ہندوستان کی امارت امیر عضد الدولہ کو دی اور جب وہ مرگیا تو طغاتگین کو ہندوستان کا سپہسالار مقرر کیا۔ یہ سپہسالار دریائے گنگ سے عبور کرکے وہاں پہنچا جہاں سوا سلطان محمود کے لشکر کے کوئی اور لشکر اسلام نہیں گیا تھا۔ وہ بہت سی غنیمت و مال لیکر لاہور میں واپس آیا اس بادشاہ کے عہد میں تمام امور ملک داری کا انتظام رہا اور اُسنے بے خرخشہ و اندیشہ ۱۶ برس سلطنت ۴۹۲ھ–۵۰۸ھ (۱۰۹۸ء–۱۱۱۴ء) تک کی۔ وہ ۴۵۳ھ میں غزنی میں پیدا ہوا تھا اور ستاون برس کی عمر اسکی تھی ۵۰۸ھ میں وہ دار البقا کو سدھارا۔

اُسنے سلطان سنجر کی بہن مہد عراق سے شادی کی تھی۔ تاریخ گزیدہ میں لکھا ہے کہ مسعود کی وفات کے بعد اُسکا
بیٹا کمال الدولہ شیرزاد تخت پر بیٹھا۔ ایک سال اُسکی سلطنت پر گذرا تھا کہ ۵۰۹ھ میں اُس کے اپنے
بھائی ارسلان شاہ نے مار ڈالا مگر اور مورخ کمال الدولہ کی سلطنت کا اڑنگا بیچ میں نہیں لگاتے۔ ارسلان
شاہ کو مسعود کے بعد ہی تخت پر بٹھاتے ہیں۔

جب ارسلان شاہ غزنی کا بادشاہ ہوا اُسنے اپنے سب بھائیوں کو قید کیا۔ مگر ایک بھائی اُسکا ابراہیم شاہ
اُسکے پنجے سے نکلگیا اور اپنے ماموں سلطان سنجر پاس چلا گیا جو ان دونوں میں اپنے بھائی محمد بن ملک شاہ کی طرف سے
خُراسان میں فرمانروائی کرتا تھا۔ یہ زمانہ ایسا تھا کہ سلجوقیوں اور غزنویوں میں آپس میں رشتے داریاں ہوگئی
تھیں اور سلطان سنجر کی بہن مہد عراق خاندان غزنوی کے سارے شہزادوں کی ماں تھی۔ کوئی لکھتا ہے کہ
ہر چند ارسلان شاہ نے بہرام شاہ کے باب میں سلطان سنجر کو خط لکھے اور بہت منت سماجت کی مگر اُس نے اُسکی
کچھ نہ سُنی اور وہ بہرام شاہ کی مدد پر آمادہ ہوا۔ کوئی کہتا ہے کہ سلطان سنجر نے ارسلان شاہ کو لکھا کہ بھائیوں سے
نہ لڑو اُسنے نہیں سُنی۔ ارسلان شاہ نے سلطان محمد سے اُسکے بھائی سلطان سنجر کی شکایت کی۔ سلطان محمد نے
خراسان ایلچی روانہ کیا اور یورش سے منع کیا مگر ایلچی سے کہدیا کہ اگر سلطان سنجر غزنی کو روانہ ہوگیا ہو تو کچھ نہ کہنا
جب یہ ایلچی خراسان میں آیا تو اُسنے دیکھا کہ سلطان سنجر بر سر سفر ہے اس لئے اُس نے کچھ نہ کہا۔ جب سلطان سنجر
لشکر لیکر بست میں پہونچا تو ابو الفضل والی سیستان اُس سے ملا۔ ارسلان شاہ کو جب سلطان محمد سے مایوسی ہوئی
اور سلطان سنجر کی لشکر کشی کا حال معلوم ہوا تو وہ بھی لشکر لیکر سلطان سنجر سے لڑنے کو آیا دونوں لشکروں میں لڑائی
ہوئی غزنوی کچھ زخمی ہوئے کچھ مارے گئے۔ باقی بُرے حال احوال سے غزنی میں آئے۔ بعد ازاں ارسلان شاہ نے
اپنی ماں مہد عراق کے روبرو ہاتھ جوڑے اُسکے پاؤں پر پڑا دو ہزار دینار اور بہت سے تحائف دیکر سلطان سنجر پاس بھیجا
اور مصالحت کا طالب ہوا۔ مگر یہ ماں پہلے ہی اُسکے ظلموں سے دل آزردہ جلی بھنی بیٹھی تھی وہ اپنے بچوں کو
قید میں طرح طرح کے عذابوں میں کب دیکھ سکتی تھی اُسنے بھائی پاس جاکر ایسی باتیں لگائیں بجھائیں کہ سلطان
سنجر جس کا ارادہ معاودت کا تھا غزنی پر حملہ کرنے کو مستعد ہوا اور بہرام شاہ نے غزنی کی تسخیر کی آسان
صورت بتلا دی۔ سلطان سنجر غزنی سے ایک فرسخ پر آگیا تو ارسلان شاہ تیس ہزار سوار اور بہت سے پیادے
اور ایک سو ساٹھ ہاتھی لیکر سلطان سنجر سے لڑنے کے لئے صف آرا ہوا۔ جانبین سے سیف و سنان سے
آدمی ضائع ہوئے اور ابو الفضل والی سیستان کی شجاعت و جلادت سے غزنویوں کو شکست ہوئی اور

ارسلان ہار کر ہندوستان کو روانہ ہوا اور ۲۰ شوال ۵۱۱ھ میں سلطان سنجر غزنی میں داخل ہوا اور لشکریوں کو غارت و تاراج سے منع کیا اور خود اُسنے غزنی کے خزانہ سے اموال بے تعداد لے لیا۔ منجملہ اس مال کے پانچ تاج تھے کہ ہر ایک کی قیمت دو لاکھ دینار کی لوگ آنکتے تھے اور ستر ہ تخت سونے چاندی کے تھے اور تیرہ سو زیور جواہر سے مرصع تھے۔ وہ غزنی میں چالیس روز رہ کر باہر آیا اور بہرام شاہ کو غزنی کے تخت پر بٹھایا۔ جب ارسلان شاہ کو خبر ہوئی کہ سلطان سنجر نے غزنی سے مراجعت کی تو وہ ولایت ہند سے فوج جمع کر کے غزنی کیطرف چلا۔ بہرام اس سے لڑ نہیں سکتا تھا اس لئے وہ بامیان میں آیا اور یہاں سے سلطان سنجر کے لشکر کو اپنی پشت پناہ بنا کے اپنے دارالملک کیطرف متوجہ ہوا۔ ارسلان شاہ خوف ہراس کے سبب سے افغانوں میں بھاگ گیا تھا۔ سلطان سنجر کے لشکر نے اُسکا تعاقب کیا اور گرفتار کر کے بہرام شاہ کے حوالہ کیا جسنے اُسے خفیہ مروا دیا۔ اور خود مستقل بادشاہ ہو گیا۔ اور تین سال سلطنت کی اور ستائیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ طبقات ناصری میں لکھا ہے کہ ارسلان شاہ کے عہد میں حادثہ عظیم واقع ہوئی آسمان سے آگ برسی اور بجلی ایسی پڑی کہ غزنی کا بازار جل گیا۔

سلطان معزالدولہ بہرام شاہ بن مسعود۔

بہرام شاہ خوب رو۔ ذی شوکت و صاحب حشمت بادشاہ تھا۔ علماء و فضلا کی صحبت کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ اُنکے کمال و ہنر کی قدر کرتا تھا۔ اس جوہر شناسی کا نتیجہ یہ تھا کہ عالموں نے اُسکے نام پر بہت کتابیں تصنیف کیں۔ چنانچہ شیخ نظامی گنجوی نے مخزن الاسرار اُسی کے نام پر تصنیف کی ہے۔ سید حسن غزنوی نے جلوس کے روز ایک قصیدہ پڑھا جسکا مطلع یہ ہے

مناوی بر آمد ز ہفت آسمان … کہ بہرام شاہ است شاہِ جہاں

سلطان بہرام شاہ کا ہندوستان میں آنا

کلیلہ و دمنہ کا ترجمہ عربی زبان سے فارسی زبان میں اُسی کے نام سے مزین ہوا۔ حکیم سنائی بھی اُسی بادشاہ کے عہد میں تھا۔ یہ بادشاہ ہندوستان میں کئی دفعہ آیا اور یہاں کے بہت سے سرکشوں کو سزا دی محمد باہلیم سلطان ارسلان شاہ کیطرف سے سپہ سالار لاہور تھا۔ اور اعمال ناشایستہ اختیار کر کے علم مخالفت اُسنے بلند کیا۔ بہرام شاہ اوّل دفعہ ہندوستان میں اسی کی گوشمالی کے لئے آیا تھا۔ اُسے رمضان ۵۱۲ھ میں گرفتار کر کے قید کیا۔ پھر اسکا گناہ معاف کر کے قید سے رہا کیا اور بدستور سپہ سالار مقرر کیا۔ جب سلطان یہاں سے چلا گیا تو اُسکی غیبت میں قلعہ ناگور میں جو کوہ سوالک میں واقع ہے اپنے اہل و عیال اور اسباب مال کو رکھا۔ عرب عجم افغان خلج کے آدمیوں کو نوکر رکھکر اپنے لشکر کو مرتب کیا اور بہت سے

ہند سرکشوں کو دبایا۔ اور اس سے نخوت اُسکی ایسی بڑھی کہ سلطنت و ملک گیری کا دعویٰ کرنے لگا۔ جب بہرام شاہ کو اُسکی خبر ہوئی تو وہ دوبارہ ہندوستان میں آیا۔ یہ کافر نعمت اپنے دس بیٹوں کو جو مسند امارت پر متمکن تھے ساتھ لیکر بہرام شاہ سے لڑنے گیا اور ملتان میں ایک سخت جنگ ہوئی جس میں اس کافر نعمت کو شکست ہوئی۔ وہ اپنے دس بیٹوں سمیت سرزمین جیجہ میں بھاگا پھر اسکا پتہ نہ لگا کہ زمین کھا گئی یا آسمان۔ سالار حسین بن ابراہیم علوی کو یہاں سپہ سالار بہرام شاہ نے مقرر کیا اور خود غزنی کو چلا گیا۔

ایک عرصہ دراز تک اس بادشاہ کی سلطنت سرسبز رہی مگر آخر وقت وہ کوتک کئے جس سے دودمان غزنوی کا چراغ گل ہو گیا۔ اور سلطنت غزنی خاک میں ملگئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ سلطان مودود کے عہد سے سلطنت غزنی کا ایک صوبہ غور چلا آتا تھا۔ بہرام شاہ کے عہد میں قطب الدین محمد غوری سوری غور میں سلطنت کرتا تھا۔ اور وہ خود بہرام شاہ کا داماد تھا۔ ان دونوں بادشاہوں میں کچھ جھگڑا ہوا۔ بہرام شاہ نے قطب الدین کو غزنی بلایا اور اُسکو زہر دلوایا یا قتل کرایا۔ غرض اپنے داماد کا کام تمام کرایا۔ جب اس قتل کی خبر سیف الدین اُسکے بھائی کو پہونچی تو وہ فوراً انتقام لینے کے لئے غزنی پر چڑھ آیا۔ بہرام میں اُسکے مقابلہ کی طاقت نہ تھی اسلئے غزنی سے بھاگ کر شہر کرمان میں جو غزنی اور ہند و افغانستان کے درمیان تھا امان لی اور اُسپر متصرف ہو کر وہیں قیام کیا۔ یہاں پہاڑوں کی کثرت کے سبب سواروں کا گذر نہ تھا۔ سیف الدین غزنی پر مسلط ہو گیا اور غزنویوں پر اعتماد کرکے یہیں سکونت اختیار کی اور اپنے بھائی علاء الدین کو مع اپنے تمام امراء قدیمی کے غور کو روانہ کر دیا۔ باوجودیکہ غوریوں کی برابر غزنویوں کے ساتھ سیف الدین سوری سلوک کرتا تھا اور غوریونکا یہ مقدور نہ تھا کہ وہ اہل غزنی پر ذرا سا بھی ظلم کریں مگر غزنوی اس سے منافقانہ طور پر رہتے تھے اور درپردہ بہرام شاہ سے سازش رکھتے اور اُسکی سلطنت کے خواہاں رہتے تھے اور ظاہر میں سیف الدین کیساتھ اظہار دوستی کرتے تھے۔ جب موسم زمستان آیا اور غور کی راہیں برف سے مسدود ہوئیں تو بہرام شاہ ناگاہ بہت سا لشکر افغانوں اور خلجیوں اور صحرا نشینوں کا لیکر غزنی پر چڑھ آیا۔ غزنی سے دو فرسنگ پر اُسکا لشکر ہوگا کہ سیف الدین نے اہل غزنی سے مشورہ پوچھا کہ میں بہرام سے لڑوں یا غور کو چلا جاؤں۔ ان نفاق پیشہ اہل غزنی نے مشورہ کا حق نہ ادا کیا اور جنگ پر اُس کو ترغیب دی سیف الدین نے المستشار مؤتمن پر عمل کرکے اُن کو مشورہ میں امین جانا اور کچھ فوج غزنی کی اور کچھ سپاہ غور کی لیکر شہر کے باہر صفیں آراستہ کیں۔ ابھی سامان حرب پورا تیار نہ ہوا تھا کہ اہل غزنی نے سیف الدین کو گرفتار کرکے

خوش طبعی کے طور پر بہرام شاہ کے حوالے کیا۔ بہرام شاہ کے حکم سے سیف الدین کا منہ کالا کیا گیا اور ایک مریل بیل پر جو قدم پھر و نہیں اٹھاتا تھا وہ سوار کیا گیا اور سارے شہر میں یوں پھرایا گیا شہر کے لڑکے کیا اور بوڑھے کیا اسکے پیچھے تھے اور گالیاں دیتے تھے اور طرح طرح کی ہنسی اڑاتے تھے اور بعد اس گشت کے بہت بُری گت سے اسکو مارا اور سر کو تن سے جدا کر کے سلطان سنجر پاس بھیجدیا۔ اور اسکے وزیر سید مجد الدین کو بھی دار پہ کھینچا۔ معلوم نہیں کہ یہ کام انسانیت سے بعید بہرام سے اسکی عادت کے خلاف کیونکر سرزد ہوا۔ یہ خبر وحشت اثر علاء الدین کے کان میں پہونچی تو اسکے کلیجے میں آگ لگ گئی اور اپنے بھائی کے انتقام لینے کے لئے جھٹ پٹ لشکر جرار تیار کر کے غزنی پر چڑھ آیا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس اثنا میں بہرام شاہ طومار حیات لپیٹ چکا تھا اور اسکا بیٹا خسرو شاہ بادشاہ ہو چکا تھا۔ مگر روایت یوں مشہور ہے کہ جب بہرام شاہ نے غزنی میں علاء الدین کے آنے کی خبر سُنی تو وہ اپنے لشکر کو تیار کر کے غزنی سے باہر اس سے لڑنے کو آیا۔ اور علاء الدین پاس ایلچی بھیجکر یہ پیغام بھیجا کہ تیری لئے یہی مصلحت ہے کہ اپنے اس بے حاصل ارادہ سے نادم ہو کر واپس چلا جا ورنہ ہزار پہلوانان شیرافگن اور فیلان آہنی تن تیری بیخکنی کیواسطے موجود ہیں میرے ساتھ ستیز کرنے سے پرہیز کر ورنہ سارا خاندان سلاطین غوریہ کا معدوم ہو جائیگا۔ سلطان علاء الدین نے اسکے جواب میں کہلا بھیجا کہ جو کام بہرام شاہ نے کیا ہے وہ دولت غزنویہ کے زوال کی علامت ہے۔ یہ دستور تو بادشاہوں کا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر لشکرکشی کرتے ہیں اور انکے نفوس نفیسہ کو مستاصل کرتے ہیں مگر نہ اس رسوائی و فضیحت کیساتھ کہ تو نے کیا۔ یقین کر کہ زمانہ ضرور تجھ سے انتقام لیگا اور مجکو فتح و ظفر دیگا۔ تو اپنے ہاتھیوں پر گھمنڈ نہ کر۔ اگر تیرے پاس فیل ہیں تو میرے پاس خرفیل ہیں (سلطان علاء الدین کے لشکر میں دو پہلوان تھے جنکا نام خرفیل یعنی فیل کلان تھا) ایلچی نے بہرام شاہ کو جب یہ پیغام سنایا تو بظاہر وہ کچھ متغیر نہوا۔ مگر باطن میں ضرور متاثر ہوا اور دل میں بہت ہراس پیدا ہوا۔ القصہ دونوں لشکروں میں لڑائی شروع ہوئی تلواروں کی چپاچپ اور تیروں کی فشافش کی دھوم مچی بہرام شاہ کا بیٹا دولت شاہ لشکر کا سپہ سالار تھا جس وقت اس معرکہ جان ستان میں اسکی جان گئی تو بہرام کا دل ٹوٹ گیا اور ہندوستان کیطرف بھاگا۔ اس بھگڑ میں فرزند کے رنج سے ایسا رنجور رہا کہ اس سرائے فانی سے دور ہوا صحیح روایت کے موافق سنہ ۵۴۷ھ میں اسکی وفات ہوئی اسکی سلطنت کی مدت کوئی ۳۵ سال اور کوئی ۴۱ سال بتاتا ہے۔

روایت صحیح یوں ہے کہ بہرام شاہ نے جب وفات پائی تو باتفاق امرا خسرو شاہ تخت پر بیٹھا لیکن جب اسکو یہ معلوم ہوا کہ غزنی میں علاء الدین غوری آن پہنچا ہے تو وہ مع اہل و عیال کے ہندوستان کو روانہ ہوا۔

۵۴۷ھ جلوس خسرو شاہ بن بہرام شاہ

اور لاہور میں اقامت کی۔ یہاں ہندؤں نے اُسکی نہایت تعظیم وتکریم کی۔ ان سبکو اس بات کی خوشی تھی کہ اُن کے شہر میں ایک سلطنت قایم ہوگئی۔ اس طرح غزنی کی سلطنت ہندوستان میں منتقل ہوگئی۔

اگرچہ بہرام شاہ اور اہل غزنی کے ہاتھ سے غوریوں نے بہت کچھ جور وستم اُٹھائے تھے اور اُسکے عوض میں جو کچھ علاء الدین کرتا تھوڑا تھا۔ مگر جو اُسنے غضب ڈھایا اور ظلم وستم توڑا اُسکے نام کو وہ دھبّا لگاتا ہے کہ قیامت تک نہ مٹے گا اسکے ظلموں کی تفصیل کیلئے ایک طومار کی ضرورت ہے مگر مختصر یہ ہے کہ ایشیا کا عروس البلاد شہر غزنی جسکے برابر کوئی شہر نہ تھا اُس کو اس ظالم نے تین دن یا سات دن تک ایسا جلایا کہ دھوئیں سے دن رات معلوم ہوتی تھی اور شعلوں سے رات دن معلوم ہوتا تھا۔ اور باشندوں کو قتل کیا اور سارے شہر کو لوٹا یا اور حکم دیا کہ اس شہر کی تخریب وغارت وقتل میں کوئی بات نہ اُٹھا رکھی جائے۔ جب کچھ غیض وغضب کم ہوا تو عوام کے قتل سے ہاتھ اُٹھایا اور خواص پر ہاتھ صاف کیا۔ سید مجد الدین وزیر سیف الدین کے قتل کے خونخواہوں میں منتخب سادات غزنویہ کی ایک جماعت کے گلے میں توبڑے خاک سے بھرے ہوئے ڈالدیئے اور اُنکو فیروز کوہ میں لایا اور وہاں ان توبڑوں کی خاک کو اُنکے خون سے سان کر گارا بنایا اور برج فیروز کوہ میں اُسکو لگوایا جب علاء الدین نے یہ سُنا کہ سیف الدین کی تشہیر کے وقت عورتوں نے بھی دف و دائرے بجائے تھے تو اُن کو بھی قتل کیا۔ کسی پر اُسنے رحم نہیں کیا جو چیزیں خاندان غزنوی کی یاد دلاتی تھیں اُنکو بھی برباد کیا۔ قبریں اُکھیڑ اُکھیڑ کر پھینک دیں۔ مردوں کی ہڈیوں میں آگ لگائی۔ سلطان محمود وسلطان مسعود کی قبروں کو اُن کی شجاعت کے سبب سے اور سلطان ابراہیم کی قبر کو اُسکے زہد کے سبب سے چھوڑ دیا غرض شہر غزنی کو جلا کر خاک سیاہ کیا۔ اور خود جہاں سوز کا لقب حاصل کیا۔

علاء الدین جہاں سوز کی مراجعت کے بعد پائے تخت غزنی کی طمع میں اور سلطان سنجر کی امداد کی اُمید میں لاہور سے سپاہ آراستہ کر کے خسرو شاہ غزنی کیطرف چلا۔ ان ایام میں غزان ترکوں نے سلطان سنجر کو گرفتار کیا تھا اور غزنی کیطرف متوجہ ہوئے تھے خسرو شاہ نے جب اپنے میں اُنکے ساتھ لڑنے کی طاقت نہ دیکھی تو پھر لاہور چلا آیا۔ ترکان عراق دس سال تک غزنی پر متصرف رہے پھر غوریوں نے غزنی کو ان سے لے لیا۔ پھر اُنسے اُمرا خسرو شاہ نے غزنی کو لے لیا۔ بعض کتابوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین جہانسوز کے خوف سے جب خسرو شاہ لاہور چلا آیا تو علاء الدین نے گرمسیر قندہار و تکیناباد کو فتح کیا اور اُسکو سلطان غیاث الدین محمد کو سپرد کیا اور خود غور کو گیا اور جب خسرو شاہ ہند سے فوج لیکر غزنی کو چلا ہے

تو اُسنے خسرو شاہ کی مصالحت اس طرح چاہی کہ وہ تکیناباد کے شہر اور قلعہ کو اُسکو دیدے اور خود غزنی پر قناعت کرے۔ مگر خسرو شاہ نے منظور نہیں کیا تو علاء الدین غوری نے یہ رباعی لکھکر بھیجی رباعی

اول پدرت نہاد کین را بنیاد تا خلق جہاں جملہ بہ بیداد اُفتاد

ہان نہ دہی ز بہر یک تکینا آباد سر تا سر ملک آل محمود بباد

خسرو شاہ کو سلطان سنجر کی امداد کی بڑی اُمید تھی مگر وہ پوری نہوئی سلطان سعید سنجر کے عہد کا خاتمہ ہو گیا علاء الدین جہانسوز کے خوف کے مارے خسرو شاہ پھر لاہور میں بھاگ آیا اور علاء الدین جہان سوز غزنی کو تسخیر کر کے غور گیا۔ ۵۵۵؁ھ میں خسرو شاہ لاہور میں دار السرور کو چلد یا سات سال سلطنت کر گیا۔

جب خسرو شاہ لاہور میں مرا تو اُسکا بیٹا خسرو ملک لاہور میں تخت سلطنت پر بیٹھا سلطان ابراہیم اور سلطان بہرام شاہ کے زمانہ میں جسقدر ہندوستان کا حصہ سلطانوں کے قبضہ میں تھا اُسپر اس بادشاہ نے اچھی طرح حکومت چالی اور انصاف و عدالت سے کام کرنا شروع کیا لیکن سلطان شہاب الدین محمد غوری نے غزنی ہی کو جو اس خاندان کا دار السلطنت تھا لیکر بس نہیں کی بلکہ ہندوستان کی بھی طمع کی۔ پشاور و افغانستان و ملتان و سندہ کو مسخر کر کے ۵۷۶؁ھ میں لاہور کی طرف رُخ کیا۔ خسرو ملک اس سے لڑ نہیں سکتا تھا اس لئے قلعہ نشین ہوا۔ سلطان شہاب الدین خسرو ملک کے ایک بیٹے خرد سال ملک شاہ کو اول میں اور ایک نامی ہاتھی کو لیکر غور چلا گیا۔ ۵۸۰؁ھ میں پھر لاہور آیا خسرو ملک پھر قلعہ میں چلا گیا۔ سلطان نے اس نواح کو تاخت و تاراج کیا اور سیالکوٹ میں اپنا کوئی معتمد حاکم مقرر کر گیا۔

سلطنت خسرو ملک بن خسرو شاہ

گکھڑوں کو ساتھ لیکر خسرو ملک نے سیالکوٹ پہ حملہ کیا مگر ناکام رہا اُلٹا چلا آیا۔ اب سلطان شہاب الدین غوری نے عزم جزم کیا کہ لاہور کو مسخر کرے ۵۸۲؁ھ میں وہ یہاں آیا اور بظاہر خسرو ملک سے اظہار محبت کیا اور ملک شاہ پسر خسرو ملک کو اسباب بادشاہی سے جو کچھ مناسب تھا دیکر کہا کہ باپ سے ملنے کے لیے معتمد آدمیوں کے ساتھ روانہ کیا اور حکم دیدیا کہ اُسکو ہمیشہ شراب پلایا کرو اور آہستہ آہستہ اُسے لیجاؤ اور راہ میں قیام کرتے جاؤ۔ خسرو ملک کو جب بیٹے کے آنے کی خبر ہوئی تو اُسکو سلطان شہاب الدین کی دوستی پر اعتماد ہوا اور عیش و طرب میں مشغول ہوا۔ ہنوز ملک شاہ راہ ہی میں تھا کہ سلطان شہاب الدین غوری بیس ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ لیکر غزنی سے ایلغار کر کے راوی کے کنارہ پر آپہونچا۔ جب صبحکو خسرو ملک خواب غفلت سے بیدار ہوا تو اُس نے دریا کے کنارہ پر لشکر دیکھا تو ناچار عاجز ہو کر اماں چاہی

اور سلطان سے جا کر ملا۔ اس حیلہ سے بے خرخشہ و جنگ کے شہاب الدین غوری کے ہاتھ لاہور آیا
غزنی کے خاندان سے غوریون کے خاندان مین سلطنت منتقل ہوگئی۔ سنہ ۵۹۲ھ مین خسرو ملک غرجستان
کے قلعہ برزوان مین قید کیا۔ سنہ ۵۹۸ھ مین اُس کو اور اُس کے بیٹے بہرام شاہ کو جو قلعہ سیف رود غور مین قید
تھا دونون کو شہید کیا۔ یون آل سبکتگین کا نشان باقی نرہا اور خسرو ملک پر آل سبکتگین کی سلطنت کا
خاتمہ ہوگیا۔ یہی ختم الملوک اس خاندان کا ہوا فقط۔

فصل سوم
خاندان غوری

غور کو غورستان بھی کہتے ہین اور وہ ہرات اور غزنی کے درمیان ایک کوہستانی ملک ہے اسی نام مین
یہ قدیمی دارالقرار افغانونکا ایک ویرانہ شہر ہے جو ہرات سے مشرق جنوب مین ۲۰۰ میل پر افغانستان مین ہے
غوریون کے سلاطین کے نسب کی نسبت عجیب روایات ہین۔ طبقات ناصری مین لکھا ہے کہ سلاطین غوریہ
کے نسب نامہ کو مولانا فخرالدین مبارک شاہ نے نظم مین لکھا ہے اور سلسلہ نسب کی ابتدا ضحاک پارسی سے
کی ہے مشرقی مورخین تو ضحاک کو بادشاہ مانتے ہین اور کہتے ہین کہ وہ بڑا جابر ظالم تھا اُس نے اپنے باپ کو
ہلاک کیا اور عرب کا بادشاہ ہوا اور جمشید سے سارا ملک چھین لیا اُس کے پاس ایک سونے کی تختی تھی جسکے
سات سوراخ پر دنیا کی ساتون اقلیمون مین سے ایک ایک اقلیم کا نام لکھا ہوا تھا جو اقلیم اُس سے بغاوت
کرتی وہ اس سوراخ سے جو اس اقلیم سے منسوب تھا اپنا سحر پھونکتا تو اس ولایت مین قحط و وبا آجاتے
اُسکے کندھے پر دو مار مردم خوار بھی کہتے ہین کہ تھے۔ غرض اس بادشاہ کے افسانون سے بہت سے
صفحے سیاہ کرتے ہین مگر مغربی مورخین کہتے ہین کہ ضحاک کوئی ایران کا بادشاہ ہی نہ تھا فقط شاعرون
نے اپنے خیال سے گھڑ لیا ہے اور اُسکے افسانے بنا کے لکھ دیئے ہین ہان غور کے باب مین مشرقی ارباب تاریخ
و سیر کا یہ ارشاد ہے کہ جب ضحاک تازی پر فریدون غالب ہوا تو ضحاک کی اولاد مین سے ایک گروہ کو ایسے
مامن کی تلاش ہوئی کہ وہ دشمنون کو نہ ملے اور اگر ملے تو پھر انکو قدرت نہ حاصل ہو بعد بہت سی تگ و پو
جستجو کے کوہستان بامیان مین کہ بلخ و کابل کے درمیان ہے بامناد مین ضحاک کے بیٹون مین سے
دو جنکے نام سور و سام تھے آئے اور اس مقام کو مستحکم کیا اور سور اپنے قبیلہ کا سردار اور سام سپہ سالار
ہوا۔ سور کی دختر سام کے پسر شجاع سے بیاہی گئی جب سام مرگیا تو اُسکا بیٹا شجاع سپہ سالار ہوا

اور چچا کی خدمت مین رہا مگر لوگون نے لگا بجھا کر چچا بھتیجے مین ایسی بگڑوا دی کہ چچا نے یہ چاہا کہ میری
بیٹی کو بھتیجا طلاق دیدے۔ امیر شجاع خفا ہو کر ایک رات کو مال اسباب نقود و جواہر و اہل و عیال کو لیکر
جبال غور مین چلا آیا اور یہان پہونچکر کہا کہ بیندیش اسلیئے مقام کا نام بیندیش ہی ہے یہان قلعے مستحکم بنائے
فریدون کو جب اسکا حال معلوم ہوا تو اس نے اپنا لشکر یہان لڑنے کو بھیجا وہ مدتون تک لڑتا رہا۔ آخرکار
ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ اہل غور باج خراج دیا کرین اور فقط غور ہی پر قناعت کرین کسی اور ولایت سے تعرض
نہون۔ اس خاندان مین مدت تک سلطنت نسلاً بعد نسل چلی اور شنسب پر نوبت پہونچی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
کے دست مبارک پر مسلمان ہوا اس لیے خاندان کا لقب شنسبانی ہوا۔ غرض باقی حال تاریکی مین ہے۔ پھر
یہان سے تاریخ کا سلسلہ چلتا ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے محمد سوری حاکم غور اور اسکے بیٹے کو گرفتار کر کے قید کیا
جنکا ذکر ہم پہلے کر چکے محمد سوری نے اپنے بیٹے حسن سے کہا کہ میری عمر تو ختم ہو چکی ہے میری آرزو یہ ہے کہ تو
غور جا تاکہ ہمارا خاندان بالکل مستاصل نہو جائے۔ قید خانہ مین ایک کھڑکی جنگل کیطرف نشیب گزاوچی تھی۔
محمد سوری نے بیٹے کی بیڑی کو توڑا اور اپنے نیچے بچھانے کے کمبل کی رسی بٹی اور اپنے بیٹے کو اس مین لٹکا کر
قید خانہ سے نکالا اور وہ غور مین پہونچا اور وہان اپنی حکومت کرنے لگا۔ جب سلطان محمود کو اسکی خبر ہوئی تو اسنے
محمد سوری کو مار ڈالا اور حسن ابن محمد سوری کو غور کی ایالت پر قائم کیا اسکا بیٹا حسین ہوا اور اس حسین کے سات بیٹے
ہوئے جب غزنی مین بہرام شاہ سلطان ہوا اور اسکی سلطان سنجر سے لڑائی ہوئی تو حسین کے بیٹون سے
اسنے مصالحت کی کے جنمین جو بڑا تھا اسکو طلب کیا اور ملک قطب الدین جو نبیرگان اولاد حسین مین سے تھا وہ غزنی
مین گیا اور مدتون تک اس پاس ناہر کسی سبب سے بہرام شاہ نے اسکو قتل کر ڈالا۔ اسی سبب سے غزنویون اور
غوریون مین عناد ہو گیا اور آپس مین ایک دوسرے کے ملک کے خواہان ہوئے ایک اور قول یہ ہے کہ محمد
بن سوری معاصر سلطان محمود غزنوی کا تھا وہ بغاوت کے سبب سلطان کے ہاتھ مین زندہ اسیر ہوا اور
حکومت غور کی اسکے بیٹے ابو علی کو تفویض ہوئی اس نے بھی اپنے باپ کا طریقہ سرکشی کا اختیار کیا تو ابو علی
کے بھتیجے ابو عباس کو غور کی سلطنت سپرد ہوئی سات برس تک اسنے ظلم اور ستم کیا بڑا قحط پڑا آخرکار وہ
بھی سلطان ابراہیم کے عہد مین قید ہوا اور محمد بن عباس اسکا جانشین ہوا اور سلطان غزنی کی اطاعت کرتا رہا
غرض ان سلاطین غوریہ کا قائم قطب الدین حسن بن محمد بن عباس ہو گیا اسکی آنکھ مین تیر لڑائی مین لگا
اور اسی صدمہ سے مر گیا۔ اسکا بیٹا سام سلاطین غزنویہ کی تسلط کے سبب ہند مین بھاگ آیا اور تھانہ مین یا

نوکر ہوا اگرچہ مسلمان ہوگیا اور یہان تجارت کرنے لگا آخر کو وطن کی محبت نے جوش کیا۔ اہل و عیال سمیت غور کی جانب دریا کی راہ سے روانہ ہوا۔ باد مخالف سے کشتی غرق ہوئی اور سب اہل کشتی غریق لجہ فنا ہوئے مگر اعزالدین حسین بن سام بچگیا ایک کشتی کا تختہ اُسکو ہاتھ لگ گیا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے ایک شیر بھی اس تختہ پر اسکے ساتھ بیٹھ گیا سے خوش ست آوارگی اور اکہرا ہے جہان باشد بہو کا تین رات دن تک مصیبتین اٹھا کر کنارہ پر پہونچا شیر تختہ سے کود اعزالدین اس بلا سے چھوٹا ایک شہر نظر آیا اُسمین پہونچا مسافرون کی طرح رات کو ایک دُکان پر سوگیا۔ کوتوال شہر نے اُسکو چور جان کر پکڑلیا۔ قیدخانہ مین بھیجدیا وہان اتفاقاً بادشاہ بیمار ہوا اُس کے صدقہ مین جو قیدی چھوٹے اُنمین یہ بھی صدقہ اثناء اُسکا راہ مین قزاقون سے ملا انہون نے اُسکو خوبصورت اور قوی جوان دیکھکر بردستی اپنا سردار بنایا گھوڑا اور لباس دیا بدنصیبونکی کم بختی سے سلطان ابراہیم غزنوی کے آدمیون نے اس گروہ کو گرفتار کیا سلطان نے سبکی گردن مارنیکا حکم دیا جسوقت جلاد نے حسین کی آنکھون پر پٹی باندھی اُس نے فریاد اور واویلا مچائی اور کہا کہ اے خدا تیرے ہان غلطی نہین ہوتی مین بے خطا قتل ہوتا ہون تیرے ہان ظلم نہین پھر مین کیون بیگناہ مارا جاتا ہون۔ جلاد نے کہا کہ ساری عمر رہزنی کرتا رہا۔ ابتک اپنے تئین بیگناہ کہتا ہے حسین نے اپنی ساری سرگذشت سنائی اُسپر جلاد کو رحم آیا۔ ایک سردار کی معرفت یہ ماجرا سلطان کے کان تک پہونچوایا۔ بادشاہ کو بھی رحم آیا اُسکو بلوایا۔ بشرہ سے آثار نجابت ظاہر تھے۔ انہون نے اُسکے قول کی صداقت کی۔ بادشاہ نے اُسپر عاطفت شاہانہ فرما کر مقربین مین داخل کیا۔ پھر امیر حاجب کا عہدہ عطا کیا اور اپنی لڑکی کی شادی اُسکے ساتھ کردی اسطرح روز بروز جاہ و اعزاز اُسکا بڑہتا گیا۔ اور جب سلطان مسعود بن سلطان ابراہیم تخت پر بیٹھا تو غور کا حاکم حسین مقرر ہوا۔ انگریزی مورخ اس ساری داستان کا یہ نتیجہ نکالتے ہین کہ غور کی حکومت کسی جوہر دار آدمی نے سلاطین غزنویہ کی بدولت حاصل کی اور یہ آدمی یا تو اصل حقیقت مین غوری تھا یا کسی غوری سردار کی دامادی کے رشتہ سے غوریونمین داخل ہوا اور پھر اپنے حسب و نسب کے چھپانے کیواسطے یہ ایک داستان گھڑلی جب غزنی مین سلطان مسعود بن ابراہیم بادشاہ ہوا تو حسین کو حکومت غور عنایت کی اور درجہ اُسکا بلند کیا جب حسین مرگیا تو بہرام شاہ غزنوی اور حسین کی اولاد مین چند دفعہ جنگ ہوئی بہرام شاہ اور علاء الدین جہان سوز سے کہ ارشد اولاد مین تھا ایک جنگ عظیم ہوئی خاندان غزنویہ کے بیان مین اس لڑائی کا حال ہم پہلے لکھ چکے ہین کہ کیا کیا ہوا۔

سلطنت سلطان علاء الدین جہانسوز

علاء الدین جہانسوز کے حالات جو غزنی سے متعلق ہین وہ ہم سلطان بہرام شاہ غزنوی کے ذکر مین بیان کر چکے ہین اب وہ غزنی کے سب کامون سے فارغ ہوکر اور اپنا انتقام لیکر فیروزہ کوہ مین آیا اور سلطان کا لقب اختیار کیا۔ عیش و نشاط مین مشغول ہوا اگرچہ عیش کی صحبت دونون نصیب ہنوا سلطان کو جو خراج ہمیشہ بھیجا کرتا تھا وہ نہ بھیجا بلکہ ہرات اور بلخ کو دبا لیا۔ اسپر سلطان سنجر سے ایک معرکہ ہوا سنجر غالب ہوا علاء الدین اسیر ہوا سنجر نے کہا کہ اس کے پاؤن مین بھاری بیڑیان ڈالی جائین تو اُس نے سلطان سے کہا کہ مجھے یہ توقع ہی کہ میرے ساتھ وہ سلوک کرے جو مین نے اُسکے لئے سوچا تھا سلطان سنجر نے پوچھا کہ تو نے کیا سوچا تھا جواب دیا کہ بیشے آپکی عزت کے سبب چاندی کی زنجیرین بنوائی تھین کہ اگر آپ میری قید مین آئے ہوتے تو وہ بیڑیان آپ کو پہناتا سلطان نے حکم دیا کہ وہی بیڑیان پیدا کر کے اسکے پاؤن مین ڈالدی جائین۔ علاء الدین کی ذکاوت مشہور تھی طبع لطیف تھی اور شعر خوب کہتا تھا اسلئے سلطان سنجر نے اُسکو رہا کر کے اپنا ندیم اور مجلس خاص کا جلیس بنایا ایکدن سلطان کے روبرو ایک طبق موتیون کا بھرا ہوا آیا وہ اُسنے علاء الدین کو دیدیا جسپر اُس نے یہ رباعی فی البدیہہ کہی رباعی

بگرفت و بکشت شہرا در صفِ کین | با آنکہ بکشتنی از روے کین
وانگہ بطبق ہمی دہدم در ثمین | بخشایش بخششم جہان کرد چنین

ایک دن سلطان سنجر موزہ اُتار کر اپنے پاؤن کو پھیلا کر پاک کرتا تھا کہ علاء الدین کی نظر اُس پر جا پڑی سلطان سے اجازت لیکر بوسہ دیا اور یہ رباعی اُسیوقت کہی رباعی

اے خاک سُم مرکب تو افسر من | وے حلقۂ بندگیٔ تو زیور من
تا خاک کف پاے ترا بوسہ زدم | اقبال ہمے بوسہ زند بر سر من

بعد ازان سلطان سنجر نے علاء الدین جہانسوز کو غور مین سلطنت دیدی اور وہان جا کر سلطنت کے کامون مین مشغول ہوا جب سلطان علاء الدین سنجر کی قید مین تھا تو غور مین دنگا اور فساد برپا تھا اس لئے اعیان غور نے ملک ناصر الدین محمد کو تخت پر بٹھا دیا تھا۔ مگر وہ رات دن عورتون سے شغل رکھتا تھا اور سلطنت کا کام کچھ نہین کرتا تھا جب سلطان علاء الدین قید سے رہا ہوکر اور غور کا بادشاہ بنکر آیا تو ناصر الدین کو عورتون نے تشویش دیکر اُسکا دم نکال لیا سلطان علاء الدین پھر تخت پر بیٹھا اور فتوحات کے درپے ہوا بلاد بامیان اور طخارستان کا انتظام کیا اور بلاد داور و فرم و بست کو تسخیر کیا

خرسان مین قلعہ تولک غرجستان کو فتح کیا اور بعض اور قلعے فتح کئے اس کے آخر عمر مین ملاحد الموت کے ایلچی بہت آئے اور وہ اُنپر بہت مہربانی کرتا تھا اس لئے بدنام ہوتا تھا تھوڑے دنون بعد چار برس کچھ دنون سلطنت کرکے ۵۵۱ھ ۱۱۵۶ء مین رحمت حق سے پیوستہ ہوا۔

جب سلطان علاء الدین جہانسوز اس جہان سے رخصت ہوا تو سب ملوک و اکابر نے متفق ہوکر اُسکے بیٹے سلطان سیف الدین محمد کو فیروزہ کوہ مین تخت سلطنت پر بٹھایا۔ سلطان علاء الدین جب غزنی کو تباہ کرکے غور مین آیا تھا تو اس نے اپنے بھتیجون غیاث الدین محمد اور معز الدین محمد کو سنجہ مین حاکم مقرر کیا تھا ان دونون بھائیون کے مزاج مین سخاوت و شجاعت بہت تھی۔ اسلئے وہ مرجع خلائق بنگئے علاء الدین کو اس سبب سے بھتیجون کیطرف سے وہم پیدا ہوا۔ اُنکو جرجان کے قلعہ مین قید کردیا۔ اصل سبب اسکا یہ تھا کہ بھتیجون کی لیاقت کے سبب سے اسکو یہ اندیشہ پیدا ہوا تھا کہ اسکا بیٹا سیف الدین کہین سلطنت سے محروم ہوجائے۔ مگر جب یہ بیٹا بادشاہ ہوا تو وہ ایسا نیک دل تھا کہ اُسنے اپنے چچیرے بھائیون کو جرجان کے قلعہ سے رہائی دی یہ اس بادشاہ کا بڑا نیک کام عدل کا تھا۔ ہمنے پہلے بیان کیا ہے کہ ملاحد الموت کے حال پر اُسکے باپ کو نظر التفات تھی مگر یہ بادشاہ سُنّی شریعت پرور تھا ملک غور سے ان ملاحدہ کا استیصال کلی کردیا۔ اس کے عہد مین رعیت بڑے چین سے رہتی تھی۔ مگر اس نیک سیرت بادشاہ کی سلطنت دوران گل کیطرح بقا نرکھتی تھی بہت جلد اسکا رشتہ حیات اسطرح منقطع ہوگیا کہ ایکدن وہ اپنے سراپردہ مین چاندماری پر تیر لگا رہا تھا اور امراء غور بھی اُس کے ساتھ سوار تھے انمین سپہ سالار درمیش بن شیش بھی اور اُسکا بھائی ابو العباس بھی تھا۔ اس زمانہ مین امراء غور مین یہ رسم تھی کہ جس کسی کو خلعت دیتے تو اس مین جواہرات سے مرصع زرین دستانے بھی دیتے تھے۔ اس سپہ سالار درمیش کے ہاتھ مین وہ دستانے مرصع جو ملک ناصر الدین حسین نے خلعت مین دیئے تھے وہ سلطان سیف الدین کی بیوی کے ہاتھ کے تھے اُنکو دیکھکر سلطان کو غیرت آئی حمیت سلطنت سے سینہ مین ایک شعلہ غضب اُٹھا اُس نے کہا کہ درمیش چاندماری مین سے تیر نکال لا حسب الحکم درمیش لینے آماج کیطرف مُنہ کیا تو پشت اُسکی سلطان کیطرف ہوئی۔ سلطان نے کمان تانکر ایک تیر ایسا اُسکو مارا کہ وہ اُسکے جگر کے پار ہوگیا اور بیخبر مرگ ناگہانی نگلیا

دولت سنجری کا دور آخر ہوچکا تھا امراء غزان کا غلبہ تھا۔ اطراف غور مین بھی اُنکی تاخت و تاراج کا بازار گرم تھا سلطان سیف الدین باپ کے ملک کا انتظام کرکے اس فساد کے مٹانے کیطرف متوجہ ہوا۔ وہ غرجستان اور ولایت مادین کیطرف آیا اور ہیرو و بامرو کی طرف گیا اور شہر وزق سے گذر کر غزنے

سپہ سالار ابو العباس اپنے سینہ میں کینہ اپنے بھائی کے قتل کا لئے ہوئے موقع کی تلاش میں تھا۔ لڑائی میں وہ سلطان کے پس پشت آیا اور سلطان کے پہلو میں ایسا نیزہ مارا کہ وہ زین سے زمین پر گرا اور ابو العباس نے چلا کر یہ کہا کہ مرد انرا بر روے آب نکشند چنانچہ برادر مرا کشتی چنین جائے کشند۔ جب سلطان گرا تو لشکر کا بھی منہ لڑائی سے پھرا اور سلطان کی یہ خبر نہ ملی کہ کہاں پڑا ہے۔ ایک غلام اسکے سر پر آگیا ہنوز وہ زندہ تھا وہ بادشاہ کے جامہ وکمر کی تلاشی لینی چاہتا تھا مگر اسکی جلد نہ کھلی تو اسنے بند کمر پر چھری لگائی اور چھری کی نوک سلطان کے پیٹ میں گھپ گئی اور اس زخم سے وہ شہید ہوا۔ وہ صرف ایک برس بادشاہ رہا۔

سلطان غیاث الدین اور سلطان معز الدین دونوں سگے بھائی تھے غیاث الدین تین برس کچھ دنوں اپنے بھائی سے بڑا تھا جب یہ دونوں بھائی سلطان سیف الدین سے رہا کئے۔ غیاث الدین فیروزہ کوہ میں سلطان سیف الدین کی خدمت میں رہنے لگا اور معز الدین اپنے چچا ملک فخر الدین مسعود پاس بامیان میں چلا گیا۔ غیاث الدین غز کی لڑائی میں سلطان سیف الدین کے ساتھ تھا کہ وہ مارا گیا اور لشکر شکست پا کر بھاگا۔ ابو العباس جسنے سیف الدین کے نیزہ مارا تھا وہ غیاث الدین پاس آیا اور سب کا کابر اور امرا و شرفا نے لشکر کو جمع کیا اور غیاث الدین کو تخت پر بٹھایا اور سب نے اسکی بیعت کرائی پہلے غیاث الدین کا نام شمس الدین تھا اور اسکے بھائی کا نام شہاب الدین تھا جو خراسان فتح کرنے کے بعد معز الدین ہوا مگر تاریخوں میں شہاب الدین ہی نام مشہور ہوا جب شہاب الدین نے بھائی کے بادشاہ ہونیکی خبر سنی تو وہ چچا سے اجازت لیکر بامیان سے بھائی پاس فیروزکوہ میں آگیا چونکہ سپہ سالار ابو العباس نے سلطان غیاث الدین کو بادشاہ بنایا تھا اس لئے وہ کمال عزت وعظمت کیساتھ زندگی بسر کرتا تھا اور سلطان کو ہو سلطنت میں بہت سا وہ اختیار نہ دیتا تھا اور عوز لو کے دلمیں اسکی شوکت وحمایت بہ نسبت سلطان غیاث الدین کے زیادہ تھی۔

سب متمردہ اسی کیطرف رجوع کرتے تھے۔ ان دونوں بھائیوں کو جب یہ یاد آتا تھا کہ ملک سیف الدین کو زین سے زمین پر اسنے گرایا ہی تو دلوں میں انتقام کا جوش اٹھتا تھا اس سبب آخر کو ان دونوں بھائیوں نے مشورت کر کے ایک خاص اپنے ترک کو حکم دیا کہ جب ابو العباس دربار میں آئے اور شہاب الدین اپنے ہاتھ کو اٹھا کر اپنے سر پر لگا لے تو وہ ابو العباس کا سر اوڑا لے چنانچہ یہی ہوا کہ ابو العباس کا سر اسطرح تن سے جدا ہوا ابو العباس کا اس حال میں بھی میان سے تلوار کھینچی مگر آدھی کھچی رہی پوری کھینچنے کی طاقت نہ تھی اب ابو العباس کے قتل کے بعد ملک فخر الدین مسعود کو بھتیجوں کی سلطنت کی طمع دامنگیر ہوئی

اور تاج الدین یلدوز حاکم ہرات اور علاء الدین قماج والی بلخ سے استمداد کی اور وہ اُنکی معاونت کے لیے اپنے ملک سے چلے کہ سلطان غیاث الدین نے ان دونون کے روکنے کے لئے اُن کی راہ مین لشکر بھیجا لشکر نے ان دونون سرکشون کو مار ڈالا اور مظفر و منصور واپس آئے یلدوز کا سر اور قماج کا علم ملک فخر الدین پاس بھیجا گیا انہین دیکھکر اپنی یورش سے پشیمان ہوا اور مراجعت کا ارادہ کیا کہ اس اثنا مین افواج غور نے چارون طرف سے اُسکو گھیر لیا اس سپاہ کے پیچھے سلطان غیاث الدین اور سلطان شہاب الدین بھی آئے جب اُنکو معلوم ہوا کہ انکا چچا ملک فخر الدین اسطرح گھرا ہوا ہی تو وہ گھوڑون پر سے اُترے اور اپنے چچا کی خدمتمین حاضر ہوئے اور اپنی لشکرگاہ مین لیگئے اور تخت پر اُسکو بٹھایا اور دونو بھائی کمر بستہ اور دست بستہ کھڑے ہوئے ملک فخر الدین نہایت شرمسار اور سراسیمہ ہو کر تخت سے اٹھا اور بھتیجون سے کہا کہ تم مجھے مسخر اور مسخرہ کرتے ہو مگر ان نیک بھتیجون نے ایسی معذرت کی کہ جس سے یہ شبہہ اُسکا رفع ہو گیا اور وہ بامیان کیطرف چلا تو اُس کے ساتھ ایک منزل پہ پہنچے گئے اور پھر پھر آئے جب ملک غور مین سلطان غیاث الدین کا تسلط ہو گیا تو اُس نے زمین داور اور گرمسیر پہ لشکرکشی کی اور اس دیار کو مسخر کیا۔ پھر بادغیش پہ متوجہ ہوا اُسکو بھی اُس نے زیر کیا غرجستان کے حکام سے ملا اس سرزمین مین بھی اُسکی حکومت قایم ہوئی ۔

سنہ ۵۶۹ھ / ۱۱۷۳ء غزنی کو جو ترکون کے ہاتھ مین بارہ برس سے تھا فتح کر لیا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی شہاب الدین کو یہانکی حکومت دی اور سلطان محمود کے تخت پہ بٹھایا اور خود فیروزہ کوہ مین آیا دو سال بعد غور و غزنی کے لشکرون کو جمع کر کے دار السلطنت ہرات پر لیگیا۔ یہان ان دنون بہاء الدین طغرل حاکم تھا اور وہ سنجر کے غلامون مین تھا وہ شہر کو چھوڑ کر چلا گیا اور خوارزم شاہ سے جا ملا سلطان نے ہرات لیلیا۔ پھر دو سال بعد اُس نے پوشنج کو فتح کیا جب ملوک سیستان نے دیکھا کہ سلطان تسلط اکثر بلاد خراسان پہ ہو گیا تو انہون نے بھی ایلچیون کی معرفت اپنی اطاعت کا اظہار کیا سلطان غیاث الدین کی روز بروز ترقی ہوتی جاتی تھی سنہ ۵۹۶ھ مین نشاپور پر لشکرکشی کی علی شاہ ابن تکش خان نے دروازہ بند کیے اور خود خوارزم شاہی شاہزادون کو لیکر ایک برج مین چلا گیا بحسب اتفاق سلطان کا گذر اس برج کے پاس ہوا اُس نے حکم دیا کہ منجنیق سے برج مین رخنہ کیا جائے یہ اتفاق کی بات ہی کہ برج مین خود ہی رخنہ ہو گیا جس سے شہر مسخر ہو گیا وہان سے سلطان نے مراجعت کی ایک سال بعد مرو کو لیلیا غرض کل خراسان مین اُسکا فرمان نافذ ہوا کہ وہ فرمان شاہی آیا کہ جسکی نافرمانی ممکن نہین جس سے اُسکو ملک عقبی مین جانا پڑا ہرات کی جامع مسجد مین اُسکا مدفن بنا اس لیے

اُسنے یہ مسجد بنائی تھی وہ ساٹھ سال جیا اور ۴۳ سال سلطنت کی سلطان سے پہلے غوریونکا مذہب کرامیان تھا اور سلطان غیاث الدین نے شافعی مذہب اختیار کیا اور ہرات کی جامع مسجد مین شافعی مذہب کے امام مقرر کئے اس مسجد کی شان و رفعت کی تعریف اس زمانہ مین بعید اور زمانہ آیندہ مین بھی چلی گئی

حالات سلطان غیاث الدین غوری

سلطان غیاث الدین کو آغاز جوانی مین عیش و عشرت کیطرف رغبت تھی اور شکار کا ازحد شوق تھا ایک وسعت عظیم مین سرا اُس نے اور ونکو شکار کھیلنے کے لئے منع کر رکھا تھا زمین داور مین ایک باغ بنایا تھا اسکا نام باغ ارم رکھا تھا واقعی وہ باغ بہشت ہی تھا۔ ہرسال مین شکار کا جلسہ ہوتا تھا سیکڑون شکاری جانور وہان آتے اور ام شکار کھیلتے رقص و سرود می ورو دیکھے جلسے ہوتے ایک دن سلطان شکار کو اُٹھا تو فخر الدین مبارک شاہ نے یہ رباعی پڑھی جسکو سنکر سلطان پھر عیش مین مصروف ہوا۔ رباعی

اندر سے و معشوق و نگار آویزی ۔۔۔ بہ زان باشد کہ از شکار آویزی

آہوئے بہشتی جو بدام تو درست ۔۔۔ اندر بز کوہی چہ کار آویزی

سلطان غیاث الدین نے جب شراب سے توبہ کی کہ سلطان خوارزم کا لشکر دہانہ شیر سرخس مین آیا اُسنے اپنا ایک ایلچی سلطان پاس بھیجا جس کے لئے ایک مجلس عشرت مہیا ہوئی۔ ایلچی کو بہت شراب پلائی کہ جس سے حال سلطان شاہ کا معلوم ہو۔ یہ ایلچی جب مست ہوا تو مطرب کہا کہ یہ رباعی گاوے۔

آن شیر کہ بالش او دہانہ است مقیم ۔۔۔ شیران جہان ازو ہراسند عظیم

اے شیر تو از دہانہ دندان بنمائے ۔۔۔ کین باہمہ در دہان شیر اندر نہیم

یہ سنکر سلطان غیاث الدین کا رنگ متغیر ہوا تھا کہ اس رباعی کے جواب مین خواجہ صفی الدین محمود نے یہ رباعی

آن روز کہ ما رایت کین افرازیم ۔۔۔ وز دشمن مملکت جہان پردازیم

شیرے ز دہانہ گر نماید دندان ۔۔۔ دندانش بگرز در دہان اندازیم

سلطان یہ رباعی سنکر خوش ہوا اور شاعر کو خلعت و انعام دیا۔

سلطان غیاث الدین کے مرنے کے بعد اُسکا بھائی سلطان شہاب الدین محمد غوری بادشاہ ہوا ان دو نوں بھائیوں مین ساری عمر اخلاص پیار رہا۔ ایک شہریار تھا دوسرا سپہ سالار مگر امور سلطنت مین دونو نکا اقتدار برابر تھا۔ پہلا اسکے کہ ہم سلطان غیاث الدین کے جانشین سلطان معز الدین عرف سلطان محمد غوری کا حال لکھین ہندوستان کا حال لکھتے ہین کہ ان دونون مین دہلی اور قنوج ہندوستان کے فرما

ہندوستان کا حال

کے مرکز تھے۔ یہاں کے ہر ایک راجہ کو شمالی ہند میں اپنی فوقیت کا دعوی تھا۔ دہلی اور اجمیر میں پرتھی راج چوہان جو رائے پتھورا مشہور ہے راج کرتا تھا وہ بڑا بہادر و جوانمرد راجہ تھا۔ اسپر یہ نام زیب دیتا تھا۔ قنوج میں راٹھور راجہ جے چند راج کرتا تھا جسکی راجدھانی اب بھی آٹھ میل کے سرکل میں ٹوٹی پھوٹی اینٹوں اور کنکر پتھروں و روڑوں سے بھری پڑی ہے اس نے گھوڑے کی قربانی یعنی راجسو جگ کیا جس سے معلوم ہوا کہ اسکی برابر کوئی راجہ ہندوستان میں نہیں ہے۔

اس راجسو جگ میں خدمتگاری کے تمام کام ان راجاؤں کو کرنے پڑتے ہیں جو بڑے راجہ کے زیر فرمان ہوتے ہیں۔ انہیں راجہ دہلی کو دربانی کی خدمت کے لئے بلایا گیا۔ اس جگ کے اندر قنوج کے راجہ کی لڑکی کا سوئمبر بھی تھا یعنے وہ مجلس جس میں لڑکی اپنے شوہر کو پسند کرتی ہے۔ دہلی کا راجہ گو اس لڑکی پر فریفتہ تھا۔ مگر اس لئے اس دربانی کی ذلت کو گوارا نہ کرتا تھا وہ اس رسم میں قنوج میں آکر شریک نہوا تو راجہ قنوج نے اسکی بے ڈھنگی سی مورت بنا کے دروازہ پر کھڑی کر دی۔ جب راجہ کے دربار میں لڑکی آئی تو راجاؤں کے حلقے کی طرف شرمگین آنکھوں سے دیکھتی ہوئی اور مغرورانہ رفتار سے چلتی ہوئی دروازہ پر گئی اور وہاں جو یہ بے ڈھنگی مورت رکھی ہوئی تھی اس کے گلے میں ہار ڈالدیا۔ راجہ دہلی یہ سنکر اسپ باد رفتار پر دوڑا آیا اور رانی کو اپنے گھوڑے پر سوار کر کے اپنی دارالسلطنت کو لیگیا۔ قنوج کا راجہ سپاہ لیکر اسکے پیچھے دوڑا اور افغانوں کو بلایا کہ دہلی میں دوسری طرف سے حملہ کریں اس طرح دونوں سلطنتیں ہندوؤں کی غارت ہو گئیں۔ یہ ہندوؤں کا افغانوں کا بلانا مسلمانوں کی کسی معتبر تاریخ میں نہیں لکھا مگر انگریزی تاریخوں میں معلوم نہیں کس سند و استشہاد پر یہ لکھا جاتا ہے۔

سلطان شہاب الدین کے عہد دولت میں رجپوتوں کی چار بڑی سلطنتیں تھیں۔ دہلی میں راجپوتوں کی قوم توار یا تومر راج کرتی تھی۔ دوسری اجمیر میں رجپوتوں کی قوم چوہان اور تیسری قنوج میں رجپوتوں کی قوم راٹھور۔ اور چوتھی گجرات میں رجپوتوں کی قوم بگھیلے۔ دہلی میں قوم توار کا راجہ اننگ پال تھا اس کے کوئی بیٹا نہ تھا صرف بیٹیاں ہی تھیں جنمیں سے ایک کی اولاد راجہ قنوج تھا۔ اور دوسری کی اولاد پرتھی راج تھا جس کو اننگ پال نے متبنے کر لیا تھا اس سبب پرتھی راج دونوں سلطنتوں دہلی اور اجمیر کا راجہ ہو گیا۔ اجمیر کی سلطنت اسکو اپنے باپ سومیشور سے ہاتھ آئی اور دہلی کی سلطنت نانا سے میراث میں پائی۔ یہ میراث جے چند راجہ کو نہ بھائی۔ یہی دونوں راجہ مغربی و شمالی حملوں کی ٹکروں کا جواب دیتے تھے مگر انمیں آپس میں بہت چشمک تھی کہ پرتھی راج کے ساتھ ہمیشہ ۱۰۸ راجاؤں میں سے ۶۴ راجا عہدہ کے گرد رہتے تھے

کہ اگر یہ پہوٹ نہ پڑتی تو بہی رجپوت مسلمانون کے حملون کی تاب نہ لاسکتے۔

سلطان شہاب الدین مدت سی ہندوستان پر فریفتہ تہا یہی بادشاہ وہ ہی جس نے اہل اسلام کی سلطنت
کی بنیاد اس استحکام کے ساتہہ قایم کی کہ انگریزونکی عملداری تک وہ چہہ سو برس تک چلی دو برس تک سلطان
محمد غوری غزنی کے بندوبست مین مصروف رہا۔ پہر ۵۷۱ھ ؁۱۱۷۵ع مین ملتان کو فتح کیا۔ قرامطہ نے اس ملک
مین بڑا فساد کر رکہا تہا اُس سب کو مٹایا۔ پہر ۵۷۲ھ ؁۱۱۷۶ع مین اُس نے اوچہ کو فتح کیا یہ مقام وہان ہی جہان
پنجاب کے دریا اکہٹا مین ملتے ہین اوچہ کا راجہ ایک قلعہ مین متحصن تہا جب یہ قلعہ یون فتح ہوا تو سلطان نے
راجہ کی رانی پاس آدمی کے ہاتہہ پیغام بہیجکر اس وعدہ پہ اُسکو فریفتہ کیا کہ اگر تیری سعی سے یہ قلعہ فتح ہو جاے
تو مین تجہہ سے نکاح کرکے ملکہ جہان بناؤنگا۔ اس رانی کے دلمین سلطان کی شوکت وحشمت کا خوف بیٹہا
ہوا تہا اُس نے سلطان سی کہلا بہیجا کہ مین تو نکاح کے لائق نہین ہون مگر میری لڑکی نہایت حسین ہے
اگر اُس سے نکاح کرے اور بعد فتح کے سب مال اور اسباب پر طمع نکرے تو مین راجہ کو دفع کر دیتی ہون
سلطان نے یہ شرائط قبول کرلین اس رانی نے چند روز مین راجہ کو ہلاک کیا سلطان نے وعدہ وفا کیا
کہ اُس کی بیٹی سے نکاح کیا اور مسلمان کرکے دونون مان بیٹیونکو غزنی بہیجدیا کہ نماز روزہ سے واقف
ہون اور قرآن پڑہین سلطان مان سے متنفر رہا بیٹی بہی سلطان سے متمتع نہوئی۔ دونون دو برس
کے اندر رنج و غم مین ہلاک ہوئین۔ سلطان نے اوچ اور ملتان دونون علی کرماج کے حوالے کئے اور خود
غزنی آیا۔ دو برس بعد ۵۷۴ھ ؁۱۱۷۸ع مین اوچہ اور ملتان مین سلطان آیا اور ملتان کی راہ سے گجرات پر حملہ کیا مگر
یہان کے راجہ بہیم دیو نے مقابلہ کیا اور مسلمانون کو شکست دی اور ہزارونکو قتل کیا۔ غزنی کی مراجعت مین وہی
تکالیف محمد غوری کو پیش آئین جو محمود غزنوی کو آئین۔ پہر سلطان ۵۷۵ھ ؁۱۱۷۹ع مین پشاور مین گیا اس شہر کا نام
کتب قدیمہ مین پکرام اور فرسور اور پرشور لکہا ہے۔ اس ملک کو تسخیر کیا دوسرے سال ۵۷۶ھ ؁۱۱۸۰ع مین لاہور
مین آیا۔ یہان خسرو ملک سلطنت مین دلی کے راجہ اور افغانون کی مخالفت سی مستقلال نہتا وہ سلطان سے
میدان مین مقابلہ نہ کرسکا۔ ایک قلعہ مین متحصن ہوا سلطان نے نواح لاہور کو تاراج کیا خسرو ملک نے بعد رسل
و رسائل کے اپنے چہوٹے بیٹے ملک شاہ کو اول مین دیا اور ایک ہاتہی جس سے بہتر کوئی اور ہاتہی پاس نہتا
نذر مین دیا۔ سلطان محمد غوری نے بہی الصلح خیر پر عمل کرکے مراجعت کی دوسرے دیول مین کہ لاہت سندہ مین
سے ہوگیا اور مغربی کنارہ ملک پر تصرف کیا اور بہت مال غنیمت مین لیا ۵۸۰ھ مین پہر لاہور مین آیا اور اس

سلطان شہاب الدین کی فتوحات

پنجاب سے خاندان محمود کا خارج ہونا

نواح کو غارت کیا اور آب راوی اور چناب کے درمیان قلعہ سیالکوٹ بنایا حسین خرمیل کو یہاں کا قلعہ دار مقرر کیا۔ ملک خسرو نے فرصت پاکر گکھڑوں کی قوم سے اتفاق کیا اور اس قلعہ کا محاصرہ شروع کیا مگر فتح نہ ہوا اس بات پر محمد غوری کو غصہ ہوا۔ ایک لشکر جرار کے ساتھ لاہور پر دوبارہ چڑھا خسرو ملک پھر قلعہ میں متحصن ہوا سلطان شہاب الدین اسکو زور سے فتح نہ کرسکا تو یہ داؤں کھیلا کہ خبر اڑا دی کہ ایک ضرورت کے سبب سے مغرب کیطرف سلطانی فوج جاتی ہے۔ اور ظاہر میں خراسان جانے کی تیاریاں کین۔ اور ملک خسرو سے آشتی چاہی اور اسکے بیٹے کو جو اول میں تھا چھوڑ دیا۔ جب سلطان خسرو نے یہ باتیں دیکھیں تو وہ تھوڑی سواری اپنے بیٹے سے ملنے کو روانہ ہوا۔ یہاں سلطان محمد غوری نے یہ کام کیا کہ عمدہ عمدہ سوار اپنی فوج کے لیکر ایسی راہ چلا کہ وہاں آمد ورفت آدمیوں کی نہ تھی اور آناً فاناً بیچ دار الخلافہ اور سلطان خسرو کی راہ کے درمیان آپڑا اور خسرو ملک کو گرفتار کر لیا۔

۵۸۲ھ / ۱۱۸۶ء میں لاہور پر قابض ہوا اور علی کرماج حاکم ملتان کو بلا کر یہاں کا حاکم مقرر کیا۔ اور خود غزنی خسرو ملک کو لیکر چلا گیا۔ دوسرے برس خسرو اور اسکے سب خاندان کو سلطان غیاث الدین پاس بھجوا دیا اس سلطان نے انکو قلعہ جرجستان میں محبوس کیا۔ اور حادثہ خوارزم شاہ میں اُن سبکو قتل کیا۔ اسطرح خاندان امیر سبکتگین کا ختم ہوا۔ دستور کے موافق اس خاندان کا ستارہ اقبال بھی دوسو سال میں اپنا دورہ پورا کرکے ایسا غروب ہوا کہ پھر طلوع نہوا۔ اوپر کے واقعہ کا بیان ملک خسرو کی سلطنت میں بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

جب خاندان غزنی کا چراغ گل ہوگیا تو پھر اہل اسلام میں شہاب الدین کا کوئی مخالف باقی نہ رہا اور جب شہاب الدین سلجوقیوں اور تاتاری قوموں اور اور جنگجو قوموں سے لڑنے بھڑنے کا مشتاق ہوا تو اسکے سامنے ان ہندوؤں کی ظاہرا کچھ اصل نتھی یہ بیچارے طبیعت کے نرم اور لڑائی جھگڑوں سے کوسوں بھاگنے والے چھوٹی چھوٹی ریاستوں بکھرے پڑے ہوئے اسکی ٹکر کیا سنبھالتے۔ مگر باوصف اسکے کوئی ریاست ہندوؤں کی بغیر سخت لڑائی کے فتح نہوئی اسکا باعث یہ تھا کہ ہندوؤں میں ایک قدیمی قوم راجپوتوں کی ایسی تھی کہ سپاہی ماں کے پیٹ سے ہوتی تھی اور ہر گروہ انکا ایک موروثی سردار رکھتا تھا ان سرداروں کو جو راجہ سے تعلق تھا وہ سپاہی راجپوتوں کو اپنے سرداروں سے علاقہ ہوتا تھا غرض یہ باہمی تعلقات ایسے ہوتے تھے کہ باہم وفاداری اور اتفاق انکو لازم تھا جاگیر کا انتظام نہایت عمدہ تھا غرض

ان باتون ہی راجپوتون مین عالی نسبی اور بلند ہمتی اور دلاوری اور مردانگی کے خیالات بڑے زور شور سے پیدا ہوگئے تہے۔ دنیا مین کوئی قوم ایسی نہین ہو کہ رجپوتون سے زیادہ اپنی ننگ و ناموس کی حفاظت مین جان دینے کو بے حقیقت جانتے۔ بہاٹ انکی تر نگونکو اپنے کڑکون سے اور ترنگ دیتے تہے غرض اگر یہ سپاہ پیشہ فریق ہندوستان مین نہوتا تو شہاب الدین بغیر ہاتھ پاؤن ہلائے ہندوستان کو لے لیتا۔ راجپوتون کے مختلف فرقون مین تقسیم ہونیکا ایک اثر یہ بہی تہا کہ جب غنیم کے زور اور دباؤ سے وہ اپنی مقام اور مکان کو چہوڑتے توجہان بستے وہان غول کے غول بستے اور نئی اراضیات کو اسی نسبت سے تقسیم کرتے جسطرح آپس مین پہلے زمین منقسم ہوتی تہی غرض اس تغیر مکانی سے انکے باہمی تعلقات مین کچہہ تغیر و تبدل نہ ہوتا۔

۵۸۷ھ ۱۱۹۱ء مین ہندوستان پر سلطان شہاب الدین نے عزیمت کی قلعہ بھٹنڈہ کو کہ اس زمانہ مین جیپال عظیم الشان کا پایہ تخت تہا۔ راجہ اجمیر کے آدمیون سے چہین لیا۔ اور وہان ملک ضیاء الدین تولکی کو حاکم مقرر کر کے اور بارہ سو منتخب وچیدہ سوار دیکر مراجعت کا ارادہ کیا کہ اتنے مین خبر پہونچی کہ بہٹنڈہ کے چہڑانے کے لئے راجہ پتہورا اور گوبند رائے جو دہلی مین اسکی طرف سے نائب تہا ایک لشکر کا لشکر لیکر طوفان کیطرح چلا آتا ہے اور اسکے ساتھ بہت سے راجہ اور دو لاکہہ سوار اور تین ہزار ہاتہی ہین سلطان شہاب الدین نے مراجعت کے ارادہ کو فسخ کیا اور لشکر راجہ سے لڑنے گیا دونون لشکرونکا آمنا سامنا تلاوری کے میدان مین ہوا۔ یہ میدان تہانیسر اور کرنال کے درمیان دہلی سے چالیس کروہ پر واقع ہے اور اس مین بڑے بڑے معرکے ہوئے ہین مسلمانون نے اسطرح لڑائی شروع کی کہ انہون نے اپنے سوارون کے غول بنا لئے اور دہاوے پر دہاوے کئے اور سوار تیرونکا مینہہ برساتے ہوئے آگے بڑہتے یا پیچہے ہٹتے غرض جیسا موقع ہوتا ویسا کرتے مسلمان جب ہندوون کے قلب لشکر مین مصروف تہے اسوقت ہندوون نے مسلمانون کا میمنہ میسرہ توڑ دیا۔ شہاب الدین اسوقت خود صف قلب مین تہا جب اسکو یہ خبر پہونچی کہ دائین بائین فوج کے پیر اکہڑ گئے تو وہ بیچ مین جا رہا۔ پہر ہندوون نے چارون طرف سے اسے گہیر کر نرغہ مین کر لیا۔ ایسے وقت مین بہی وہ بہادری سے لڑتا رہا۔ اور قدم بڑہا بڑہا کر تلوار کے ہاتھہ چلاتا رہا۔ گوبند رائے سپہ سالار ہنود کی آنکہہ شہاب الدین پر جا پڑی وہ ہاتہی ریل کر اوسکی طرف لایا۔ شہاب الدین نے ایک نیزہ کا ہاتھہ اسکے مارا اور زخمی کیا۔ مگر اس نے بہی ایک تلوار کا زخم ایسا دیا کہ سلطان قریب تہا کہ گہوڑے سے نیچے گر پڑے مگر ایک خلجی غلام لپک کر پیچہے گہوڑے پر سلطان

سلطان شہاب الدین غوری کا ہندوؤن سے شکست پانا

جا بیٹھا اور گرتے کو سنبھال لیا اور جنگ کے میدان سے اُن کی جگہ لے آیا غرض مسلمانون کو شکست ہوئی
اور انکے گھوڑونکی باگین موڑ گئین چالیس میل تک مسلمانون کا تعاقب ہندوؤن نے کیا مسلمانون نے
لاہور مین آکر آرام لیا راجہ پتھورا نے بھٹنڈہ کا محاصرہ کیا اور سوا برس کے بعد صلح کرکے اُسے لیلیا اب مسلمانونکے
بھاگے ہوئے سپاہی اور ٹوٹا پھوٹا لشکر لاہور مین جمع ہوا شہاب الدین یہانکا بندوبست کرکے غزنین اپنے
بھائی سے ملا شہاب الدین نے افغانون سے کچھہ نہ کہا مگر امراء غور اور خراسان پر نہایت عتاب کیا اور
توبڑون مین جَو بھر کر انکے منہ پر چڑھوا دیئے۔ اور بازارون مین چھوڑ دیا اور حکم دیدیا کہ جو یہ جَو نہ کھائے اسکا سر اُڑا دیا
جائے جنکو اپنی زندگی عزیز تھی انہون نے یہ جَو کھائے۔ اب سلطان شہاب الدین بھائی سے رخصت ہو
غزنی مین آیا۔ اور ظاہر مین تو عیش اُڑاتا تھا کہ جس سے لوگون کو معلوم ہو کہ اُس کو شکست کی مصیبت اور
ذلت یاد نہین۔ مگر حقیقت مین دن کا کھانا اور رات کی نیند اُس پر حرام تھی شب و روز لشکر کے جمع کرنے
کی دُھن مین لگا رہتا۔ آخر کو ایک لشکر زرق برق جمع کیا۔ جس مین ترک اور تاجیک اور افغان سب داخل
تھے۔ سر پر خود جواہرات سے مرصع رکھے ہوئے تھے اور جوشن چاندی سونے کے بدن پر پہنے ہوئے تھے
یہ سب سامان اندر ہی اندر کرکے کوچ کرنیکا حکم دیدیا۔ اور آٹھوین دن خود سوار ہوا۔ اس لشکر کشی مین ارکان
سلطنت سے کچھہ مشورہ نہ لیا تھا۔ اسلئے کسیکو معلوم نہ تھا کہ ارادہ کدہر کا ہے جب لشکر پشاور مین پہونچا تو ایک
پیر مرد غور نے بے تکلف ہوکر عرض کی کہ اس مہم کا سامان تو ایک جنگ عظیم کا معلوم ہوتا ہے مگر یہ نہین کھلتا
کہ عزم کدہر کا ہے اسوقت سلطان نے ایک آہ سرد کھینچی اور کہا کہ اے پیر مرد تو یقین جان لے کہ جس وقت سے
مین نے ہندو راجاؤن سے شکست کھائی ہے حرم سرا مین بستر پر نہین سویا۔ قبا کے بند کھولکے نہ کھائے
کر اُس دن سے آجتک کپڑے نہین بدلے خلج اور غور اور خراسان کے امیرونکا منہ آجتک نہین دیکھا کہ
وہ نمکحرام مجھے اکیلا لڑائی مین چھوڑ کر چلے آئے۔ اس پیر مرد نے دعائے خیر دی اور کہا کہ انشاءاللہ تعالیٰ
اب کی دفعہ فتح ہوگی۔ اب مصلحت وقت یہی ہے کہ آپ ان امیرونکا قصور معاف فرمائین انکو وعدہ دلائین
اور عزت اور آبرو بخشین تاکہ وہ جان لڑا کر لڑین۔ اور اپنی پہلی بدنامی کے دھبے کو مٹائین یہ تقریر
سلطان کو پسند آئی ملتان مین آکر دربار کیا اور سب امیرون اور سردارونکو بلایا اور کہا کہ اے مسلمانو
سال گذشتہ مین دامن اسلام پر داغ لگا وہ سب پر روشن ہے اُسکا تدارک ہر مسلمان پر واجب اور
فرض ہے سب نے تلوارون پر ہاتھ رکھکر سر جھکا دیئے غرض وہان سے لاہور مین آیا اور قوام الملک رکن الدین

حمزہ کو کہ تدبیر اور تقریر میں بےمثل تھا ایلچی بنا کر اور نامہ دیکر اجمیر میں راے پتھورا کے پاس روانہ کیا مضمون
نامہ کا یہ تھا کہ "اسلام کی اطاعت قبول کرو" راجہ یہ بات سنکر نہایت غیظ و غضب میں آیا اور اُسکا
ایک سخت جواب لکھا اور راجگان ہندوستان کو جمع کیا بہت سے راجہ اُسکی پہلی کامیابی کو دیکھکر شریک حال ہوئے
غرض یہ دونوں لشکر دریاے سرسوتی کے اِدہر اُدہر آنکر پڑے پہتی راج نے اول خط اس مضمون کا بڑے غرور
اور تکبر سے شہاب الدین کو لکھا کہ "سپاہ دار اسلام کو ہمارے لشکر کی عدت اور حدت پر اطلاع ہوئی ہوگی سوا
اسکے اور راجاؤں کے لشکر برابر چلے آتے ہیں اگر تجھے اپنے اوپر رحم نہیں آتا تو اس بیچاری سپاہ کے حال پر
رحم کر جو تیرے ہمراہ آئی ہے۔ اپنے آنے سے پشیمان ہو اور اُلٹے پاؤں چلا جا۔ ہمکو دیبی اور دیوتاؤں کی قسم ہے جو تیرا
تعاقب کریں یا کچھہ اذیت پہونچائیں اور نہیں کل کا دن ہے اور یہ فیلان مست صف شکن اور لشکر بیشمار موجود
ہے اور تیرا لشکر ہے ہمیں کسیکو جیتا نہ جانے دینگے۔" شہاب الدین نے اس خط کو پڑہا اور بہت تحمل اور بردباری سے جواب
لکھا کہ "راجہ کا یہ نیک صلاح دینا ہمپر شفقت ہے۔ مگر سب پر یہ بات روشن ہے کہ میں اپنے بڑے بھائی کا فرمانبردار ہوں
اُسکے حکم سے اس مہم کا بوجھ سر پر رکھا ہے۔ جبتک وہاں سے کچھہ حکم نہ آئے مجھے اس معاملہ میں اختیار نہیں اتنی
مہلت عنایت ہو کہ جواب وہاں سے آجائے اُسوقت صلح اس طرح پر ہوجائیگی کہ پنجاب اور سرہند اور ملتان ہمارے
پاس ہے۔ باقی کل ہندوستان تمہارے پاس رہے۔" جب راجہ پاس یہ ضعیف جواب گیا تو سارے شہر میں فتح
کی سی خوشی ہوئی۔ اور خواب غفلت میں سب آرام کرنے لگے۔ اور اپنی جمعیت کے بھروسہ پہ لشکر
سلطانی کے قریب آ پڑے۔ اندھیری رات میں سلطان دریا کے پار اتر گیا۔ یہاں راجہ کی سپاہ میں
ابھی لوگ پڑے سوتے ہی تھے کچھہ لشکر سلطانی کی خبر نہ تھی کہ اُن کے سر پر چڑہ آیا اور بیطرح اُن پر
ٹوٹ پڑا اور سارے لشکر میں ہلچل ڈالدی۔ بارے راجہ کو اتنی فرصت ملی کہ ہوش حواس درست
کر کے ایک فوج کو تیار کر کے سامنے لایا اتنے میں باقی تاقی فوج کے انبوہ کثیر کو سمیٹ سماٹ میدان میں
لاجایا شہاب الدین نے اپنے لشکر کے چار حصے کیے اور چار سپہ سالاروں کے سپرد کر دیے اور حکم کر دیا کہ باری
باری سے جائیں اور اس لشکر کثیر کے مقابل میں جان لڑائیں۔ راجپوت بہادر بھی اس میدان میں
دائیں بائیں سے درست ہو کر اس خوبصورتی اور بند و بست سے لڑے کہ مسلمانوں کے جی چھوٹ چھوٹ گئے
الحرب خدعۃ پر عمل کر کے شہاب الدین شکست کی صورت بنا کے پیچھے ہٹا حریف نے پیچھا کیا جب
جمعیت انکی بے انتظام ہوئی تو دوسرا غول تازہ دم لڑائی کے لئے سامنے ہوا۔ مگر اس سے بھی کام نہ نکلا جب

ٹھیک دوپہر ہوئی تو راے پرتھی راج ایک سو پچاس راجہ اور مہاراجہ کو لیکر ایک پیڑ درخت کے سایہ مین آیا۔ ان سبنے تلوارون کے قبضہ پر ہاتھ رکھکر قسمین شدید کہائین۔ اور ایک ایک پیالہ شربت کا پیا۔ پان کے بیڑے چبائے تلسی کی پتی زبان پر دھری کلیجہ کے ٹیکے ماتھے پر دیئے اور میدان جنگ مین آئے ادہر شہاب الدین نے سپہر کو اپنے بارہ ہزار سوار خاص جنکے سر و بر فولادی خود جواہرات سے مرصع رکھے ہوئے اور شمشیر ہے بران ہاتھون مین لئے ہوئے تھے اور گھوڑون کے کانو پر نشان جان ستان ہرے ہوئے ساتھ لئے اور خدا پر بالکل توکل کرکے ہندوؤن پر دھاوا کیا اور اُن کے سارے لشکر کو ہلا مارا اور ہلچل ڈالدی ہندوؤن کی سپاہ اسطرح ٹوٹ پھوٹ گئی جیسے کوئی بھاری عمارت اپنے بوجھ سے آپ ہی گر پڑے غرض یہ سپاہ اپنے زور مین آپ ہی غارت ہو گئی۔ گوبند راے نائب سلطنت اور بڑے بڑے سردار مارے گئے راجہ پرتھی راج بھی گرفتار ہوا پہر گت سے مارا گیا بعض تاریخون مین کہا ہے کہ لڑتے لڑتے مارا گیا بعض مین گوبند راے لکھا ہے ان واقعات کا بیان مسلمانونکی تاریخون سے لکھا جاتا ہے ہندؤنکی تو عادت نہین تہی کہ تاریخ لکھین پرتھی راج اور محمد غوری کی پرانی لڑائیونکا بیان چند راؤ نے جو ایک نامی ہندی شاعر گذرا ہے اول ہی اول ہندی اشعار مین بیان کیا ہے اس لئے سب جگہ لڑائیون مین سوائے ایک کے ہندؤنکی فتح لکھی ہے۔ پرتھی راج کے راے چند کے شعرون مین نہین اس نے اپنے ملک اور قوم کی بڑی ہمدردی دکھائی ہے۔

اب یہان سے شہاب الدین اجمیر کو گیا اور اسکو فتح کر لیا اور کئی ہزار باشندے جو اُس سے مقابل ہوئے تھے تہ تیغ کئے اور انکے بچون کو اور عورتونکو لونڈی غلام بنایا۔ اجمیر کی سلطنت پرتھی راج کے بیٹے کو یا کسی اور رشتہ دار کو دیدی اور اس سے یہ اقرار ٹھیرالیا کہ محصول سالانہ ادا کیا کرے پہر دہلی مین آیا یہانکا راجہ اُس سے بعجز و نیاز پیش آیا۔ دہلی سے سلطان نے کوچ کیا۔ اور قطب الدین ایبک کو کہ اُسکے برگزیدہ غلامون مین سے تھا قصبہ کہرام مین کہ دہلی سے ستر کوس پر ہے نائب اپنا ہندوستان مین مقرر کیا۔ اور خود غزنی کو روانہ ہوا قطب الدین ایبک ایسا لائق اور قابل تہا کہ اُس نے دہلی کے اُن اضلاع کو جو گنگا جمنا کے درمیان واقع تھے پرتھی راج کے سب رشتہ دارون سے چھین لیا میرٹھ اور کول اور دلی ان سب کو فتح کرکے دلی کو اپنا دار السلطنت بنایا اور اسلام کی حکومت کے تمام آئین اور دستور جاری کئے۔

دوسرے برس شہاب الدین پہر ہندوستان مین آیا اور سنہ ۵۹۱ھ ۱۱۹۴ع مین جنگ عظیم راجہ قنوج سے ہوا قنوج کا راجہ جے چند تہا جسکی لڑائی پرتھی راج سے ہو رہی تہی۔ اسکا بیان پہلے ہو چکا ہے آپس کی پہوٹ کا پہل یہی

ہوتا ہی۔ کہ دونون غارت ہون۔ جب پرتھی راج نہ بچا تو راجہ جے چند کیونکر بچتا۔ اس راجہ کو اٹاوہ کی جانب
شمال مین چندوارہ کے اندر شہاب الدین نے بڑی شکست فاحش دی۔ راجہ کی آنکھ مین قطب الدین ایبک کے
ہاتھ سے تیر لگا۔ وہ ہاتھی سے نیچے گرا۔ اور پھر اسکا حال کسیکو نہ معلوم ہوا کہ کیا ہوا مگر لاش اسکی نشان سے
پہچانی گئی کہ اسکے دانت سونے کے تارون سے بندھے ہوئے تہے۔ اس کے خاندان کے راٹھوڑون نے
انتر بید کی سکونت کو چھوڑ دیا اور مارواڑ مین جا بسے۔ اس فتح سے مسلمانونکا قبضہ قنوج اور بنارس پر ہو گیا
اور بنگالہ کا دروازہ مسلمانون کے لئے کھل گیا۔ اب سلطان شہاب الدین بنارس مین آیا اور یہان ہزار
بتخانے توڑے اور بہت کچھ غنیمت ہاتھ آئی غرض یہ فتح بڑی شان و شوکت کی تھی اسمین دولت اور بہت بڑے
بڑے شہر اہل اسلام کے ہاتھ آ گئے۔ اب شہاب الدین غزنی کو واپس گیا اور قطب الدین کو بدستور اپنا
نائب مقرر کیا۔ اجمیر کا راجہ جو شہاب الدین نے مقرر کیا تھا اس کے ہاتھ سے اجمیر کو ہیمراج نے کہ پرتھی راج
کے عزیزون مین سے تھا چھین لیا قطب الدین ایبک نے مغلوب راجہ کی اعانت کیلئے ۵۹۱ھ ۱۱۹۴ع مین راجہ
ہیمراج کو شکست دی اور اجمیر چھین لیا اور پھر قطب الدین گجرات پر فوج لیکر گیا اور اسکو خوب لوٹا کھسوٹا۔

دو برس بعد ۵۹۲ھ ۱۱۹۵ع مین شہاب الدین پھر ہندوستان مین آیا اور ملک بیانہ مین اپنا دخل کیا اور قلعہ
گوالیار کا محاصرہ کیا ہنوز قلعہ فتح نہوا تھا کہ کوئی ضرورت ایسی پیش آئی کہ غزنی کیطرف مراجعت فرمائی۔ اور ملک
بیانہ کا انتظام اور قلعہ گوالیار کا اہتمام بہاء الدین طغرل کے سپرد ہوا۔ یہ قلعہ بہت دنون کے بعد فتح ہوا اور
اس فتح ہونے مین قریب تھا کہ بہاء الدین طغرل اور قطب الدین ایبک آپس مین لڑائی ہوتی مگر طغرل مر گیا
اسلئے یہ فساد مٹ گیا قطب الدین ایبک کو پھر راجہ اجمیر کی اعانت کے لئے جانا پڑا۔ مخالفون نے پھر اسکو ستایا
اور قطب الدین ایبک کی اعانت کا محتاج کیا۔ اسدفعہ اسکو گجرات کی ناگوار راجاؤن اور میوات کی پہاڑی قوم
سے سخت مقابلہ کرنا پڑا۔ یہ قومین اجمیر کے چارون طرف بستی تہین۔ اس لڑائی مین قطب الدین کو شکست ہوئی اور زخمی ہو
اور خدا خدا کر کے اجمیر تک پہنچا وہان چارون طرف سے دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا جب غزنی سے امداد آئی تو اس مصیبت سے رہائی پائی پھر اسنے
دشمنون سے خوب انتقام لیا اور پالی اور نادول و مہرولی کی راہ سے گجرات پر چڑھائی کی اور کوہ آبو پر راجہ گجرات کو دیکھا کہ دارا
دیکھا کہ بڑی جمعیت سے رہتے ہین انکا پیچھے سے پیچھا چھوڑنا نا مناسب تھا۔ غرض پہاڑ مین گھس گیا اور انکے سب لشکر کو زیر کیا
اور انکو شکست دی اور وہان سے گجرات کی دار السلطنت انہل واڑہ پہونچا اور اسکو اور گجرات کو تہ و بالا کیا اور
دلی مین صحیح و سلامت آیا۔ دوسرے سال مین بندیلکھنڈ مین کالنجر اور کالپی کو اور دوآبہ مین بداون کو فتح کیا

گوالیار اور قطب الدین کا فتح گجرات اور قطب الدین ایبک کی وفات

محمد بختیار خلجی غور کے امراؤں میں سے تھا۔ اور وہ ہندوستان میں مدت سے آیا ہوا تھا۔ اور اُس کو بعض پرگنے دوآبہ اور گنگا پار کے جاگیر میں ملے تھے۔ وہ نہایت شجاع اور جوانمرد اور جوّاد تھا۔ قطب الدین ایبک اُس سے بہت خوش ہوا۔ اُس کا سب سامان درست کیا۔ اور خلعت عنایت کیا۔ اُس نے صوبہ بہار کو بالکل فتح کر لیا اور بہت مال اور غنائم لیکر دلی میں قطب الدین ایبک کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے اُس پر نہایت مہربانی اور عاطفت فرمائی۔ اُس پر حاسدوں کو حسد پیدا ہوا۔ بختیار خلجی کو ہاتھی سے لڑوایا۔ اُس نے ہاتھی کے ایسا گرز مارا کہ وہ چلا کر اُسکے سامنے سے بھاگ گیا۔ اس جوانمردی پر قطب الدین ایبک نے اُسکو بہت کچھ انعام دیا۔ اور بہت سامان دیکر بہار اور بنگالہ کا صوبہ دار اُس کو مقرر کیا۔ اُس نے یہاں پہنچکر شمالی حصہ صوبہ بہار کو بھی فتح کر لیا۔ اور سارے بنگالہ کو تسخیر کر لیا۔ اور اُس کی دارالسلطنت لکھنوتی کو بھی قبضہ میں لے لیا۔ اور اس طرح تمام صوبہ بنگالہ پر قابض ہو گیا۔

جس وقت ہندوستان میں یہ فتوحات ہو رہی تھیں سلطان شہاب الدین خوارزم کے بادشاہ کے ساتھ لڑائی جھگڑوں میں مصروف تھا۔ اس خوارزم کے بادشاہ نے سلجوقیوں کی سلطنت کو خاک میں ملا کر وسط ایشیا میں اپنی ایک سلطنت قائم کی تھی۔ طوس اور سرخس میں سلطان تھا کہ سلطان غیاث الدین محمد کے مرنے کی خبر اُسکو پہونچی وہاں سے غزنی میں آیا اور ۵۹۹ھ ۱۲۰۲ء میں موافق اپنے بھائی کی وصیت کے سر پر تاج شاہی رکھا۔

غرض سلطان شہاب الدین نے تمام سلطنت کا انتظام کر کے ۶۰۱ھ ۱۲۰۴ء میں خوارزم پر چڑھائی کا ارادہ کیا خوارزم شاہ مقابلہ نہ کر سکا اس لئے قلعہ خوارزم میں گھس گیا جب سلطان خوارزم میں پہونچا تو آب جیحون کے کنارہ پر لڑائی ہوئی اور سپہ داران غور کچھ کام آئے کہ بادشاہ خطا کا سپہ سالار قرابیگ اور سلطان عثمان بادشاہ سمرقند خوارزم شاہ کی امداد کو آئے۔ اس بات کے سننے سے سلطان شہاب الدین پر وہ خوف طاری ہوا کہ جو اسباب تھا ساتھ نہ چل سکا اُسکو آگ لگا دی۔ اور خراسان کی طرف بھاگا خوارزم شاہ نے تعاقب کیا۔ سلطان اُس سے لڑا مگر شکست کھائی اور سب اسباب چھوڑنا پڑا۔ رستہ میں بھاگا جاتا تھا کہ قرابیگ کے اور سلطان عثمان کے لشکر نے راہ میں اُس کو گھیرا۔ مگر سو سوار اُس کے پاس تھے کچھ مقابلہ نہ ہو سکا۔ آخر کو قلعہ اندخود میں پناہ گیر ہوا۔ یہ قلعہ ہرات اور بلخ کے درمیان واقع ہے۔ پھر سلطان عثمان کی وساطت سے صلح ہو گئی قلعہ اُس کے حوالہ کیا۔ اب پریشان حال ہو کر مراجعت کا قصد کیا۔ جس وقت سلطان شہاب الدین میدان جنگ سے بھاگا تھا اُس وقت اُسکا ایک غلام ایبک نام ہمراہ تھا۔ اُس نے جانا کہ سلطان مارا گیا۔ سندھ کی سلطنت کا خیال اُسکو خود پیدا ہوا اس لئے اُسکے مرنے کی افواہ چاروں طرف اُڑا دی۔ اور خود بہت جلد ملتان میں آیا اور وہاں کے حاکم امیر حسن عجب

داؤ کھیلا۔ اُس نے کہا کہ مجھے آپ سے کچھ بادشاہ کا حکم کہنا ہے اور جو آجکل حوادثات واقع ہوئے ہیں اُنکا بیان کرنا منظور ہے خلوت میں چلیئے۔ امیر حسن بے تامل اُس کے ساتھ محل میں چلا آیا۔ وہاں ایک ترکی غلام لگا رکھا تھا اُس نے اُسکی گردن اُڑا دی۔ اب یہ مشہور کیا کہ میں نے یہ کام سلطان کے حکم سے کیا ہے اور ایک فرمان جعلی دکھا کر ملتان کا حاکم بے تکلف بن بیٹھا۔ اور گکھڑ کی قوم بھی سلطان کے مرنے کی خبر سُنکر پہاڑوں سے نکل پڑی۔ اور لاہور کے تسخیر کرنیکا ارادہ کیا اور جہلم اور سودرہ میں ایک شور فساد مچا دیا۔ سلطان جو قلعہ اندخود سے غزنی میں آیا یلدوز نے کہ سلطان کے معزز غلاموں میں سے تھا قلعہ میں نہ داخل ہونے دیا۔ اور لڑائی کیلئے مستعد ہوا۔ اور چونکہ سلطان مقابلہ نہ کر سکتا تھا ناچار ملتان میں آیا۔ یہاں ایبک نے بھی اطاعت نہ اختیار کی سلطان نے اُسکو لڑ کر گرفتار کر لیا۔ اور ہندوستان کی سرحد سے سپاہ جمع کر کے غزنی کی طرف متوجہ ہوا۔ اور یلدوز کا گناہ غزنی کے امرا کبار کی سفارش سے معاف کر دیا۔ اور غزنی پر قابض و متصرف سلطان ہو گیا۔ اتنے میں ایلچی خوارزم سے آیا اور صلح ہو گئی۔ غرض سب سلطان پھر گئے مگر قطب الدین ایبک وفادار رہا۔ اب سلطان نے گکھڑوں سے لڑنے کا ارادہ کیا۔ قطب الدین ایبک بھی دلی سے سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور دونوں نے ملکر گکھڑوں کی خوب گوشمالی کی اور لاہور میں سلطان آیا۔ یہاں سے قطب الدین ایبک کو رخصت کیا۔ چند دنوں سلطان لاہور میں رہا۔ گکھڑ طرح طرح کی تکلیفیں مسلمانوں کو پہنچاتے رہتے۔ پنجاب میں مسلمانوں کے آنے جانے کا رستہ اُنکے ہاتھوں سے بند ہو گیا۔ گکھڑوں کا کچھ مذہب نہ تھا جس کسی کے لڑکی ہوتی وہ دروازہ پر لیکر کھڑا ہوتا۔ اور پکارتا کہ کوئی اُسکو زوجیت میں قبول کرتا ہے۔ اگر کوئی قبول کرتا تو اُسکے حوالہ کرتا نہیں تو اُسکو قتل کرتا۔ ایک ایک عورت کئی کئی خاوند کرتی تھی۔ غرض اُنکا مذہب کچھ نہ تھا پابند تھا مگر وہ مسلمانوں کی تکلیف رسانی کو بڑا ثواب سمجھتے تھے۔ اس سلطان کے آخر ایام سلطنت میں ایک مسلمان اُن کے ہاں قید ہوا۔ اُس نے مذہب اسلام کی خوبیاں بیان کیں۔ گکھڑوں کے سردار کو وہ خوبیاں پسند آئیں اور اُس نے کہا کہ اگر میں سلطان کے روبرو جا کر اسلام قبول کر لوں تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کرے۔ اُس مسلمان نے جواب دیا کہ میں اس امر کا ذمہ دار ہوں کہ وہ تیرے ساتھ شاہانہ سلوک کرے اور اس کوہستان کی ملک کی حکومت تجھے دیدے۔ یہ سارا مضمون اپنی عرضی میں لکھا۔ اور گکھڑوں کے سردار کی عرضی لی۔ ان دونوں کو سلطان کے پاس بھیجا۔ سلطان نے فوراً خلعت فاخرہ اور کمر بند مرصع گکھڑوں کے رئیس کے واسطے ارسال کئے۔ یہ رئیس گکھڑوں کا سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اسلام اختیار کیا۔ اور اس کوہستان کی حکومت کا فرمان لیکر اپنے وطن کو چلا گیا۔ اور اپنی قوم کے آدمیوں کو بھی مسلمان بنایا۔ انہیں دنوں میں غزنی کے مشرقی

گکھڑوں کا مسلمان ہونا

پہاڑوں کے باشندے بھی مسلمان ہوگئے۔

جب سارے ہندوستان میں امن وامان ہوگیا تو ۶۰۲ھ میں سلطان نے لاہور سے غزنی جانیکا قصد کیا۔ اور بہاءالدین سلم والی بامیان کے نام حکم صادر ہوا کہ ہمارا ارادہ ہے کہ ترکستان کے کفار سے لڑائی لڑیں۔ اس لئے ایک لشکر آب جیحون کے کنارہ پر جمع کیا جائے اور پل تیار رہے۔ غرض اسی سال کی دوسری شعبان کو خیمہ اسکا دریائے سندھ پر ایک مقام پر فضا پر قائم تھا کہ گکھروں کے چند بدمعاش جن کے عزیز اور اقارب فوج سلطانی کے ہاتھ سے مارے گئے تھے دریا میں پیر کر آدھی رات کے وقت خیمہ میں گھس گئے۔ اور سلطان کو خنجر دل سے قتل کر ڈالا۔ بادشاہ کا جنازہ بڑی شان وشوکت اور جاہ وجلال سے غزنی کو روانہ ہوا جنازہ کے ساتھ بڑے بڑے رئیس اور امیر ساتھ تھے اور کندھا دیتے تھے اور آہ وبکا کرتے تھے۔ جب غزنی کے قریب جنازہ پہونچا تو تاج الدین یلدوز حاکم غزنی استقبال کیلئے آیا اور زرہ بکتر پھینکدیا۔ بالونکو بکھیر دیا۔ خاک سر پر ڈالی۔ غرض اس بادشاہ کے غم والم و ماتم میں اسکے سب سرداروں کا عجب عالم تھا۔ اسکے مرنے کی تاریخ یہ ہے

شہادت ملک بحر وبر معز الدین | کز ابتدائے جہاں شہ چو او نیامد یک
سوم ز غرہ شعبان بسال ششصد و دو | فتاد در رہ غزنی بمنزل دمیک

جب غزنی میں فرمانروا تھا اس دن سے اپنی اخیر عمر تک ۳۲ سال حکمرانی کی۔ خزانہ سلطان پاس اس قدر تھا کہ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ سوائے اور جواہرات کے پانچ من ہیرا تھا۔

سلطان شہاب الدین کی اولاد نرینہ نہ تھی صرف ایک لڑکی اس نے چھوڑی۔ وہ اپنے ترکی غلاموں ہی کو اولاد سمجھتا تھا۔ اور اپنی اولاد کی طرح ان کو پالتا اور انکی تربیت اور تعلیم وہ اعلیٰ درجہ کی کی کہ وہ بڑے بڑے پایہ کے بادشاہ ہوئے۔ یعنی غلام اسکی وفات کے وقت بڑے بڑے صوبوں پر حکومت کر رہے تھے قطب الدین ایبک ہندوستان میں تاج الدین یلدوز غزنی میں۔ ناصر الدین قباچہ سندھ اور ملتان میں۔ اگرچہ اسکی وفات کے بعد اس کا بھتیجا سلطان محمود کے نام سے تخت پر بیٹھا مگر ساری سلطنت تو ان غلاموں کے ہاتھ میں تھی وہی اس پر حکمرانی کرتے تھے۔ اور بامیان کی سلطنت پر اور عزیز اور اقارب اسکے حکومت کرتے تھے فقط اس پاس غور اور ہرات اور سیستان اور مشرقی خراسان باقی تھا۔ فیروزہ کوہ اسکی دارالسلطنت تھا جب سلطان محمود بادشاہ ہوا تو اس نے قطب الدین ایبک کو بادشاہ ہونے کا خطاب اور تمغا بھیجدیا۔ اگرچہ غزنی کی سلطنت کو دیکھ بھال بامیان کے بادشاہ کی اولاد میں سے پیدا ہوگئے۔ مگر اس نے تاج الدین یلدوز کی حکومت میں رخنہ اندازی

نہ کی۔ سلطان محمود نے پانچ چھ برس کے بعد وفات پائی تو اٹک کی مغربی ملکوں میں لڑائیاں اور فساد برپا ہوئے اور شاہ خوارزم نے غوریوں کے خاندان کا خاتمہ کر دیا۔ ان لڑائیوں کا ذکر تاریخ ہند میں مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ غرض اب غزنی اور غور سے کچھ تعلق ہندوستان کو نہ رہا۔ ہندوستان بجائے خود ایک مسلمانوں کی سلطنت ہو گئی۔ سب سے پہلا بادشاہ قطب الدین ایبک ہندوستان کا ہوا۔

فصل چہارم

غلام بادشاہوں کی سلطنت

اب خدا کی قدرت کو دیکھو کہ ہندوستان میں ترکی غلاموں کی سلطنت کس جاہ و جلال سے ہوئی اور کس عرصہ دراز تک قائم رہی۔ قطب الدین ایبک کی حقیقت یہ ہے کہ ترکستان سے اسکو چھوٹی عمر میں ایک سوداگر نیشاپور میں لے گیا۔ وہاں قاضی فخر الدین ابن عبد العزیز کوفی نے خریدا۔ اور اسکو اپنی اولاد کے ساتھ تعلیم کیا۔ وہ قرآن کا حافظ ہو گیا۔ اور عربی فارسی پڑھ گیا۔ پھر ایک سوداگر نے اسکو بہت روپیہ دیکر قاضی سے خریدا اور سلطان شہاب الدین کی خدمت میں بطور تحفہ کے نذر کیا اور اسکے عوض میں بہت کچھ روپیہ پایا۔ اگرچہ ایبک باطنی صفات حمیدہ رکھتا تھا مگر ظاہری صورت اچھی نہ رکھتا تھا۔ چھنگلیا ٹوٹی ہوئی تھی اسلئے اسکو ایبک شل کہتے تھے۔ اب اس نے اس خوبی اور شعور اور اخلاص سے سلطان کی خدمت کی کہ عنایات خسروانی اسپر ہونے لگیں۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ مجلس عیش و طرب میں سلطان شہاب الدین نے اسکو بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ اس نے وہ سب کچھ قرابتوں اور ملازموں اور اپنے بھائی ترکی ملازموں میں تقسیم کر دیا۔ اور اپنے پاس پیسہ نہ رکھا۔ اس بات کو سنکر بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اور حضوری کا حکم دیا۔ پھر میر آخوری کا عہدہ عنایت کیا۔ غور اور غزنی اور بامیان کے سلاطین جب سلطان شاہ سے خراسان کی طرف لڑنے گئے تو وہاں اس نے وہ کار نمایاں کئے کہ اسکی شجاعت کی ایک دھوم مچ گئی۔ ایک دن دانہ گھاس کی تلاش میں پڑا پھرتا تھا کہ سلطان شاہ کے آدمیوں نے آگھیرا۔ اگرچہ اسوقت تھوڑے سے آدمی ساتھ تھے مگر پھر بھی جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ اسیر قید ہو گیا۔ جب سلطان شاہ کو شکست ہوئی تو قطب الدین کو سلطان شہاب الدین کے سامنے اونٹ پر بٹھا کے اسی صورت سے نکالکر لائے جس صورت سے کہ وہ قید خانہ میں پنجرے کے اندر رہتا تھا۔ اس نمک حلالی پر اس کا اور عقبار بڑھا۔ جب اجمیر میں فتح ہوئی تو ہندوستان میں وہی سلطان کا نائب اور سپہ سالار مقرر ہوا۔

سلطان قطب الدین مجمع اوصاف تھا۔ ترکی نژاد ہونے کے سبب سے شجاعت اور جوانمردی تو ماں کے پیٹ سے لیکر نکلا تھا۔ سخاوت اور فراخ دستی اُسکی عادت تھی۔ فیاضی سے لاکھوں روپئے دوستوں کو دیدیتا تھا اس سبب سے لاکھ بخش اُس کا لقب تھا۔ شجاعت نے دشمنوں کو زیر کر رکھا تھا۔ اور سخاوت نے دوستوں کو محکوم بنا رکھا تھا وہ ایسا ہردلعزیز اور معزز تھا کہ کوئی اُس پر رشک اور حسد نہ کرتا۔ عماد سلطنت سے محبت پیدا کرنیکے واسطے اُس نے یہ ناطے رشتے کئے اس سے اُسکو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ تاج الدین یلدوز کی لڑکی سے شادی کی۔ ناصر الدین قباچہ سے اپنی ایک بیٹی کی شادی کی اور جب وہ مرگئی تو دوسری بیٹی سے نکاح کیا۔ شمس الدین التمش سے کہ وہ بھی معزز غلاموں میں سے تھا اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔ ناصر الدین قباچہ قطب الدین کو ہمیشہ سے بزرگ جانتا تھا اور اُسی کیطرف سے سندھ پر حاکم تھا۔ مگر تاج الدین یلدوز اس رشتہ مندی کی کچھ پروا نکرتا تھا۔ اور ابتک ہندوستان کو غزنی کا صوبہ سمجھتا تھا۔ یہ سمجھکر لاہور پر چڑھ گیا اور اُس پر قبضہ کرلیا مگر انجام اُس کا یہ ہوا کہ سنہ ۶۰۳ھ ۱۲۰۶ء میں قطب الدین نے اُسکو غزنی سے نکال باہر کیا۔ اور چالیس روز غزنی میں ڈنکہ اپنا بجایا۔ اور تاج شاہی سر پر رکھکر تخت پر جلوس کیا۔ مگر تاج الدین یلدوز نے پھر قطب سے غزنی کو لے لیا۔ اور قطب الدین وہاں سے لاہور چلا آیا اور عیش و آرام اور آسایش سے زندگی بسر کرنے لگا۔ عدالت اور انصاف اور خوشخولی اور نیک معاملگی میں یہ بادشاہ بڑا مشہور ہوا۔ اسکی ان سب باتوں کو لوگ مدت تک یاد کرتے رہے سنہ ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں یہ بادشاہ چوگان کھیلتے کھیلتے گھوڑے سے گر پڑا اور مرگیا۔ چار برس تک وہ تخت نشین رہا۔ مگر انتظام اور بند و بست اُس کا ہندوستان میں اس روز سے کہ سلطان شہاب الدین نے اپنا نائب مقرر کیا تھا بیس برس تک رہا۔ جو فتوحات اُسنے اور اُسکے عہد میں مختار خلجی نے حاصل کی تھیں اُنکا بیان اُسکی نیابت سلطانی کے عہد میں پہلے ہمنے کردیا ہے۔

ابن بطوطہ یہ حکایت بیان کرتا ہے کہ قاضی قضات ہند و سندھ کمال الدین بن برہان الدین غزنوی صدر جہان نے مجھ سے کہا کہ کس طرح شہر دہلی سنہ ۵۸۸ھ ۱۱۹۲ء میں فتح ہوا تھا۔ یہی سنہ شہر کی جامع مسجد کی محراب میں لکھا ہوا میں نے دیکھا۔ اسی دلیل سے مجھے معلوم ہوا کہ امیر قطب الدین ایبک نے دہلی کو فتح کیا ہے۔ وہ شہاب الدین محمد بن سام غوری شاہ غزنی اور خراسان کا غلام تھا جس نے سلطنت ابراہیم سے چھینی تھی اور یہ ابراہیم سلطان محمود غزنوی فاتح ہند کا پوتا تھا شہاب الدین نے بہت سا لشکر قطب الدین ایبک کو دیکر ہند بھیجا۔ خدا نے لاہور کے دروازے اُسکے لئے کھولدیئے اور اُس نے اس شہر کو اپنا دار الحکومت مقرر کیا۔ روز بروز اسکی سلطنت بڑھتی گئی وہ سلطان شہاب الدین کے عہد میں اپنی معراج پر پہونچگیا تھا۔ مقربین سلطانی نے سلطان سے کہا کہ قطب الدین

ایبک کا ارادہ شہر کے بادشاہ ہونیکا ہی اور وہ کھلی بغاوت اختیار کرنیکو ہے۔ قطب الدین کو اسکی خبر ہوئی۔ وہ چھپا چھپا جلد غزنی رات کو پہونچا اور سلطان شہاب الدین پاس آیا۔ رقیبوں کو اسکی خبر نہوئی۔ دوسرے دن بادشاہ نے ایبک کو اپنے تخت کے نیچے چھپا کر بٹھایا اور آپ تخت کے اوپر بیٹھا۔ ایبک کے دشمنوں کو بلایا اور ان کو اپنی اپنی جگہ پر بٹھایا اور ایبک کے باب میں ان سے سوالات شروع کئے۔ سب نے کہا کہ ایبک باغی ہی اور خود سلطنت کا ارادہ رکھتا ہی۔ سلطان نے تخت کے پایہ کو پاؤں سے ہٹایا اور ہاتھ کو ہاتھ پر مار کر پکارا اے ایبک۔ اس نے جواب دیا کہ لبیک یعنی حاضر ہوں۔ وہ اپنے الزام لگانے والوں کے روبرو آیا۔ وہ اسکو دیکھکر متحیر ہوگئے۔ اور زمین پر سجدہ کرنے لگے۔ سلطان نے کہا کہ میں ابکی دفعہ تمہارا قصور معاف کرتا ہوں مگر آئندہ ایبک کی عیب جوئی اور بدگوئی سے اجتناب کرو۔ ایبک کو اسنے ہند روانہ کیا اور اس نے آنکر دہلی کو اور اور شہروں کو فتح کر لیا۔

سلطنت آرام شاہ بن قطب الدین

بعد سلطان قطب الدین کی واقعہ ناگزیر کے امرا سلطنت نے اس نظر سے کہ آرام خلائق میں کوئی فرق نہ آئے آرام شاہ پسر قطب الدین کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔ مگر اسمیں سلطنت کی قابلیت نہ تھی۔ ایک سال سلطنت پر نگذرنے پایا تھا کہ سلطنت کے اس طرح ٹکڑے ہوگئے کہ ناصر الدین قباچہ مملکت سندھ پر متسلط ہوا اور مملکت بنگال میں خلجیوں کی سلطنت قائم ہوئی۔ سرحد پر اور راجاؤں نے بھی دنگہ فساد مچادیا۔ امیر علی اسمٰعیل دہلی اور اور امیروں کو جنہوں نے متفق الرائے ہوکر آرام شاہ کو بادشاہ بنایا تھا اپنی رائے سے ندامت و پشیمانی ہوئی انہوں نے ملک شمس الدین التمش کو جو قطب الدین کا غلام و داماد و متبنی اور بداؤں کا حاکم تھا۔ آدمی بھیجکر اس کو سلطنت کی استدعا کی وہ اپنی جمعیت لیکر دہلی میں آیا۔ شہر پر متصرف ہوا۔ آرام شاہ شہر سے باہر نکل گیا۔ حوالی شہر میں باپ کے نوکروں کو جمع کر کے دہلی کے تسخیر کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر سلطان التمش نے اسکو لڑائی میں شکست دی پھر آرام شاہ مرگیا۔ اس نے ایک سال بھی سلطنت نکی اور اسیمیں ممالک ہندوستان کے چار حصہ ہوگئے۔ مملکت سندھ میں ناصر الدین قباچہ کا تصرف ہوا۔ ممالک بنگال میں ملوک خلجی کا۔ ممالک دہلی میں سلطان التمش کا۔ مملکت لاہور کبھی ملک تاج الدین یلدوز پاس۔ کبھی ملک ناصر الدین قباچہ پاس۔ اور کبھی شمس الدین التمش پاس تھی۔ ان میں سے ہر ایک کا ذکر ہم آیندہ کرینگے۔

سلطنت سلطان شمس الدین التمش ابو المظفر التمش

سلطان شمس الدین التمش ابو المظفر

طبقات ناصری میں شمس الدین التمش کا یہ حال ہی کہ وہ ترکان قرا ختائی سے تھا اور اسکا باپ قبیلہ البری سے تھا۔ اس کا نام ایلم خان مشہور تھا۔ اور اپنے زمانہ کے نامور امرا میں سے تھا۔ التمش کا حال بھی حضرت یوسف

کا ساہوا کہ اسکے سگے بھائیوں کو یا چچیرے بھائیوں کو اُسکی حسن صورت و کیاست و فراست پر رشک و حسد ہوا۔ ماں باپ سے یہ کہکر کہ گھوڑوں کے گلے کی سیر دکھانے اُسے لیجاتے ہیں گھر سے باہر لے گئے اور زبردستی ایک سوداگر کے ہاتھ بیچڈالا۔ اس سوداگر نے بخارا میں لیجا کر صدر جہاں کی اقرباؤں سے کسی کے ہاتھ بیچڈالا۔ کچھ دنوں یہاں اس کی طرح طرح سے تربیت و پرورش ہوئی۔ اس خاندان بزرگ سے اُسکو حاجی بخاری نے خریدا اور حاجی جمال الدین قباچیت کے ہاتھ بیچا۔ یہ حاجی اُسکو غزنی میں لایا۔ یہاں اتبک کوئی ترک بچہ ایسا خوبرو اور عاقل آیا نہ تھا۔ اس کا ذکر سلطان معزالدین کے کانوں تک پہونچا۔ سلطان نے کہا کہ اسکی قیمت مشخص کی جائے۔ ایک اور غلام ایبک التمش کے ہمراہ تھا۔ ہر ایک کی قیمت ہزار دینار مشخص ہوئی۔ اس قیمت پر مالک نے غلاموں کو نہ بیچا۔ سلطان نے کہدیا کہ کوئی شخص ان غلاموں کو نہ خریدے۔ حاجی جمال الدین ایک برس غزنی میں رہا پھر بخارا میں گیا اور دونوں غلاموں کو ہمراہ لیگیا۔ پھر غزنی میں اُن کو لایا۔ سلطان کا حکم تھا کہ کوئی نہ خریدے۔ پھر کسکا مقدور تھا کہ خریدتا۔ سلطان قطب الدین گجرات کو فتح کرکے ملک نصیرالدین حسین سمیت غزنی میں آیا۔ ان دو غلاموں کا احوال سُنکر سلطان سے اُنکی خریدنے کی اجازت چاہی۔ سلطان نے فرمایا کہ میں منع کرچکا ہوں کہ کوئی اُن کو نہ خریدے اسلئے یہ مناسب نہیں کہ کوئی انکو غزنی میں مول لے۔ دہلی میں وہ جائیں اور وہاں وہ بکیں۔ جب قطب الدین نے دہلی کو مراجعت کی تو اپنے وزیر نظام الدین کو فرمایا کہ وہ حاجی جمال الدین چیت قبا کو ہمراہ لائے۔ جب حاجی دہلی میں آیا تو التمش اور ایبک کو ایک لاکھ جیتل کو خریدا اور ایبک کا نام طمغاج رکھا اور اُسکو تبرہندہ کا امیر کیا۔ وہ ملک تاج الدین یلدوز کی لڑائی میں جو قطب الدین ایبک سے ہوئی تھی مارا گیا اور التمش کو جس کا نام پہلے کچھ اور تھا التمش نام رکھکر اپنا فرزند بنالیا اور اپنے پاس رکھا اور اُسکو میر شکار کا عہدہ دیا اور گوالیار کو فتح کرکے یہاں کا حاکم اُسکو مقرر کیا اور پھر برن اور اُسکے نواح کا اضافہ کیا۔ جب اسکی اور لیاقت دیکھی تو بداؤں کا ناظم مقرر کیا۔

جب سلطان معزالدین محمد بن سام گکھروں کے فساد مٹانے کے واسطے ہندوستان میں آیا تو حسب الحکم سلطان قطب الدین ایبک بھی لشکر لیکر پنجاب میں آیا۔ اور التمش بداؤں کا لشکر قطب الدین کے لشکر سے ملا۔ التمش کی دلاوری و مردانگی کی بڑی شہرت تھی اُس نے اس لڑائی میں وہ اسطرح دکھائی کہ مسلح گھوڑے کو پانی میں ڈالدیا اور دشمن سے لڑا اور گکھروں کو شکست دی اور بارہ ہزار آدمیوں کو قتل کیا۔ جب سلطان معزالدین نے یہ جلادت اور کار پردازی مشاہدہ کی تو انعام اور تشریف خسروانہ سے سرفراز کیا۔ قطب الدین سے اُسکی تربیت کی

سفارش کی اور حکم دیا کہ اُس کو آزاد کردے پس وہ مرتبہ بمرتبہ امیر الامرائی کے درجہ پر پہنچا اور قطب الدین نے اپنی بیٹی سے اُس کا نکاح کر دیا۔

جب سلطان قطب الدین ایبک کا لاہور میں انتقال ہوا تو سپہ سالار امیر علی اور امیر داؤد دیلمی اور اعیان ملک کی استدعا سے وہ جمعیت اور لشکر سمیت بداؤں سے دہلی میں آیا اور اس پر متصرف ہوا۔ اور اپنا خطاب سلطان شمس الدین التمش رکھا ۶۰۷ھ ۱۲۱۱ء میں تخت پر بیٹھا وہ اکثر ملوک و امرا قطبی کی رعایت کرتا وہ بھی اُسکی اطاعت کرتے مگر بعض امرا قطبی و معزی نے ایسی مخالفت کی اور اطراف دہلی میں اپنی جمعیت کی اور ایک فوج ترکان خونخوار کی لیکر سلطان سے کارزار شروع کی۔ سلطان نے جمنا کے میدان میں اُن کو شکست دی اور ترکوں کے نامی سردار بالسنقر و فرخ شاہ کو قتل کیا۔ غرض سلطنت کو اس خس و خاشاک سے پاک کیا۔ اُن دنوں میں حاکم اڑیسہ باغی ہوا اور ادا مال نہیں کیا۔ التمش نے لشکر کشی کرکے اُسکو مطیع کیا اور پیشکش لیکر واپس گیا۔ تاج الدین یلدوز کو اسوقت خبط چلا جاتا تھا کہ ہندوستان غزنی کا ایک صوبہ ہے اسلئے اُس نے التمش کو چتر و رایت بھیجا اور خطاب سلطان کا عطا کیا التمش نے اُسکو اسلئے قبول کیا کہ وہ سلطنت غزنی کی عزت کو باقی رکھنا چاہتا تھا۔ مگر چند مدت کے بعد جب خوارزم شاہ کے لشکر نے تاج الدین یلدوز کو شکست دیکر غزنی سے نکالدیا اور وہ کرمان و سیوران میں گیا تو اُسکو ممالک ہندوستان کی طمع دامنگیر ہوئی اور ۶۱۲ھ ۱۲۱۵ء میں پنجاب اور قصبہ تھانیسر اپنا تصرف کرلیا۔ اور التمش پاس ایسے آدمی بھیجے کہ وہ سلطنت کی تذلیل کریں۔ سلطان شمس الدین نے آشفتہ خاطر ہوکر لشکر کشی کی اور ان دونو میں تراوری کے میدان میں ایک سخت محاربہ ہوا۔ تاج الدین یلدوز کو شکست ہوئی اور اکثر سردار مقید ہوئے۔ سلطان نے تاج الدین کو گرفتار کرکے بداؤں میں قید کیا وہاں اجل طبعی سے یا زہر سے دنیا سے رخصت ہوا۔

سنہ ۶۱۴ھ ۱۲۱۷ء میں سلطان شمس الدین التمش ملک ناصر الدین قباچہ کا اقطاع لاہور کی سرحد پر حوالی منصورہ میں دریاء چناب کے کنارہ پر محاربہ ہوا۔ یہاں التمش کو فتح نصیب ہوئی۔ حوالی غزنی میں جو ملوک خلج تھے وہ مضافات سندھ پر تاخت و تاراج کرتے تھے۔ اسلئے سنہ ۶۱۶ھ میں سلطان قباچہ سے اُنکی لڑائی ہوئی اور خلجیوں کو شکست ہوئی ان مغلوب خلجیوں نے التمش کا دامن پکڑا اُسنے ان خلجیوں کو ساتھ لیکر ناصر الدین قباچہ پر حملہ کیا اور اُسکو شکست دی اور وہ کہیں اپنے ملک کی انتہا پر بھاگ گیا۔ سلطان دہلی چلا آیا۔

جب سلطان خوارزم شاہ نے تاج الدین یلدوز کو غزنی سے خارج کردیا تھا تو یہ ظن غالب ہوتا تھا کہ وہ ہندوستان پر چڑھائی کریگا چنانچہ اُسکی فوجیں اٹک کے اُس پاس آئیں اور وہ ناصر الدین قباچہ کے مقابلہ

سے اٹک کر رہ گئیں۔ مگر اس چڑھائی کے نہونے کا سبب ایک اور ہی ہوا کہ ایشیا میں وہ طوفان برپا ہوا کہ اُسنے
سارا رنگ وروپ اُسکا بدل دیا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہی کہ مغلوں میں چنگیز خاں جو پہلے کوئی نامی گرامی
سردار نہ تھا ایسا قوی اور زبردست سپہ سالار ہوا کہ کوئی اُسکا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ ایک جرار قہار فوج مغل و
تاتار کی اُسکے پاس تھی۔ جہاں یہ فوج جاتی ملک کے ملک بے چراغ کرتی۔ آندھی بھونچال کیطرح مسلمانوں کی سلطنتوں پر
چڑھ آتی اور ایک شور قیامت انہیں مچا دیتی۔ طوفان نوح کے بعد جو کوئی بڑی بلا انسان پر نازل ہوئی ہی وہ یہ
طوفان چنگیز خانی ہی۔ اسکا مذہب تو معلوم نہیں کہ کیا تھا مگر اُسکا ایمان یہ تھا کہ جہاں جائے وہاں انسان کی نسل مٹائے
سب سے اول یہ بلا سلطنت اسلامیہ خوارزم شاہی پر آئی۔ اسکی ساری دولت و مملکت کو غارت کرکے برباد کر دیا
۶۱۸ھ میں وہاں کا بادشاہ جلال الدین اپنی جان بچانے کے واسطے دریاے سندھ کے اسطرف بھاگ آیا۔ اسکے پیچھے
مغلوں کی فوج بھی ملتان و سندھ میں داخل ہوئی۔ سلطان التمش بھی بہت سا لشکر لیکر سلطان جلال الدین کے مقابل
گیا اور بڑی سمجھ بوجھ کا کام یہ کیا کہ جب دیکھا کہ جلال الدین کا ارادہ قیام کا یہاں ہی تو اُس کو کہلا بھیجا کہ آپکے
مزاج کے موافق یہاں کی آب و ہوا نہیں آئیگی جلال الدین اس بات کو سمجھ گیا اور سندھ و سیوستان کیجانب
بھاگ گیا اور یہاں ناصر الدین قباچہ سے لڑائی جھگڑا ہوا تو وہ کیچ و مکران کی راہ سے باہر چلا گیا۔ اُسکے ساتھ ہی
مغلوں کی فوج بھی الٹی چلی گئی۔ ع رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت۔ اتنے ہی دنوں میں یہ فوج اپنا
ڈھنگ دکھا گئی۔ دس ہزار ہندوؤں کو لونڈی غلام بنایا اور جب رسد کی تنگی ہوئی تو اُن بیچارے قیدیوں کو قید حیات سے آزادی دی
۶۲۲ھ ۱۲۲۵ع میں سلطان شمس الدین التمش نے لکھنوتی و بہار پر لشکر کشی کی۔ سلطان غیاث الدین نے جسکا ذکر آگے
ہو چکا۔ ملک بنگال میں بالکل اپنا تسلط کر رکھا تھا اُسکو مطیع کیا اور خطبہ اور سکہ اپنے نام کا جاری کرایا۔ اور اڑتیس
ہاتھی اور اسی ہزار تنگہ نقرہ نذر میں لیے اور اپنے بڑے بیٹے کو ناصر الدین کا خطاب دیکر ولایت لکھنوتی کی جسمیں
تمام بنگالہ داخل تھا تفویض کی اور چتر و دورباش اُسکو دیا اور خود دارالملک دہلی کو مراجعت کی۔ غیاث الدین
خلجی سے ناصر الدین لڑا اور اُسکو قتل کر ڈالا اور بہت کچھ غنیمت میں مال اُسکے ہاتھ آیا جسکو اُسنے دہلی کے
روشناس آدمیوں میں انعام و تحفے کے طور پر تقسیم کیا۔
۶۲۳ھ میں قلعہ رنتھنبور کی فتح کا ارادہ کیا۔ یہ قلعہ متانت میں سارے ہندوستان میں مشہور تھا ارباب تاریخ
کہتے ہیں کہ ستر سے زیادہ بادشاہوں نے اُسپر حملہ کیا مگر کسی سے وہ فتح نہوا۔ سلطان نے چند مہینوں میں اُسے فتح
کر لیا۔ بعد ایک سال ۶۲۴ھ میں قلعہ مندور کو کہ حدود سوالک میں واقع ہی فتح کر لیا۔ یہاں غنیمت بہت ہاتھ لگی۔

جب ناصرالدین قباچہ کو جلال الدین کی لوٹ کھسوٹ سے فرصت ملی تو اُسنے پھر سلطان التمش سے پرخاش
شروع کی۔ اس لیے ۶۲۵ھ میں دہلی سے بلاد اوچہ و ملتان میں سلطان گیا۔ ناصرالدین قلعہ اوچہ کو مستحکم کر کے
قلعہ بھکر کیطرف چلا گیا۔ اور اپنے وزیر عین الملک حسین اشعری کو حکم دیا کہ وہ قلعہ اوچہ سے خزانہ لیکر قلعہ
بھکر میں پہنچائے۔ سلطان نے خود قلعہ اوچہ کا محاصرہ کیا اور اپنے وزیر نظام الملک جنیدی کو ناصرالدین
قباچہ کے تعاقب میں بھیجا۔ ایک مہینہ تک قلعہ اوچہ کا محاصرہ میں رہا پھر صلح سے فتح ہو گیا۔ ناصرالدین قباچہ نے
حصار بھکر سے نکلکر اپنے تئیں دریا سندھ میں غرق کیا۔ اس سے چند روز پہلے اپنے بیٹے ملک علاؤالدین بہرام شاہ کو
سلطان التمش کیخدمت میں بھیجا تھا اور صلح کا پیغام دیا تھا۔ بعد اسکے اُسکا سارا خزانہ آیا اور باقی لشکر سلطان
کیخدمت میں حاضر ہوا اور سارا ملک سمندر تک سلطان کے قبضہ میں آ گیا اور ملک سنان الدین حبش والی دیول سندھ
درگاہ شمسی میں آیا اور اطاعت اختیار کی۔ جب اس مہم کا سارا کام تمام ہوا تو وہ دہلی کی طرف چلا۔

۶۲۶ھ میں سلطان شمس الدین کیواسطے رسولان عرب جامۂ خلافت لائے۔ سلطان نے نہایت ادب
اور تعظیم کے ساتھ یہ جامہ عباسیان پہنا اور بہت خوش ہوا۔ اور اکثر امیروں کو خلعت دیے اور شہر آئین بندی ہوئی اور
خوب نوبتیں بجیں۔ یہ اسی بادشاہ کے عہد میں ہوا کہ خلفاء عباسیہ نے ہندوستان کو ایک جدا گانہ سلطنت مانا

اسی سال میں ملک ناصرالدین حاکم لکھنوتی کی منادی آئی سلطان نے بیٹے کے ماتم والم کی رسموں کے ادا
کرنیکے بعد اُسکا نام اپنے چھوٹے بیٹے کو دیا۔ ۶۲۷ھ میں لکھنوتی کیطرف لشکر کشی کی ملک بلکا ملک خلجی نے بڑا فساد
یہاں مچا رکھا تھا۔ اُسکو پکڑ کر گرفتار کیا اور تخت لکھنوتی ملک علاؤالدین جانی کو دیا اور پھر دہلی میں چلا آیا۔ ۶۳۰ھ
کو گوالیار کا ارادہ کیا۔ وہ مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ یہاں وہ لشکر کو لیکر آیا۔ قریب گیارہ مہینے کے اُسکا
محاصرہ رکھا آخر کو اہل قلعہ تنگ آ گئے اور دیو بل والی قلعہ رات کو بھاگ گیا۔ قلعہ فتح ہوا اور آدمی
سزا دی گئی۔ ملک تاج الدین ریزہ نے کہ دبیر المملکت تھا یہ رباعی کہی ہے۔ رباعی

ہر قلعہ کہ سلطان سلاطین بگرفت ۔ از عون خدا نصرت دین بگرفت ۔ آن قلعہ گوالیار و آن حصن حصین ۔ در سنہ ستہ و ثلاثین بگرفت

۶۳۲ھ میں سلطان نے بلاد مالوہ میں یورش کی اور بھیلسہ کے شہر اور قلعہ کو فتح کر لیا اور ایک قدیمی بتخانہ میں سو سال
کا تھا اور ڈیڑھ سو گز اونچا تھا اُسکو ویران کیا۔ اور اُجین کو فتح کر لیا۔ یہاں مہاکال کے بتخانہ کو مسمار کیا۔ پہلے
زمانہ میں بکرماجیت اُجین کا راجہ تھا جس سے سمبت شمار ہوتا ہے اور اس زمانہ میں سمبت ۱۳۱۶ تھا اُسکی
اُسکی مورت اس بتخانہ میں تھی اور بعض اور مورتیں تھیں اُنکو اور سنگ مہاکال کو سلطان لے گیا اور دہلی کی جامع مسجد

استیصال ناصرالدین قباچہ و سندھ کا الحاق

جامۂ خلافت

فتح لکھنوتی و گوالیار و مالوہ

کے نیچے دفن کرادیا تاکہ وہ لکد کوب میں ہیں۔ اب سارے مالوہ میں اسکی سلطنت کا ڈنکہ بجگیا۔

ان فتوحات کے بعد سلطان آرام سے نہ بیٹھا سکا ملتان کو لشکر لیکر سفر کیا۔ مگر یہ سفر ایسا نامبارک تھا کہ ایک عارضہ میں مبتلا ہوا اور ایسا ضعف طاری ہوا کہ عماری میں بیٹھکر بیڈ توں سے بصورت پوچھکر دہلی میں آیا۔ اُنیس روز بیمار رہا۔ مرض قوی ہوا۔ ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ مطابق اپریل ۱۲۳۶ء کو بین وار فنا سے سرائے بقا کو سفر کیا۔ اسکی مدت سلطنت چھبیس سال تھی۔

حوض شمسی جسکو تالاب شمسی کہتے ہیں۔ وہ دہلی میں سلطان کی یادگار موجود ہے۔ اسکے روزگار کی سب سے زیادہ عمدہ یادگار قطب کی لاٹھ ہے۔ یہ لاٹھ بھی منجملہ عجائب روزگار ہے۔ ابتک اُسکے پانچ کھنڈ موجود ہیں۔ اور اسّی گز اونچی ہے پہلے سات کھنڈ تھے اور سو گز بلند تھی جڑ میں اُسکا محیط پچاس گز ہے اور سرے پر دس گز وہ خالی ہے اور اُسمیں چکر دار زینہ بنا ہوا ہے تین سو اٹھتر سیڑھیاں ہیں۔ باوجود اسقدر بلندی اور عظمت کے ایسی خوبصورت اور خوش قطع بنی ہوئی ہے کہ بے اختیار اُسکے دیکھنے کو جی چاہتا ہے سب جگہ اسپر منبت کاری اور گلکاری بہت خوبصورتی سے بنی ہوئی ہے۔

اس بادشاہ کے عہد میں بڑے بڑے فاضل و عالم اور اہل کمال موجود تھے منجملہ اُنکے نور الدین محمد عوفی تھا جسنے اُسکے عہد میں جامع الحکایات لکھی ہے۔ وزیر اسکا نظام الملک کمال الدین جنیدی تھا۔ یہ وزیر خلیفہ بغداد کے یہاں بھی عہدۂ وزارت پر ممتاز تھا۔ وہ کمالات صوری و معنوی میں مشہور تھا سلطان شمس الدین نے اپنی زبان سے یہ حکایت بیان کی کہ میرے آقا نے مجھے کچھ دام دیکر کہا کہ بازار سے انگور خرید لا۔ رستہ میں وہ دام گر گئے یا کھو گئے اسے نزار زار رونے لگا کہ ناگاہ ایک فقیر آیا اور اس حال پر مطلع ہوا۔ اور مجھے انگور خرید کر مجھے دیئے اور یہ کہا کہ جب تجھکو ملک و دولت حاصل ہو تو فقرا اور اہل خیر کے ساتھ نیکی کرنا اور اُنکے حق کی حفاظت کرنا۔ دوسری نقل یہ ہے کہ التمش بغداد میں تھا۔ اُسکے آقا کے یہاں درویشوں کی ایک مجلس منعقد ہوئی اور سماع سے اہل ذوق کو حال آیا۔ اس مجلس میں التمش کھڑا رہا اور اہل مجلس کی خدمت کرتا رہا۔ شمع کے گل کترتا رہا۔ قاضی حمید الدین ناگوری بھی اس مجلس میں شریک تھا۔ اُسکو اسطرح درویشوں کی خدمت کرنا پسند آیا اور اسپر نظر التفات کی جسکی بدولت اُسکو سلطنت حاصل ہوئی اور مدتوں کے بعد جب وہ ملک ہندوستان میں سریر سلطنت پر بیٹھا تو قاضی حمید الدین ناگوری ہندوستان میں آیا اور طالبوں کے ارشاد میں مصروف ہوا۔ اُسکی مجلس میں درویش رقص و سماع کرتے تھے علما زمانہ میں سے ایک ملا عماد الدین اور دوسرے ملا جلال الدین سماع سے انکار کرتے تھے اور سلطان سے چاہتے تھے کہ قاضی کو سماع سے منع کرے غرض انمیں اور قاضی میں مباحثہ ہوا۔ ملاؤں نے قاضی سے پوچھا کہ سماع حلال ہے یا حرام۔ قاضی نے کہا کہ اہل قال پر حرام اور اہل حال پر حلال۔ پھر قاضی نے سلطان کیطرف منہ کرکے کہا کہ وہ مجلس بغداد کی یاد ہے کہ درویشوں کی نظر سے آپ کو یہ درجہ ملا ہے۔ سلطان

سلطان التمش کے عہد کے بڑے آدمی اور انکی حکایات

اسپر رقت آئی اور قاضی کو اپنے پاس بلایا اور بہت نوازش کی اور پھر سلطان کو بھی سماع سے لذت آنے لگی اور درویشوں کا معتقد ہوا۔ ابن بطوطہ نے اس بادشاہ کے حال میں لکھا ہی کہ عادل فاضل صالح تھا اور ظلموں کے دور کرنے میں اور مظلوموں کے انصاف کرنے میں نہایت مستعد تھا۔ چنانچہ اُسنے یہ حکم دیا تھا کہ جتنے مظلوم ہوں وہ رنگین کپڑے پہنیں۔ یہاں ہندوستان میں سب سفید کپڑے پہنتے تھے پس جب وہ دربار میں بیٹھتا اور کسی آدمی کو رنگین لباس پہنے ہوئے دیکھتا تو اُسکے قضیہ پر نظر کرتا اور انصاف کرتا اور ظالم کے خلاف حکم دیتا۔ فقط اسی اپنی تدبیر پر اکتفا نہیں کی بلکہ اُسنے کہا کہ بعض آدمیوں پر رات کو ظلم ہوتا ہی اُنکے انصاف کرنے میں تعجیل کرنا چاہتا ہوں اسلیے اُسنے اپنے دروازہ پر دو سنگ مرمر کے شیر برجوں کے اوپر رکھے اور اُنکے گلے میں لوہے کی موٹی زنجیریں ڈالدیں اور اُن میں گھنٹی لٹکا دی۔ پس مظلوم رات کو آتے اور اُن گھنٹیوں کو زنجیر ہلا کر سے ہلاتے۔ بادشاہ اُنکی آواز سنکر باہر آتا اور مظلوم کی دادرسی کرتا۔

سلطان شمس الدین نے ۶۲۵ھ میں رکن الدین کو چتر اور دورباش دیکر پرگنہ بداؤں عنایت کیا۔ اور عین الملک اشعری کو کہ ناصر الدین قباچہ کا وزیر تھا اُسکا وزیر مقرر کیا۔ جب سلطان التمش گوالیار کو فتح کرکے دہلی میں آیا تو اُسکو لاہور کی مملکت عنایت کی۔ جب سلطان سندھ و ملتان سے واپس آیا ہی تو اُسکو ساتھ دہلی میں لایا اور وہ باپکے مرنیکے وقت دہلی میں تھا۔ سنہ ۶۳۳ھ میں وہ تخت سلطنت پر بیٹھا اور ارکان دولت نے نثار و ایثار کیا اور شادمان ہوئے۔ اُسنے تخت پر بیٹھتے ہی کاروبار سلطنت کو طاق پر رکھا۔ رات دن عیش و عشرت و رنگ رلیوں میں مشغول ہوا۔ آخر ان قطبی و شمسی کو مسخروں اور مسخرہ پن میں اڑانا شروع کیا۔ بازار میں ہاتھی کی پشت پر مست بیٹھکر روپیوں اشرفیوں کا لوگوں پر مینہ برساتا۔ کبھی کسی کے دل کو نہ دکھاتا تھا۔ اس سے امور سلطنت کے انتظام میں خلل پڑا۔ اسکی ماں شاہ ترکان کی ایک ترکی کنیز تھی ملک کے حل و عقد میں دخل دینے لگی اور ظلم و ستم برپا کیا کہ سلطان شمس الدین کی حیات میں جن سوکنوں کے رشک و حسد سے جلتی تھی انہیں سے بعض کو ہلاک کیا۔ بعض کو طرح طرح سے رسوا کیا۔ اور سلطان التمش کے چھوٹے بیٹے کی آنکھوں میں سلائی پھروائی۔ اور پھر اُسکو قتل کرا دیا۔ اِس کی ان حرکات سے صغیر و کبیر و وضیع و شریف متنفر ہو گئے اور کل ملک نے بغاوت اختیار کی جنکی تفصیل یہ ہی کہ شاہزادہ غیاث الدین محمد کہ سلطان رکن الدین کا چھوٹا بھائی تھا اور اودھ میں حکومت کرتا تھا اُسنے اطاعت چھوڑ دی لکھنوتی سے جو دہلی کو خزانہ جاتا تھا اُس نے لوٹ لیا۔ ملک عز الدین محمد سالاری جو بداؤں و ملک علاء الدین شیر خانی حاکم لاہور اور ملک عز الدین کبیر خانی والی ملتان و ملک سیف الدین کوچی وغیرہ

سلطان رکن الدین فیروز شاہ بن سلطان التمش

انسی کے باہم مراسلت کرکے موافقت کی اور لوائے مخالفت بلند کیا۔ سلطان رکن الدین فیروز شاہ بہت سا
لشکر لیکر دہلی سے نکلا اور کیلوگڈھی میں آیا۔ نظام الملک محمد جنیدی وزیر خوف کے مارے کیلوگڈھی سے بھاگ کر
قصبہ کول میں گیا اور ملک اعز الدین محمد سالاری سے ملا اور سب متفق ہو کر لاہور گئے اور اسطرف کے ملوک کے ساتھ
متفق اللفظ والمعنی ہوئے سلطان رکن الدین انکے دفع کرنے کے واسطے پنجاب کو روانہ ہوا جب منصور پور کے
حوالی میں پہنچا تو جو امیر اُسکے ساتھ تھے وہ دہلی چلے گئے۔ اور سلطان شمس الدین التمش کی بیٹی سلطان رضیہ کو سریر
سلطنت پر بٹھایا اور ماد سلطان شاہ ترکان کو گرفتار کرکے مقید کیا۔ سلطان رکن الدین کو جب یہ خبر پہنچی تو اسنے
دہلی کو مراجعت کی سلطان رضیہ نے سنہ ۶۳۴ھ میں فوج مقابلہ کے لیے بھیجی اُسنے سلطان کو گرفتار کیا اور قیدخانہ
میں ڈالدیا۔ تھوڑی مدت میں وہ اُسی سنہ میں زندان سے دوسرے جہان کو چلا گیا۔ چھ مہینے آٹھ روز سلطنت
کر گیا۔ ابن بطوطہ اس بادشاہ کا حال یہ لکھتا ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد وہ تخت پر بیٹھا اور اُسنے یہ ظلم کیا کہ
اپنے بھائی معز الدین کو مار ڈالا۔ رضیہ بیگم اسکی سگی بہن تھی اُسنے رکن الدین کو اس بھائی کے قتل پر لعنت ملامت
کی تو وہ اُسکے خون کے درپے ہوا۔ جمعہ کی نماز میں رکن الدین گیا تھا کہ رضیہ قصر قدیم کی سطح پر چڑھی جو دولتخانہ
کہلاتا تھا اور جامع مسجد کے قریب تھا وہ مظلوموں کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ آدمیوں کے سامنے سطح قصر پر کھڑی
ہو کر یہ کہا کہ میرے بھائی نے میرے بھائی کو مار ڈالا اور میرے قتل کا ارادہ رکھتا ہے۔ پھر اُسنے باپ کے فیض
واحسان جو انکے ساتھ کیے تھے یاد دلائے۔ یہ سنکر لوگ مسجد میں سلطان رکن الدین پر چڑھ گئے اور اُسکو گرفتار کرکے
رضیہ بیگم پاس لائے جسنے کہا کہ جو قاتل ہے وہ قتل کیا جائے اس طرح بھائی کے قصاص میں وہ قتل ہوا۔ اس کا
بھائی ناصر الدین کم عمر تھا اس لیے رضیہ بیگم تخت پر بیٹھی۔

سلطان رضیہ بیگم

سلطان رضیہ بیگم کو خدا نے وہ سب خوبیاں عطا کی تھیں جو شاہان عادل اور کامل میں ہوتی ہیں۔ جو صاحب
نظر اور کار آگاہ ہیں۔ اسمیں کوئی قصور سوائے عورت ہونے کے نہیں بتاتے۔ یہ نقصان اس میں ایسا تھا
کہ اُسکی صفات گزیدہ نے اُسکو نفع نہ دیا۔ اسمیں یہ صفات تھیں کہ قرآن شریف کے پڑھنے کے جو آداب ہیں
اُن سبکو وہ ادا کرتی تھی۔ علم سے بھی اسکو کچھ بہرہ تھا۔ اپنے باپ کے عہد میں ملکی کاموں میں دخل دیتی۔ سلطان بھی
اسکی عقل اور سمجھ بوجھ کو دیکھکر اس دخل کا مانع نہ ہوتا تھا۔ بلکہ جب گوالیار سے پھر کر وہ آیا تو اُسنے تاج الملک محمود
دبیر سلطنت کو حکم دیا کہ رضیہ بیگم کو میرا ولیعہد لکھدو۔ اس فرمان پر بندگان نے عرض کی کہ لائق اور رشید
بیٹوں کو چھوڑ کر اس لڑکی کو ولیعہد بناتے ہیں۔ بادشاہ اسلام کو یہ سزاوار نہیں ہے۔ سلطان نے فرمایا کہ میں اپنے

بیٹوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ آوارہ بہت ہیں۔ مے نوشی و بدکاری و حرام کاری میں شب و روز مشغول رہتے
ہیں اُنکے بازو میں یہ قوت نہیں کہ سلطنت کے کاروبار کے بوجھ کو سنبھال سکیں۔ رضیہ اگر بظاہر عورت ہے مگر
درحقیقت مرد ہے اور اپنے بھائیوں سے بدرجہا بہتر ہے۔ تم دیکھ لینا کہ میرے بعد رضیہ بیگم سے زیادہ کوئی سلطنت کے
لائق نہوگا۔ جو اس دانشمند بادشاہ نے ارشاد کیا تھا وہی ظہور میں آیا۔ جب سلطان رضیہ بیگم تخت سلطنت پر بیٹھی
پردہ سے باہر آئی۔ مردانہ لباس پہنا۔ قبا در بر تاج بر سر دربار عام میں بیٹھتی اور اجلاس کرتی اور لوگوں کی نالش و
فریاد سنتی اور انصاف اور عدالت کرتی۔ اور رکن الدین کے عہد سلطنت میں جو قواعد و ضوابط شکستہ ہوگئے
تھے اُنکو از سر نو درست کیا۔ اور جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں اُن سبکو دور کیا۔ غرض سلطنت کا انتظام عقل و تدبیر
سے کیا۔ مگر نظام الملک جنیدی وزیر مملکت و ملک علاء الدین شیر خانی و ملک سیف الدین کوچی و ملک عز الدین
کبیر خانی اطراف سے آکر شہر دہلی کے باہر جمع ہوئے اور کفران نعمت کرکے رضیہ کے مخالف ہوئے۔ اور امرا اطراف
خطوط لکھکر مخالفت کے لیے ترغیب دینے لگے۔ اس حال میں ملک نصیر الدین جاگیردار اودہ سلطان رضیہ کی امداد
کے لیے دہلی کیطرف روانہ ہوا جب وہ گنگا سے پار ہوا تو مخالفوں نے اُسے گرفتار کیا۔ وہ بیمار تھا اسی حال میں وفات
پائی سلطان رضیہ شہر سے باہر نکلی اور جمنا کے کنارہ پر خیمہ لگایا۔ امرا ترک جو موافق تھے ہمرکاب تھے۔ امرا مخالف
نے اُسکا کئی دفعہ مقابلہ ہوا آخر صلح ہوگئی۔ تھوڑی مدت میں سلطان رضیہ نے وہ تدبیریں کیں کہ تمام اُسکے مخالف
پریشان ہو کر کوئی کسیطرف بھاگا کوئی کسیطرف سلطان رضیہ کے سواروں نے اُن کا گھوڑ دوڑ کر تعاقب کیا
ملک سیف الدین کوچی کو مع اسکے بھائی فخر الدین کے گرفتار کرکے قتل کیا۔ اور ملک علاء الدین جانی بمقام
بابل و نکوان میں شہید ہوا۔ اور اُسکا سر دہلی میں آیا۔ اور ملک نظام الدین کوہ سرمور میں فوت ہوا جب
اسطرح سلطان رضیہ نے قوت پیدا کی تو مملکت کا انتظام ہوا اور خواجہ مہذب غزنوی کو جو نظام الملک کا نائب
تھا اپنا وزیر بنایا اور اُسکو بھی نظام الملک کا خطاب دیا اور لشکر کی نیابت ملک سیف الدین ایبک کو تفویض
ہوئی اور خطاب اُسکا قتلغ خاں ہوا اور ملک عز الدین کبیر خانی کو ولایت لاہور عنایت ہوئی۔ اب لکھنوتی
لیکر دیول و سندھ تک کل ملوک اور امرا مطیع و منقاد تھے۔ اتفاق سے ملک ایبک رشتہ حق سے پیوستہ ہوا اور
اُسکی جگہ ملک قطب الدین حسن غوری مقرر ہوا اور حصار رنتھنبور کو بھیجا گیا۔ یہاں سلطان التمش کی وفات کے
بعد سے اس قلعہ میں مسلمانوں کو ہندوؤں نے گھیر رکھا تھا ملک قطب الدین لشکر یہاں لایا اور امرا اسلام
کو حصار سے باہر لایا اور قلعہ کو ویران کردیا۔ اور سلطان رضیہ پاس چلا آیا۔ ان دنوں ملک اختیار

رانگین امیر حاجب ہوا اور امیر جمال الدین یاقوت حبشی میراخور کو سلطان رضیہ کی خدمت میں بہت تقرب ہوگیا اور امیر الامرا ہی ہوگیا۔ وہی ہمیشہ بغل میں ہاتھ دیکر گھوڑے پر سلطان رضیہ کو سوار کراتا۔ ایسی حرکات سے ملوک و امرائے ترک کو غیرت آئی۔

ملک اعزالدین حاکم لاہور نے سلطان رضیہ کی اطاعت چھوڑی۔ سلطان رضیہ نے لشکر لیکر وہاں چڑھائی کی۔ ملک اعزالدین اس سے باخلاص پیش آیا۔ اس لیے سلطان رضیہ نے ملک ملتان کہ ملک قراقش پاس تھا اسکو تفویض کیا اور ۶۳۷ھ میں دہلی میں وہ آئی۔ ملک التونیہ نے کہ ترکان چہلگانی سے تھا۔ جس کا بیان آگے آئیگا قلعہ بھٹنڈہ میں بغاوت بلند کیا۔ سلطان رضیہ نے لشکر روان لیکر جانب بھٹنڈہ سفر کیا۔ اثنائے راہ میں امرائے ترک نے ملک یاقوت حبشی کو شہید کیا اور سلطان رضیہ کو گرفتار کر کے مقید کیا اور قلعہ بھٹنڈہ میں بھیج دیا۔ اور خود دہلی میں آکر معزالدین بہرام شاہ بن سلطان التمش کو تخت پر بٹھایا۔ رضیہ بیگم نے ملک التونیہ کو ایسا اپنی فطرت پر چلایا کہ ان دونوں میں نکاح ہوگیا اور ان دونوں میاں بیوی نے جاٹوں اور گکھڑوں کو جمع کر کے اور ادھر ادھر سے لشکر سمیٹ کر دہلی پر حملہ کیا۔ بہرام شاہ نے ملک اعزالدین بلبن کو لشکر کثیر کے ساتھ سلطان رضیہ سے مقابلہ کرنے کیلیے بھیجا۔ دونوں لشکر راہ میں ملے اور لڑائی ہوئی۔ سلطان رضیہ نے شکست پائی اور بھٹنڈہ کو بھاگ گئی۔ پھر ایک مدت کے بعد دوبارہ اپنے پراگندہ لشکر کو جمع کر کے دہلی کیجانب لڑنیکو روانہ ہوئی۔ ۶۳۷ھ میں کیتھل میں پھر ملک بلبن سے شکست پائی اور ان دونوں میاں بیوی کو زمینداروں نے گرفتار کر کے سلطان بہرام شاہ کے حوالہ کیا۔ اسنے ان دونوں کو قتل کر ڈالا۔ سلطان رضیہ نے ساڑھے تین برس چھ دن سلطنت کی۔ دوراندیش جانتے ہیں کہ یہ ادبارکی ہوا کس صحرا سے اٹھی اور دولت ضائع کی دولت کا پھول کس باد تند سے پراگندہ ہوا۔ بھلا غلام حبشی کو امیر الامرائے دہلی سے کیا نسبت اور حبشی کمینوں کو ملکہ تاجدار کی پیشوائی سے کیا کار۔

طبقات ناصری میں اوائل سلطنت رضیہ کا یہ حادثہ عظیم بیان کیا ہے کہ جسکو اور مورخوں نے سلطان التمش کی آخری سلطنت میں لکھا ہے۔ نورترک کے اغوا سے ایک بڑا گروہ قرامطہ و ملاحدہ کا اطراف ہند گجرات اور سندھ اور دوآبہ گنگ و جمن وغیرہ سے آکر دہلی میں جمع ہوگیا تھا۔ اور اس نورترک کے اغوا سے انھوں نے اہل اسلام پر حملہ کا ارادہ کیا۔ نور عظ کہتا اور اوباش اس پاس جمع ہوتے اور علمائے اہل سنت کو وہ ناصبی اور خارجی کہتا اور عوام الناس کو علمائے ابوحنیفہ اور شافعی کی عداوت پر برانگیختہ کرتا۔ ناقشم ماہ رجب ۶۳۴ھ کو روز جمعہ کو ایکہزار

آدمی سلاح و شمشیر و سپر و تیر لیکر دہلی کی جامع مسجد میں چڑھ آئے اور مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا۔ ایک شور و غل مچا تو سلطان کے مبارز نصیر الدین ایتم اور امیر امام ناصر ہتھیار لگائے جوشن و برگستوان پہنے خود سر پر رکھے اور نیزہ و سپر دھرے۔ سواروں کو لیکر آئے اور ملاحدہ و قرامطہ کا قتل شروع کیا اور جامع مسجد کے اوپر جو آدمی تھے اُنھوں نے اینٹ پتھر مارنے شروع کیے اور ایک ملحد اور قرمطی کو زندہ نہ چھوڑا۔

ابن بطوطہ رضیہ سلطانہ کے قتل کی حکایت یوں بیان کرتا ہے کہ جب وہ شکست پاکر بھاگی تو بھوک سے وہ نہایت خستہ حال ہوئی اُس نے ایک کسان کو کھیتی کرتے دیکھا اُس سے کھانے کو مانگا اُس نے ایک روٹی کا ٹکڑا اُسے دیدیا جسکو وہ کھاکر سو رہی۔ وہ مردانہ لباس پہنے ہوئے تھی جب کسان نے اُسے سوتے ہوئے دیکھا اور اُسکے کپڑوں کے نیچے ایک قبا مرصع نظر آئی تو اُسنے جانا کہ یہ عورت ہے اُسکو قتل کیا اور اُسکا لباس اُتار لیا اور گھوڑا لے لیا اور کھیت میں اُسکو دبا دیا۔ اُسکے بعض کپڑے لیکر بازار میں بیچنے گیا۔ اہل بازار نے اُس لباس کو اُسکے خلاف شان دیکھکر خریدنے سے انکار کیا اور کوتوال کو خبر کی جسنے اُسے مارا پیٹا تو اُسنے رضیہ کے قتل کا اقرار کیا اور اُسکے مدفن پر لیگیا اُنھوں نے لاش کو نکالکر غسل دیا کفن پہنایا دفن کیا۔ مدفن پر گنبد بنایا یا اب لوگ اُسکی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اُسکو متبرک جانتے ہیں وہ جمنا کے کنارے پر ایک فرسنگ کے فاصلہ پر شہر سے ہے۔

ابن بطوطہ سے منقول سلطان رضیہ کے قتل کی حکایت

قلعہ بھٹنڈہ میں سلطان رضیہ مقید تھی کہ ۲۸ رمضان ٦٣٧ھ کو بالاتفاق امرا و ملوک نے معز الدین بہرام شاہ کو دہلی میں تخت پر بٹھایا۔ سلطان رضیہ سے جو لڑائیاں ہوئیں اور جسطرح اُنکا فیصلہ ہوا وہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ اب سارے امور سلطنت کا اختیار اور اقتدار اختیار الدین اور نظام الملت مہذب الدین کے ہاتھ میں تھا انھیں کے گھروں میں ساری رونق سلطنت دکھائی دیتی تھی۔ اختیار الدین نے معز الدین کی بہن سے نکاح کر لیا گھر پر ہمیشہ ہاتھی باندھتا تین دفعہ نوبت بجواتا۔ اُس زمانہ میں یہ باتیں بادشاہوں ہی کے ساتھ مخصوص تھیں ان حرکتوں سے بہرام شاہ ان دونوں سے بدگمان ہوا۔ اُس نے اپنے دو معتمد ترکوں کو حکم دیا کہ مستانہ ہیئت بناکر ان دونوں کا جام عمر لبریز کرو۔ ۸ محرم ٦٣٥ھ کو قصر سفید میں یہ ترک مستانہ وار داخل ہوئے اختیار الدین کو چھری سے قتل کیا۔ مہذب کے پہلو میں دو زخم لگائے مگر موت نہیں آئی تھی وہ بچکر باہر نکل گیا ملک بدر الدین سنقر امیر حاجب ہوا اور سلطنت کے سارے کاموں کا مالک ہوا۔ سلطان کے بے اجازت جو چاہتا سو کرتا۔ اور وزیر مہذب الدین پر تفوق ڈھونڈھتا۔ جس نے سلطان کے مزاج کو متغیر کر دیا بدر الدین نے جب سلطان کی بے رخی دیکھی تو وہ سلطان ہی کے دفع کرنے کی تدابیر میں مصروف ہوا

اور یہ جانتے رنگا کہ بادشاہ کے بھائیون مین سے کسیکو اسکا جانشین کرے۔ ماہ صفر ۶۳۹ھ مین صدر الملک تاج الدین
کے گھر پر امراؤکیا ازکا جلسہ ہوا اور انقلاب سلطنت کے باب مین منصوبے وتدابیر پیش ہوئین یہ صدر الملک وزیر
مہذب الدین کے بھی گھر گیا کہ اسکو بھی لاکر شریک مشورہ کرے۔ بادشاہ کا ایک نہایت معتبر آدمی وزیر پاس بیٹھا
ہوا تھا اسکو وزیر نے ایک ایسی جگہ چھپا کر بٹھا دیا کہ وہ ساری باتین صدر الملک کی سنے غرض جب صدر الملک
وزیر پاس آیا اور اسنے تغیر سلطنت کی استدعا کی تو وزیر نے اوسپر صدر الملک سے کہا کہ آپ تشریف لیچلیے مین
بھی نماز پڑھکر آپ کے جلسہ عظیم مین شریک ہونیکے لئے آتا ہون۔ اوسکے بعد اس معتمد سلطانی سے کہا کہ تو ابھی جا کر سلطان سے
وہ باتین عرض کر جو تو نے صدر الملک کی زبان سے سنی ہین اور بادشاہ کو صلاح دے کہ وہ فوراً سوار ہوکر
اس جماعت کے سر پر پہونچکر متفرق کردے۔ جب یہ معتمد بادشاہ کی خدمت مین آیا اور حال عرض کیا تو سلطان
نے سوار ہوکر اس جماعت کو پریشان کردیا اور بدر الدین سنقر کو دربار مین بلا کر بداؤن بھیجدیا۔ اور چار مہینے بعد وہ سلطان
پاس پھر آیا تو اسے مقید کردیا ایسے ہی اور امراء کو جو اس جلسہ مین شریک تھے سزائین دین غرض اس واقعہ سے
امراء کے حال مین یہ تغیر ہوگیا کہ سلطان سے وہ سب خائف رہنے لگے اور سلطان ان سے بدگمان ہوگیا کسی پر اعتماد
نہین کرتا تھا۔ وزیر اپنے زخمون کے انتقام لینے کے سبب سے یہ چاہتا تھا کہ ملک و ترکون اور سلطان ان سب کو
خارج کردے سلطان کو ہمیشہ ترکون سے ڈراتا رہتا تھا اور آخر کو اسکی تدبیر چلگئی نہ امراء ترک رہے نہ سلطان جسکا ذکر ابھی ہوتا ہے
اس بادشاہ کی سلطنت مین واقعہ عظیم شہر لاہور کا ہے کہ اسکو چنگیز خانی مغلون کے لشکر نے خراسان و غزنی
سے آکر گھیر لیا اور مدتون تک جنگ رہی یہان لاہور مین حاکم قراقش تھا وہ بڑا بہادر جوانمرد تھا مگر اہل لاہور نے
اسکے ساتھ موافقت نہ کی اور لڑائی مین تقصیر کی قراقش یہ حال دیکھکر اپنے لشکر سمیت دہلی کو چلا گیا ترکون نے
اسکا تعاقب کیا مگر وہ صاف نکل گیا۔ اب لاہور مین کوئی فرمان دہ نہ تھا اس لئے ۱۶ جمادی الآخری ۶۳۹ھ کو
اوپر مغلونکا قبضہ ہوگیا انہون نے مسلمانون کو قتل و اسیر کیا جب اس حادثہ ہائل کی بہرام شاہ کو خبر پہونچی تو اسنے دہلی
کے قصر سپید مین اپنے اکابر سلطنت کو جمع کیا اور نظام الملک مہذب الدین وزیر اور قطب الدین حسن غوری کو سلطنت
اور امراء کو لشکر دیکر مغلون کے دفع کرنیکے واسطے لاہور روانہ کیا جب یہ لشکر دریای بیاس کے کنارہ پر پہونچا تو نظام الدین
مہذب الملک نے کہ باطن مین سلطان سے نفاق کرتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ امراء اس سے ناراض ہوجائین یہ
مکر و فریب کیا کہ بہرام شاہ کے پاس یہ عرض داشت بھیجی کہ حضور نے جو ایک جماعت منافق میرے ہمراہ کی اس سے
کچھ کام نہین نکلیگا اور یہ فتنہ فرو نہ ہوگا تو خود حضور یہان تشریف لائین یا فرمان صادر فرمائین کہ بندہ

وملک قطب الدین جس طرح سے ہوسکے اس جماعت کو ٹھکانے پہونچاتیں سلطان نے وزیر پر اعتماد کرکے اپنی سادگی کے سبب سے لکہبہیجا کہ وہ جماعت گردن مارنے کے قابل ہے انکو میں سزا دونگا تم چند روز اُن سے مدارا رکھو نظام الملک مہذب الدین نے یہ سلطان کا فرمان امراء لشکر کو دکہا دیا اور بادشاہ کے معزول کرنے میں انکو اپنے ساتھ متفق کرلیا جب سلطان کو اس حال پر اطلاع ہوئی تو حضرت شیخ الاسلام خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کو ان امراء کی تسکین و تسلی کے لئے بہیجا مگر وہ کسیطرح راضی نہوئے شیخ اپنا سا منہ لیکر دہلی کو چلے آئے سلطان معز الدین بہرام شاہ کے دفع کرنے کیواسطے نظام الملک مہذب الدین اور کل امراء دہلی میں آئے اور بہرام شاہ کا محاصرہ کرلیا اور ساڑھے تین مہینے تک محاصرہ رہا اور لڑائیاں ہوتی رہیں اور طرفین سے ایک خلق ہلاک ہوئی اور حوالی شہر بالکل برباد ہوگیا۔ اس فتنہ کے بڑھ جانے کا سبب یہ تہا کہ مبارک شاہ فرخی مہتر فراش بادشاہ کے مزاج پر غالب ہوگیا تہا۔ وہ کسیطرح صلح پر بادشاہ کو راضی نہیں ہونے دیتا تہا۔ اہل شہر بادشاہ کے ساتھ متفق تہے اُس کے سبب سے ماہ ذیقعدہ سنہ ٦٣٩ھ میں شہر کو مخالفین نے لے لیا۔ اور بہرام شاہ کو گرفتار کرکے کچھ دنوں اُسنے مقید رکہا اور پھر قتل کیا۔ اُسکی سلطنت دو سال ڈیڑھ مہینہ تہی ۔

سلطنت علاء الدین مسعود شاہ

جب سلطان بہرام شاہ کا پیمانہ عمر لبریز ہوا تو ملک اعز الدین بلبن بزرگ تخت دہلی پر جلوہ گر ہوا اور اُسکی منادی بہی ہوئی مگر اُسکی تخت نشینی سے امراء راضی نہوئے سلطان شمس الدین کے بیٹے ناصر الدین و جلال الدین اور رکن الدین فیروز شاہ کا بیٹا سلطان علاء الدین مسعود قصر سفید میں مقید تہے انکو قید خانہ سے باہر لائے اور انمیں سے سلطان علاء الدین مسعود شاہ کے سر پر سنہ ٦٣٩ھ ١٢٤١ء میں تاج شاہی رکہا۔ سلطان نے ملک جلال الدین کو خطۂ قنوج دیا اور ملک ناصر الدین کو خطۂ بہرائچ ۔ مگر اسکی سلطنت میں بہی وہی خرابیاں برپا ہوئیں جو پہلے سے چلی آتی تہیں۔ بلکہ ابتر اُسکی دایم الخمری اور عیاشی اور ظلم نے اور ظلم نے اور طرہ لگا دیا۔ اس بادشاہ کیوقت کی بڑی مشہور بات یہ ہے کہ محمد بختیار خلجی جس راہ سے تبت اور خطا میں گیا تہا اسی راہ سے مغلوں کی فوج نے سنہ ٦٤٢ھ ١٢٤٤ء میں بنگالہ پر یورش کی اس راہ سے فقط یہی یورش ہوئی ہے۔ اور کسی یورش کا اس راہ سے تاریخ میں صحیح پتہ نہیں ملتا مغلوں کو شکست ہوئی۔ پہر انہوں نے قندہار کیطرف سے ملک سندھ پر حملہ کیا اور اوچہ کا محاصرہ کیا سلطان نے بہی امراکو جمع کیا اور لشکر فراہم کرکے بیاس کے کنارہ پر فوراً جا پہونچا مغلوں نے اوچہ کا محاصرہ چہوڑ دیا سلطان منظفر اور منصور دہلی میں چلا آیا۔ جب امراء نے دیکہا کہ سلطان مسعود کے

ظلم اور بدستانہ نوشی سے سلطنت کا کام بگڑتا ہے تو انہوں نے اسکے چچا نصیر الدین پاس بہرائچ میں پیغام بہیجا اور ۶۴۴ھ میں اسکو بادشاہ بنایا۔ اور مسعود کو قید خانہ میں ڈالا کل چار سال ایک ماہ اُس نے سلطنت کی۔

سلطان التمش کا سب سے بڑا بیٹا ناصر الدین تہا جب وہ لکھنوتی میں فوت ہوا اور یہ سب سے چہوٹا بیٹا پیدا ہوا تو بڑے بیٹے کی کمال محبت کے سبب سے چہوٹے بیٹے کو اُسکا ہمنام کیا اور اوسکی ماں کو لونی بہیجدیا وہاں اُس بیٹے کی ساری تعلیم و تربیت ہوئی۔

باپ کے مرنے پر کچہہ دنوں قید میں گذرے پہر رہائی پائی۔ اُسکی عادت تہی کہ جوانی میں ہمیشہ سوچ بچار میں رہتا اور سب سے الگ تہلگ رہتا سلطان مسعود کے عہد میں اسکو بہرائچ کی حکومت ملی یہاں تہوڑے دنوں میں اُسکی عدالت اور نصفت اور لڑائیوں کی فتحیابی سے ملک کی معموری اور آبادی میں بہت رونق ہوگئی سلطان علاء الدین مسعود شاہ کی باتوں سے امراء دہلی تنگ آگئے تو انہوں نے ایک خفیہ عرضداشت سلطان ناصر الدین کی خدمت میں بہیجی کہ آپ دہلی میں تشریف لائیں ناصر الدین کی والدہ ملکہ جہان اُسکا سفر میں ہمراہ ہوئی اور اس بہانہ سے کہ سلطان بیمار ہے دلی میں علاج کرنیکو جاتا ہے۔ بیٹے کو دلی تک لے آئی اور کسی کو خبر نہوئی کہ وہ یہاں آپہونچا بلکہ ایسا وہم اُسکو تہا کہ جب راج رات ہوتی تو ناصر الدین کے منہ پر نقاب ڈال دیتی کہ کوئی پہچانے نہیں۔

غرض ۲۳ محرم ۶۴۴ھ مطابق ۱۰ جون ۱۲۴۶ع کو سبز قصر میں یہ سلطان دہلی کے تخت پر بیٹہا جلوس کے دن بڑا جشن ہوا۔ ملک غیاث الدین بلبن خرد کو لقب وزارت عطا ہوا۔ اور سارا کار و بار سلطنت کا اسکے اعتماد پر چہوڑا سلطان نے وزیر بنانے کے وقت اس سے کہدیا کہ کوئی کام ایسا نہ کرنا کہ خدا کے روبرو اُسکے جواب سے تو شرمندہ ہو۔ اس وزیر نے اپنے کام کا حق ادا کیا اور ایسی تدبیریں کیں کہ کسیکو قدرت نہ تہی کہ اُسکے کام میں دم مارسکے۔ غرض ساری سلطنت کا کام اُسکی مٹہی میں تہا۔ بلبن شمس الدین التمش کا غلام اور دانا تہا۔ اب ناصر الدین نے اُسکو خان اعظم الغ خان کا خطاب مرحمت کیا۔ اور اُسکا چچیرا بہائی شیر خان تہا اُسکو خان معظم کا لقب عطا ہوا۔ اور ملتان اور پنجاب کا حاکم مقرر ہوا۔ اس بادشاہ کو اُن مغلوں کا کہٹکا لگا ہوا تہا جنہوں نے غزنی کابل اور قندہار اور بلخ اور ہرات میں شورش برپا کر رکہی تہی۔ غیاث الدین بلبن نے ان سرحدی صوبوں کو ملا کر ایک صوبہ قایم کیا اور شیر خان کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور بادشاہ کو پہلے ہی سنہ جلوس میں پنجاب لیگیا اور جب بادشاہ سودرہ میں پہونچا تو خان اعظم الغ خان کو سر لشکر بنا کر دریاء سندہ کیطرف بہیجا

خان اعظم نے گکھروں کو کہ مغلوں کے ساتھ غارتگری میں شریک ہو گئے تھے۔ اور اس ملک میں غارتگری کیلئے
مغلوں کے رہنما ہوئے تھے نہایت سخت سزا دی سیکڑوں کو قتل کیا اُن کے بچوں کو لونڈی اور غلام بنایا اور پھر
سلطان کے پاس آیا سلطان بسبب تنگی علفہ کے جلد دہلی چلا آیا۔ یہاں یہ انتظام بھی کیا کہ ایک جماعت کی جو
پرانے امیروں کی تھی کہ وہ شمس الدین التمش کیوقت سے لاہور اور ملتان میں جاگیریں رکھتی تھی مگر حق خدمت نہ ادا کرتی
تھی اور مغلوں کی سپاہ سے ساز باز رکھتی تھی۔ اُن سب بوڑھوں کو سلطان غیاث الدین بلبن نے مشورہ لیکر منصب
سے معزول کیا اور انکی جوان اولاد اور عزیز و اقارب کو منصبوں پر مامور کیا۔ اس انتظام سے ملتان اور پنجاب
میں دونوں طرح کا ملکی اور مالی بندوبست ہو گیا اور گکھروں کے فتنہ سے اطمینان ہوا۔ یہ عمل سلطان کا ایسا
ہی تھا جیسا کہ سکندر ذوالقرنین کا سننے میں آیا ہے کہ اُس نے اپنے اُستاد ارسطو پاس ایلچی بھیجا اور پوچھا
کہ میں کیا کروں کہ امراء اور ارکین دولت میری بندگی اور تابعداری نہیں کرتے۔ ایلچی کو باغ میں ارسطو لیگیا اور
باغبان کو حکم دیا کہ سب پرانے پیڑ اکھاڑ ڈال اور نئے پودے اُنکی جگہ لگا دے۔ اور کچھ جواب ایلچی کو نہ دیا اور
رخصت کیا۔ ایلچی نے یہ سارا حال سکندر سے بیان کیا سکندر مطلب سمجھ گیا چنانچہ اُسنے امراء کہن سال کو معزول
کر کے اُنکی اولاد کو اُنکے عہدوں پر مقرر کیا۔ پھر سب انتظام ہو گیا۔ بعد ازیں سنہ ۶۴۷ھ (۱۲۴۶) سے (۱۲۵۰) ۶۴۹ تک غیاث الدین
بلبن ان ہندو راجاؤں سے لڑتا رہا جو شاہان سابق کے ضعف اور بے اعتدالی کے سبب متمرد اور سرکش ہو گئے
تھے چنانچہ اول حملہ میں اُس نے جمنا کے آر پار ملک میں دلی سے کالنجر تک حکومت سلطانی کو قائم اور بحال کیا
پھر آئندہ تین سال کی چڑھائیوں میں میوات کے پہاڑی ملک کو کہ دلی سے چنبل تک پھیلتا ہے صاف کیا پھر
رنتھنبور و کوہ پایہ کے قلعہ کو جو میوات کے پاس ہی فتح کیا۔ اور سلطان ناصر الدین کا بھائی دلی میں آیا
اور پھر وہم زدہ ہو کر یہاں سے چتوڑ کو بھاگا سلطان نے اُسکا تعاقب کیا اور چتوڑ میں پہونچا۔ آٹھ سات
مہینہ یہاں پر رہا مگر فتح نہوا۔ ناچار سلطان دہلی او لٹا چلا آیا۔ سنہ ۶۴۹ھ میں ملک اعز الدین بلبن بزرگ
حاکم اوچہ اور ناگور نے بغاوت اختیار کی۔ سلطان ناگور گیا اور امیر لشکرکشی کی سلطان کے سامنے نہ
ٹھیر سکا۔ اور حاضر ہو کر امان کا جویان ہوا۔ سلطان نے اُسکی عفو تقصیر کر کے اُسکی حکومت بحال رکھی اور خود دہلی
میں چلا آیا۔ پھر نرور کا قلعہ بندیلکھنڈ میں جاکر فتح کیا۔ جاہر دیو نے یہ قلعہ بنایا تھا چنانچہ پانچ ہزار سوار اور دو لاکھ پیادوں
سے وہ بادشاہ سے لڑا آخر شکست فاحش پاکر بھاگ گیا اور چندیری میں قلعہ فتح ہو گیا۔ اور بعد ازاں چندیری اور
مالوہ میں گیا اور وہاں اپنی طرف سے حاکم مقرر کئے اور پھر دلی چلا آیا ان مہمات میں بلبن نے بڑے کارنامے کئے

پیچھے سے بہائی شیرخان نے بہی مغلونکو شکست دیکر غزنی لے لیا۔ اور اُس مین سلطان کے نام کا خطبہ پڑہوایا اور اُسکا سکہ چلایا۔ اور پہر سلطان کے حکم کے بموجب اوچہ پر لشکر کشی کی۔ ملک اعزالدین بلبن بزرگ ناگور سے اوچہ مین آیا۔ اور شیرخان کو اوچہ سپرد کرکے سلطان پاس دلی مین آیا سلطان نے اُسکو بداؤن مین حاکم مقرر کیا جن مہمات کا اوپر ذکر ہوا انمین اکثر سلطان ناصرالدین شریک تہا اور ان فتوحات کا سبب یہ تہین تہا۔ مگر دل مین یہ بات خوب سمجہتا تہا گو وہ ناگوار خاطر ہو کہ بلبن کی بامردی سے یہ سب فتوحات حاصل ہوئی ہین اور ان معرکون مین اول قدم اسی کا ہی۔ بعد اسکے میرا قدم ہی۔ سنہ ۶۵۱ھ مین عمادالدین ریحانی نے کہ بلبن کا ہی دست گرفتہ تہا بلبن کی جان کا خواہان ہوا اور جب جان نہ لے سکا تو بادشاہ سے لگا بجہا کر بلبن کو قطاع ہانسی مین بہجوادیا اور خود وزیر بنگیا اور ازرہ خفا سے بلبنی کو بہی الزام دے دیکر کچہہ سے کچہہ کردیا اور کہین سے کہین بہیجدیا جب ان تغیرات سے بے انتظامی شروع ہوئی تو بدگمانی اور ناراضامندی نے بہی دور دورہ پہیلائے غرض کڑہ مانک پور۔ اودہ۔ بداؤن۔ سرہند۔ سیام۔ کہرام۔ لاہور۔ سوالک۔ ناگور۔ ان سب دس صوبون کے حاکمون نے متفق ہوکر بلبن پاس پیغام بہیجا کہ عمادالدین ریحانی کے ظلم اور ستم سے انتظام سلطنت مین خلل پیدا ہو رہا ہی۔ اب صلاح ہم سب کی یہ ہی کہ آپ چلے جائین اور بطور سابق اپنے کام کا انصرام فرمائین بلبن نے اس درخواست کو منظور کیا۔ اور سبکو کہرام مین جمع کیا عمادالدین ریحانی ان سب کے رفع دفع کرنے کیواسطے سلطان کو لیگیا۔ ان سب امراء اور ملک غیاث الدین بلبن نے نہایت ادب تعظیم سے عرضی لکہی کہ ہم سب آپکے غلام ہین۔ اگر عمادالدین ریحانی آپکی وزارت کے منصب پر ہو تو ہم سب آپکی پابوسی مین مشرف ہون سلطان نے عمادالدین کو معطل کرکے بداؤن کے صوبہ کو روانہ کیا سب امراء سلطان کی خدمت مین حاضر ہوئے اور شاہانہ خلعت انکو مرحمت ہوئے اور پہر سب امراء اپنی جگہ مقرر ہوئے اور غیاث الدین بلبن کے آنے سے سب چہوٹے بڑے خوش و خورم ہوئے۔

سنہ ۶۵۳ھ سے سنہ ۶۵۵ھ تک بغاوتین ہوا کین۔ ملکہ جہان والدہ ناصرالدین نے قتلغ خان سے نکاح کر لیا
۱۲۵۱ ۱۲۵۵ع
سلطان کا دل اپنی مان کی طرف سے برگشتہ ہوگیا قتلغخان کو اودہ کی جاگیر دیکر رخصت کیا پہر اُسکا اودہ سے بہرائچ مین بدلدیا۔ پہر اُس نے بغاوت اختیار کی اور عمادالدین ریحانی اور حاکم سندہ اور بعض اور امراء نے سلطان کی مخالفت پر موافقت کی سلطان نے قتلغخان کی سرکوبی کیواسطے غیاث الدین بلبن کو اور عمادالدین کیواسطے تاج الدین بزرگ کو متعین فرمایا عمادالدین لڑائی کے بعد پہر آیا اور قتل کیا گیا۔ اور قتلغخان بلبن کے

سامنے نہ پہونچ سکا اور بہاگ کر جیت پور چلا گیا۔ اور دونوں سے متفق ہو کر سامانہ اور کہرام کے علاقون میں خلل انداز(ی) شروع کی سلطان نے غیاث الدین بلبن کو پہر اس مہم کا اہتمام سپرد کیا جب دونون فریق آمنے سامنے ہوئے تو یہان دہلی سے بعض حضرات نے قتلغخان اور کشلیخان کو خط لکہکر بہیجا کہ دلی چلے آؤ اور شہر لے لو۔ یہان دلی والون کو انکی اطاعت کی تلقین کرتے تہے بلبن کو تمام مکر و فریب کی خبر ہوگئی اور ساری کیفیت لکہکر سلطان پاس بہیجدی۔ سلطان نے فوراً اس جماعت کے امراء کو حکم دیا کہ اپنی جاگیرون پر جائین بعض کہتے ہین کہ قید خانہ میں ڈالدیا۔ اب قتلغخان اور کشلیخان کو خبر اس امر سے ہوئی وہ سو کوس کی منزل کو دو روز مین طے کر کے دلی مین آئے تو یہان انہون نے کچہہ نہ دیکہا اس سبب سے وہ خود منتشر ہوگئے کشلیخان کو تو حکومت سندہ کی پہر بلبن کی سفارش سے مل گئی مگر قتلغخان کا حال نہ معلوم ہوا کہ وہ کہان چلا گیا۔

یہان یہ بغاوتین ہو رہی تہین کہ مغلون نے اوچ اور ملتان پر حملہ کیا سلطان انکی سرکوبی کے واسطے چار مہینے مین لشکر جمع کر کے روانہ ہوا تہا کہ مغلون کا لشکر بغیر لڑائی کے پہر گیا۔ اس نے سلطان بہی دلی مین پہر چلا آیا پنجاب کی حکومت پہر شیر خان کے سپرد ہوئی اور ملک جلال الدین خان حاکم پنجاب کو لکہنوتی کی حکومت سپرد ہوئی کڑہ مانکپور مین بغاوت ہوئی۔ ارسلان خان اور قلیچ خان نے یہان دنگہ مچا رکہا تہا مغلون کی لڑائی مین سلطان نے انکو بلایا مگر انہون نے اس حکم کو نہ مانا اور نہ آئے سلطان کے یہان آتے ہی بغاوت دب گئی۔

۶۵۸ھ مین خان اعظم الغ خان حسب الحکم سلطان کوہ پایہ دسوالک و رنتہنبور پر لشکر کش ہوا۔ رجپوت و میوات دسوالک کے راجاؤن نے سرکشی پر کمر باندہی اور بڑا لاؤ لشکر جمع کیا۔ یہ بڑی بہاری سرکشی تہی بلبن ہی کی جانفشانی نے انکو مٹایا۔ وہ اسنے ایک بڑی لڑائی لڑا اور مغلوب کیا ۶۵۷ھ ۱۲۵۹ مین انکا ملک فتح کیا۔ یہ میواتی ایسی ایسی جگہ جا کر چہپے کہ اہل اسلام کے سوارونکا وہان جانا مشکل تہا۔ اس لئے بلبن نے اشتہار دیدیا کہ جو شخص میواتی کو زندہ پکڑ کر لائے دو تنکہ نقرہ انعام پائے اور جو شخص میواتی کا سر کاٹکر لائے وہ ایک تنکہ نقرہ صلہ پائے۔ غرض اس اشتہار سے بعض سپاہی ایسے ہوا تہونکے گلا کاٹنے پر آمادہ ہوئے کہ تین چار سو میواتیون کو روز زندہ پکڑ کر لاتے اور خزانہ شاہی سے انعام لیجاتے غرض راجاؤن نے یہ حال دیکہکر لشکر آراستہ کیا۔ بلبن نے بہی سپاہ کو سامنے کیا۔ اگرچہ بعض بڑے بڑے امیر اس لڑائی مین بلبن کے مارے گئے لیکن آخر کو کہیت بلبن کے ہاتہہ رہا۔ اور ڈہائی سو سردار مخالفون کے گرفتار ہوئے انکو دہلی مین لا کر بلبن نے سلطان کے روبرو مارا دس ہزار میواتی اس لڑائی مین مارے گئے مگر یہ قوم ہمیشہ لوٹ مار کرتی رہی اور دلی کے باشندونکو

کبھی انکی لوٹ مار سے انگریزی عملداری تک چین نہ ملا۔ اب سب سے آخر واقعہ عظیم اُسکی سلطنت کا یہ ہے کہ
چنگیز خان کے نبیرہ ہلاکو خان کا ایلچی دہلی کے نزدیک آیا غیاث الدین بلبن پچاس ہزار سوار اور دو لاکھ
پیادے اور دو ہزار ہاتھی اور تین ہزار عرادہ آتشبازی لیکر شہر سے باہر ایلچی کے استقبال کو نکلا طبل اور
دہل اور کرنا اور نفیر کا غل کرنا اور ہاتھیوں کا چنگھاڑنا اور گھوڑوں کا ہنہنانا ہتھیاروں کا چمکنا۔ آتشبازی کا
چھوٹنا۔ ان سب نے آثار قیامت کا نمونہ دکھا دیا تھا۔ پس بلبن ایک تیر کے فاصلے سے اُسکے استقبال کو گیا
اور فوج کی صفوں اور ہاتھیوں کی قطاروں کا تماشا دکھایا اور قصر سفید میں سلطان ناصر الدین پاس لایا
وہاں قصر سلطانی ایک مرقع کا عالم دکھا رہا تھا ایک طرف سادات اور مشائخ کھڑے ہوئے تھے دوسری طرف
عراق اور خراسان اور ماوراء النہر کے شاہزادے اور ہندوستان کے راجہ و مہاراجہ غرض یہ جشن بھی عجیب غریب تھا
ایلچی اس سب سامان کو دیکھکر دنگ ہوگیا۔ شاید اس شان اور شوکت کے سامان نے ہی ہندوستان کو ہلاکو خان
کے ہاتھ سے بچایا۔ اب اس بادشاہ کی آخری عمر تک کوئی واقعہ عظیم وقوع میں نہیں آیا۔ اب غور کرو کہ کہا
بادشاہ کی سلطنت میں جھگڑے اور فساد کیا کیا برپا ہوئے مگر کسی فساد سے سلطنت کو صدمہ نہیں پہنچا
یہ بادشاہ شجاع اور عابد اور سخی تھا۔ اگرچہ اُسکا دربار تکلفات سے پر تھا۔ مگر گھر اُسکا سادگی کا گھر تھا۔ ایک
ہی زوجہ منکوحہ تھی وہی اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی تھی۔ ایکدن اس نیکبخت بی بی نے کہا کہ روٹی پکانے
سے ہاتھ جلتے ہیں۔ کوئی لونڈی خرید لو کہ وہ کھانا پکا دیا کرے اسپر بادشاہ نے جواب دیا کہ بیت المال میں
بندگان خدا کا حق ہے میرا مال اس میں کچھ نہیں ہے کہ روپیہ لیکر لونڈی خریدوں صبر کرو خدا اُسکا اجر دیگا غرض
ساری عمر فقیرانہ بسر کی۔ زہد و تقوی عبادت چاروں پہر اُسکا کام تھا۔ قرآن شریف کی کتابت سے اُسکی
گذر اوقات تھی۔ کبھی خزانہ شاہی سے پیسہ نہیں لیا۔ اتفاقاً ایک امیر نے اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن
شریف زیادہ قیمت کو لیلیا۔ جب اُسکو یہ معلوم ہوا تو بہت ناگوار گذرا۔ پھر وہ اپنے قرآن شریفوں کا ہدیہ معمولی قیمت
پر خفیہ کیا کرتا۔ ایکدن کا ذکر ہے کہ وہ قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ ایک محتاج اُس پاس آیا۔ اُس نے قرآن
شریف میں دو فقرہ برابر لکھے ہوئے دیکھکر یہ کہا کہ ایک فقرہ اس میں غلط لکھا ہے۔ سلطان نے قلم دوات منگا کر اُس
فقرہ پر حلقہ کھینچ دیا۔ اُس محتاج کی احتیاج رفع کرکے رخصت کیا پھر چاقو لیکر اُس حلقہ کو چھیل دیا۔ ایک غلام
نے پوچھا کہ پہلے حلقہ بنایا کیوں۔ اب اُسکو مٹایا کیوں۔ اُس نے یہ جواب دیا کہ محتاج آیا تھا۔ اگر اُس وقت
میں یہ کہتا کہ تو غلط کہتا ہے تو اُسکا دل مکدر اور رنجیدہ ہوتا۔ پھر اس رنج کا مٹانا اس حلقہ کے مٹانے سے

زیادہ خوش ہوتا۔ ایک صلاح کار نیک اندیش کا دل میں نے خوش کر دیا۔ اور یہ محنت کرنی مجھے کچھ ناگوار نہیں
یہ حکایت بھی اُنکی مشہور ہے کہ اُنکا ایک ندیم محمد نام تھا ہمیشہ اُسکو محمد کہکر پکارتا۔ مگر اتفاقاً اُس سے ایکدن اِس
ندیم کو کہا کہ تاج الدین ادھر آ۔ اور یہ کام کر۔ ندیم نے کام کیا۔ مگر کام سے فارغ ہو کر اپنے گھر گیا اور تین دن تک بادشاہ
کی ملازمت میں نہیں آیا۔ سلطان نے آدمی بھیجکر اُسے بلایا اور غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ ندیم نے عرض کیا کہ
حضور نے خلاف عادت مجھے تاج الدین کہکر پکارا اور اس غیر نام لینے سے میں نے جانا کہ بادشاہ کا دل متغیر ہوا
تین دن سے اسی رنج میں گھر میں پڑا تھا۔ سلطان نے کہا کہ مجھے کچھ تجھ سے رنج نہ تھا مگر میں بے وضو تھا۔ بے وضو محمد کا
نام لیتے مجھے شرم آتی ہے۔ اسلئے تاج الدین کہکر پکارا۔ طبقات ناصری جو ایک مشہور تاریخ ہے وہ اسی بادشاہ
کے عہد میں تصنیف ہوئی ہے۔ غرض یہ نیک سیرت بادشاہ گیارہویں جمادی الاول سنہ ۶۶۴ھ مطابق
فروری سنہ ۱۲۶۶ء کو بہشت نصیب ہوا۔ بیس برس کئی مہینے تک اُس نے سلطنت کی۔

سلطان غیاث الدین بلبن

سلطان بلبن کا بادشاہ ہونا

ناصر الدین محمود کے تخت و تاج کا کوئی وارث تھا سلطان غیاث الدین بلبن اُسکی زندگی میں ساری
سلطنت کا مختار تھا۔ اب اُسکو خود بادشاہ ہونے میں کچھ دقت نہوئی سنہ ۶۶۴ھ ۱۲۶۶ء میں تخت شاہی پر بے تکلف
بیٹھ گیا۔ اب اصل حقیقت اس کی یہ ہے کہ اُسکا باپ بڑا امیر تھا۔ بغداد میں دس ہزار خانوار کا سردار تھا۔ اور سلطان
قراخطا و طائفہ البری میں سے تھا جب مغلوں نے اس دیار کو فتح کیا تو وہ اُنکے ہاتھ میں اسیر ہوا۔ اور ایک
سوداگر نے اُسے خریدا۔ اور بغداد میں جاکر جمال الدین بصری کے ہاتھ بیچا۔ جمال الدین بصری نے اِس
نظر سے کہ وہ سلطان التمش کا ہم قوم تھا اُسکی نذر کیا۔ سلطان نے اُسکے چہرہ کے آثار دیکھکر باز دار خاص
کا مقرر کیا اور بعد ازاں بتدریج اور منصب و عہدوں پر سرفراز کیا۔ یہ کیفیت تو سلطان التمش کے زمانہ میں
رہی۔ اب اُسکے جانشینوں کے زمانہ میں سلطان رکن الدین کے عہد میں وہ ہندوستان کے ترکوں کے
ساتھ سازش کر کے پنجاب میں باغی ہو گیا۔ سلطان رضیہ کے عہد میں گرفتار ہو کر محبوس ہوا۔ اور رہا ہوا۔ اور
میر شکار کا عہدہ ملا۔ یہ میر شکار ہونا ایک اشارہ غیبی تھا کہ ایکدن صید عالم اُسکا شکار ہوگا۔ سلطان معز الدین
بہرام کے عہد میں میر آخور مقرر ہوا۔ یہ میر آخور ہونا ایما ربانی تھا کہ ایکدن اقبال کا گھوڑا اُس کی رانوں تلے
دوڑیگا۔ میواتی اکثر دہلی میں آکر لوٹ مار کرتے اور تکلیف دیتے۔ اُنکے انتظام کے واسطے پرگنات ہانسی اور
ریواڑی غیاث الدین بلبن کو اقطاع میں دئے گئے۔ اُس نے میواتیوں کو ایسا دبایا کہ سر نہ اٹھانے دیا اُنکا پامال

سے اس کی شجاعت اور مردانگی کا ایک شہرہ ہوگیا اور سلطان علاء الدین نے اسکو اسی بات پر امیر حاجب کا عہدہ
دیا اس کام میں بھی وہ پورا نکلا سلطان ناصر الدین کی زندگی میں تو وہ سلطنت کا مالک ہوگیا سلطان برائے نام
بادشاہ تہا۔ درحقیقت بلبن ہی بادشاہی کرتا تہا اور بعد اسکی وفات کی خود سلطان ہوا التمش کے چالیس ترکی غلام
تہے اور وہ ترکی غلام سلطان التمش کے بڑا جاہ و منصب رکہتے تہے انکو چہل گانی کہتے تہے اور خواجہ تاش انکا لقب تہا
بعد سلطان التمش کے یہ سب ایک مجلس میں جمع ہوئے اور آپس میں یہ بات بہ قول و قسم اور عہد و پیمان ہوا کہ ملک ہند کو
تقسیم کرلیں تہوڑے سے دنوں میں آپس میں پہوٹ پڑگئی اس لئے کام نہ بن پڑا ہر خواجہ تاش بجائے خود خود سر ہوگیا اور اپنے سامنے
اوروں کو بے حقیقت گننے لگا اور دوسرے کو یہ کہنے لگا کہ تو کیا ہے جو میں نہیں ہوں اور تو کیا ہوسکتا ہے جو میں نہیں ہوسکتا
غرض ان غلاموں کا دور دورہ تہا باقی سب بیچارے امیر و وزیر زادے خراب خستہ پڑے پہرتے تہے سلطان شمس الدین کی
اولاد میں سے جو دو چار بادشاہ ہوئے کم سن تہے یا وہ نوجوان۔ سلطنت کے کاموں سے ناآشنا تہے وہ جہانداری و جہانبانی
سے کچہ خبر نہ رکہتے تہے عیش و آرام سے کام تہا سلطان ناصر الدین بیس برس تک انکے ہاتہ میں کٹ پتلی کی طرح رہا اسکا
زمانہ جمشید کی یہ مثال صادق آتی تہی کہ جبتک جنگل کو شیر نہیں چہوڑتا ہرن فراغت سے نہیں چرتا۔ اور جبتک آشیانہ میں
باز کرگس نہیں بیٹہتا مرغ ہوا میں بے خوف نہیں اڑتا۔ ایسے ہی جبتک بزرگ و سردار اپنی بزرگی کے مقام سے نہیں
گرتے ہرزہ کار اور مردم خریدہ بلندی پر نہیں چڑہتے انہیں چہلگانی میں سے غیاث الدین بادشاہ ہوا اس نے سب
قول قرار توڑ ڈالا تا اور عہد و پیمان کو توڑنا چاہا جن خواجہ تاشوں سے اسکو ذرا بہی سلطنت میں خطرہ معلوم ہوا
انکو حیلہ حوالہ کرکے جاہ و منصب سے محروم کردیا۔ دستور العمل مقرر ہوگیا کہ اراذل میں سے کسی شخص کو ملکی کام نہ ملے جب
کوئی شخص نوکر ہوتا اس کے حسب و نسب زہد و تقوے کی بڑی تحقیقات ہوتی اور بعد نوکر ہوجانے کے بہی کچہ بہی فرق معلوم
ہوتا تو عہدہ سے برطرف ہوتا ہندؤں کو معزز عہدوں کا ملنا موقوف ہوگیا۔ اس بادشاہ کو اراذل سے یہانتک نفرت تہی اور اپنی
بادشاہی پر ایسی نخوت تہی کہ کبہی اولچ سے ہمکلام نہوا جبتک زندہ رہا کسی امیر کا مقدور نہوا کہ کسی کی سفارش اسکے
یہ اس بادشاہ کی اقبالمندی اور خوش نصیبی تہی کہ اور ملکوں میں بڑے بڑے زبردست مسلمان بادشاہوں کی سلطنتیں
برباد ہوگئیں مگر ہندوستان میں اہل اسلام کی سلطنت قائم رہی مغلوں کے ہاتہ سے تنگ ہوکر اور ڈر کر بیس بادشاہ
اور بادشاہزادے اور امراء اپنا اپنا ملک چہوڑ کر یہاں آچکے تہے اور پندرہ خاص اسکے عہد میں بہاگ کر آگئے۔
بادشاہ انکی بڑی خاطر داری اور عزت کرتا اور فخریہ کہا کرتا کہ آج میرے ہاں پندرہ بادشاہ مہمان ہیں جب امیر
اسکا احسان مانتے تہے اور اسکے تخت کی گرد دست بستہ کہڑے رہتے تہے دو چار کو بیٹہنے کی بہی اجازت تہی۔ ان امیرون

اور بادشاہون اور شہزادون کے نامون پر دہلی مین محلے و بازار آباد ہو گئے تھے عباسی اور سنجری اور خوارزمی اور دیلمی اور علوی اور اتابکی اور غوری اور چنگیزی اور رومی اور سنقری اور یمنی اور موصلی اور سمرقندی اور کاشغری اور خطائی اور ان امراء کے باعث سے روم اور غور اور خوارزم اور بغداد وغیرہ کی سلطنتون کی یادگار ایک مدت تک اسکی دارالسلطنت مین قایم رہی۔

شہزادہ محمد کا حال

سلطان محمود اور سنجر کے دربار مین تو کیا اجتماع ارباب فضل اور علم و ہنر کا ہوا ہوگا جو غیاث الدین بلبن کے دربار مین تھا اسکے دو بیٹے تھے بڑا بیٹا سلطان محمد تھا یہ شاہزادہ بڑا صاحب کمال تھا۔ اسکو بڑا شوق تھا۔ اسکے ہان علماء اور فضلا جو اس زمانہ مین اپنا نظیر نہ رکھتے تھے جمع تھے تمام مشہور مورخ اسکے عہد کے بادشاہ کی ملازمت مین داخل تھے حضرت امیر خسرو و خواجہ حسن بہی بادشاہزادے کے پانچ سال نوکر رہے تھے وہ انکی تعظیم اور تکریم سب سے زیادہ کرتا تھا حضرت امیر خسرو نے اس شاہزادے کی یہ کیفیت لکھی ہے کہ جدت طبع اور سخن شناسی اور متقدمین اور متاخرین کے اشعار کے یاد رکھنے مین اسکی برابر بہت ہی کم آدمی دیکھے ہین اسی لیاقت سے اسنے بیس ہزار منتخب اشعار کی بیاض لکھی تھی کہ اور شعراء زمانہ بہی اسکی نقل کرنیکی تمنا رکھتے تھے حضرت شیخ سعدی کو بہی زاد راہ خرچ بہیجکر بلایا تھا مگر انہون نے اپنی پیرانہ سالی کا عذر کیا اور ایک کتاب اپنی اشعار کی بہیجی۔ اور حضرت امیر خسرو کی سفارش کی اور انکے ہم صحبت ہونیکی مبارکباد دی غرض اس شاہزادے کے سبب سے تو ارباب علم اور فضل کا اجتماع تہا۔ دوسرا بیٹا قراخان تھا وہ رنگین طبع اور عیش دوست تھا گویئے سنجو بجے۔ نقال۔ بہانڈ۔ ظریف۔ خوش طبع۔ ہزل گو سب اسکی مجلس مین جمع رہتے۔ دستور ہے کہ جو رنگ ڈہنگ بادشاہ اور بادشاہزادونکا ہوتا ہے۔ اسی کی تقلید اور امیر امرا کرتے ہین ان دونون بہائیونکی پیروی مین اور امراء کا حال بہی یہ تھا کسی کے ہان عالم فاضل ندیم تھے کسیکے ہان نقال اور رقاص انیس تھے۔

انتظام سپاہ

سلطان غیاث الدین نے اول ہی سنہ جلوس مین سپاہ کا انتظام جو اصل مایۂ و سرمایۂ ملک داری ہے سب پر مقدم جانا۔ نئے پرانے سوارون اور پیدلون جوان وفادار و عالی ہمت و تجربہ کار ملوک کے سپرد کیا جنکے خاندان کبہی کفران نعمت کا داغ نہین لگا تہا بعد اس انتظام کے وہ اپنی شان و شوکت و سطوت کی نمایش مین مصروف ہوا اسکو آرایش لباس اور زیبایش دربار کا بڑا شوق تھا۔ دربار عام اسکا اس شان و شوکت سے ہوتا کہ بہت دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے تھے اور دیکھکر دنگ ہو جاتے تھے۔ سواری بڑے تجمل اور احتشام سے نکلتی جشن بڑی دہوم دہام سے ہوتا۔

دربار

بلبن اس دربار کی شان کو امور سلطنت مین ایک بڑی بات جانتا تھا وہ کہا کرتا تھا کہ مین نے سلطان التمش کی زبانی سنا ہے کہ اگر دربار شاہی باعظمت و شوکت نہو تو پہر بادشاہی مین ضعف آجاتا ہے ان تکلفات ظاہری سے اصل حقیقت پر پردہ پڑ گیا تھا۔

عدالت سلطان بلبن

جیسی اس بادشاہ کو دربار کی شان و شوکت کیطرف [illegible] عدل اور انصاف کیطرف بھی رغبت تھی۔
وہ عدالت کیوقت ادنے اور اعلی کو برابر جانتا تھا اور کسیکی [illegible] رعایت نہ کرتا اپنے بیٹون سے کہا کرتا تھا کہ
تم میرے جگر گوشے اور نور چشم ہو۔ مگر کہین تم ظلم اور ستم کروگے تو پھر تمہارے لئے بھی [illegible] کوئی [illegible] نہین ملک
نعمت بداؤن کا صوبہ دار تھا اور چار ہزار سوار کی جاگیر رکھتا تھا اُس نے حالت مستی مین ایک فراش کو مار ڈالا
تھوڑے دنون بعد سلطان غیاث الدین وہان گیا اُس فراش کی بیوی فریادی آئی تو اُسنے ملک نعمت کو ہزار
درّے پٹوائے کہ وہ مرگیا اور جس بریدنے اُسکی اطلاع نہین دی تھی اُسکو دار پر کھینچا۔ اس لئے تمام امرا اوپر برید [illegible]
رکھتے تھے کہ وہ نیک و بد حال سے اطلاع دین۔ امرا بریدونکے ہاتھ سے تنگ آرہے تھے ہیبت خان صوبہ دار اودہ نے شراب
کے نشہ مین ایک غریب کا خون کیا اُسکی بی بی نے بادشاہ پاس نالش کی۔ بادشاہ نے ہیبت خان کو پانچسو
درّے مارکر عورت کے حوالے کیا اور فرمایا کہ یہ مجرم آجتک ہمارا غلام تھا اب تیرا غلام ہے بیچارہ بڑی سعی اور سفارش سے اُس
عورت کی غلامی سے آزاد ہوا۔ مگر پھر شرم کے مارے ساری عمر گھر سے باہر نہین نکلا جب کبھی بلبن کا گذر پل اور دریا یا
کسی اور دشوار گذار مقام پر ہوتا تو اُسکا یہ دستور تھا کہ وہان خود توقف کرتا اور اپنے اہلکارونکو یہ اہتمام سپرد کرتا کہ وہ
پیدل ضعیف اور عورتون اور بچون اور لاغر ناتوان جانورون کو آرام اور آسایش سے اتار دین سوار ہاتھی اور چوپائے
اپنے اپنے کام مین لگا دیتا۔ ایام جوانی مین خوب مستانہ نوشیان کرتا۔ ہر ہفتہ مین دو تین مرتبہ رندانہ مشربونکا جلسہ کرتا
اور بڑے جشن اڑاتا اور روپیہ لٹاتا۔ جوا کھیلتا اور جو جیتتا لٹا دیتا مگر جب بادشاہ ہوا ان سب بیجا کامون سے
توبہ کی اور پھر کبھی اُنکے پاس نہ گیا اور نہایت متقی اور پرہیزگار ہوگیا صوم و صلوٰۃ کا پابند۔ اشراق اور چاشت
تہجد کی نماز کبھی قضا نہ کرتا کبھی بے وضو نہ رہتا۔ علماء اور فضلا سے ہمیشہ مسائل مذہبی کی تحقیق کرتا رہتا
کھانا نہ کھاتا جبتک علماء اُسکے دسترخوان پر نہ بیٹھ لیتے بڑے امیرونکے گھر ملاقات کو جاتا جمعہ کی نماز مین جامع [illegible]
آتا اور جب ہا لئے پھرتا جہان مجلس وعظ کی ہوتی وہان اترتا اور وعظ سنتا اور بہت روتا بغیر موزہ اور ٹوپی
کے اُسکو کسی خدمتگار نے بھی نہین دیکھا۔ کبھی مجلس مین قہقہہ مار کے نہین ہنستا اور کسیکا کیا مقدور تھا جو اُسکے
سامنے ہنستا باوجود ان افعال اور اعمال حسنہ کے اُسکی سیاست بھی غضب کی تھی کافر و مسلمان ہر جسنے
اسکے ذرا بھی سرتابی کی اُسکو نہایت سخت سزا دی اولاد شمس مین جسکو اپنی سلطنت کا دشمن جانا فوراً قتل کرا
ڈالا اس سزا دہی مین اسکو شرع و غیر شرع ہونیکا ذرا خیال نہ تھا [illegible]

تخت ریاست کا سبب تہا کہ ضوابط سلطنت [illegible] جو سلطان التمش کی نالائق اولاد کی سلطنت کے سبب سے ضعیف اور سست [illegible] ہو گئے تھے شکار کا شوق بھی انکو ازحد تہا دلی کے گرد بیس کوس تک حکم تہا کہ کوئی [illegible] اسلیے جب شکار کو جاتا ہزار سوار ساتھ لیجاتا - یہ فوج شکار مین کچھ کام نہ آتی بلکہ انہیں [illegible] کو دوڑ دہوپ کی عادت پڑتی تھی - اگرچہ یہ بادشاہ شراب بہی پیتا مگر [illegible] فیاض گنا جاتا تہا ایکدن عادل خان و تیغ خان جو سلطان کے بڑے دوست تھے عرض [illegible] گجرات اور مالوہ اور بعض اور ملک جو سلطان قطب الدین اور شمس الدین کے عہد مین تصرف مین آئے تھے لیکن حضرت کی قوت اور قدرت کو کوئی نہین مانتا - وہان سے روپیہ اور ہاتھی پیشکش مین نہین آتے بہتر ہوگا کہ انکی تسخیر کیجائے - اسپر اُسنے جواب دیا کہ جو تم کہتے ہو اُسکا خیال مجھے تم سے زیادہ ہے - مگر تمنے کیا نہین سُنا کہ مغلونکا آجکل زور شور ہوا ہے اور کتنی بڑی سلطنتیں انہوں نے تہ و بالا کیا ہے - لاہور پر کئی دفعہ ہاتھ چلا چکے ہین ہندوستان کی تاک مین بیٹھے ہین ابھی وہ نہین کہین دلی سے دور گیا تو وہ دوآبہ کو تاخت و تاراج سے نہین چہوڑتے یہ مغلونکا دغدغہ پہلے بادشاہونکے جی نہ لگا ہوا تہا اسلیے وہ ہندو راجاؤن سے لڑتے بہڑتے تہے غرض دلی سے کسی دو جگہ جانا مصلحت نہین بلکہ دوراندیشی کا اقتضا یہ ہے کہ اپنے ملک کو مضبوط اور مستحکم کرین نہ یہ کہ غیر دیکھے ملک پر حملہ کرین اپنی ولایت قدیم کو ناقص چھوڑنا اور دور دور کے ملکونمین جانا عقل کا کام نہین مغلون سے لڑنا بہڑنا نہایت مشکل ہے ہندوؤن کا زیر و زبر کرنا کیا بات ہے -

سلطان شمس الدین کی اولاد کی سلطنت مین میواتیون نے بڑا سر اٹھایا تہا ۶۶۵ھ ۱۲۶۶ء مین گنگا جمنا کے کنارے ان لوگون جو دو آبہ اور میوات کے پہاڑون پر بڑے شور اور فساد ان لٹیرون نے مچایا - دلی مین انکی غارتگری سے امن تہا اور اس سبب سے سلطنت مین بہی تہوڑا بہت خلل پڑا تہا مگر یہان بلبن کی سفاکی اور خونریزی کا قاعدہ بہی ان مفسدونکے مٹانے مین بڑا کام کر گیا اور بہت ہی کارگر ہوا میوات مین ایک لاکھ میواتی اُسنے قتل کیے جنگل کے جنگل دلی کے نواح مین انکی پناہ کیلیے کہڑے ہوئے تہے اُن سبکو کٹوا کر صاف میدان کر دیا اور کہیتی کرنیکا حکم دیدیا اور جابجا تہانے بٹہا دیے اور عمدہ عمدہ تہانہ دار کارگزار مقرر کر دیے یہ اُسکا نہایت عمدہ انتظام تہا کہ جہان وہ مفسدون اور لٹیرون کا جماؤ دیکھتا وہین چہاؤنی ڈالتا اور ان مفسدونکو نیست و نابود کرتا - اس بندوبست سے تمام راہین جاری ہوگئین اور اُن مین خوف لٹنے کا نہ رہتا - بدایون اور امروہہ کے حاکمون کی زبانی ملک کٹہر کی سرکشی کا حال جس وقت معلوم ہوا اُسیوقت سلطان پانچہزار سوار لیکر وہان پہونچا اور سب سرکشون سے ملک کو پاک صاف کیا پہر اس ملک مین مدت العمر تک کسی مفسد کا نام نہ رہا - اب سلطان دلی مین آیا یہان کچہ دنون ٹہیر کر وہ

مفسدوں کا تدارک اور انتظام

کوہستان جود مین گیا اور مناسب لشکر ساتھ لیگیا اور جود کے رہنے والون کی سرزنش کی اور ملک کو تاخت و تاراج کیا۔ گھوڑے اس کثرت سے لوٹ مین ہاتھ لگے کہ چالیس ٹنکہ کو ایک گھوڑا بکنے لگا جود سے دہلی مین آکر دو برس بعد لاہور گیا اور حصار لاہور کو از سر نو بنوایا سلطان التمش کی اولاد کے عہد مین مغلون نے اسے خراب کر دیا تھا۔ لاہور اور قصبات اور دیہات لاہور کو کہ مغلون سے ویران اور بے آب کر دئے تھے پھر آباد کیا اور اپنے گماشتے اور معمار مقرر کئے۔

اسی سفر مین اُسکو معلوم ہوا کہ اقطاع داران شمسی لشکر مین نہین آتے اور کچھہ کام نہین کرتے اور اہلکارونکی حمایت سے دہات کی آمدنی مفت چین سے نکمے گھر بیٹھے کھاتے ہین جب سلطان بلبن دہلی مین آیا تو دیوان عرض کو فرمایا کہ اقطاع داران شمسی کے دفتر کو خوب تفحص و تحقیق سے درست کر لے اور پھر حکم شاہی کیواسطے پیش کرے ان اقطاع دارونکی کیفیت یہ ہے کہ یہ تمام اس لشکر کا تھا کہ سلطان شمسی کے عہد مین دو ہزار سوار کا دوآبہ کے حوالی دوآبہ کے دہات مین مقرر کیا گیا تھا۔ جب اسپر تیس چالیس سال کا عرصہ گذر گیا تو ان سوارون مین سے بہت سے بڈھے ہو گئے کسی کام کے نہین رہے اور بعض مر گئے جن کی اولاد اپنے باپ کی دہات پر قابض ہوئی اور باپ کی جگہ اُنکا نام دفتر مین لکھا گیا اور جنکے بیٹے نہو تے تھے انکی بجائے غلام مجری ہوتے تھے یہ اقطاع دار اپنے تئین دہات کا مالک جانتے تھے اور کہتے تھے کہ سلطان التمش نے یہ دہات ہمکو انعام دئے ہین عہد شمسی اور فرزندان شمسی کے عہد مین ان اقطاع دارون مین سے کسی اقطاع سے ایک سوار کسی سے دو سوار کسی سے دو سوار کسی سے تین سوار طلب ہوتے تھے۔ اگر کسی عذر کے سبب سے سوار نہ بھیجے جاتے تو وہ عذر اُنکا مسموع ہوتا اور دہات بدستور اُن پاس رہتے پھر یہ ہو گیا کہ یہ اقطاع دار اہلکارونکو تھوڑا سا روپیہ بکری مرغی کبوتر گھی بھیجدیتے تھے اور اُنکی حمایت سے گھر بیٹھے دہات کی آمدنی کھاتے پیتے تھے۔ مگر یہ اندھیر کھاتہ بلبن کے عہد مین تو چل نہین سکتا تھا اُس نے اقطاع دارون کی تین قسمین مقرر کین۔ اول جو پیرانہ سالی کے سبب سے کسی کام کے نہین رہے تھے اُنکی تنخواہ چالیس پچاس ٹنکہ مقرر کی اور انکے دہات کو خالصہ مین داخل کیا۔ دوم جو اقطاع دار جوان اور ادھیڑ تھے اُنکی تنخواہ حسب استحقاق اُنکی مقرر کی گئی اور دہات اُن سے نہین لئے۔ اور منافی تنخواہ کی خالص آمدنی کی تحصیل دیوان شاہی کے اہلکارونکے سپرد ہوئی قسم سوم یتیم و بیواؤن کی تھی جو اپنے غلامون کو گھوڑون اور ہتھیارونکے ساتھ خدمت کیلئے بھیجا کرتے تھے ان سے دہات کی آمدنی لے لی اور بیواؤن اور یتیمونکی تنخواہ مقرر کر دی۔ سلطان کے اس حکم شمسی اقطاع دارون مین کھلبلی پڑ گئی ایک مصیبت عظیم پیدا ہوئی اور ایک شور مچگیا۔ اقطاع دارونکے گروہ جمع ہوئے اور ملک الامرا فخر الدین کوتوال کے پاس گئے

اور فریاد کی کہ پچاس برس سے کچھ زیادہ عرصہ گذرا کہ سلطان التمش نے ہمکو یہ دہات دوآبہ مین انعام مین دیئے تہے جس سے ہمارے بیوی بچونکا گذارا ہوتا تہا جو ہم مین ناتوان تہے اُنسے جسقدر ہوسکتا تہا سوارونکو خدمت سلطانی کے لیئے بہیجتے تہے اور جو ہم مین جوان تہے وہ خود سوار بنکر جاتے تہے ہم یہ نہین جانتے تہے کہ پیرانہ سالی مین ہمارا یہ حال کیا جائیگا اور یتیم اور بیوائین بیس بیس ٹنکہ پر گذارہ کرینگے اور اتنی مدت کی بعد ہمارے دہات خالصہ مین گئے غرض ایسا عجز و انکسار ظاہر کیا کہ ملک لاہر آبدیدہ ہوگیا اُس نے بادشاہ پاس یہ سارا حال عرض کیا کہ سلطان نے جو بڈہون کے دہات ضبط کئے ہین اور اُنکو نکالا ہے اگر بہشت مین خدا بہی بڈہونکو نکالیگا تو مین بہی بڈہا ہوگیا ہون میرا کیا حال ہوگا بادشاہ کو اس پُردرد بیان پر رونا آگیا اور اپنے حکم کو منسوخ کردیا بیت

قرب سلطان مبارک آنکس راست ۔۔۔ کہ کند کار مستمندان راست

اب پندرہ سولہ برس تک سلطنت مین امن رہا کسی مفسد نے سر نہین اُٹہایا۔ مگر بعد ازین ایک بڑی بغاوت ظہور مین آئی۔ سلطان کے ترکی غلامون مین سے طغرل خان ایک غلام تہا اور لکھنوتی مین حاکم تہا وہ شجاعت اور سخاوت مین مشہور تہا۔ اُس نے میگنا یا رجاج نگر پر چڑہائی کی اب میگنا کو تپرا کہتے ہین اور جاج نگر کو جاجپور ضلع کٹک مین واقع ہے۔ اور یہان کے راناسے ہاتہی بہت سے چہین لیئے اور بڑی غنیمت ہاتہ لگی۔
مگر اس غنیمت مین سے دہلی ایک پہوٹی کوڑی نہ بہیجی وہ سمجہا کہ بادشاہ بوڑہا ہوگیا ہے لڑکے اُس کے مغلون کے ساتھ لڑائی بہڑائی مین مصروف ہین سوا اس کے بادشاہ دہلی مین ایک مہینہ تک بیمار رہا تہا۔ اُس کے مرنے کی خبر مشہور ہوگئی تہی جب طغرل خان کو یہ خبر لگی تو اُس نے اپنے جامہ سے باہر نکالے ایک جمعیت کثیر کو جمع کرکے خود بادشاہ بن بیٹہا اور سلطان مغیث الدین اپنا لقب رکہا صحت اور شفا پانیکے فرامین شاہی اُسکے پاس پہونچے پر اُس نے کچہ خیال کیا جس غلطی مین پڑگیا تہا اُسی پر چلا گیا ۱۲۷۹ء میں سلطان غیاث الدین نے اُسکی سرکوبی کے لیئے بنگلین ہوتی دراز کو لشکر کے ساتہ بہیجا مگر اس سپاہ نے شکست فاحش اُٹہائی بادشاہ سپاہ پر نہایت خفا ہوا اور سپہ سالار کو دار پر کہینچا دوبارہ فوج پہر روانہ کی مگر اُس نے بہی شکست کہائی تو بادشاہ اور رنجیدہ ہوا اور خود سپاہ کو لیکر روانہ ہوا وہ آپ کاموں مین خود مطلق رکہتا تہا کسیکی اعانت اور امداد کا محتاج نہ تہا سیدہا باگ اُٹہائے ہوئے سرجو اور گنگا کے پار اُتر گیا اور برسات کے ختم ہونیکا بہی کچہ خیال نہ کیا طغرل نے جب یہ دیکہا تو اُسکے دل پر بادشاہ کا یہ رعب داب چہایا کہ سامنے نہ کہڑا ہوسکا۔ گہربار سب چہوڑ چہاڑ تہوڑی فوج سمیت جنگلون مین بہاگ گیا۔ اب بادشاہ کے آدمیونکو کچہ پتا معلوم ہوا کہ طغرل کہان غائب ہوگیا۔ ملک محمد شیر انداز حاکم کوتل اُسکے تجسس مین پہرتا تہا

بغاوت طغرل

کہ راہ مین بیٹے اُس سے ملے اُنکو دہوکا کر طغرل کے لشکر کا پتہ لگایا۔ اور چالیس سپاہی ہمراہ لیکر طغرل کے
لشکر مین جا گھسا یکسیکو وہان خبر ہوئی کہ یہ سلطان غیاث الدین بلبن کے ملازم ہین جب وہ قریب طغرل خان
کے خیمہ کے پہونچا تو جو سامنے آیا اُسکو قتل کیا۔ طغرل یہ سمجہا کہ غیاث الدین کا لشکر اُسپر ٹوٹ پڑا وہ سراسیمہ ہو کر بہاگا
لشکر تتر بتر ہو گیا جاج نگر کے جانے کے ارادہ سے گہوڑے پر سوار ایک دریا کے پار جاتا تہا کہ اُسکے ایک تیر لگا وہ گہوڑے
سے گرا پہر اُسکا سر کاٹکر جدا کیا اور جسم کو پانی مین پہینکدیا۔ ملک محمد نے فتحنامہ اور سر طغرل کا بادشاہ کی خدمت مین
بہیجدیا۔ بادشاہ اول اس بیبا کانہ حملہ سے ملک محمد پر خفا ہوا۔ مگر پہر اُسکو اس حسن خدمت کا عوض بہت دیا
اور لکہنوتی مین آیا ایک کوس تک سر بازار دو رویہ سُولیان قایم کین اور طغرل خان کے سرداروں اور
امیرونکو جو قید اور دستگیر ہوئے کہینچا اور اُنکے بچّون کو بہی قتل کیا یہ برا کام ابتک کسی بادشاہ دہلی نے نہین کیا
تہا کہ عورتون اور بچّون کو قتل کیا ہوا اور بہت سے آدمی طغرل کے لشکر کے دہلی بہیجے یہان بہی وہ قتل ہوتے
مگر مولویون اور مفتیون کے فتوے نے اُنکو بچا لیا۔ یہان لکہنوتی مین اُسنے اپنے چہوٹے بیٹے بغرا خان کو بادشاہ
مقرر کیا سوا فیل و خزانہ کے جو کچہہ طغرل سے ہاتہہ لگا تہا وہ اُسکو دیا اور چتر اُسکے سر پر کہا اس ملک کا خطبہ و سکہ
اُسکے نام پر مقرر کیا اور رخصت کیوقت یہ چند نصیحتین کین اور یہ بہی کہدیا کہ اگرچہ مین جانتا ہون کہ جہانداری کے
باب مین جو پند کرونگا اپنی نفس پرستی کے سبب سے یہ کاربند نہین ہوگا مگر مین اپنی شفقت پدری کے سبب اپنی کرنے
پر مجبور ہون اول حاکم لکہنوتی کو بادشاہ دہلی سے خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا ہو بغاوت اختیار کرنی نہین چاہیے
اگر دہلی کا بادشاہ لکہنوتی کا قصد کرے تو چاہیے اس سے منحرف ہو کر کسی دور دست جگہ چلا جاے اور جب
بادشاہ دہلی جاے تو وہ یہان آکر حکومت کرنے لگے۔ دوم رعایا سے خراج لینے مین میانہ روی اختیار کرے
اسقدر لے کہ متمردون کو سرتابی کی قدرت نہ ہے اور عاجزون پر زبونی نہو۔ لشکر کو اسقدر مواجب دے کہ وہ
اُنکو کفایت کرے اور اپنر عسرت نہو۔ سوم امور ملکی کو بغیر خیر خواہ و مخلص اہل راے کے شروع نہ کرے نظم

زصد شمشیر زن راے قوی بہ ۔۔۔ زصد افسر کلاہ خسروی بہ ۔۔۔ برای لشکری بشکند پشت ۔۔۔ بشمشیری یکے تا دہ توان کشت

احکام ہوا پرستی سے اجتناب کرے اور اپنے نفس کی خاطر خلاف حق نہ کرے چہارم لشکر کو لازمہ جہانداری
جانے اُس کے حال سے کبہی غافل نہو اور سپاہیون کی خاطرداری کو ضروریات سے جانے جو کوئی
اُسکے خلاف صلاح دے اُسکو کبہی نہ مانے پنجم جو شخص کہ دنیا سے اغراض کرکے حق کیطرف فارغ کر کے اُسکی پناہ مین رہے

حمایت از کہن دانا ے درویش ۔۔۔ زصد سد سکندر فزون پیش

سلطان کے کان نصیحتوں سے خوب بھر کر رخصت کیا۔ اور خود کوچ بکوچ تین مہینے میں دہلی آیا۔ ملک فخر الدین کوتوال کو جسنے اُسکی غیبت میں کارہائے نمایاں کئے تھے اپنی قبا عنایت کی اور اپنا ثانی اثنین بنایا۔ اور ارباب استحقاق کو خوشحال کیا۔ اور علماء اور درویشوں کے گھر جاکر نذرین دین اور جو قیدی کہ مطالبۂ مال کے سبب مقید تھے انکو رہا کیا اور باقی معاف کردی شہر میں پھر دائین کھڑی کرکے طغرل کیبا تھیوں کو کھینچنے کا حکم دیا مگر انمین سے اکثر اہل شہر کے عزیز و اقربا تھے اُنکی گریہ وزاری نے اور مولویوں و مفتیوں کے فتوے نے قیدیوں کی جان بچادی اور اُنکا قصور معاف کرادیا۔ اس لکھنوتی کی فتح کے بعد سلطان کو مہمات ملکی سے فراغت ہوئی۔ کوئی مخالف باقی نتھا اور سارے مقصد برآمد ہوئے مگر قاعدہ ہواذا تم امرٌ دنی نقصہ یہ واقعہ مغلونکا پیش آیا ٦٦٤ھ جلوس میں سلطان بلبن کا چچازاد بھائی شیرخان کا انتقال ہوا وہ ایک خان معظم تھا سلطان شمس الدین کے مرنیکے بعد تیس سال تک مغلونکے حملوں کی سرحد ہند پہ وہی سپر بن رہا تھا وہی چہلگانی میں بزرگ تھا اور بہت اعتبار رکھتا تھا۔ عہد ناصری میں سیام۔ لاہور۔ دیبالپور اور اور قطاعات میں جنمیں مغلونکی آمد کو دخل تھا وہ حاکم تھا۔ کئی ہزار سوار مستعد و جیبد و مرتب اُسکے نوکر تھے بار بار اُسنے مغلونکو شکست دی تھی اور غزنی میں سلطان ناصر الدین کا خطبہ پڑھوایا تھا غرض وہ ایسی فراست و شجاعت و قوت و شوکت اور لشکر کی کثرت رکھتا تھا کہ مغلونکی مجال نتھی کہ وہ سرحد ہند کے گرد بھی آتے اُسنے جاٹوں اور کھکڑوں بھٹیوں۔ مینا ؤں۔ منڈاہیروں کو اور سرکش قوموں کو مار دھاڑ کر ایسا ڈرایا تھا کہ وہ چوہے کے بل ہو رہے پھرتے تھے۔ بھٹنیر میں اس نے ایک بڑا عالیشان گنبد بنایا تھا۔ بھٹنیر بھٹنڈے کے حصاروں کو تعمیر کیا تھا۔ غرض جو اُس نے ہندوستان میں مغلوں کے روکنے کیلئے کام کئے تھے وہ کسیکو کرنے میسر نہوئے چونکہ دہلی میں ذرا ذرا سی بناوٹوں پر بندگان بزرگ شمسی مارے جاتے تھے اسلئے وہ کبھی دہلی نہیں آیا سلطان بلبن کے بادشاہ ہونے پر بھی وہ یہاں نہیں آیا اب کوئی کہتا ہے کہ وہ اپنی موت سے مرا کوئی کہتا ہے کہ سلطان بلبن نے اُس کے ساقی سے شراب میں زہر ملاکر شربت مرگ چکھایا۔ اسکی جگہ سلطان نے اپنے بڑے بیٹے محمد سلطان کو مقرر کیا جسکو عوام خان شہید کہتے ہیں اور باپ نے اُسکو قاآن ملک کا خطاب دیا تھا سر پر چتر رکھا اور ولیعہد مقرر کیا اور ملوک اکابر و معتمد اُسکے ساتھ کئے ملتان کو روانہ کیا وہ اول سنہ جلوس میں ہی کو کل اور اُسکے نواح میں چند اقطاع کا حاکم تھا یہاں اُس نے بڑی شائستگی سے حکومت کی اس شہزادہ میں جتنی خوبیاں شہزادوں میں ہونی چاہئیں سب خدا نے عطا کی تھیں۔

شیرخان کی وفات اور محمد سلطان

اسکے علم و ہنر کا حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں وہ در ویشوں کا بڑا خدمت گذار تھا ایسا مودب اور مہذب تھا کہ نہ کبھی کسی کو گالی دی نہ قسم سوا رحقا کے کھائی۔ وہ جیسے شیر خاں کی جگہ مقرر ہوا ہر سال باپ کی خدمت میں آتا اور پھر چلا جاتا۔ بنگال کی فتح سے جب دہلی میں سلطان آیا تو وہ بھی یہاں بہت سے تحفے لیکر باپ سے ملنے آیا۔ تین چار مہینے تک رہا۔ ایکدن سلطان بلبن نے اُسے اپنے پاس بلایا اور یہ کہا تو خوب جانتا ہی کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور دو قرن سے خانی و ملکی و بادشاہی میں جہانداری کے تجربے حاصل کر رہا ہوں آج میں چاہتا ہوں کہ ان سبکو وصیت کے طور پر تجھ سے کہوں اور وصیت نامہ لکھدوں کہ جب تو بادشاہ ہو تو وہ تیرے کام آئیں۔ اوّل یہ کہ جب تو تخت سلطنت پر جلوس کرے تو امر جہانداری کو جو در حقیقت خلافت خدا ئے عزوجل ہی خفیف اور سہل نہ جانیو اور بُرے اعمال اور رذیل اوصاف سے بادشاہی کی عزت کو بٹا نہ لگائیو اور اراذل اور لیام کو بادشاہی کے کام میں شریک نہ کیجیو۔ بیت

سفیہ را تو مدہ رہ بساحت قربت ... لیام را نتوان منصب کریماں داد

دوم قہر و سطوت کو اپنے محل پر پہنے دینا اور اغراض نفسی سے اجتناب کرنا اور خدا کے واسطے سارے کام کرنا اور خیرتیوں اور دفینوں کو کہ بزرگ عطا ربانی ہیں سے ایک ہی خدا کی رضی کے کاموں میں اور رفاہیت خلق میں صرف کرنا اور ظالموں اور اعدا دین کو ہمیشہ مخذول و منکوب رکھنا۔ سوم اپنی ولایت اور عمال کے افعال و احوال سے سب وقت باخبر رہنا اور انکو محاسن افعال اور فضائل اخلاق کی تحریصیں دینا۔ چہارم۔ متدین و متقی قضات و حکام کو رعایا پر مقرر کرنا تاکہ خلق میں دین و عدل کا رواج ظاہر ہو۔ پنجم یہ کہ خلا و ملا میں لوازم حشمت و عظمت بادشاہی کی مراعات کرنا کبھی ہزل و فحش و لایعنی باتوں سے اشتغال نکرنا۔ بیت

لوازم حشمت و ہیبت رعایت کن ... کہ ہزل با ہمہ کس کم کند مہابت را

ششم صاحب ہمت نیک اندیش و شاکر آدمیوں کو انعام و اکرام دینا اور انکی خاطر داری میں سہل انگاری نکرنا اور صاحب ہنروں و خرد مندوں کی تربیت کرنا کہ جس سے کار مملکت کو رونق و رواج ہو۔ نا خدا ترسوں سے چشم وفا نہ رکھنا۔ ایسے دوری و بیگانگی میں ملک و دین کی اصلاح ہوتی ہی۔ نظم

گو ہر نیک را ز عقد مریز ... وآنکہ بد گوہرست از و پرہیز
بد گہر با کسے وفا نکند ... اصل بد از خطا خطا نکند

ہفتم ہمت و بادشاہی لازم و ملزوم ہیں اور عقلا و حکما نے انکو توام برادروں سے تشبیہ دی ہی اور کہا ہی کہ بادشاہ کی ہمت اگر ایسی ہو جیسی کہ اونچی ہمت ہے تو بادشاہ اور سائر الناس میں فرق کیا ہوگا ہے تنگی کے ساتھ

بادشاہی کبھی جمع نہیں ہوسکتی ہشتم جس کسیکو بزرگ بناؤ اسکو چھوٹے ذلیل کام کرنے پر زمین پر نہ گراؤ۔ جو آدمی مخلص اور ہواخواہ ہوں انکو مصلحت ملکی کی ضرورت بغیر آزار نہ دو اور دوست کو دشمن نہ بناؤ۔ بیت

ہر بشر را کہ خود برافرازی ۔۔۔ تا توانی ز پا نہ بیندازی

نواختہ را بر نے انداخت اگر کسیکو ملک و دین کی ضرورت کے سبب عقوبت کرنی ہو تو اس میں آشتی کی جگہ باقی رکھنی چاہیئے اور آزار دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے کہ بے حرمتی کا جراحت جلد التیام نہیں پاتا اور اسکا تدارک دشوار ہوتا ہے۔ نہم سخن چیں کا سخن کبھی نہ سنو۔ اور اُنکی آمد و رفت کی راہ کو کشادہ نہ کرو کہ جس سے سلطان اور مخلصاں دوست ہراساں ہوں اور امور مملکت میں خطر عظیم پڑے جس مہم کو جانو کہ برآمد کار اس میں نہیں ہوگی تو اسکو کرو نہیں۔ بادشاہوں کو یہ لائق نہیں ہے کہ کسی کام کو شروع کرکے ناتمام چھوڑیں۔ بیت

تا نہ بینی جائے قدم استوار ۔۔۔ پائے منہ در طلب ہیچ کار

دہم عاقلوں کی مشورت بغیر کسی کام کا عزم نکرے جس مہم کا انصرام دوسرے کرسکیں اسکو خود نکرے۔ جہانبانی کے سارے کاموں میں باخبر رہنا اور خلق کے نیک و بد پر آگاہ ہونا ضروری ہے معاملات میں میانہ روی چاہیئے اسلیے کہ قہر کی شدت سے عوام میں تنفر پیدا ہوتا ہے اور سستی اور سہل گیری سے متمردوں کو تمرد کا خیال پیدا ہوتا ہے اور ہر وقت اپنی محافظت میں کہ جسمیں صلاح عام ہو مبالغہ کرنا چاہیئے۔ اور معتمد و مخلص پاسبان مقرر کرنے اپنے بھائی بیٹے پر مہربانی کرنی چاہیئے اُنکی غیبت کبھی نہیں سننی چاہیئے۔ اُسکو اپنا قوت بازو جاننا چاہیئے اور اُنکی جاگیر کو مقرر رہنے دینا چاہیئے بیٹے کو بادشاہ دین پناہ نے یہ ساری نصیحتیں کرکے امارت شاہی دیکر ملتان روانہ کیا۔ سلطان محمد نے ہند کی سرحدوں میں مغلوں کی ایک جماعت کثیر کو قتل کیا اور اپنا ملک اُنکے قبضہ سے نکال لیا۔ جب ارغوں خاں بن اباق خاں بن ہلاکو خاں نے تختگاہ ایران کو زینت دی۔ تیمور خاں کہ چنگیز خانی امرائے عظام میں سے تھا اور ہرات و قندھار و بلخ بدخشاں و غزنی و غور و بامیان وغیرہ اس سے متعلق تھے وہ تاخت و تاراج کے لیے اور اپنے آدمیوں اور عزیزوں کے انتقام کے لیے آیا جو پہلے سنوں میں سلطان کے ساتھ لڑائی میں قتل ہو چکے تھے اُسنے دیبالپور اور لاہور کے درمیان بیس ہزار سوار لیکر یہاں تاخت و تاراج شروع کی اور ملتان کی طرف متوجہ ہوا محمد سلطان خاں کو جب اسکی اطلاع ہوئی تو وہ دن چڑھے ملتان سے باہر آیا اور دوپہر کو دریا کے کنارے ظہر کی نماز کے وقت پہنچا۔ دونوں لشکروں میں بڑی لڑائی ہوئی۔ کئی مغلوں کے سردار قتل ہوئے اور تیمور خاں بھاگ گیا۔ امراء ہند نے برخلاف حزم و احتیاط کے اُسکا تعاقب کیا۔ محمد خاں اہل رسیدہ سے ظہر کی

محمد سلطان کا مغلوں کے ہاتھ سے قتل ہونا

نماز نہیں پڑھی تھی وہ ایک تالاب پر وضو کرکے پانچسو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا کہ اس اثنا میں ایک مغل جو دو ہزار سوار سے کمین میں بیٹھا تھا اُسنے اس فرصت کو غنیمت جانا اور مقابلہ کیطرف متوجہ ہوا محمد سلطان اپنے یاروں کو سوار کراکے لڑنے لگا اور بہت دفعہ حملہ کرکے مغلوں کو گرایا۔ اور قریب تھا کہ مظفر و کامیاب ہو کہ ناگاہ ایک تیر اُسکے آلگا کہ وہ سفیر مرگ ناگہاں ہوا مغلوں نے دشمنوں کے گھوڑے اور اسباب لیکر اسلام کی فوج کے خوف کے مارے اپنی راہ لی۔ اس لڑائی میں حضرت امیر خسرو بھی جو شاہزادے کے ہمرکاب تھے اسیر ہوئے اور مشکل سے رہا ہوئے خان شہید کا مرثیہ اُنھوں نے کہا جسکا ایک شعر یہ ہے۔ ؎

روز چوں باقی نبود آں آفتاب ملک را ٭ روز چیزے بود کاں ہیچ آفتاب افتادہ شد

اس شاہزادے کے شہید ہونے پر سب چھوٹے بڑے آٹھ آٹھ آنسو روتے تھے۔ بادشاہ کو جب یہ خبر پہنچی ہے تو اُسکے دل پر بھی صدمہ عظیم پہنچا۔ گو ظاہر میں وہ اپنا استقلال طبع دکھلاتا تھا مگر دل کا خدا حافظ تھا۔ رات کو زار زار روتا تھا۔ خان شہید کی تمام قطاع و جاگیر اور امارات شاہی اُسکے بیٹے کیخسرو کو تفویض کی اور کارکن امیروں و وزیروں کے ساتھ اُسکو ملتان روانہ کیا کیخسرو ابھی نوجوان تھا سلطان پاس پرورش پاتا تھا اس بیٹے کے غم میں سلطان بتاسے کیطرح گھلتا چلا جاتا تھا عمر بھی اسّی برس سے کچھ زیادہ ہو چکی تھی۔ غرض ان دونوں سببوں سے وہ نہایت کمزور اور ضعیف اور بیمار ہو گیا تھا۔ اس حالت میں آدمی بھیجکر اپنے بیٹے بغرا خاں لکھنوتی سے بلوایا وہ دہلی میں آیا۔ بھائی کی مراسم تعزیت کو ادا کیا اور باپ کی تشفی و تسلی کی۔ باپ نے کہا اب ایسے وقت میں مجھے تنہا نہ چھوڑو۔ سوا تیرے اب میرا کوئی وارث نہیں۔ تیرا بیٹا کیقباد اور تیرا بھتیجا کیخسرو ابھی کم عمر اور ناتجربہ کار ہیں اگر ملک اُنکے ہاتھ آیا تو پادشاہی بازیچہ طفلاں ہو جائیگی۔ معلوم نہیں کہ غلبہ جوانی اور ہوا پرستی میں ملک کا کیا حال کریں۔ پھر ملک رہے یا نہ رہے۔ اگر کوئی تخت دہلی پر بیٹھے تو اُسکی اطاعت کیجیو۔ اور جو تو تخت دہلی پر بیٹھے تو حاکم لکھنوتی کو اپنا مطیع رکھیو۔ اب میرے پاس سے تو کہیں نہ جا۔ بغرا خاں نے باپ کے کہنے کو تسلیم کیا مگر جب باپ کی کچھ صحت کی صورت ہوئی اور مرنے کی امید جاتی رہی تو وہ شکار کا بہانہ کرکے لکھنوتی کو روانہ ہوا اور باپ سے کچھ کہا نہ سنا۔ اسکا رنج باپ کو خان شہید کے مرنے سے بھی زیادہ ہوا۔ اور اس صدمہ سے اور زیادہ رنجور اور بیمار ہوا۔ اور اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ بغرا خاں چلا گیا۔ اگر تخت خالی رہیگا تو جھگڑا اور فساد برپا ہوگا۔ مناسب ہے کہ میرے بعد کیخسرو کو بادشاہ بنائیو اور اُسکو بلائیو یہ کہکر وزیر کو رخصت کیا۔ اور تین دن کے بعد اسّی برس کی عمر میں انتقال کیا۔ وزیر کچھ خانگی امور کے

سبب سے رنجش تھی یہ سمجھا کہ کیخسرو تند مزاج ہے معلوم نہیں کیا کرے اس لیے سب وزیروں کی صلاح کرکے بغرا خاں کے بیٹے کیقباد کو بادشاہ بنایا اور کیخسرو کو اپنے باپ کی جگہ ملتان میں قائم رکھا۔ مگر انکو اسکی کچھ خبر نہ تھی کہ کیقباد کے ہاتھ سے کیا کیا جور و ستم اُٹھانے پڑینگے۔

ابن بطوطہ نے سلطان بلبن کے حال میں لکھا ہے کہ وہ نیک بادشاہوں میں سے تھا اور عادل حلیم فاضل تھا اُسکے نیک کاموں میں سے ایک کام یہ تھا کہ اُسنے ایک مکان بنوایا جسکا نام دارالامن رکھا تھا اُسمیں اگر قرضدار آجاتے تو اُنکا قرضہ چکا دیا جاتا اور کوئی خوف زدہ آجاتا اُسکو امن دیا جاتا کوئی قاتل آتا تو اولیائے مقتول وغیرہ کو راضی کیے جاتے۔ اُسی مکان میں سلطان بلبن کی قبر ہے۔ اُسنے یہ ایک حکایت عجیب لکھی ہے۔

حکایت عجیبہ

فقیر بخاری ذکر کرتا ہے کہ میں نے بلبن کو دیکھا وہ نہایت کوتاہ قد اور حقیر اور کریہ منظر تھا میں نے اُس سے کہا یا ترکک (کہ تحقیر کا ہے) اُس نے کہا لبیک یا اخوند اس کلام سے تعجب ہوا اُسنے کہا کہ تو مجھے اس زمان سے جو بازار میں غلام بیچ رہے خرید لے۔ فقیر نے کہا کہ اچھا جتنے پیسے اُسکے پاس تھے وہ دیکر اُسے مول لے لیا اُس نے کہا کہ میں تجھے بادشاہ ہند کی نذر کر دونگا بلبن نے اُسے قبول کرلیا۔ یہ اتفاق کی بات ہے کہ سلطان شمس الدین التمش نے کہ سمرقند اور بخارا اور ترمذ سے غلاموں کے خریدنے کے لیے ایک تاجر بھیجا تھا اُسنے سو غلام خریدے جنمیں سے ایک بلبن بھی تھا۔ جب یہ غلام سلطان کے روبرو لائے گئے تو وہ سبکو دیکھکر خوش ہوا بلبن کو کوتاہ قد اور بدصورت دیکھکر کہا میں اس غلام کو نہیں لونگا۔ مگر اُس غلام نے پکار کر کہا کہ اے خداوند عالم حضور نے یہ سب غلام کسکے لیے خریدے ہیں یہ سنکر بادشاہ ہنسا اور اُسنے کہا کہ اپنے نفس کے لیے بلبن نے اُسکا جواب دیا کہ اتنے غلام آپنے اپنے نفس کے لیے خریدے ہیں مجھے خدائے عزوجل کے لیے خرید لیجیے سلطان نے کہا اچھا ہیں اُسکو خرید کرکے اور غلاموں کے ساتھ رکھا۔ بلبن اُنمیں حقیر سمجھا جاتا تھا اس لیے بادشاہی سقوں میں بھرتی کیا گیا۔ نجومی جو علم نجوم سے خوب واقف تھے وہ سلطان شمس الدین سے کہا کرتے تھے کہ اُسکے غلاموں میں سے ایک غلام اُسکے بیٹے سے سلطنت چھین لیگا اور خود بادشاہ بنجائیگا۔ یہ بات ہمیشہ وہ سلطان سے کہا کرتے تھے مگر سلطان اپنی صلاح و عدل کے سبب سے انکی کچھ سنتا نہ تھا۔ آخر کو ان نجومیوں نے خاتون کبریٰ کو جو بادشاہ کے بیٹوں کی ماں تھی یہ پیشین گوئی سنائی۔ اُسکے دل پر اسکا اثر ہوا اُسنے نجومیوں سے پوچھا کہ اگر تم اس غلام کو جو میرے بیٹے کو سلطنت سے محروم کریگا دیکھو گے تو پہچان لوگے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اُسکی ایسی علامتیں ہم جانتے

ہیں کہ دیکھتے ہی پہچان لینگے پس سلطان نے حکم دیا کہ میرے سامنے غلام نجومیوں کے معائنہ کے لیے روبرو لائیں
اُنکے سامنے جماعت وار ہر قسم کے غلام پیش ہوئے نجومی دیکھتے جاتے تھے کہ آیا یہ وہ نہیں ہے۔ جب وقت
دیر ہوئی تو سقوں کو بھوک لگی انھوں نے کچھ درہم جمع کیے اور بلبن کو جو اُن سب میں زیادہ حقیر تھا دیے کہ بازار سے
کچھ کھانے کو لائے۔ وہ جس بازار میں گیا اُس میں کھانے کو ملا نہیں تو دوسرے بازار میں گیا۔ وہ ابھی
آیا نہ تھا کہ سقوں کی جماعت کے معائنہ کی نوبت آگئی وہ موجود نہ تھا ایک لڑکے کو اُسکی جگہ مشک ڈال
دیکر سامنے پیش کر دیا کہ یہی بلبن ہے۔ پس نجومیوں کا معائنہ ختم ہو گیا اور انھوں نے اپنی صورت مطلوبہ کو نہ دیکھا۔ بلبن بعد
معائنہ کے آیا کیونکہ خدا کو تو اُسکو بادشاہ کرنا منظور تھا۔

ذکر بادشاہی سلطان معز الدین کیقباد بن ناصر الدین بغرا خان بن سلطان غیاث الدین بلبن

کیقباد ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں تخت سلطنت پر بیٹھا معز الدین اُسکا لقب ہوا۔ اُسکی عمر سترہ اٹھارہ برس کی تھی۔ وہ نجیب
الطرفین تھا۔ اُسکا نانا ناصر الدین محمود تھا اور دادا سلطان بلبن تھا۔ اُسنے غیاث الدین بلبن جیسے نیک سیرت
دادا کے گھر میں پرورش و تعلیم پائی تھی۔ اُسکی تعلیم کے واسطے معلم و مؤدب و اتالیق جید اور درشت خو رکھے
گئے تھے کہ انھوں نے بدکاروں کا پرچھاواں بھی اُسپر نہیں پڑنے دیا تھا اور کسی بدی کو پاس نہیں آنے دیا تھا۔ اس
تعلیم کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ نوجوان سنجیدہ مزاج اور خوش اخلاق تھا اور نظم سے طبیعت مناسبت رکھتا تھا۔ سوائے
اسکے خوبصورت بہت تھا۔ مکتب سے اٹھا تھا کہ تخت سلطنت پر بیٹھا اور اُسکو وہ سلطنت ملی جو اور دلوں کو برسوں
کی جانکاہی سے حاصل ہوتی ہے پس وہ دفعتہً عیش و عشرت میں ڈوب گیا۔ سلطنت کا اختیار کیا ملا خود
بے اختیار ہو گیا۔ جوانی کے نشہ میں سرشار ہو گیا۔ جو لکھنا پڑھنا سیکھا تھا سب بالائے طاق رکھا۔ جس [illegible]
دادا نے برسوں کی تلاش کے بعد عالم فاضل مدبر منتظم ملازم جمع کیے تھے۔ اُس میں پوتے نے دُھوم دُھام
کر دیئے مسخرے بھانڈ جمع کیے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ امیروں نے بھی دیکھا دیکھی بادشاہ
کا سا ہی ڈھنگ اختیار کیے۔ ہر کوچہ پر پتوں کا اکھاڑا تھا جس گھر میں سنو ڈھولکی تانوں کا شور تھا۔ اور ساغر و مینا
شیشے کا دور تھا۔ ہر خورد و بزرگ پیر و جوان عالم و جاہل عاقل و ابلہ ہندو مسلمان کو عیش و طرب کا شوق تھا
کیقباد نے شہر کی سکونت چھوڑ دی تھی کیلوکھڑی میں ایک محل اور باغ بے نظیر بنایا تھا وہیں سامنے جلسے
اٹھتے تھے۔ اس محل کے قریب امرا نے بھی اپنے عالیشان مکانات بنا لیے تھے کیلوکھڑی خوب آباد ہو گئی
تھی۔ خانقاہیں بے شمار مسجدیں نمازیوں سے خالی تھیں گو شراب خانے معمور تھے تسبیح سستی تھی کیں

شراب کی قیمت دس گنی ہوگئی تھی۔ کہیں خوف وفکر کا نام نہ تھا مسرت مدام سے کام تھا۔ ہر گلی کوچہ میں دولت پڑی لٹتی تھی۔ خمّاروں حسینوں کی ہمیانیاں پر تھیں۔ بادشاہ کا تو یہ حال تھا کہ رات دن عیش وعشرت میں ڈوبا ہوا تھا اُسپر طرہ یہ تھا کہ وزیر اُسکا ملک الامرا فخر الدین کا برادرزادہ اور داماد ملک نظام الدین تھا۔ ظاہر میں تو وہ داد بک تھا مگر حقیقت میں نائب بادشاہ تھا سارا ملک داری کا انتظام اُسکے ہاتھ میں تھا۔ ملک قوام الدین کہ بڑا ادیب کامل تھا وہ عمدۃ الملک و نائب وکیلدار تھا۔ نظام الدین گو منتظم و رائے زن تھا مگر مکار بڑا تھا۔ اُس نے تمام اور لائق ارکین سلطنت کو پراگندہ اور پریشان کر رکھا تھا باہر وہ مختار تھا۔ گھر میں اسکی بیوی کہ ملک الامراء کی بیٹی تھی بالکل مختار اور حاکم تھی۔ سلطان کیقباد کی منہ بولی ماں بنی ہوئی تھی۔ نظام الملک کو یہ خبط اُچھلا کہ بادشاہ بنیے۔ اور یہ سوچا کہ سلطان بلبن کہ ایک پیر گرگ کہن تھا اور ساٹھ سال میں اُس نے سلطنت کو اپنی مٹھی میں لیا تھا وہ اب دنیا میں موجود نہیں ہے اور اُسکا بیٹا جو جہانداری کے قابل تھا وہ باپ کی زندگی میں دنیا سے رخصت ہوا۔ بغرا خاں لکھنوتی میں پڑا ہوا ہے۔ کیقباد روز بروز بدمست ہوتا جاتا ہے اسلیے سلطنت کی بنیاد سست ہوتی جاتی ہے۔ البتہ اگر کوئی ہے تو کیخسرو ہے اس کا علاج کرنا چاہیے اور اس کانٹے کو نکالنا چاہیے پھر سلطنت کا ہاتھ آنا اور کیقباد کا کام تمام کرنا کیا بڑی بات ہے اس اپنے منصوبے کے پورا کرنے کے لیے اُسنے کیقباد کو سمجھایا کہ کیخسرو آپکا برابر کا دعویدار سلطنت ہے اور اوصاف بادشاہی سے متصف ہے اور اُسکی جانب لوگ کو بڑی رغبت ہے اور وہ جانتے ہیں کہ سلطان بلبن نے اُسکو اپنا ولیعہد مقرر کیا تھا کسی روز اگر اُسکو قابو لگیا تو یہ تخت پھر نصیب نہو گا۔ اسلیے مصلحت ملکی یہی ہے کہ اُسکو ملتان سے بلوا لیجیے اور راہ ہی میں اُسکا کام تمام کیجیے۔ کیقباد نے نشہ کی حالت میں کیخسرو کے بلانے پیغام بھجوا دیا اور راہ میں جاسوسوں کو متعین کر کے اُسکے قتل کے لیے حکم بھجوا دیا کیخسرو راہ ہی میں تھا کہ اُن عزرائیلوں نے رہتک میں اُسکی جان نکال لی۔ اس سے امرائے میں ایک تہلکہ پڑ گیا۔ کیقباد کے وزیر خواجہ خطیر کو ایک بہانہ کھڑا کر کے ایک گدھے پر سوار کر کے سارے شہر میں پھرایا۔ ایکدن خلوت میں کیقباد سے کہدیا کہ نومسلم مغل جو حضور کے انیس اور جلیس و مقرب ہو رہے ہیں اپنی قوم کے لشکروں کو بلا رہے ہیں اور اپنے گھروں پر مشورہ کر رہے ہیں کہ ایکدن محل میں گھسکر حضور کا کام تمام کریں چند روز بعد سلطان سے اُنکے قتل کا بھی حکم لے لیا اور ایکدن کوشک میں اکثر کو گرفتار کر کے قتل کیا اور جمنا میں بہا دیا سارا گھر بار اُنکا غارت کیا۔ اور مولا زادوں کو جو سلطان بلبن کے عہد میں ملوک اعظم تھے اُن مغلوں کے ساتھ سازش رکھنے کا الزام لگا کر دور دور حصاروں میں بھجوا دیا۔ ملک شاہک امیر ملتان اور ملک توزکے

حاکم برن کو جھوٹا الزام لگا کے ٹھکانے لگا دیا۔ غرض اُس نے کیقباد کو ایسا تسخیر کیا کہ کوئی شخص اُسکی شکایت کرتا تو اُسکو وزیر سے بیان کرکے اُس شخص کو اُسکے حوالہ کرتا تاکہ اُسکو سزا دے کہ وہ ہم اور تم میں تفرقہ ڈالنا چاہتا تھا۔

نظام الدین کو اُسکا خسر ملک الامرا فخر الدین جسکی عمر نوّے برس کی تھی خلوت میں بلاتا اور سمجھاتا کہ تو کیا غضب کرتا ہی کہ ارکان دولت کو قتل کراتا ہی اور اپنا دشمن بناتا ہی۔ تجھے جو بادشاہی کا سودا ہوا ہی اُسے دماغ سے نکال۔ ہماری بادشاہی یہی ہی کہ ہم کوتوالی کے درجہ اعلےٰ پر پہنچے ہیں، ہمکو بادشاہی سے کیا نسبت ہی۔ بادشاہی اُن ہی صف شکن صف دَر دلاوروں کو زیبا ہی کہ ایک لحظہ میں وہ لشکروں کو زیر و زبر کرتے ہیں۔ تجھے نہ گھوڑا دوڑانا آتا ہی نہ نیزہ چلانا۔ لڑائی کی صورت کبھی نہیں دیکھی۔ کسی بقال کی پیاز کی گٹھی نہیں کاٹ سکتا۔ کسی شتال پر ڈھیلہ نہیں لگا سکتا۔ اسلئے تجھے بادشاہی کی تمنا عجیب مالیخولیا ہی۔ بادشاہ کے مقرب بننے سے جو بادشاہ بننے کا خیال تجھے پیدا ہوا ہی اگر تو اُسے دل سے دور نہیں کریگا تو ہمارے سارے خاندان پر تباہی لائیگا۔ بیت

اے روبہک چرا نہ نشینی بجائے خویش ⁂ با شیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

یہ جو ظاہری امارت کا ٹھاٹھ بنا رکھا ہی اُس سے کچھ کام نہیں چلتا ؎ صورت مرداں طلب کن اندر میدان وراہ نقش بر ایواں چہ سود از رستم و اسفندیار۔ میں نے مانا کہ تو اس بدہوش و بدمست بادشاہ کو کسی حرامزادے سے قتل کرادیگا تو کیا تجھے بادشاہی حاصل ہوگی؟ ہرگز نہیں۔ قیامت تک نکوامی کا داغ خاندان پر رہیگا۔ ہرچند خسر نے داماد کو براہین عقلیہ سے سمجھایا کہ وہ اپنے خیال فاسد کو سر سے نکالکر دور کرے مگر بادشاہی کی محبت نے اُسکے کان بہرے اور آنکھیں اندھی کر رکھی تھیں۔ اس کوتہ اندیش خام طمع نے جواب میں کہا کہ جو کچھ ملک نے فرمایا سب صواب و درست ہی اور اُسکے خلاف خطا لیکن اب تو میں نے خلق کو اپنا دشمن بنالیا سب جانتے ہیں کہ میں کیا کر رہا ہوں اگر اسے میں چھوڑ دونگا تو آدمی مجھے کب چھوڑینگے۔ غرض ملک الامرا نے اُسکو یہ لعنت ملامت کی۔ اور اُس سے بیزار ہوگیا۔ معارف و اکابر کو یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے کوتوال کی عاقبت اندیشی و سلامت جوئی کی تحسین کی۔ نظام تخت شاہی پر ایسی شطرنج کی چالیں چل رہا تھا کہ وہ چلیوں سے مات کھائے اور اُنکے ہاتھ بادشاہ آئے۔ جب کیقباد دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ تو اُسکے باپ بغراخاں نے اپنا خطاب سلطان ناصر الدین رکھا اور لکھنوتی میں سکہ اور خطبہ اپنے نام کا دُرج کیا۔ باپ بیٹوں میں مراسلت جاری تھی۔ باپ بیٹے پاس اور بیٹا باپ پاس قاصد و تحفہ تحائف بھیجتا۔ جب باپ کو یہاں کا سارا حال معلوم ہوا کہ بیٹا عیش میں ڈوبا ہوا اور نظام الدین اُسکے مارنے کی گھات میں بیٹھا ہوا ہی۔ اور دہلی کی سلطنت لینے کے لیے آمادہ ہو رہا ہی تو باپ نے بیٹے کو مکتوبات نصائح

ومو عظا آمیز لکھے - اور نظام الدین کا حال رمز و کنایہ میں بیان کیا - مگر یہاں جوانی کی مستی بادشاہی کی مستی شعرا کی مستی - اتنی مستیاں کب باپ کی نصائح پر کان لگانے دیتی تھیں - اس نے نظام الدین کے قدر جانے کے ارادہ پر ذرا التفات نہ کی - اور اپنے عیش و عشرت کو نہ چھوڑا - جب بادشاہ نے دیکھا کہ میرے پند و نصائح کا اثر کچھ نہیں ہوتا تو اُسنے ملاقات کا ارادہ کیا کہ جو کچھ سمجھانا ہو وہ رو برو سمجھائے اور آخر کو خط میں لکھا کہ اے فرزند تو بادشاہ ہے اور عیش و طرب کو ہاتھ سے نہیں دیتا میرے دیدار کو غنیمت سمجھ مجھے تیرے ملنے کا شوق ایسا ہو گیا کہ بغیر ملے نہیں رہ سکتا - یہ شعر آخر میں لکھا تھا بیت

گرچہ فردوس مقام خوش است

ہیچ بہ از دولت دیدار نیست

جب کے قباد نے باپ کا یہ خط محبت آمیز پڑھا تو اُس کو بھی باپ کے دیدار کا شوق پیدا آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے - باپ پاس قاصد بھیجکر یہ امر قرار دیا کہ باپ لکھنوتی سے اودہ میں آئے اور بیٹا دہلی سے اودہ میں جائے - اور سرجو (گھاگرہ) کے کنارے دن پر ملاقات ہو کیقباد کا ارادہ تھا کہ جریدہ باپ کی ملاقات کو جائے مگر نظام الدین نے عرض کیا کہ دہلی سے اودہ بہت دور ہے جریدہ جانا مصلحت سے دور ہے لشکر اور جلوس شاہی کے ساتھ جانا مناسب ہے سلطنت کے معاملہ میں پدری اور پسری کا کیا ذکر ہے الملک عقیم سے مراد یہی ہے کہ سلطنت میں رشتہ پدر و پسر نہیں ہے ہوا و ملک کے غلبہ سے باپ بیٹے کو مارتا ہے اور بیٹا باپ کو - ملک داری میں شفقت پدری و پسری باقی نہیں رہتی - ہر مذہب کے بادشاہوں میں بیٹے نے باپ کو مارا ہے اور باپ نے بیٹے کو - آپکا باپ اصلی وارث ملک ہے صاحب خطبہ و سکہ ہے - کون جانتا ہے کہ ملاقات میں کیا پیش آئے - غرض ایسی ایسی پٹیاں پڑھا کر لشکر سمیت دہلی سے اودہ کو روانہ کیا - جب باپ کو خبر ہوئی کہ نظام الدین کے سمجھانے سے بیٹا لشکر سمیت آتا ہے تو وہ بھی لکھنوتی سے لشکر و ہاتھی لے کر روانہ ہوا - گھاگرہ (سرجو یا سرو) کے ایک طرف باپ کا لشکر اور دوسری طرف بیٹے کا لشکر آمنے سامنے ایسا پڑا کہ ایک کو دوسرے کے خیمے نظر آتے تھے - دو تین روز تک پیراتے نمک حلال ادہر ادہر دوڑتے پھرتے تھے - باپ بیٹوں کے پیغام لاتے اور لیجاتے تھے - باپ کا دل خیرہ سکا اور خون نے جوش کھایا جو تھے روز خط لکھا کہ بیٹا میں فقط تمہارے دیدار کا شائق ہوں مجھ کو سلطنت اور تاجداری کا دعویٰ دل میں نہیں ہو سکتا

اب لکو فراق کی تاب نہین خدا کیواسطے مجھپر رحم کرو صورت دکھا دو یوسف کیطرح یعقوب کی آنکھونکو روشن کرو نہین رہی تنہا سلطنت
کیسے بار ہین عیش و طرب مین خلل انداز ہوگا باپکا یہ خط پڑھکر کیقباد بھی چشم پرآب ہوا اور بیقرار ہوگیا اور ارادہ کیا کہ باپ سے
جا کر پہلے مل آؤن مگر نظام الدین نے بہت سے مین رخنہ ڈالا اور بولا کہ آپ بادشاہ ہین اب بادشاہی مانع ہے کہ آپ باپ سے
ملنے جائین بلکہ مناسب ہے کہ بیٹا تخت سلطنت پر جلوس کرے اور باپ آکر ادب مجرا بجالاے مین اس نے یہ پیچ کہا تھا
کہ باپ بیٹونکی ملاقات صاف دلی سے نہونے پاوے آخر آداب بار ایسے مقرر کئے کہ انکے بجالانے مین بغراخان
کو ایکطرحکی ذلت اٹھانی پڑے۔ ناصر الدین نے ان سب باتونکو قبول کیا اور کہا کہ مجھے بیٹے کی خدمت کرنے مین کلفت
نہین ہے اگرچہ وہ بیٹا ہے مگر اب میرے باپ کا جانشین دہلی کے تختگاہ پر بیٹھا ہے مین دہلی کے تخت کی تعظیم دل سے
کرتا ہون باپ کی نصیحت مجھے یاد ہے کہ دہلی کے بادشاہ کی تعظیم ہمیشہ کرنا۔ اگر مین اپنے بیٹے کی خدمت نہ بجالاؤنگا
تو دہلی کے تخت کی اہانت ہوگی غرض ناصر الدین بیٹے کے دربار مین آیا چوبدار نے آواز دی کہ بغراخان نگاہ روبرو جہان
پناہ سلامت دوسرا چوبدار پکارا کہ لکھنوتی کے گناہگار کو امان امان تین دفعہ باپ کو سجدہ زمین بوس کرنا پڑا۔ مگر اس
نافہم بیٹے نے باپ کو اس حال مین دیکھا اور تخت پر بت کیطرح بیٹھا رہا۔ اس حرکت ناشایستہ کو دیکھکر باپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ بیٹے
رونا اپنا اثر کر گیا۔ دیکھتے ہی بیٹا تخت سے اتر پڑا اور روتا ہوا باپ کے پاؤن مین گر پڑا۔ باپ نے بیٹے کا سر اٹھا کر گلے لگایا دونون
گلے ملکر دیر تک روتے رہے اس حال کو دیکھکر اہل دربار کے دل برسون سے بھرے ہوئے تھے زار زار رونے لگے۔ بعد ازان کیقباد نے باپ
کا ہاتھ پکڑکر تخت پر بٹھایا آپ دست بستہ سر جھکا کر کھڑا ہوا پھر باپ نے اسکو تخت پر بٹھا دیا اور آپ دست بستہ سامنے ہو بیٹھا غرض ان
دونون مین ایسی محبانہ ملاقاتین ہوئین کہ لڑائی بھڑائی کا گمان بھی باقی نرہا بہت کچھ روپیہ صدقہ و خیرات ہوا شعرا نے قصیدے
پڑھے مطربون نے سرود گایا غرض خوشی کے سارے سامان جو اس زمانہ مین ہوتی ہین وہ ہوئین نصیر الدین ٹھہکر اپنے لشکر کو گیا
طرفین سے تحفے تحائف آتے جاتے دونون لشکرونکو حکم ہوگیا کہ آپس مین آمد و رفت دوستانہ باتین کرین جھگڑا نہ کرین باپ
کسی دن تک بیٹے کے گھر آیا قران السعدین مین ان ملاقاتونکا حال حضرت امیر خسرو نے بہت خوب بیان کیا ہے ان کے بیان سے معلوم
ہوتا ہے کہ باپ لکھنوتی سے دہلی کے لینے کیلئے چلا تھا جب وقت وداع نزدیک ہوا تو سلطان ناصر الدین نے بیٹے سے کہا کہ حکما نے
کہا ہے کہ اگر بادشاہ پاس مال و متاع خزانہ مین نہو کہ دشمنونکے غلبہ کی صورت مین وہ اپنے لشکر کی مدد نکر سکے اور بادشاہ
قحط مین رعایا کی دستگیری نکر سکے تو اسکو بادشاہ کہنا سزاوار نہین ہے چند نصیحتین بھی جو سلطنت سے متعلق ہین تجکو
کرنی چاہتا ہون کیقباد نے کہا کہ آپکی مہربانی اور غمخواری غفلت سے بیدار کرتی ہے بادشاہ جو کچھ میرے لئے صلاح
جانے بیشتر کہے مین انکو اپنا دستور العمل بناؤنگا اور اسکے برخلاف عمل نہین کرونگا بیٹے کے اس کہنے پر محبت پدری
کا جوش اٹھا اور یہ کہا کہ مین نے بڑھاپے مین اتنا سفر دور دراز اسلئے اختیار کیا ہے کہ مین تجھے خواب غفلت سے جو جوانی و
دولت کو لازم ہے بیدار کرون اور شرائط موعظت اور مصلحت کو بجا لاؤن پس خلوت مین ملک نظام الدین اور ملک
قوام الدین کو بلایا اور شفقت اور محبت کے سبب سے یہ کہنے لگا کہ بیٹا جب مین نے سنا کہ تو تخت دہلی پر بیٹھا تو مین بہت

خوش ہوا اور مین سمجھا کہ ملک دہلی مجھے ہی ملا۔ مگر جب مین نے تیری غفلت اور بیخبری کا حال سنا تو مجھے حیرت ہوئی
کہ ایک دن تو کیونکر زندہ رہا دو سال سے مین اپنی اور تیری تعزیت کر رہا ہون اور ملک دہلی اور لکھنوتی کو معرض زوال مین
دیکھتا ہون خصوصًا اس وقت سے کہ مین نے یہ سنا ہی کہ میرے باپ کے غلامون کو کہ انکے پروردہ نعمت تھے اور مخلص اور خیرخواہ تیرے
تھے تو نے قتل کیا انکے قتل ہو جانے سے تیرا اعتماد کچھ نہیں رہا۔ اب مجھے ملک باقی رہنے کی توقع نہیں ہی اسے پھر جو کچھ مین کہتا ہون
اور سنتا ہون تو نہیں دیکھتا اور سنتا یہ سوچ کہ میرا بڑا بھائی جو جہانداری کے لائق تھا باپ کی زندگی مین شہید ہوا اور
اسکا بیٹا خالی سنہ سلطنت اور قوت بازو تیرا تھا اور دولت خواہ ہونے کے باعث تو نے اسکو مار ڈالا یہی تجکو بھی ایک دن قتل
کر ڈالینگے ملک دہلی کسی بیدل کے ہاتھ مین آئیگا جو ہمارا نام کو دنیا مین باقی نہیں رکھے گا اگر تجکو اپنے حال پر رحم نہیں آتا
تو اپنے خاندان اور اولاد و اتباع پر رحم کر اپنے تئین لہو و لعب مین نہ ڈال اور اپنا غمخوار جان یہ چند نصیحت کرتا ہون۔
اول نصیحت اپنی جان پر رحم کر اور اپنے نفس کا معالجہ کر اپنے چہرہ کو دیکھ کہ کیا تیرا رنگ گل سے زیادہ سرخ و سپید تھا اب
ہلدی کا سا رنگ زرد ہو رہا ہی افراط شہوت سے ضعیف و زار ہو گیا ہی اب اس سے باز رہ اور سمجھ لے کہ اپنے تئین نہ بچا
جب جان پر آبنے گی تو کیا لذت ہوگی۔ امیر خسرو صاحب کا ارشاد ہے قطعہ

نشاید بادشہ را مستی از جان شبان چون شد خراب از بادہ ناب	نہ در عشق و ہوس ہوشیت بود رمہ بیچارہ گرگان کند خواب	بود ہشیار پاسبان خلق بکوشید در آئینہ کہ ہم ملکانہ است	خطا باشد کہ باشد پاسبان مست شبانرا کار با در ہوشیاری است

غرض سلطنت کو اور اپنی جان کو عزیز رکھ۔ دوسری نصیحت یہ ہے کہ غلام کی مراد اسکے قتل سے احتراز کیا کہ تیرا اعتماد اعوان و انصار
کے قتل مین زائل ہو جاتا ہی دو آدمی ملک نظام الدین اور ملک قوام الدین جو حاضر ہین دیکھنا کا اور صاحب تجربہ پیر ہو گئے ہو دو
اور شخص جو انکے مثل ہون انکو اپنا شریک کر اور ان چار کو چار رکن دولت تصور کر جو کام تجھے پیش آئے انکے صلاح و مشورہ کے
اتفاق سے کر۔ ایک کو دیوان وزارت بنا۔ دوسرے کو دیوان رسالت تیسرے کو دیوان عرض۔ چوتھے کو دیوان انشا دے
چاروں کو قوت و اختیار مین برابر رکھ اگرچہ مرتبہ انکے باعتبار اعمال کے متفاوت ہین مگر انمین سے کسیکو ایسا اختیار نہ دے کہ وہ سرکشی کرے
بیت مگر بخت خسپیدہ بیدار نیست ؛ دگرنہ چنین کار دشوار نیست ؛ تیسری نصیحت اسرار ملکی مین سے جس مخفی
راز کا انکشاف منظور ہو تو چار دن کے سامنے کر اور ایک کو اپنا محرم راز ایسا نہ بنا کہ اور لوگ محروم ہون چوتھی نصیحت نماز
کا پابند ہو ان کاموں کو چھوڑ دینے سے دین و دنیا دونون خراب ہوتے ہین مین نے سنا ہی کہ علماء مین سے کسی حیلہ کرنے کے خوشامد
کے واسطے روزہ نرکھنے کی اجازت دیدی ہی کہ اسکے عوض کسی بردہ کو آزاد کر دے یا ساٹھ مسکینون کو کھانا کھلاوے۔ اس قسم کے علماء
قول و فعل پر ہرگز یقین نہ رکھ اور مسئلہ دین کسی طامع و حریص علماء سے نہ پوچھ دنیا انکا معبود ہی بلکہ تارک الدنیا علماء سے مسئلہ دین
پوچھنا چاہیے یہ نصیحتیں کرکے زار زار رویا اور بیٹے کو گلے لگا کر رخصت کیا اور اسکے کان مین چپکے سے کہدیا کہ ملک
نظام الدین کو جلد ہٹا دینا نہیں تو تجھے ایک دن مین نہیں بلکہ ایک گھڑی مین زندہ نہیں رکھیگا اس نصیحت میں سے اگر پانچ
حیث تو پایگا ایسا ڈنکا بجیگا کہ تو پانی نہ مانگیگا یہ شعر کئی دفعہ پڑھا شعر گذارنا نگہم چون ابر نوبہاران ؛ کہ از سنگ گریہ خیزد روز وداع یاران

جلد نا

غرض جس وقت یہ باپ بیٹا آپس میں رخصت ہوئے عجب عالم تھا سب طرف گریہ و زاری و افغان تھا باپ نے بیٹے کو ایسا
رلایا کہ ایسا کبھی نہیں کہا یا۔ وہ بیٹے کو اور سلطنت دہلی کو تقدیر کے حوالہ کر کے بنگالہ کو روانہ ہوا اور بیٹا دہلی کو چلا چند روز
باپ کی نصیحتوں پر اور شرم و حیا سے عیش و نشاط سے باز رہا لیکن اس بادشاہ کے عیش کی شہرت چاروں طرف ایسی ہو رہی تھی
کہ حسین عورتیں اور لڑکے طائفے کے طائفے چلے آتے تھے اور آراستہ و پیراستہ کر کے اپنے تئیں اسکو دکھاتے تھے سلطان اس طائفہ کی صحبت
کا دل و جان سے مشتاق تھا۔ اس عاشق مزاج کو ایک پری زاد نے اپنے عشق میں مجنون بنایا اور حافظ شیراز کے اشعار سے وہ عشقبازی کی
پند و نصائح سنائیں کہ وہ سب اپنے باپ کی نصیحتوں کو بھول گیا دہلی میں آیا تو پھر وہی گلشن تھے وہی جشن تھے۔ اب اس شہوتبازی
اور میخواری نے نہایت ضعیف و نزار کر دیا تھا اس اثنا میں باپ کی نصیحت یاد آئی کہ نظام الدین کا قصہ پاک کرنا چاہیے
اُس سے کہا کہ تو ملتان جا اس سے وہ بادشاہ کا ارادہ سمجھ گیا چاہیے عذر کیا جب مقربوں نے دیکھا کہ بادشاہ کا دل اس سے
پھر گیا ہے تو کیا تھا وہ تو ہمیشہ اُسکی ہلاکت کے درپے رہتے تھے۔ نظام الدین کو زہر دیکر مار ڈالا۔ بادشاہ نے جو چال زہر
سے کھیلی تھی اسی چال سے وزیر کو موت کا مزا چکھایا۔ ملک جلال الدین فیروز بن ملک یغرش خلجی کو نائب سامانہ اور میر
جامدار تھا بلایا اور شائستہ خان کا خطاب دیا اور عارض ممالک مقرر کیا اور اقطاع برن اُسکو حوالہ کیں بادشاہ کا مزاج
ایسا بگڑ گیا تھا کہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ لقوہ و فالج میں مبتلا اور صاحب فراش ہوا ہاتھ پاؤں رہ گئے اور کسی قابل نہیں رہا۔ ترک امرا
شوکت ترکی ہر سر میں سودا سلطنت پیدا ہوا اور ہر کمین عماد شہر یاری پیدا ہوئی فوراً کیقباد کے بیٹے کیومرث کو حرم سے
باہر نکال کر تخت پر بٹھایا اور بادشاہ شمس الدین کا خطاب دیا اسکی عمر اسوقت تین سال کی تھی۔ امرا دو فریق ہو گئے ایک فرقہ خلجی نکلا تھا
یہ سب ملک جلال الدین کے ہمراہ بہادر پور یا بہار پور میں آ گئے اور دوسرا فرقہ ترکوں کا تھا وہ کیومرث کو ہمراہ لیکر چبوترہ ناصری
پر جمع ہوا اس فرقہ کے سردار ملک ایتمر کچھن اور ملک ایتمر سرخہ تھے بادشاہ بیمار کیلوکھڑی میں پڑا تھا ایک ہنگامہ خلجیوں اور ترکوں میں بپا
تھا۔ ترکی فرقہ کہتا تھا کہ کیومرث کے ہمراہ ہی ملک جلال الدین اور سارا امرا خلجی کو جو اصل میں ترک نہیں ہیں مستاصل کر کے مہمات
سلطنت کو ہم ترک اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور کسی بیگانہ کو دخل نہیں دینے دیں گے جب ملک جلال الدین کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اور ملوک
خلجی کو اور بعض امرا کو اپنے ساتھ شریک کیا ملک جلال الدین پاس ملک ایتمر کچھن اس لئے گیا کہ اسکو فریب دیکر بہادر پور سے لاوے
مگر ملک جلال الدین اسکے ارادہ سے واقف تھا جونہی وہ گھوڑے پر سے اترا اسکو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ نظم: سرش چون
جدا شد ز تن ✿ خروشے بر آمد از آن انجمن ✿ بلے ہر کہ با چاہ بہر کسی بکند ✿ ہم او را قضا اندران چہ فگند ✿ ملک کے
بیٹے جو بڑے جوانمرد اور دلیر تھے وہ پانچ سو سوار لیکر کیومرث کے لشکر میں گھس گئے اور ترکوں کو گھیر لیا اور نہایت چستی اور چالاکی
سے شاہ شمس الدین کو تخت سے اتار لیا اور ملک الامرا فخر الدین کے بیٹوں کو گرفتار کر کے باپ پاس لے آئے۔ ملک ایتمر سرخہ نے جو
تعاقب کیا تو اسے لڑ کر مار ڈالا شہر کے آدمیوں نے بادشاہ شمس الدین کو چھڑا لینے کا قصد کیا اور ملک جلال الدین پر حملہ
کرنا چاہا تو ملک الامرا فخر الدین کوتوال نے اس سبب سے کہ اسکے بیٹے خلجیوں کے ہاتھ میں گرفتار تھے انکو الٹا شہر کو پھیر دیا اسی روز
اکثر امرا اور ملوک نے ملک جلال الدین فیروز خلجی سے بیعت کی جس ترک کو کیقباد نے قتل کیا تھا اسکے لڑکے کو کیلوکھڑی میں

پہونچا دیا۔ کیقباد مردہ سی بیتر لحاف توشک مین لپٹا ہوا پڑا تہا وہان مردمی پر سود رستے ہونے کہان ترک زادون نے لات گہونسو
سے دم نکالکر جمنا مین ڈالدیا۔ اُسکی سلطنت کی مدت تین سال اور کئی ماہ تہی - ابن بطوطہ نے لکہا ہے کہ ایک شخص نے اپنی آنکہون کیا
حال بیان کیا ہے کہ بہوک کے مارے سلطان معز الدین کا بُرا حال تہا اُسکے ہمسایہ کچہ کہانا بہیجتے تہے اُس مین سے بہیجا گوشت ذبح اُس کا نیکو
اُس تک نہ پہونچنے دیا سوا اسکے اس بادشاہ کا حال اسطرح لکہتا ہے کہ جسوقت کہ سلطان غیاث الدین مرا اُسنے کیخسرو کو اپنا
قائم مقام مقرر کیا اُسکا بیٹا ناصر الدین موجود تہا ملک الامرا نائب سلطنت سلطان غیاث الدین کیخسرو کا دشمن تہا اُسنے
ایک حیلہ بنایا کہ امرا کیطرف سے ایک جعلی تحریر بنائی جس مین سلطان بلبن کے پوتے معز الدین کی بیعت سب امرا کیطرف سے
لکہی ہوئی تہی وہ کیخسرو کو دکہائی اور اُسکو نصیحت کی کہ امرا نے تیرے چچا کے بیٹے کیقباد کی بیعت کی ہے مجہے خوف ہے کہ وہ سب
تیری مخالفت کے درپے ہونگے کیخسرو نے پوچہا کہ اب میرا چارہ کس حیلے سے ہو سکتا ہے تو اُسنے یہ بتلایا کہ تو خود سندہ کو بہاگ جا
اُسنے کہا کہ مین کیسے بہاگ سکتا ہون تمام دروازے بند ہین تو امیر نے کہا کہ دروازون کی کنجیان میرے پاس ہین مین دروازہ
کہولدونگا کیخسرو نے اُسکا شکریہ ادا کیا اور ہاتہہ پر بوسہ دیا پہر امیر نے کہا کہ ابہی تو گہوڑے پر سوار ہو کر چلا جا وہ اُسیوقت
معہ اپنے ممالیک کے گہوڑے پر سوار ہوا۔ دروازہ کہولکر اُسے باہر جانے دیا اور دروازہ کو بند کرا دیا پہر ملک معز الدین
کے پاس امرا لیکے چلا کہ بیعت کی اور کیخسرو کو جس حال سے نکالا تہا اُسکو بیان کیا معز الدین نے اُنکا شکریہ ادا کیا دار الملک
مین لیا وہان سب امرا نے بیعت کی اور مستقل بادشاہ وہ ہو گیا معز الدین کا باپ لکہنوتی مین ملک بنگالہ مین
زندہ تہا اُس نے کہا کہ وارث سلطنت مین ہون باپ کے جیتے جی بیٹا کیسے وارث سلطنت ہو سکتا ہے لشکر تیار کرکے
دہلی کیطرف روانہ ہوا بیٹے نے بہی باپ کی مدافعت کیلئے لشکر تیار کیا گنگا کے ایک کنارہ پر باپ اور دوسرے کنارہ پر بیٹا
پہونچا دونون باپ بیٹے گنگا کے کنارہ پر آمنے سامنے آئے اور لڑنے کا ارادہ کیا مگر خدا کو منظور تہا کہ مسلمانون کا خون بچے
اسلئے ناصر الدین کے دل مین یہ القا کیا کہ اسکو بیٹے پر رحم آیا اور اُسنے کہا کہ میرے بیٹے کا بادشاہ ہونا میرے لئے شرف
کا سبب ہے اور میرا یہ چاہنا کہ بیٹا بادشاہ ہو بالکل حق ہے اور ایسے ہی خدا نے بیٹے کے دل مین القا کیا کہ اُسنے باپ کے سر نگون کر
مراجعت کرنی چاہی دونون باپ بیٹے کشتی مین تن تنہا بغیر لشکر کے سوار ہو کر دریا کے عین وسط مین ملے سلطان نے
باپ کے پاؤن چومے اور عذر کئے تو باپ نے بیٹے سے کہا کہ مین تجہے اپنی سلطنت دیتا ہون اور بیعت کرتا ہون
اور اپنے ملک کو مراجعت کرتا ہون پہر بیٹے نے باپ سے کہا کہ آپ میری سلطنت مین چلئے دونون باپ بیٹے چلے
اور محل مین داخل ہوئے اور باپ نے معز الدین کو تخت پر بٹہایا اور اُسکے سامنے خود کہڑا ہو۔ گنگا مین جو باپ بیٹون
کی ملاقات ہوئی اُسکا نام قران السعدین رکہا فقط

416

ج

تاریخ عہد سلطنت ملکہ معظمہ قیصر ہند - مؤلفہ جناب خان بہادر شمس العلما مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب مرحوم یہ تاریخ پانچ حصوں میں لکھی گئی ہے - (حصہ اوّل) بطور تمہید ۱۸۳۷ء تک لکھا ہے کہ انگلینڈ کو ہندوستان سے کس طرح تعلق پیدا ہوا اور انگریزوں نے فرانسیسیوں وغیرہ کو کیونکر نکالا ، اور اپنی فرماں روائی کا سلسلہ کس رخ جمایا -

(دوسرے حصے) میں ۱۸۳۷ء سے ۱۸۴۸ء تک کے حالات لکھے ہیں ، جس میں والیان ہند سے جنگ و پیکار میں برٹش گورنمنٹ کو فتح پانے کے حالات تفصیلی درج ہیں -

(تیسرے حصے) میں ۱۸۴۸ء سے ۱۹۰۱ء تک کے جسمیں حضرت علیا نے وفات پائی ، حالات لکھے ہیں اور واقعات عظیمہ ۱۸۵۷ء کے غدر و بغاوت کو بالتفصیل بیان کیا ہے ، دہلی کا بیان مؤلف نے اپنی چشم دید لکھا ہے -

(حصہ چہارم) میں اُن محاربات عظیمہ کا ذکر کیا گیا ہے جو انگلستان کے اور ملکوں سے یورپ ، ایشیا ، افریقہ میں سوائے ہندوستان کے ہوئے ہیں - جیسے جنگ کریمیا ، جنگ ٹرانسوال ، جنگ سوڈان ، مصر میں -

(پانچویں حصے) کا نام آئین قیصری ہے اس میں مفصلہ ذیل مضامین ہیں :-
ساری دنیا میں قیصر ہند کی سلطنت کہاں کہاں ہے ، ہند اور انگلینڈ میں گورنمنٹ کیونکر منتظم ہوئی ، وقتاً فوقتاً کیا کیا تبدیلیاں ہوئیں ، ہندوستان کیلئے قوانین کیونکر مدون ہوئے - عدالتیں کیونکر مقرر ہوئیں ، بحری بری حدود کس طرح مستحکم ہوئیں ، سپاہ کیونکر مرتب ہوئی وغیرہ وغیرہ تعداد صفحات (۲۱۳۰) قیمت ہر پنج حصص بلا جلد ۴؎ -

---

ملنے کا پتہ - آنریری منیجر بک ڈپو مدرسۃ العلوم علیگڑھ

(دیگر ہر قسم کی کتابوں کے لئے مفصل فہرست طلب فرمائیے جو بالکل مفت روانہ کی جاتی ہے)

بفضلِ خدا

انسٹیٹیوٹ پریس میں (جو سرسید علیہ الرحمۃ کا قائم کیا ہوا اور محمڈن کالج کی ملک ہونیکی وجہ سے حقیقی معنوں میں ایک قومی پریس ہے) لوہے اور پتھر دونوں قسم کے چھاپوں میں اُردو و انگریزی ہر قسم کا کام بہت صحت اور کفایت کے ساتھ ہوتا اور وقت پر دیا جاتا ہے۔ اہلِ ذوق و ضرورت کم از کم ایک بار ضرور امتحان فرمائیں۔ نرخ زبانی یا خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔

مطبع کو اس کے قدیم و اہلِ نظر سرپرستوں کی جانب سے جو اطمینان بخش اسناد حاصل ہوئی ہیں اُن کی نقل عند الطلب روانہ کی جا سکتی ہے۔

علیگڈھ انسٹیٹیوٹ گزٹ نامی ایک اخبار بھی اس پریس سے نکلتا ہے جو کالج کا سرکاری اخبار ہے اور جو سرسید علیہ الرحمۃ نے کالج کی بنا سے بھی قبل جاری کرنا شروع کیا تھا اور جس میں کالج کی خبروں کے علاوہ عام اور مفید و دلچسپ مضامین شائع ہوتے ہیں۔ **قیمت** سالانہ چار روپیہ ششماہی دو روپیہ آٹھ آنے۔ نمونہ مفت۔ اشتہارات کا نرخ زبانی یا خط و کتابت سے طے ہو سکتا ہے۔ ہر قسم کی خط و کتابت کے لیے پتہ:

منیجر صاحب انسٹیٹیوٹ پریس علی گڈھ